ابتدائی فقہ

از

مولانا مفتی تاج الدین میناٹی

○

مرکزی پبلشنگ کمپنی

۳ اردو بازار لاہور

اسلامی فِقہ

تقریباً دو ہزار مسائل کے شرعی جوابات

ہر مسلمان گھرانے کے لیے لازمی کتاب

اَز

مولانا منہاج الدین مینائی

ناشر

مکہ پبلشنگ کمپنی

۴۰۔ اردو بازار ○ لاہور

عبادات

طہارت

نماز

روزہ

زکوٰۃ

حج

قربانی
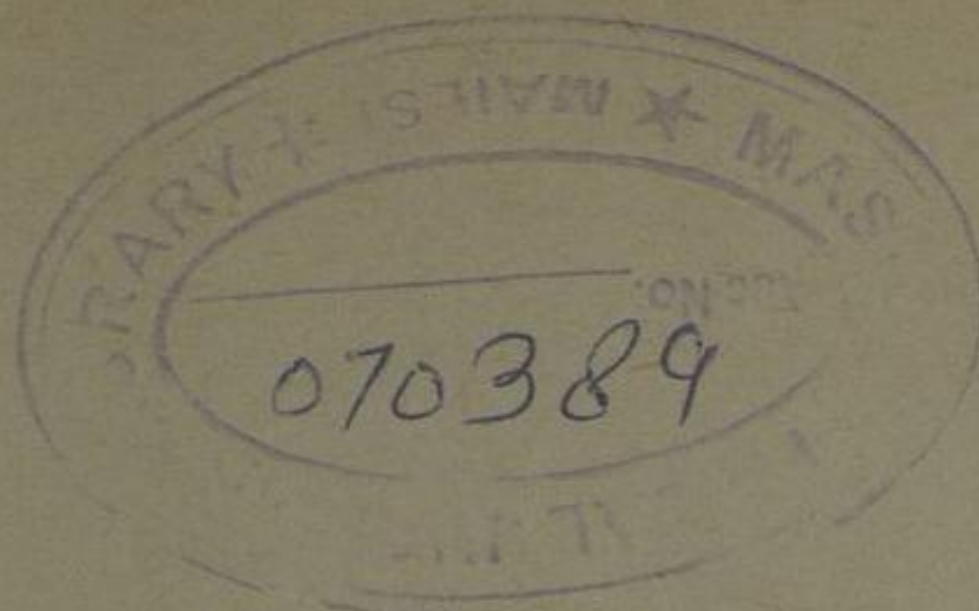
بسم اللہ الرحمن الرحیم
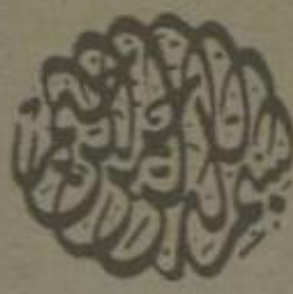
فقہ کے معنی

فقہ عربی زبان کا لفظ ہے اور علم کا مرادف ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم محض جاننے کو کہتے ہیں اور فقہ سمجھ بوجھ کر اور حقیقت سے پوری طرح واقف ہو کر جاننے کو کہتے ہیں لغت میں اَلفقہ کے معنی الحذق والفطنۃ اور فقیہ کے معنی شدید الفہم اور عالِم ذکی کے ہیں، فَقِہَ الکلامَ ایسے شخص کے لئے کہا جاتا ہے جس نے بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہو۔

علم فقہ

اسلامی شریعت کی اصطلاح میں علم الفقہ کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے "العلم بالاحکام الشرعیۃ العلمیۃ من اَدِلَّتِہَا التفصیلیَۃ" یعنی اَحکام دین کا تفصیلی علم حاصل کرنا اور اُن کی دلیلوں اور حکمتوں سے واقف ہونا۔ اِس علم کے ذریعے وہ قوانین اور ضابطے جو اللہ اور اُس کے رسول نے اللہ کے حقوق ادا کرنے اور صحیح طریقے سے اُس کی اطاعت کرنے کے مقرر فرمائے ہیں اور جو ہدایات اپنے نفس کا حق ادا کرنے، اپنے گھر والوں اور گھر سے باہر کے لوگوں کے حقوق ادا کرنے، اُن کے ساتھ معاملات کرنے اور آپس میں تعلقات قائم رکھنے کے لئے دی ہیں اور ان سب باتوں کے لئے جو آداب و شرائط مقرر کیے ہیں اُن کا تفصیلی علم حاصل ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر سارے انفرادی و اجتماعی معاملات سے متعلق قرآن و سنّت نے جو احکام دیئے ہیں اور اسلامی زندگی بسر کرنے کا جو ضابطہ ہمارے لئے منظور فرمایا ہے، اُسی کے جاننے کا نام علم فقہ ہے۔

محمد فاروق خاں صاحب

پیش لفظ

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ عقائد و نظریات اور عبادات سے لے کر زندگی کے اخلاقی و معاشرتی، اور معاشی و سیاسی اور تمدنی مسائل تک میں وہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن مجید نے زندگی کے لئے جن اصولوں اور قوانین کی تعلیم دی ہے، ان کی تفصیل و توضیح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد و عمل سے فرمائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی احکام کی توضیح بھی فرماتے تھے اور ان کی روشنی میں لوگوں کے سوالات کے جوابات بھی دیتے تھے۔ نزول احکام میں جو اصول کارفرما نظر آتا ہے وہ ہے قلتِ تکلیف اور عدم حرج کا لحاظ یعنی لوگوں پر کم سے کم بار ڈالا جائے اور زندگی میں تنگی کے بجائے کشادگی اور فراخی پیدا کی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعلیم تبیین میں اس کا لحاظ فرماتے تھے۔ قرآن مجید میں اس کی طرف واضح اشارے بھی کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:-

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ (الاعراف : ۱۵۷)

جو اُس رسولِ امی نبیؐ کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے یہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں، اور جو انھیں بھلائی کا حکم دیتا، اور بُرائی سے روکتا ہے، ان کے لئے اچھی پاکیزہ چیزوں کو حلال اور بُری ناپاک چیزوں کو حرام ٹھیراتا ہے، اور اُن پر سے اُن کے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو اَب تک اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔

صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے یا جس طرح آپؐ کو عمل کرتے دیکھتے اس کی پیروی کرتے۔ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل کم ہی دریافت کرتے۔ جن باتوں کی رہنمائی

کی انھیں ضرورت ہوتی خدا اور اس کا رسول خود ان میں ان کی رہنمائی فرما دیتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر صحابہؓ اجتہاد کے بھی مجاز تھے۔ اس کی اجازت خود رسولؐ خدا نے انھیں مرحمت فرمائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صحابہؓ میں تو اجتہاد کی ضرورت خاص طور سے پیش آنے لگی۔ صحابہ کے سامنے جب بھی کوئی مسئلہ آتا تو سب سے پہلے وہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ___ اگر کتاب اللہ میں ان کو اس سلسلہ میں کوئی حکم نہ ملتا تو وہ سنّت رسولؐ میں اس کو تلاش کرتے اور اگر سنّتِ رسولؐ میں بھی انھیں اس سلسلہ میں کوئی رہنمائی نہ ملتی تو وہ خود کتاب وسنّت کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرتے، پھر اگر کسی امر میں ان کے درمیان اتفاق ہو جاتا تو وہ اجماع شرعی حجت کی حیثیت اختیار کر لیتا۔ اجماع نہ ہونے پر اہل افتاء صحابہؓ اپنے اپنے اجتہاد سے مسئلہ کا استنباط کرتے۔ اس صورت میں کسی ایک کے فتویٰ پر عمل کر لینا کافی تصور کیا جاتا تھا۔ بالعموم لوگ اپنے اپنے شہر کے صاحب افتاء صحابہؓ اور ان کے اکابر شاگردوں کی پیروی کرتے تھے۔

عہد نبویؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ اور جن دوسرے اہل افتاء صحابہؓ نے فتوے دئے ہیں ان میں سے جن مجتہدین صحابہؓ کے فتاویٰ محفوظ ہیں ان کی تعداد ۱۴۹ ہے، ان میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل ہیں۔ صحابہؓ میں سے سات ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ پر مشتمل ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ وہ صحابہ جن میں سے ہر ایک کے فتاویٰ سے ایک چھوٹی سی جلد مرتب کی جا سکتی ہے ان کی تعداد بیس ہے۔ ایسے صحابہؓ جن کے فتاویٰ تعداد میں بہت کم ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے صرف ایک یا دو فتوے منقول ہیں، ان سب کے فتاویٰ کو ایک چھوٹی کتاب میں جمع کیا جا سکتا ہے۔ ایسے صحابہؓ کی تعداد ۱۲۲ تک پہنچتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے عہد میں فتوحات اسلامی کی وجہ سے اسلام کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا اور اکثر ایسے واقعات سے سابقہ پیش آنے لگا جن میں اجتہاد کی ضرورت تھی۔ چنانچہ صحابہؓ نے اجتہاد و استنباط سے کام لیا اور اس سلسلہ میں ان کے درمیان اختلافات بھی ہوئے۔ اس اختلاف کی وجہ درحقیقت وہ اختلاف ہے جو ان کے درمیان منصوص علم کی واقفیت، قرآن وحدیث کے الفاظ کے معنی کے تعیین اور طریق استنباط میں واقع ہوا ہے۔

شیخین (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے عہد خلافت تک امت میں افتراق نہیں پیدا ہوا لیکن آگے چل کر حالات میں غیر معمولی انقلاب آیا۔ یہاں تک کہ بنی امیہ کے وسطی دور میں علماء دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت وہ تھی جو صرف ظاہر حدیث پر عمل کو لازم قرار دیتی تھی

جو مسائل خارج میں واقع نہ ہوئے ہوں ان پر غور وفکر کرنے کو بھی وہ جائز نہیں سمجھتی تھی۔ علماء کی دوسری جماعت وہ تھی جو قرآن وسنت کے ساتھ درایت پر عمل کو ضروری خیال کرتی تھی۔

پہلی صدی کے آخر میں واضعین حدیث کے فتنے بھی اٹھے۔ اس موقعہ پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے حدیث کے تحفظ کے لئے تدوین حدیث کا فرمان جاری کر کے ایک بہت بڑی خدمت انجام دی۔ دوسری صدی کے آغاز میں فقہی اختلافات زور پکڑتے ہیں۔ اہلِ علم میں مختلف احادیث کے درمیان ترجیح وتطبیق میں اور قیاس واستحسان[1] سے استخراج مسائل کے جواز کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ اجماع کے اصل دین ہونے اور امر ونہی کے صیغوں سے احکام کی حیثیت متعین کرنے میں بھی ان کے درمیان اتحاد واتفاق نہیں پایا جاتا تھا۔ ان وجوہ سے فقہی اختلافات بڑھتے گئے۔ ان حالات میں جب کہ تمدنی مسائل بڑھتے جا رہے تھے اور نظریۂ اجتہاد اور اصولی وفروعی مسائل میں غیر منظم اختلاف میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا، ضرورت تھی کہ احکام وقوانین کی باقاعدہ تدوین ہو اور فقہ کے اصول وضوابط مرتب کر دئے جائیں۔ اس موقعہ پر امام ابوحنیفہؒ کو اس ضرورت کا شدید احساس ہوا، چنانچہ وہ بنوامیہ کے خاتمہ کے بعد ہی اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کے ساتھ تدوین فقہ کے گراں قدر کام میں مصروف ہو گئے۔

امام ابوحنیفہؒ کا اصل نام نعمان بن ثابت ہے۔ وہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں وہ تحصیل علم کی جانب متوجہ ہوئے اور قرآن فہمی میں انھیں جلد ہی عبور حاصل ہو گیا۔ لیکن عمل کی دنیا میں فقہ کی بڑی اہمیت تھی۔ عوام ہوں یا خواص یا حکومت کے سربراہ کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے بھی عمر بن عبدالعزیز کے زمانۂ خلافت میں فقہ کی طرف خصوصی توجہ دی۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے علوم وفتاویٰ اپنے استاد ابراہیم نخعی کے ذریعہ حاصل کئے۔ فقہ میں مجتہدانہ تحقیق کے لئے تحصیل احادیث کی ضرورت تھی۔ امام ابوحنیفہؒ فقہ کی تحصیل ہی کے زمانہ میں حدیث کی طرف بھی متوجہ ہوئے، اور کوفہ کے اکثر محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ تجارت کے سلسلہ میں انھیں بصرہ، شام اور دوسرے ممالک اور امصار بھی جانا ہوتا تو وہاں کے مشائخ سے بھی حدیث کی سماعت فرماتے۔ اسی طرح حج کے سلسلہ میں حرمین تشریف لے جاتے تو وہاں کے ائمہ حدیث سے بھی حدیث کی

---

[1] استحسان یہ ہے کہ مجتہد کسی مسئلہ میں اس کے نظائر کے مطابق حکم نہ لگا کر کسی قوی تر سبب کی بنا پر ان نظائر کے خلاف فتویٰ دے

سماعت فرماتے۔ امام ابوحنیفہؒ نے جن محدثین اور ائمہ مشاہیر سے حدیث کی سماعت کی ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ تحصیل حدیث کے ساتھ دوسرے ضروری علوم کی طرف سے بھی وہ غافل نہیں ہوئے۔

امام ابوحنیفہؒ نے جب تدوین فقہ کی طرف توجہ دی تو ایسے مسائل ہزاروں کی تعداد میں اُن کے سامنے آئے جن کے بارے میں صحیح حدیث کیا قول صحابہؓ بھی موجود نہ تھا۔ اس لئے قیاس سے کام لینا انھوں نے ضروری سمجھا۔ اور اس کے لئے انھوں نے اصول وضوابط مرتب کئے۔ حدیث وروایت میں بھی انھوں نے درایت سے کام لینا ضروری خیال کیا اور اس کے اصول وقواعد بھی مدون کئے۔ انھوں نے کتنی ہی ایسی احادیث کو اس وجہ سے قبول نہیں کیا کہ وہ اصول درایت کے منافی تھیں۔

تدوین فقہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ شرائع سے متعلق کتاب وسنّت کی جو چیزیں اہل علم میں متفرق طور پر شائع تھیں ان میں ترتیب اور نظام قائم کیا جائے اور جو جدید مسائل پیدا ہوں ان کے سلسلہ میں شرعی احکام معلوم کئے جائیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اتنے عظیم اور ذمّہ داری کے کام کو صرف اپنی رائے اور اپنی علمی معلومات پر منحصر کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ اس کے لئے انھوں نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چند قابل قدر اشخاص کو منتخب کیا۔ اس طرح تدوین فقہ کی ایک مجلس وجود میں آئی۔ اس مجلس میں تمام ہی فقہی مسائل پر غور کیا جاتا۔ اور جب تک مجلس کے تمام اراکین جمع نہ ہو جاتے کوئی مسئلہ طے نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بحث ومباحثہ کے بعد آخر میں جب امام ابوحنیفہ فیصلہ فرماتے تو بالعموم وہ فیصلہ اتنا صائب ہوتا کہ سبھی لوگ اس کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اور اگر کبھی ایسا ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تو سب کے اقوال قلم بند کر لئے جاتے تھے۔ تقریبًا ۲۲ سال کی مدّت میں مجلس نے فقہ کا مجموعہ تیار کر لیا۔ یہ مجموعہ ۸۳ ہزار مسائل پر مشتمل تھا جس میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے۔ باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات، عقوبات وغیرہ زندگی کے دوسرے شعبوں سے تھا۔ یہ مجموعہ یوں تو سنہ ۱۴۴ھ میں مکمل ہو گیا تھا مگر اس کے بعد بھی برابر اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ جب جیل خانہ میں قید کر دئے گئے تو اس زمانہ میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا ——— حتیٰ کہ اس مجموعہ کے مسائل کی تعداد ۵ لاکھ تک پہنچ گئی۔ قوانین مرتب ہو جانے اور عدلیہ پر سے حکومت کا دباؤ ختم ہو جانے کے بعد امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگردوں کو عہدۂ قضا قبول کرنے کی اجازت دی چنانچہ امام صاحب کے

تقریباً پچاس شاگردوں نے مختلف اوقات میں یہ عہدہ قبول کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کی قدر و قیمت کا اندازہ مشہور محدث وکیع بن الجراح کے بیان سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "امام ابوحنیفہؒ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے جب کہ ان کے ساتھ ابویوسفؒ، زفر اور محمد جیسے اشخاص تھے جو قیاس و اجتہاد میں مہارت رکھتے تھے۔ اور یحییٰ بن زکریا ابن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے، ماہرین حدیث ان کی مجلس میں شریک تھے۔ لغت و عربیت کے ماہرین میں قاسم بن معن یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے حضرات شریک مجلس تھے ــــ اور داؤد بن نصیر طائی، اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و ورع کے حاملین بھی موجود تھے۔ پس جس کے رفقاء کار اور ہم نشین اس قسم کے ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا۔" (جامع المسانید ص ۳۴ و خطیب)

امام ابوحنیفہؒ کا طریق استنباط یہ تھا کہ پہلے کتاب اللہ سے استنباط کی کوشش کی جاتی اگر کتاب اللہ کی عبارت النص یا دلالۃ النص سے یا اشارۃ النص اور اقتضاء النص سے دریافت طلب امور میں رہنمائی حاصل ہو جاتی تو فیصلہ ہو جاتا اور اگر کتاب اللہ سے براہ راست فیصلہ کرنے میں ناکامی ہوتی تو پھر احادیث میں تفتیش کی جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل جس پر آپ کی وفات ہوئی اس پر امام صاحب خاص طور پر نظر رکھتے اور اسی کو اختیار کرتے۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہ کی مرفوع احادیث میں اختلاف ہوتا تو اس راوی کی روایت کو ترجیح دیتے جو تفقہ میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہوتا۔

اگر احادیث نبویؐ سے فیصلہ نہ ہو پاتا تو اہل افتاء صحابہؓ اور تابعین کے اقوال اور ان کے فیصلوں کا جائزہ لیا جاتا۔ اجماع کی طرف رجوع کرتے ــــ ایسے مواقع پر عراقی صحابہ اور تابعین کے مسلک کو ترجیح دیتے، اور اگر یہاں بھی مسئلہ کی تفتیش میں کامیابی حاصل نہ ہوتی تو پھر قیاس اور استحسان سے مسئلہ کو حل کیا جاتا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی دیکھتے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص کی کیا حیثیت ہے۔ وہ تشریعی ہے یا غیر تشریعی۔ نصوص میں ضابطۂ کلیہ اور واقعات جزئیہ کے درمیان اگر تعارض پایا جاتا تو ضابطہ کی نص کو ترجیح دیتے اور جزئی واقعہ کی توجیہ کرتے۔ امکانی مسائل پر بھی غور و خوض کیا جاتا اور ان کے سلسلہ میں احکام مستنبط کرنے کی کوشش کی جاتی۔

امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ دوسرے بڑے ائمہ اور ان کی فقہ کے بارے میں بھی مختصر گفتگو کر لی جائے۔

سب سے پہلے امام مالک کو لیجئے ۔ امام مالکؒ کی ولادت ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ انھوں نے مدینہ ہی میں تعلیم پائی۔ امام مالک کا کم و بیش پچاس سال تک درس اور افتاء سے تعلق رہا امام مالکؒ

سے جو مسائل دریافت کئے جاتے وہ ان کے جوابات دیتے تھے۔ امام صاحب کے انتقال کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کے فتاویٰ کو مرتب کیا۔ اسی مجموعہ کا نام درحقیقت فقہ مالکی ہے۔

فتاویٰ کے معاملہ میں امام مالکؒ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے کتاب اللہ پر، پھر ان احادیث پر جو ان کے نزدیک صحیح تھیں اعتماد فرماتے۔ اس سلسلہ میں ان کا دارومدار حجاز کے علماء میں محدثین کبار پر تھا۔ اہلِ مدینہ کے عمل کو وہ نہایت اہمیت دیتے تھے۔ وہ صحیح حدیث کو بھی اگر اس پر اہلِ مدینہ کا عمل نہ پاتے رَد کردیتے۔ تعامل اور اجماع اہلِ مدینہ کے بعد وہ قیاس کو درجہ دیتے تھے۔ لیکن ان کے یہاں قیاس کی کثرت نہ تھی۔ احناف کے استحسان کی طرح مصالح مرسلہ پر ان کا عمل تھا مصالحِ مرسلہ یا استصلاح سے مراد درحقیقت وہ مصلحت ہے جس سے کسی شرعی مقصد کی حفاظت کی جائے۔ جس کا مقصود ہونا کتاب وسنّت کی کسی دلیل واحد سے نہیں بلکہ متفرق علامات قرائن اور دلائل سے معلوم ہوتا ہو۔

امام شافعیؒ عسقلان میں بمقام غزہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام شافعیؒ نے علماء حدیث سے ان کے طریق کی واقفیت بہم پہنچائی، طریقہ اہل حجاز کی تعلیم امام مالک اور طریقۂ عراق کی تعلیم امام محمد کے ذریعہ حاصل کی۔ پھر مکہ میں انھیں مختلف امصار سے آنے جانے والے علماء سے بھی استفادہ کے مواقع حاصل ہوئے۔ امام شافعیؒ نے قیام عراق کے دوران محدثین اور اہل حجاز اور اہلِ عراق سے ملتا جلتا ایک مسلک مدون کیا۔ اس پر کتابیں بھی لکھیں، اور اس کے مطابق فتوے بھی دئے لیکن آگے چل کر مصری ماحول کے اثر سے ان کے فقہی نظریہ میں کچھ تبدیلی ہوئی جس کے پیشِ نظر انھوں نے اپنی عراقی فقہ سے قدرے مختلف ایک جدید فقہ مرتب کی۔

امام شافعیؒ نے پنے مسلک کے اساسی اصول خود اپنے رسالہ اصولیہ میں قلم بند کئے ہیں۔ وہ ظاہراً قرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث کو لیتے ہیں خواہ وہ حدیث کسی بھی مقام کے علماء سے حاصل ہوئی ہو۔ بشرطیکہ وہ متصل ہو اور رواۃ ثقہ ہوں۔ کسی حدیث کے بارے میں وہ کسی ایسے تعامل کی قید نہیں لگاتے جس سے اس حدیث کی تائید وتوثیق ہوتی ہو۔ حدیث کے بارے میں وہ اس کی شہرت کی قید بھی نہیں لگاتے۔ حدیث کے بعد وہ اجماع پر عمل کرتے ہیں، اور جب قرآن وحدیث اور اجماع سے کام نہیں چلتا تو پھر وہ قیاس سے کام لیتے ہیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ساتھ کوئی اصل ضرور موجود ہو۔ استحسان اور استصلاح کی انھوں نے مخالفت کی ہے۔ البتہ استدلال پر جو تقریباً اس کے مشابہ ہے ان کا عمل تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے حدیث کی تحصیل کی طرف خصوصی توجہ دی۔ امام شافعیؒ عراق آئے تو ان سے فقہ کی تعلیم بھی حاصل کی۔ فقہ حنفی کی واقفیت انھوں نے امام ابو یوسف سے بہم پہنچائی۔ تکمیل علم کے بعد وہ درس و تدریس کے کام میں مصروف ہوئے اور اسی زمانہ میں انھوں نے اپنا خاص نظریۂ فقہ قائم کیا۔ اور اس کے مطابق فتوے بھی دینے لگے۔

امام حنبلؒ کی فقہ انتہائی سادہ ہے۔ ان کا طریقہ اصحاب حدیث سے ملتا جلتا ہے جس میں درایت اور عقل و جدل سے بہت ہی کم کام لیا گیا ہے۔ ان کا اصول یہ تھا کہ قرآن اور حدیث پر عمل کا دار و مدار رکھا جائے۔ درایت، تنقیح اور قیاس سے حتی الامکان انھوں نے احتراز ہی کیا ہے بلکہ تعامل اہل مدینہ کے اصول کو بھی وہ حجت قرار نہیں دیتے۔ وہ مرفوع و موقوف احادیث کو ہر موقع پر معمول بہ قرار دیتے ہیں۔ یہی خاص وجہ ہے کہ احادیث مختلفہ کی صورت میں ان کی فقہ میں ہمیں جوابات بھی مختلف ملتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ قیاس سے انتہائی مجبوری کی حالت ہی میں کام لیتے ہیں۔ امام حنبلؒ نے درحقیقت امت کے سامنے مصالحت کی راہ پیش کی ہے۔ تقریباً ہر اختلافی پہلو کے جواز کی گنجائش اپنی وسیع معلومات کی روشنی میں انھوں نے پیدا کی۔ فقہی اختلاف اگر خطرناک صورت اختیار کرنے سے محفوظ رہے تو اس میں امام احمد بن حنبلؒ کا بڑا دخل ہے۔

تدوین فقہ اسلامی کی تاریخ کے اس سرسری جائزے سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تدوین فقہ کے سلسلہ میں ائمہ کی کیا کوششیں رہی ہیں اور ان میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ فقہ کی تدوین میں امام ابو حنیفہؒ کا کارنامہ نہایت عظیم ہے جسے کسی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن دوسرے ائمہ امت کی خدمات بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں اور وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام میں تنگی کے بجائے وسعت اور فراخی پائی جاتی ہے اور ذہن انسانی کے لئے اس کے اندر وسیع میدان ہے۔ یہ وسعت امت کے لئے رحمت بھی ہے اور فکر انسانی کی ترقی کا ذریعہ بھی۔

امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں: الناس کلھم عیال ابی حنیفہ فی الفقہ "تمام لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے تابع ہیں"۔

امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد مزنی فرماتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہؒ نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین کی، انھوں نے احادیث کے درمیان فقہ کی مستقل کتاب تالیف کی، اس کی تبویب کی، اس کی

ابتدا طہارت سے، پھر نماز، پھر دوسری عبادات، پھر معاملات کے مسائل مرتب کئے۔ یہاں تک کہ فرائض (وراثت کے مسائل) کے ساتھ کتاب ختم کی۔"

فقہ حنفی کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں۔ یوں تو اس فقہ کو امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ ہی میں مقبولیت حاصل ہوگئی تھی اس کے اجزا جس قدر تیار ہوتے تھے ملک میں اس کی اشاعت اسی وقت ہو جاتی تھی لیکن تیسری ہجری سے دنیائے اسلام میں اسے عام مقبولیت حاصل ہونی شروع ہوگئی۔ اس کے بعد تو بالعموم ہر زمانے میں حکومت اور عام لوگوں کی اکثریت کا یہی مسلک رہا ہے۔ ملا علی قاری دسویں صدی کے آخر اور گیارھویں صدی کے آغاز میں لکھتے ہیں:

الحنفیۃ ثلثی المومنین   احناف کل مسلمانوں کے دو تہائی ہیں

(مرقات ص ۴۴۴ ج ۲)

فقہ حنفی کی مقبولیت کی اصل وجہ وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو اس میں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم یہاں چند خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں۔

- فقہ حنفی کی تدوین کا عظیم کارنامہ حکومت کے دباؤ اور اثرات سے آزادہ رہ کر انجام دیا گیا۔
- فقہ حنفی میں معاملات کے باب میں وسعت اور باقاعدگی دوسری فقہوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ پائی جاتی ہے۔ متمدن معاشرے کیلئے یہ چیز ضروری بھی ہے۔
- امام ابوحنیفہؒ نے دلائل کی قوت پر وزن دیا ہے اور اس کا پورا لحاظ بھی رکھا ہے جس کی وجہ سے غور وفکر سے کام لینے والوں کے لئے ان کی فقہ بڑی قدر وقیمت کی حامل ٹھیرتی ہے۔
- فقہ حنفی کے مسائل مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں۔ وہ روایات کے ساتھ اصول درایت سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔
- اس فقہ میں غیر مسلم رعایا کے حقوق نہایت فیاضی کے ساتھ مقرر کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے نظم مملکت میں سہولت حاصل ہوتی ہے۔
- مجموعی اعتبار سے یہ فقہ آسان اور قابل عمل ہے۔

ایمان کے بعد اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت عمل کی ہے۔ زندگی کے عام مسائل میں علم فقہ سے واقفیت کے بغیر عمل ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی طرف ہمیشہ خصوصی توجہ دی گئی۔ عربی زبان میں فقہ کی متعدد کتابیں موجود ہیں۔ ضرورت تھی کہ عام ضروریات کا لحاظ

کرتے ہوئے آسان اُردو زبان میں فقہ کی کوئی ایسی کتاب ترتیب دی جائے جس سے عام مسلمان بآسانی استفادہ کرسکیں۔

شکر ہے کہ مکتبہ الحسنات دہلی نے اس ضرورت کے پیش نظر اردو زبان میں "اسلامی فقہ" مرتب کرا کے شائع کی۔ اسلامی فقہ کے لائق و فاضل مولف مولانا منہاج الدین مینائی صاحب نے کوشش کی ہے کہ تمام ہی ضروری اور عملی مسائل اس میں آجائیں۔ چنانچہ کم وبیش دو ہزار مسائل پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ کتاب کی ترتیب کے وقت مولف کے سامنے فقہ کی بیشتر مستند کتابیں رہی ہیں۔ لیکن جس کتاب سے خاص طور سے انھوں نے استفادہ کیا ہے وہ علامہ جزیری کی کتاب "کتاب الفقہ علی المذاھب اربعہ" ہے۔ چونکہ یہاں کی اکثریت فقہ حنفی کی پیرو ہے اس لئے انھوں نے اپنی کتاب میں متفق علیہ مسائل میں صرف حنفی فقہار کے مسلک کو اختیار کیا ہے، اور جہاں ائمہ کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے وہاں دوسری رائے بھی نقل کر دی ہے۔ اس طرح اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ اور اس میں انشاء اللہ تعالیٰ اُس طرح تشنگی محسوس نہیں ہوگی جو اس طرح کی تالیفات میں بالعموم لوگوں کو محسوس ہوتی ہے۔

خدا سے دُعا ہے کہ وہ اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

خاکسار

محمد فاروق خاں

مولانا محمد فاروق خاں صاحب قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھتے ہیں، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کا ہندی زبان میں ترجمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مقبولیت دی، اس کی اشاعت کا شرف مکتبہ الحسنات کو حاصل ہے اس کے علاوہ موصوف متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کر چکے ہیں، مثلاً: کلام نبوت، حدیث کا تعارف، شاہ عبدالقادرؒ کی قرآن فہمی، فطری نظام معیشت وغیرہ وغیرہ۔ آپ کی تمام کتابیں بہت مقبول ہوئی ہیں۔ آپ نے غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف کرانے میں بڑی خدمات انجام دی ہیں اور اُس حلقہ میں بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں

(ادارہ)

فہرست عنوانات

اذان کا بیان

عیدین کی نماز کا حکم اور وقت ۱۳۹

نماز کی امامت ۱۴۸

زکوٰۃ

حج

معاشرت

اسلام کے معاشرتی احکام ۲۸۱

نکاح کا بیان ۲۸۵

صداق (مہر) کا بیان

طلاق کا بیان ۳۶۱

ذوی الفروض کے حصّوں کا مختصر نقشہ

معاملات

تجارت

بقیہ فہرست کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

اللہ تعالیٰ نے آخری اور مکمل دین جو اپنی انسانی مخلوق کے لئے پسند فرمایا ہے وہ اسلام ہے (مائدہ، آیت ۳) اس دین کی تعلیمات بڑی وسیع اور جامع ہیں، ہر زمانے کے مقتضیات اور اور حوادث کے لئے اُن میں رُشد و ہدایت ہے۔ انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک زندگی گزارنے کا دستور العمل ہے۔ معاشی، معاشرتی اور کاروباری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہدایات ہیں، حلال و حرام اور معروف و منکر اور اخلاق حسنہ و سیئہ کی تفصیل ہے، جسم اور روح کی طہارت اور پاکیزگی کی تعلیم ہے، اللہ سے رشتہ جوڑ رکھنے اور اُس کا قرب تلاش کرنے اور اُس کے اوامر کو بجالانے اور نواہی سے اجتناب کرنے کے واضح احکام ہیں۔

دین کا علم ہر مسلمان مرد و عورت کو ہونا تمام علوم سے افضل و اشرف ہے کیونکہ اس کے بغیر اللہ کے پسندیدہ طریقے پر زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے، باقی تمام علوم اس سے فروتر ہیں۔ بدقسمتی سے آج کل مسلمانوں نے اپنی توجہ اس علم سے ہٹالی ہے اور مختلف دنیاوی علوم کی طرف انہماک زیادہ ہے، دین کے علم کی اہمیت اُن کی نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ علمائے صالحین نے اپنی عمریں اسی علم کو سیکھنے اور سکھانے میں صرف کر دیں اور ہمارے لئے کتاب و سنّت کی روشنی میں تفصیلی قوانین مرتب کر گئے، جو صدیوں تک نافذ رہے۔ عربی مدارس میں اُن کا درس دیا جاتا رہا۔ پھر عربی سے اردو زبان میں ان کی کتابوں کے ترجمے گئے۔ آج بھی مختصر و مطول کتابیں موجود ہیں ۔ یورپی استعمار کے نتیجے میں دنیائے اسلام میں مغربی قانون رائج ہوگیا، نظام تعلیم بھی بدل گیا۔ فقہ کی تعلیم صرف اُن مدارس میں باقی رہ گئی جو حکومت کے اثر سے باہر تھے۔ حکومت کے زیرِ اثر مدارس

میں فقہ اسلامی کی تعلیم یا تو یکسر ختم کر دی گئی یا اُس کا تھوڑا سا حصہ باقی رکھا گیا اور اُسے بھی اختیاری مضمون بنا دیا گیا کہ جو چاہے اس مضمون کو اختیار کرے رفتہ رفتہ اُس کی ضرورت کا احساس بھی کم ہوتا چلا گیا، اب حالت یہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے جو مسلمان تعلیم پا کر نکل رہے ہیں اُن میں تمام طبیعی علوم ریاضی ومساحت اور علم النفس حتیٰ کہ مصوری وموسیقی تک کے جاننے والے تو ملیں گے لیکن فقہ یعنی دینی مسائل کے جاننے والے مشکل سے ملیں گے۔ درس گاہوں میں مسلمان معلمات اور معلمین مختلف علوم میں مہارت کی ڈگریاں حاصل کر کے درس وتدریس میں مصروف نظر آئیں گے لیکن دینی مسائل کو سمجھانے کی صلاحیت سے عاری ہوں گے، علم دین باوجود اپنی اہمیت اور جلالت کے بے اعتنائی کی دبیز چادر میں روپوش ہوتا جا رہا ہے، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ہمارے مسلمان معلّم سب سے پہلے اِسلامیات میں بالغ نظر ہوتے اور اُس کے بعد دوسرے علوم پر اُن کی نظر ہوتی۔ اس صورت حال کا افسوسناک نتیجہ یہ ہے کہ درس گاہوں سے فارغ ہونے والے طلبا دین سے اتنے ہی دور ہیں جتنے بے پڑھے لوگ، لڑکے ہوں یا لڑکیاں جب وہ اپنے اُستادوں اور اُستانیوں کو غیر اسلامی روش پر پاتے ہیں تو وہ بھی وہی طریقے اپناتے ہیں، اسلام کی اخلاقی قدروں سے ناواقف حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تفریق سے نابلد مغرب کی مادہ پرستانہ زندگی جو اسلامی طرزِ زندگی سے قطعاً مختلف ہے اُسے اختیار کرنے میں کوئی قباحت اُنھیں نظر نہیں آتی۔ حالانکہ اب مغربی معاشرت خود اہلِ مغرب کے لئے عذاب عظیم بن چکی ہے اور اسلامی زندگی میں ہی عافیت نظر آ رہی ہے، یورپ اور امریکہ کا باشعور طبقہ اسلام کے دامن میں پناہ ڈھونڈھ رہا ہے، وہاں کے نومسلم ایشیائی ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں سے زیادہ اچھے مسلمان بن رہے ہیں اُن کی عورتیں مسلمان ملکوں کی خواتین سے زیادہ باحیا اور ساتر لباس میں رہتی ہیں، اللہ نے مسلمانوں کو دنیا کی پیشوائی کا منصب عطا کیا تھا کیونکہ وہ دینِ اِسلام کے حامل تھے۔ مقامِ عبرت ہے کہ اِسلام کی تعلیمات سے اِعراض کر کے وہ خود اِس منصب سے معزول ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال انتہائی افسوسناک ہے جس کو بدلنا چاہیئے ہر وہ شخص جو خود کو مسلمان کہتا ہے اُسے علم دین کو سیکھنا اور اُس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس معاملے میں مداہنت اور بخل پوری اُمت کے لئے تباہ کُن ہے، ارشادِ خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (سورہ محمد آیت ۳۸)

جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے سے بخل کرتا ہے اور اللہ تو کسی کا محتاج نہیں، ہاں تم سب محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کروگے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ دین کی تعلیم دوسروں تک پہنچانا اُن کا فرض منصبی ہے، اُنھیں اپنے کو اس منصب سے معزول نہ سمجھنا چاہیئے اور خود کو اسلامی تعلیم کا نمونہ بنا کر غیر مسلموں اور اپنوں کے سامنے پیش کرنا چاہیئے، انسان تقریر سے زیادہ عمل سے متاثر ہوتا ہے یہ مانی ہوئی نفسیاتی حقیقت ہے کہ عملی نمونے اصلاح و تربیت کے لئے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

اردو زبان میں اسلامی فقہ پر کتابیں موجود ہیں اور اہلِ علم حضرات حسب توفیق اس علم کو پھیلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ موجودہ صدی میں مصر کے نامور فقیہ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری کی کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" کامیاب ترین کوشش ہے، اس میں فقہ کے چاروں ساطین (حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام حنبل رحمۃ اللہ علیہم) کی کاوش و تحقیق کو جو اُنھوں نے کتاب و سنّت کی روشنی میں کی ہے تفصیل سے تحریر کیا ہے، اس کتاب کا ترجمہ جناب منظور احسن صاحب عباسی نے اردو میں کیا ہے، پانچ ضخیم جلدوں میں یہ کتاب پاکستان میں شائع ہوئی ہے، ہم نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن چاروں ائمہ کے مسالک علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کے بجائے حنفی مسلک کو بنیاد بنایا ہے، کیونکہ برصغیر کے مسلمان زیادہ تر حنفی مسلک کے پیرو ہیں، ساتھ ہی ساتھ اہم اور اصولی مسائل میں دوسرے تینوں ائمہ کی رائے بھی تحریر کر دی ہے، ایسا اس لئے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما جعل علیکم فی الدین من حرج (اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی) سورہ حج، آیت ۷۸) تو اہل علم حضرات کتاب و سنّت کی واضح دلالت اور مسئلہ کی خاص نوعیت کے پیش نظر کسی کی رائے کو راجح یا مرجوح قرار دینے میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں البتہ عام لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ پیچیدہ مسائل (مثلاً مفقود الخبر شوہر کی بیوی کا نکاح یا خلع اور طلاق کی بعض مشکل صورتوں) میں محض اس

کتاب کو پڑھ کر کوئی فیصلہ کرلیں ایسے مسائل ہمیشہ قاضی کی عدالت سے یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو کسی مستند دارالافتا سے رجوع کرنا چاہئیں اور تحریری حکم یا فتویٰ حاصل کرنے کے بعد عملدرآمد کرنا چاہیئے، جیسے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیع سلم وغیرہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔

تمام فقہی مسائل کا ماخذ اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ ہے، اس لئے ہر بیان کی ابتدا میں قرآن اور حدیث سے اس کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔

کتاب کی زبان آسان اور سلیس استعمال کی گئی ہے تاکہ معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی سمجھنے میں دقت محسوس نہ کریں۔

اصطلاحی الفاظ کے معنی اور مطلب کو جہاں وہ آئے ہیں بیان کر دیا گیا ہے اُن کا صحیح تلفظ زیر زبر اور پیش کے ساتھ لکھا گیا، لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت بھی بتادی گئی ہے۔

ابواب کی ترتیب میں علامہ عبدالرحمٰن الجزیری کا تتبع کیا گیا ہے، شکار کا بیان حلال وحرام کے ضمن میں اور قربانی کا ذکر حج کے ضمن میں کیا گیا ہے اور نماز تراویح کا بیان نماز ہی کے ضمن میں کیا ہے روزہ کے ضمن میں نہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ نماز ہی کی صورت ہے اگرچہ وہ صرف ماہِ صیام میں پڑھی جاتی ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے محرک رسالہ الحسنات کے مدیر اعلیٰ جناب محمد عبدالحی صاحب اور ان کے فرزند جناب عبدالمالک فہیم صاحب (ناظم مکتبۂ الحسنات دہلی) ہیں۔ ان حضرات نے مجھ سے فرمائش کی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ایک ایسی کتاب مدون ومرتب کروں جس میں تمام فقہی مسائل عام فہم اردو زبان میں بیان ہوجائیں۔ اور کوئی بھی مسئلہ جو انسانی زندگی میں پیش آسکتا ہے چھوٹنے نہ پائے ـــ انسانی دسترس کی حد تک میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ اس کتاب کو فرمائش اور ضرورت کے مطابق پورا کرسکوں۔

آخر میں خدا سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے بھائیوں بہنوں بیٹوں اور بیٹیوں کو دین کا علم حاصل کرنے کی توفیق دے اور انھیں ہدایت دے کہ وہ دین حنیف کے راستے کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر نہ چلیں اور زندگی کے ہر موڑ پر خدا اور رسولؐ کے حکموں کی پیروی کریں۔

اے اللہ اس کتاب کے پڑھنے والوں کے دلوں میں اطاعت الٰہی اور اطاعتِ رسول کا جذبہ پیدا فرمادے اور جو کوتاہیاں ہوتی رہی ہیں اُنھیں معاف فرمادے، ناشر و معاونین کتاب اور راقم السطور کی سعی کو شرفِ قبولیت عطا فرما۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

اللہ کی رحمت کا امیدوار

منہاج الدین مینائی

فقیہ

یہ نام اصطلاح میں اُس شخص کا ہے جو علم فقہ کا جاننے والا ہو، قرآن و سنّت پر گہری نظر رکھتا ہو، شریعت کی حکمتوں اور اُس کے مزاج سے واقف ہو اور زندگی میں پیش آنے والے سارے معاملات میں قرآن و سنّت کے احکام وہدایات کے مطابق عمل کرنا جانتا ہو۔

علم فقہ کی ضرورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مَن یُّرِدِ اللہُ خیراً یُّفَقِّہْہُ فی الدِّین" (اللہ جس بندے کی بھلائی چاہتا ہے اُسے دین کی سوجھ بوجھ عطا کرتا ہے) دین ہی دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کا طریقہ اور آخرت میں اللہ کی رضا کے حصول اور اُس کی ناراضی سے نجات کا واحد ذریعہ ہے تو جو شخص دین کا علم حاصل نہ کرے، دین کے مزاج اور اُس کی روح کو نہ جانے تو وہ ہر خیر سے محروم ہے کیونکہ اس کے جانے بغیر نہ اسلام کے احکام پر صحیح عمل کرنا ممکن ہے اور نہ وہ اپنے مقصدِ پیدائش کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اللہ کے نزدیک انسان کی پیدائش کا مقصد:

عبادت

ہے، قرآن مجید میں ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں" یعنی زندگی گزارنے کے جو طریقے اور جو راہیں میں نے بتادی ہیں صرف اُنھیں راستوں پر چلیں۔ تو ہر انسان پر واجب ہوگیا یہ جاننا کہ عبادت کسے کہتے ہیں اور اس کا طریقہ کیا ہے، یہ جانے بغیر وہ اپنے دنیا میں آنے کا مقصد ہی پورا نہیں کر سکتا۔

عبادت کے معنی لغت میں عبادت کے معنی بندگی، فرماں برداری اور اطاعت گزاری کے ہیں۔ اس معنے کے لحاظ سے ہر وہ کام عبادت ہے جو دین کا حکم سمجھ کر قرآن و سنّت کی ہدایت کے مطابق اللہ کی اطاعت گزاری کے جذبے سے انجام دیا جائے،

کیونکہ اللہ کی خوشنودی اسی طرح حاصل ہوتی ہے۔ نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا زکوٰۃ، خانگی تعلقات ہوں یا معاشی مصروفیات، محنت مزدوری ہو یا کھیتی باڑی، تجارتی کاروبار ہو یا دستکاری حتیٰ کہ کھانا پینا اور صاف ستھری زندگی گزارنا سبھی کچھ عبادت ہے، اگر کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کے مطابق انھیں انجام دیا جائے۔ آدمی اگر اپنے ہر معاملے میں اور ہر عمل میں خدا کی رضا اور اجر و ثواب کو مقصود بنالے تو وہ اپنے سونے جاگنے اور نفسانی خواہش کی تکمیل کو بھی عبادت بنا سکتا ہے اور آخرت کا اجر و ثواب حاصل کر سکتا ہے، احادیث میں یہ بات متعدد جگہ ارشاد فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں ہے جو "الادب المفرد" میں ہے:

لَوْ وَضَعَ فِي الْحَرَامِ أَلَيْسَ كَانَ	اگر وہ حرام جگہ اپنی خواہش پوری کرتا تو کیا
عَلَيْهِ وِزْرٌ فَكَذَالِكَ	اُس پر گناہ نہیں ہوتا؟ تو اسی طرح اگر
إِنْ وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ	وہ حلال جگہ اپنی خواہش پوری کرے تو
كَانَ لَهُ أَجْرٌ۔	اس کا اجر و ثواب ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی اگر وہ کتاب و سنّت کے مطابق ہو تو وہ عبادت ہے اور کتاب و سنّت کے مطابق زندگی کے ہر معاملے میں کس طرح عمل کرنا چاہیئے یہ علم فقہ سے معلوم ہوتا ہے، علم فقہ کی تعریف اوپر بیان کی جاچکی ہے کہ "احکام دین کا تفصیلی علم قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔

احکام دین کی تقسیم جیسا کہ ابھی بتایا جاچکا ہے کہ دین کے احکام بجالانا ہی عبادت ہے، اسلام نے اس کا ایک ہمہ گیر پروگرام دیا ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس پروگرام کا ایک حصہ وہ ہے جس میں انسان اپنی ذات یعنی اپنی روح اور قلب و دماغ میں یکسوئی، اعتماد اور سکون پیدا کرکے اپنی پوری زندگی کو اللہ کی عبادت اور اطاعت میں گزار دینے کا جذبہ پروان چڑھاتا ہے، اس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے اعمال شامل ہیں، اس حصے کو فقہ کی اصطلاح میں عبادات کہا جاتا ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے جس میں انسان آپس کے رابطے اور تعلقات مثلاً ماں باپ کی خدمت، اولاد کی تربیت، نکاح، طلاق، خاندان اور معاشرے کے حقوق و فرائض ادا کرنے میں دین کے

فقیہ

یہ نام اصطلاح میں اُس شخص کا ہے جو علم فقہ کا جاننے والا ہو، قرآن وسنّت پر گہری نظر رکھتا ہو، شریعت کی حکمتوں اور اُس کے مزاج سے واقف ہو اور زندگی میں پیش آنے والے سارے معاملات میں قرآن وسنّت کے احکام وہدایات کے مطابق عمل کرنا جانتا ہو۔

علم فقہ کی ضرورت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مَن یُّرِدِ اللّٰہُ خیراً یُّفَقِّھْہُ فی الدِّیْنِ" (اللہ جس بندے کی بھلائی چاہتا ہے اُسے دین کی سوجھ بوجھ عطا کرتا ہے) دین ہی دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کا طریقہ اور آخرت میں اللہ کی رضا کے حصول اور اُس کی ناراضی سے نجات کا واحد ذریعہ ہے تو جو شخص دین کا علم حاصل نہ کرے، دین کے مزاج اور اُس کی روح کو نہ جانے تو وہ ہر خیر سے محروم ہے کیونکہ اس کے جانے بغیر نہ اسلام کے احکام پر صحیح عمل کرنا ممکن ہے اور نہ وہ اپنے مقصدِ پیدائش کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اللہ کے نزدیک انسان کی پیدائش کا مقصد:

عبادت

ہے، قرآن مجید میں ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" "میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں" یعنی زندگی گزارنے کے جو طریقے اور جو راہیں میں نے بتا دی ہیں صرف اُنھیں راستوں پر چلیں۔ تو ہر انسان پر واجب ہو گیا یہ جاننا کہ عبادت کسے کہتے ہیں اور اس کا طریقہ کیا ہے، یہ جانے بغیر وہ اپنے دنیا میں آنے کا مقصد ہی پورا نہیں کر سکتا۔

عبادت کے معنی لغت میں عبادت کے معنی بندگی، فرماں برداری اور اطاعت گزاری کے ہیں۔ اس معنے کے لحاظ سے ہر وہ کام عبادت ہے جو دین کا حکم سمجھ کر قرآن وسنّت کی ہدایت کے مطابق اللہ کی اطاعت گزاری کے جذبے سے انجام دیا جائے،

کیونکہ اللہ کی خوشنودی اسی طرح حاصل ہوتی ہے۔ نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا زکوٰۃ، خانگی تعلقات ہوں یا معاشی مصروفیات، محنت مزدوری، ہو یا کھیتی باڑی، تجارتی کاروبار ہو یا دستکاری حتیٰ کہ کھانا پینا اور صاف ستھری زندگی گزارنا سبھی کچھ عبادت ہے، اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے مطابق اُنھیں انجام دیا جائے۔ آدمی اگر اپنے ہر معاملے میں اور ہر عمل میں خدا کی رضا اور اجر وثواب کو مقصود بنالے تو وہ اپنے سونے جاگنے اور نفسانی خواہش کی تکمیل کو بھی عبادت بنا سکتا ہے اور آخرت کا اجر وثواب حاصل کر سکتا ہے، احادیث میں یہ بات متعدد جگہ ارشاد فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں ہے جو "الادب المفرد" میں ہے:

لَوْ وَضَعَ فِی الْحَرَامِ اَلَیْسَ کَانَ	اگر وہ حرام جگہ اپنی خواہش پوری کرتا تو کیا
عَلَیْہِ وِزْرٌ فَکَذٰلِکَ	اُس پر گناہ نہیں ہوتا؟ تو اسی طرح اگر
اِنْ وَضَعَھَا فِی الْحَلَالِ	وہ حلال جگہ اپنی خواہش پوری کرے تو
کَانَ لَہٗ اَجْرٌ۔	اس کا اجر وثواب ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی اگر وہ کتاب وسنت کے مطابق ہو تو وہ عبادت ہے اور کتاب وسنت کے مطابق زندگی کے ہر معاملے میں کس طرح عمل کرنا چاہئیے، یہ علم فقہ سے معلوم ہوتا ہے، علم فقہ کی تعریف اوپر بیان کی جا چکی ہے کہ "احکام دین کا تفصیلی علم قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔

احکام دین کی تقسیم

جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے کہ دین کے احکام بجالانا ہی عبادت ہے، اسلام نے اس کا ایک ہمہ گیر پروگرام دیا ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس پروگرام کا ایک حصہ وہ ہے جس میں انسان اپنی ذات یعنی اپنی روح اور قلب ودماغ میں یک سوئی، اعتماد اور سکون پیدا کر کے اپنی پوری زندگی کو اللہ کی عبادت اور اطاعت میں گزار دینے کا جذبہ پروان چڑھاتا ہے، اس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے اعمال شامل ہیں، اس حصے کو فقہ کی اصطلاح میں عبادات کہا جاتا ہے۔

دوسرا حصہ وہ ہے جس میں انسان آپس کے رابطے اور تعلقات مثلاً ماں باپ کی خدمت، اولاد کی تربیت، نکاح، طلاق، خاندان اور معاشرے کے حقوق وفرائض ادا کرنے میں دین کے

احکام بجالاتا ہے، اور تیسرا حصہ اُن باتوں سے متعلق ہے جو انسان کو معاشی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کرنا پڑتی ہیں مثلاً خرید و فروخت، کاروباری لین دین، کھیتی باڑی، محنت مزدوری، رہن، قرض، ہبہ اور دوسرے تمام مل جل کر کرنے والے کام احکام شریعت کے مطابق کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان دونوں حصوں کو فقہ کی اصطلاح میں معاملات کہا جاتا ہے۔

اس کتاب میں پہلے عبادات پھر معاشرتی معاملات اور بعد میں کاروباری معاملات سے متعلق احکام اور ان کے شرائط و آداب قرآن وحدیث سے استنباط کر کے بیان کئے گئے ہیں۔ مسائل عام طور پر حنفی مسلک کے مطابق مذکور ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی مالکی، شافعی اور حنبلی مسلک میں اگر کسی خاص مسئلہ میں کوئی جداگانہ موقف اختیار کیا گیا ہے تو اُس کو بھی ذکر کر دیا ہے۔ ذرائع آمد و رفت اور مواصلاتی سہولتوں کے پیشِ نظر متاخرین فقہائے نے جو موقف رویت ہلال کی شہادت اور مفقود الخبر شوہر کے انتظار کی مدت میں اختیار کیا ہے اُس کو متقدمین کی رائے پر ترجیح دی گئی ہے۔

عبادات

عبادات میں سب سے مقدم اور اہم نماز ہے، قرآن میں جس تکرار کے ساتھ ذکر آیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی تاکید نماز کو قائم کرنے یعنی کسی حال میں ترک نہ کرنے کی کی ہے اُس سے اس فرض عین کی اہمیت بالکل واضح ہوجاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نماز دین کا ستون ہے اور جس نے اس ستون کو گرادیا اُس نے گویا دین کی عمارت کو ڈھادیا"۔ دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ "کفر اور اسلام کے درمیان حد فاصل نماز ہے"۔ تو اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو مگر نماز نہ پڑھتا ہو تو وہ اور کافر ایک جیسے ہیں۔ نماز ادا کرنے کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہے لہٰذا قبل اس کے کہ نماز کے مسائل بیان کریں اُن شرائط کا ذکر ضروری ہے۔ سب سے پہلی شرط طہارت ہے۔

طہارت کے معنی اور تعریف

طہارت کے لغوی معنی نجاست وکثافت سے پاک صاف ہونے کے ہیں خواہ ظاہری ہو یا باطنی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مریض کی مزاج پرسی کو جاتے تو فرماتے: "لا باس طھور ان شاء اللہ" یہاں طہور کے معنی ہیں گناہوں سے پاک کرنے والا۔ ترجمہ یہ ہوا "کوئی بات نہیں بیماری انشاء اللہ گناہوں سے پاک کرنے کا سبب ہوگی"۔ گناہ باطنی نجاست ہے۔ طہارت ضد ہے نجاست کی، نجاست کے معنی گندگی کے ہیں خواہ ظاہری ہو یا باطنی قرآن میں آیا ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (مشرکین نجس ہیں) یعنی باطن گندہ ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں طہارت کی تعریف حَدَث یا خُبث سے پاک ہونا ہے یعنی گندگی نظر آرہی ہو اُسے پانی سے دھوکر پاک کر لیا جائے یا نظر نہ آرہی ہو مثلاً ریاح کا خارج ہونا یا جسم سے خون نکل آنا تو یہ حَدَث اصغر کہلاتا ہے جو وضو کرنے سے یعنی ہاتھ پیر اور مُنہ کو دھو لینے اور سر پر مسح کر لینے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر مادۂ تولید کا اخراج سوتے یا جاگتے ہیں ہو جائے تو اس سے پورا جسم متکیف ہوتا ہے، اسے حدث اکبر کہتے ہیں جو پورا غسل کر لینے سے پاک ہو جاتا ہے تو دونوں قسم کی (ظاہری اور باطنی) پاکی حاصل کرنے کو شریعت میں طہارت کہتے ہیں، اور جب تک دونوں طرح کی طہارت حاصل نہ ہو نماز نہیں پڑھی جا سکتی، پاک وصاف رہنے کو نبی علیہ السلام نے نصف ایمان فرمایا ہے، قرآن کریم میں کئی جگہ ارشاد ہوا ہے؛

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ   پاک وصاف رہنے والوں کو خدا پسند فرماتا ہے

چونکہ طہارت نام ہے نجاست کو دور کرنے کا اس لئے نجاست کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

نجاست کی تعریف

لغت میں نجاست ہر گندگی کو کہتے ہیں، جیسا کہ طہارت کے ضمن میں ابھی بیان ہو چکا ہے۔ اصطلاح شریعت میں یہ دو طرح کی ہوتی ہے (۱) نجاست حُکمی اور (۲) نجاست حقیقی یا نجاست عینی۔ نجاست حقیقی یا عینی وہ گندگی ہے جس میں رنگ وبو بھی ہو اور ذائقہ بھی ہو، اور نجاست حکمی وہ گندگی ہے جس میں رنگ وبو نہ ہو، جسامت و ذائقہ نہ ہو جیسے پیشاب جو خشک ہو گیا ہو اور اُس کا رنگ بھی محسوس نہ ہوتا ہو، یہ وہ تعریف ہے جو شافعی فقہانے کی ہے۔ حنبلی اور مالکی فقہاء کے نزدیک نجاست حکمی وہ ہے کہ پہلے سے کسی پاک چیز میں لگ کر اُسے گندا کر دے۔ حنفی فقہاء کے یہاں نجاست حکمی حدث اصغر اور حدث اکبر کو کہتے ہیں یہ ایک عارضی کیفیت ہے جو بعض اعضائے جسم کو لاحق ہو تو حدث اصغر کہلاتی ہے اور تمام بدن کو لاحق ہو تو حدث اکبر کہلاتی ہے۔ رہی نجاست عینی یا حقیقی تو یہ نفس گندگی ہے جس کو نجَس (جیم پر زبر کے ساتھ) کہتے ہیں، اس لفظ کا اطلاق عارضی نجاست پر نہیں ہوتا لیکن نجِس (جیم کو زیر کے ساتھ) کا اطلاق عارضی اور ذاتی دونوں نجاستوں پر ہوتا ہے مثلاً کپڑا جو نجاست لگنے سے ناپاک ہو گیا ہو اُسے صرف نجِس (جیم کے زیر سے) کہتے ہیں لیکن خون نجَس بھی ہے اور نجِس بھی۔

نجاست حقیقی کی دو قسمیں ہیں (۱) غلیظہ اور (۲) خفیفہ۔ اسی طرح نجاست حکمی کی دو قسمیں

ہیں (۱) حَدَث اکبر اور (۲) حَدَث اصغر۔ اب ان کی الگ الگ تفصیلی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔

نجاست حُکمی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ وہ نجاست ہے جو نظر سے نہ دِکھے بلکہ شریعت کے حکم سے اس کیفیت کو نجس قرار دیا گیا ہو مثلاً بے وضو ہو جانا غسل واجب ہونا، بے وضو ہونے کی کیفیت کو:

۱۔ حدث اصغر کہتے ہیں، یہ کیفیت چھ صورتوں میں پیدا ہوتی ہے (۱) پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد (۲) ریاح خارج ہونے کے بعد (۳) بدن کے کسی حصہ سے خون یا پیپ بہنے کے بعد (۴) نماز میں آواز سے ہنسنے کے بعد (۵) چارپائی یا زمین پر لیٹ کر یا کسی چیز سے ٹیک لگا کر سو جانے کے بعد (۶) منہ بھر کر قے ہو جانے کے بعد۔ ان سب صورتوں میں حَدَثِ اصغر والی نجاست عائد ہوتی ہے۔

حدث اصغر کا حکم اس صورت میں نہ نماز پڑھی جا سکتی ہے نہ قرآن پاک کو ہاتھوں سے چھوا جا سکتا ہے تاوقتیکہ وضو نہ کر لیا جائے، وضو کر لینے سے حدث اصغر والی نجاست دور ہو جاتی ہے، پھر وہ نماز بھی پڑھ سکتا ہے اور قرآن پاک کو ہاتھ سے چھو سکتا ہے، بے وضو کی حالت میں زبانی قرآن پڑھے تو اس کی اجازت ہے، چھونے کی اجازت بھی اُن بچّوں کو ہے جو قرآن کا پڑھنا سیکھ رہے ہوں۔

۲۔ حدث اکبر: وہ کیفیت ہے جو عورت سے مباشرت کرنے پر یا سونے میں مادہ منویہ خارج ہو جانے پر یا عورت کو حیض و نفاس کا خون آجانے پر پیدا ہوتی ہے۔

حدث اکبر کا حکم جب تک غسل نہ کرے یا (غسل سے نقصان پہنچنے کی صورت میں) تیمم نہ کرے تو نہ نماز پڑھی جا سکتی ہے اور نہ قرآن کو چھوا جا سکتا ہے نہ اُسے زبانی پڑھا جا سکتا ہے۔ مسجد کے اندر داخل ہونا بھی منع ہے، سوائے اس صورت کے کہ غسل خانے میں جانے کا راستہ مسجد کے صحن یا اُس کے کسی حصے سے ہو تو اس صورت میں تیمم کر کے مسجد میں جانے کی اجازت ہے۔

نجاست حقیقی اوپر بتایا جا چکا ہے کہ عینی یا حقیقی نجاست وہ ہے جو بذات خود گندگی ہو اور نظر میں آنے والی ہو۔ یہ ایسی چیز ہے جس سے فطرۃً انسان کو نفرت

ہوتی ہے اور وہ اپنے بدن اور کپڑوں کو بچاتا ہے۔ ایسی گندگی کو نجاست غلیظہ کہتے ہیں۔ مثلاً انسانی پیشاب یا پاخانہ، خون، مادۂ تولید، شراب، تاڑی، سور کی ہر چیز، کتے کا لعاب دہن۔ چرندوں کا پاخانہ جیسے بیل، بھینس اور گائے کا گوبر، بھیڑ بکری کی مینگنی، گھوڑے گدھے وغیرہ کی لید، کتے بلی اور دوسرے تمام حرام جانوروں کا پیشاب پاخانہ، مرغی اور بط کی بیٹ، تو ایسی گندگیوں کو نجاست غلیظہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

نجاست غلیظہ کا حکم پیشاب، شراب، خون وغیرہ جہاں لگ جائے تو وہ اُس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک اُسے کسی پاک سیال چیز سے نہ دھویا جائے۔ اگر یہ نجاست کمتر مقدار میں یعنی ایک درہم کی گولائی سے کم لگی ہو اور بغیر دھوئے نماز پڑھ لی تو نماز تو ہو جائے گی مگر قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اس سے زیادہ ہو تو بغیر دھوئے نماز نہیں ہوگی اور دھونے کے بعد دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

اگر گاڑھی نجاست مثلاً پاخانے یا گوبر کی چھینٹ پڑ گئی تو اگر وہ جوئی بھر سے زیادہ نہ ہو اور بغیر دھوئے نماز پڑھ لی گئی تو نماز ہو جائے گی مگر قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اگر اس سے زیادہ ہے تو نماز نہیں ہوگی اور دھونے کے بعد دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ نجاست غلیظہ بعض صورتوں میں کھرچ دینے سے بھی زائل ہو جاتی ہے مثلاً جوتے میں گاڑھی نجاست پاخانہ یا گوبر لگ جائے اور اُسے رگڑ کر صاف کر دیا جائے یا خشک ہو جانے پر کھرچ دیا جائے تو جوتے پاک ہو جائیں گے اور انھیں پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر پیشاب یا گندی نالی کا پانی لگ گیا ہو تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوں گے۔

کپڑوں کا بدن کا یا برتن وغیرہ کا بہرصورت دھونا ضروری ہے خواہ نجاست گاڑھی ہو یا پتلی۔ جس جگہ نجاست لگی ہو اُس کو خوب رگڑ کر اور مل کر دھویا جائے تاکہ دھبہ بھی باقی نہ رہے لیکن اگر اچھی طرح دھو دھو کر نچوڑنے کے بعد بھی دھبہ کا نشان رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ نجاست کو دور کرنے کے بعد اُس جگہ کو تین بار اچھی طرح سے دھولیا جائے، کپڑا ہو تو تین دفعہ نچوڑ کر دھویا جائے، محض شک کی وجہ سے بار بار دھوتے رہنے سے پرہیز کیا جائے کیونکہ پانی کے استعمال میں اسراف ناپسندیدہ ہے۔ نجاست غلیظہ کھانے کے برتن

یا پانی کے گھڑے میں ذرا سی بھی پڑ جائے تو وہ نجس ہو جائے گا۔

نجاست خفیفہ

ایسی نجاستیں جن کا حکم ہلکا اور نرم ہے وہ نجاست خفیفہ کہلاتی ہیں۔ مثلاً گائے، بیل، بھینس، بکری جیسے حلال جانوروں کا پیشاب، مرغی اور بط کے علاوہ دوسرے پرندوں کی بیٹ۔ چمگادڑ، کوا، چیل اور دوسرے حرام پرندوں کا پیشاب اور بیٹ اگر لگ جائے تو ہلکی ناپاکی واقع ہوتی ہے۔

نجاست خفیفہ کا حکم

اگر نجاست خفیفہ بدن، کپڑے یا کسی اور چیز کے چوتھائی حصے سے کم لگی ہو اور نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور اگر اس سے زیادہ لگی ہو تو دھونا ضروری ہے۔ یہ حکم بدن یا کپڑے وغیرہ کا ہے لیکن اگر نجاست خفیفہ کا کوئی حصہ کھانے یا تھوڑے پانی میں پڑ جائے تو وہ بہر صورت ناپاک ہو جائے گا۔

نجاست کے متعلق عام ہدایات

وہ کپڑے جن میں جوڑ ہوتے ہیں ان میں ہر جوڑ ایک الگ حصہ سمجھا جائے گا مثلاً کرتے کی آستین، کلی اور دامن، اسی طرح پاجامے کے پائنچے یا مہریاں الگ الگ حصے ہیں، اسی طرح بدن کا ہر عضو بھی ایک حصہ ہے، تو کسی ایک حصے یا ایک عضو میں نجاست خفیفہ لگ جائے جو اُس حصے یا عضو کے چوتھائی سے کم ہو تو وہ معاف ہے لیکن اگر پورے بدن یا پورے کپڑے کا چوتھائی حصہ اُس نجاست سے آلودہ ہو جائے تو معاف نہیں ہے۔

۲۔ غلے سے بھوسا جدا کرنے کے لئے اُس پر بیل چلائے جاتے ہیں، اگر اُس حالت میں وہ پیشاب کر دیں تو غلہ ناپاک نہیں ہوتا لیکن اگر بھوسا الگ کر دینے کے بعد پیشاب کریں تو ناپاک ہو جاتا ہے۔

۳۔ پانی کی طرح پتلی چیز سے (اگر پانی موجود نہ ہو) تو نجاست دھوئی جا سکتی ہے لیکن وضو اور غسل صرف پانی ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ گوبر سے لیپی ہوئی زمین ناپاک ہے، اُس پر کچھ بچھائے بغیر بیٹھنا اور نماز یا قرآن پڑھنا درست نہیں ہے۔

۵۔ کوئی کپڑا دو تہہ کا ہے اور ایک تہہ میں نجاست لگ گئی، تو اگر دونوں تہیں سلی ہوئی ہیں تو اُس پر نماز پڑھنا درست نہیں اگر سِلا ہوا نہیں ہے تو جو تہ پاک ہے اُس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

۶۔ اگر زمین پر کوئی نجاست لگ گئی ہو اور خشک ہو کر اُس کا نشان مٹ گیا ہو تو اُس پر نماز پڑھی جا سکتی ہے، مگر اُس جگہ کی مٹی سے تیمم نہیں کیا جا سکتا۔

۷۔ اگر ایسی چیزوں پر نجاست لگ جائے جن کو نچوڑا نہیں جا سکتا مثلاً تخت، چارپائی چبوترہ، زمین وغیرہ تو اُس کو رگڑ کر پانی بہا دینا کافی ہے، احتیاطاً تین دفعہ بہا دینا چاہیئے۔

۸۔ مکھی، مچھر اور کھٹمل کا خون نجس نہیں ہے۔ مچھلی کا خون اگر لگ جائے تو وہ بھی نجس نہیں ہوتا۔

۹۔ گوبر، لید اور مینگنی گو ناپاک چیزیں ہیں لیکن وہ آگ میں جل کر راکھ بن جائیں تو راکھ ناپاک نہیں ہوتی۔

۱۰۔ اگر تیل یا گھی میں ناپاکی پڑ جائے تو اُس میں پانی ڈال کر ہلا یا جائے جب چکنائی اوپر آجائے تو اُسے اوپر سے پُسا لیا جائے۔ ایسا تین بار کرنے سے پاک ہو جائے گا۔

۱۱۔ پیشاب کی باریک چھینٹیں جو دکھائی دینے والی نہ ہوں اگر کپڑے پر پڑ جائیں تو وہ ناپاک نہیں ہوگا، محض شک کی بنا پر دھونے کی ضرورت نہیں ہے (شرح النقایہ)

۱۲۔ روئی کا گدّا، توشک یا لحاف پر اگر بچے کا پیشاب، پاخانہ یا کوئی اور گندگی لگ جائے تو اس کو پانی سے دھونا چاہیئے اگر نچوڑنے میں دقت ہو تو اس پر تین دفعہ اچھی طرح سے پانی بہا دینا چاہیئے۔ روئی نکال کر دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۳۔ کتے کا لعاب ناپاک ہے اگر کسی خشک چیز میں وہ منہ ڈال دے تو جہاں تک منہ ڈالا ہے وہ حصہ نکال کر پھینک دینا چاہیئے اور باقی کا استعمال جائز ہے۔ کتے کا بدن اگر گیلا نہ ہو اور وہ کپڑے یا بدن سے چھو جائے تو نہ جسم ناپاک ہوگا نہ کپڑا، اگر اُس کا بدن گیلا ہو تو جس جگہ وہ چھو گیا ہے اُسے دھو ڈالنا چاہیئے۔ اگر کتا کسی سیال چیز میں منہ ڈال دے تو وہ ناپاک ہو جائے گی اور برتن جس میں منہ ڈالا تھا اسے سات بار

دھونا چاہئیے اور ایک بار مٹی سے ملنا چاہئیے۔

اوپر جو کچھ کہا گیا وہ یہ تھا کہ نجاست غلیظہ اگر لگ جائے تو اُسے کس طرح پاک کیا جاسکتا ہے، اسی طرح نجاست حکمیہ کے بارے میں بتایا گیا کہ حدثِ اصغر وضو کرنے سے اور حدثِ اکبر غسل کرنے سے زائل ہوجاتا ہے اور آدمی پاک ہوجاتا ہے، طاہر چیزوں اور نجس چیزوں کے فرق کو یوں بھی جان لینا چاہئیے کہ بعض چیزیں اللہ نے پاک پیدا کی ہیں وہ اُس وقت تک ناپاک نہیں ہوتیں جب تک نجاست (حقیقی یا حکمی) نہ لگ جائے، ایسی چیزوں کو اعیانِ طاہرہ کہتے ہیں اور بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے نجس ہی پیدا کی ہیں وہ ہمیشہ نجس رہتی ہیں اور پاک چیزوں کو ناپاک کر دیتی ہیں، ایسی چیزوں کو اعیانِ نجسہ کہتے ہیں۔

اعیانِ طاہرہ وہ چیزیں جو اصل میں پاک ہیں یعنی اُن کا نجس ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، یہ ہیں:۔

۱۔ انسان زندہ ہو یا مردہ پاک ہے خدا نے فرمایا "لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" (ہم نے انسان کو مکرم بنایا) تو انسان بحیثیت بنی آدم پاک ہے، اب اگر وہ خدا کا بندہ اپنے کو نہ سمجھے تو یہ ناپاکی اُس کے دل و دماغ میں پیدا ہوئی جسم خدا کا بنایا ہوا تو پاک ہے کیونکہ وہ بنی آدم کا جسم ہے سور کا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" (مشرک نجس ہیں) تو یہاں نجاست معنوی مراد ہے، نجاست جسمانی نہیں۔

۲۔ جمادات۔ ہر وہ جسم جس میں جان نہ ہو خواہ وہ جامد (نہ بہنے والا) ہو یا مائع (بہنے والا) اس میں تمام زمینی اجزاء خواہ وہ معدنی ہوں یا اُگنے والے شامل ہیں۔ جامد کی مثال سونا، چاندی، تانبہ، سیسا، لوہا، کوئلا پتھر وغیرہ اور مائع کی مثال پانی تیل ہر جاندار کا آنسو۔ پسینہ اور دودھ انسان کا یا کسی حلال جانور کا۔ منجملہ پاک جمادات کے انڈا بھی ہے جو گندہ نہ ہوا ہو۔

۳۔ نباتات "اُگنے والی چیزوں کو کہتے ہیں یہ سب پاک ہیں خواہ وہ خشک ہوں جیسے ہر قسم کا غلہ، یا تر جیسے پھل جن سے عرق نکالا جاتا ہو مثلاً گنے کا رس، سرکہ پھولوں کا عرق عطر وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں پاک ہیں لیکن انھیں چیزوں میں جب کوئی چیز ایسی ہو جو عقل و

حواس کو خراب کر دے تو وہ حرام ہو جاتی ہے، اور یہ حرمت مفسد ہونے کی وجہ سے ہے نجس ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

شراب جو سرکہ بن جائے یعنی اُس کی ماہیت بدل جائے تو پاک ہو جاتی ہے اور وہ برتن بھی جس میں وہ رکھی تھی پاک ہو جاتا ہے۔ مالکی اور حنفی فقہاء کا اتفاق ہے کہ شراب خواہ ازخود سرکہ بن جائے یا کسی پاک چیز مثلاً نمک یا پانی وغیرہ ملانے سے بنے تو وہ پاک ہو جاتی ہے لیکن شافعی اور حنبلی فقہا کی رائے میں جب تک ازخود سرکہ نہ بن جائے وہ پاک نہ ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ وَ دَمَانِ اَلسَّمَکُ وَالْجَرَادُ وَالْکَبِدُ وَالطِّحَالُ" یعنی دو مردار اور دو خون ہمیں حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی۔ جگر اور تلی"۔ ایسے مرے ہوئے جانور بھی پاک ہیں جن میں بہتا ہوا خون نہ ہو جیسے مکھی دیمک چیونٹی، پسو، ہر جانور سوائے سور کے اور کتے کے پاک ہے، کتے کی ناپاکی سور سے کم ہے، کتے کا جسم اگر بھیگا ہوا نہ ہو اور کسی چیز سے مس ہو جائے تو وہ چیز نجس نہیں ہوگی بخلاف سور کے جو نجس العین ہے۔

منجملہ پاک اشیاء کے وہ جانور ہیں جن کا گوشت کھانا حلال ہے، پَر، بال، روئیں اور اون حلال جانور کے ہوں یا حرام جانوروں کے، زندہ کے ہوں یا مُردہ کے پاک ہیں جبکہ یہ بال و پَر وغیرہ قینچی سے کاٹے گئے ہوں، مونڈ کر یا بال صفا دوا لگا کر علیحدہ کیے گئے ہوں لیکن نچے ہوئے نہ ہوں۔ نوچنے سے اُن کی جڑیں پاک نہیں ہوں گی۔

اعیانِ نجسہ

نجاست کی تعریف اور اُس کی قسمیں بیان کی جا چکی ہیں، وہ چیزیں جن کا ناپاک ہونا نص صریح سے ثابت ہے بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ خون خواہ وہ انسان کا ہو یا کسی اور جاندار کا ناپاک ہے۔

۲۔ تمام مردہ جانور جو خشکی میں زندگی گزارتے تھے اور جن کے جسم میں خون تھا اور زخم لگنے سے بہتا تھا۔ ناپاک ہیں۔ اس تعریف سے مردہ انسان، ٹڈی، چیونٹی، دیمک مکھی اور پسو خارج ہو گئے جو پاک ہیں۔

۳۔ کتا اور سور زندہ اور مردہ اور اُن سے خارج ہونے والی ہر چیز (لعاب، رینٹ، پسینہ، آنسو)

۴۔ قیح (پیپ) اور صدید (کچ لہو)

۵۔ آدمی (خواہ بڑا ہو یا بچہ) کا فضلہ یعنی پیشاب، پاخانہ، اسی طرح اُن جانوروں کا فضلہ جو خون والے ہیں۔

۶۔ انسان اور دوسرے جاندار کا مادّۂ تولید۔ مذی اور ودی۔

۷۔ قے یعنی وہ غذا جو معدے میں جا کر پھر منہ سے نکل آئے، یا پانی جسے معدہ متلی کے ساتھ اُلٹ دے، جگالی کرنے والے جانوروں کی جگالی بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ وہ بھی معدے سے نکلی ہوئی چیز ہے۔

۸۔ زندہ جانور کا گندا انڈا اور اُن کے بدن کا کوئی حصہ جو جسم سے الگ کر لیا جائے (لیکن مشک اور اُس سے وابستہ کھال (نافہ) دونوں پاک ہیں)

۹۔ حرام جانوروں کا دودھ۔

۱۰۔ نجس اشیاء کا دُھواں جب وہ جلائی جا رہی ہوں۔

۱۱۔ شراب جس کو اللہ تعالیٰ نے رِجس فرمایا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ

نجاست کا ازالہ

نجاست حقیقی اور نجاست حکمی کے بارے میں شریعت کا حکم اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ نجاست کو زائل (دور) کرنے والی چند چیزیں ہیں جن سے مختلف طریقوں سے نجاست دور کی جا سکتی ہے۔

۱۔ پاک کرنے والا پانی۔ پاک پانی اور پاک کرنے والے پانی میں فرق ہے جس کو عن قریب بیان کیا جائے گا۔

۲۔ پاک مٹی۔ دکھائی دینے والی نجاست مٹی سے دور کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ ایسی چیز میں لگی ہو جو جذب نہ کر سکتی ہو۔

۳۔ دھوپ یا ہوا میں خشک کرنا۔ فرشِ زمین اور اُس پر اُگی ہوئی گھاس وغیرہ پر پڑی نجاست کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

۴۔ تپانا۔ مٹی یا پتھر کا برتن دھونے کے بعد تپا لیا جائے تو نجاست بھاپ بن کر دور ہو جائے گی۔

۵۔ چھیلنا (کھرچنا) لکڑی پر لگی ہوئی نجاست چھیلنے سے دور ہو جائے گی۔
۶۔ رگڑنا (گھِسنا) لوہے پیتل تانبے یا شیشے پر لگی نجاست کو رگڑنے سے دور کیا جاسکتا ہے۔
۷۔ جوش دینا۔ شہد میں نجاست پڑ جائے تو اتنا حصہ نکال دینا چاہیے۔ باقی اثر پانی ڈال کر جوش دینے سے دور ہو جائے گا۔
۸۔ پونچھنا۔ تلوار، آئینہ، ناخون اور ہڈی اور کوئی چکنی چیز جس پر نجاست لگ گئی ہو پونچھنے سے پاک ہو جائے گی۔
۹۔ دُھنکنا۔ ناپاک روئی دُھنکنے سے پاک ہو جاتی ہے۔
اس سلسلہ میں خاص خاص باتیں یہ ہیں۔
(۱) کپڑا یا ایسی چیز جس کو نچوڑا جاسکتا ہے، اگر پانی سے کسی برتن میں دھویا جائے گا تو پاک نہ ہوگا۔ بلکہ وہ پانی اور برتن دونوں ناپاک ہو جائیں گے۔ پانی سے تین بار دھونا اور ہر بار نچوڑنا ضروری ہے۔ یا تو بہتے ہوئے پانی میں دھویا جائے یا ہر بار صاف ستھرا پانی اُس پر بہایا جائے، یہاں تک کہ نجاست کا رنگ اور بو باقی نہ رہے۔
۲۔ کپڑے کے علاوہ فرش یا زمین پاک کرنا ہو تو اس پر تین بار پانی بہایا جائے اور ہر بار پاک کپڑے سے پونچھ لیا جائے یا اُس پر اتنا پانی بہا دیا جائے کہ نجاست کا کوئی ظاہری اثر باقی نہ رہے۔
۳۔ وہ برتن جس پر سے نجاست دھو دی گئی ہو لیکن یہ احتمال ہو کہ اس میں جذب بھی ہو سکتی ہے تو تپا کر اُسے پاک کرنا ہوگا۔
۴۔ جوتے یا موزے پر لگی نجاست کو زمین پر رگڑ کر دور کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا اتی احدکم المسجد	تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے تو اُسے
فلیقلب نعلیہ فان کان	اپنے جوتوں کو پلٹ کر دیکھ لینا چاہیے۔
بھما اذی یمسحھا	اگر اُن میں نجاست لگی ہوئی ہو تو اُسے زمین
بالارض فان الارض	پر رگڑ کر صاف کر لینا چاہیے کیونکہ زمین

لھما طھورا۔ — اُنھیں پاک کرنے والی چیز ہے۔

۵۔ زمین کی ناپاکی سوکھنے سے دور ہو جاتی ہے جو آنحضرتؐ کے ارشاد سے ثابت ہے،

ذکاۃ الارض یبسھا فتصح — نجاست آلودہ زمین خشک ہو کر پاک
الصلوٰۃ علیھا ولکن لا یجوز — ہو جاتی ہے اُس پر نماز درست ہے لیکن
منھا التیمم۔ — اُس سے تیمم کرنا جائز نہیں۔

بعض زمین جو نجس ہو گئی ہو سوکھنے سے خود پاک ہو جاتی ہے لیکن پاک کرنے والی نہیں ہوتی۔ جیسے استعمالی پانی سے وضو نہیں ہو سکتا جبکہ وہ خود پاک ہوتا ہے۔

۶۔ خشک مادۂ تولید کو مل کر صاف کیا جا سکتا ہے لیکن گیلے کو دھونا واجب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سے فرمایا تھا:

فاغسلیہ ان کان رطبا وافرکیہ — اُسے دھو ڈالو اگر تر ہے اور خشک ہو تو
ان کان یابسًا۔ — مل کر جھاڑ دو)

اِس اجازت کا صرف آدمی کے مادّے سے تعلق ہے ہر جاندار سے نہیں۔

۷۔ نجاست خفیفہ (جیسے دو سال سے کم عمر لڑکے کا پیشاب) اگر تھوڑا سا لگ جائے تو اُس جگہ پر پانی چھڑک کر خشک کر لینے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے۔ لیکن دودھ پیتی بچی کے پیشاب کو بہر حال دھونا ضروری ہے، ارشاد نبوی ہے:

یغسل من بول الجاریۃ — لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے اور
ویرش من بول الغلام۔ — لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے۔

یہ اسی صورت میں ہے جب صرف دودھ پیتا بچہ ہو، غذا کھانے والے بچے کا پیشاب بھی نجاست غلیظہ ہے۔

۸۔ شراب کی ماہیت بدل کر سرکہ ہو جائے یا خون ہرن کا مشک بن جائے تو دونوں چیزیں پاک ہو جائیں گی۔

۹۔ مردار جانور کی کھال مسالہ وغیرہ لگا کر دباغت کر لینے سے پاک ہو جاتی ہے مگر سور کی پاک نہیں ہوتی۔ امام مالک اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہما صرف سوکھی چیزوں کے لئے

مدبوغ کھال کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں۔

پانی کی قسمیں

کس پانی سے نجاست دور کرنا درست ہے اور کس سے نہیں؟ اس لحاظ سے پانی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ طَہور۔ (پاک کرنے والا) پانی
۲۔ طاہر۔ (پاک) پانی
۳۔ غیر طہور متنجس (پاک نہ کرنے والا گندا) پانی۔

آب طَہور پاک کرنے والا پانی وہ ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہو یا زمین کی سوت سے جاری ہوا ہو اور اس کی تین علامتوں میں سے کسی علامت میں فرق نہ آیا ہو یعنی رنگ، ذائقہ اور بو میں۔

آبِ طاہر وہ پانی جو پاک کرنے والا تھا اگر اُسے استعمال میں اس طرح لایا جائے کہ رنگ یا خوشبو یا ذائقہ کسی پاک شے کے شامل ہو جانے سے بدل جائے جیسے دودھ، گلاب کا عرق، آٹے کا دھوون تو پانی تو پاک رہے گا لیکن وصف طہوریت جاتا رہے گا اس سے وضو یا غسل صحیح نہیں ہے پینے یا کھانا پکانے میں استعمال کیا جا سکتا ہے، چنانچہ دودھ ملا ہوا یا عرق گلاب ملا ہوا پانی پیا جا سکتا ہے اس سے آٹا گوندھا جا سکتا ہے لیکن وضو اور غسل نہیں کیا جا سکتا ایسے پانی کے طہور ہونے کی صفت تب ہی زائل ہو گی جب ذائقہ، رنگ یا بو میں سے کوئی وصف بدل جائے۔ یہ تو طاہر غیر طہور پانی کی ایک قسم تھی۔

دوسری قسم وہ استعمال شدہ پاک پانی جو کم مقدار میں ہو، یعنی دو قلوں سے مقدار میں کم ہو، اُس جگہ کا رقبہ جس میں دو قلہ پانی آتا ہے، مربع ہونے کی صورت میں سوا ہاتھ مکعب کے برابر۔ گول ہونے کی صورت میں چوڑائی ایک ہاتھ، گہرائی ڈھائی ہاتھ اور دَور ۳½ ہاتھ۔ مثلث ہونے کی صورت میں ڈیڑھ گز چوڑائی اتنی ہی لمبائی اور دو گز گہرائی۔

تواستعمال شدہ پانی اگر دو قلوں سے کم ہو تو وہ پاک کرنے والا نہیں ہے یعنی وضو یا غسل میں اُس کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

طاہر غیر طہور پانی کی تیسری قسم وہ پانی ہے جو سبزیوں میں سے نکلے خواہ وہ عرق کشید کرنے کے طریقے سے نکالا جائے یا اس کے بغیر جیسے تربوز کا پانی تو یہ پانی طاہر ہے اسے پیا جاسکتا ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے، وضو اور غسل نہیں کیا جاسکتا۔

استعمال شدہ پاک پانی وہ ہے جس سے کسی قسم کی نجاست نہ دھوئی گئی ہو نہ اُس پانی میں نجاست ملی ہو بلکہ اُس پانی سے نماز پڑھنے، حج کی نیت کرنے، قرآن شریف کو چھونے یا کسی عبادت کرنے سے پہلے اعضائے وضو دھوئے گئے ہوں یا جسم پر پانی بہایا گیا ہو اور وہ ایک جگہ جمع ہوگیا ہو تو ظاہر ہے کہ پانی اپنی جگہ پاک ہے لیکن اُس سے دوبارہ پاک کرنے کا کام نہیں لیا جاسکتا اسی لئے اُسے طاہر غیر طہور کہتے ہیں۔

غیر طہور نجاست آلود پانی پاک نہیں ہے۔ لیکن نجاست اگر کثیر پانی میں مل جائے اور اس سے اس کے ذائقے، رنگ یا بو میں فرق نہ آئے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ کم مقدار میں پانی نجس شے کی آمیزش سے ناپاک ہوجائے گا خواہ رنگ و بو اور ذائقے میں فرق آئے یا نہ آئے۔ دریا یا چشمے کا پانی جو ہمیشہ بہتا رہتا ہے اور سمندر کا پانی جو بہت زیادہ ہوتا ہے نجاست گرجانے سے گندا نہیں ہوتا۔

اوپر پانی کی تینوں قسموں کی تعریف اور اُن کا حکم بیان کیا گیا، اب اسی سے متعلق عام باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ اگر پانی کا مزہ، بو یا رنگ صرف رکھے رہنے کی وجہ سے بدل جائے یا پتیاں گرجانے کی وجہ سے مزہ یا رنگ بدل گیا ہو تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، اسی طرح اگر ذرا سی مٹی مل جانے سے پانی کا رنگ مٹیلا ہوجائے تو بھی طہارت حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اگر ان چیزوں کی وجہ سے پانی گاڑھا ہوجائے تو اس سے پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

۲۔ کھیتوں کی سینچائی کے لئے جو پانی کنووں یا ٹیوب ویل سے نالیوں کے ذریعے لیا جاتا ہے اُس کا حکم بھی جاری پانی کا ہے اگر اس میں نجاست گرجائے تو ہٹ کر دوسری

جگہ وضو اور غسل کیا جا سکتا ہے البتہ اگر اتنی نجاست ہو کہ رنگ وغیرہ بدل جائے تو اُس سے طہارت ناجائز ہوگی۔

۳۔ اگر کوئی پاک چیز مثلاً صابن، زعفران، کپڑا رنگنے کا رنگ پانی میں مل جائے اور ہلکا سا رنگ آجائے لیکن پانی کا پتلا پن جوں کا توں رہے تو پاکی حاصل کرنے میں مانع نہیں ہے البتہ اگر رنگ شوخ ہوگیا یا سرکہ اور دودھ ملانے سے اُس کا رنگ نظر آنے لگا تو وضو اور غسل درست نہیں ہے۔

۴۔ پانی میں بیر کی پتی ڈال کر پکایا گیا ہو تو اگر ہلکا سا رنگ آگیا اور پانی گاڑھا نہیں ہوا تو اُس سے غسل اور وضو کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ گلاب اور دواؤں کا عرق۔ سوڈا واٹر، گنے کا رس یا کسی قسم کا شربت اور پھلوں کا پانی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو پی جا سکتی ہیں لیکن وضو اور غسل کرنا درست نہیں۔

۶۔ غیر مرد کا جھوٹا پانی عورت کے لئے یا غیر عورت کا جھوٹا پانی مرد کے لئے مکروہ ہے۔

وہ پانی جو پینے سے جھوٹا ہوگیا انسان مسلمان ہوں یا غیر مسلم اُن کا پیا ہوا پانی پاک ہے سوائے اس صورت کے کہ کوئی ناپاک چیز مثلاً سور یا مردار کھا کر یا شراب پی کر پانی جھوٹا کر دیا ہو۔ چرند یا پرند حلال جانور نے اگر کسی برتن سے پانی پی لیا تو اُس کا جھوٹا پانی بھی پاک ہے بشرطیکہ کوئی نجس چیز منہ کو لگی ہوئی نہ ہو، گھوڑے کا جھوٹا بھی پاک ہے، دریائی جانوروں کا جھوٹا پانی بھی پاک ہے خواہ وہ حلال جانور ہوں یا حرام۔ اگر یہ یقین ہو کہ منہ یا پنجہ جو پانی کو لگا اُس میں گندگی تھی تب ہی پانی ناپاک مانا جائے گا۔

جن جانوروں کا جھوٹا پانی ناپاک ہو جاتا ہے کتے سور اور درندے جیسے شیر بھیڑیا وغیرہ کا پیا ہوا پانی مکروہِ تحریمی یا ناپاک ہے لیکن بہتا ہوا پانی اگر پی لیں تو اُس جگہ سے ہٹ کر پانی سے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے۔

وہ جانور جن کا جھوٹا مکروہِ تنزیہی ہے حرام جانور جو عام طور پر مکانوں میں رہتے ہیں جیسے بلی چوہا، چھپکلی یا حرام پرندے جیسے کوا

چیل، شکرا یا باز وغیرہ یا ایسے حلال جانور جو آزادانہ گندی چیز کھانے کے عادی ہوں جیسے مرغیاں، گائے، بیل، بھینس وغیرہ تو یہ اگر پانی میں منہ ڈال دیں تو کراہت تنزیہی آجائے گی اور اگر منہ میں نجاست لگی ہو تو وہ پانی نجس ہو جائے گا۔

کنویں کے پانی کے مسائل

نجاست خفیفہ ہو یا غلیظہ اگر کنویں میں گر جائے تو کنویں کا سارا پانی ناپاک ہو جائے گا، مثال کے طور پر گائے بھینس کا گوبر، گھوڑے کی لید، آدمی کا پاخانہ، پیشاب، خون، پیپ، مرغی یا بط کی بیٹ اور شراب۔

اسی طرح اگر کوئی جاندار پانی میں گر پڑے جس کے جسم میں خون ہو تو بھی کنویں کا پانی ناپاک ہو جائے گا، جاندار کے گرنے کے بعد تین حالتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی حالت یہ کہ مر کے جسم پھول اور پھٹ گیا یا اعضا بکھر گئے اور پر و بال جھڑ گئے۔

دوسری حالت یہ کہ مر گیا لیکن پھولا پھٹا یا بکھرا نہیں۔

تیسری حالت یہ کہ جو جاندار گرا وہ مرا نہیں بلکہ زندہ نکال لیا گیا۔

اب ہر حالت کی تفصیل اور اُس کا حکم بیان کیا جاتا ہے:

پہلی حالت میں کنواں نجس ہو جائے گا اور جو ڈول اُس میں ڈالا گیا وہ اور اس کی رسّی بھی ناپاک ہو گئی، اگر کنویں کا تمام پانی نکالنا ممکن ہو تو اس کے بغیر وہ پاک نہ ہو گا لیکن جب تک اُس مرے ہوئے جسم کو پہلے نہ نکالا جائے، پانی نکالنے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا، اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دو سو ڈول پانی نکالنے کے بعد کنواں پاک ہو جائے گا، ڈول وہ ہونا چاہیے جو بالعموم استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح پانی نکال دینے سے تمام کنواں، اُس کی دیواریں، ڈول رسی اور نکالنے والے کے ہاتھ سب چیزیں پاک ہو جائیں گی۔

دوسری حالت میں اگر مرنے والا انسان یا بکری ہے تو اُس کی لاش نکالنے کے بعد پانی نکالنے کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ جب تک سارا پانی یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو سو

ڈول نہ نکالے جائیں وہ کنواں پاک نہ ہوگا نہ ڈول اور رسی پاک ہوگی۔ اگر گر کر مرنے والا چھوٹا جانور ہو جیسے بلی، مرغی یا کبوتر لیکن سڑا گلا نہیں اور پر و بال بھی الگ نہیں ہوئے تو کنوئیں کا پانی نجاست آلود متصور ہوگا اور جب تک اس جانور کو نکالنے کے بعد چالیس ڈول پانی نہ نکالا جائے وہ پاک نہ ہوگا۔ اگر گرنے والا جانور چڑیا یا چوہا جیسا ہو تب بھی کنوئیں کا پانی نجاست آلود ہو جائے گا اور مری ہوئی چیز کو نکالنے کے بعد بیس ڈول پانی نکالے بغیر پاک نہ ہوگا۔

تیسری حالت گرے ہوئے جاندار کا زندہ نکلنا ہے اگر تو اگر وہ جانور نجس العین ہے تو سارا پانی نکالنا یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو سو ڈول نکالنا ضروری ہے جیسے پہلی حالت میں بیان کیا گیا۔ اگر وہ جانور نجس العین نہیں ہے تو اگر اس کے بدن پر نجاست غلیظہ فضلہ وغیرہ لگا تھا تو نجس العین کی طرح سے کنوئیں کو پاک کرنا ہوگا لیکن اُس کے بدن پر اگر نجاست نہیں تھی تو بیس ڈول پانی نکال دینا مستحب ہے۔

ایسے جانور جن میں خون نہیں ہوتا یا مینڈک یا مچھلی وغیرہ اگر کنوئیں میں مر جائے تو پانی نہیں ہوتا۔ مالکی فقہا کے نزدیک خشکی کا ہر جانور خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اگر اس کے مرنے سے پانی میں تبدیلی آ گئی تو کنوئیں کا پانی نجس ہو جائے گا، تبدیلی سے مراد اوصاف ثلاثہ کا تغیر ہے یعنی مزہ، رنگ اور بو۔

انسانی جسم اور لباس کو نجاست سے پاک رکھنا

انسان برخلاف دوسرے جانداروں کے اس بات کا مکلف ہے کہ اپنے جسم کو اور کپڑوں کو ہر قسم کی گندگی اور نجاست سے پاک رکھے اور اس کا خاص اہتمام کرے کیونکہ یہ عبادات کی بجا آوری کی اوّلین شرط ہے، پیشاب اور فضلہ خارج ہونا ایک فطری عمل ہے اور اس کی حاجت ہر جاندار کو پیش آتی ہے۔ انسان پر یہ خاص ذمہ داری ہے کہ رفع حاجت کے بعد گندگی خارج ہونے کے مقامات کو آلودہ نہ رہنے دے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو جسم کے ساتھ لباس بھی نجاست آلود ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ لازم ہے کہ جہاں جہاں سے گندگی خارج ہوئی ہے اُس کو خشک اور پاک کیا جائے اس عمل کو اصطلاح میں استنجا، استطابت اور استجمار کہتے ہیں۔

استنجاء کی تعریف لفظ استنجاء عربی زبان کے ایک فقرے سے ماخوذ ہے نجوتُ الشجرۃ (میں نے درخت کو جڑ سے کاٹ دیا) استنجاء کا مفہوم بھی یہ ہے کہ پلیدی کو جڑ سے کاٹ دیا جائے۔ استطابت کے معنی ہیں راحت اور خوشی حاصل کرنا۔ گندگی دور ہو جانے سے بھی راحت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ استجمار۔ جمار سے ماخوذ ہے یعنی چھوٹی کنکریاں، یہ اصطلاح ڈھیلے یا پتھر کے ٹکڑے استعمال کرنے کے لئے بولی جاتی ہے۔

استنجاء (طہارت) کا طریقہ اصل طریقہ استنجا کا پانی سے کسی جگہ کو پاک کر دینا ہے پہلی امتوں کی شریعت میں پانی سے طہارت کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے پانی سے طہارت حاصل کی وہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اسلام نے سہولت کے پیش نظر ڈھیلے وغیرہ جیسی چیزوں سے جن میں کوئی ضرر نہ ہو طہارت کی اجازت دی ہے۔

استنجاء کے ارکان (۱) مُستنجی۔ یعنی گندگی کو دور کرنے والا شخص (۲) مُستنجیٰ منہ۔ وہ گندگی جس سے جسم آلودہ ہو۔ (۳) مستنجیٰ بہ۔ وہ چیز جس سے گندگی کو دور کیا جائے۔ (۴) مستنجیٰ فیہ۔ وہ جگہ جس کو پاک وصاف کرنا ہے۔

استنجاء کا حکم ہر نجس شے یا ہر نجاست جو انسان کے جسم سے خارج ہو جیسے پیشاب یا پاخانہ جو معمول کے مطابق خارج ہوتا ہے۔ یا غیر معمولی جیسے خون ودی، یا مذی تو اس سے پاک ہونا واجب ہے، یہ استنجا اُسی وقت ضروری ہے جب نجاست کا خارج ہونا بند ہو ورنہ استنجا بیکار ہوگا۔ جو نجاست مخرج کے دہانے پر ہو اور آگے نہ بڑھی ہو خواہ وہ پیشاب پاخانہ ہو یا مذی، ودی اور خون وغیرہ تو اُسے زائل کرنا سنّت مؤکدہ ہے، اسی کو استنجا اور استجمار کہتے ہیں، یہ ڈھیلے سے بھی دور ہو جاتی ہے اور پانی سے بھی لیکن اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو اس کا ازالہ فرض ہوتا ہے اُس کو استنجا نہیں بلکہ ازالۂ نجاست کہتے ہیں، متجاوز نجاست کو پانی سے دھونا واجب ہے خواہ اس کی مقدار ایک درہم کے برابر نہ ہو، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر نجاست کی مقدار ایک درہم سے زیادہ نہ ہو تو پانی سے دھونا بہتر ہے البتہ واجب نہیں ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے یہی حکم

ہے، مرد پر استبرار بھی واجب ہے عورت پر نہیں ہے، استبرار سے مراد پیشاب کا وہ آخری قطرہ جو فراغت کے بعد مخرج پر رُکا ہوا ہو اُسے پورے طور پر خارج ہونے دیا جائے۔ عورت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے، البتہ بیٹھنے میں جو حصہ نمایاں ہوتا ہے اُسے پورا دھونا ضروری ہے

رفع حاجت کے آداب

رفع حاجت فطری اعمال میں سے ہے اور ہر جاندار اُسے فطرت کے مطابق ہی انجام دیتا ہے لیکن انسان اور غیر انسان میں فرق ہے، شریعت نے انسانوں کے لئے جو آداب مقرر فرمائے ہیں وہ حفظان صحت اور ستھرائی کے تقاضوں کے مطابق ہیں، شریعت نے جو پابندیاں لگائی ہیں وہ تمام تر معاشرے کی بہبود اور انسان کی بھلائی کے لئے ہیں ایک اُن میں سے استبرار ہے جس کا ذکر ابھی کیا گیا، بعض اشخاص کی عادت ہوتی ہے کہ پیشاب کر کے فوراً کھڑے ہو جانے یا چلنے پھرنے یا کوئی کام کرنے سے پیشاب کے رُکے ہوئے قطرے نکل جاتے ہیں تو ایسے لوگوں پر بطور خود استبرار واجب ہے یعنی جب گمان غالب ہو جائے کہ اب کچھ باقی نہیں رہا تب ہی استنجا کرے۔

۲۔ جہاں ٹھہرا ہوا پانی ہو وہاں پیشاب یا پاخانہ کرنے کی ممانعت ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے اس کی افادیت ظاہر ہے، اس کے علاوہ پانی کو گندہ کرنا بذات خود ایک مذموم خصلت ہے۔

۳۔ ایسی جگہوں پر جہاں سے پانی بہہ کر آتا ہو یا جہاں لوگوں کی آمد و رفت ہو یا کوئی سایہ دار جگہ ہو جہاں لوگ آرام لینے بیٹھ جاتے ہوں رفع حاجت کرنا حرام ہے۔ ابوداؤد نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقو الملاعن الثلاث البراز فی الموارد وقارعة الطریق و الظل۔ (ابوداؤد)	لعنت کے تین موارد سے بچو (لعنت ملنے کی جگہوں سے) پانی کے گھاٹ، راستے کے سرے یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ پیشاب کرنے سے)

معلوم ہوا کہ ان مقامات پر رفع حاجت کرنا گویا اپنے آپ کو ہدفِ لعنت بنانا ہے۔ مقبروں پر۔ یعنی وہ جگہ جہاں لوگ اس لئے جاتے ہیں کہ عبرت حاصل کریں اور آخرت کو یاد کریں، ایسے مقامات کو پیشاب پاخانے کی جگہ بنانا منع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

لأن یجلس احدکم علی
جمرة فتحرق ثیابه فتخلص
الی جلده خیر له من
ان یجلس علی قبر۔

کوئی انگارے پر بیٹھ جائے جس سے کپڑے
جل جائیں اور کھال جھلس جائے یہ اِس
سے بہتر ہے کہ وہ کسی قبر پر بیٹھے۔

توجب کسی قبر پر بیٹھ کر گپ شپ کرنا اس درجہ مبغوض ہے تو پھر بول و براز کرنا تو اس سے کہیں زیادہ برا ہے۔

۵۔ قبلے کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے رفع حاجت کرنا گناہ ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک میدان میں ایسا کرنا گناہ ہے۔ لیکن گھروں میں بنے ہوئے پاخانوں میں ایسا کرنا حرام نہیں ہے، استنجا کرتے یا ڈھیلا استعمال کرتے وقت بھی ایسا کرنا حرام نہیں ہے لیکن مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو ہر حالت میں مکروہ تحریمی فرماتے ہیں چاہے میدان ہو یا گھر۔ رسولؐ اللہ کی یہ حدیث کہ:

اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا
القبلة ولا تستدبروها
ببول ولا غائط۔

(یعنی) جب پاخانے جاؤ تو پیشاب یا پاخانہ
کرنے میں قبلے کی جانب نہ منہ کرو
نہ پیٹھ۔

اپنے مفہوم میں عام ہے لہذا امام صاحب اس میں جگہ کی تخصیص نہیں فرماتے۔

۶۔ ہوا کے رُخ مُنہ کر کے فراغت کرنا مکروہ ہے۔ جدھر سے ہوا کا جھونکا آرہا ہو تو پیشاب کی چھینٹ الٹ کر آسکتی ہے اور رفع حاجت کرنے والے کو نجس کر سکتی ہے۔ شارع علیہ السلام نے اسی مصلحت کے پیش نظر اس کو مکروہ قرار دیا ہے تاکہ لوگوں کو پاک صاف رہنے کی ترغیب ہو۔

۷۔ رفع حاجت کی حالت میں بولنا مکروہ ہے۔ یہی نہیں کہ ایسا کرنا خود کلام کی توہین ہے، یہ امکان بھی ہے کہ دوران گفتگو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسولؐ کا نام یا ایسا ہی کوئی مقدس لفظ زبان پر آجائے۔ البتہ اگر ضرورۃً بولنا پڑ جائے مثلاً پانی کا لوٹا مانگنے یا ڈھیلا اُٹھا کر

دینے کے لئے یا کسی بچے یا نابینا کو ضرر سے محفوظ رکھنے کے لئے یا مال کو ضائع ہونے سے
بچانے کے لئے تو ایسے ہی کسی کام کے لئے بولنا مکروہ نہیں ہے۔
۸۔ سورج یا چاند کے سامنے بیٹھ کر رفع حاجت کرنا مکروہ ہے، دونوں اللہ کی قدرت کی نشانی
اور اُس کی نعمت ہیں جن سے خلق خدا کو فائدہ پہنچتا ہے، نعمت کا احترام اور اس کی قدر کرنا
مخلوق پر لازم ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے بھی سورج کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا مضر ہے۔
۹۔ استنجا بائیں ہاتھ سے کرنا چاہیئے کیونکہ دایاں ہاتھ بالعموم کھانا وغیرہ کھانے یا مشروب ہاتھ
میں لے کر پینے کے لئے ہے۔ پاک مٹی، کنکر، پتھر یا کچی اینٹ کے ٹکڑے سے جو بالکل خشک
ہو، ان سے استنجا کیا جا سکتا ہے، ہڈی، کوئلہ۔ کپڑا یا ایسی چیز سے جو کھانے کے کام
میں آتی ہو استنجا کرنا مکروہ ہے، گوبر خشک ہونے پر بھی پاک کرنے والا نہیں ہے۔
نجس اشیاء کو ڈھیلے کے طور پر استعمال کرنا صحیح نہیں۔ چکنا شفاف پتھر، سنگ مرمر،
شیشہ اور اِن جیسی چیزوں کا استعمال جائز نہیں۔
۱۰۔ کسی اور کی مملوکہ دیوار سے ڈھیلا لے کر استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ڈھیلے سے اُسی نجاست
کا ازالہ ہو سکتا ہے جو خشک نہ ہو گئی ہو۔ پیشاب پورے حشفہ پر نہ پھیل گیا ہو اور پاخانہ
صفحہ تک نہ پھیلا ہو (صفحہ کولے کے وہ حصے جو کھڑے ہونے میں مل جاتے ہیں اور
حشفہ وہ حصہ ہے جو ختنے کی جگہ سے اوپر ہو (یعنی سپاری) عورت کے لئے ڈھیلے
سے استنجا جب صحیح ہو گا کہ کنواری کی نجاست اُس حصے سے آگے نہ گئی ہو جو بیٹھتے وقت
کھل جاتا ہے اور شادی شدہ کی نجاست اندرونی حصے سے آگے نہ پھیلی ہو، بصورت دیگر
خصوصیت سے پانی کا استعمال کرنا ہو گا جس طرح غیر ختنہ شدہ مرد کا استنجا پانی سے لازم
ہوتا ہے، ڈھیلے سے استنجا کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تین بار سے کم نہ ہو اور ہر بار
پوری جگہ کو صاف کیا جائے۔
اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ جسم یا لباس پر لگ جانے والی نجاستوں سے پاک کرنے کے متعلق
تھا۔ لیکن نجاست حکمی خواہ حدث اصغر کی وجہ سے لاحق ہو یا حدث اکبر کی وجہ سے اُنھیں احکام پر
عمل کرنے سے رفع ہو سکتی ہے جو شریعت نے دیئے ہیں۔

نجاست حکمی کے ضمن میں حدث اصغر کا حکم بیان کرتے ہوئے بتایا جاچکا ہے کہ اس حالت میں نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے نہ قرآن پاک کو ہاتھوں سے چھوا جاسکتا ہے تاوقتیکہ وضو نہ کرلیا جائے۔ ذیل میں وضو کے مسائل بیان کئے جاتے ہیں۔ فقہی اصطلاحات فرض، سنت، واجب، مستحب اور مکروہ وغیرہ کی تشریح بھی ان مسائل کے ذکر میں آئے گی۔

وضو کے معنی اور تعریف

لغت میں اس لفظ کے معنی خوبی اور پاکیزگی کے ہیں چنانچہ وَضُأَ وَضَاءَۃً کے معنی ہیں "وہ اچھا ہوگیا اور پاک ہوگیا"، یہ معنی عمومیت کے حامل ہیں۔ شرع میں خاص طریقۂ پاکیزگی کو کہتے ہیں جس سے ظاہری حسی اور باطنی معنوی دونوں طرح کی پاکیزگی (یعنی وضاءۃ) حاصل ہوتی ہے۔ اصطلاح فقہ میں وضو سے مراد چہرے، ہاتھوں سر اور پیروں کو ایک خاص ڈھنگ سے دھونا اور مسح کرنا ہے جس کی تفصیل فرائض وضو اور اس کی سنتوں اور مستحبات کے بیان میں آگے آرہی ہے۔

وضو کا حکم اور اس سے متعلق امور

وضو کا فعل انجام دینے سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ کیفیت یکسر دور ہوجاتی ہے جس کی تشریح حدثِ اصغر میں بیان کی گئی ہے، شارع علیہ السلام نے حدث دور کرنے کا یہی طریقہ بتایا ہے جس کے بعد ہی فرض اور نفل نمازیں، سجدۂ تلاوت، سجدۂ شکر، طواف کعبہ (فرض یا نفل) ادا کیا جاسکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلطَّوَافُ حَوْلَ الْبَیْتِ مِثْلُ	کعبے کے گرد طواف کرنا نماز کی مانند
الصَّلٰوۃِ اِلَّا اَنَّکُمْ تَتَکَلَّمُوْنَ	ہے سوا اس کے کہ طواف میں تم باتیں
فِیْهِ فَمَنْ تَکَلَّمَ فِیْهِ فَلَا یَتَکَلَّمَنَّ	بھی کرتے ہو تو جب کوئی بات کرے تو
اِلَّا بِخَیْرٍ (ترمذی)	بھلائی کے سوا کچھ نہ کہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی طرح ان اعمال کے لئے بھی وضو واجب ہے۔ یہی حکم قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کا ہے خواہ پورا قرآن ہو یا اس کا کوئی حصہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ	قرآن کو صرف پاک لوگ ہی چھوئیں

قرآن شریف کو بغیر وضو کے چھونا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مکلف شخص قرآن پاک یا اُس کے کسی حصّے کو بے وضو ہاتھ نہ لگائے یہاں تک کہ اگر وہ جزدان یا رحل پر ہو تو اُس جزدان اور رحل کو بھی بغیر وضو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے، قرآن کی جلد اگر اصل کتاب سے الگ ہوجائے تب بھی وہ محترم ہے جب تک وہ قرآن کی جلد کہی جاتی رہے۔ اگر گھریلو سامان سے کسی شے یا کپڑے پر قرآن رکھا ہو اور اُس کو مع قرآن کے اُٹھانا ہو تب بھی باوضو ہاتھ لگانا چاہیئے۔

حسب ذیل صورتوں میں بے وضو ہاتھ لگایا جاسکتا ہے:

(۱) نابالغ بچے جو قرآن سیکھتے ہوں تو قرآن ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔

(۲) غلاف کعبہ جس پر قرآنی آیات لکھی ہوں بے وضو ہاتھ میں لیا جاسکتا ہے۔

(۳) وہ کتابیں جن میں بطور حوالہ قرآنی آیات تحریر کی گئی ہوں بے وضو چھوئی جاسکتی ہیں۔

(۴) وہ آیات قرآنی جن کو کپڑے میں لپیٹ کر تعویذ بنایا گیا ہو۔

(۵) سکہ جس پر قرآنی آیت منقوش ہو۔

(۶) قرآن شریف کو پانی میں ڈوبنے یا آگ میں جلنے سے بچانے کے لئے بے وضو اٹھالینا جائز ہے۔

۷۔ اگر قرآن عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں لکھا ہوا ہو تو اُسے بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

۸۔ کتاب اللہ کو ہاتھ لگائے بغیر تلاوت بے وضو جائز ہے۔ حائضہ عورت کو اور اُس شخص کو جس پر غسل واجب ہے ایسا کرنا حرام ہے۔

شرائط وضو وضو کی شرطیں تین طرح کی ہیں:

(۱) واجب کرنے والی شرطیں یعنی جن کی موجودگی میں مکلّف انسان پر وضو کرنا واجب ہوتا ہے، اگر وہ شرطیں یا ان میں سے کچھ نہ پائی جائیں تو وضو واجب نہ ہوگا۔

(۲) وضو صحیح اور درست ہونے کی شرطیں یعنی وہ شرائط جن کے بغیر وضو ہو ہی نہیں سکتا

۳۔ واجب اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرطیں یعنی اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پوری ہو تو وضو واجب بھی نہیں ہوتا اور اگر کر لیا جائے تو درست بھی نہیں ہوتا۔

وضو واجب ہونے کے شرائط

(۱) بالغ ہونا۔ جو شخص (مرد یا عورت) بلوغ کی حد کو نہ پہنچا ہو اُس پر وضو واجب نہیں لیکن اگر وضو کرے تو وہ صحیح متصور ہوگا۔ مثلاً کسی نے وضو کیا اور وہ بالغ نہیں تھا پھر وہ بالغ ہو گیا تو اُسی وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ صورت اگرچہ نادر الوقوع ہے لیکن جہاں پانی کمیاب ہو یا مسافرت کی حالت میں پیش آئے تو قابل عمل ہے۔

(۲) نماز کا وقت آجانا۔ کسی نماز کا وقت آجائے تو مکلّف پر اُس وقت کی نماز ادا کرنا واجب ہے اور چونکہ نماز بغیر وضو ادا نہیں کی جا سکتی اس لئے وضو بھی ساتھ ہی ساتھ واجب ہو جائے گا۔ نفل نماز کے لئے بھی وضو واجب ہے، اس لئے جب بھی نفل نماز کا ارادہ کیا جائے اُسی وقت وضو بھی واجب ہو جاتا ہے۔

۳۔ پہلا وضو باقی نہ رہنا۔ یعنی کوئی امر ناقضِ وضو صادر ہو جائے اور وضو باقی نہ رہے تو پھر سے وضو کرنا واجب ہے ورنہ نماز ادا نہ ہوگی۔ اور وضو کرنے میں حدث لاحق ہو جائے تو دوبارہ وضو کرنا واجب ہے۔

۴۔ وضو کرنے کا مقدور حاصل ہونا اس شرط سے وہ صورت خارج ہو گئی کہ مرض کے سبب پانی کو استعمال کرنے سے عاجز ہو یا پانی وضو کے لئے میسر ہی نہ ہو۔ تیمم کے مسائل میں اس کی تفصیل بیان ہوگی۔

وضو صحیح ہونے کے شرائط

۱۔ صاحب تمیز ہونا۔ جو بچہ سن تمیز کو نہ پہنچا ہو یا جو مخبوط الحواس ہو اُس کا وضو صحیح نہیں ہے۔ یہی حال اُس شخص کا بھی ہے جس کو وضو کرنے کی صحیح تعلیم نہ دی گئی ہو۔

۲۔ اعضائے وضو پر کوئی ایسی شے نہ ہو جو وضو کا پانی بدن پر پہنچنے سے مانع ہو۔ اگر چہرے یا ہاتھ پر موم یا کسی قسم کی چکنائی جم کر رہ گئی یا آٹا چپک گیا ہے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

۳۔ وضو کرنے کی نیت سے وضو کے فرائض پورے کرنا، اس کے بغیر وضو صحیح نہ ہوگا۔

وضو واجب اور صحیح ہونے کی مشترکہ شرطیں ۱۔ پانی کا طہور (پاک کرنے والا ہونا) غیر طہور پانی سے نہ تو وضو صحیح ہو گا اور نہ واجب کی تکمیل ہو پائے گی۔

۲۔ عقل۔ صحت وضو اور وجوب وضو کے لئے ضروری ہے لہٰذا مجنوں، مرگی زدہ، مخبوط الحواس پر وضو واجب نہیں ہے، اور اگر وضو کرے تو صحیح نہ ہو گا۔ اگر کسی فاتر العقل نے وضو کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس مرض سے نجات ہو گئی تو اُس وضو سے نماز درست نہ ہو گی۔

۳۔ عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا۔ کیونکہ اس حالت میں عورت پر نہ وضو واجب ہے نہ درست ہے، اگر حالت حیض میں کسی عورت نے وضو کیا پھر وہ پاک ہو گئی تو اُس وضو کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ وہ درست ہی نہ تھا۔ البتہ حائضہ عورت کے لئے مستحب یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرے اور اپنی جانماز پر بیٹھ جایا کرے اس سے غرض صرف یہ ہے کہ نماز چھوٹ جانے کی حالت میں اُس سے غفلت پیدا نہ ہو جائے۔

۴۔ نیند اور غفلت کی حالت میں نہ ہونا۔ بعض سوئے ہوئے شخص نیند میں کھڑے ہو جاتے اور چلتے پھرتے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں وضو کر لینا نہ تو صحیح سمجھا جائے گا نہ واجب۔

۵۔ مسلمان ہونا۔ ظاہر ہے کہ غیر مسلم سے وضو کا مطالبہ نہیں۔ اب اگر کوئی کافر ہاتھ منہ اور پیر دھولے تو اسلام کا پیرو نہ ہونے کے سبب اُس پر وضو واجب ہی نہ تھا۔ اور اگر بعد میں وہ مسلمان ہو گیا تو اُس کا وہ وضو صحیح متصور نہ ہو گا۔

وضو کے فرائض فرض کے معنی لغت میں کاٹنے یا شگاف کرنے کے ہیں فرضت الخشبۃ (میں نے لکڑی میں شگاف ڈال دیا) اور فرضت الحبل میں نے رسی کاٹ دی، شریعت میں ایسے عمل کو کہتے ہیں جس کے کرنے میں ثواب، اور نہ کرنے میں عذاب کا یقین ہو (بے شک وشبہ) فرض رکن کے برابر ہے، اُس میں اور شرط میں فرق یہ ہے کہ فرض کسی چیز کی ماہیت میں داخل ہوتا ہے جبکہ شرط ماہیت میں داخل نہیں ہوتی۔ مثلاً:

تکبیر، رکوع، سجدہ وغیرہ نماز کے فرائض ہیں اور نماز کی ماہیت میں داخل ہیں، ان کے بغیر نماز کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، جبکہ "وقت" نماز کے لئے شرط ہے ماہیت میں داخل نہیں ہے لیکن لازم ہے، جب تک وہ نہیں پائی جائے گی نماز نہیں ہوگی۔ فرض کی تعریف فقہائیوں بھی کرتے ہیں کہ وہ حکم جو قرآن میں یا قرآن وحدیث دونوں میں ہو یا متعدد حدیثوں سے ثابت ہو اُس کا منکر کافر اور اُس کا بلا عذر چھوڑنے والا فاسق ہوتا ہے۔ وضو کے فرائض قرآن کریم میں چار ہیں۔ پہلے چہرے کا دھونا، دوسرے ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا۔ تیسرے سَر یا اُس کے کچھ حصے کا مسح کرنا، چوتھے پیروں کا ٹخنوں تک دھونا۔ یہ چاروں فرائض اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں مذکور ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (مائدہ - ٦)

اے ایمان والو! جب تم نماز کو کھڑے ہو تو پہلے اپنے چہروں کو، اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھولو اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو ٹخنوں تک دھولو۔

حنفی فقہا کے نزدیک یہی چار فرائض ہیں، شافعی فقہا کے نزدیک نیت اور ترتیب (جیسی قرآن کریم میں ہے) بھی فرض ہے، مالکی فقہا دھونے میں اتنی جلدی کرنا کہ کوئی عضو خشک نہ ہونے پائے اور دھوتے میں اُس حصے کو مَلتے جانا بھی فرائض میں داخل قرار دیتے ہیں۔ حنفی فقہا چار فرائض کے علاوہ باقی باتیں یعنی نیت ترتیب موالاۃ (لگاتار دھونا) اور مَل مَل کے دھونا سنّت کہتے ہیں۔ حنبلی اور مالکی فقہا پورے سر کا مسح واجب کہتے ہیں لیکن حنفی اور شافعی فقہا سر کے کچھ حصے کا مسح فرض اور پورے سر کا مسح سنّت قرار دیتے ہیں۔

شافعی، مالکی اور حنبلی فقہا کے نزدیک چہرے کو وہاں سے جہاں سر کے بال بالعموم ہوتے ہیں ٹھوڑی کے آخر تک بے ریش انسان کے لئے اور داڑھی کے سِرے تک باریش انسان کے لئے دھونا واجب ہے، حنفی فقہا کے نزدیک اُس جگہ تک دھونا ضروری ہے جہاں ٹھوڑی ختم ہوتی ہے اگر داڑھی ٹھوڑی کی جلد سے نیچے تک پہنچی ہو تو اُس کا دھونا واجب نہیں ہے۔
دونوں کانوں کے اوپر کا حصہ شافعی اور حنفی فقہا چہرے میں شامل کہتے ہیں اس لئے اُس کا دھونا واجب ہے، لیکن مالکی اور حنبلی فقہا اس خالی جگہ کو سَر کا حصہ قرار دیتے ہیں اور مسح کرنا کافی

کہتے ہیں۔ حنبلی علما کانوں کو بھی چہرے کا حصّہ کہتے اور اُن کو دھونے کا حکم دیتے ہیں جبکہ باقی تین ائمۂ فقہ کانوں کو چہرے میں شامل نہیں کہتے۔ داڑھی کے بال کم ہوں کہ نیچے کی سطح نظر آتی ہو تو اس کا خلال کرنا واجب ہے تاکہ کھال تک پانی پہنچ جائے لیکن اگر بال گھنے ہوں تو صرف اوپری سطح کا دھونا واجب ہے خلال کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنّت ہے، مالکی فقہائے کے نزدیک گھنی داڑھی کا ہاتھ سے ہلانا واجب ہے۔

وضو کی سنتیں

سنّت کے لغوی معنی طریقہ یا عمل کے ہیں جو عام طور پر کیا جاتا ہو، اصطلاح میں وہ فعل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہو یا کرنے کا حکم دیا ہو سنّت کہلاتا ہے، حنفی فقہائے نے اس کی دو قسمیں کی ہیں۔ سنّت موکّدہ اور سنّت غیر موکدہ۔

سنت موکدہ وہ عمل ہے جسے نبی علیہ السلام نے ہمیشہ کیا ہو اور بلا عذر کبھی نہ چھوڑا ہو ان کے نزدیک یہ واجب کے مانند ہے، فرائض کے بیان میں وضو کے لئے چار فرضوں کا ذکر کیا جا چکا ہے باقی باتیں جو دوسرے ائمہ فقہ کے یہاں واجب قرار دی گئی ہیں وہ حنفیوں کے نزدیک سنّت موکدہ ہیں۔ واجب کا ترک کرنے والا حنفی مسلک میں ایسا گنہگار نہیں ہوتا جیسا فرض کا تارک، لہذا واجب کا تارک عذاب دوزخ کا سزاوار تو نہ ہوگا لیکن رسولؐ اللہ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔ تو حنفی علما، جس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں اس سے مراد وہی واجب ہے جس کا ذکر کیا گیا۔

سنّت کی دوسری قسم غیر موکدہ ہے، اس کو مندوب کہتے ہیں اس کا کرنے والا ثواب پاتا ہے، نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا۔

وضو میں چند امور سنّت موکدہ ہیں۔ اُن میں سے ایک تسمیہ (بسم اللہ کہنا) ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تسمیہ کے جو الفاظ مروی ہیں وہ یہ ہیں "بِسْمِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ"۔

وضو بجالانے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو تین بار دھولینا سنت ہے۔ اسی طرح تین تین بار کُلّی کرنا اور تین بار ناک میں پانی پہنچانا بھی سنّت مؤکدہ ہے۔

ہاتھ پیر کی انگلیوں کی گھائیوں میں خلال کرنا بھی سنّت مؤکدہ ہے۔ اعضائے وضو میں سے ہر عضو پر ایک بار پوری طرح پہنچانا تو فرض ہے، دوسری اور تیسری بار دھونا

سنّت موکدہ ہے۔

سر کے چوتھائی حصے کا مسح تو فرض ہے اور پورے سر کا مسح سنّت موکدہ ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے انگلیوں کے سرے ملا کر اگلے حصے سے مسح کرتے ہوئے پیچھے گردن تک لے جایا جائے تاکہ پورے سر کا مسح ہو جائے۔

دونوں کانوں کا مسح کرنا بایں طور کہ کان کے بیرونی حصے کا مسح انگوٹھے کے اندرونی حصے سے اور داخلی حصے کا مسح کلمے کی انگلی سے کیا جائے۔

نیت وضو کرنے کی ہونا حنفیوں کے نزدیک سنّت، شافعی اور مالکی فقہا کے نزدیک فرض اور حنبلی فقہا کے نزدیک شرط ہے۔ نیت کا تعلق دل سے ہے اور نیت کا وقت وہ ہے جب منہ دھویا جائے اگر نیت کے الفاظ منہ سے ادا کئے جائیں تو یہ مستحب ہے جیسے نَوَیْتُ اَنْ اَتَوَضَّاءَ لِلصَّلٰوۃِ تَقَرُّبًا اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی (میں وضو کرنے کی نیت کرتا ہوں نماز کے لئے تاکہ قرب الٰہی حاصل ہو) یا نَوَیْتُ رَفْعَ الْحَدَثِ (ناپاکی دور ہونے کی نیت کرتا ہوں) یا نویت الطَّھَارَۃَ (پاک ہونے کی غرض سے وضو کی نیت کرتا ہوں) یا نَوَیْتُ اِسْتِبَاحَۃَ الصَّلٰوۃِ (نماز روا ہونے کے لئے وضو کی نیت کرتا ہوں)

اسی ترتیب سے وضو کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یعنی چہرہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں تک پھر سر کا مسح کرنا اور آخر میں دونوں پیروں کا ٹخنوں تک دھونا سنّت موکدہ میں سے ہے۔

اعمال وضو میں تسلسل سے کام لینا جسے موالات کہتے ہیں یعنی ایک عضو دھونے کے بعد دوسرے عضو کو دھونے میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ پہلے دھویا ہوا عضو خشک ہو جائے یہ بھی حنفیوں کے نزدیک سنّت موکدہ ہے۔

سنّت موکدہ میں سے مسواک کرنا ہے۔ کسی بھی کڑوے درخت کی مسواک منہ کو خوشبودار کرنے کے لئے مفید ہے، اس سے مسوڑھے اور دانت صاف ہوتے ہیں، معدہ قوی ہوتا ہے، دانت کی جھریوں کا میل کچیل معلے میں نہیں جا پاتا۔ مستحب طریقہ مسواک کرنے کا یہ ہے کہ اس کو دائیں ہاتھ میں اس طرح پکڑیں کہ انگوٹھا سرے پر مسواک کے نیچے اور چھنگلیا آخر میں نیچے کی جانب رہے، باقی تین انگلیاں مسواک کے اوپر رہیں۔ کلی کرتے وقت مسواک کرنا چاہیئے

لیٹے لیٹے مسواک کرنا مکروہ ہے۔

وضو کے مندوب و مستحبات

غیر مؤکدہ سنتوں میں بہت سی وہ باتیں ہیں جن کو بعض ائمۂ فقہ مندوبات، مستحبات، تطوع اور فضیلت میں شمار کرتے ہیں، مثلاً مرد اگر ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہو تو وضو کرتے وقت اُسے ہلائے جُلائے تاکہ پانی پہنچ جائے۔ یہ باتیں بھی وضو کے مندوبات میں ہیں:۔

وضو کرتے وقت قبلے کی طرف منہ کرنا اور پاک جگہ پر وضو کرنا اور اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا، دائیں کو بائیں پر مقدم رکھنا۔ کان کے سوراخ میں ترچھنگلیا پھرانا۔ دھوپ میں گرم کئے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا (پہلے پانی کے بیان میں اس کے مکروہ ہونے کا ذکر کیا جاچکا ہے۔) دوران وضو میں بے ضرورت کوئی بات نہ کرنا۔ وضو کے شروع میں بسم اللہ والحمد للہ علی دین الاسلام کہنا اور کلمۂ شہادت پڑھنا اور حسب ذیل دعائیں پڑھنا:

کُلّی کے وقت:۔	اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَ ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ
ناک میں پانی پہنچاتے وقت:۔	اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَلَا تُرِحْنِیْ رَائِحَۃَ النَّارِ
چہرہ دھوتے وقت:۔	اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ
دایاں ہاتھ دھوتے وقت:۔	اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا
بایاں ہاتھ دھوتے وقت	اَللّٰھُمَّ لَا تُعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَسَارِیْ وَلَا مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ
سر کا مسح کرتے وقت	اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِکَ۔
کانوں کا مسح کرتے وقت	اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ
گردن کا مسح کرتے وقت	اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ
دایاں پاؤں دھوتے وقت	اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ
بایاں پاؤں دھوتے وقت	اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِیْ مَغْفُوْرًا وَّسَعْیِیْ مَشْکُوْرًا وَّ تِجَارَتِیْ لَنْ تَبُوْرَ

وضو سے فارغ ہونے کے بعد سورۂ قدر کا تین بار پڑھنا اور وضو کر کے قبلہ رو کھڑے ہو کر یہ کہنا:۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔

تیامُن یعنی افعال وضو کا دائیں ہاتھ سے اور دائیں جانب سے شروع کرنا عام طور پر فقہ کی کتابوں میں مستحب لکھا ہے، لیکن ملا علی قاریؒ نے اس کو سنّت قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں فالاصح انہ سنّۃ لمواظبتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ولقولہ اذا توضأتم فابدؤا بمیامنکم رواہ ابوداؤد وابن ماجہ وابن خزیمہ وابن حبان (یعنی زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سنّت ہے۔ آنحضرتؐ ہمیشہ دائیں طرف سے ابتدا کرتے تھے اور آپؐ کا ارشاد ہے کہ جب تم لوگ وضو کرو تو اپنی دائیں طرف سے شروع کرو)

وضو کی مکروہات کراہت کی دو قسمیں ہیں کراہت تنزیہی اور کراہت تحریمی۔ مکروہ تحریمی یہ ہے کہ سنّت موکدہ میں سے کسی سنّت کو یا امر واجب کو جو فرض سے کم ہے ترک کرنا اور مکروہ تنزیہی یہ ہے کہ مندوب مستحب امور میں سے کوئی امر ترک کردیا جائے جس کے نہ کرنے سے عذاب تو نہیں ہوگا لیکن کرنے میں ثواب ہے۔ مثلاً چہرہ دھوتے وقت پانی کا چھینٹا زور سے مارنا کہ اس کی چھینٹیں اڑیں، یا بائیں ہاتھ سے ناک میں پانی پہنچا کر دائیں ہاتھ سے صاف کرنا، سر یا کان کا مسح تین تین بار پانی لے کر کرنا، وضو کا کوئی برتن مخصوص کر لینا کہ اس کے سوا کسی اور برتن سے وضو نہ کیا جائے، گندی جگہ پر وضو کا پانی گرانا، اثنائے وضو میں کوئی اور بات چیت کرنا، جتنا پانی وضو کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ خرچ کرنا، یہ جب کہ وضو کرنے والا وضو کے پانی کا مالک ہو۔ لیکن اگر وہ پانی وضو کے لئے وقف کیا گیا ہو تو اس کا اسراف مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے بشرطیکہ وہ پانی کسی حوض میں نہ ہو۔ روزہ دار کا کلی میں مبالغہ کرنا یا ناک میں زور سے پانی کھینچنا بھی مکروہ ہے۔

نواقض وضو جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے انھیں نواقضِ وضو کہتے ہیں نقض کسی چیز کو فاسد یا خراب کرنے کو کہتے ہیں۔ نواقض وضو چند اقسام کے ہیں:

۱۔ انسان کے آگے یا پیچھے (یعنی پیشاب یا پاخانے کے مقامات) سے کوئی چیز خارج ہونا۔ عادت انسانی کے مطابق جیسے پاخانہ، پیشاب، ریاح یا غیر مطابق جیسے کیچوا،

کیڑا یا اور کوئی چیز۔

۲۔ وہ امور جو ان مقامات سے کسی چیز کو نکالنے کا موجب ہوں۔ مثلاً عقل[1] کا جاتا رہنا، شہوت[2] کے ساتھ کسی عورت یا کسی عورت جیسے مرد کو چھونا۔ عضو[3] مخصوص اور دوسرے حساس اعضا کو مس کرنا جبکہ کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو۔

۳۔ جسم کی کسی اور جگہ سے کوئی چیز خارج ہونا جیسے خون اور پیپ (بلغم یا تھوک جو بالعموم ہر انسان کے منہ سے خارج ہوتا رہتا ہے یا نزلے کا پانی اور آنکھ سے آنسو تو یہ چیزیں ناقض وضو نہیں ہیں)

آگے سے خارج ہونے والی چیزیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن غسل واجب نہیں ہوتا پیشاب، مذی اور ودی ہیں۔ مذی ایک رقیق مادہ ہے جس کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے اور شہوانی احساس کے ساتھ خارج ہوتا ہے لیکن وہ مادۂ تولید نہیں ہوتا جو لذت کے ساتھ خارج ہوتا ہے اور غسل کو واجب کر دیتا ہے، اور ودی سفید رنگ کا گاڑھا مادہ ہے جو پیشاب کرنے کے بعد اکثر نکل آتا ہے، عورتوں کو بھی ولادت سے پہلے یہ صورت پیش آجاتی ہے۔ یہ چیزیں آگے کے راستے سے ہی خارج ہوتی ہیں ان کے خارج ہوتے ہی وضو باقی نہیں رہتا۔

پیچھے سے خارج ہونے والی چیزوں میں پاخانہ اور ریاح ہیں جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کے ناقض وضو ہونے کی بابت اجماع ہے، ان دونوں راستوں سے غیر عادی طور پر خارج ہونے والی چیزوں میں کچھ لہو پیپ، یا کیڑا یا کنکری ہے تو ان چیزوں کے نکلنے سے بھی وضو قائم نہیں رہے گا۔

ان دونوں راستوں سے خارج ہونے کے علاوہ جن باتوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے وہ چار ہیں:-

۱۔ وضو کرنے والے کی عقل جاتی رہے خواہ جنون سے، مرگی سے، بے ہوشی سے، نشہ آور چیز پینے یا کھانے سے اور نیند سے۔ نیند بذات خود ناقض وضو نہیں بلکہ اس لئے کہ اس حالت میں وضو توڑنے والی بات لاحق ہو سکتی ہے اور یہ تین حالتوں میں ہوتا ہے:

بیٹھ کے سہارے چت لیٹ کر، یا بیٹھ کسی چیز سے ٹیک لگا کر سو جانے سے یا کولہوں میں سے کسی کولہے پر سہارا کر کے سونے سے لیکن اگر بیٹھا رہا اور کولہے جگہ سے نہیں ہٹے تو وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح کھڑے کھڑے یا رکوع کی حالت میں یا سجدے میں سر رکھنے کی حالت میں اگر نیند آگئی تو بھی وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ ان حالات میں انسان اپنے کو سنبھالے ہوئے ہوتا ہے، آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

ان الوضوء لا یجب الا من نام مضطجعاً فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله (ابوداؤد، ترمذی)

سونے سے وضو اسی حالت میں واجب ہوتا ہے جب کوئی لیٹ کر سو جائے کیونکہ لیٹنے سے بدن کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

اضطجاع دو طرح کا ہوتا ہے بیٹھ کے بل چت لیٹ کر یا کولہوں کے بل کروٹ سے لیٹ کر۔ بیٹھے ہوئے یا سجدے میں اگر گہری نیند آگئی تو بھی وضو ٹوٹ گیا۔

۲۔ شہوت انگیز وجود کو چھونا۔ فقہا کی اصطلاح میں لفظ مَس بھی آیا ہے اور لَمس بھی مَس ہاتھ سے چھونے کو اور لَمس دو جسموں کے اعضا باہم مل جانے کو کہتے ہیں۔ عام بات یہ ہے کہ انسان خود اپنے اعضائے بدن کو چھوئے تو اُس میں استلذاذ کا خیال نہیں ہوتا لیکن بعض ایسی احادیث ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے عضو مخصوص کو ہاتھ لگائے (غالباً لذت حاصل کرنے کے لئے) تو وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

جو شخص اپنے جنسی عضو کو مس کرے اُسے چاہیئے کہ وضو کرلے۔

علاوہ امام ابوحنیفہؒ کے باقی تینوں امام اِس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عضو مخصوص کو مطلقاً ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جبکہ امام اعظم کو اس سے اختلاف ہے وہ اُن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو ابن ماجہؒ کے سوا دوسرے محدثین نے روایت کی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کے بارے میں حکم معلوم کیا گیا جو نماز کے دوران اپنے جنسی عضو کو ہاتھ لگائے۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا:

هل هو الا بضعة منك

(وہ بھی تمہارے جسم کا ایک حصہ ہونے کے سوا اور کیا ہے

امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں جو روایات آئی ہیں اُن میں یہ روایات سب سے زیادہ حَسَن ہے۔ یہ بات قرین عقل ہے کہ اگر کھجلی وغیرہ ہونے سے کوئی شخص بے اختیار ہاتھ لگائے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے جسم کے کسی حصّے کو بھی انسان چھوئے کیونکہ مقصود استلذاذ نہیں بلکہ وقتی تکلیف کو رفع کرنا ہے۔ یہ اس حالت کا ذکر ہے جب ایک شخص خود اپنے عضو کو چھوئے، رہا دوسرے شخص کے عضو کو چھونا تو وہ لامس کہلائے گا اس کا حکم آگے بیان ہو رہا ہے۔

۳۔ مرد کا عورت کو بلا واسطہ شہوت کے ساتھ چھونا الآیہ کہ دونوں بالغ ہوں۔ اگر لامس بالغ ہے اور ملموس نابالغ تو لامس کا وضو ٹوٹ جائے گا ملموس کا نہیں، عورت کے اجزائے بدن میں سے بال، دانت ناخون مستثنیٰ ہیں ان کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح محرم کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ محرم وہ ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے خواہ نسب سے یا دودھ یا نکاح کے رشتے سے۔ بیوی کی بہن، پھوپھی یا خالہ وغیرہ جو عارضی محرم ہوتی ہیں اُن کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ جس طرح مرد کا عورت کو ہاتھ لگانے کا حکم ہے اسی طرح عورت کا مرد کو ہاتھ لگانے کا حکم ہے۔ مرد ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں یا عورت عورت کو چھوئے، یا مخنّث مخنّث کو چھوئے تو یہ چھونا ناقض وضو نہیں ہے، لمس میں منہ چومنا داخل ہے لیکن یہ اُسی وقت ناقض وضو ہے جب محض لذّت کی خاطر ہو۔ رخصتی کے وقت یا از راہ شفقت و اظہار خلوص و عقیدت سے چومنا وضو کو نہیں توڑتا۔ اگر مَس نہیں کیا بلکہ خیال کرنے یا دیکھنے سے آمادگی ہو کر مذی خارج ہوئی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

۴۔ دونوں راستوں کے علاوہ کسی اور جگہ سے خارج ہونے والی چیزوں سے وضو جاتا رہتا ہے مثلاً قے ہو جانا۔ پھوڑے سے پیپ نکلنا۔ زخم وغیرہ سے خون بہنا، یہ سب نجس چیزیں ہیں، ان کے نکلنے سے وضو جاتا رہتا ہے۔ حنبلی فقہا کے نزدیک ان نکلنے والی چیزوں کی مقدار زیادہ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا

جہالت زدہ لوگ جو مغلوب الغضب ہو کر کلمات کفر بکنے لگتے ہیں اور دین سے مرتد ہونے والے الفاظ بول دیتے ہیں ایسے اشخاص باوضو ہوں تو اُن کا وضو جاتا رہتا ہے۔

حنفی فقہائے نزدیک نماز میں آواز کے ساتھ ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بخلاف اس صورت کے جبکہ ہنسی ایسی ہو کہ صرف خود کو سنائی دے لیکن پاس کا آدمی نہ سن سکے تو وضو نہیں جاتا مگر نماز باطل ہو جاتی ہے۔ کسی بڑے جانور (مثلاً اونٹ وغیرہ) کا گوشت کھانے اور میّت کو نہلانے سے وضو نہیں جاتا۔ حنبلی فقہا کو اس سے اختلاف ہے۔ حدث لاحق ہونے میں اگر شبہ ہو جائے تو محض شک سے وضو نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ اسے یہ یاد ہو کہ وہ پہلے باوضو تھا۔

اوپر جو مسائل بیان ہوئے وہ اُس نجاست حکمی کو دور کرنے سے متعلق تھے جو حدث اصغر سے لاحق ہوتی ہے، حدث اکبر سے لاحق ہونے والی نجاست دور کرنے کا طریقہ اسلامی شریعت میں غسل کرنا ہے کیونکہ یہ وہ کیفیت ہے جس سے سارا جسم متکیف ہوتا ہے۔

غسل کے معنی اور تعریف

لغت میں غُسل اس عمل کو کہتے ہیں جو بدن پر پانی بہانے اور اُسے مل کر دھونے کی صورت میں کیا جائے۔ (غِسل وہ چیز جس سے کسی چیز کو دھویا جائے جیسے صابون وغیرہ اور غَسُل وہ پانی جو دھونے میں استعمال کیا جائے) شرع کی اصطلاح میں اس سے مراد آبِ طہور کا تمام بدن پر ایک خاص طریقے سے استعمال کرنا ہے۔ تمام بدن کے فقرے سے وضو کا عمل خارج ہو گیا کیونکہ اُس میں پانی کا استعمال بدن کے چند اعضا پر ہوتا ہے۔

موجباتِ غسل

غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اگر مرد کے عضو جنسی کا سرا (جسے سپاری بھی کہتے ہیں) عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو (شرم گاہ پیشاب کی جگہ اور پاخانے کی جگہ دونوں کو کہتے ہیں) تو سپاری کے داخل ہوتے ہی غسل واجب ہوتا ہے خواہ مادۂ تولید وغیرہ خارج ہوا ہو یا نہ خارج ہوا ہو۔ حکم یہ ہے کہ جب مرد کے ختنے کی جگہ دوسرے کی شرمگاہ کے اندر داخل ہو جائے تب غسل واجب ہوتا ہے، یہی مطلب ہے اس ارشاد کا اذا التقی الختانان فقد وجب الغسل۔ فقہائے اس سے یہ مستنبط کیا ہے کہ داخل کرنے اور کرانے والے جماع کے قابل ہوں یعنی بالغ ہوں اور درمیان میں ایسی کوئی دبیز شے حائل نہ ہو جس سے داخل ہونے والی چیز کی گرمی محسوس نہ ہو تو دونوں پر غسل واجب

ہوجائے گا، لہذا اگر دونوں میں سے ایک بالغ ہو اور دوسرا نابالغ مثلاً اگر عورت بالغ ہو اور دس سال کا لڑکا یہ عمل کرے تو عورت پر غسل واجب ہوگا لڑکے پر نہیں ہوگا۔ لیکن اسے بھی غسل کرنے کا حکم دیا جائے گا جیسے نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ وہ اس پر فرض نہیں ہوتی۔ نابالغ لڑکی کا بھی یہی حکم ہے جو نابالغ لڑکے کا ہے۔

۲۔ غسل واجب ہوجاتا ہے اگر مرد یا عورت کی منی (وہ مادہ جسے مادۂ تولید کہتے ہیں) خارج ہو۔ انزالِ منی نام ہے مادۂ تولید کے حرکت کرنے کا اس کی دو حالتیں ہیں۔ انزال عالم بیداری میں ہو خواہ مجامعت کرنے سے یا چھیڑ چھاڑ کرنے، چپٹنے اور بوسہ لینے وغیرہ کسی عمل سے لذت کے ساتھ انزال ہوجائے تو غسل واجب ہوگا، دوسری حالت خواب میں انزال ہونے کی ہے، اس کو احتلام کہتے ہیں۔ اگر بیدار ہونے کے بعد انزال کی لذت یاد نہ آئی لیکن اس نے کپڑے یا عضو مخصوص پر تری پائی تو بھی غسل واجب ہے اگرچہ یہ شبہ ہو کہ منی ہے یا مذی ہے لیکن اگر یہ یقین ہوجائے کہ وہ تری منی کی نہیں ہے تو غسل واجب نہ ہوگا۔ مرد نے بیوی سے جماع کیا پھر پیشاب کئے بغیر یا مزید انتظار کئے ہوئے غسل جنابت کرلیا اور غسل کے بعد باقی منی خارج ہوگئی تو دوبارہ غسل کرنا ضروری ہوگا لیکن اگر پیشاب کرلیا تھا اور چلا پھرا تھا اور منی نکل جانے کا انتظار کرکے نہایا تھا تو دوبارہ غسل واجب نہیں ہے۔

اس باب میں عورت کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر جماع کے بعد غسل کرلیا اور پھر منی خارج ہوئی تو دیکھنا چاہئیے کہ نہانے سے پہلے انزال ہوا تھا یا نہیں اگر نہیں ہوا تھا تو دوبارہ غسل واجب نہیں کیونکہ غسل کے بعد جو چیز نکلی وہ صرف مرد کی تھی۔ لیکن اگر اُسے انزال ہوا تھا تو ضرور اُس کا پانی مرد کے پانی سے مل گیا تھا اور اب جو کچھ نکلا ہے اس میں اُس کی منی بھی شامل ہے اس لئے دوبارہ غسل واجب ہے۔

۳۔ عورت پر غسل واجب ہوجاتا ہے حیض یا نفاس کا خون آنے کے بعد۔ حیض اور نفاس کی تفصیل بعد میں بیان ہوگی، یہاں موجبات غسل کا ذکر مقصود ہے تو جس عورت کو حیض یا نفاس کا خون آئے اُس کے بند ہوتے ہی غسل کرنا واجب ہے، اگر بچہ خون

آئے بغیر ہی پیدا ہو جائے تو اس کی ولادت ہی کو نفاس تصور کیا جائے گا، ایسی عورت کو بچے کی ولادت کے بعد غسل کر لینا واجب ہے۔

۴۔ غسل واجب ہو جاتا ہے اُس مسلمان مرد و عورت پر جو وفات پا جائے سوائے اس صورت کے جب کہ وہ شہید ہوا ہو۔ شہید کو غسل دینا واجب نہیں ہے، شہید کی تعریف اور اُس کے متعلقہ مسائل جنازے کے باب میں آگے آئیں گے۔

۵۔ اگر کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو اُس پر غسل واجب ہے کیونکہ کفر اور شرک بذات خود نجاست ہے لیکن اگر موحد ہو (جیسے عیسائی یا یہودی) اور حالت جنابت میں نہ ہو اور مسلمان ہو جائے تو غسل واجب نہیں ہے صرف مستحب ہے۔

غُسل کی شرطیں

وضو واجب ہونے کی جو شرطیں بیان کی جا چکی ہیں وہی غسل کے لئے ہیں بجز چند باتوں کے جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ وضو کی ایک شرط مسلمان ہونا ہے غسل میں یہ شرط اُس وقت ضروری نہیں، جب کسی مسلمان کی بیوی کتابیہ ہو، تو کتابیہ بیوی حیض و نفاس سے فارغ ہو کر جب تک غسل نہ کر لے مسلمان شوہر کو اس کے پاس جانا حلال نہیں ہے بخلاف مسلمان بیوی کے جو اگر حیض و نفاس سے فارغ ہو کر نہ نہائی ہو تب بھی حیض میں دس دن کے بعد اور نفاس میں چالیس دن کے بعد جانا حلال ہے البتہ اگر اس سے کم عرصوں میں خون بند ہو گیا تو شوہر کے لئے بیوی کے پاس جانا حلال نہ ہو گا جب تک وہ غسل نہ کر لے۔

۲۔ وضو کے لئے پہلے استنجا کر لینا ضروری ہے اگر پیشاب وغیرہ کیا ہو لیکن غسل جنابت سے پہلے پانی یا ڈھیلے سے استنجا کرنا ضروری نہیں ہے۔

۳۔ "حالت جنوں میں وضو کرنا" صحیح وضو نہیں تصور ہوتا ہے بخلاف غسل کے اگر کسی دیوانی عورت کو حیض آیا اور پھر جب اس نے غسل کیا تو بھی جنون کی حالت تھی تو غسل صحیح ہو گا۔ شوہر کو اُس کے پاس جانا حلال ہے۔

غسل کے فرائض

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غسل میں صرف ایک بات فرض ہے اور وہ ہے تمام جسم پر پانی پہنچانا، مُنہ اور ناک جسم میں داخل

ہیں، اُنھیں اسی طرح دھونا چاہئیے جیسے وضو میں واجب ہے، اسی طرح بالوں کے درمیان پانی پہنچانا ضروری ہے۔

امام شافعیؒ غسل کے فرائض دو فرماتے ہیں (۱) غسل کی نیت اور (۲) تمام بدن پر پانی پہنچانا۔ غسل میں سب سے پہلے جس عضو کو دھویا جائے اُس کے ساتھ ہی غسل کی نیت ہونا چاہئیے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ غسل کے تین فرض فرماتے ہیں (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) تمام بدن کو پانی سے دھونا۔

امام مالکؒ کے نزدیک غسل کے پانچ فرائض ہیں (۱) نیت کرنا (۲) تمام جسم پر پانی ڈالنا۔ (۳) جسم کے ہر عضو کو پانی ڈالنے کے ساتھ ملتے جانا (۴) اعضا کو یکے بعد دیگرے جلدی جلدی دھونا (۵) بالوں میں پانی کے ساتھ خلال کرنا۔

تمام ائمہ اس امر میں متفق ہیں کہ پانی تمام بدن پر پہنچانا فرض ہے اور اس پر بھی سب متفق ہیں کہ ناف کا گڑھا اور کان میں جو گڑھے ہوتے ہیں سب میں جہاں تک پانی پہنچانا ممکن ہو پہنچانا ضروری ہے، اس پر بھی سب متفق ہیں کہ جسم کے کسی حصے میں سوراخ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ نلکی یا سلائی سے پانی پہنچایا جائے۔ اس امر میں بھی سب کا اتفاق ہے کہ بال اگر چھدرے ہوں تو خلال کر کے پانی جلد تک پہنچانا چاہئیے نیز وہ چیزیں جو پانی کو جلد تک پہنچانے میں مانع ہوں اُنھیں ہٹا دینا چاہئیے۔ مثلاً آٹا اور موم۔ انگوٹھی یا چھلا اگر انگلی میں ایسا تنگ ہو کہ اُس کے نیچے سے پانی نہ گزر سکے تو اُسے پانی ڈالتے وقت ہلانا چاہئیے، گندھے ہوئے بالوں کے لئے علماء فقہ کے ارشادات یہ ہیں :۔

حنفی فقہا چوٹی کھولنے کو واجب نہیں کہتے البتہ بال کی جڑ تک پانی پہنچا دینا ضروری ہے جو بالوں کو ہلا ہلا کر ان کے اندر داخل کیا جا سکتا ہے۔ سر پر عورتیں ایسا مسالہ لگا لیتی ہیں جو پانی کو جڑوں تک پہنچنے میں مانع ہوتا ہے، نہاتے وقت اُسے دور کرنا واجب ہے سوائے مالکی فقہاء کے تمام دوسرے فقہا اس بارے میں متفق ہیں۔ مالکی فقہا دلہنوں کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ مسالہ اور سنگار کی اشیاء نہاتے وقت بھی لگی رہنے دیں۔ شافعی فقہاء کا قول یہ ہے کہ اگر

بغیر چوٹی کھولے پانی اندر تک نہ پہنچ سکے تو اُسے کھول دینا واجب ہے ورنہ نہیں۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک مردوں کے بال اگر گندھے ہوئے ہوں تو کھول دینا واجب ہے ورنہ نہیں عورتوں کے لئے غسل جنابت میں چوٹی کھولنا واجب نہیں ہے۔ حیض و نفاس کے غسل میں واجب ہے۔

غسل کی سنتیں فقہائے احناف حسب ذیل امور کو غسل کی سنتوں میں شمار کرتے ہیں۔

۱۔ دل میں نیت کر کے غسل شروع کرنا کہ غسل جنابت یا کوئی اور غسل جس کا ارادہ ہو اُس کی نیت کرتا ہوں۔

۲۔ غسل کا آغاز تسمیہ (بسم اللہ کہنے) سے کرنا۔

۳۔ دونوں ہاتھوں کا پہنچوں تک تین بار دھونا۔

۴۔ جہاں کہیں کوئی نجاست لگی ہو پہلے اُسے دھو ڈالنا اور پاخانے پیشاب کے مقامات کو دھونا خواہ نجاست نہ لگی ہوئی ہو۔

۵۔ غسل سے پہلے وضو کرنا جس طرح نماز کا وضو ہوتا ہے لیکن اگر کھڑاؤں وغیرہ نہ ہو تو پیر کو بعد میں دھویا جا سکتا ہے۔

۶۔ غسل کا آغاز پہلے تین بار سر دھونے سے کرنا۔ پہلی بار دھونا فرض ہے باقی دو بار سنت ہے۔

۷۔ جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتا ہے بدن کو ملنا اور ہر جانب تین تین بار دھونا۔

۸۔ تیامُن یعنی دھونے میں دائیں جانب کو بائیں جانب پر مقدم رکھنا۔

۹۔ موالات یعنی اعضائے غسل کو تسلسل کے ساتھ دھونا کہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

۱۰۔ غسل میں اُس ترتیب کا لحاظ رکھنا جو اوپر مذکور ہیں۔

غسل کے مستحبات وہ تمام باتیں جو وضو میں مستحب ہیں غسل میں بھی مستحب ہیں بجز دعائے ماثورہ کے۔ منجملہ مستحب باتوں کے ستر کو ڈھکا رکھنا اور بالوں اور انگلیوں میں خلال کرنا ہے اور ایسی جگہ نہانا جو پاک ہو اور جہاں پانی کے چھینٹے اُڑ کر نہ پڑیں۔

غسل کے مکروہات غسل کی سنتوں میں سے کسی سنّت کو ترک کر دینا مکروہ ہے۔ اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ غسل کرنے کے سلسلہ میں تھا اور غسل کے موجبات، پہلے بیان کئے جا چکے ہیں جن سے غسل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

غسل مسنون وہ غسل جو فرض نہیں مگر سنّت ہے چار ہیں۔

۱۔ نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا۔

۲۔ عیدین کی نماز کے لئے غسل کرنا۔

۳۔ حج یا عمرے کا احرام باندھنے کے لئے غسل کرنا۔

۴۔ عرفات میں قیام کے لئے غسل کرنا۔

حالت جنابت سے متعلق احکام کوئی ایسا شرعی کام جو بغیر وضو کے نہیں کیا جا سکتا حالت جنابت میں غسل کرنے سے پہلے اُس کا کرنا حرام ہے۔ ایسی حالت میں نماز پڑھنا۔ قرآن شریف پڑھنا حرام ہے، اُس کو چھونا بدرجۂ اولیٰ حرام ہے کیونکہ پاک شخص کو بھی بغیر وضو قرآن کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کے متعلق بھی یہی حکم ہے اگرچہ بغیر وضو کے داخل ہونا منع نہیں ہے۔ حیض و نفاس والی عورت جب تک غسل نہ کرلے جنابت کی حالت میں ہوتی ہے اور اُس پر بھی یہی احکام عائد ہوتے ہیں، اس حالت میں اس سے مباشرت کرنا مرد کے لئے حلال نہیں ہے۔ جو شخص حالت جنابت میں ہو (مرد یا عورت) اُسے زبان سے بھی تلاوت نہ کرنا چاہیئے، اگرچہ بے وضو کے زبانی پڑھنے کی اجازت ہے۔ شارع نے حالت جنابت میں کسی قدر قرآن پڑھنے اور مسجد میں جانے کی اجازت بعض مخصوص صورتوں میں دی ہے اور وہ یہ ہیں:

اگر کھانا کھاتے وقت بسم اللہ کہہ لے یا سبحان اللہ، الحمد للہ کسی اچھی بات پر کہے تو اس کی اجازت ہے یا احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کی دلیل کے طور پر ایک یا آدھی آیت کا حوالہ دینا پڑے تو بھی جائز ہے، ان کے علاوہ کسی اور صورت میں قرآن شریف کا کچھ بھی پڑھنا حالت جنابت میں حلال نہیں ہے۔ اسی طرح بلا ضرورت مسجد میں داخل ہونا بھی حالت جنابت میں حلال نہیں ہے۔

ضرورت کا تعین حالات پر موقوف ہوگا مثلاً مسجد کے سوا کہیں سے غسل کا پانی نہ مل سکتا ہو یا کسی خطرے کے خوف سے مسجد میں داخل ہونا پڑے تو ایسی حالت میں لازم ہے کہ تیمم کر لیا جائے لیکن اس تیمم سے قرآن پڑھنا یا نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

حیض کے متعلقہ مسائل

لغت میں حیض کے معنی بہنے کے ہیں، "حاض الوادی" کے معنے ہیں وادی بہنے لگی اور حاضت الشجرۃ اس وقت کہتے ہیں جب درخت سے سرخ رنگ کا گوند نکلے، اسی طرح جب عورت کو حیض کا خون پیشاب گاہ سے آئے تو کہا جاتا ہے "حاضت المرأۃ"۔

دمِ حیض اُس خون کو کہتے ہیں جو عورت کی شرمگاہ سے از خود (قدرتی طور پر) اس عمر میں نکلتا ہے جب اس میں استقرارِ حمل کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ مالکی فقہا کے نزدیک یہ تین رنگوں کا ہو سکتا ہے، بالکل زرد یا سرخ یا مٹیالا۔ اس تعریف سے واضح ہو گیا کہ جو خون از خود نہ نکلے بلکہ کسی سبب سے نکلے وہ دمِ حیض نہ ہوگا، اسی طرح اگر بہت چھوٹی عمر میں نکلے یا ایسی عمر میں نکلے جب ماہواری خون کا آنا بند ہو چکا ہو تو وہ بھی دمِ حیض نہیں ہو سکتا

حیض کی مدّت

وہ عرصہ جس کے دوران عورت حائضہ متصور ہوتی ہے، حنفی فقہاء کے نزدیک اُس کی کم سے کم مدّت تین دن اور تین راتیں اور زیادہ سے زیادہ مدّت دس رات دن ہے، ہر عورت کے یہ ایام اُس کی عادت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں مثلاً اگر کسی کو ایامِ حیض کی عادت تین دن سے بڑھ کر چار دن ہو جائے تو چوتھا دن بھی حیض میں شمار ہوگا اور یہی صورت دس دن کی مدّت تک رہے گی۔ ایامِ عادت کا تحقق ایک ہی بار میں ہو جاتا ہے۔ اگر ایامِ حیض کی عادت چار دن ہے اور پانچویں دن بھی خون آ گیا تو اب ایامِ عادت پانچ دن شمار ہوں گے، البتہ اگر خون دس دن سے زیادہ تک رہا تو عورت مستحاضہ خیال کی جائے گی، صرف عادت کے دنوں کو حیض کے دن شمار کیا جائے گا یعنی حیض کے ایام وہی ہوں گے جو عادت کے ہیں اور زیادہ دن جن میں خون آیا وہ استحاضہ ہے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

طُہر کی مدت یعنی وہ زمانہ جس میں عورت کو حیض نہیں آتا کم سے کم پندرہ دن ہے بشرطیکہ دو حیضوں کے درمیان ہو، پاکی کی حالت (یعنی طہر) کے لئے زیادہ سے زیادہ مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے چنانچہ اگر حیض کا خون بند ہوگیا اور پھر نہ آیا تو اس عورت کو طہر کی حالت میں شمار کیا جائے گا اگر کسی عورت کو حیض کا خون آیا اور تین دن کے بعد بند ہوگیا اور ۱۴ یوم تک بند رہا اور پھر خون آگیا تو وہ حیض کا خون نہیں ہے البتہ اگر پندرہ دن گزرنے کے بعد حیض آیا تو یہ درمیانی عرصہ طہر ہے۔

استحاضہ اور اُس کی کیفیت حیض و نفاس کے علاوہ جو خون رحم سے خارج ہو اُسے استحاضہ کہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم مدتِ حیض سے ہٹ کر خون آئے یا حیض کی عمر (عام طور پر نو برس) سے پہلے خون آئے تو وہ استحاضہ ہے۔ ایام حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ لہٰذا دس دن کے بعد آنے والا خون بلاشبہ استحاضہ کا خون سمجھا جائے گا۔ جو عورت معتادہ ہو (یعنی عادۃً اُسے تین چار دن حیض کا خون آتا ہو) تو حیض کا تعین عادت کے مطابق کر لیا جائے گا اور باقی دنوں کا خون استحاضہ شمار کیا جائے گا یہ اُس صورت میں جبکہ اُسے ایام عادت یعنی وقت اور مقدار یاد ہو لیکن اگر وہ متحیرہ ہے یعنی وقت و مقدار یاد نہیں مگر قوی و ضعیف خون میں امتیاز کر سکتی ہے تو قوی خون حیض ہوگا اور ضعیف خون استحاضہ۔ وہ عورت جس کو پہلی بار اس سے سابقہ پیش آئے اور دس دن سے زیادہ خون جاری رہے تو ایام حیض دس دن ہی شمار ہوں گے مہینے کے باقی بیس دن طہر کے اور آئندہ مہینوں میں بھی اسی طرح۔ نفاس کی صورت میں پہلے چالیس دن نفاس کے شمار ہوں گے پھر بیس دن طہر کے اس کے بعد دس دن حیض کے۔ اور آئندہ مہینوں میں بھی اسی طرح (یعنی ۱۰ دن حیض کے اور ۲۰ طہر کے) اس طرح زمانۂ طہر میں جو خون جاری رہا وہ استحاضہ کہلائے گا۔

استحاضہ والی عورت صاحب عذر ہے، استحاضے کی حالت میں اُن امور کی ممانعت نہیں ہے جو حیض و نفاس کی حالت میں منع ہیں مثلاً قرآن شریف کا پڑھنا، مسجد میں داخل ہونا، کعبے کا طواف کرنا بلکہ ان باتوں کا کرنا یا نماز ادا کرنا وضو پر منحصر ہے غسل پر نہیں۔

نفاس اور اُس کی کیفیت

نفاس اُس خون کو کہتے ہیں جو عورت کو بچے کی پیدائش کے وقت یا اُس کے بعد آئے۔ پیدائش کی علامت یعنی دردِزہ کے ساتھ جو خون خارج ہو حنبلی فقہاء اُسے بھی نفاس قرار دیتے ہیں جبکہ شافعی فقہاء اُس خون کو نفاس کہتے ہیں جو رحم سے ولادت سے فارغ ہونے کے بعد خارج ہو حنفی فقہاء کے نزدیک نفاس وہ خون ہے جو بچے کا بیشتر حصہ باہر آنے پر یا اُس کے پورے باہر آجانے پر نکلے لیکن وہ خون جو بچے کا کچھ حصہ نکلنے پر یا اس سے پہلے خارج ہو وہ مرض کا خون ہے نفاس کی حالت نہیں سمجھی جائے گی لہٰذا وہ سب کام کئے جا سکتے ہیں جو پاک عورتوں کے کرنے کے ہیں۔

ساقط شدہ حمل جس نے بعض اعضائے جسمانی کی شکل اختیار کرلی ہو بچہ تصور کیا جائے گا بلکہ لوتھڑے کی شکل جس کو دائیاں آدمی کی بنیاد قرار دیں اُس کے خارج ہونے پر بھی اگر خون نکلا تو عورت نفاس والی سمجھی جائے گی۔ جڑواں بچوں کی پیدائش ہو تو نفاس کی مدت پہلے بچے کی ولادت سے شروع ہوگی، اور دونوں کی ولادت کے درمیان کچھ وقفہ رہا تو دونوں بچوں کی ولادت کا خون یکجائی طور پر نفاس ہوگا۔ شافعی فقہاء کے نزدیک اگر یہ وقفہ چالیس دن سے زیادہ مثلاً ساٹھ دن کا ہو تو دونوں بچوں کی پیدائش کا خون جداگانہ مستقل نفاس ہے۔ نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، ایک لحظہ بھی ہو سکتی ہے اگر ولادت کے بعد ہی خون بند ہوگیا یا بالکل آیا ہی نہیں تو نفاس پورا ہوگیا اور عورت پر وہ تمام فرائض عائد ہوں گے جو پاکی کی حالت میں ہوتے ہیں لیکن خون آنے کی صورت میں نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن کی ہے۔

نقائے متخلل۔ نفاس کے خون آنے کے دوران خلا واقع ہونے کو کہتے ہیں مثلاً کسی دن خون آجائے اور کسی دن نہ آئے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک یہ خلا ایام نفاس میں شمار ہوگا۔ شافعی فقہاء کے نزدیک اگر خلا کی مدت پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہو تو وہ طہر ہے اور اس کے بعد جو خون آئے وہ نفاس نہیں بلکہ حیض ہے لیکن اگر یہ مدت پندرہ دن سے کم ہو تو تمام مدت نفاس ہے، یہی مسلک مالکی فقہاء کا بھی ہے، اُن کے نزدیک نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت

کو جوڑ کر نکالا جائے گا یعنی جتنے دنوں خون آیا انھیں جمع کر کے پاکی کے دنوں کو گھٹا دیا جائے یہاں تک کہ ایام نفاس جو اُن کے نزدیک زیادہ سے زیادہ ساٹھ دن ہیں پورے ہو جائیں، ایسی صورت میں خون بند رہنے کے ایام طہر شمار ہوں گے جن میں وہ تمام امور جو پاکی کی حالت میں واجب ہوتے (نماز روزہ وغیرہ) انجام دینا واجب سمجھے جائیں گے۔

حیض و نفاس والی عورتوں کا حکم

حیض و نفاس کا خون بند ہونے کے بعد فوراً نہا کر نماز شروع کر دینا چاہیئے۔ حیض و نفاس کی حالت میں اُن تمام امور دینی کا انجام دینا حرام ہے جو حالت جنابت میں حرام ہیں جیسے نماز، قرآن شریف کو ہاتھ لگانا۔ قرآن کا پڑھنا، مسجد میں داخل ہونا، کعبے کا طواف کرنا، فرض یا نفل روزے کی نیت کرنا۔ اگر روزہ رکھا گیا تو وہ صحیح نہ ہوگا، نہ اس حالت میں اعتکاف صحیح ہے، ایام حیض و نفاس میں جو نمازیں فوت ہوئیں اُن کی قضا واجب نہیں لیکن رمضان شریف کے روزوں کی قضا واجب ہے، یہ فرق اس لئے ہے کہ دینی امور کی بجا آوری میں دشواری نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ

مردوں کو شریعت نے حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت کی ہے جس کے مسائل طلاق کے بیان میں آئیں گے، مردوں کو عورتوں سے حیض و نفاس کی حالت میں مقاربت کرنا حرام ہے تاوقتیکہ خون بند نہ ہو جائے اور عورت غسل نہ کر لے۔ اگر کسی عورت کو غسل کرنے سے مجبوری ہو تو واجب ہے کہ پہلے تیمم کر لے۔ عورت کے لئے حلال نہیں کہ ایام حیض و نفاس میں ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ جسم سے شوہر کو استفادہ کا موقع دے اور نہ مرد کے لئے حلال ہے کہ وہ بیوی کو اس پر مجبور کرے خواہ درمیان میں کوئی حائل ہی کیوں نہ موجود ہو (مثلاً فرنچ لیدر وغیرہ) اس فعل کے مرتکب گنہگار ہوں گے۔ البتہ اس حصۂ بدن کے علاوہ باقی تمام حصوں سے استفادہ جائز ہے۔

پانی سے طہارت حاصل کرتے وقت مسح کرنے کی اجازت

وضو کے بیان میں سَر کا مسح کرنے کی تفصیل آچکی ہے جو ہر وضو میں فرض ہے اور جس کی فرضیت قرآن کے الفاظ

"وَ امْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ" سے ثابت ہے۔ شریعت نے سر کے علاوہ بعض خاص مواقع پر بھی مسح کرنے کی اجازت دی ہے جس میں سے زخم پر یا اُس پر لپٹی ہوئی پٹی پر مسح کرنا اور خُف (موزوں) پر مسح کرنا ہے۔ ان مسائل کو سمجھنے کے لئے مسح کی تعریف، جبیرہ (یعنی پٹی) کی تعریف اور خُف کی تعریف جاننا ضروری ہے۔

۱۔ مسح کے معنی لغت میں کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں کسی خاص عضو یا اس پر بندھے ہوئے کپڑے پر معینہ وقت میں ہاتھ کو تر کرکے پھیر نا مراد ہوتا ہے اُن شرائط کے مطابق جو آئندہ بیان کی جا رہی ہیں۔

۲۔ جبیرہ اُس دھجی کو کہتے ہیں جو بدن کے کسی مریض عضو پر باندھی جائے یا دوا کا لیپ جو اُس عضو پر کیا جائے۔ جبیرہ کا اطلاق اسی صورت میں ہوگا جب پٹی بندھے ہوئے عضو کو کوئی مرض لاحق ہو خواہ زخم ہو یا شکستگی یا جوڑوں کا درد وغیرہ۔

۳۔ خُف، وہ موزہ ہے جو دونوں پیروں میں ٹخنوں تک پہنا جائے خواہ چمڑے کا بنا ہوا ہو یا نمدے کا یا اون کا یا اور کسی سخت کپڑے (کینوس وغیرہ) کا۔ جو موزہ چمڑے کا نہیں ہوتا اُسے جراب کہتے ہیں۔ جراب میں جب تک تین باتیں نہ ہوں اُسے موزہ نہیں کہا جا سکتا (۱) دبیز ہو کہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچ سکے (۲) قدموں پر بغیر تسمہ باندھے قائم رہے (۳) ایسی شفاف چیز کی بنی نہ ہو کہ اُس کے اندر سے پاؤں یا پاؤں پر لپٹی ہوئی چیز نظر آتی ہو۔ تو اگر کسی جراب میں یہ شرائط موجود ہوں تو اُسے ایسا ہی موزہ سمجھا جائے گا جیسے چمڑے کا بنا ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ جراب اگر دبیز اون کی ہو جس میں متذکرہ شروط پائی جائیں تو اُسے موزہ قرار دیا جائے گا۔

جبیرہ پر مسح کرنے کا حکم

کسی مکلف انسان کے ایسے عضو پر جس کا دھونا وضو یا غسل میں ضروری ہے اگر کوئی دھجی بندھی ہوئی ہو یا دوا لگی ہوئی ہو اور اس کا دھونا نقصان دہ یا موجب اذیت ہو تو اس پر مسح کر لینا فرض ہے۔ اگر دوا پر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو اس پر دھجی لپیٹ کر مسح کر لیا جائے غرض اس مریض عضو پر مسح کر لینا اور اس کے ارد گرد کو پانی سے دھو لینا ضروری ہے۔

جبیرہ پر مسح کے صحیح ہونے کی شرطیں

پہلی شرط یہ ہے کہ متاثرہ عضو کا دھونا مضرت رساں ہو اگر متاثرہ عضو پر دوا لگی ہو اور پٹی نہ ہو اور دوا پر مسح کرنا نقصان دہ ہو تو اس پر کپڑے کی کترن اس طرح رکھی جائے کہ نقصان دہ نہ ہو! پھر اُس پر مسح کر لیا جائے، دوسری شرط یہ ہے کہ پورے جبیرے پر مسح کیا جائے یہ اُس صورت میں جب جبیرہ صرف اسی جگہ ہو جو مرض سے متاثر ہے، اگر پٹی کی بندش مجبوراً مریض حصے سے آگے تک ہو تو ساری پٹی کا مسح واجب ہے، اگر متاثرہ جگہ وہ ہے جس پر وضو میں مسح ہی کیا جاتا ہے یعنی سر۔ تو اگر تمام سر میں زخم ہو اُس کا حکم وہی ہے جو دُھلنے والے اعضاء کا ہے یعنی اگر ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو اس پر مسح واجب ہے ، ضرر کا اندیشہ ہو تو پٹی پر مسح کر لینا چاہئیے۔ اگر سر کے کچھ حصے پر مرض نہیں ہے اور اُس حصے کی مقدار سر کے ایک چوتھائی کے برابر ہے تو اُس حصے پر مسح کر لینا فرض ہے باقی جبیرے پر مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن امام مالک رح کے نزدیک پورے عمامے یا ٹوپی پر ہاتھ پھیرنا بھی ضروری ہے۔

جبیرے کے مسح کو باطل کرنے والے امور

پٹی اگر اپنی جگہ سے اُتر جائے یا گر جائے تو اُس پر جو مسح کیا گیا تھا وہ باطل ہو جائے گا۔ اگر زخم مندمل ہوئے بغیر ہی پٹی اتر گئی تو اُسے پھر سے اُس جگہ رکھ کر مسح کر لیا جائے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا قول یہی ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسح باطل نہ ہوگا خواہ نماز کے اندر اُترے یا باہر۔ اگر نماز پڑھنے میں زخم بھر جانے کی وجہ سے پٹی اتر جائے خواہ وہ قعدۂ اخیرہ ہی کیوں نہ ہو تو نماز جاتی رہے گی اور اُس جگہ کو جہاں پٹی بندھی تھی پاک کر لینے کے بعد نماز دوبارہ پڑھنی چاہئیے۔

خُف (موزے) پر مسح جائز ہونے کی دلیل

امام بخاری، مسلم اور دوسرے راویان احادیث صحیحہ نے اس باب میں جو حدیثیں روایت کی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں پاؤں کا دھونا اُس صورت میں فرض کیا ہے جبکہ موزہ نہ پہن رکھا ہو۔ اگر موزہ ہو تو دھونا فرض نہیں، موزوں پر مسح کرنا فرض ہے۔ ان حدیثوں کے منجملہ وہ حدیث ہے جو بخاری نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت

کی ہے کہ آنحضرتؐ رفع حاجت کے لئے نکلے اور میں ایک چرمی ظرف میں پانی لے کر آپ کے پیچھے گیا، جب حضورؐ حاجت سے فارغ ہو گئے تو میں نے پانی ڈالا اور آپؐ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ دوسری حدیث میں حضرت مغیرہ کے یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ آپؐ کے موزے اُتار دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" انھیں رہنے دو میں نے پاؤں پاک کر کے ان میں ڈالے تھے پھر آپؐ نے اُس کے اوپر مسح کر لیا۔

خف پر مسح درست ہونے کی شرطیں

(۱) موزوں نے پیروں کو ٹخنوں تک ڈھک لیا ہو اگر موزہ اوپر سے کھلا ہوا ہے لیکن اُس میں گھنڈیاں یا کلپ ایسے لگے ہوں جن سے اُس کو بند کیا جا سکے تو بھی مسح درست ہے۔

۲۔ موزہ پھٹا ہوا نہ ہو جس سے پیر کا کچھ حصہ نظر آتا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر پھٹی ہوئی جگہ تین چھوٹی انگلی سے زیادہ نہ ہو تو مسح کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

۳۔ اُن کو پہن کر چلنا پھرنا اور قطعِ مسافت کرنا ممکن ہو۔ موزہ اتنا ڈھیلا نہ ہو کہ چلنے میں پیر سے اُتر جائے۔

۴۔ موزہ پہننے والا شرعاً اُس موزے کو پہننے کا حق رکھتا ہو یعنی چوری کا یا ناجائز قبضہ کیا ہوا نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے موزے کا پہننا تو صحیح نہیں ہے لیکن یہ بات مسح کے صحیح ہونے کے منافی بھی نہیں ہے۔

۵۔ موزوں کا پاک ہونا۔ نجاست آلود موزوں پر مسح صحیح نہیں۔ استنجا کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ کس قدر نجاست معاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسح کرنا صحیح ہے لیکن اگر وہ نجاست قابلِ درگزر نہیں ہے تو نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

۶۔ موزوں میں پیر طہارت کے بعد ڈالے گئے ہوں۔ یعنی موزے پہننے سے پہلے وضو پانی کے ساتھ کیا جا چکا ہو، تیمم کے بعد جو موزہ پہنا جائے اُس پر مسح صحیح نہیں ہے۔

۷۔ موزے کے تلے پر مسح جائز نہیں، اوپر کی طرف ہاتھ کی تین انگلیوں سے مسح کیا جائے۔ ایک اُنگلی سے مسح درست نہ ہو گا۔ مسح کئے جانے والے حصے پر کوئی ایسی چیز نہ لگی ہو جو موزے پر بھیگا ہاتھ پھیرنے میں مانع ہو۔

۸۔ اگر پاک پانی یا بارش کا پانی موزے کے مسح کئے جانے والے حصے پر بہہ گیا تو مسح کے لئے کافی ہے۔

موزوں پر مسح کا مسنون طریقہ دائیں ہاتھ کی تر انگلیوں کو دائیں موزے کے اگلے حصہ پر اور بائیں ہاتھ کی تر انگلیوں کو بائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو پنڈلی کی طرف ٹخنوں سے اوپر تک کھینچا جائے۔ انگلیاں کسی قدر کھلی رہیں۔

موزوں پر مسح کی میعاد مقیم شخص کے لئے ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات تک موزوں پر مسح کرنا صحیح ہے اس کے بعد پیروں کو دھونا ضروری ہے یہ میعاد اس وقت سے شروع ہو گی جب موزہ پہننے کے بعد پہلی بار حدث لاحق ہو۔

مسح کا مکروہ ہو جانا اگر موزے پر نجاست یا گندگی لگ گئی ہو تو مسح کرنا مکروہ ہے تاوقتیکہ موزے کو صاف یا نجاست کو دور نہ کر لیا جائے اور پھر دوبارہ مسح کیا جائے۔

مسح باطل کرنے والے امور غسل واجب کرنے والی کوئی صورت لاحق ہو جائے تو مسح باطل ہو جائے گا۔ موزہ پیر سے اُتر جائے یا اتنا پھٹ جائے کہ تین انگلیوں کے برابر شگاف نمایاں ہو جائے۔ یا مسح کی مدت گزر جائے تو مسح باطل ہو جائے گا۔

تیمم کا بیان لُغت میں تیمم کے معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں چنانچہ آیت وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ کے معنی ہیں "اس میں سے بُری چیز کو اچھے کام میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو"۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے "طہارت کی نیت سے چہرے اور بازو پر پاک مٹی کے ساتھ ہاتھ پھیرنا" یعنی پاک مٹی پر ہاتھ رکھا جائے پھر اس ہاتھ کو منہ اور ہاتھوں پر پاکی کی نیت سے پھیر لیا جائے۔

تیمم کا حکم اور اس کی مشروعیت کی حکمت

جب پانی دستیاب نہ ہوتا ہو، یا پانی کا استعمال ضرر رساں ہو تو وضو اور غسل کی جگہ تیمم کرنے کا حکم ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۚ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ (مائدہ ۔ ۶)

اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا رفع حاجت کر کے آئے ہو یا عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو پھر تمہیں (وضو یا غسل کے لئے) پانی نہ ہاتھ آئے تو تم پاک مٹی سے کام لو، پس مٹی لگے ہاتھوں کو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لو۔ کیونکہ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ (دین کے معاملے میں) تم کو کوئی دشواری یا تنگی ہو۔

جن صورتوں میں وضو یا غسل واجب ہوتا ہے اُن کا ذکر فرما کر پانی نہ ملنے یا اُس کے استعمال سے معذور ہونے کی حالت میں ادائے عبادت کے لئے تیمم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مصلحت بھی بیان فرما دی ہے یعنی عبادت کی بجا آوری میں تنگی اور زحمت سے محفوظ رکھنا، طہارت کی نیت سے مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ اور ہاتھوں پر پھیر لینا، اُس وقت تک وضو اور غسل کا قائمقام ہے جب تک پانی استعمال کرنے کی قدرت حاصل نہ ہو جائے، یہ مشروعیت سہولت کی بنا پر دی گئی ہے اور قلب میں پاکی کا احساس برقرار رکھنے کے لئے ہے۔

تیمم کی قسمیں

تیمم ہر اس بات کے لئے فرض ہے جس کے لئے وضو یا غسل فرض ہے، اسی طرح تیمم ہر اُس کام کے لئے مستحب ہے جس کے لئے وضو مستحب ہے۔ واضح ہو کہ لفظ صعید مٹی اور زمین کے اجزا دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ صاف ستھری ریت، پتھر یا کنکریوں پر بھی تیمم کے لئے ہاتھ رکھا جا سکتا ہے۔

تیمم کی شرطیں

۱۔ ایک میل یا اس سے دور پانی نہ مل سکتا ہو۔

۲۔ پانی کا کنواں ہو لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان نہ ہو۔

۳۔ پانی کے پاس کوئی دشمن یا موذی جانور ہو جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

۴۔ پانی کے استعمال سے مرض پیدا ہو جانے یا بڑھ جانے کا خوف ہو یا کسی ایسی سواری

پر سفر کر رہا ہو جس سے اُتر نہ سکتا ہو اور اس پر پانی موجود نہ ہو یا وضو کرنے کے لئے جگہ نہ ہو یا اندیشہ ہو کہ وضو کرنے کے لئے سواری سے اُتریں گے تو چھوٹ جائے گی۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن سے تیمم کا جواز پیدا ہو جاتا ہے اور نماز کے وقت یا قرآن پڑھتے وقت طہارت کی نیت کے ساتھ تیمم کرنا اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو (۱) بالغ ہو (۲) مٹی کے استعمال پر قادر ہو اور (۳) اُس کو حدث (وضو توڑنے والا واقعہ) لاحق ہو گیا ہو۔ تیمم کے صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں کہ اعضائے تیمم (یعنی منہ اور ہاتھوں) پر موم یا تیل وغیرہ لگا نہ ہو۔ ہاتھ سے مسح کے لئے تین یا زیادہ انگلیوں سے کام لیا جائے، پورے چہرے اور پورے ہاتھوں کا مسح کیا جائے، دوران مسح کوئی امر منافی تیمم (جیسے حدث وغیرہ) لاحق نہ ہو۔ عورت کے لئے حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی صحت تیمم کے لئے ضروری ہے، اسی طرح پاک مٹی کا دستیاب ہونا بھی شرط ہے اگر وہ موجود نہیں ہے تو نہ تیمم واجب ہوگا نہ صحیح۔

تیمم کرنے کے شرعی اسباب

جن باتوں سے تیمم کا جواز ہوتا ہے وہ اوپر بیان کیے گئے ہیں ان باتوں کے علاوہ پانی کا اتنا کم موجود ہونا جو طہارت کے لئے کافی نہ ہو یہ بھی شرعی سبب ہے۔ اسی طرح یہ سبب بھی تیمم کا جواز پیدا کر دیتا ہے اگر پانی موجود ہو لیکن پینے کے لئے اُسے اُٹھا رکھنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر کتا بھی پیاسا ہو تو اُس کے لئے پانی کو چھوڑ دینا اور تیمم کر لینا جائز ہے۔ پانی کی ٹھنڈک سے ڈر کر وضو کے بجائے تیمم کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر حدث اکبر لاحق ہو جائے اور نہانا واجب ہو اور ٹھنڈے پانی سے مضرت کا اندیشہ یقینی ہو جائے تو تیمم کر لینا درست ہے بشرطیکہ پانی کو گرم کر لینا ممکن نہ ہو۔

تیمم کے ارکان یا فرائض

۱۔ دو بار مٹی پر ہاتھ مارنا یعنی طہور مٹی پر۔

۲۔ منہ اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک اچھی طرح مسح کرنا۔

۳۔ نیت۔ مثلاً کسی فرض نماز کو ادا کرنے کے لئے تیمم کیا تو امام ابو حنیفہؒ کو چھوڑ کر دیگر ائمہ کے نزدیک اس سے صرف ایک فرض اور اس کے ساتھ کی سنتیں اور نفلیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ دوسری نماز فرض کیلئے پھر نیت کر کے تیمم کرنا ہوگا، نیت اس وقت کی جائے جب تیمم کے لئے مٹی پر ہاتھ رکھا جائے۔

ہاتھوں میں کنگن یا انگوٹھی ہو تو مسح کرتے وقت اُتار دینا چاہیئے (صرف وضو میں ہلانا کافی ہوتا ہے) تیمم کے فرائض میں حنبلی فقہاء نے ترتیب اور موالات کا اضافہ کیا ہے۔

تیمم کی سُنتیں

حنفی فقہاء نے ان امور کو سنّت میں شمار کیا ہے:

۱۔ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے مٹی پر ضرب (مارنا)

۲۔ مٹی پر ہاتھ مارتے وقت اُنگلیوں کو کھلا رکھنا۔

۳۔ ہاتھ مارتے وقت بسم اللہ کہنا۔

۴۔ دونوں ہاتھوں کا جھاڑنا۔

۵۔ ہاتھوں کو مسح کرتے وقت آگے پیچھے لے جانا۔

۶۔ دائیں طرف سے شروع کرنا۔

۷۔ ترتیب یعنی پہلے چہرے کا پھر ہاتھوں کا مسح کرنا (شافعی اور حنبلی فقہا اس کو فرض قرار دیتے ہیں)

۸۔ موالات یعنی پے در پے بلا توقف تیمم کا عمل پورا کرنا۔

تیمم کے مستحبات

تیمم کرتے وقت قبلہ رخ ہونا۔ بجز ذکر الٰہی کے اور کچھ نہ بولنا۔ تیمم میں تاخیر کرنا اُس کے لئے مستحب ہے جسے گمان غالب ہو کہ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی کا دستیاب ہونا ممکن ہوگا۔

تیمم کے مکروہات

مسح کا بار بار عمل کرنا اور سنتوں میں سے کسی سنّت کا ترک کرنا مکروہ ہے۔

تیمم کو باطل کرنے والے امور

جن باتوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اُنہی باتوں سے تیمم بھی باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی نے حالت جنابت سے نکلنے کے لئے تیمم کیا پھر اسے حدثِ اصغر لاحق ہو گیا تو اُسے حدث اصغر کی حالت میں قرار دیا جائے گا، حدث اکبر کی حالت میں نہیں۔ جو تیمم غسل کے لئے کیا گیا تھا وہ وضو توڑنے والی شے لاحق ہونے سے باطل نہیں ہوتا تاوقتیکہ حدث اکبر پھر لاحق نہ ہو۔ الغرض جس عذر کی بنا پر تیمم کیا گیا ہو اگر وہ باقی نہ رہے تو تیمم باطل ہو جائے گا مثلاً پانی دستیاب

نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کیا تھا اور پانی دستیاب ہوگیا یا پانی کے استعمال کرنے سے معذور تھا لیکن اب قادر ہوگیا تو ان تمام صورتوں میں اب تیمم باقی نہ رہے گا۔

فاقِدُ الطَّہورَین جو شخص وضو اور تیمم دونوں سے معذور ہو اُسے فاقد الطہورین کہتے ہیں۔ جو شخص کسی شدید مرض کے باعث نہ وضو کر سکے نہ تیمم یا کسی ایسی جگہ قید ہو جہاں نہ تو وضو کے لائق پانی میسر ہو نہ پاک مٹی تو اُسے نماز کی ظاہری صورت عمل میں لانا چاہئیے یعنی قبلہ رو ہو کر خشوع کے اظہار کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ اس ظاہری عمل صلوٰۃ سے مقصد اپنے رب کے سامنے جھکنا اور سر بہ سجود ہونا ہے۔ فرض ساقط نہیں ہوتا۔ جب وضو کے لئے پانی یا تیمم کے لئے پاک مٹی دستیاب ہو جائے تو فرض کو ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر حالت جنابت ہو تب بھی یہ نماز کی ظاہری صورت جائز ہے۔

نماز یا صلوٰۃ

عبادات کے عنوان سے شروع میں نماز کی اہمیت اور ساری عبادتوں میں اسس کا سب سے مقدم ہونا بیان کیا جاچکا ہے۔ طہارت چونکہ ادائے نماز کا وسیلہ ہے اس لئے اس کے مسائل پہلے بیان کیے گئے ہیں، طہارت کی بنیادی غرض جسم کو اور عبادت کی جگہ کو صاف ستھرا رکھنا ہے۔ گندگی سے امراض پیدا ہوتے اور عفونت پھیلتی ہے اس لئے انسانی معاشرے کے لئے بھی طہارت بے حد ضروری ہے۔ نماز اللہ کے سامنے جھکاتی، بری باتوں سے روکتی اور انسان کے نفس کو پاکیزہ بناتی ہے، اس لئے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی طہارتیں نماز سے حاصل ہوتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مثل الصلوٰۃ الخمس کمثل نھر عذب غمر بباب احدکم یقتحم فیہ کل یوم خمس مرات فماترون ذلک یبقی من درنہ قالوا الاشیٔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الصلوٰۃ الخمس تذھب الذنوب کما یذھب الماء الدرن۔

پانچ نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے دروازے پر شفاف پانی کی لبریز نہر جاری ہو اور وہ شخص اس میں ہر روز پانچ بار غوطہ لگاتا ہو کیا تم سمجھتے ہو اُس پر میل کچیل کچھ باقی رہے گا؟ سب نے عرض کیا کچھ بھی نہیں رہے گا، آپ نے فرمایا "یہ پانچ نمازیں بھی گناہوں کو اسی طرح دور کرتی ہیں جس طرح پانی میل کچیل کو دور کرتا ہے۔

صلوٰۃ کی تعریف صلوٰۃ کے لغوی معنے دعائے خیر کے ہیں۔ قرآن میں ہے "وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" یعنی اے پیغمبر ان کے لئے دُعا کرو۔ دوسرے معنی ہیں رحمت نازل کرنے کے جیسے "اللهم صل علی محمد" یعنی اے اللہ حضرت محمدؐ پر اپنی رحمت نازل فرما اصطلاح فقہ میں صلوٰۃ اس پورے عمل کو کہتے ہیں جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہو لہٰذا قیام، رکوع اور قعود مفہوم صلوٰۃ میں داخل ہیں صرف سجدۂ تلاوت خارج ہے۔

صلوٰۃ (نماز) کی غایت ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

(بلاشبہ نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے باز رکھتی ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي

نماز کو اللہ کی یاد میں پوری طرح منہمک ہو کر ادا کرو۔

انسان اپنے پروردگار کے سامنے اُس کی کبریائی و قاہری اور اُس کی بے پناہ قدرت کے سامنے سرنگوں اور خشوع و خضوع سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ حاضر ہو تو وہی اپنے گناہوں سے تائب اور احکام الٰہی پر قائم اور بُری باتوں سے مجتنب ہو گا اور جس کا دل اپنے رب کی یاد سے غافل ہو وہ حقیقی معنوں میں نمازی نہیں ہوتا۔ نماز وہی ہے جس میں بندہ اپنے رب کی عظمت کا اعتراف کرے اُس کے عذاب سے ڈرے اور اُس کی رحمت کا امیدوار ہو۔

نماز کی قسمیں حنفی فقہائے نے نماز کی چار قسمیں کی ہیں:

۱۔ فرض عین: جیسے پنج وقتہ نمازیں جو ہر مسلمان مرد عورت عاقل و بالغ پر فرض ہیں ان کا منکر کافر اور بلا عذر ترک کرنے والا فاسق اور گنہگار ہے۔

۲۔ فرض کفایہ: جیسے نماز جنازہ جسے اگر مسلمانوں کی ایک جماعت ادا کر دے تو سب مسلمانوں کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے لیکن اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ادا نہ کرے تو سارے مسلمان جو مرنے والے کے علاقے میں رہتے ہیں گنہگار ہوں گے۔

۳۔ واجب: جیسے نماز وتر اور عیدین کی نماز اور وہ نوافل جو شروع کرنے کے بعد ٹوٹ گئے ہوں۔

۴۔ نفل، خواہ وہ سنّت ہو یا مستحب یعنی فرض عین، فرض کفایہ اور واجب نمازوں کے علاوہ ہر نماز۔

نماز کی شرطیں

نماز واجب ہونے کی چند شرائط ہیں اور چند شرائط نماز صحیح ہونے کی ہیں۔ حنفی فقہاء کے نزدیک نماز واجب ہونے کے لئے مسلمان ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، حیض و نفاس سے عورت کا پاک ہونا ضروری شرائط ہیں۔ اور نماز صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں، جسم حدث سے اور نجاست سے پاک ہو۔ کپڑا نجاست سے پاک ہو اور نماز ادا کرنے کی جگہ نجاست سے پاک ہو، نماز کا وقت آ گیا ہو، ستر ڈھکا ہوا ہو، نماز کی نیت کی گئی ہو اور منہ قبلے کی طرف ہو۔

فرض نمازوں کی تعداد اور اُن کی فرضیت کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے کو ہجرت کرنے سے ایک سال پہلے مکہ مکرمہ میں معراج کی رات کو پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر۔ فرض ہونے کے بعد سب سے پہلی نماز ظہر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء، آیت-۱۰۳)

(بے شک نماز ایمان والوں پر فرض ہے جس کے وقت مقرر ہیں)

اوقات کا علم رسول اللہ کو شب معراج میں دے دیا گیا تھا جس کو حضورؐ نے قول و فعل سے لوگوں کو بتا دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر اُس کی توثیق فرما دی:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر، آیت-۷)

"جو کچھ رسول تمہیں (حکم) دیں اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جو ہم نے اوپر (نماز کی تعریف سے پہلے) نقل کی ہے اُس میں "الصّلوٰۃ الخمس" پنج گانہ نماز فرض ہونے کی واضح دلیل ہے۔

نماز کے اوقات

احادیث صحیحہ میں جو ترمذی اور نسائی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہیں قدرتی علامات کے ذریعے جن کا تعلق آسمانی تقویم اور ہمیشہ پیش آنے والے منضبط اوقات سے ہے، نمازوں کے وقت کی تفصیل بتائی گئی ہے جس کا خلاصہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

۱۔ ظہر کا وقت سورج کا زوال شروع ہوتے (یعنی بیچ آسمان سے مغرب کی طرف جھکتے) ہی آجاتا ہے اور اُس وقت تک رہتا ہے جب تک ہر چیز (درخت دیوار وغیرہ) کا سایہ اُس چیز کی بلندی کے برابر نہ ہو جائے۔

نوٹ: زوال کے وقت کو جاننے کی صورت یہ ہے کہ دوپہر سے پہلے ایک سیدھی لکڑی یا سلاخ زمین میں گاڑ دی جائے، لامحالہ اُس کا سایہ ہوگا اور آہستہ آہستہ کم ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کو ذرا سا سایہ جڑ کے پاس رہ جائے گا اور گھٹنا بند ہو جائے گا یہ استوا کا وقت ہے یعنی سورج بیچ آسمان پر آجاتا ہے اب جب پھر سایہ بڑھنے لگے تو زوال شروع ہو گیا (یعنی سورج بیچ) آسمان سے جھکا) یہیں سے ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور اُس وقت تک رہتا ہے جب اُس چیز کا سایہ (اُس سایہ کے علاوہ جو استوا کے وقت تھا) اُس چیز کی لمبان کے برابر ہو جائے۔

۲۔ عصر کا وقت، جب کسی شے کا سایہ (وقتِ استوا کے سایہ کو چھوڑ کر) اپنی لمبائی سے زیادہ ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور سورج کے زرد پڑ جانے تک رہتا ہے (یعنی سورج ڈوبنے سے چند لمحے پہلے تک) ظہر کا آخر وقت اور عصر کا ابتدائی وقت اتنی دیر مشترک رہتا ہے کہ مقیم چار رکعت نماز اور مسافر دو رکعت نماز پڑھ سکتا ہے۔

۳۔ مغرب کا وقت، جب سورج غائب ہو جائے تو مغرب کا وقت ہو جاتا ہے اور شفق کی سرخی غائب ہونے تک رہتا ہے۔

۴۔ عشاء کا وقت، شفق کی سُرخی غائب ہو جانے کے بعد سے صبح صادق کے نمودار ہونے تک رہتا ہے۔

۵- فجر کا وقت: صبح صادق سے شروع ہوتا ہے (یعنی پو پھٹتے وقت کی روشنی جو پہلے مشرق کی جانب نمودار ہوتی ہے اور پھر پھیلتی جاتی ہے) فجر کا وقت سورج کے طلوع ہونے تک باقی رہتا ہے۔ عین طلوع کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے اسی طرح عین غروب کے وقت بھی نماز پڑھنا منع ہے۔

صبح کاذب کا اوقاتِ نماز کے تعین میں کوئی اعتبار نہیں ہے یہ وہ روشنی ہے جو پھیلتی نہیں ہے، یہ ایک مستقل سفید دھاری ہوتی ہے جس کے دونوں جانب تاریکی نظر آتی ہے۔

اوّل وقت نماز پڑھنے کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اوّل الوقت رضوان اللّٰہ" یعنی اوّل وقت میں نماز ادا کرنا رضائے الٰہی کا موجب ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فضیلت کا وقت یہ ہے کہ کسی نماز کا وقت شروع ہوتے ہی نماز کی تیاری اور اس تیاری کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے اُن کو مہیا کرنے اور اُنھیں پورا کرنے اور پھر نماز پڑھنے میں جتنا وقت لگ سکتا ہے، اس مقدار وقت کے گزر جانے کے بعد وقت فضیلت ختم ہو جاتا ہے۔ فجر اور مغرب کی نمازیں اوّل وقت ہی میں ادا کرنا چاہئیں۔

ظہر کی نماز سخت گرمی کے موسم میں اتنے توقف سے پڑھنا مستحب ہے کہ دھوپ کی تمازت ہلکی پڑ جائے اور لوگ دیواروں کے سائے میں مسجدوں تک آ سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ہے:

ابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم"	نماز ظہر کے لئے ذرا وقت کو ٹھنڈا ہونے دو۔ گرمی کی شدت جہنم کی جھلساہٹ کا حصہ ہے۔

سردی کے موسم میں اوّل وقت بہتر ہے۔ عصر کی نمازمیں اوّل وقت سے تاخیر مستحب ہے۔ مگر اتنی نہیں کہ سورج کا رنگ بدل جائے کیونکہ یہ تاخیر مکروہ ہے۔ عشار کی نماز میں اتنی تاخیر مستحب ہے کہ ایک تہائی رات گزرنے سے پہلے پڑھ لی جائے۔ اگر جماعت ترک ہوتی ہو تو بہرحال جماعت کے ساتھ ہی پڑھنا چاہیے، فجر کی نماز میں اسفار تک تاخیر کرنا مستحب ہے

بشرطیکہ جماعت فوت نہ ہوتی ہو۔ اسفار کا مطلب روشنی نمایاں ہونا ہے۔ سورج طلوع ہونے سے اتنا پہلے کہ اگر اتفاقاً وضو جاتا رہے تو دوبارہ وضو کر کے نماز ادا کی جا سکے وقت جواز بہ کراہت ہے، یہی حال عصر میں سورج کے زرد پڑ جانے کے بعد اتنے وقت کا ہے جب اُس کے غروب ہونے میں صرف نماز پڑھنے بھر کا وقت رہ جائے۔

نماز میں تاخیر کرنا

بغیر کسی عذر کے تاخیر کرنا جائز نہیں بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جب نماز میں تاخیر کرنا ضروری ہو جاتا ہے، مثلاً جب مناسک حج میں سے کسی منسک کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو یا کسی ڈوبنے کو بچانا ہو یا کسی میت کے پھولنے پھٹنے کا ڈر ہو۔ اسی طرح کسی کو کھانے کی خواہش ہو رہی ہو تو پہلے کھانا کھا لینا چاہیئے اور نماز میں تاخیر کر دینا چاہیئے۔

دو نمازیں ملا کر پڑھنا

آسمان پر گھٹا چھائی ہو اور دو نمازوں (ظہر و عصر یا مغرب و عشاء) کے لئے الگ الگ مسجد میں پہنچا نہ جا سکتا ہو تو چاہیئے کہ عصر کا وقت قریب آجانے تک ظہر میں تاخیر کی جائے، اسی طرح عشاء کا وقت قریب آجانے تک مغرب میں تاخیر کی جائے تاکہ ایک ہی بار جانا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حج میں ہے اور غروب آفتاب تک مزدلفہ پہنچتا ہے اُسے دو نمازوں کا جمع کرنا مباح ہے۔

نماز میں ستر ڈھکنا

نماز صحیح ہونے کی شرطوں میں ستر پوشی یعنی جسم کے متعین حصوں کا ڈھکنا ہے جن بدن کے حصوں کو چھپانے کا حکم ہے اُنھیں اصطلاح میں ستر عورت کہتے ہیں۔ اگر وہ کھلا رہے تو نماز نہیں ہوگی، اِلّا یہ کہ وہ ایسا لاچار ہو جس کے پاس تن ڈھاکنے کو نہ ہو۔

۱۔ "ستر عورت" مرد کے لئے ناف سے گھٹنے تک ہے۔ باندی کے پیٹ اور پیٹھ اور ناف سے گھٹنے تک ستر عورت ہے۔ آزاد عورت کا تمام جسم مع بالوں کے ستر میں شمار ہوگا بجز چہرے اور ہاتھوں کے، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک انھیں دو حصوں کو ستر سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ہتھیلیوں اور دونوں پیروں کی پشت کو ستر سے مستثنیٰ کہا ہے بخلاف پشتِ دست اور تلووں کے جو اُن کے

نزدیک ستر میں داخل ہیں۔

اثنائے نماز میں ستر کھل جانے کا حکم اگر دوران نماز بغیر ذاتی عمل کے ستر کا ایک چوتھائی کھل گیا مثلاً ہوا کے جھونکے سے کپڑا ہٹ گیا اور اتنی دیر کھلا رہا کہ نماز کا ایک رکن ادا کیا جا سکے تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن اگر اسی قدر حصہ یا اس سے کم خود نماز پڑھنے والے کے عمل سے کھل گیا تو نماز اُسی وقت فاسد ہو جائے گی۔ اگر نماز شروع کرنے سے پہلے ہی ستر کا حصہ کُھل گیا ہو تو نیت ہی نہیں بندھے گی۔ ساتر چیز اگر ایسی باریک ہے جس میں سے جسم کی رنگت نظر آسکتی ہے خواہ پہلی نظر میں یا بغور دیکھنے کے بعد تو اس کا حکم بھی ستر کھل جانے کی طرح ہے۔ مالکی فقہا کی رائے میں اگر بغور دیکھنے سے حصۂ جسم نظر آتا ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی صرف مکروہ ہوگی لہٰذا وقت میں گنجائش ہو تو اُسے دُہرالینا مستحب ہے۔ اگر ساتر کپڑا بارش سے بھیگ کر یا تیز ہوا چلنے سے بدن سے چمٹ کر حصۂ ستر کی حدود کو نمایاں کر دے تو نماز کا دُہرانا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر نماز پڑھنے والے کو خود اپنا ستر کپڑے کے اندر سے نظر آجائے تو بھی نماز دُہرانا ضروری نہیں۔

ریشم کا کپڑا مردوں کو استعمال کرنا حرام ہے لیکن اگر ستر ڈھانکنے کے لئے سوائے ریشمی کپڑے کے اور کوئی چیز نہ ہو تو مجبوراً نماز پڑھ لی جائے لیکن نجاست آلود کپڑے اور سور کی کھال کے سوا اگر کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس سے ستر کو ڈھک کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر اتنا کپڑا دستیاب ہو جس سے ستر کا کچھ ہی حصہ چھپ سکے تو اگلی پچھلی شرمگاہوں کو ڈھانک کر نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ اوپر سے یا پہلو سے ستر نظر نہ آئے۔ لیکن اگر پاک کپڑا اور کوئی پاک چیز بالکل ہی میسر نہ ہو تو برہنہ حالت میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

حالت نماز کے بغیر ستر ڈھانکنا پابند شریعت انسان پر واجب ہے کہ اپنے ستر کو ہر وقت ڈھکا رکھے، صرف ضرورت کے مطابق مثلاً استنجا، رفع حاجت، غسل یا علاج وغیرہ کے لئے تنہائی میں کھولنا جائز ہے کہ کسی کی نظر نہ پڑے۔ اسی طرح بے ضرورت کسی کی ستر کی طرف دیکھنا بھی حلال نہیں۔ نامحرم مرد اور غیر مسلم عورت کے سامنے عورت کا تمام جسم (ہاتھوں اور چہرے کے سوا) ستر ہے۔ محرم مرد کے سامنے بھی عورت کے

چہرے، سر، گردن، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے علاوہ تمام جسم عورت کا ستر ہے۔ جس حصہ ستر کو دیکھنا حرام ہے اُس کو بلا واسطہ ہاتھ لگانا بھی حرام ہے۔ کم عمر بچے (یعنی چار سال یا اس سے کم عمر کے لڑکے لڑکیاں) ستر کی قید سے مستثنیٰ ہیں اس عمر سے آگے اگر اُن کے ستر کو دیکھنے سے کوئی بُرا خیال پیدا ہو تو حکم وہی ہے جو بالغ مرد یا عورت کے ستر کا ہے۔

نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا نماز کے لئے جس طرح وقت کی موجودگی اور ستر پوشی کی شرط ہے اسی طرح قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرنا بھی شرط ہے۔

قبلہ کی تعریف قبلہ کعبہ کو یا کعبے کی سمت کو کہتے ہیں۔ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کا سینہ کعبے کے محاذ میں ہو۔ مکۂ مکرمہ میں رہنے والے یقینی طور پر عین کعبے کے سامنے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے کے مکلّف ہیں، اُن پر لازم ہے کہ ٹھیک کعبے کی طرف اپنا رُخ نماز میں رکھیں، اگر مکہ میں کوئی شخص کسی اونچی عمارت یا کسی پہاڑی پر ہو اور ٹھیک کعبے کے مقابل ہونا ممکن نہ ہو تو کعبے کی بالائی فضا کی طرف یا اگر کسی نشیبی وادی میں ہو تو کعبے کی زیریں فضا کی جانب رُخ کر لینا کافی ہے۔ امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ نمازی کے پورے جسم کو کعبے کے رخ ہونا چاہیئے خواہ وہ بلند جگہ پر ہو یا نشیب میں۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی محراب کی جانب رُخ کرنا ٹھیک کعبے کی طرف رُخ کرنا ہے، یہ محراب وحی الٰہی سے عین کعبے کی رُخ تعیہ ہوئی تھی۔ مکّے سے دور دراز نماز پڑھنے والوں کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اُس سمت رُخ کریں جس سمت میں کعبہ واقع ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کافی نہیں بلکہ گمان غالب میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ وہ عین کعبے کے سامنے ہے

نماز میں قبلہ رو ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" اس بات کی دلیل ہے کہ یہ صحت نماز کے لئے شرط ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے لہٰذا اجماع سے ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ بخاری اور مسلم میں حضرت اُنسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے اس باب میں حدیثیں بھی موجود ہیں۔

قبلہ کا رخ متعین کرنے کا طریقہ

قبلہ کا رُخ جاننے کے وسائل بہت سے ہیں لہٰذا اب یہ ضروری نہیں رہا کہ سورج یا ستارے سے ہی قبلہ کی سمت معلوم کی جایا کرے، پہلے زمانے میں جو لوگ بحری سفر کیا کرتے یا ریگستانوں اور صحراؤں کو عبور کرتے اور ان کے پاس قبلے کی سمت معلوم کرنے کا ذریعہ نہیں ہوتا وہ دن میں سورج اور رات میں ستاروں سے سمت متعین کرتے تھے۔ قبلے کا رخ مختلف مقامات پر تبدیل ہوتا رہتا ہے، چنانچہ مصر میں رہنے والوں کے لئے قبلے کا رُخ مشرق کی طرف کسی قدر دائیں جانب مُڑ کر ہے اور ہندوستان میں مغرب کی طرف کسی قدر بائیں جانب مڑ کر ہے۔ سورج کے طلوع و غروب سے مشرق و مغرب کی سمتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور اُن سے شمال و جنوب کا رُخ متعین ہو جاتا ہے۔ قطب تارے سے بھی ہر جہت میں قبلے کے رُخ کا پتہ لگایا جاتا ہے مثلاً مصر میں نمازی اُس کو اپنے بائیں کان کے پیچھے رکھ کر، مدینہ منورہ اور قدس میں اس ستارے کو بائیں مونڈھے کی جانب رکھ کر قبلہ کی طرف منہ کر لیتا ہے۔ قطب نما اگر صحیح بنا ہوا ہو تو اُس سے ہر وقت تعینِ قبلہ ممکن ہے۔

فقہاء نے تعین قبلہ کے لئے جو اصول بتائے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ حنفی فقہاء کے نزدیک جن شہروں اور قصبوں میں ایسی مسجدیں موجود ہیں جن کو صحابیوں یا تابعیوں نے تعمیر کرایا ہو جیسے قُدس میں مسجد عمرؓ، دمشق میں مسجدی اموی اور مصر میں مسجد عمرو بن عاص تو جس رُخ ان کی محرابیں ہیں وہی قبلے کا رُخ ہے، اُس رُخ سے ہٹ کر نماز پڑھی گئی تو درست نہ ہوگی۔ یہی حُکم ان مقامات کا ہے جہاں مسلمان بادشاہوں نے مسجدیں بنوائی ہیں۔

۲۔ جہاں ایسی مسجدیں نہ ہوں لیکن مسلمان موجود ہوں تو کسی نمازی شخص سے قبلہ کا رُخ دریافت کر لینا کافی ہے۔ کافر، بدکار اور بچے سے دریافت کرنا صحیح نہیں ہے، اگر وہ بتائیں بھی تو نہیں مانا جائے گا۔ اگر ایسا شخص مل جائے جس سے دریافت کیا جا سکتا ہے پھر اپنی رائے سے قبلہ کا رخ طے کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ جہاں نہ تو مسجد نظر آئے نہ ایسا شخص ملے تو اپنی سوچ سمجھ سے قبلے کا تعین کرے اور جدھر گمان غالب ہو اُس رُخ نماز بہر حال درست ہوگی، اصطلاح میں اس کو تحرّی

کہتے ہیں۔

۴۔ اگر کوئی مسافر ہو اور ایسی جگہ ٹھہرے جہاں کوئی آبادی نہ ہو یا لق و دق صحرا ہو تو اگر سورج چاند اور ستاروں کے ذریعے قبلے کا رُخ جان سکتا ہے اُس جان کاری سے کام لے یا کوئی دوسرا شخص جو اس کام میں ہوشیار ہو اُس سے پوچھے پھر اگر یہ دونوں باتیں ممکن نہ ہوں تو تحری کرے یعنی اپنی سوچ بوجھ سے قبلہ کا رُخ پہچاننے کی کوشش کرے اور جدھر گمان غالب ہو اُدھر رُخ کر کے نماز پڑھ لے۔

تحری کے بارے میں کچھ مسائل

ایسا تحرّی کرنے والا جو کسی ایک سمت کو دوسری سمت پر ترجیح نہ دے سکا مگر ایک طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہو گئی اُسے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ تینوں امام علاوہ امام شافعیؒ کے اس پر متفق ہیں۔

ایک شخص نے تحرّی کے بعد ایک طرف منہ کر کے نماز شروع کر دی۔ دورانِ نماز اُسے احساس ہوا کہ فیصلہ کرنے میں غلطی ہوئی ہے یا اُس کا گمان غالب ہوا کہ قبلے کا رخ کوئی اور ہے تو چاہیئے کہ حالتِ نماز میں اُسی طرف مڑ جائے اور باقی نماز پوری کرے، حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک یہ نماز صحیح ہو گی، باقی دو امام نیت توڑ دینے کی رائے دیتے ہیں۔

ایک شخص نے تحرّی کر کے ایک سمت قبلہ متعین کی اور پوری نماز پڑھ لی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ رُخ صحیح نہ تھا تو بھی نماز صحیح ہو گئی، دوبارہ نہیں پڑھنا ہو گی۔ شافعی فقہاء کے نزدیک اگر محض گمان ہے تو دوبارہ پڑھنا لازم نہیں لیکن اگر یقینی طور پر رُخ غلط تھا تو دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔

کسی شخص نے اپنی رائے سے کام ہی نہ لیا حالانکہ وہ ایسا کر سکتا تھا اور کسی شخص کی پیروی کر کے یا بغیر پیروی کئے ایک طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لی تو وہ نماز صحیح نہ ہو گی اگرچہ یہ تحقیق ہو جائے کہ جو سمتِ قبلہ اُس نے بے سوچے سمجھے بنائی تھی وہ صحیح تھی۔ تین امام متفق الرائے ہیں لیکن حنفی فقہا کو اس رائے سے اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ خیال کر کے نماز پڑھی تھی کہ اِدھر قبلہ ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ اُسی رُخ تھا تو نماز صحیح ہو گی، اسی طرح اگر قبلہ

کے تعین میں شک تھا پھر بھی نماز پڑھ لی تھی پھر علم ہوا کہ وہ نماز صحیح رخ سے پڑھی گئی تب بھی نماز صحیح ہو گی البتہ اگر دوران نماز شک دور ہوا تو نماز جاتی رہی پھر سے پڑھنا واجب ہے۔

ایسا شخص جو خود اس قابل ہو کہ اپنی رائے سے سمتِ قبلہ متعین کر سکے اُسے دوسرے کی پیروی نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر وہ اس قابل نہیں ہے تو جس نے اپنے اجتہاد سے قبلہ کا رُخ متعین کر لیا ہو اُس کی تقلید کرے، اگر یہ دونوں باتیں میسّر نہ ہوں تو پھر جس جانب دِل گواہی دے اُس کو سمتِ قبلہ سمجھ کر نماز پڑھ لے ایسی نماز کو پھر دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے حنفی اور حنبلی فقہاء کی یہی رائے ہے۔ مالکی کسی کی تقلید اُسی وقت جائز سمجھتے ہیں جب اُس کی رائے صحیح ہونے کا اطمینان ہو اور شافعی فقہا ایسی نماز کو دُہرانے کی رائے رکھتے ہیں۔

استقبالِ قبلہ واجب ہونے کی شرطیں

۱۔ قُدرت۔ اگر کوئی شخص کسی مرض کی وجہ سے خود قبلے کی طرف نہیں مڑ سکتا اور کوئی شخص جو اُس کا مُنہ قبلے کی جانب موڑ دے نہیں ہے تو یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے لہٰذا جس طرف بن پڑے نماز پڑھ لے۔

۲۔ تحفظ۔ جب قبلہ رُخ ہو جانے میں کسی انسان سے یا کسی اور شے سے جان و مال کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اُس کا قبلہ بھی وہی ہے جس طرف بھی وہ سکون سے نماز پڑھ سکتا ہو دونوں حالتوں میں پڑھی ہوئی نمازوں کا دُہرانا واجب نہیں ہے۔

کعبے کے اندر نماز پڑھنا

کعبہ ہی قبلہ ہے جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اب اگر کوئی شخص کعبے کے اندر نماز پڑھے گا تو پورے کعبے کی طرف رُخ نہیں ہو گا اس لئے اُس کے اندر نماز ادا ہونے کے بارے میں فقہا کے مسلک جُدا جدا ہیں۔ حنبلی فقہاء کے نزدیک اگر کعبے کے اندر کوئی شخص کنارے پر کھڑا ہو یا باہر کھڑا ہو اور دونوں صورتوں میں سجدہ کعبے کے اندر کرے تو نماز ہو جائے گی لیکن اگر سجدہ کنارے پر کیا تو نماز نہیں ہو گی کیونکہ رُخ کعبے کی طرف نہیں رہے گا، حنفی فقہاء کعبے کے اندر اور اُس کی سطح پر نماز پڑھنا صحیح قرار دیتے ہیں لیکن کعبے کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ کہتے ہیں۔ مالکی فقہاء کعبے کے اندر فرض اور سنت نماز پڑھنا مکروہ کہتے ہیں اور کعبے کی چھت پر فرض نماز ادا کرنا باطل۔

صرف نفلی غیر موکدہ نماز اندر پڑھنے کی اجازت ہے شافعی فقہاء کعبے کی چھت پر نماز صرف اسں حالت میں صحیح کہتے ہیں جب سامنے آدمی کے دو تہائی ہاتھ کے برابر اونچی کوئی شے ہو۔

سواری پر نماز پڑھنے کے احکام

کشتی، دخانی گاڑیوں، ہوائی جہازوں پر نماز (فرض یا النفل) حتی المقدور قبلہ رخ ہو کر پڑھنا چاہیے، کسی اور جانب پڑھنا درست نہیں ہے، یہاں تک کہ دوران نماز اگر کشتی یا اسٹیمر گھوم جائے تو نمازی کو بھی قبیلے کی طرف مڑ جانا چاہیئے البتہ اگر رخ صحیح جانب کرنے سے معذوری ہو تو جدھر بن پڑے نماز پڑھی جائے۔ یہ اجازت اس حالت میں ہے کہ سواری کو ایسی جگہ پہنچنے میں وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو جہاں پوری طرح نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

اگر سواری کا جانور ہے یا ایسی سواری ہے جسے ٹھہرانے کا اختیار ہے تو چلتی ہوئی سواری پر نماز صحیح نہ ہوگی۔ فرض نماز کا سواری پر بغیر مجبوری کے ادا کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ حرکت میں ہو یا کھڑی ہو، یہی حنفی فقہاء کا مسلک ہے۔ مالکی کہتے ہیں کہ سواری کی پشت پر فرض نماز کی ادائگی تب ہی صحیح ہوگی جب گھمسان کی جنگ ہو رہی ہو، دشمنوں کا ہجوم ہو یا کسی گھنیرے جنگل سے گزر رہا ہو جہاں اُترنا بس میں نہ ہو یا کسی درندہ جانور کا خوف ہو یا کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ سواری سے اُترا ہی نہ جا سکے۔

ادائے نماز کے فرائض

فرائض یا ارکان نماز سے مراد وہ اجزائے نماز ہیں جن کے بغیر نماز نہیں ہوتی یعنی اگر ان اجزا میں سے کسی جزو کو نکال دیا جائے تو اُس کو نماز نہیں کہا جائے گا، مثال کے طور پر تکبیر تحریمہ نماز کا ایک رکن یا ایک فرض ہے، اگر یہ ترک کر دی جائے تو وہ نماز ہی نہیں ہوئی یہی حال تمام اجزائے فرض یا ارکان کا ہے۔

نماز کے ارکان

(۱) تکبیر تحریمہ۔ یعنی نیت باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا (نیت کو حنفی فقہاء شرط قرار دیتے ہیں، باقی تین مسلکوں کے فقہا اس کی رکنیت کے قائل ہیں) اس کو تکبیر تحریمہ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام مباح امور اس کے بعد حرام ہو جاتے ہیں مثلاً کسی کی بات کا جواب دینا یا کوئی ایسا کام جس سے نماز میں خلل واقع ہو سکتا ہے۔

۲۔ قیام۔ سیدھے کھڑے ہونا (اگر کوئی عذر نہ ہو) فرض نماز میں فرض ہے۔ نفل نماز بیٹھ کر بھی پڑھی جا سکتی ہے۔
۳۔ قرأت قرآن:۔ کم سے کم چھوٹی تین آیتوں کے برابر یا ایک بڑی آیت پڑھنا لیکن مقتدی پر قرأت لازم نہیں ہے۔
۴۔ رکوع کرنا: پشت کو اس قدر خم کرنا کہ سر اور کولھا ایک سطح پر آجائیں۔
۵۔ دوبار سجدے کرنا۔ یعنی دونوں ہاتھ، گھٹنے، پیروں کی انگلیاں، پیشانی اور ناک فرش پر رکھنا۔
۶۔ قعدۂ اخیرہ میں اتنی دیر بیٹھنا جس میں تشہد پڑھا جا سکے۔

ان میں سے کوئی رکن اگر ادا نہ ہوا تو نماز نہیں ہوگی مثلاً اللہ اکبر نہیں کہا۔ قیام، رکوع و سجود میں سے کوئی فرض چھوٹ گیا تو نماز ادا نہیں ہوئی۔

نماز کے واجبات جو چیزیں نماز میں واجب ہیں اُن میں سے کوئی واجب چھوٹ جانے یا بھول جانے سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی لیکن کمی ضرور رہ جاتی ہے جسے دور کرنے کے لئے شریعت نے سجدۂ سہو واجب کیا ہے لیکن اگر قصداً ترک کرنے کی صورت ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ وہ واجبات یہ ہیں:۔

۱۔ فرض نماز کی پہلی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ قرأت قرآن میں دوسری سورت کا ملانا واجب ہے۔
۲۔ تمام رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا خواہ وہ فرض نماز ہو یا نفل واجب ہے۔
۳۔ نفل اور وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کا یا اُس کی تین آیتوں کا پڑھنا واجب ہے، اور فرض نمازوں میں صرف پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے تیسری اور چوتھی رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ سنت ہے۔
۴۔ سورۂ فاتحہ کا دوسری سورت سے پہلے پڑھنا واجب ہے۔
۵۔ تمام ارکان کو پے در پے ادا کرنا، اگر ایک رکن کے بعد دوسرے رکن کی ادائگی میں اتنی دیر ہو گئی جتنی ایک سجدے یا رکوع کرنے میں ہوئی ہے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔
۶۔ قیام، قرأت، رکوع اور سجود میں ترتیب قائم رکھنا واجب ہے۔ اگر یہ ترتیب بدل

گئی تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

۷۔ رکوع اور سجدے میں اتنی دیر ٹھہرنا کہ اطمینان سے سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جا سکے واجب ہے۔

۸۔ قومہ: یعنی رکوع کے بعد اچھی طرح سے سیدھا کھڑا ہونا اور پھر سجدے میں جانا واجب ہے۔

۹۔ جلسہ: یعنی دو سجدوں کے درمیان اچھی طرح بیٹھنا۔

۱۰۔ قعدہ اولیٰ یعنی پہلی دو رکعتوں کے بعد بقدر تشہد بیٹھنا۔

۱۱۔ دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا (التحیات للہ سے کلمۂ شہادت تک پڑھنے کو تشہد کہتے ہیں)

۱۲۔ تعدیلِ ارکان:۔ تمام ارکان (قیام و رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ قعدہ وغیرہ) کو اطمینان و یکسوئی سے ادا کرنا بایں طور کہ کوئی بات چھوٹ نہ پائے۔

۱۳۔ سری نمازوں (یعنی ظہر و عصر) میں آہستہ قرآن پڑھنا اور جہری نمازوں (مغرب، عشاء، فجر، جمعہ اور عیدین وغیرہ) میں آواز سے قرآن پڑھنا۔

۱۴۔ قعدۂ اخیرہ میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز ختم کرنا۔

۱۵۔ وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہنا اور پھر دعائے قنوت پڑھنا۔

ان میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے گا تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہوگا۔

۱۶۔ عید کی نماز میں چھ تکبیریں زائد کہنا واجب ہے لیکن اگر بغیر قصد کے چھوٹ جائیں تو سجدۂ سہو لازم نہیں۔

نماز کی سنتیں

سنت کے معنی لغت میں راہ و روش اور عادت کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں پیغمبر اسلام اور آپ کے صحابہ جس طریقے سے فرائض و واجبات ادا کرتے تھے اُس کو سنت کہتے ہیں اُس طریقے پر عمل کرنا باعثِ ثواب ہے اگر ترک کر دے تو مؤاخذہ نہیں۔ نماز کا مقصد اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے جس کا خوب تر طریقہ وہی ہے جو نبی علیہ السلام کا تھا۔ لہٰذا ثواب کی طلب رکھنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔ نماز

کی ضروری سنتیں یہ ہیں۔

۱۔ تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اُٹھانا، مردوں کو کانوں تک اور عورتوں کو مونڈھوں تک۔ مرد اگر مونڈھوں تک ہاتھ اُٹھائیں تو بھی سنّت ادا ہوجائے گی کیونکہ نبی علیہ السلام نے کبھی کانوں تک اور کبھی مونڈھوں تک ہاتھ اُٹھائے ہیں۔

۲۔ ہاتھوں کو اُٹھاتے وقت اُنگلیاں کُھلی اور قبلہ کی طرف رکھنا۔

۳۔ امام کو ہر رکن ادا کرتے وقت تکبیر کہنا۔

۴۔ پہلی رکعت میں تکبیر کے بعد ثنا (یعنی سبحانک اللہ) آہستہ پڑھنا اور

۵۔ تعوّذ (یعنی اعوذ باللہ) پڑھنا (۶) سورۂ فاتحہ کی ابتدا التسمیہ (یعنی بسم اللہ) سے کرنا۔

۷۔ سورۂ فاتحہ ختم کرکے آمین کہنا (بالکل آہستہ سے یا تھوڑا ہلکی آواز سے دونوں باتیں سنّت ہیں۔

۸۔ نیت باندھتے وقت دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑے ہونا، مردوں کو ناف کے برابر اور عورتوں کو سینے کے اوپر ہاتھ رکھنا چاہئیے، اگر کوئی مرد بھی سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے تو یہ بھی سنّت کے خلاف نہیں ہے۔

۹۔ رکوع میں جاتے وقت اللہ اکبر کہنا۔

۱۰ رکوع کی حالت میں سر کو پیٹھ کے برابر رکھنا اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا۔

۱۱۔ رکوع میں "سبحان ربی العظیم" تین بار کہنا۔

۱۲۔ قومہ یعنی رکوع سے اُٹھتے وقت امام کو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنا اور امام و مقتدی دونوں کو "ربنا لک الحمد" کہنا۔

۱۳۔ سجدے میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنوں کو پھر ہاتھوں کو پھر پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنا۔

۱۴۔ سجدے میں جاتے وقت اور پھر سجدے سے اُٹھتے وقت "اللہ اکبر" کہنا۔

۱۵۔ دونوں سجدوں میں تین تین بار "سبحان ربی الاعلیٰ" کہنا۔

۱۶۔ سجدے کی حالت میں ہاتھ کے دونوں پہنچوں کو ناک کے برابر رکھنا (مردوں کو ران اور پیٹ ملانا نہیں چاہئیے جبکہ عورتوں کو ران اور پیٹ ملاکر سجدہ کرنا چاہئیے۔ مردوں کو دونوں

کہنیاں ران سے ہٹا کر زمین سے اونچی رکھنا اور دونوں پیروں کو کھڑا رکھنا چاہیے جبکہ عورتوں کو اپنے پیر زمین پر بچھا دینا چاہیئے۔

۱۷۔ جلسے اور قعدے میں مردوں کو بایاں پیر بچھا کر اس کے اوپر بیٹھنا چاہیے اور عورتوں کو دونوں پیر داہنی جانب نکال کر بیٹھنا چاہیے۔

۱۸۔ تشہد میں" اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ" پر شہادت کی انگلی اوپر اٹھانا۔

۱۹۔ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا۔

درود کے بعد کوئی دعا پڑھنا۔

۲۱۔ پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیرنا۔

۲۲۔ فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

نماز کے مستحبات

مندوبات یا آداب نماز وہ باتیں ہیں جن کا نماز میں لحاظ رکھنا پسندیدہ ہے لیکن اگر چھوٹ جائیں تو اس کی وجہ سے کوئی فرق نماز کے ادا ہونے میں واقع نہیں ہوتا۔ لہٰذا آداب صلوٰۃ میں سے یہ ہے کہ:

۱۔ حالت نماز میں کسی ایسی چیز پر نظر نہ رکھے جو توجہ کو نماز سے ہٹادے مثلاً کوئی لکھی ہوئی عبارت یا نقش و نگار۔ بس کھڑے ہونے کی حالت میں سجدے کی جگہ پر، رکوع کی حالت میں دونوں پیروں پر، جلسے اور قعدے کی حالت میں اپنی گود پر اور سلام پھیرتے وقت اپنے مونڈھوں پر ہی نگاہ رہنی چاہیئے۔

۲۔ کھانسی کو طاقت بھر روکے۔ بغیر کسی سبب کے کھانسنا جس میں کسی حرف کی آواز پیدا ہو جائے نماز کو باطل کر دیتا ہے، یہی حکم ڈکار کا ہے۔ جماہی روکنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ میں روایت کیا گیا ہے:

التثاوب فی الصلوٰۃ من الشیطان فاذا تثائب احدکم فلیکضم ما استطاع۔	نماز میں جماہی لینا شیطان کی خلل اندازی ہے پس تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو حتی المقدور اُسے روکنے کی کوشش کرے۔

اگر نہ رُکے تو مُنہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہیئے۔

۳۔ منجملہ آداب صلوٰۃ کے مرد کو تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ باہر رکھنا اور عورت کو دوپٹہ کے اندر ہی رکھنا ہے۔

۴۔ سورۂ فاتحہ اور دوسری سورۃ کے درمیان بسم اللہ کہنا بھی مستحبات میں سے ہے۔

۵۔ اقامت کہنے والا جب حی علی الصلوٰۃ کہے تو نماز کے لئے کھڑے ہو جانا اور قد قامت الصلوٰۃ کہنے پر امام کا نماز شروع کر دینا مستحب ہے۔

۶۔ رکوع اور سجدے میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح پڑھنا صرف منفرد کے لئے مستحب ہے۔

سُترہ یعنی آڑ سُترہ اس چیز کو کہتے ہیں جو نمازی اپنے آگے اس لئے رکھ لے کہ نماز پڑھنے میں کوئی شخص آگے سے نہ گزرے۔

سُترہ کے شرائط کسی شے کو بھی سترہ بنایا جا سکتا ہے جس کی اونچائی ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ ہو، وہ شے سیدھی ہو ٹیڑھی میڑھی نہ ہو۔ سُترہ نمازی کے پیروں سے تین گز کے فاصلے تک ہونا چاہیئے۔ کسی ضخیم چیز کا سترہ بنانا پڑے تو اُسے سامنے چوڑان میں رکھنا بہتر ہے۔ اگر کوئی شے سترہ بنانے کے لئے نہ ملے تو زمین پر ایک لکیر ہلالی شکل کی بنالی جائے۔ بیٹھے ہوئے آدمی کی پیٹھ کو سترہ بنا لینا درست ہے یعنی پیٹھ کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ آدمی کا مُنہ نمازی کی جانب نہیں ہونا چاہیئے اور وہ کافر شخص یا اجنبی عورت نہ ہو۔ کسی نجس شے کو بطور سترہ استعمال کرنا ٹھیک نہیں ہے، یہی حکم مغصوب چیز کا ہے۔ مالکی فقہا مغصوبہ شے کا سُترہ بنانا درست اور نجس شے کا سُترہ بنانا "نادرست" کہتے ہیں جبکہ حنبلی فقہا مغصوبہ شے کا سُترہ بنانا صحیح نہیں کہتے اور نجس شے کا سترہ صحیح قرار دیتے ہیں۔

نمازی کے آگے سے گزرنا نمازی کے آگے سے گزرنے والا گنہگار ہو گا جب کسی اور طرف سے گزرنے کی گنجائش ہو اور پھر بھی نمازی کے آگے سے گزرا ہو۔ لیکن اگر کسی اور طرف سے گزرنے کی گنجائش ہی نہ ہو تو گناہ گار تو نہ ہو گا مگر خلافِ اولیٰ کام مرتکب ضرور ہو گا۔ نماز پڑھنے والے کو بغیر سُترہ رکھے ایسی جگہ نماز پڑھنا جہاں اُس کے سامنے آمدورفت ہوتی ہو منع ہے۔ اگر اُس کے آگے سے کوئی گزر جائے تو اُس پر اس بات کا

گناہ ہوگا کہ اُس نے ایسی جگہ نماز پڑھی جہاں لوگوں کو سامنے سے گزرنا پڑا۔ سُترہ نہ رکھنے کا گناہ نہ ہوگا، کیونکہ سُترہ رکھنا بذاتِ خود امرِ واجب نہیں ہے۔ اگر دونوں میں سے کسی ایک طرف سے کوتاہی ہوئی تو ایک ہی شخص گنہگار ہوگا لیکن اگر نمازی کی وجہ سے رکاوٹ نہ تھی اور جانے والے کو کسی اور جانب سے گزرنے کی گنجائش نہ تھی تو کسی کو گناہ نہ ہوگا۔ اس کے برعکس صورت میں دونوں گنہگار ہوں گے۔

اگر نمازیوں کی صف میں سے کہیں نکلنے کی جگہ نہ ہو تو نمازی کے آگے سے چلا جانا جائز ہے، اسی طرح خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران نمازی کے سامنے سے گزر جانا جائز ہے۔

یہ امر کہ نمازی کے آگے کتنے فاصلے سے گزرنا حرام ہے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بڑی مسجدوں یا میدانوں میں نمازی کے قدم اور سجدہ گاہ کے درمیان سے گزرنا حرام ہے اور چھوٹی مسجد میں نمازی کے پیروں سے چار ہاتھ کے فاصلے تک بیچ سے گزرنا حرام ہے۔

نمازی حالتِ نماز میں اپنے سامنے سے گزرنے والے کو اشارے سے روک سکتا ہے اور اشارہ سر سے ہو یا آنکھ سے یا تسبیح (یعنی سبحان اللہ) کہہ کر۔ عورت دو ایک بار ہاتھ پر ہاتھ مارے۔ یہ اجازت نہیں ہے کہ اشارے کی حد سے تجاوز کرے۔

مکروہاتِ نماز

وہ باتیں جو حالتِ نماز میں ناپسندیدہ ہیں یہ ہیں، ان سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی لیکن کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۔ سَدَلْ (یعنی چادر کا کندھوں پر لٹکا لینا) نماز میں مکروہ ہے، اسی طرح کرتے شیروانی وغیرہ کو آستینوں میں ہاتھ ڈالے بغیر کندھوں پر ڈال لینا یا گلوبند کے دونوں سروں کو لٹکا کر نماز پڑھنا، چادر یا دوپٹہ اس طرح اوڑھنا کہ اُس کا پلّو دوسرے کندھے پر نہ ہو سَدل کی تعریف میں ہے۔ اضطباع بھی حنفی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے (یعنی چادر کو دائیں بازو کے نیچے سے لاکر بائیں بازو پر ڈالنا اور دوسرے بازو کو کھلا رکھنا)

۲۔ اشتمال الصمار (یعنی کپڑے کو لپیٹ کر خود کو ڈھک لینا کہ ہاتھوں کو باہر نکالا نہ جا سکے۔ یا چادر کا درمیانی حصہ دائیں بازو کے نیچے رکھ کر دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر ڈال لینا) نماز میں مکروہ ہے، مرد کو بغیر کسی معذوری کے اپنا منہ چادر وغیرہ میں ڈھک لینا

بھی مکروہ ہے۔

۳۔ حالت نماز میں آگے یا پیچھے سے کپڑے کو اونچا کرنا اور کپڑوں کو مٹی سے بچانے کے لئے سمیٹنا مکروہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

امرت ان اسجد علی سبعة اعظم و ان لا اکف شعرا و لا ثوبا
مجھے حکم ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور یہ کہ بال یا کپڑے کو نہ اٹھاؤں۔

پیشانی کے بالوں کو مٹی سے بچانے کے لئے اٹھانا یا منہ سے مٹی اور گرد کو بار بار پھونکنا مکروہ ہے، اگر سجدے کی جگہ کنکری ہو تو اس کو ہٹانے کے لئے ایک بار ہاتھ چلانے یا منہ سے پھونک دینے میں ہرج نہیں ہے۔

۴۔ اپنے بدن یا کپڑے یا داڑھی سے بے ضرورت کھیلنا اور اسی طرح کی اور باتیں نماز میں مکروہ ہیں۔ پیشانی سے پسینہ یا مٹی کو صاف کرنے کے لئے ہاتھ پھیر لینے میں کوئی ہرج نہیں۔

۵۔ نماز کی حالت میں انگلیاں چٹخانا یا ایک ہاتھ کی انگلی کو دوسرے ہاتھ میں ڈالنا مکروہ ہے۔

۶۔ کمر یا کولھے پر بے ضرورت ہاتھ رکھنا اور رخ موڑنا نماز میں مکروہ ہے۔ آنکھ سے دائیں بائیں دیکھ لینے میں ہرج نہیں ہے، گردن موڑنا روا نہیں۔

۷۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِقعاء (یعنی کولھوں کو زمین پر ٹکانا اور گھٹنوں کو اٹھائے رکھنا) نقر (ٹھونگے مارنے کی طرح سجدے کرنا) اور التفات (اِدھر اُدھر دیکھنے یا منہ موڑنے سے) منع فرمایا ہے۔

۸۔ مکروہات کے منجملہ (افتراشِ ذراع (ہاتھ کو بچھانا) اور آستین کا ہاتھ پر سمیٹنا بھی ہے۔

۹۔ حالت نماز میں اشارہ کرنا، بجز اس صورت کے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو روکنے کے لئے کیا جائے مکروہ ہے۔

۱۰۔ عقص (یعنی سر کے پیچھے بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۱۔ سورۂ فاتحہ یا کسی دوسری سورہ کا رکوع میں پہنچ کر تمام کرنا مکروہ ہے اسی طرح رکوع میں جا کر اللہ اکبر کہنا یا پورے طور پر کھڑا ہو چکنے کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہنا چاہئے۔ یہ دونوں کلمے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے

وقت (درمیانی عرصے کے اندر) ادا ہونا چاہییں۔

۱۲۔ نماز کے دوران آنکھیں بند کر لینا یا آسمان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی چیز سے توجہ ہٹانے کے لئے آنکھیں بند کی جائیں یا آیات سماوی سے عبرت حاصل کرنے کے لئے آنکھ اوپر اُٹھائی جائے تو کراہت نہیں۔

۱۳۔ تنکیس یعنی قرآنی ترتیب جو سورتوں کی ہے اُس کا لحاظ نہ رکھنا بھی مکروہ ہے پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی اُس کے بعد کی سورت دوسری رکعت میں پڑھنا چاہئے' اگر اُس نے پہلے کی سورت دوسری رکعت میں پڑھی تو یہ تنکیس ہے، دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کا پڑھنا یا بار بار کسی رکعت میں سورت کا دُہرانا بھی مکروہ ہے خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔ ایک قول یہ ہے کہ نفلی نماز میں سورت کی تکرار مکروہ نہیں ہے' دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بقدر تین آیت زیادہ طول دینا بھی مکروہ ہے۔

۱۴۔ آتشدان یا تنور جس میں انگارے روشن ہوں اُس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۵۔ کسی جاندار کی تصویر نمازی کے سر کے اوپر یا آگے ہونا مکروہ ہے' چھوٹی تصویر جو سکّوں پر بنی ہو مکروہ نہیں ہے۔

۱۶۔ اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۷۔ گزرگاہ۔ کوڑا پھینکنے کی جگہ، جانور ذبح کرنے کی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۸۔ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے قبر ہو یا ایسے قبرستان میں جہاں نماز پڑھنے کے لئے مخصوص جگہ نہ ہو نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مذکورہ باتوں کے علاوہ بھی مکروہات ہیں مثلاً پیشاب، پاخانہ یا ریاح خارج کرنے کی حاجت ہوتے ہوئے نماز پڑھنا۔ یا کھانا موجود ہو اور کھانے کی خواہش ہوتے ہوئے نماز پڑھنا۔ کسی ایسے شخص کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا جو اُس کی طرف منہ کئے بیٹھا ہو یا منافی نماز کوئی معمولی حرکت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

مسجد میں کیا کیا باتیں مکروہ ہیں؟ مسجد میں بے عذر راستہ بنا لینا یا اُس کے درمیان سے گزرنا۔

۲۔ غیر معتکف کو مسجد کے اندر سونا اور مسجد میں کھانا۔ مسافر کے لئے کراہت نہیں ہے۔
۳۔ بلند آواز سے بات کرنا اور اونچی آواز سے ذکر کرنا جس سے دوسرے نمازیوں کو پریشانی ہو۔
۴۔ خرید و فروخت کا سودا طے کرنا مکروہ ہے۔ ہبہ کرنا مکروہ نہیں اور عقد نکاح کرنا مستحب ہے۔
۵۔ نجس یا نجاست آلود چیز کا مسجد میں داخل کرنا۔ جوتے اگر اس سے نجاست جھڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو اندر لائے جا سکتے ہیں۔
۶۔ بچوں اور فاتر العقل شخص کو مسجد میں داخل کرنا اگر یہ گمان غالب ہو کہ وہ مسجد کو نجس کر دیں گے۔
۷۔ تھوک، رینٹ اور بلغم سے مسجد کی دیوار، فرش یا چٹائی کو آلودہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔
۸۔ مسجد میں گم شدہ چیز کے متعلق پوچھ گچھ کرنا قطعاً مکروہ ہے۔
۹۔ اشعار پڑھنا جن میں قامت و رخسار اور زلف و کمر کا ذکر ہو یا کسی کی مذمت ہو یا اور کوئی بیہودگی ہو مکروہ ہے۔
۱۰۔ مسجد میں نہ سوال کرنا جائز ہے نہ سائل کو خیرات دینا روا ہے۔ صرف صدقہ عطا کرنا جائز ہے۔

مسجد کے اوپر کی عمارت مسجد میں داخل نہیں ہے لیکن مسجد کے صحن کا فرش مسجد میں داخل ہے، لہٰذا جو امور مسجد کے اندرونی حصے میں مکروہ یا حرام ہیں وہ فرش مسجد میں بھی مکروہ اور حرام ہیں۔ مسجد میں علوم کی تعلیم، درسِ قرآن، وعظ و نصیحت نیز شرعی احکام جاری کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

مسجد کی دیواروں پر کسی قسم کی تحریر ہونا مکروہ ہے۔ امام مالکؒ قبلے کے رخ تحریر ہونے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اوقات نماز کے علاوہ مسجد کو مقفل کر دینا مباح ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسجد کو اسی حالت میں بند رکھنا مباح ہے اگر سامان چلے جانے کا اندیشہ ہو ورنہ مکروہ ہے۔

ایک جگہ کی مسجد کو دوسری جگہ کی مسجد سے بذات خود افضلیت نہیں ہے، تاہم معنوی خوبی کے باعث سب سے افضل مکہ مکرمہ کی مسجد حرام پھر مدینہ منورہ کی مسجد نبوی پھر بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ پھر مسجد قبا ہے۔ ان کے علاوہ ہر مقام پر سب سے قدیم مسجد کو

پھر سب سے بڑی مسجد کو پھر اُس مسجد کو جو نمازی سے قریب تر ہو فضیلت ہے، جس مسجد میں دینی تعلیم دینے کا انتظام ہو وہ اُس مسجد سے افضل ہے جس میں یہ انتظام نہ ہو۔ محلہ کی مسجد کا وہاں رہنے والوں پر حق ہوتا ہے کہ اُسے آباد رکھیں اور بارونق بنائیں۔

مُبطلاتِ صلوٰۃ

وہ باتیں جو نماز کو فاسد کر دیتی ہیں اور دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوتا ہے یہ ہیں:

۱۔ نماز میں قصداً یا نادانستہ بات کر لینا۔ (۲) سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا (۳) چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا یا الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۴) بُری خبر سُن کر انا للہ پڑھنا۔ (۵) خوشی کی یا تعجب کی بات پر الحمد للہ یا سبحان اللہ کہنا (۶) کسی غیر شخص کی دُعا پر آمین کہنا۔ (۷) درد، تکلیف یا رنج کی وجہ سے آہیں بھرنا اُف یا ہائے کہنا (۸) بے سبب کھانسنا جس سے حرف کی آواز پیدا ہو (۹) قصداً یا بھول کر کوئی شے کھا پی لینا (۱۰) نماز سے باہر قرآن پڑھنے والے کو غلطی بتانا یا لقمہ دینا (۱۱) عمل کثیر (یعنی ایسا کام جس میں حرکت زیادہ کرنا پڑے) کرنا، سینے کو قبلہ کی طرف سے موڑ لینا (۱۳) چوتھائی ستر کا اتنی دیر کے لئے کُھل جانا کہ ایک سجدہ کیا جا سکتا ہو (۱۴) آواز کے ساتھ ہنس پڑنا (۱۵) قرآن پڑھنے میں ایسی غلطی کرنا جس سے معنی بدل جائیں (۱۶) امام سے پہلے رکوع کر کے یا سجدہ کر کے اُٹھ جانا (۱۷) حالت نماز میں حَدَث واقع ہونا، تیمم والے کو پانی مل جانا، زخم بھر کر پٹی اُتر جانا، مسح کرنے والے کے پیر سے موزہ اُتر جانا، بے ہوشی کا طاری ہونا، دیوانگی کا دورہ پڑنا، ان سب باتوں سے نماز جاتی رہے گی۔ (۱۸) عورت کا مرد سے مل کر کھڑا ہو جانا اگر اتنی دیر ہو جتنی دیر میں ایک سجدہ کیا جاتا ہے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

تشریح: حنفی فقہاء کے نزدیک اگر عورت مُشتہاۃ (یعنی مرد کے لئے جاذب توجہ) ہو اور مرد کے برابر یا آگے کھڑی ہو جائے تو اُس کی نماز باطل ہو جائے گی، برابر ہونے سے مطلب یہ ہے کہ پنڈلیاں یا ٹخنے برابر میں ہوں اور دونوں ایک ہی امام کے مقتدی ہوں، درمیان میں ایک ہاتھ سے کم فاصلہ ہو جگہ اونچی نیچی نہ ہو، لہذا اگر وہ مرد کی پنڈلی اور ٹخنے سے پیچھے ہے اور کسی اور امام کے پیچھے پڑھ رہی ہے اور فاصلہ ایک ہاتھ یا زیادہ ہے اور عورت مرد سے اونچی جگہ پر ہے تو اُس کی نماز باطل نہیں ہو گی، اسی طرح اگر برابر میں ہوتے

ہوئے ایک سجدہ یا ایک رکوع کے بقدر عرصہ نہ لگا ہو تو بھی نماز نہیں خراب ہوگی۔

اگر نماز میں کھنکارنا یا گلا صاف کرنا آواز ٹھیک کرنے کیلئے ہو تاکہ قرأت صحیح کر سکے یا امام کو لقمہ دے سکے تو ایسا کرنے سے نماز میں خرابی نہیں آئے گی۔

نماز میں اگر اللہ کے خوف سے روئے یا کسی مرض کی تکلیف سے کراہٹ کی آواز نکل جائے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔

اگر نماز میں تیمم، موزوں کا مسح، زخم کی پٹی کا مسح ٹوٹ جائے یعنی پانی میسر آجائے یا موزہ پیر سے اُتر جائے یا زخم بھر جانے کے بعد پٹی گر جائے تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن اگر قعدۂ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد ایسا ہوا تو نماز ہو جائے گی۔ یہی حکم آواز سے ہنسی کے بارے میں بھی ہے۔

نماز ختم ہونے سے پہلے قصداً سلام پھیر دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اگر سہواً یہ سمجھ کر کہ نماز پوری ہو گئی سلام پھیر دیا تو نماز باطل نہیں ہوگی جب تک عمل کثیر نہ کیا ہو اور نہ بولا ہو۔

وہ امور جن کے سبب نماز توڑ دینا چاہیئے

نماز پڑھتے وقت کوئی موذی جانور مثلاً سانپ یا بچھو سامنے آجائے یا بھِڑ کپڑے میں گھس جائے تو نماز توڑ کر انھیں مار دینا چاہیئے۔ بلّی مرغی کو پکڑ لے یا گھی یا دودھ میں منھ ڈالنے کا اندیشہ ہو تو نماز توڑ کر ان چیزوں کو محفوظ کر دینا چاہیئے، اسی طرح کتا، بندر اگر نماز پڑھنے میں گھس آئے اور کسی چیز کو نقصان پہنچ جانے کا خوف ہو تو نماز توڑی جا سکتی ہے۔ مسجد میں سامان یا جوتا وغیرہ ایسی جگہ چھوڑا جہاں سے وہ چوری کیا جا سکتا ہو یا گھر میں کوئی قیمتی چیز ایسی جگہ رکھ دی جہاں وہ محفوظ نہیں ہے تو نماز پڑھنے میں اُن کا خیال آتے ہی نماز توڑ کر اُنھیں صحیح جگہ رکھنے کے بعد اطمینان سے نماز پڑھنا چاہیئے۔ ریل یا بس وغیرہ سے سفر کرنے میں اگر کسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور سواری چھوٹنے لگے تو نماز توڑ دینا چاہیئے۔ حالت نماز میں پیشاب یا خانے کی ضرورت پڑ جائے اور بغیر فراغت کئے چارہ نہ ہو تو نماز کو توڑ دینا چاہیئے۔ کسی کو ہلاکت یا تباہی سے بچانے کے لئے نماز توڑ دینا فرض ہے مثلاً: کوئی ڈوب رہا ہو، کپڑوں میں آگ لگ گئی ہو، کسی اندھے کے راستے میں کنواں یا گڑھا ہو، ریل یا بس آرہی ہو اور وہ اُس کی زد میں ہو، کوئی شخص مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ ایسی حالتوں میں اگر نیت

نہیں توڑے گا تو گناہگار ہوگا۔ کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اُس کے ماں، باپ یا دادا، دادی اور نانا، نانی میں سے کوئی بھی ضرورت سے بلائے اور کوئی دوسرا موجود نہ ہو، تو نماز توڑ کر جانا چاہیئے۔

اذان کا بیان

اذان کی تعریف

اذان کے معنی اطلاع دینے کے ہیں" اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" (اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف آگاہی دی جاتی ہے)" اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ" (حج کے متعلق سب لوگوں میں اعلان کر دو) اذان اصطلاح میں نماز کا وقت آجانے کی اطلاع دینا ہے (جس کے لئے خاص الفاظ ہیں)

اذان کا حکم اور اس کی مشروعیت

اذان نماز کی سنتوں میں سے ایسی سنت ہے جو نماز سے خارج ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (جمعہ، آیت-۹)

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے (اذان دی جائے) تو اللہ کی عبادت کے لئے چل پڑو)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اذا حضرت الصلوۃ فلیوذن لکم احدکم۔ — جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی شخص اطلاع کے لئے اذان دے۔

اذان ہجرت کے پہلے ہی سال مشروع ہوئی جس کی تفصیل حدیث کی کتابوں ابو داؤد، ابن ماجہ اور ترمذی میں ہے۔ مردوں کے لئے ہر فرض نماز کے لئے اذان کہنا سنّت مؤکدہ ہے، کوئی ایک شخص اذان کہہ لے تو سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے لہٰذا محلہ کے لوگوں کے لئے یا جماعت کے لئے اذان سنّت مؤکدہ کفایہ ہے، سفر میں بھی حضر میں بھی خواہ ادا ہو یا قضا۔ شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کو اذان دینا، اس لئے ضروری نہیں ہے کہ محلّہ کی اذان کافی ہے۔ وتر جو گرچہ واجب ہے اس کے لئے بھی اذان مسنون نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے عشا کی اذان کو کافی سمجھا گیا ہے۔

جنازہ، عیدین، سورج گرہن، استسقاء اور تراویح کے لئے اور سنتوں کی نماز کے لئے اذان دینا مسنون نہیں ہے۔

اذان دینے کا طریقہ اور اُس کے الفاظ مسنون طریقہ کسی اونچی جگہ کھڑا ہونا دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں میں ڈال کر بلند آواز سے یہ الفاظ کہنا ہے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ چار بار اَشْھَدُ ان لا الٰہ الا اللہ دو بار اشھد ان محمداً رَّسول اللہ دو بار حَیَّ علی الصلوٰۃ دو بار حَیَّ علی الفلاح دو بار، پھر اللہ اکبر دو بار لا اِلٰہ الا اللہ ایک بار۔

فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد "الصلوٰۃ خیرٌ من النوم" دو بار کہنا سنّت ہے اذان کے بعد مؤذن کو اور ہر اذان سننے والے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا اور پھر یہ دُعا پڑھنا چاہیئے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

مؤذن کی اذان کا جواب دینا اذان سننے والوں کو مؤذن کے الفاظ کے جواب میں وہی الفاظ دُہرانا مستحب ہے لیکن جب مؤذن حیَّ علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے تو سننے والوں کو جواب میں یہی الفاظ نہیں بلکہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیئے اور فجر کی نماز میں جب مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو سننے والوں کو جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہنا چاہیئے۔ سننے والا اگر نماز میں۔ پیشاب یا پاخانے سے فراغت کر رہا ہو، بیوی سے مقاربت میں مصروف ہو۔ خطبہ جمعہ میں مشغول ہو۔ کھانا کھا رہا ہو، قرآن کی تلاوت کر رہا ہو، علمِ دین پڑھ رہا ہو تو اُس کو اذان کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔

اذان کی شرائط اذان درست ہونے کے لئے یہ باتیں ضروری ہیں:

(۱) اذان کی نیت سے الفاظ اذان ادا کرنا۔

(۲) الفاظ اذان یکے بعد دیگرے اس طرح ادا کرنا کہ بیچ میں لمبا وقفہ نہ ہو اور نہ گفتگو کی جائے۔
(۳) اذان عربی الفاظ میں ہو اس کا ترجمہ دوسری زبان میں نہ ہو۔
(۴) نماز کا وقت آجانے پر ہی اذان دی جائے۔
(۵) الفاظ کی ترتیب آگے پیچھے نہ کی جائے۔

اذان دینے والے کی شرائط

(۱) اذان دینے والا مسلمان ہونا چاہیئے۔ (۲) صحیح العقل ہونا چاہیئے، دیوانگی یا نشے یا بے ہوشی کی حالت میں اذان دینا صحیح نہیں۔ (۳) مرد ہونا چاہیئے۔ عورت اور مخنث کی اذان درست نہیں (۴) وہ نابالغ لڑکا جس میں تمیز کا مادہ ہو خود یا کسی بالغ مؤذن کے اِذن سے اُس کے بجائے اذان دے سکتا ہے۔

اذان کی سنتیں اور مستحبات

اذان دیتے وقت باوضو ہونا۔ آواز بلند اور دل پسند ہونا، اونچی جگہ کھڑے ہو کر اذان دینا بیٹھ کر نہیں۔ قبلہ رخ رہنا۔ حی علی الصلوۃ کہتے وقت دائیں طرف اور حی علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف چہرے اور گردن کو اس طرح موڑنا کہ سینہ اور قدم نہ مڑے۔ تکبیر کے وقت ہر دو تکبیر کے بعد ٹھہرنا اور باقی ہر جملے پر توقف کرنا مستحب ہے، اِس کو ترسُّل کہتے ہیں۔

اذان میں کیا باتیں منع یا مکروہ ہیں

حالت جنابت میں اذان دینا منع ہے۔ عورتوں کا اذان دینا بھی منع ہے۔ حدث اصغر کی حالت میں اذان دینا۔ فاسق (بدکار) کا اذان دینا۔ حالت اذان میں قبلہ کی طرف سے منہ ہٹانا (حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت کے علاوہ اذان کے دوران کوئی اور بات کہنا۔ بلا عذر بیٹھ کر اذان دینا۔ غیر مسافر کا سواری پر اذان دینا۔ اذان میں راگ اور لے پیدا کرنا (یعنی زیر و بم کے ساتھ آوازِ کو اونچا نیچا کرنا) مکروہ ہے (وقت سے پہلے مثلاً طلوع صبح صادق سے پہلے فجر کی۔ سورج ڈھلنے سے پہلے ظہر کی اور غروب آفتاب سے پہلے مغرب کی اذان دینا بھی مکروہ ہے جمعہ کی پہلی اذان کے بعد کوئی دنیاوی کام کرنا بھی مکروہ ہے۔

اقامت کی تعریف نماز کے لئے کھڑے ہوجانے کی اطلاع دینے کا نام "اقامت" ہے۔ اس کے الفاظ اذان کے الفاظ کی طرح ہیں حی علی الفلاح کے بعد الفاظ "قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ" دوبار مزید کہے جاتے ہیں۔ دونوں کانوں میں انگشت شہادت ڈالنے اور حیَّ علیٰ الفَلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ کرنے کی قید نہیں ہے۔ حنفی مسلک یہی ہے۔ باقی ائمہ کے مسالک میں تجبیریں دو دو بار اور باقی الفاظ ایک ایک بار اور "قد قامت الصلوٰۃ" دوبار کہنے سے اقامت کی سنت ادا ہوجاتی ہے۔

اقامت کی شرطیں اقامت کے شرائط وہی ہیں جو اذان کے ہیں۔ اقامت نماز سے متصل ہوتی ہے لہذا اقامت کے بعد کوئی اور کام کرنے لگنا صحیح نہیں۔ لیکن اگر اقامت کہہ چکنے کے بعد امام نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو اقامت کو دُہرایا نہ جائے۔ اقامت سُن کر مقتدی کو کب کھڑا ہونا چاہیئے اس کا کوئی تعین نہیں ہے۔

اقامت کی سنتیں اور مستحبات جو باتیں اذان میں بیان کی جاچکی ہیں اُن میں سے اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر اذان سنت ہے، اقامت نہیں ہے۔ الفاظ اذان کا ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا سنت ہے، اقامت میں جلدی جلدی ادا کرنا سنت ہے، چہرے اور گردن کا حی الفاظ پر اذان میں موڑنا سنت ہے اقامت میں نہیں ہے۔ اقامت کہنے والا جب حی علی الصلوٰۃ کہے مقتدی کو کھڑا ہوجانا چاہیئے۔ حنفی علمار کا مسلک یہی ہے۔

اذان اور اقامت کے درمیان وقفہ افضل وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اذان دینے کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا کہ لوگ وضو کرکے دو رکعت پڑھ لیں مستحسن ہے لیکن مغرب کی نماز میں اذان و اقامت کا درمیانی وقفہ مختصر ہونا چاہیئے بس اتنا کہ اس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں۔

اذان کی اُجرت اگر کوئی متطوع (بغرض ثواب اذان دینے والا) نہ موجود ہو تو بیت المال یا وقف مال سے اُجرت مقرر کی جاسکتی ہے، یہی حکم اقامت کہنے والے اور امامت کرنے والے کے لئے بھی ہے۔

نماز کے علاوہ اذان دینا بچے کی پیدائش پر اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے الفاظ کہنا مستحب ہے۔ اسی طرح آگ لگ جانے۔ جنگ چھڑ جانے۔ مسافر کے بچھڑ جانے پر اور کسی غم زدہ یا مرگی کے دورے میں مبتلا شخص کے کان میں اذان دینا مستحب ہے۔

اذان کے بعد درود بھیجنے کا حکم اذان دینے کے بعد مؤذن کو اور اذان سننے والوں کو درود پڑھنے اور پھر دُعا پڑھنے کا ذکر کیا جا چکا ہے اور الفاظ اذان کے جواب میں جو الفاظ سننے والوں کو کہنا مسنون ہیں انھیں بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ" (جب مؤذن کو سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو) حدیث میں آہستہ آواز یا بلند آواز سے درود بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اگر مؤذن اونچی آواز سے پڑھے تو اس لئے مستحسن ہے کہ دوسروں کو یاد آجائے گا۔

نماز تطوع (حصولِ ثواب) وہ نمازیں جو فرض نمازوں کے ساتھ یا بعد میں پڑھی جاتی ہیں دو قسم کی ہیں:۔

راتبہ (مقررہ) اور غیر راتبہ۔

راتبہ رکعتیں دن اور رات میں دس ہیں۔ نماز ظہر میں دو رکعتیں فرض کے پہلے اور دو رکعتیں فرض کے بعد۔ مغرب میں فرض کے بعد دو رکعتیں۔ عشا میں فرض کے بعد دو رکعتیں اور نماز فجر میں فرض سے پہلے دو رکعتیں۔ یہ تفصیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے۔ اُنھوں نے فرمایا:

حفظتُ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر رکعات	میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر دس رکعتیں یاد رکھی ہیں۔

اور ان کی تفصیل (مذکورہ بالا) بیان کی۔

یہ نمازیں سنت موکدہ ہیں۔ اگر یہ رہ جائیں تو ان کی قضا کی جائے لیکن اگر یہ نمازیں فرض نمازوں کے ساتھ چھوٹ جائیں اور ان چھوٹی ہوئی نمازوں کی تعداد زیادہ ہو تو انھیں بطور قضا پڑھنا لازم نہیں ہے، فجر کی سنت اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس کی قضا پڑھنا چاہیئے اور قضا پڑھنے

کا وقت زوال آفتاب سے پہلے ہے اس کے بعد ان کی قضا جائز نہیں۔ فجر کی جماعت شروع ہو گئی ہو تو اگر جماعت میں شامل ہو جانے کی توقع ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو۔ اگر جماعت ملنے کی اُمید نہ ہو تو اُسے ترک کر دینا چاہیئے۔ اس کے بعد ان سنتوں کی قضا نہیں ہے (ان سنتوں کی قضا فرض کے ساتھ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا) یہ حنفی مسلک ہے جو فجر کے فرض پڑھ لینے کے بعد سنتیں پڑھنا مکروہ قرار دیتے ہیں لیکن شافعی مسلک میں مکروہ نہیں ہیں، اگر فرض کے بعد بھی پڑھی جائیں۔

نماز پڑھنے کی مکمل صورت نماز شروع کرتے وقت دل کو دنیا کے کاموں اور خیالات سے فارغ کر کے اللہ کے سامنے حاضر کر لینا چاہیئے اور یکسو ہو کر کہنا چاہیئے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

میں نے اپنا منہ پوری توجہ کے ساتھ اُس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

پھر سیدھے کھڑے ہو کر یہ نیت کرنا چاہیئے کہ کون سی نماز اور کتنی رکعت پڑھنے جا رہا ہے اور اس کا رُخ کعبے کی طرف ہے (کعبے کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور یکسوئی پیدا کرنے میں معاون ہوگا) دل سے نیت کرنا ضروری ہے زبان سے بھی کہہ لے تو بہتر ہے جیسے:

نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ رَکْعَتَیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ فَرْضًا لِلّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّهًا اِلٰی جِهَةِ الْکَعْبَةِ الشَّرِیْفَةِ۔

(میں دو رکعت نماز فجر پڑھنے کی نیت کرتا ہوں جو اللہ کے واسطے مجھ پر فرض ہے اور میں کعبہ شریف کی طرف اپنا رخ کئے ہوئے ہوں)

کھڑے ہونے میں نہ تو گردن جھکی ہوئی ہو اور نہ تنی ہوئی ہو، دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ کم سے کم چار انگل یا اس سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ نگاہ سجدے کی جگہ پر رہنا چاہیئے، پھر دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھاتے ہوئے تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہے۔ ہتھیلیاں قبلہ رُخ رہیں، تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ ناف سے اوپر اس طرح باندھے جائیں کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر

داہنے ہاتھ کی ہتھیلی رہے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹے پر گرفت ہو۔ ہاتھ باندھنے کے فوراً بعد اللہ کی تسبیح اس طرح کہی جائے۔ "سُبۡحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمۡدِكَ وَتَبَارَكَ اسۡمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيۡرُكَ" (اے اللہ تو ہر نقص سے پاک اور ہر تعریف کا مستحق ہے تیرا نام برکت والا ہے تیری بزرگی سب سے برتر ہے اور تیرے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے) اس کے بعد تعوذ (یعنی اعوذ باللہ) اور تسمیہ (یعنی بسم اللہ) کہہ کر سورۂ فاتحہ پڑھے اور ختم کرنے پر آہستہ سے آمین کہے، پھر قرآن کی کوئی سورۃ یا تین آیتیں کم از کم تلاوت کرے، اس کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے اور ٹھہر ٹھہر کر تین بار "سبحان ربی العظیم" پڑھے۔ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کی کھلی انگلیوں سے اپنے گھٹنے پکڑلے، دونوں بازوؤں کو پہلو سے ملائے رکھے، سر کو زیادہ نہ جھکائے، نہ پیٹھ کو زیادہ اونچا رکھے بلکہ سر سے کولہوں تک سطح برابر رہے تسبیح کم سے کم تین بار ورنہ پانچ یا سات بار بھی پڑھی جاسکتی ہے، ہے، رکوع سے اُٹھتے ہوئے "سمع اللہ لمن حمدہٗ" کہتا ہوا کھڑا ہو جائے۔ اور کھڑے ہو کر تحمید (یعنی رَبَّنَا لَكَ الۡحَمۡدُ) کہے، دونوں فقروں کا ترجمہ یہ ہے (خدا نے اس کو سنا جس نے اس کی حمد کی) (اے پروردگار تیرے ہی لئے ساری تعریف ہے) امام کو دونوں فقرے کہنا چاہئیں پہلا بلند آواز سے اور دوسرا آہستہ سے اور مقتدی کو صرف دوسرا فقرہ آہستہ سے کہنا چاہیئے۔ سجدے میں اس طرح جانا چاہیئے کہ پہلے گھٹنے فرش پر ٹیکیں، پھر دونوں ہاتھ کے بیچ کانوں کے برابر رکھ کر پیشانی فرش پر ٹیکی جائے اس طرح کہ ناک بھی زمین کو چھوتی رہے۔ ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی اور پیروں کی انگلیوں کو قبلے کی طرف رہنا چاہیئے، زمین سے اُٹھی ہوئی نہ ہوں، کلائی اور کہنی فرش سے اٹھی ہوئی اور پیٹ اور رانوں سے الگ رہنا چاہیئے، سجدے میں سر رکھ کر تین بار "سُبحان ربی الاعلیٰ" (میرا بلند تر پروردگار ہر کمی اور نقص سے پاک ہے) پڑھے۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کے سر اُٹھائے، پھر اچھی طرح بیٹھ جانے کے بعد دوسرا سجدہ کرے، بیٹھنے کا وقفہ اتنا ہو جس میں یہ دُعا پڑھی جاسکے۔ "اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَارۡحَمۡنِیۡ وَعَافِنِیۡ وَاھۡدِنِیۡ وَارۡزُقۡنِیۡ وَاجۡبُرۡنِیۡ وَارۡفَعۡنِیۡ" (اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم کر، میرا قصور معاف کر، مجھے سیدھی راہ پر چلا، مجھے حلال رزق دے، میری شکستہ حالی دور کر اور مجھے اونچا اٹھا)

دونوں سجدے کرنے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے۔ یعنی پہلے پیشانی فرش سے اُٹھے، پھر دونوں ہاتھ اُٹھ کر ران پر آئیں، پھر گھٹنے زمین سے اُٹھیں، دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھے، صرف تسبیح و تعوذ کو نہ دُہرائے کیونکہ وہ پہلی رکعت ہی میں ضروری ہے — پھر حسب سابق تکبیرات کے ساتھ رکوع، قومہ، سجدۂ اولیٰ، جلسہ اور سجدۂ ثانیہ کرنے کے بعد اس طرح بیٹھے کہ داہنا پیر انگلیوں پر کھڑا رہے، انگلیاں قبلہ رُخ ہوں اور بایاں پیر موڑ کر اس پر بیٹھ جاوے، دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ کر تشہد پڑھے، اس بیٹھنے کو قعدہ کہتے ہیں۔ تشہد کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ	دل و جان سے اور جسم و مال سے کی جانے والی
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ	بندگیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبیؐ آپ
رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ، اَلسَّلَامُ	پر سلام ہو، اللہ کی رحمت ہو اور اُس کی برکتیں
عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ	ہوں۔ ہم پر اور خدا کے تمام نیک بندوں پر
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ	سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔	خدا نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اُس
	کے بندے اور رسول ہیں۔

تشہد پڑھتے ہوئے جب لفظ اَشْھَدُ پر پہنچے تو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی اُنگلی کو ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو لفظ لَآ اِلٰہَ کہتے وقت اُٹھائے اور الّا اللہ کہتے وقت گرا دے پھر ہاتھ کو اسی طرح رہنے دے جب تک بیٹھے۔ اگر چار رکعت والی نماز کی نیت کی تھی تو یہ قعدۂ اولیٰ کہلائے گا اور تشہد پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہونے کے بعد تیسری رکعت اسی طرح پڑھے جس طرح دوسری پڑھی تھی، سنت اور نفل نمازوں میں تیسری اور چوتھی رکعتیں اسی طرح پڑھی جاتی ہیں جس طرح دوسری رکعت لیکن فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع کرے۔ دو رکعت والی نماز ہو تو پہلے ہی قعدے میں اور چار رکعت والی ہو تو قعدۂ ثانیہ میں تشہد پڑھنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے سب درودوں میں سے یہ درود پڑھنا خود آنحضرتؐ نے تلقین فرمایا ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(بخاری)

اے اللہ حضرت محمدؐ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی آل پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو ہی لائق تعریف اور حقیقی بڑائی والا ہے۔ اے اللہ حضرت محمدؐ اور آپ کی آل کو برکت عطا فرما جیسی تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل کو برکت عطا فرمائی بیشک تو ہی لائق تعریف اور بڑائی والا ہے۔

درود کے بعد یہ دُعا پڑھے جو رسول اللہؐ نے تعلیم فرمائی تھی۔ دوسری دُعائیں بھی آپؐ پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

(مسلم، ترمذی)

اے اللہ مجھ سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور تیرے علاوہ کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا بس تو مجھے اپنی خاص خطاپوشی کی صفت سے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور بیشک تو ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

دُعا پڑھنے کے بعد دائیں طرف مُنہ پھیر کے السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے پھر بائیں طرف منہ کر کے یہی کہے (کہ تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) سلام بھیجتے وقت تمام مسلمانوں کی نیت کرے اور فرشتوں کی جو دائیں بائیں ہر وقت موجود ہیں۔

نماز ختم ہونے کے بعد اذکار ہر فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد خاص وظائف پڑھنے کا ذکر آیا ہے، ان کے منجملہ تینتیس بار سُبْحَانَ اللّٰہِ تینتیس بار الحمدللہ تینتیس بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ پڑھنا ہے، وظائف کے الفاظ

کا ترجمہ یہ ہے:

پاک ہے اللہ ہر نقص یا کوتاہی سے (۳۳ بار) ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے (۳۳ بار) اللہ سب سے بڑا ہے یا ساری بڑائی اسی پر ختم ہے (۳۳ بار) ذات واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اُس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے وہی تعریف اور شکر کا مستحق ہے اور ہر چیز اُس کے قبضۂ قدرت میں ہے (ایک بار) اس کے بعد کہے:۔

اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

" اے اللہ تو جو کچھ عطا کرنا چاہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز سے تو روک دینا چاہے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور کوشش کرنے والے کی کوئی کوشش تیرے سامنے بے سود ہے۔

یہ اذکار فرض پڑھ چکنے کے بعد ہی شروع کر دینا چاہئے یا سنّت ونوافل کے بعد۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرض کے بعد اور سنتوں سے پہلے پڑھنے کے قائل ہیں لیکن امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک فرض اور سنّت کے درمیان اتنی دیر سے زیادہ توقف کرنا مکروہ ہے جتنی دیر میں یہ کہا جا سکے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

(اے اللہ تیری ذات سلامتی کا سرچشمہ ہے تیری ہی طرف سے ہر ایک کو سلامتی ملتی ہے اور اے بڑائی والے اور احسان کرنے والے تیری ذات ہی بابرکت ہے۔

مستحب یہ ہے کہ سنتیں پڑھنے کے بعد تین بار استغفار کرے، آیۃ الکرسی اور معوذتین بار پڑھے پھر تسبیح وتحمید وتکبیر وتہلیل (جس کا بیان کیا جا چکا) کہے۔ آنحضرت اپنی دعا میں فرماتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ (اے اللہ میں ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جس میں خشوع نہ ہو۔)

صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت)

یہ نماز تین اماموں کے نزدیک سنّت اور امام مالکؒ کے نزدیک مستحب تاکیدی ہے، اس کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے سے زوال سے پہلے تک ہے اور افضل یہ ہے کہ ایک چوتھائی دن گزرنے پر پڑھنا شروع کرے۔ اس نماز کی کم سے کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سولہ رکعتیں تک پڑھی جا سکتی ہیں۔ دو دو یا چار چار ایک تسلیمہ

سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو پڑھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض اور نفل نمازوں کا ذکر حدیث میں آیا ہے مثلاً:

(۱) **نماز اشراق** جو سورج نکلنے کے کچھ دیر بعد دو رکعت نفل پڑھنے کو کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔

(۲) **صلوٰۃ التسبیح** جو تسبیحات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے یعنی سبحان اللہ والحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کو ہر رکعت میں اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ سے پہلے پندرہ بار اور سورۂ فاتحہ اور دوسری سورۃ اس کے ساتھ پڑھنے کے بعد دس بار پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد دس بار پھر قومہ میں دس بار پھر سجدے میں سُبحان ربی الاعلیٰ کے بعد دس بار پھر سجدے سے سَر اُٹھانے کے بعد دس بار پھر دوسرے سجدے میں دس بار۔ چار رکعتیں اسی طرح پڑھی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم حضرت عباسؓ کو دی تھی، اس لئے سنّت ہے۔

نماز تحیۃ المسجد کوئی نمازی مسجد میں داخل ہو تو سنّت یہ ہے کہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کی نیت سے پڑھے، حنفی علماء اس کی دو یا چار رکعتیں کہتے ہیں اور چار رکعتیں دو سے افضل تسلیم کرتے ہیں۔ شرائط اس نماز کے لئے یہ ہیں کہ مسجد میں داخل ہونا ممنوعہ اوقات میں نہ ہو مثلاً سورج نکلنے کے وقت یا نماز عصر کے بعد۔ حالت حدث میں نہ ہو۔ ایسے وقت میں داخل نہ ہوا ہو جب جماعت کے لئے اقامت کہی جا رہی ہو یا خطیب جمعہ کے خطبے کے لئے کھڑا ہوا ہو۔

نماز تحیۃ الوضو اور سفر سے واپسی یا سفر کو روانگی کے وقت نماز پڑھنا حدث اصغر سے پاک ہونے کے بعد دو رکعتوں کا پڑھنا مستحب ہے، سفر پر جاتے وقت اور سفر سے واپسی پر بھی دو رکعتوں کا پڑھنا مستحب ہے آنحضرتؐ علیہ وسلم نے فرمایا "ماخلف احد کم عند اھلہ افضل من رکعتین یرکعھا عندھم حین یرید سفراً" (طبرانی) (یعنی جب کوئی شخص سفر کا قصد کرے تو سب سے بہتر خیر جو وہ اپنے کنبے میں چھوڑ سکتا ہے وہ رکوع والی دو رکعتیں ہیں جو جانے سے پہلے پڑھی جائیں)

امام مسلم نے کعب بن مالکؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن کو

دوپہر کے وقت سفر سے واپس آیا کرتے تھے اور پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر بیٹھتے تھے۔

نمازِ تہجد رات میں عشا کے بعد سے صبحِ صادق تک جو نفل نمازیں ادا کی جائیں وہ تہجد کی نماز کہی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دو تین گھنٹے سو کر پھر اُٹھا کرتے اور تہجد کی نماز پڑھتے۔ طبرانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے،

لابد من الصلوٰۃ بلیل ولو حلب شاۃ (رات کی نماز ضروری ہے خواہ اتنی ہی دیر ہو جس میں بکری دوہی جاسکے) رات کی نفل نماز دن کی نفل نمازوں سے افضل ہے۔ امام مسلم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: افضل الصلوٰۃ بعد الفریضۃ صلوٰۃ اللیل (فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل رات کی نماز ہے۔ اس نماز کی رکعتیں متعین نہیں ہیں۔ چار، چھ، آٹھ جو بھی ہوسکیں پڑھنا چاہیئے، یہ نماز خدا سے تعلق جوڑنے، یکسوئی اور طمانیت قلب پیدا کرنے، نفس کی اصلاح اور مصائب پر صبر کرنے کی طاقت عطا کرنے میں معاون ہوتی ہے، سورۂ مزمل میں ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا (بیشک رات کے اُٹھنے میں نفس کی پامالی اور دل و زبان کا میل بہت خوب ہوتا ہے اور بات (دعا) خوب درست ادا ہوتی ہے)

نمازِ استخارہ استخارے کے لئے دو رکعتیں پڑھ کر دُعا کرنا حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے ثابت ہے جس کو امام مسلم کے علاوہ تمام محدثین نے روایت کیا ہے وہ روایت ترجمے کے ساتھ درج ذیل ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُعَلِّمُنَا الاستخارۃ فی الامورِ کُلِّهَا کَمَا یُعَلِّمُنَا السورۃ من القرآن یقول اذا ھَمَّ اَحَدُکُمْ بالامرِ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں استخارے کا طریقہ اس طرح سکھایا جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے، آپؐ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے پھر

مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ۔ یہ دعا پڑھے۔

استخارے کی دُعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ (يا۔ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ) فَاقْدُرْهُ لِیْ وَيَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِيْهِ وَ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ (يا۔ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ) فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ	اے اللہ میں تیرے علم سے خیر کا طالب ہوں اور تیری قدرت سے طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوالی ہوں بیشک تجھے سب قدرت ہے اور مجھے کچھ قدرت نہیں، تجھے سب علم ہے اور مجھے کچھ بھی علم نہیں، تو ہی غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے، اے اللہ اگر یہ کام میرے دین میری زندگی میرے انجام کے لئے (یا جلد یا بدیر میرے حق میں) بھلا ہے تو مجھے اُسے کرنے کی طاقت دے میرے لئے اُس کو آسان کر دے پھر اُس سے مجھے برکت عطا کر اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین میری زندگی اور میرے انجام کے لئے (یا جلد یا بدیر میرے حق میں) بُرا ہے تو اس سے مجھے باز رکھ اور ایسا عمل کرنے کی توفیق دے جو میرے لئے اچھا ہو اور پھر تو بھی اس سے راضی ہو۔

آپؐ نے فرمایا کہ "یہ کام" کہتے وقت کام کا نام لینا چاہیئے۔

نمازِ حاجت اور اس کی دُعا

اگر کسی کی کوئی ضرورت (جو شرعاً جائز ہو) اٹکی ہوئی ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرے۔ ترمذی میں عبداللہ بن اوفیٰ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ کَانت له عند اللّٰه حاجة او الی احد من بنی آدم فلیتوضأ، ویحسن الوضوء ثم لیصل رکعتین ثم لیثن علی اللّٰه تعالی ولیصل علی النبیؐ ثم لیقل لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

جسے اللہ سے کوئی احتیاج ہو یا کسی آدمی سے کوئی کام لینا ہو تو اُسے چاہیئے کہ وضو کرے اور اچھی طرح سے کرے پھر دو رکعتیں پڑھے پھر اللہ کی ثنا اور رسول اللہؐ پر درود کے بعد یوں دعا پڑھے۔

خدائے حلیم وکریم کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ کی ذات ہر نقص سے پاک ہے وہ عرش عظیم کا مالک ہے اللہ تمام تعریفوں کا مستحق اور سارے جہان کا پروردگار ہے خدایا میں تجھ سے تیری رحمت کی توجہ، تیری مغفرت کی نظر، ہر طرح کی خیر میں اپنا حصہ اور ہر گناہ سے حفاظت مانگتا ہوں میرا کوئی گناہ ایسا نہ رہے جس کو تو نے معاف نہ کر دیا ہو اور کوئی غم ایسا نہ رہے جسے تو نے دور نہ فرما دیا ہو اور میری کوئی پسندیدہ خواہش ایسی نہ رہ جائے جو تو پوری نہ کر دے اے سب سے بڑے رحم فرمانے والے خدا۔

نماز وتر تین امام وتر کی نماز کو سنت اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واجب کہتے ہیں، اس کی تین رکعتیں ایک تسلیمہ سے پڑھی جاتی ہیں، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورہ یا کم از کم تین آیات پڑھنا سنت ہے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ، دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے، تیسری رکعت میں قرأت کے بعد ہاتھ اُٹھا کر تکبیر کہی جاتی ہے پھر دعائے قنوت پڑھ کر

رکوع میں جایا جاتا ہے، قنوت ہر اُس دُعا کو کہتے ہیں جو اللہ کی ثنا اور دُعا پر مشتمل ہو۔ سنت یہ ہے کہ وہ دُعا پڑھے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَهْدِيْكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اے اللہ ہم تیری اعانت اور تیری ہدایت کے طلبگار ہیں تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں تجھ پر ایمان لائے ہیں اور تیرے اوپر ہی بھروسہ رکھتے ہیں اور تیری اچھی سے اچھی ثنا کرتے ہیں تیرا شکر کرتے اور تیری نافرمانی نہیں کرتے ہیں جو تجھ سے روگرداں ہوتا ہے ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تیرے لئے نماز پڑھتے تیرے سامنے پیشانی جھکاتے تیری طرف ہی دوڑتے تیری رحمت کی امید رکھتے اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تیرا عذاب ناشکروں پر نازل ہونے والا ہے، اے اللہ حضرت محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت و برکت نازل فرما۔

وتر کو نماز عشاء کے بعد پڑھنا واجب ہے۔ اس کا وقت طلوع فجر تک ہے، وتر میں دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے اور سنت یہ ہے کہ آہستہ پڑھا جائے اور جس کو دعائے قنوت یاد نہ ہو وہ "رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ" پڑھے (اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے) اور یہ بھی یاد نہ ہو تو تین بار "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا" کہے یعنی بار الہا ہماری مغفرت کر۔ اگر وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا پھر یاد آیا کہ دعائے قنوت پڑھنے سے رہ گئی، اور رکوع سے کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھ لی اور رکوع کا اعادہ نہ کیا تو

نماز پوری ہو جائے گی، اگر دوبارہ قنوت کے لئے کھڑا نہ ہوا ہو تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے۔
اگر غلطی سے سورۂ فاتحہ پڑھ کر رکوع میں چلا گیا تو لازم ہے کہ سورت اور قنوت پڑھنے کے لئے
کھڑا ہو اور دونوں چیزیں پڑھ کر دوبارہ رکوع کرے اور آخر میں سجدۂ سہو بھی کرے۔ نماز وتر
کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ماہ رمضان کے سوا مشروع نہیں ہے۔

مصائب کے پیش آنے پر صرف نماز فجر میں قنوت پڑھنا سنت ہے، یہ رکوع سے اُٹھنے
کے بعد پڑھی جاتی ہے، قنوت نازلہ کا پڑھنا امام کے لئے سنت ہے، منفرد کے لئے نہیں ہے۔
فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے اُٹھنے کے بعد جو دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے، اُس میں
یہ الفاظ حدیث میں منقول ہوئے ہیں:

اللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِي مَنْ هَدَيْتَ
وَعَافِنَا فِي مَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا
فِي مَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِي
مَا أَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ
إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ
إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ
مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَ
تَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوبُ إِلَيْكَ
اللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ
سَخَطِكَ وَبِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ
وَبِكَ مِنْكَ۔

اے اللہ ہمیں راہ ہدایت پر چلا، اپنی
عافیت میں پناہ دے، ہماری رضا کو اپنی
رضا کے مطابق فرما دے جو کچھ تو نے عطا فرمایا
ہے اُس میں برکت دے اپنے عذاب کی
سختی سے ہمیں محفوظ رکھ۔ حکم دینے والا
تو ہی ہے اور تجھ پر کوئی حاکم نہیں۔ بیشک تو
نے جسے پسند کر لیا وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا اور
جس پر تیرا عتاب ہوا اُسے عزت نہیں مل سکتی
اے پروردگار تو بابرکت اور صاحب عظمت ہے
ہم تجھی سے مغفرت مانگتے اور توبہ کرتے ہیں، ہم
تیری ناراضی سے بچنے کے لئے تیری رضا کی پناہ
پکڑتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈر کر تیری معافی
کا سایہ مانگتے ہیں، اور تجھ سے تیری ہی حمایت
کے طالب ہیں۔

نماز تراویح نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے اور جماعت سے پڑھنا سنت کفایہ ہے، اہل محلہ

کے لئے یا کسی گاؤں کے لوگوں کے لئے۔ یعنی اگر گاؤں یا محلہ کی مسجد میں تراویح کی جماعت کچھ لوگوں نے بھی نہ قائم کی تو وہاں کے رہنے والے سبھی لوگ قابل ملامت ہوں گے۔

نماز تراویح رمضان کے مہینے میں پڑھی جاتی ہے اور اس کا وقت نماز عشاء پڑھنے کے بعد صبح صادق تک ہے۔ اس کی رکعتیں بالاتفاق بیس ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی تین متفرق راتوں (تیسری۔ پانچویں اور ستائیسویں شب) کو سب کے ساتھ نماز تراویح ادا فرمائی، پہلے دن آپ نے سب کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھیں، باقی رکعتیں سب نے اپنے اپنے گھروں میں ادا کیں چنانچہ اُن کی آوازیں شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دے رہی تھیں، دوسرے دن آپؐ نے مسجد میں پہلے دن سے طویل اور تیسرے دن اتنا طویل قیام فرمایا کہ بعض صحابہ کو سحری چھوٹ جانے کا خوف ہوا، حضورؐ اس کے بعد تراویح کے لئے نہیں نکلے کہ مبادا یہ فرض نہ کر دی جائے۔ اس کی رکعتوں کی تعداد بیس ہونا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے واضح ہوتا ہے جس کی موافقت تمام صحابہ نے کی اور بعد کے خلفائے راشدین میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے جو ۱۶ رکعتیں بڑھا کر ۳۶ رکعتیں کر دی تھیں اس کا مقصد یہ تھا کہ کعبہ میں ہر چار رکعت کے بعد طواف کیا جاتا تھا، آپ نے دوسری مسجدوں میں ہر طواف کے عوض چار رکعتیں بڑھا دینا مناسب جانا۔ ورنہ تراویح کی رکعتیں امام ابو حنیفہؒ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بیس ہی ہیں اور اسی کو جمہور امت نے اختیار کیا ہے۔ ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ یعنی تھوڑا آرام لینا اور اس دوران ذکر الٰہی کرنا مستحب ہے۔

جماعت سے تراویح پڑھنے والوں کو وتر بھی جماعت سے پڑھنا بہتر ہے۔

تراویح کے مستحبات

ترویحہ یعنی جلسۂ استراحت ہر چار رکعت کے بعد کرنا صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عمل سے ثابت ہے اور اسی لئے مستحب ہے، اس میں کوئی وظیفہ یا کلمہ طیبہ پڑھنا اولیٰ ہے۔ دُعا مانگنا حدیث میں نہیں آیا۔

ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا مستحب ہے۔ چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا یا تمام رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں۔ باقی اماموں

کے نزدیک اگر ہر دو رکعت کے بعد قعود کیا گیا ہو تو نماز درست ہو جائے گی لیکن مکروہ ہوگی۔

تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا

نماز تراویح میں ایک بار پورا قرآن پڑھنا سنت ہے۔ پڑھنے میں اس کا لحاظ ہونا چاہیئے کہ مقتدیوں پر بار نہ ہو اور وہ خوش دلی سے سن سکیں۔ اتنی جلدی جلدی نہیں پڑھنا چاہیئے جس سے نماز میں خلل واقع ہو۔ ہر دو رکعت کے آغاز میں نیت کرنا اور تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت سے پہلے دعائے افتتاح (سبحانك اللهم وبحمدك......) پڑھنا چاہیئے۔

جمعہ کا حکم اور اس کا ثبوت

ہر مکلف اور قدرت رکھنے والے پر جو نماز کی شرائط کو پورا کرتا ہو جمعہ کی نماز فرض ہے۔ یہ نماز جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن ظہر کی جگہ پڑھی جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی گئی ہے۔

صلوة الجمعة ركعتين تمام	(تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے
غير قصر على لسان نبيكم	بموجب جمعہ کی نماز پوری دو رکعتیں ہیں اور
صلى الله عليه وسلم۔	یہ قصر نہیں ہے۔)

قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (جمعہ، آیت-۹)

اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے تو اللہ کی عبادت کے لئے چل پڑو اور خرید و فروخت بند کر دو۔

نماز جمعہ کے فرض عین ہونے پر سب کا اجماع ہے اس کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے۔

نماز جمعہ کے لئے روانہ ہونے اور خرید و فروخت بند کرنے کا وقت

جمعہ کی دوسری اذان جو خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے سنتے ہی روانہ ہو جانا چاہیئے اس وقت خرید و فروخت حرام ہے۔ یہ تینوں اماموں کا مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو اذان ماذنہ (اذان دینے کی جگہ) دی جاتی ہے اُسے سُنتے ہی چل پڑنا چاہیئے اور خرید و فروخت اُس کے بعد نماز ختم ہو جانے تک ممنوع ہے۔

جمعہ کی شرطیں

علاوہ اُن شرائط کے جو نماز کے لئے پہلے بیان کی جا چکی ہیں کچھ شرطیں جمعہ کی نماز سے متعلق اور ہیں۔ اور وہ دو قسم کی ہیں، جمعہ واجب ہونے کی شرطیں اور نماز جمعہ صحیح ہونے کی شرطیں۔

شرائط وجوب

۱۔ مرد ہونا۔ (عورت پر واجب نہیں ہے۔ تاہم اگر جماعت میں شامل ہو جائے تو نماز درست ہوگی)

(۲) آزاد ہونا۔ (غلام اور مملوک کے لئے وہی حکم ہے جو عورت کے لئے بیان ہوا)

(۳) صحت مند ہونا۔ (مریض یا نابینا جس کا مسجد تک پہنچنا ممکن نہ ہو ان پر جمعہ واجب نہیں ہے)

(۴) ایسی آبادی میں سکونت ہونا جہاں نماز جمعہ ہوتی ہو (مسافر پر واجب نہیں ہے)

(۵) ہوش وحواس والا ہونا (مجنون پر واجب نہیں ہے۔)

(۶) بالغ ہونا (نابالغ لڑکے پر واجب نہیں ہے)

شرائط صحت نماز

(۱) جگہ ایسی ہو جس پر شہر کا اطلاق ہو سکتا ہو (شہر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے سارے مسلمان نہ سما سکیں، یا کم سے کم آبادی والی بستی میں بارہ آدمی عاقل و بالغ نماز پڑھنے والے ہوں اور وہاں روزمرہ استعمال کی چیزیں مل جاتی ہوں تو جمعہ کی نماز بجائے ظہر کی نماز کے پڑھنا صحیح ہے۔

۲۔ وقت کا موجود ہونا۔ یعنی اگر ظہر کا وقت نکل جائے تو پھر جمعہ پڑھنا صحیح نہ ہوگا۔

۳۔ نماز سے پہلے خطبہ کا ہونا (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

۴۔ جماعت کا ہونا (اس کی تفصیل بھی آگے آ رہی ہے) تنہا جمعہ کی نماز پڑھنا صحیح نہیں۔

۵۔ امام کا ہونا (امام کے شرائط آگے بیان کئے جا رہے ہیں)

۶۔ صحت جمعہ کے لئے مسجد کی شرط نہیں ہے بلکہ میدان میں بھی درست ہے بشرطیکہ شہر سے اس کا فاصلہ ایک فرسخ سے زیادہ نہ ہو اور حاکم شہر (امیر یا امام) نے وہاں نماز جمعہ کی اجازت دی ہو۔

جماعت جس کے بغیر نماز جمعہ درست نہیں ہے

جمعہ کی نماز بغیر جماعت کے درست نہیں ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ جماعت کی تعداد میں رائیں مختلف ہیں۔ حنفی علماء کے نزدیک جماعت کی کم سے کم تعداد امام کے سوا تین ہونا چاہیئے۔ شرط یہ ہے کہ وہ سب مرد ہوں، دوسری شرط یہ ہے کہ سب امام کے ساتھ سجدۂ اولیٰ ادا کرنے تک جماعت میں شریک رہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی بھی امام کو چھوڑ کر چلا گیا تو اس کی نماز باطل ہوگی، دوسروں کی باطل نہ ہوگی لیکن اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے سب ہی چلے گئے تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی۔

جمعہ کا خطبہ اور اُس کے ارکان

جمعہ کے خطبے کا آغاز حمد الٰہی سے ہوتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے۔ پھر قرآن کی کوئی ایسی آیت تلاوت کی جاتی ہے جس میں کوئی حکم یا نصیحت ہو، عذاب الٰہی سے خوف دلانا اور ثواب کی بشارت دینا خطبے کے مضمون میں شامل ہوتا ہے۔ امام احمد حنبل رح نے ان چاروں باتوں کو خطبہ کے ارکان بتایا ہے ــــ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تحذیر و تبشیر کو خطبہ کا رکن کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ذکر الٰہی کو خطبہ کا رکن فرماتے ہیں۔

جمعے کے دونوں خطبوں کے شرائط

پہلے خطبہ کے بعد خطیب کو تھوڑی دیر کے لئے بیٹھنا، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ پڑھنا اور دونوں خطبوں کا نماز سے پہلے ہونا۔

۲۔ خطبے کی نیت سے خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہونا۔ اگر نماز کے خطبہ کی نیت نہیں کی تو وہ عام تقریر شمار ہوگی۔

۳۔ خطبہ عربی زبان میں ہونا۔ اگر کسی آیت یا حدیث کا مفہوم یا کوئی دینی حکم مقامی زبان میں سمجھا دیا جائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے لیکن اس کا لحاظ رہے کہ وہ عربی میں کہی ہوئی باتوں کا ہی اعادہ ہو، الگ سے کوئی بات نہ ہو، نیز خطبے کو نماز سے لمبا نہ کیا جائے۔

۴۔ دونوں خطبے وقت کے اندر ہوں۔ اگر خطبے وقت شروع ہونے سے پہلے پڑھے گئے

اور نماز وقت آنے پر پڑھی تو یہ درست نہیں ہے۔

۵۔ خطبہ بلند آواز سے ہونا تاکہ حاضرین سن سکیں، اگر کوئی شخص بہرے پن کی وجہ سے یا بہت فاصلے پر ہونے کی وجہ سے نہ سن سکے تو اس کے لئے سننے کی شرط نہیں ہے۔

۶۔ دونوں خطبوں کے درمیان یا خطبوں اور نماز کے درمیان تسلسل قائم رکھنا بھی شرط ہے، درمیان میں کوئی غیر متعلقہ عمل درست نہیں ہے اور نہ اس سے زیادہ تاخیر جائز ہے جس میں دو ہلکی رکعتیں پڑھی جاسکیں۔

خطبۂ جمعہ کی سنّت خطیب کا حالت حدث سے پاک ہونا۔ خطیب کا ممبر بر اذانِ خطبہ کے وقت بیٹھا ہونا، خطبے کے وقت دائیں ہاتھ سے اپنی تلوار یا عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا ہونا، خطبے کے وقت رُخ حاضرین کی جانب رکھنا، دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر کے لئے بیٹھنا جس میں تین آیتیں پڑھی جاسکیں، پہلا خطبہ دل میں اعوذ باللہ پڑھ کر اونچی آواز سے شروع کرنا اور خطبہ کے ارکان متذکرہ بالا کے مطابق خطبہ دینا، دوسرے خطبہ میں حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد ائمۂ اسلام اور حاکم وقت نیز ایماندار مردوں اور عورتوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنا۔ تائید الٰہی اور اور توفیق عمل کی دعا مانگنا سنّت ہے۔

خطبے کی مکروہات خطبے کے دوران سننے والوں کا کلام کرنا یا امام جمعہ کا کسی سے گفتگو کرنا۔ مذکورہ سنتوں میں سے کسی سنّت کا ترک کرنا مکروہ ہے۔

جمعہ کے مستحبات جمعہ کے روز جو امور مستحب ہیں اُن میں اپنی ہیئت کو اچھا بنانا ہے مثلاً ناخن ترشوانا، موچھیں کتروانا، بغل وغیرہ کے بال لینا، غسل کرنا، صاف ستھرے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا، جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا اور دُعائیں مانگنا۔ مسلم شریف میں آنحضرت ﷺ کی حدیث مروی ہے کہ:

ان فی الجمعۃ ساعۃ لا یوافقھا عبد مسلم یسأل	جمعہ کے دن ایک ساعت ایسی ہے جس میں کوئی مسلمان بندہ اللہ سے جو دُعا

اللہ تعالیٰ شیئًا الا اعطاہ ایاہ واشارہ بیدہ یقللھا۔

مانگے وہ قبول ہو کر رہتی ہے۔ حضورؐ نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ بہت تھوڑا سا وقت ہوتا ہے۔

جمعہ کے دن مسجد میں جانے کے لئے جلدی کرنا چاہئے۔ نماز میں شامل ہونے کے لئے صف کو چیر کر جانا جس کو تخطی الرقاب (مونڈھے پر سے پھاند کر جانا) کہتے ہیں جائز نہیں اور خطبہ شروع ہوجانے کے بعد ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، الاّ یہ کہ بغیر مونڈھے پر سے پھاندے بیٹھنے کی جگہ ہی نہ مل سکتی ہو تو یہ کرنا مباح ہے اور اس صورت میں بھی مباح ہے جب ایسا کرنے سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے یعنی نہ لباس کچلا جائے نہ بدن پر رگڑ لگے۔ خطبے کے بعد اور نماز سے پہلے خالی جگہ کو پُر کرنے کے لئے پھاند کر جانا جائز ہے۔

جمعہ کے دن سفر پر روانہ ہونا

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس شخص پر جمعہ کی نماز لازم ہو اُسے جمعہ کے دن فجر کے بعد سفر کرنا ناجائز ہے بجز اس صورت کے جب یہ گمان ہو کہ راہ میں جمعہ کی نماز مل جائے گی یا پھر یہ کہ وہ سفر واجب ہو مثلاً حج کا سفر۔ حنفی علماء جمعہ کی پہلی اذان ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے سفر کے لئے نکلنا مکروہ کہتے ہیں، زوال سے پہلے سفر کے لئے جانا مکروہ نہیں ہے۔

جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز

جس شخص پر نماز جمعہ واجب ہے اور بلا عذر نماز جمعہ سے غیر حاضر رہا تو اُس کے لئے نماز ظہر اُس وقت تک درست نہیں جب تک امام جمعہ کی نماز سے سلام پھیر کر فارغ نہ ہوجائے اگر نماز جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی تو امام شافعی اور امام حنبل رحمہ اللہ علیہما کے نزدیک وہ نماز نہ ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں نماز تو ہوجائے گی لیکن جمعہ کو ترک کرنے کا گناہ ہوگا اگر ارادۃً ایسا کیا گیا ہو لیکن اگر بھول کے نماز ظہر پڑھ لی پھر یاد آیا کہ جمعہ تھا اور جمعہ کے لئے چل پڑا اور امام نماز جمعہ سے فارغ نہ ہوا تھا تو اُس پر واجب ہے کہ نماز جمعہ میں شامل ہوجائے، اس صورت میں پڑھی ہوئی ظہر کی نماز نفلی ہوجائے گی ہاں اگر اُس وقت روانہ ہوا کہ امام نماز ختم کرچکا تھا تو اس سے ظہر کی نماز باطل

نہیں ہوگی۔

صاحب عذر پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے، اُسے ظہر کی نماز پڑھ لینا درست ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز جمعہ کے ختم ہونے تک نماز ظہر میں تاخیر کرنا سنت ہے۔

جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا

حنفی علماء کہتے ہیں کہ جس شخص کی نماز جمعہ کسی معذوری سے یا بلا عذر رہ گئی ہو اُسے شہر کے اندر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں جس جگہ جمعہ کی شرائط پوری نہیں ہوتیں وہاں جمعہ کے روز ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں تو جائز ہے۔

❖ ❖ ❖

عیدین کی نماز کا حکم اور وقت

عید الفطر اور عید الاضحیٰ سال میں ایک ایک بار آتی ہیں یعنی عید الفطر شوال کی پہلی تاریخ کو اور عید الاضحیٰ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو دونوں عیدوں میں نماز ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نمازِ جمعہ اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہے، فرق یہ ہے کہ نماز جمعہ میں "خطبہ" نماز سے پہلے اور عیدین میں نماز کے بعد ہوتا ہے۔ عید کی نماز میں جماعت واجب ہے ترک کرنا گناہ ہے۔ نماز عید کا وقت طلوع آفتاب کے بعد نفل نماز کے جائز ہونے کے وقت سے زوال آفتاب تک رہتا ہے لیکن اس کے ابتدائی وقت سے تاخیر کرنا سنّت نہیں ہے۔ شافعی اور مالکی فقہاء ان نمازوں کو سنّت مؤکدہ اور حنبلی فقہا فرض کفایہ کہتے ہیں۔

نماز عید کی مشروعیت یہ نماز پہلے سال ہجری میں شروع ہوئی۔ حضرت انس رضؓ سے ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ "جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ دو دن کھیل تماشے میں گزارتے ہیں حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں، لوگوں نے کہا کہ ہم جاہلیت کے زمانے میں ان دنوں میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو دنوں سے بہتر دن۔ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر عطا فرمائے ہیں" لہٰذا اسلام میں صرف یہی دو دن تہوار اور خوشی منانے کے دن ہیں، ان کے علاوہ مسلمانوں کو عید منانا جائز نہیں۔

نماز عیدین کا طریقہ عید کی نماز دو رکعت اس نیت کے ساتھ کہ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی دو رکعت نماز واجب چھ تکبیروں کے اس امام کے پیچھے قبلہ رُخ ہو کر پڑھتا ہوں، اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر دونوں ہاتھ باندھ لئے جائیں اس کے بعد امام اور مقتدی ثنا پڑھیں، ثنا کے بعد امام بلند آواز سے اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک لے جائے اور پھر چھوڑ دے، ایسا تین مرتبہ کرے اور تمام مقتدی امام کی پیروی کریں، تیسری بار ہاتھ چھوڑیں نہیں بلکہ باندھ لیں، تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھ کر امام بلند آواز سے سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت

پڑھے، پھر رکوع اور سجدوں کے ساتھ ایک رکعت پوری کرے اور دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے، آہستہ سے بسم اللہ پڑھ کر بلند آواز سے سورۂ فاتحہ اور اُس کے ساتھ کوئی سورت پڑھے پھر تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک لے جائے اور چھوڑ دے، یہ تکبیرات رکوع کی تکبیر کے علاوہ تین ہیں، ہر تکبیر میں ہاتھ اُٹھایا جائے، پھر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے اور باقی نماز حسب دستور پوری کی جائے۔ یہ زائد تکبیریں، تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر کے علاوہ ہر رکعت میں تین ہیں، ہر تکبیر کے بعد اتنا توقف کرنا چاہئیے جتنے عرصے میں تین تکبیریں کہی جاسکیں۔

اگر کوئی شخص نماز عید میں اس وقت شریک ہوا جب امام تکبیریں کہہ چکا تھا تو اُسے نیت کے بعد تین تکبیریں فوراً کہہ لینا چاہئیے، اگر وہ رکوع میں ملا ہے تو رکوع میں جاتے ہوئے تین تکبیریں بغیر ہاتھ اُٹھائے کہہ لینا چاہئیے۔

نماز عیدینؔ کی جماعت اور اُن کی قضاء عیدین کی نماز درست ہونے کے لئے جماعت شرط ہے جس طرح جمعہ کے لئے شرط ہے، اگر امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جاسکی تو شرعاً اس کی قضاء کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اس کی قضا تنہا پڑھنا چاہے تو چار رکعتیں بغیر زائد تکبیرات کے پڑھ لے۔

عیدینؔ کی سنتیں اور مستحبات عیدین کی شب میں عبادت، درود اور تلاوت قرآن کرتے رہنا مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث طبرانی نے اس طرح نقل کی ہے:

من احیا لیلۃ الفطر ولیلۃ الاضحیٰ محتسبا لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب۔	جو شخص عیدین کی راتوں میں خلوص دل سے شب بیداری کرے اس کا دل مُردہ نہ ہوگا جب سب کے دل مُردہ ہوں گے۔

عیدین کے دن غسل کرنا حنفیوں کے نزدیک سنت اور باقی ائمہ کے یہاں مستحب ہے۔ اس دن خوشبو لگانا، بہترین لباس زیب تن کرنا خواہ نیا ہو یا صاف دُھلا ہوا حنفیوں کے نزدیک سنت ہے مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے۔ لیکن وہ عورتیں جو نماز عید میں شریک ہونے کے لئے جائیں اُن کے لئے یہ امور مستحب نہیں کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ

ہے۔ عیدالفطر کے دن عیدگاہ کو جانے سے پہلے کچھ کھا لینا مستحب ہے مثلاً کھجوریں یا چھوہارے طاق عدد میں کھانا۔ صدقۂ فطر نماز عید سے پہلے ہی دے دینا چاہیئے۔ عیدگاہ کی طرف پیدل چل کر جانا اور جاتے ہوئے تکبیر کہتے جانا مستحب ہے، یہ تکبیر نماز کے شروع ہونے تک جاری رہے۔ یہ بھی مستحب ہے کہ ایک راستہ سے عیدگاہ میں آئے اور دوسرے راستے سے واپس جائے جس کسی مسلمان سے ملے تو چہرے سے خوشی اور بشاشت کا اظہار ہو۔

عیدالاضحیٰ میں عیدگاہ جاتے وقت آواز کے ساتھ تکبیر کہتے ہوئے جانا۔ نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا اور نماز کے بعد قربانی کے گوشت میں سے کھانا یا جو چیز میسر ہو اُسے کھا بھی لینا چاہیئے۔

نماز عید کی مکروہات

نماز عید سے پہلے امام اور مقتدی کے لئے نفل پڑھنا مکروہ ہے اور عیدگاہ میں عید کی نماز کے بعد کوئی دوسری نماز پڑھنا مکروہ ہے گھر میں مکروہ نہیں ہے، احناف کے نزدیک امام کو خطبۂ اوّل شروع کرنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے بخلاف خطبۂ جمعہ کے، اس میں خطبۂ اول سے پہلے کسی قدر بیٹھنا سنّت ہے۔

عیدین کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے

نماز عید کے لئے نہ اذان ہے نہ اقامت۔ مستحب یہ ہے کہ ”اَلصَّلوٰۃ جَامِعَۃٌ“ کہہ کر اعلان کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ نماز تیار ہے۔

عیدین کے خطبوں کا بیان

عیدین کے خطبے بالاتفاق سنت ہیں، اس خطبے کے ارکان وہی ہیں جو جمعے کے خطبوں کے ہیں۔ آغاز خطبہ عیدین میں تکبیر سے اور جمعہ میں حمد سے ہوتا ہے۔ ذکر الٰہی خطبے کا رکن ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ یہ حنفی علماء کا قول ہے، مالکی علماء کے نزدیک تحذیر و تبشیر، عذاب الٰہی سے ڈرانا، ثواب آخرت کی خوش خبری دینا خطبے کا رکن ہے، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہما اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا لفظ صلوٰۃ کے ساتھ، قرآن حکیم کی کسی آیت کی تلاوت کرنا۔ تقویٰ اور اطاعت الٰہی کی ترغیب دینا اور دوسرے خطبے میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرنا ارکان خطبہ میں داخل کرتے ہیں۔

ایام تشریق عید الاضحیٰ کے بعد یعنی ۱۱ ذوالحجہ سے ۱۳ ذوالحجہ تک کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ تشریق کے معنی ہیں گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ (یا کاٹ کر خشک کرنا) منیٰ کے مقام پر قربانی کا گوشت انھیں ایام میں کاٹا جاتا ہے، ان ایام میں پانچوں وقت کی نماز کے بعد تکبیر کہنا سنت ہے اور حنفی علماء کے نزدیک واجب ہے۔ اُن لوگوں پر جو شہر میں رہتے ہوں، یہ تکبیریں واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں:۔

۱۔ نماز فرض جماعت کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ تنہا پڑھنے والے پر واجب نہیں۔

۲۔ جماعت مردوں کی ہو، اور فرض نماز ہو کوئی اور نماز ہو تو تکبیر واجب نہیں۔ عورت اگر مقتدی ہو تو آہستہ سے تکبیر کہے بلند آواز سے نہ کہے۔

۳۔ مقیم ہو مسافر نہ ہو۔ شہر میں ہو، مسافر یا قریہ میں رہنے والے پر واجب نہیں۔

تکبیرات تشریق عرفے کے دن نماز فجر سے شروع ہو جاتی ہیں اور عید کے چوتھے دن نماز عصر پر ختم ہو جاتی ہیں۔ تکبیر تشریق کے الفاظ یہ ہیں "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد"۔ یہ تکبیر سلام پھیرنے کے فوراً بعد کہنا چاہیئے، اگر نماز کے بعد کلام کیا یا ارادۃً کوئی امر ناقض وضو کیا تو تکبیر ساقط ہو جائے گی اور ایسا کرنا گناہ ہے۔ یہ تکبیر نماز وتر اور نماز عید کے بعد نہیں کہی جائے گی۔ اگر فرض قضا ہو جائے تو جب اُسے پڑھا جائے اُس کے ساتھ تکبیر بھی کہی جائے گی۔ اگر امام تکبیر بھول جائے تو مقتدی تکبیر کہیں۔

نماز استسقاء استسقاء کے معنی ہیں پانی مانگنا۔ شریعت کی اصطلاح میں بندوں کا اللہ کی جناب میں پانی برسانے کی دُعا کرنا۔ یہ دُعا دو رکعت نماز کے بعد مانگی جاتی ہے، اس کو نماز استسقا کہتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کا وہی طریقہ ہے جو عیدین کی نماز کا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ صرف اتنی ہی تکبیریں جتنی نماز دوگانہ میں مطلوب ہیں کافی کہتے ہیں جبکہ امام شافعی اور امام حنبل رحمہما اللہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں ۵ زائد تکبیروں کے قائل ہیں، نماز کے بعد امام وقت یا اس کا نائب دو خطبے پڑھے۔ امام زمین پر کھڑا ہو، ہاتھ میں کمان تلوار یا عصا ہو، خطبہ اوّل کا کچھ حصہ پڑھ کر اپنی چادر امام کو پلٹ لینا یا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر لینا چاہیئے۔ خطبوں سے فارغ ہو کر عاجزی کے

ساتھ استغفار کر کے دُعا مانگنی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے یہ الفاظ منقول ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا غَیْثًا مُّسْتَغِیْثًا	بار الہا ہمیں فائدہ بخش بارش سے سیراب
ھَنِیْئًا مَّرِیْحًا مَّرِیْعًا غَدَقًا مُّجَلِّلًا	کر خوش گوار خوش منظر طراوت بخش موسلا
سَحًّا طَبَقًا دَآئِمًا عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ	دھار چھا جانے والی اور نفع بخش جلد
اَللّٰھُمَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْزِلْ	برسنے والی جس میں دیر نہ ہو اے اللہ تیرے
عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِکَ وَاجْعَلْ	علاوہ کوئی مالک نہیں ہم پر برکتیں نازل
مَآ اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّتًا وَّبَلَاغًا	فرما اور جو تو برسائے وہ ہماری روزی کا سبب
اِلٰی حِیْنٍ۔	ہو اور ہمارے لئے کافی ہو۔

مؤطا میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی کے لئے دعا فرماتے تو کہتے

اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَکَ وَبَھِیْمَتَکَ	خداوندا اپنے بندوں اور مویشیوں کو
وَانْشُرْ رَحْمَتَکَ وَاَحْیِ بَلَدَکَ	سیراب فرما، اپنی رحمت کو پھیلا دے اپنے
الْمَیِّتَ۔	مردہ شہر کو زندگی عطا فرما۔

نماز استسقاء کا حکم قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ	اپنے پروردگار سے مغفرت کے طالب ہو
غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ	وہ مغفرت فرمانے والا ہے تمہارے لئے
مِّدْرَارًا۔ (سورۂ نوح آیت ۱۰)	موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا۔

کتاب وسنّت سے ثابت ہے کہ یہ مغفرت الٰہی کی خواستگاری۔ اللہ کی حمد وثنا اور دُعا ہے، رہی نماز تو وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امر مستحب ہے۔ باقی ائمہ اس کو سنت موکدہ کہتے ہیں۔ یہ تنہا پڑھنے والے کے لئے بھی بغیر جماعت کے مشروع ہے۔

نماز استسقاء کا وقت وہ اوقات جن میں نفل نماز پڑھنا مباح ہے اُنھیں اوقات میں نماز استسقاء بھی پڑھی جاتی ہے، اگر ایک بار پڑھنے میں بارش نہ ہو تو متواتر تین دن پڑھنا مستحب ہے۔

نمازِ استسقاء کو جانے سے پہلے مستحب امور

امام کو چاہیئے کہ نماز کو جانے سے پہلے لوگوں کو استغفار پڑھنے، صدقہ دینے اور ظلم کی ہر بات سے پرہیز کرنے کی تلقین کرے۔

۲۔ آپس کی دشمنی دور کرنے کا حکم دے۔

۳۔ لوگوں سے کہے کہ تین دن روزہ رکھیں اور چوتھے دن امام سب کو لے کر نماز کے لئے باہر نکلے۔

۴۔ پرانے معمولی لباس پہن کر نکلیں۔

۵۔ بوڑھے مردوں اور عورتوں اور مویشیوں کو بھی ساتھ لے کر نماز کے لئے نکلیں، باشعور بچوں کا نکلنا بھی مباح ہے۔

نمازِ کُسوف

کسوف سورج گرہن کو کہتے ہیں۔ گہن کے وقت نماز پڑھنے کو صلوٰۃ کسوف کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان الشمس والقمر اٰیتان مِنْ اٰیاتِ اللہِ لَا یَنْکَسِفَان لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیَاتِہٖ فَاِذَا رَاَیْتُمْ ذٰلِکَ فَصَلُّوْا وادْعُوْا حتی ینکشف ما بکم۔ (بخاری ومسلم)	یعنی سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی موت یا زندگی پر نہیں گہناتے ہیں اگر تم انھیں گہناتا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا مانگو یہاں تک کہ یہ کیفیت دور ہوجائے۔

نمازِ کُسوف مشروع ہونے کی حکمت

مذکورہ حدیث اس عقیدے کے غلط ہونے کی دلیل ہے کہ کسی مخلوق کی موت یا زندگی سے گہن کا کوئی تعلق ہو، دراصل سورج اور چاند دونوں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہیں جن پر مخلوق کی زندگی کا انحصار ہے۔ گہن لگنا اس امر کا ثبوت ہے کہ ان نعمتوں کو عطا کرنا اور سلب کر لینا اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، لہٰذا اپنی عاجزی اور بے بسی کا اظہار، خالص توحید کا اقرار، ماسوا اللہ کی معبودیت کا انکار نماز ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔

نمازِ کسوف کا طریقہ حنفی فقہاء کے نزدیک نمازِ کسوف کی دو رکعتیں مسلمان مسجد میں جمع ہو کر با جماعت پڑھیں، اس میں اور نفل نماز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ چار رکعتیں ایک تسلیمہ یا دو تسلیموں سے پڑھی جائیں۔ باقی تین ائمہ دو رکعتوں پر متفق ہیں اگر یہ نماز گہن چھوٹ جانے سے پہلے ختم ہو جائے تو اس وقت تک دُعا مانگتے رہنا چاہیئے جب سورج گہن سے نکل آئے۔ اُن کے نزدیک ہر رکعت دو رکوع اور دو قیام پر مشتمل ہو گی، حنفی مسلک میں ایک ہی قیام اور ایک ہی رکوع ہر رکعت میں ہونا چاہیئے۔

نمازِ کسوف کی سنتیں سنّت یہ ہے کہ نمازِ کسوف میں بحالت قیام لمبی قرأت کی جائے، دونوں رکعتوں میں رکوع و سجود کا طویل کرنا بھی سنّت ہے۔

اس نماز میں اذان و اقامت نہیں ہے، اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ (نماز تیار ہے) کہہ کر آواز دی جائے۔ آہستہ قرأت کرنا مستحب ہے۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ اونچی آواز سے قرأت کرنے کو سنّت کہتے ہیں۔ جماعت میں امامت کے لئے شرط یہ ہے کہ جمعہ کا امام ہو یا حاکم وقت نے کسی کو امامت کرنے کا اذن دیا ہو، نماز جامع مسجد میں پڑھی جائے، تنہا گزار کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے نماز ادا کرے۔

نمازِ کسوف کا وقت صلوٰۃ کسوف کا وقت گہن لگنے سے سورج کے صاف ہو جانے تک ہے۔ اگر ایسا وقت ہو جس میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے تو صرف دُعا پر انحصار کرنا چاہیئے۔

نمازِ خُسوف چاند گرہن کی نماز کے مسائل اور طریقے وہی ہیں جو نمازِ کسوف کے لئے ہیں۔ یہ نماز مستحب ہے، اِس میں جماعت مشروع نہیں ہے اور نہ جامع مسجد میں پڑھنا سنّت ہے، بلکہ وہ گھروں میں منفرداً پڑھی جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرأت آواز سے کرنا چاہیئے۔ اگر چاند گہن کی حالت میں چھپ جائے جب بھی طلوعِ آفتاب تک نماز پڑھتے رہنا چاہیئے۔

نمازِ کسوف و خسوف کی قضاء:۔ اگر یہ نمازیں کوئی نہ پڑھ سکے تو اُن کی قضاء نہیں ہے۔

نمازِ خوف جب حالت خوف طاری ہو مثلاً زلزلہ آجائے، بجلی زور سے کڑکنے لگے، سخت آندھی اُٹھے کہ اندھیرا چھا جائے، تیز اور طوفانی ہوائیں چلنے لگیں یا ایسی ہی کوئی اور ڈراونی صورت حال پیش آئے جو عذاب الٰہی جیسی ہو تو دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے کیونکہ یہ قدرت کی وہ نشانیاں ہیں جن کا ظہور فرما کر اللہ تعالیٰ بندوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ گناہوں سے توبہ کریں اور طاعت الٰہی کی طرف مائل ہوں تو ان اوقات میں اللہ کی جانب رجوع ہو کر عبادت میں مصروف ہو جانا چاہیئے تاکہ دنیا اور آخرت میں خوش بختی حاصل ہو۔ اس نماز کی حیثیت نوافل جیسی ہے نہ اس کی جماعت ہے نہ خطبہ ہے اور نہ مسجد میں ادا کرنا سنت ہے بلکہ گھروں میں ادا کرنا افضل ہے، امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا اس پر اتفاق ہے۔

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے نماز کے بیان کے آغاز میں فرض نمازوں کے اوقات کا ذکر کیا جا چکا ہے، اگر وقت نماز نکل گیا اور حرام وقت میں نماز پڑھی یا مکروہ وقت میں نماز پڑھی تو گناہ یا امر مکروہ کا ارتکاب لازم آئے گا۔ اماموں میں سے تین اصحاب اس امر کے قائل ہیں کہ وقت آجانے پر جب بھی نماز پڑھی جائے تو صحیح ہو گی لیکن تین اوقات ایسے ہیں جن کے بارے میں حنفی علماء فرض نماز مطلق نہ ہو سکنے کا حکم دیتے ہیں، وہ تین وقت یہ ہیں:

۱۔ سورج طلوع ہوتے وقت۔

۲۔ وہ وقت جب سورج نصف النہار پر ہو۔

۳۔ وہ وقت جب سورج غروب ہونے سے پہلے سُرخ ہو جائے۔

پہلی صورت میں جب تک آفتاب بلند نہ ہو جائے نماز ممنوع ہے لہٰذا اگر کسی نے طلوعِ آفتاب سے پہلے نماز فجر شروع کر دی اور ابھی ختم نہیں کی تھی کہ سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

دوسری صورت میں زوال آفتاب ہو جانے کے بعد نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ زوال کے وقت پڑھنا ممنوع ہے۔

تیسری صورت میں سورج سرخ ہوجانے پرصرف اُس روز کی عصر (اگر پڑھی نہیں گئی ہے) تو پڑھی جاسکتی ہے مگر کراہت کے ساتھ اور کوئی نماز غروب آفتاب تک پڑھنا ممنوع ہے۔

سجدۂ تلاوت کا حکم بھی اس بارے میں وہی ہے جو فرض نمازوں کا ہے اور نماز جنازہ کا یہی حکم ہے۔

وہ اوقات جن میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے یہ ہیں :-

۱۔ نماز فجر سے پہلے صبح صادق کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے صرف فجر کی سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

۲۔ فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

۳۔ عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوب جانے تک نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

۴۔ جب خطیب خطبہ کے لئے آجائے تو نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

۵۔ جب نماز فرض کی اقامت کہی جانے لگے تو بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے' البتہ فجر کی سنت پڑھی جاسکتی ہے۔

۶۔ عید کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد بھی نفل پڑھنا ممنوع ہے۔

نوافل کی قضاء کوئی نفل نماز فوت ہوجائے تو اُس کی قضا پڑھنا صحیح نہیں ہے' سوائے فجر کی دو سنتوں کے جن کی قضا طلوع آفتاب کے بعد سے زوال کے وقت تک پڑھ لینا چاہیئے۔ نفل نماز شروع کرکے توڑ دی گئی ہو تو اس کی قضا لازم ہے۔

نفل نماز پڑھنے کا افضل مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صلّوا ایھا الناس فی بیوتکم

فان افضل الصلوٰۃ صلوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ (بخاری مسلم)

یعنی اے لوگو! فرض نمازوں کے سوا اپنے گھروں میں نمازیں پڑھا کرو کیونکہ مرد کے لئے سب سے بہتر وہ نماز ہے جو اپنے گھر میں ادا ہو۔ اس حکم سے وہ نمازیں مستثنیٰ ہیں جن کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مشروع ہے مثلاً تراویح۔

نماز کی امامت

امامتِ نماز کی تعریف جب کوئی شخص یا چند اشخاص اپنی نماز کو یعنی قیام، رکوع، سجود اور جلوس وغیرہ کو ایک امام کی اقتدا (پیروی) سے مربوط کر دیں تو مقتدیوں کا امام سے یہ ربط امامت کہلاتا ہے۔ اگر مقتدی کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے اس کی نماز باطل ہو جائے تو امام کی نماز باطل نہ ہوگی۔ لیکن اگر امام کی نماز باطل ہو گئی تو مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی کیونکہ اُن کی نماز امام سے وابستہ ہے۔

صحت امامت کے لئے مقتدیوں کی تعداد کسی ایک فرد یا زیادہ افراد کے شریک امام ہو جانے سے امامت صحیح ہو جاتی ہے خواہ وہ ایک فرد مرد ہو یا عورت، اس میں سب کو اتفاق ہے۔ لیکن اگر وہ لڑکا ہو جو سنِ شعور کو پہنچ چکا ہو تو بھی امامت درست ہوگی، یہ رائے حنفی اور شافعی فقہا کی ہے مالکی اور حنبلی فقہا ایک لڑکے کے امام کے ساتھ شریک ہو جانے کو جماعت قرار نہیں دیتے۔

امامت کا حکم نماز پنجگانہ کے لئے اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ تمام فرض نمازوں میں امامت مطلوب ہے۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرے جی میں آتا ہے کہ میں لکڑی جمع کرنے کا حکم دوں اور وہ اکھٹی کی جائے پھر نماز کا حکم دوں جس کی اذان دی جائے پھر کسی کو نماز پڑھنے کا حکم دوں پھر میں لوگوں کا پیچھا کروں، جو لوگ گھروں میں ہیں اُن کے گھروں میں آگ لگا دوں"۔

اس حدیث سے جماعت کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ابتدائے اسلام کے زمانے کی ہے اور اس کے اختتامی جملہ میں نماز عشا میں حاضری کا مذکور ہے۔

علاوہ ازیں یہ ارشادِ نبوی کہ صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین

درجہ (جماعت سے نماز پڑھنا تنہا پڑھنے کی بہ نسبت ۲۷ گنا افضل ہے) جماعت کی فرضیت کو منسوخ کرتا ہے اور افضلیت کی تائید کرتا ہے، حنفی فقہا کے نزدیک پانچوں وقت کی فرض نمازوں میں "جماعت" سنت عین موکدہ یعنی واجب ہے عاقل آزاد اور تندرست مردوں کے لئے لیکن ان معذوروں کے لئے جو کسی بیماری میں مبتلا ہوں یا اُن کے پاس کپڑے نہ ہوں تو ایسے لوگوں کے لئے سنّت نہیں ہے۔

امامت نماز جمعہ وعیدین میں جمعہ کی نماز اور عید کی نماز میں جماعت شرط ہے۔ نماز تراویح اور نماز جنازہ میں سنّت کفایہ ہے اور نفل نمازوں میں مکروہ ہے۔

امام بننے کی شرطیں
۱۔ امامت کے لئے پہلی شرط مسلمان ہونا ہے۔
۲۔ دوسری شرط بالغ ہونا ہے۔
۳۔ عورت اور خنثیٰ مُشکِل کی امامت صحیح نہیں ہے۔
۴۔ بے عقل آدمی یا جنون زدہ کی امامت صحیح نہیں ہے۔
۵۔ ناخواندہ شخص کا خواندہ کی امامت کرنا صحیح نہیں ہے، خواندہ کو کم از کم اتنی قرأت سے واقف ہونا ضروری ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔
۶۔ جو شخص کسی معذوری میں مبتلا ہو مثلاً سَلَسل بول کا یا دائمی پیچش کا مریض ہو۔ ریاح مسلسل خارج ہوتے ہوں، نکسیر جاری رہتی ہو تو ایسے اشخاص کی امامت کرنا صحیح نہیں جو ان امراض سے مبرا ہوں۔
۷۔ اگر مقتدی کے مسلک کی رو سے امام کی نماز صحیح نہیں ہے تو امامت صحیح نہیں ہے۔
۸۔ ہکلے آدمی یا تلفظ غلط کرنے والے کی امامت بھی صحیح نہیں ہے۔
۹۔ مقتدی امام سے آگے بڑھ جائے تو امامت اور نماز دونوں باطل ہیں۔

امامت کن لوگوں کی مکروہ ہے (۱) بدعتی کی امامت مکروہ ہے یعنی وہ شخص جو بدعتوں کا مرتکب ہوتا ہے مثلاً تعزیہ دار، قبروں پر پھول اور چادر چڑھانے والا، غیر اللہ سے حاجت مانگنے والا۔

۲۔ فاسق یعنی وہ شخص جو کتاب و سنّت کے خلاف عمل کرتا ہو اور گناہ کے کاموں سے اجتناب نہ کرتا ہو۔

۳۔ جاہل جو قرآن و سنّت کا علم نہ رکھتا ہو۔

۴۔ اندھا آدمی (جو نہ عالم ہو نہ حافظ قرآن)

۵۔ حرام کھانے والا مثلاً سود خوار، رشوت خور وغیرہ۔

امام بنانے کی ترجیحات

پہلے امامت کا مستحق وہ ہے جو قرآن و سنّت کا عالم بھی ہو اور عامل بھی، اس کے بعد وہ جو گو علم زیادہ نہ رکھتا ہو مگر متبع سنّت ہو۔

علم دین رکھنے والے اگر موجود نہ ہوں تو وہ جو سب سے زیادہ صحیح اور اچھا قرآن پڑھتا ہو، اس کے بعد وہ جو معاشی ضروریات حلال طریقے سے پوری کرتا ہو۔

پھر جس کی عمر زیادہ ہو۔

پھر جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔

پھر وہ جو زیادہ باوقار اور معزز ہو۔

مقتدی کے لئے احکام

مقتدی تمام نمازوں میں اپنے امام کی پیروی کی نیت کرے

مقتدی کو نماز کے فرائض میں امام کا اتباع کرنا فرض ہے لیکن جو چیزیں واجب، سنّت یا مستحب ہیں اُن کا اتباع ضروری نہیں ہے۔ جیسے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا یا امام آہستہ سے آمین کہتا ہے مقتدی زور سے یا امام ناف کے پاس ہاتھ باندھتا ہے اور مقتدی سینے کے پاس، تو مقتدی کی نماز میں کوئی خرابی نہ آئے گی لیکن اگر مقتدی تکبیر تحریمہ بھول گیا یا رکوع یا سجدہ چھوٹ گیا تو دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔

مقتدی تین طرح کے ہوتے ہیں، مُدرِک، مسبوق اور لاحق۔

مدرک وہ ہے جو شروع سے آخر تک امام کے ساتھ نماز میں شریک رہا ہو۔

مسبوق وہ ہے جو ایک یا دو رکعتیں ہو جانے کے بعد جماعت میں شامل ہوا۔

لاحق وہ ہے جو شروع سے نماز میں امام کے ساتھ شریک رہا لیکن درمیان میں وضو ٹوٹ

گیا اور جماعت سے نکل گیا اور پھر وضو کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔

مسبوق نماز کیسے پوری کرے

مسبوق کو چاہیئے کہ جتنی رکعتیں امام کے ساتھ ملی ہیں انھیں امام کے ساتھ پوری کرے جب امام سلام پھیرے تو کھڑا ہو جائے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں پوری کرلے جس ترتیب سے وہ چھوٹی ہیں اگر دو رکعت والی نماز ہے اور اس کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہے تو امام کے سلام پھیرنے پر کھڑا ہو جائے، سورۂ فاتحہ اور اُس کے ساتھ کوئی سورہ پڑھ کر رکوع اور سجدہ اور قعدہ ادا کرکے سلام پھیرے، اگر دونوں رکعتیں چھوٹ گئی ہوں (یعنی قعدۂ اخیرہ میں شریک ہوا ہو) تو پہلی اور دوسری رکعت سورۂ فاتحہ اور دوسری سورۃ کے ساتھ اور رکوع وسجدہ کر کے پوری کرے اور دوسری رکعت میں قعدہ کرے اور تشہد، درود اور دُعا پڑھ کر سلام پھیرے۔

اگر چار رکعت والی نماز ہے اور دو رکعت تک چھوٹ گئی ہے تو اُسی ترتیب سے ادا کرے جو اوپر بیان کی گئی ہے لیکن اگر ایک رکعت چھوٹ گئی ہو تو امام کے سلام کے بعد کھڑے ہو کر چھوٹی ہوئی رکعت اسی طرح پوری کرے جس طرح ایک رکعت چھوٹ جانے کی صورت میں اوپر بیان کیا گیا ہے لیکن اگر تین رکعتیں چھوٹ گئی ہیں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھ کر رکوع اور سجدوں کے بعد بیٹھ جائے کیونکہ وہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ چکا ہے لہذا یہ اُس کی دوسری رکعت ہوئی، اس میں بیٹھنا واجب ہے۔ تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ بھی پڑھے، کیونکہ قرآن پڑھنے کے اعتبار سے یہ اُس کی دوسری رکعت ہے اور امام کے ساتھ ملی ہوئی رکعت کے اعتبار سے تیسری ہے اس لئے اس میں سجدے کے بعد نہ بیٹھے بلکہ چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اگر تین رکعت والی نماز (یعنی مغرب کی نماز) ہے اور دو رکعتیں چھوٹ گئی ہوں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور ایک رکعت پوری طرح پڑھ کر بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر کھڑا ہو کیونکہ یہ اُس کی دوسری رکعت تھی، کھڑا ہو کر سورۂ فاتحہ مع سورت کے پڑھے اور پھر رکوع اور سجدہ کر کے قعدۂ اخیرہ ادا کرے، اس طرح تینوں رکعتوں میں بیٹھنا پڑے گا۔

مسبوق کو چاہیئے کہ وہ امام کے ساتھ سلام نہ پھیرے اگر سہوا ایک طرف سلام پھیرا اور فوراً ہی یاد آگیا کہ رکعت چھوٹ گئی ہے تو دوسرا سلام نہ پھیرے اور کھڑا ہو جائے۔ اگر دونوں طرف سلام پھیر دیا پھر یاد آیا یا کسی نے یاد دلایا تو بغیر بات کئے ہوئے کھڑا ہو جائے اور رکعت پوری کرے اور سجدۂ سہو بھی کرے لیکن اگر بات چیت کرلے تو نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

اگر امام رکوع میں تھا جب مقتدی شریک نماز ہوا بہ ایں طور کہ نیت کرکے تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں شامل ہو گیا تو وہ رکعت اس کو مل گئی ۔۔۔

لاحق نماز کیسے پوری کرے

امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے اگر مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ جماعت سے نکل کر باہر آجائے کسی سے بات چیت نہ کرے اور وضو کرکے پھر امام کے ساتھ مل کر اپنی نماز پوری کرلے اگر وہ رکوع یا پہلے سجدے میں تھا اور وضو کی ضرورت ہو گئی تو وہ رکعت دوبارہ آکر وہیں سے نماز میں ادا کرے جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا اگر وضو کے لئے آنے جانے میں اتنی دیر ہو گئی کہ جماعت ختم ہو گئی تو پوری نماز اسی طرح پوری کرے جس طرح امام کے ساتھ پوری کرتا یعنی اس میں اس طرح قرآن نہ پڑھے جس طرح مسبوق پڑھتا ہے البتہ رکوع اور سجدے کی تسبیحات پڑھتا ہے۔

تنہا فرض پڑھنے والے کے ساتھ شامل ہونا

اگر ایک شخص تنہا فرض نماز شروع کردے اور کوئی دوسرا اس سے آکر مل جائے تو اس پہلے شخص کو چاہیئے کہ اگر جہری نماز ہے تو زور سے پڑھنا شروع کردے، رکوع اور سجدوں کی تکبیرات بھی زور زور سے کہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

جماعت میں کھڑے ہونے کی ترتیب

اگر جماعت سے نماز پڑھنے والے صرف دو ہوں یعنی ایک امام دوسرا مقتدی تو آگے پیچھے کھڑے نہ ہوں بلکہ مقتدی امام کے داہنی جانب ذرا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اب اگر کوئی تیسرا شخص بھی جماعت میں شامل ہو تو اگر امام کے آگے جگہ ہو تو اس کو آگے بڑھا کر وہ مقتدی کے برابر کھڑا ہو جائے۔ اگر امام کے آگے جگہ نہ ہو تو مقتدی کو پیچھے لے آئے اور اسی

کے برابر خود کھڑا ہو جائے، اگر آگے پیچھے جگہ نہ ہو تو امام کے بائیں جانب کھڑے ہو جانا چاہیئے اگر وہ تیسرا شخص امام کو آگے بڑھانا یا مقتدی کو پیچھے کھینچنا بھول جائے تو امام کو خود آگے بڑھ جانا چاہیئے یا مقتدی کو پیچھے ہٹ آنا چاہیئے۔ اگر امام کی اقتدا کرنے والوں میں ایک مرد اور ایک باشعور لڑکا ہو تو بھی اسی طرح کرنا چاہیئے لیکن اگر ایک مرد اور ایک عورت ہو تو مرد امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت اُس مرد کے پیچھے کھڑی ہو۔ اگر دو یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو امام کو شروع نماز ہی سے آگے کھڑا ہونا چاہیئے۔ اگر صف بھر چکی ہو اور کوئی ایک آدمی جماعت میں شامل ہونے کے لئے آئے تو چاہیئے کہ پیچھے اکیلا کھڑا نہ ہو بلکہ کسی نمازی کو صف سے کھینچ کر اُس کے ساتھ کھڑا ہو، مقتدیوں کو خوب مل کر کھڑا ہونا چاہیئے اور صف ٹیڑھی نہ ہو جانے کا دھیان رکھنا چاہیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر صف ٹیڑھی ہوگی تو دلوں میں بھی ٹیڑھا پن پیدا ہوگا۔ امام کو چاہیئے کہ وہ صف کے آگے درمیان میں کھڑا ہو، دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہونا سنت کے خلاف ہے۔ اہل جماعت میں جو افضل ہوں اُنھیں صف اوّل میں کھڑا ہونا چاہیئے تاکہ اگر امام کو حدث وغیرہ لاحق ہو جائے تو وہ امامت کے اہل ہو سکیں اس کو "استخلاف" کے بیان میں آگے ذکر کیا گیا ہے۔

مقتدیوں کی صف بندی اس طرح ہونا چاہیئے کہ آگے مردوں کی صف ہو اُن کے پیچھے لڑکوں کی اور اُن کے پیچھے عورتوں کی۔ اگر بالغ مرد موجود نہ ہوں تو لڑکے اگلی صف کو پورا کریں۔

امام کو مقتدیوں سے اونچی جگہ پر نہ کھڑا ہونا چاہیئے اور نہ ایسی جگہ پر جہاں پہلی صف کے لوگ اُسے نہ دیکھ سکیں۔

وضو کرنے والے کا تیمم کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

اگر امام کسی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھ رہا ہے یا اُس نے وضو کرتے وقت موزے یا پٹی پر مسح کیا ہے یا کسی مجبوری سے بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے تو اس کی امامت بلا کراہت درست ہے۔

وہ معذوریاں جن سے جماعت ساقط ہو جاتی ہے

شدید بارش ہو، سخت سردی پڑ رہی ہو یا راستے

میں اس قدر کیچڑ ہو جو اذیت کی موجب ہو۔ کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ مسجد تک جانا دشوار ہو۔ کسی ظالم سے اندیشہ ہو، نابینا ہو اور کوئی ساتھی نہ ہو ان جیسی صورتوں میں جماعت چھوڑی جاسکتی ہے۔

استخلاف فی الصلوٰۃ

کوئی امام جماعت کے ساتھ ایک یا دو رکعتیں یا اس سے کم یا زیادہ پڑھے پھر کوئی ایسا امر پیش آئے جو مقتدیوں کے ساتھ نماز پوری کرنے سے مانع ہو جیسے نکسیر پھوٹ جائے یا حدث لاحق ہو جائے یا ایسا ہی کوئی امرِ مانعِ نماز ناگہاں آن پڑے تو امام کو اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں سے کسی کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دینا ہے تاکہ وہ باقی نماز مقتدیوں کے ساتھ پوری کرے۔ اگر امام ایسا نہ کرسکے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ اپنے میں سے کسی کو امام کی جگہ کھڑا کر دیں نہ تو بولیں اور نہ قبلے کی طرف سے رخ پھیریں۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو استخلاف کہتے ہیں، امام یا مقتدی دونوں کو لحاظ رکھنا چاہیے کہ امام کا نائب کوئی نیک آدمی ہو اور امام کی بجائے نماز پڑھا سکتا ہو۔

شریعت اسلامی میں نماز کو احترام کا بلند مقام حاصل ہے جب رب کائنات سے رابطہ قائم ہو جائے اور بندے خشوع و خضوع سے اپنے رب کے حضور کھڑے اور سجدہ ریز ہوں تو جب تک نماز سے فراغ نہ حاصل ہو اس میں خلل نہ پڑنا لازم ہے، اگر اس دوران کسی ایک سے سہو ہو جائے یا کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کا اثر جماعت پر پڑ سکتا ہو تو حتی الامکان جماعت کو باطل ہونے سے محفوظ رکھا جائے اور سجدۂ سہو کر کے اُس کی تلافی کی جائے۔

استخلاف کا سبب

علمائے احناف کے نزدیک اگر امام کو بے اختیاری کی حالت میں حدث لاحق ہو جائے یا خون یا کوئی نجس چیز جسم سے خارج ہونے لگے تو امام اپنا خلیفہ کسی کو بنا سکتا ہے۔ لیکن اگر نجاست لگ جائے جو نماز جاری رکھنے سے مانع ہو یا امام کا ستر کھل جائے اور اس حالت میں نماز کا کوئی رکن ادا ہو جائے تو وہ باطل ہوگا، امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور ساتھ ہی مقتدیوں کی نماز بھی جاتی رہے گی۔ یہ یا ایسی ہی کوئی اور صورت میں کسی کو نائب بنانا صحیح نہ ہوگا۔ اگر امام زور سے ہنسے یا جنون یا بے ہوشی طاری ہو جائے تب بھی وہ کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتا۔

کسی کو خلیفہ بنانا اُس وقت جائز ہے جبکہ امام مقدار فرض قرأت کرنے سے عاجز ہو۔ اگر

امام کو خود کسی مضرت کا یا مالی نقصان کا اندیشہ پیش آجائے تو اُسے نماز توڑ دینا چاہئے کسی کو نائب بنانا جائز نہیں ہے۔ مقتدیوں کو از سر نو نماز پڑھنا ہوگی۔

استخلاف کی شرعی حیثیت امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نماز میں خلیفۂ امام بنانا ایک امر مستحب یا ایک امر جائز ہے۔ حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ امام کا کسی کو اپنا خلیفہ بنا دینا افضل ہے اور اگر نماز کا وقت تنگ ہو تو واجب ہے۔ اگر امام نے کسی کو اپنا خلیفہ بنایا اور مقتدیوں نے کسی اور کو اپنا امام بنا لیا تو امام کے بنائے ہوئے خلیفہ کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز صحیح نہ ہوگی۔ اگر مقتدیوں میں سے کوئی شخص خلیفہ بنائے بغیر آگے آگیا اور پوری نماز پڑھا دی تو نماز درست ہو جائے گی۔

عورتوں کی جماعت عورتوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ گھر کے اندر تنہا نماز پڑھیں۔ عورتیں اگر گھر کے اندر جماعت کرنا چاہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں، امام اور مقتدی دونوں عورتیں ہوں تو جو عورت امام بنے اُس کو آگے نہیں بلکہ عورتوں کے بیچ میں کھڑا ہونا چاہیئے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ امام مرد ہو تو اُس کو آگے اور عورتوں کو پیچھے کھڑا ہونا چاہیئے، مرد تنہا عورتوں کی امامت اسی وقت کر سکتا ہے جب نمازیوں میں کوئی محرم عورت مثلاً ماں بہن بیٹی وغیرہ ہو۔

سجدۂ سہو کا بیان سجدہ سرافگندگی اور عاجزی کے معنے میں ہے، اصطلاح میں پیشانی زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ سہو کے معنے بھول کر کسی بات کے رہ جانے کے ہیں۔ نماز میں بھول جب ہی ہوتی ہے جب توجہ اللہ کی طرف سے ہٹ جائے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جب شیطان نماز میں تمہاری توجہ ہٹا کر بھلاوے میں ڈالے تو نماز کے آخر میں دو سجدے کر لیا کرو۔ "کانتا ترغیما للشیطان" (مسلم شریف) یہ دونوں سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہیں۔

سجدۂ سہو کا طریقہ سجدۂ سہو یہ ہے کہ نماز کے آخر میں صرف دائیں جانب سلام پھیر کر دو سجدے کرے اور ان کے بعد تشہد پڑھے اور سلام پھیرے۔

وہ صورتیں جن میں سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے یہ ہیں:

سجدۂ سہو کے اسباب

(۱) نماز میں رکعتوں کا زیادہ پڑھنا یا کم پڑھنا اور شک میں پڑ جانا۔ مثلاً کوئی شخص ظہر کی چار رکعتیں پڑھ کر پانچویں کے لئے کھڑا ہو گیا اور پھر دھیان آیا کہ یہ پانچویں رکعت ہے تو بہتر یہ ہے کہ بیٹھ جائے اور سلام پھیر دے اور سجدۂ سہو کرے، اسی طرح اگر صرف تین رکعت پڑھ کر قعدہ کیا تب یاد آیا کہ یہ تیسری رکعت ہے تو چاہیئے کہ چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اُسے پورا کر کے تشہد اور درود پڑھے پھر سجدۂ سہو کرے۔ شک کی صورت میں جس طرف گمان زیادہ ہو اُس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے پھر سجدۂ سہو کر لینا چاہیئے۔

اگر نماز ختم کرنے کے بعد شک ہو کہ تین پڑھیں یا چار تو اس کا کوئی اعتبار نہیں البتہ اگر یقین کے ساتھ یاد آجائے کہ کوئی رکعت چھوٹ گئی ہے اور اُس نے بات چیت نہیں کی ہے اور وضو بھی ہے تو ایک رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کر لے لیکن اگر بات چیت کر لی یا وضو ٹوٹ گیا تو پھر سے نماز پڑھنا چاہیئے۔ فرض نمازوں میں بھول ہو جانے کی صورتیں یہ ہو سکتی ہیں۔

اگر دو رکعت فرض کی نیت تھی لیکن بھول کر تیسری رکعت بھی پڑھ لی یعنی رکوع اور سجدہ بھی کر لیا پھر یاد آیا کہ یہ رکعت زیادہ پڑھ لی تو کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے تو یہ چار رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور فرض نماز دوبارہ پڑھنا ہو گی۔ اگر سجدے سے پہلے یاد آگیا ہو تو بیٹھ کر نماز پوری کر لینا چاہیئے۔

اگر چار رکعت والی نماز میں قعدۂ اولیٰ یعنی دوسری رکعت کے قعدے میں تشہد کے بعد تھوڑا درود بھی پڑھ لیا پھر یاد آیا کہ یہ تو دوسری رکعت تھی تو فوراً اُٹھ کھڑے ہو کر باقی دو رکعتیں پوری کرے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔ اگر بھول کر سلام بھی پھیر دیا تو بھی بات چیت کرنے سے پہلے کھڑے ہو کر نماز پوری کرے اور سجدۂ سہو کرے۔

اگر چار رکعت والی فرض نماز میں دوسری رکعت میں بیٹھنا یا تشہد پڑھنا بھول جائے اور کھڑا ہونے لگے لیکن یاد آجائے کہ یہ دوسری رکعت ہے یا مقتدی بیٹھ جانے کا اشارہ کر دیں تو فوراً بیٹھ کر تشہد پڑھنا چاہیئے اور نماز پوری کر لینا چاہیئے، اس میں سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں

ہے البتہ اگر پورا کھڑا ہو گیا ہو تو پھر نہ بیٹھے بلکہ نماز پوری کرلے اور آخری رکعت کے بعد سجدۂ سہو کرے۔

ایک صورت جو بہت شاذ و نادر پیش آسکتی ہے یہ ہے کہ چار رکعت فرض پوری پڑھ لی اور آخری رکعت میں تشہد پڑھ کر یہ سہو ہو گیا کہ دو ہی پڑھی ہیں اور کھڑا ہو گیا تو اگر اس پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے غلطی یاد آجائے تو بیٹھ جانا چاہیے اور سجدۂ سہو کر کے نماز سے باہر آجانا چاہیے۔ لیکن اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا ہے تو بیٹھنا نہ چاہیے بلکہ کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لینا چاہیے اور چھ رکعتیں پوری پڑھ کر سجدۂ سہو کر لینا چاہیے۔ یہ آخری دو رکعتیں نفل شمار ہوں گی اور چار رکعت فرض ہو جائے گی دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ سنت اور نفل کی ہر رکعت میں اور فرض کی صرف پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کی کم از کم تین آیتیں پڑھنا ضروری ہیں اگر انھیں پڑھنا بھول جائے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔

۳۔ نماز کے کسی رُکن کو ادا کرنے میں مثلاً قرأت کے بعد رکوع میں جانے یا تشہد پڑھ چکنے کے بعد دوسرا رُکن ادا کرنے میں اتنی تاخیر ہو جائے جس میں تین آیتیں پڑھی جا سکتی ہوں تو سجدۂ سہو واجب ہے۔

۴۔ کسی کو سجدۂ سہو کرنا ضروری تھا مگر بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر دیا تو اگر اُس نے بات چیت نہیں کی تو فوراً سجدۂ سہو کرے اور پھر تشہد، درود اور دُعا پڑھ کر دوبارہ سلام پھیرے۔

۵۔ اگر ایک نماز میں کئی سہو ہو جائیں تب بھی ایک ہی بار سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے۔

۶۔ نماز میں جو چیزیں سنت یا مستحب ہیں اُن کو چھوڑنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، مثلاً ثنا پڑھنا یاد نہ رہا، رکوع یا سجدے میں تسبیح پڑھنا بھول گیا، درود اور دُعا پڑھنا یاد نہیں آیا۔ فرض نماز کی پچھلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کوئی قرآن کی آیت پڑھ لی تو سجدۂ سہو نہیں ہے، لیکن نفل یا وتر کی کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کوئی دوسری سورت نہیں پڑھی تو سجدۂ سہو واجب ہے۔

۷۔ دعائے قنوت ترک ہو جائے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیئے۔

۸۔ سجدۂ سہو میں امام کی پیروی واجب ہے۔

سجدۂ تلاوت

بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے اور جب سجدے والی سورت پڑھتے تو سجدہ فرماتے اور ہم بھی ساتھ ہی سجدہ کرتے یہاں تک کہ ہم میں سے بعض شخص کو پیشانی ٹیکنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ صحیح مسلم میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے:

اذا قرء ابن آدم السجدۃ فسجد اعتزل الشیطان یبکی یقول یاویلاہ اُمِرَ ابن آدم بالسجود فَسَجَدَ فَلَہُ الْجَنَّۃ وَ اُمِرتُ بالسجود فعصیتُ فَلِیَ النّارُ۔

ابن آدم جب آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک طرف ہٹ کر روتا اور کہتا ہے ہائے غضب ابن آدم کو سجدے کا حکم ہوا اور اس نے سجدہ کیا تو اس کے لئے جنّت ہے اور مجھے سجدے کا حکم ہوا میں نے وہ حکم نہ مانا تو میرے لئے جہنم ہے۔

اُمّت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں بعض خاص خاص مقامات ایسے ہیں جن کے پڑھنے پر سجدہ کرنے کا حکم ہے اسی کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔

سجدۂ تلاوت کی شرعی حیثیت

سجدے کی آیت پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ سجدہ نہ کریگا تو گناہ ہوگا۔۔۔۔۔ سجدۂ تلاوت کا موجب نماز میں ہو یعنی نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھی گئی ہو تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے یعنی اس سے زیادہ وقفہ نہ ہو جس میں تین آیتیں پڑھی جا سکیں بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھتے ہی سورت ختم کرنے سے پہلے سجدہ کرکے کھڑا ہو پھر سورت کو پورا کرلے اور تب رکوع میں جائے۔ اگر سجدۂ تلاوت نماز سے باہر واجب ہوا تو اُس کی ادائگی میں گنجائش ہے تاہم تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اگر اُس نے حالت نماز میں نماز سے باہر تلاوت کرنے والے کے منہ سے آیت سجدہ سنی تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کرلے۔

سجدۂ تلاوت واجب ہونے کی شرائط

حدث و نجاست سے پاک ہونا، عقل کا بجا ہونا، سجدۂ تلاوت کے لئے شرط ہے

جس طرح نماز کے لئے شرط ہے۔ البتہ آیت سجدہ سننے والے پر اگر وہ بطور ادا یا بطور قضا سجدہ کرنے کا اہل ہو تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے جو شخص نشے یا ناپاکی کی حالت میں ہو اُس پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بطور قضا اُس کے بجالانے کا اہل ہے ہاں اگر پڑھنے والا کوئی مجنون ہے یا بچہ ہے جو حد شعور کو نہ پہنچا ہو تو اُس کے منہ سے سُن کر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا کیونکہ صحتِ تلاوت کے لئے تمیز (شعور) ہونا شرط ہے، اسی طرح طوطا آیت سجدہ پڑھے یا فونو گراف (آلہ ضبط صوت) سے سنائی دے تو سجدۂ تلاوت واجب نہ ہو گا۔

اگر سجدے کی ایک آیت کئی بار پڑھی گئی جیسے قرآن یاد کرتے وقت تو ایک سجدہ کرنا ہو گا بشرطیکہ وقت اور جگہ نہ بدلے۔

اگر ایک ہی جگہ کئی آیات سجدہ پڑھی گئیں تو جتنی آیتیں پڑھی جائیں اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو تکبیروں کے درمیان ایک سجدہ کیا جائے پہلی تکبیر پیشانی کو زمین پر رکھتے وقت اور دوسری تکبیر سجدے سے اُٹھتے ہوئے۔ سجدے میں تین بار "سبحان ربی الاعلیٰ" کہنا چاہئیے، اس سجدے کے بعد تشہد اور سلام نہیں ہے۔

وہ آیات جن پر سجدۂ تلاوت کیا جاتا ہے

قرآن مجید میں چودہ مقامات ایسے ہیں جہاں سجدے کی آیتیں ہیں۔

۱۔ سورۂ اعراف کی آخری آیت نمبر	۲۰۶	رکوع	۲۴
۲۔ سورۂ رعد کی آیت نمبر	۱۵	رکوع	۲
۳۔ سورۂ نحل کی آیت نمبر	۴۹	رکوع	۶
۴۔ سورۂ اسرا کی آیت نمبر	۱۰۹	رکوع	۱۲
۵۔ سورۂ مریم کی آیت نمبر	۵۸	رکوع	۴
۶۔ سورۂ حج کی آیت نمبر	۷۷	رکوع	۱۰
۷۔ سورۂ فرقان کی آیت نمبر	۶۰	رکوع	۵

۸۔ سورۂ نمل کی آیت نمبر	۲۵	رکوع ۲	۲
۹۔ سورۂ سجدہ کی آیت نمبر	۱۵	رکوع ۲	۲
۱۰۔ سورہ صٓ کی آیت نمبر	۲۴	رکوع ۲	۲
۱۱۔ سورۂ حٰمٓ کی آیت نمبر	۳۸	رکوع ۵	۵
۱۲۔ سورۂ نجم کی آخری آیت نمبر	۶۲	رکوع	۳
۱۳۔ سورۂ انشقاق کی آیت نمبر	۲۱	رکوع	۱
۱۴۔ سورۂ علق کی آخری آیت نمبر	۱۹	رکوع	۱

آیات متذکرہ میں ہر ایک کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

سجدۂ شکر سجدۂ تلاوت کی طرح یہ بھی ایک ہی سجدہ ہے۔ یہ سجدہ کسی خوشی کے حاصل ہونے یا کسی بری بات کے ٹل جانے پر کیا جاتا ہے اور نماز سے باہر ادا کیا جاتا ہے۔ یہ سجدہ ایک امر مستحب ہے۔

مسافر کے لئے نماز میں قصر کرنے کی اجازت ایسے مسافر کو جس کی صفت آگے بیان کی جا رہی ہے چار رکعتوں والی نمازوں میں قصر کرنا (یعنی بجائے چار کے دو پڑھنا) جائز ہے، امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ کا قول یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام مالکؒ اسے سنت مؤکدہ فرماتے ہیں۔ اب اگر کوئی مسافر بجائے قصر کے پوری نماز پڑھتا ہے تو واجب کا ترک لازم آتا ہے جو مکروہ ہے اور سنت کے ثواب سے محرومی ہے۔

نماز قصر کا ثبوت قرآن، حدیث اور اجماع سے نماز میں قصر کرنا ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ

(نساء۔ آیت۔ ۱۰۱)

جب زمین پر سفر کے لئے نکلو تو نماز قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے درآنحالیکہ تمہیں کافروں سے فتنے کا اندیشہ ہو۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں قصر کرنے کا حکم خوف کے حالات میں ہے۔ امن کی حالت میں اس کی مشروعیت صحیح حدیثوں اور اجماع سے ثابت ہوتی ہے یعلی بن امیہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا۔ مالنا نقصر وقد امنا (امن کی حالت میں ہمارے لئے قصر کا کیا حکم ہے؟) انھوں نے فرمایا:

سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال صدقة تصدّق الله بها علیکم فَاقْبَلُوْا صدقتهٗ (مسلم)	اس بارے میں میں نے رسول اللہؐ سے پوچھا تھا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک صدقہ (عنایت) ہے جو اللہ نے تم پر فرمائی ہے تو اُس کی عطا کو قبول کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔

صحبت النبی صلی الله علیه وسلم فکان لا یزید فی السفر علی رکعتین و ابوبکرؓ وعمر وعثمان کذالك۔	میں آنحضرتؐ کا ہم سفر رہا ہوں حضورؐ نے کبھی دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔)

یہ بھی ثابت ہے کہ نبیؐ نے ہجرت کے بعد اہل مکہ کے ساتھ چار رکعت والی نماز پڑھی اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا، پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

اَتِمُّوْا صلوٰتکُمْ فانا قوم سفر	تم لوگ اپنی نمازیں پوری کرو، میں مسافر ہوں۔

قصر کے شرعی حکم ہونے میں اُمت کا اجماع ہے۔

قصر کے صحیح ہونے کی شرط

وہ مسافر جو اپنے گھر سے ایسی جگہ جانے کا ارادہ کرے جو اُس کے گھر سے ۴۸ میل دور ہو۔ ایک شخص اتنی مسافت یا اس سے زیادہ مسافت کے سفر کی نیت سے جوں ہی اپنی بستی سے باہر نکلے گا قصر نماز پڑھنے کا مجاز ہو جائے گا، خواہ یہ فاصلہ کسی تیز سواری سے جلدی کیوں نہ طے ہو جائے۔ مثلاً: ہوائی جہاز سے، تب بھی قصر کرنا صحیح ہو گا۔ (ردالمحتار و فتاویٰ عالمگیری)

قصر صرف فرض نمازوں میں ہے سنّت اور نفل نمازوں میں نہیں ہے

جب تک سفر کی نیت نہ کی جائے قصر کرنا صحیح نہ ہوگا۔ نیت کرنے والے کو کسی دوسرے کے ارادۂ سفر کا تابع نہیں ہونا چاہیئے اگر ایسا ہے تو اُس کی نیت سے قصر عائد نہیں ہوگا۔ اسی طرح دوران سفر کسی جگہ پندرہ یوم یا اس سے زیادہ قیام کی نیت ہو تو جب تک سفر میں ہے قصر واجب ہوگا، جب تک اقامت نہ کرلے، اگر دوران سفر کسی معصیت کا صدور ہوجائے تو یہ امر قصر سے مانع نہیں ہے۔

مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا قصر کرنے والا مسافر اگر کسی مقیم کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو پوری نماز پڑھنا واجب ہے مقیم مقتدی اگر مسافر امام کے پیچھے ہو تو اُسے بہر حال اپنی نماز پوری پڑھنا چاہیئے۔ مسافر امام کو سلام پھیرنے کے بعد کہہ دینا چاہیئے کہ میں مسافر ہوں آپ لوگ اپنی نماز پوری کرلیں۔

قصر باطل ہونے کی صورت مسافر جب گھر واپس آجائے یا کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرلے تو وہ مقیم متصور ہوگا اور قصر باطل ہوجائے گا۔

قصر نماز کی قضا اگر حالت سفر میں کوئی نماز قضا ہوجائے اور گھر پہنچ کر اُسے پڑھے تو قصر ہی پڑھنا چاہیئے، اسی طرح گھر پر اگر کوئی نماز قضا ہوگئی اور حالت سفر میں اُسے ادا کرنے کا موقع ملا تو پوری نماز پڑھے۔

مریض کی نماز کا بیان اگر کوئی شخص مریض ہے اور فرض نماز کھڑے ہوکر پڑھنے کے قابل نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھے۔ اگر کھڑا ہوسکتا ہے لیکن اس سے کسی اور مرض کے لاحق ہوجانے کا یا مرض میں زیادتی ہونے یا شفا پانے میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، اگر کسی کو سلسل بول کا مرض ہو، کھڑے ہونے سے پیشاب آجاتا ہو لیکن بیٹھ کر پڑھے تو طہارت باقی رہتی ہو ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ ایک تندرست آدمی جسے کھڑے ہونے سے بیہوشی یا سر چکرانے کا عارضہ لاحق ہوجاتا ہو تو بھی بیٹھ کر پڑھے، اگر کوئی شخص بغیر سہارا کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو سہارے سے کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتا ہے، سہارا خواہ دیوار کا ہو یا لکڑی وغیرہ کا جب اس طرح کھڑے ہونے کی قدرت ہو تو

بیٹھ کر نماز جائز نہیں۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا طریقہ

جو شخص کھڑے ہونے سے معذور ہو اور بیٹھ کر نماز پڑھے تو حنفی فقہا کے نزدیک قرأت اور رکوع کی حالت جس طرح بھی بہ آسانی بیٹھ سکتا ہو بیٹھے لیکن سجدے اور تشہد کی حالت میں دوزانو ہوکر بیٹھنا چاہیئے، اگر کوئی ہرج اور دشواری نہ ہو۔ بصورت دیگر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس میں زیادہ آسانی ہو۔

رکوع اور سجدے سے معذوری کا بیان

اگر کوئی شخص رکوع اور سجدہ یا ان میں سے کسی ایک کے کرنے سے معذور ہو تو جس کے ادا کرنے سے معذوری ہو اُسے اشارے سے ادا کرے۔ اب اگر کوئی شخص کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے مگر صرف رکوع نہیں کر سکتا تو اُسے واجب ہے کہ نیت باندھے اور قرأت کھڑے کھڑے کرے اور رکوع کا صرف اشارہ کرلے پھر سجدہ کرے اگر سجودسے بھی عاجز ہو تو بیٹھ کر اشارے سے سجدہ کرے۔ یعنی ایسی صورت میں جبکہ وہ کھڑے ہونے اور بیٹھ سکنے سے معذور نہ ہو تو رکوع کا اشارہ کھڑے ہوکر اور سجدے کا اشارہ بیٹھ کر کرنا چاہیئے۔ حنفی فقہا کے نزدیک کھڑے ہوکر اشارے سے رکوع اور سجدہ اُسی وقت صحیح ہے جبکہ بیٹھنے سے معذوری ہو بصورت دیگر بیٹھ کر رکوع وسجود کا اشارے سے کرنا افضل ہے۔

اگر کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر ہی رکوع وسجود اشارے سے کیا جائے اور سجدے کے اشارے میں رکوع سے زیادہ جھکنا واجب ہے۔

اگر کوئی شخص افعال نماز میں سے کوئی فعل ادا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اشارہ کرے یا دل میں اجزائے نماز کا تصور کرے تو ایسا ہی کرنا واجب ہے۔ اگر آنکھوں سے اشارہ کرنے کی قدرت ہے تو محض افعال نماز کا تصور دل میں کرلینا کافی نہیں ہے۔ حنفی فقہا کے نزدیک جو شخص محض آنکھ پلک یا دل سے اشارہ کر سکتا ہے تو ایسی حالت میں نماز سے بری الذمہ متصور ہوگا خواہ عقل قائم ہو یا نہ ہو اور ایسے مریض پر قضا واجب نہیں ہے بشرطیکہ فوت شدہ نمازوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہوجائے بصورت دیگر قضا واجب ہے۔

اگر کوئی مریض نماز پڑھنے میں شفایاب ہو جائے تو اس نماز کو جاری رکھے اور جس طرح ادا کرنے کی قدرت ہوئی ہے اسی طرح نماز کو پورا کرے۔ جو شخص معذوری کے باعث بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور اسی اثنا میں کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا تو نماز کو جاری رکھے اور کھڑا ہو کر باقی نماز پوری کرے۔ اگر کوئی شخص بیٹھ کر اشاروں کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اسی دوران وہ رکوع و سجود کے قابل ہو گیا تو اگر یہ تبدیلی ایک رکعت نماز اشاروں سے پڑھ لینے کے بعد ہوئی تو اسی نماز کو جاری رکھے، لیکن اگر رکعت پوری نہیں پڑھی ہے تو نماز توڑ دے اور از سرِ نو نماز شروع کرے، اسی طرح اگر کوئی شخص پہلو کے بل لیٹ کر نماز اشارے سے پڑھ رہا ہو اور دوران نماز بیٹھنے کے قابل ہو جائے تو اُسے بھی از سرِ نو نماز پڑھنا چاہیئے۔

مریض کی عیادت

بیمار کی عیادت کرنا اسلامی شریعت میں سنت کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلم، غیر مسلم، امیر، غریب سب کی عیادت کے لئے جانا چاہیئے۔ نبی علیہ السلام یہودیوں اور منافقوں کی عیادت کرنے بھی جایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں جن میں سے دو یہ ہیں:

۱۔ جب وہ بیمار پڑے تو اُس کی عیادت کی جائے، اور

۲۔ جب اُس کا انتقال ہو جائے تو اُس کے جنازے میں شرکت کی جائے۔

عیادت میں مریض کی خدمت کرنا اور اُسے تسلی دینا بھی شامل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کرنے جاتے تو کبھی کبھی مریض سے فرماتے "لا بأس طهور ان شاء الله" گھبراؤ نہیں انشاء اللہ یہ بیماری تمہیں گناہوں سے پاک وصاف کر دے گی۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں ہم میں سے جب کوئی بیمار پڑتا تو آپ اپنا داہنا ہاتھ مریض کے بدن پر پھیرتے اور اُس کے لئے دُعا فرماتے:

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَ اشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سُقْمًا۔	پروردگار عالم اس درد اور تکلیف کو دور کر اور شفا عنایت کر تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں اور شفا ایسی عنایت کر جو بیماری کو باقی نہ رکھے۔

موت کی بیماری جب اللہ کسی کی اجل پوری کردے اور موت کی علامتیں معلوم ہونے لگیں تو اس کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا چاہیئے۔ سنت یہ ہے کہ جب کسی کا وقت قریب آجائے تو اس کا رُخ قبلے کی جانب کر دینا چاہیئے، بایں طور کہ اس کو دائیں کروٹ دلادی جائے اور منہ قبلے کی جانب کر دینا چاہیئے، بشرطیکہ ایسا کرنے میں اس کو تکلیف نہ ہو۔ اگر اس بات کا اندیشہ ہو تو چت لیٹے رہنے دیا جائے اور پاؤں قبلے کی جانب کرکے سر کسی قدر اونچا کر دیا جائے تاکہ منہ قبلے کی طرف ہو جائے، مالکی کہتے ہیں ایسا کرنا مستحب ہے سنت نہیں ہے۔ کلمۂ شہادت کی تلقین کرنا چاہیئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ کلمۂ شہادت بیمار کے کانوں تک پہنچے تاکہ وہ بھی سنے اور اپنی زبان سے کلمہ ادا کرنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ	یعنی مرنے والوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا
فانہ لیس من مسلم یقولہا	کرو کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو موت کے
عند الموت الا انجتہ	وقت یہ کہے اور دوزخ سے نجات کے بغیر
من النار	رہ جائے۔

اس حدیث کو حفص بن شاہین نے باب الجنائز میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے:

لقنوا موتاکم شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ — اپنے مرنے والوں کو کلمۂ شہادت کی تلقین کرو

تلقین کی صورت یہ ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھ کر سناتے رہیں تاکہ وہ خود بھی پڑھے اس سے پڑھنے کے لئے کہا نہ جائے۔ اس کے پاس سورۂ یٰسٓ پڑھنا بھی مستحب ہے اور پاس بیٹھنے والے لوگوں کو اس کے حق میں دعائے خیر کرنا چاہیئے، کیونکہ اس وقت کی جانے والی دعا پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

میت کے اعضا کو درست کرنا جان نکل جانے کے بعد فوراً اس کے اعضا درست کر دینا چاہیئے، آنکھوں کو ڈھانک دینا چاہیئے، ہاتھ پیروں کو سیدھا کر دینا چاہیئے، ایک کپڑے کی چٹ لے کر پیر کے دونوں انگوٹھوں کو ملا کر

باندھ دیا جائے اور ایک چٹ لے کر اس کی داڑھی کے نیچے سے نکال کر سر کے اوپر لے جا کر باندھ دیں تاکہ دونوں ٹانگیں برابر رہیں، پھیلنے یا کھڑی ہونے نہ پائیں اور منہ بند رہے اس کے بعد ایک چادر سے اس کا پورا بدن ڈھک دیا جائے، اعضا درست کرتے وقت یہ پڑھتے رہنا چاہئے "بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلیٰ مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ"۔ اس کے قریب کوئی خوشبودار چیز جلادی جائے جیسے لوبان یا اگربتی وغیرہ۔ حیض ونفاس والی عورتوں اور ناپاک مردوں کو قریب نہیں جانا چاہئے جب تک غسل نہ دیدیا جائے میت کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔

غسلِ میت

میت کو غسل دینا زندوں پر فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگوں نے اس فرض کو انجام دے لیا تو دوسرے اشخاص اس سے بری الذمّہ ہو جائیں گے۔
غسل دینا صرف ایک بار فرض ہے بہ ایں طور کہ تمام بدن پر پانی پہنچ جائے اور تین بار غسل دینا سنّت ہے لیکن مالکی فقہا کے نزدیک مستحب ہے۔

شرائطِ غسلِ میت

(۱) مسلمان کو غسل دینا فرض ہے۔ کافر کو غسل دینا فرض نہیں ہے۔ محض ستھرائی کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ اسقاط شدہ بچے کو غسل دینا فرض نہیں ہے، اسقاط سے مراد مدت حمل پوری ہونے سے پہلے بچے کا رحم مادر سے خارج ہو جانا ہے۔ اب اگر اُس میں جان پڑ گئی تھی یا اعضا بن گئے تھے لیکن مردہ پیدا ہوا تو دونوں صورتوں میں امام شافعیؒ کے نزدیک غسل دیا جائے گا۔

۳۔ میت کے جسم کا کچھ حصّہ مل گیا ہو تب بھی غسل دیا جائے گا۔ حنفی فقہا کے نزدیک جسم کا بیشتر حصہ یا نصف حصّہ مع سر کے پایا جانا ضروری ہے، اس سے کم ہو تو غسل دینا فرض نہیں ہے۔

۴۔ میت شہید کی نہ ہو یعنی اُس کی جو اللہ کا نام بلند کرنے میں قتل کر دیا گیا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے متعلق فرمایا:

لا تغسلوھم فان کل جرح او کل دم یفوح مسکا یوم القیامۃ ولم یصل علیھم	انھیں غسل نہ دو ان کا ہر زخم قیامت کے روز مشک کی طرح مہکتا ہوگا ان کی نماز جنازہ بھی آپؐ نے نہیں پڑھی۔

یہ حدیث احمد نے روایت کی ہے۔

اگر پانی دستیاب نہ ہونے یا نہلانے کے قابل نہ ملنے کے باعث میت کو غسل دینا دشوار ہو تو اس کی بجائے تیمم کیا جائے۔ اگر کوئی شخص جل کر مر گیا اور نہلانے میں جسم بکھر جانے کا اندیشہ ہو تو جسم نہ دھونا چاہیئے، اگر پانی بہانے سے جسم کے بکھرنے کا اندیشہ نہ ہو تو تیمم نہ کیا جائے بلکہ صرف پانی بہا کر غسل دیا جائے۔

میت کا ستر دیکھنا اور ہاتھ لگانا میت کے ستر کا ڈھکنا واجب ہے۔ نہلانے والے یا کسی شخص کو نہ تو دیکھنا حلال ہے نہ ہاتھ لگانا۔

نہلانے والے پر واجب ہے کہ ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر مقام ستر کو دھوئے، خواہ ستر خفیف ہو یا ستر غلیظ ہو، رہا باقی جسم تو اُسے ہاتھ پر کپڑا لپیٹے بغیر دھونا درست ہے۔ کسی مرد کا عورت کی میت کو غسل دینا یا اس کے برعکس حلال نہیں ہے، ہاں میاں بیوی کا ایک دوسرے کی میت کو غسل دینا حلال ہے، مالکی اور شافعی مسلک اس مسئلہ میں متفق ہیں اس شرط کے ساتھ کہ بیوی طلاق یافتہ نہ ہو۔ حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر عورت کا انتقال پہلے ہو جائے تو مرد کو غسل دینے کا حق نہیں ہے کیونکہ نکاح سے جو حق مرد کا عورت پر ہو جاتا ہے وہ موت کے بعد ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر شوہر مر جائے تو بیوی اُس کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ اس وقت وہ عدت میں ہو گی اور اُس کی زوجیت اُس عورت کے حق میں باقی متصور ہو گی، اگرچہ مرنے سے پہلے طلاق رجعی دے دی ہو۔ ہاں جس کو طلاق بائن مل چکی ہو اُسے جائز نہیں ہے۔ حنبلی فقہا کی رائے بھی یہی ہے۔

اگر کوئی عورت ایسی جگہ وفات پائے جہاں کوئی اور عورت نہیں ہے صرف مرد ہیں۔ خاوند بھی نہیں ہے اور کسی غسل دینے والی عورت کا ملنا بھی دشوار ہے۔ یہ صورت حال دوران سفر میں پیش آسکتی ہے، ایسی صورت میں حنفی فقہا کہتے ہیں کہ اگر اس کا محرم کوئی مرد بھی موجود ہو تو کہنیوں تک اس کا تیمم کرے اور اگر محرم نہ ہو تو اجنبی مرد ہاتھ پر کچھ لپیٹ کر اسی طرح تیمم کر دے لیکن کہنیاں دیکھنے سے آنکھ بند رکھے۔

اسی طرح اگر کوئی مرد ایسی جگہ وفات پا جائے جہاں عورتوں کے سوا کوئی مرد نہ ہو اور بیوی بھی نہ ہو تو چاہیئے کہ کسی بے نفس معصوم طبع عورت کو غسل کا طریقہ سکھا کر غسل دلوا دیں اور اگر ایسی عورت بھی موجود نہ ہو تو وہی عورتیں کہنیوں تک اس میت کا تیمم کر دیں۔

صغیر السن بچے کی میت کو عورت کا غسل دینا اور بچی کو مرد کا غسل دینا جائز ہے۔

مستحبات غسل میت تین بار میت کے پورے جسم پر پانی پہنچانا۔ اس میں پہلی دفعہ کا غسل فرض ہے۔ آخری غسل دیتے وقت پانی میں خوشبو ملانا (مثلاً کافور) افضل ہے۔ بشرطیکہ میت حالت احرام میں نہ ہو۔ دوسرے غسل کے پانی میں میل دور کرنے والی شے (بیری کے پتے وغیرہ) ملا لینا چاہیئے۔ نیم گرم پانی سے نہلانا افضل ہے۔ غسل دینے کے بعد میت کے سر اور داڑھی میں خوشبو لگائی جائے۔ پیشانی۔ ناک۔ دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں، آنکھوں، کانوں اور بغل کے نیچے خوشبو لگانا مستحب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کافور ہو۔ خوشبو لگانے کا عمل اس حالت میں صحیح نہیں ہے جب میت نے حالت احرام میں وفات پائی ہو۔ میت کے قریب خوشبودار چیز کی دھونی دینا مستحب ہے۔ تختۂ غسل پر لٹاتے وقت تین یا پانچ بار تخت کے چاروں طرف دھونی کے برتن کو پھرایا جائے اور کفن پہناتے وقت بھی اسی طرح کیا جائے۔ غسل کے وقت میت کے تمام کپڑے، ستر ڈھکنے والے کپڑوں کے علاوہ اتار لئے جائیں پھر میت کو اُسی طرح وضو کرایا جائے جیسے زندہ انسان نہانے کے وقت وضو کرتا ہے۔ کُلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی جگہ کلمہ کی اُنگلی اور انگوٹھے پر دھجی لپیٹ کر پانی سے تر کر کے میت کے دانتوں، مسوڑھوں کا مسح کیا جائے اور نتھنوں کا مسح کیا جائے۔

مکروہ ہے میت کے سر اور داڑھی میں کنگھی کرنا یا مونچھ اور بغل وغیرہ کے بالوں کا تراشنا بلکہ اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز الگ ہو جائے تو بھی اُسے ضائع نہ کیا جائے بلکہ کفن کے ساتھ رکھ کر دفن کر دینا چاہیئے۔

غسل دینے کے بعد میت سے نجاست خارج ہونا اگر غسل دینے کے بعد میت سے نجاست خارج ہو اور بدن یا کفن آلودہ جائے تو صرف اس نجاست کا صاف کرنا واجب ہے دوبارہ غسل نہ دیا جائے۔

میت کو غسل دینے کا طریقہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت کسی اونچی چیز مثلاً نہلانے کے پٹڑے پر رکھا جائے۔ دھونی دینے اور کپڑے اتارنے کا طریقہ بھی بتایا جا چکا ہے، میت کے پاس غسل دینے والے اور اس

کے معاون کے سوا کسی کو نہ ہونا چاہیئے۔ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تر کے پہلے اگلی پچھلی شرم گاہوں کو دھوئے پھر وضو کرائے، وضو میں ابتدا چہرے کے دھونے سے ہونی چاہیئے، کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ممکن نہیں اس کے بجائے کپڑے کی دھجی سے دانتوں، مسوڑھوں اور نتھنوں کی صفائی کا بیان پہلے ہو چکا ہے ___ سر اور داڑھی کے بالوں کو وضو کے بعد خوب مل کر کسی میل کاٹنے والی چیز (مثلاً صابن وغیرہ) سے دھونا چاہیئے، پھر میت کو بائیں کروٹ لٹا دیا جائے اور داہنے پہلو کو دھویا جائے اور سر سے پاؤں کی طرف تین بار پانی بہایا جائے۔ پیٹھ دھونے کے لئے صرف پہلو کی جانب اس طرح ہلایا جائے کہ پانی تمام جگہ پہنچ جائے پھر داہنی کروٹ لٹا کر بائیں پہلو کو اسی طرح ہلکے ہلکے بدن کو مل کر دھویا جائے اور سر سے پیر تک تین بار پانی بہایا جائے، یہ دو غسل ہو گئے۔ نہلانے والے کو چاہیئے کہ میت کو اپنے سہارے پر رکھ کر بٹھائے اور آہستہ آہستہ پیٹ پر ہاتھ پھیرے اور جو کچھ خارج ہو اُسے دھو ڈالے، اس کے بعد میت کو بائیں کروٹ پر لٹا دیا جائے اور بہ طریق سابق پانی بہایا جائے، یہ تیسرا غسل ہو گیا۔ ابتدائی دو غسل گرم پانی سے اور میل کاٹنے والی شے مثلاً بیری کے پتے اور صابن کے ساتھ دئے جائیں تیسرے غسل کے وقت پانی میں کافور استعمال کیا جائے، اس کے بعد میت کے بدن کو پونچھ کر خشک کر لیا جائے اور اُس پر خوشبو مل دی جائے۔ پھر وہاں سے دوسری جگہ ہٹا کر کفنا دینا چاہیئے۔

کفنانے کا بیان

میت کو کفنانا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، کفن اتنا ہونا چاہیئے کہ میت کا تمام بدن ڈھک جائے، اگر اس سے کم ہوا تو فرض کفایہ مسلمانوں کے ذمہ سے ادا نہ ہو گا۔ میت کا کفن اُس کے خاص ذاتی مال میں سے ہونا چاہیئے جس کے ساتھ کسی غیر کا حق وابستہ نہ ہو۔ اگر اُس کا خالص مال موجود نہ ہو تو جس پر اُس کی زندگی میں اُس کا نفقہ واجب تھا، کفن اُس شخص کے ذمے ہے، اگر ایسا شخص بھی موجود نہ ہو تو بیت المال سے کفن کا خرچ لیا جائے بشرطیکہ مسلمانوں کا بیت المال ہو اور اس سے لینا ممکن ہو ورنہ صاحب مقدور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اسے مہیا کریں، جنازے کے دوسرے اخراجات اور دفنانے کے مصارف اسی میں شامل ہیں۔

مرد کا کفن ایک چادر (لفافہ) ایک تہ بند (ازار) ۔ کرتا (کفنی) مرد کا کفن ہے۔ چادر مرد کے قد سے ایک ہاتھ زیادہ ہونا چاہئیے اور چوڑائی اتنی کہ پورا جسم اُس میں لپیٹا جا سکے۔ ازار کی چوڑائی چادر کے برابر اور لمبائی چادر سے بالشت بھر کم رکھی جائے۔ کرتے کی چوڑائی چادر اور ازار کی چوڑائی کے برابر اور لمبائی گردن سے شرمگاہوں تک، اس کو بیچ سے اتنا پھاڑ دیا جائے کہ اس میں سر چلا جائے۔

عورت کا کفن تین مذکورہ بالا کپڑوں کے علاوہ دو کپڑے اور ہونے چاہئیں ایک سر بند دوسرے سینہ بند، سر بند ایک گز سے کم چوڑا اور ایک گز سے کچھ زیادہ لمبا ہونا چاہئیے۔ سینہ بند کی لمبائی بغل سے گھٹنے تک اور چوڑائی ازار کی چوڑائی کے برابر رہے۔

اس طرح مردوں کے کفن کے لئے زیادہ سے زیادہ ۱۲ گز اور عورتوں کے کفن کے لئے یا ۱۹ گز کپڑا کافی ہے۔ غسل دینے کے لئے دستانے اور تہ بند کے کپڑے اس کے علاوہ ہیں، اسی طرح عورت کے پردے کے لئے چادر بھی اس کے علاوہ ہے۔

کفن دینے کا طریقہ پہلے کسی صاف تخت، چارپائی یا چٹائی پر چادر بچھا دی جائے، اس کے اوپر ازار والا کپڑا بچھا دیا جائے، اُس کے اوپر کرتے کا نصف حصہ بچھا دیا جائے اور نصف لپیٹ کر سرہانے چھوڑ دیا جائے۔ پھر میت کو غسل کے تختہ سے اُٹھا کر اُس پر لے آئیں، کرتے کا نصف لپٹا ہوا حصہ سر میں ڈال کر شرمگاہ تک پھیلا دیں پھر ازار کی چادر کا بایاں حصہ پھر داہنا حصہ لپیٹ دیں، ایسا کرتے وقت وہ تہ بند جو نہلاتے وقت بندھا تھا نکال دیا جائے۔ اسی طرح چادر کو بھی لپیٹ دیں اور اُس کے دونوں سروں کو ایک چٹ سے باندھ دیں تاکہ کھلنے نہ پائے، عورت کے کفن میں کرتا پہنانے کے بعد اُس کے سر کے بالوں کو دو حصوں میں کر کے سینے کے اوپر لے آئیں اور سر بند کو اُس کے اوپر ڈال دیں، ازار کو لپیٹنے کے بعد سر بند کو لپیٹ دیں۔ بعد میں چادر کو اس طرح لپیٹا جائے کہ بائیں جانب کا کنارہ دائیں جانب اور دائیں جانب کا بائیں جانب ہو۔ سب سے زیادہ پسندیدہ کفن وہ ہے جو سفید کپڑے کا ہو خواہ نیا ہو یا پرانا، ہر ایسا لباس جس کا پہننا مردوں کو زندگی میں مباح ہے، مرنے کے بعد اُس کا کفن بھی مباح ہے اور ہر ایسا لباس جس کا پہننا زندگی میں مکروہ ہے اُس کا کفن بھی مکروہ ہے لہٰذا مردوں کو

ریشم، زرد یا زعفرانی رنگ کے کپڑوں میں کفن دینا مکروہ ہے جبکہ عورتوں کو ایسا کفن دینا جائز ہے کفن کی تمام چادروں میں حنوط (خوشبو) لگانا بہتر ہے۔

نماز جنازہ

جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے، اگر بستی کے بعض لوگوں نے پڑھ لی اور کچھ نے نہیں پڑھی تو سب کے ذمّے سے فرض ادا ہوگیا البتہ ثواب نماز پڑھنے والوں ہی کو ملے گا۔

نماز جنازہ کا طریقہ

نماز پڑھانے والا میت کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہو پھر نماز جنازہ ادا کرنے کی نیت اللہ کی عبادت کے لئے ہر نماز پڑھنے والا کرے پھر ہاتھ اُٹھا کر تکبیر تحریمہ کہے اور ثنا "سُبحٰنَکَ اللّٰھُمَّ" پڑھے۔ دوسری تکبیر بغیر ہاتھ اُٹھائے کہے اور درود پڑھے، پھر تیسری تکبیر بھی بغیر ہاتھ اُٹھائے کہے اور میت کے حق میں اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے، اُس کے بعد چوتھی تکبیر بغیر ہاتھ اُٹھائے کہے، پھر سلام پہلے دائیں جانب اُس کے بعد بائیں جانب پھیرے، سلام میں میت کو سلام کی نیت نہ کرے بلکہ دائیں بائیں کے لوگوں کی نیت کی جائے تکبیر کے علاوہ تمام نماز آہستہ ادا کی جائے۔ نماز سے پہلے صفیں درست کرنا اور کم سے کم تین صفیں بنانا چاہئیے، زیادہ سے زیادہ جتنی بھی ہو جائیں۔

نماز جنازہ کے ارکان

پہلا رُکن نیت ہے۔ امام اعظم اور امام حنبل رحمہما اللہ نیت کو شرط مانتے ہیں، رکن نہیں۔ جس طرح دوسری نمازوں میں نیت لازمی ہے اسی طرح جنازے کی نماز میں بھی لازمی ہے۔ بعض فقہا نیت میں یہ تعین بھی ضروری کہتے ہیں کہ میت مرد ہے یا عورت یا نابالغ لڑکا یا لڑکی لیکن اگر کسی کو معلوم نہ ہو سکے تو یہ نیت کرے کہ میں اُس کے لئے جنازے کی نماز پڑھ رہا ہوں جس کے لئے امام پڑھ رہا ہے اور دعا جو تیسری تکبیر کے بعد مانگی جاتی ہے اُس میں بھی میت کی نیت کی جاتی ہے۔

دوسرا رکن تکبیرات ہیں ان کی تعداد تکبیر تحریمہ کو ملا کر چار ہے، ہر تکبیر ایک رکعت کے برابر ہے اور تکبیروں کے رکن ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

تیسرا رکن پوری نماز کا حالت قیام میں پورا کرنا ہے۔ بلا عذر بیٹھ کر اگر نماز پڑھی تو نماز جنازہ ادا نہیں ہو گی، اس میں بھی سب کو اتفاق ہے۔

چوتھا رکن میت کے حق میں دعا کرنا ہے جو بالغ اور نابالغ کے لئے الگ الگ طریقے سے پڑھی جاتی ہے۔

پانچواں رکن سلام ہے۔ سلام چوتھی تکبیر کے بعد پھیرا جاتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ واجب ہے رکن نہیں ہے لہٰذا اگر یہ رہ جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔

دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھنا بھی حنفی فقہاء کے نزدیک سنت ہے رکن نہیں ہے۔ سورۂ فاتحہ کی نماز جنازہ میں تلاوت حنفی اور مالکی فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ شافعی اور حنبلی فقہاء اُس کا تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھنا افضل کہتے ہیں۔

نماز جنازہ کی شرطیں

ایک شرط یہ ہے کہ میت مسلمان کی ہو۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ اور قرآن عظیم پر ایمان نہ رکھنے والوں کے لئے اللہ کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (سورۂ توبہ آیت ۸۵)

ان کفار میں سے جو مر جائے اُس پر کبھی نماز جنازہ نہ پڑھو۔

ایک شرط میت کا نماز جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے موجود ہونا ہے۔ آنحضرتؐ کا نجاشی کی غائبانہ نماز پڑھنا آپؐ کا مخصوص عمل تھا، حنفی اور مالکی فقہاء میت کی موجودگی کو شرط قرار دیتے ہیں جبکہ شافعی اور حنبلی فقہاء غائبانہ نماز جنازہ کو جائز کہتے ہیں اگر میت اس شہر کی نہ ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت کو غسل دے کر یا تیمم سے پاک کیا جاچکا ہو اس سے پہلے نماز جنازہ جائز نہیں، اس پر سب متفق ہیں۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت نماز پڑھنے والوں کے آگے ہو، پیچھے نہ ہو، اس پر بھی سب فقہاء کا اتفاق ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ میت گاڑی پر یا کسی سواری پر رکھی ہوئی نہ ہو، حنفی اور حنبلی فقہاء کا یہی قول ہے جبکہ شافعی اور مالکی فقہاء نماز جنازہ اس صورت میں بھی جائز کہتے ہیں اگر میت

کسی جانور پر یا ہاتھوں پر ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ شہید کی میت نہ ہو کیونکہ شہید کو غسل دینا اور نماز جنازہ پڑھنا دونوں معاف ہیں۔

نماز جنازہ میں ثنا اور دُعا تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھنے میں وہی الفاظ ادا ہوں جو عام نمازوں میں کہے جاتے ہیں "و تعالیٰ جدُّکَ" کے بعد " وجلّ ثناؤک بھی پڑھنا چاہیئے۔ دوسری تکبیر کے بعد درود جس طرح عام نمازوں میں پڑھا جاتا ہے پڑھا جائے۔ تیسری تکبیر کے بعد دعا کے الفاظ بالغ مرد اور عورت کے لئے یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَ غَآئِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَ ذَکَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

اے اللہ ہمارے زندوں ہمارے مُردوں ہمارے حاضروں ہمارے غائبوں ہمارے چھوٹوں ہمارے بڑوں ہمارے مَردوں اور ہماری عورتوں کو بخش دے اے اللہ ہم میں سے جس کو تو زندہ رکھے اُس کو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو موت دے اُس کو ایمان کے ساتھ موت دے۔

احادیث میں یہ دُعا بھی آئی ہے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَ عَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَ اَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْہُ دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِہٖ وَ اَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَزَوْجًا خَیْرًا

اے اللہ تو اسے بخش دے اُس پر رحم کر اس کو معاف کردے اور اس کو اپنی حفاظت میں لے لے اور اس کو اچھا ٹھکانا دے اور اس کی قبر وسیع کر، اور اُسے پانی برف اور اولے سے دھو دے اُس کو گناہوں سے ایسا پاک صاف کردے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف ہوتا ہے اُس کو دُنیا کے گھر سے اچھا گھر اور اس کے گھر والوں سے اچھے گھر

مِنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ۔

والے اور یہاں کی شریک زندگی سے اچھی شریک زندگی نصیب کر اس کو جنت میں داخل کر اور قبر اور دوزخ کے عذاب سے اس کو بچالے۔

یہ تو بالغ مردوں اور عورتوں کے لئے دُعا تھی، نابالغ لڑکے کے لئے یہ دُعا پڑھے،

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّ اجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔

اے اللہ اس لڑکے کو ہماری مغفرت کا ذریعہ بنا اور اس کو ہمارے لئے اجر اور آخرت کا سامان بنا اور اس کو ہمارا سفارشی بنا ایسا سفارشی جس کی سفارش قبول کی جائے۔

اگر نابالغ لڑکی ہو تو یہ دعا پڑھی جائے گی

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهَا لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا وَّ اجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً۔

اے اللہ اس لڑکی کو ہماری بخشش کا ذریعہ بنا اور اس کو ہمارے لئے اجر اور ذخیرۂ آخرت بنا اور اس کو ہمارا شفاعت کنندہ بنا اور اور ایسا شفاعت کنندہ جس کی شفاعت مقبول ہو۔

نماز جنازہ کی تکبیریں

نماز جنازہ کی تکبیریں جیسا کہ بیان کیا جا چکا کُل چار ہیں نہ زیادہ نہ کم۔ اگر امام چار تکبیروں سے زیادہ کہے تو مقتدیوں کو مزید تکبیروں میں امام کی پیروی نہیں کرنا چاہئیے اور انتظار کرنا چاہئیے کہ سلام پھیر دے اس طرح سب کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ اگر امام نے چار سے کم تکبیریں کہیں تو اس کی اور مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہو جائے گی۔ اگر سہواً تکبیر چھوٹ گئی تو اس کی تلافی نماز میں کمی کی تلافی کی طرح کر لی جائے لیکن اس میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔

اگر کوئی مقتدی نماز جنازہ میں اس وقت شامل ہوا جب کہ امام ایک یا زیادہ اس مسئلے کے متعلق حنفی مسلک یہ ہے کہ مقتدی کوئی تکبیر نہ کہے بلکہ اما

کی تکبیر کا انتظار کرے اور اُس کے ساتھ تکبیر کہے۔ مسبوق کو چاہیئے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد رہی ہوئی تکبیروں کو پورا کرے۔

مکرر نماز جنازہ پڑھنا دوسری بار میت پر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، یہ مسلک حنفی اور مالکی علماء کا ہے۔ شافعی اور حنبلی فقہاء کے نزدیک جس نے پہلی بار نماز جنازہ نہیں پڑھی اُسے دوسری بار نماز پڑھنا جائز ہے خواہ دفن کے بعد پڑھے

مسجد میں نماز جنازہ مسجدوں میں میت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور مسجد میں جنازہ لانا بھی مکروہ ہے، صرف شافعی مسلک میں مسجد کے اندر نماز جنازہ کو مستحب کہا گیا ہے، قبر کو سامنے کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

شہید کا بیان شہید وہ ہے جس کو ظلم سے ناحق قتل کیا گیا ہو خواہ جنگ میں قتل ہوا ہو یا کسی باغی نے، کسی دشمن نے، کسی رہزن یا چور نے قتل کیا ہو۔ خواہ اپنے جان و مال کی حفاظت میں یا مسلمانوں یا ذمیوں کی حفاظت میں شہید کیا گیا ہو تو وہ دنیا و آخرت کا شہید یعنی شہید کامل ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایسے شہید کو غسل نہ دیا جائے لیکن خون کے علاوہ کوئی اور نجاست لگ جائے تو اُسے دھونا چاہیئے۔ شہید کو اُس کے اپنے لباس میں دفن کر دینا چاہیئے۔ شہید کامل کے لئے عقل، بلوغ، اسلام اور حدث اصغر و اکبر سے پاکی، عورت کے لئے حیض و نفاس سے پاکی شرط ہے اور یہ کہ سبب ہلاکت وارد ہونے کے بعد بغیر کچھ کھائے پئے یا سوئے موت آگئی ہو، نہ قتل کی جگہ سے زندگی کی حالت میں کسی خیمے یا گھر میں منتقل کیا گیا ہو، نہ نماز کا پورا وقت گزرنے پایا ہو اور اُس کے قتل پر قصاص واجب ہوتا ہو (اگر کسی وجہ مثلاً صلح ہونے سے حکم قصاص مرتفع ہو جائے تو بھی وہ شہید کامل ہے) اسے خون آلود لباس کے ساتھ ہی دفن کیا جائے، اگر اس کے جسم پر ایسی اشیاء ہوں جو کفن کی صلاحیت نہیں رکھتیں مثلاً فر، روئی دار لباس، ٹوپی جراب، ہتھیار، اور زرہ تو اُنھیں اتار لیا جائے بخلاف پاجامے کے اُسے نہیں اُتارا جائے اور اگر جسم پر کوئی اور لباس نہ ہو تو فر اور روئی دار لباس بھی نہ اُتارا جائے، علمائے احناف شہید کے جنازے پر نماز پڑھی جانے کا حکم دیتے ہیں۔

دوسرا شہید وہ ہے جو صرف شہید آخرت ہو، یہ وہ ہے جو شرائط سابقہ میں سے کوئی شرط

پوری نہ کرتا ہو، مثلاً ظلم سے قتل کیا گیا ہو لیکن ناپاکی کی حالت میں یا سبب ہلاکت وارد ہونے کے معًا بعد موت نہ آئی ہو۔ نابالغ یا مجنون ہو یا نادانستہ طور پر قتل ہوا ہو' ایسے لوگوں کو شہید آخرت کہا جائے گا۔ قیامت میں اُن کا وہی اجر ہے جس کا وعدہ شہدا کے لئے کیا گیا ہے' شہید آخرت کے زمرے میں وہ بھی ہیں جو ڈوب یا جل کر یا غریب الوطنی کی حالت میں یا وبائی امراض یا استسقا یا پیچش یا نمونیا، دمہ، سِل یا دق (یعنی تپ محرقہ) کے مرض میں یا زہریلے جانور کے کاٹنے یا ایسے ہی کسی سبب سے وفات پا جائیں۔ طلب علم کے دوران اور جمعہ کی رات کو مرنے والا بھی ایسا ہی ہے، ایسے شہدا کو غسل دیا جائے' کفنایا جائے اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے اگرچہ آخرت میں اُن کا اجر شہدا جیسا ہے۔

تیسری قسم "شہید دنیائے محض" کی ہے اس سے وہ منافق مراد ہے جو مسلمانوں کی صف میں قتل کیا گیا ہو اس کو غسل نہیں دیا جائے' اُسی کے کپڑوں میں دفن کیا جائے اور اس کی ظاہری حالت کے پیش نظر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

اوپر لکھے گئے مسائل حنفی مسلک کے مطابق ہیں۔

جنازہ اُٹھانے کا طریقہ

میت کو لے کر قبرستان تک جانا بھی غسل دینے' کفن پہنانے اور نماز جنازہ پڑھنے کی طرح فرض کفایہ ہے' اس کا مسنون طریقہ حنفی مسلک میں یہ ہے کہ چار آدمی اُدل بدل کر جنازے کو قبرستان تک لے جائیں بایں طور کہ ہر طرف سے جنازے کو کاندھے پر لے کر دس دس قدم چلیں، بہتر یہ ہے کہ پہلے دائیں پہلو کا سرہانہ پھر دائیں پہلو کی پائتی پھر بائیں پہلو کا سرہانہ پھر بائیں پہلو کی پائتی کاندھے پر لے کر دس دس قدم چلا جائے، دودھ پیتے بچے یا دودھ چھڑائی کے بعد فوت ہو جانے والے بچے کا جنازہ ہاتھوں پر اُٹھایا جائے اور اسی طرح باری باری سے لوگ اُسے ہاتھوں پر اُٹھا کر لے چلیں، عورت کے جنازے کو اوپر سے ڈھکا ہوا ہونا چاہیئے، اسی طرح قبر کو بھی عورت کو دفن کرتے وقت ڈھکا رکھا جائے' یہاں تک کہ لحد میں اُتارنے سے فراغت حاصل ہو جائے کیونکہ عورت چوٹی سے پاؤں تک تمام پردے کی چیز ہے۔

جنازے کے ساتھ چلنے اور اس کے متعلقہ مسائل

جنازے کے ساتھ جانا سنّت ہے اور افضل یہ ہے کہ پیدل چلے، اگر کسی وجہ سے پیدل نہ جا سکتا ہو تو سواری پر چلنے میں مضائقہ نہیں لیکن جنازے سے آگے جانا مکروہ ہے، افضل یہ ہے کہ جنازے کے پیچھے رہا جائے، دائیں بائیں چلنا خلاف اولیٰ ہے، عورتوں کا جنازے کا ساتھ جانا مکروہ تحریمی ہے۔ جنازے کے ساتھ خاموش چلنا چاہئیے، اگر ذکر اذکار کرنا چاہے تو آہستہ آہستہ کرلے، جنازے کے ساتھ شمعوں کا روشن کرنا اور خوشبو کی دھونی ساتھ لے کر جانا بھی مکروہ ہے، روایات میں آیا ہے:

لا تتبعوا الجنازة بصوت ولا نار۔ — اُس جنازے کے ساتھ جس میں صدا بلند ہو یا آگ جلائی جائے شامل نہ ہو۔

نماز جنازہ سے پہلے واپس آجانا مطلقاً مکروہ ہے، ہاں نماز کے بعد اگر اہل میت اجازت دیں تو واپس آنا مکروہ نہیں ہے۔ جنازہ رکھے جانے سے پہلے بلا ضرورت بیٹھ جانا خلاف سنّت ہے، جنازہ گزرتے وقت بیٹھے ہوئے لوگوں کا کھڑا ہو جانا تین اماموں کے نزدیک مکروہ ہے، شافعی فقہاء کا قول مختار یہ ہے کہ کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔

میت پر آواز سے رونے پیٹنے، گریبان پھاڑنے کی ممانعت ہے، بغیر آواز نکالے آنسو بہانے میں کوئی مضائقہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس منا مَنْ لَطَمَ الخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔ — جو شخص اپنے گلوں پر طمانچے مارے اور گریبانوں کو پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

میت کی تدفین

اگر کوئی شخص سمندر میں ساحل سے دور کشتی کے اندر وفات پا گیا اور کشتی کا ایسے مقام پر ٹھہرانا جہاں زمین میں دفن کیا جا سکے دشوار ہو تو چاہیئے کہ میت کے ساتھ کوئی بھاری چیز باندھ کر غرق کر دیا جائے۔

قبر بنانے کا طریقہ

میت کو دفن کرنے کے لئے قبر اتنی گہری ہونا چاہئیے کہ جو کم سے کم اوسط درجہ قد والے انسان کے نصف قد آدم کے برابر ہو اور

اس سے زیادہ گہرائی ہونا افضل ہے، یہ حنفی فقہاء کا قول ہے، شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ قبر کی گہرائی اتنی ہونا سنّت ہے کہ اوسط درجے کے قد کا آدمی آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر اس میں کھڑا ہو جائے۔ قبر کی لمبائی چوڑائی کم سے کم اتنی ہو جس میں میت کی اور قبر میں اُتارنے والے کی گنجائش ہو۔ اگر زمین سخت ہے تو اس میں لحد (بغلی قبر) بنانا سنّت ہے۔ لحد یہ ہے کہ قبر کے نچلے حصے میں قبلے کی جانب والے پہلو میں اتنا لمبا چوڑا گڑھا کھودا جائے جس میں میت کو رکھا جا سکے۔

صندوق نما قبر میں میت کو رکھنے کے بعد اوپر سے چھت بنا دینا چاہیئے۔ میت کو قبر میں رکھ کر رخ قبلے کی طرف کر دینا واجب ہے، میت کو قبر میں دائیں پہلو کے بل رکھنا سنّت ہے، قبر میں رکھنے والا اس وقت کہے "بِسْمِ اللهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"، یہ کہنا تمام ائمہ کے نزدیک مسنون ہے، مالکی مسلک میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ یہ بھی کہا جائے "اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ بِاَحْسَنِ قَبُوْلٍ" (اے اللہ اس کی بہترین پذیرائی فرما) ایک اضافہ یہ ہے کہ میت کو قبر میں لٹانے کے بعد اس کا داہنا ہاتھ اس کے اوپر رکھ دیا جائے۔

قبر کو بند کرنے کے بعد حاضرین جنازہ کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لپ بھر کر مٹی تین بار قبر کے اوپر ڈالیں اور ابتدا سرہانے کی طرف سے کریں پہلے لپ بھرنے میں کہیں "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ" (ہم نے تم کو اس مٹی سے بنایا) دوسرے لپ بھرنے میں کہیں "وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ" (اسی میں تم کو لوٹائیں گے) اور تیسرے لپ بھرنے میں کہیں "وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی" (دوسری بار پھر تم کو اسی سے اٹھائیں گے۔

قبر اونٹ کی پیٹھ کی طرح اُبھری ہوئی اور ایک بالشت اونچی رکھنا مستحب ہے، قبر پر چونے گچ سے سفیدی پھیرنا مکروہ ہے البتہ مٹی سے لسائی کرنے میں مضائقہ نہیں قبر کے اوپر پتھر یا لکڑی وغیرہ بطور زینت لگانا ناجائز ہے۔ شافعی علما پہچان کی غرض سے سرہانے کی طرف پتھر وغیرہ رکھ دینا سنّت کہتے ہیں۔ قبر پر کتبہ لگانے کو تمام ائمہ مکروہ کہتے ہیں اور قرآن کی آیت لکھنا مالکی فقہا کے نزدیک حرام ہے، اگر قبر کا نشان مٹ جانے کا اندیشہ ہو اور پہچان کے لئے کوئی چیز یا کتبہ جس پر کسی بزرگ عالم یا بہت نیکی کرنے والے کی تاریخ وفات اور نام لکھا ہو امتیاز کی خاطر لگا دیا جائے تو حنفی اور شافعی علماء کے نزدیک مکروہ نہیں ہے جبکہ مالکی اور حنبلی

علماء کے نزدیک عالم اور عامی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

قبر پر عمارت تعمیر کرنا گنبد یا اور اسی قسم کی عمارت یا چار دیواری قبر پر بنانا مکروہ ہے اور اگر تفاخر مقصود ہو تو اس نیت سے جو شخص مکان، مدرسہ، مسجد قبر کو زینت دینے کے لئے بنائے گا وہ فعل حرام کا مرتکب ہوگا۔ وہ زمین جو دفن اموات کے لئے وقف کی گئی ہو یا اس کام کے لئے فی سبیل اللہ چھوڑ دی گئی ہو جسے مسبلہ کہتے ہیں اس میں مکان بنانا حرام ہے۔

قبر پر بیٹھنا یا سونا مکروہ تنزیہی ہے اور پیشاب وغیرہ کرنا حرام ہے۔ قبروں پر چلنا مکروہ ہے البتہ اگر میت کو قبر تک پہنچانا بغیر اس پر چلے ممکن نہ ہو تو روا ہے۔

جہاں موت واقع ہوئی وہاں سے کسی اور علاقے میں میت کو لے جانا مستحب یہی ہے کہ میت کو اُسی علاقے میں دفن کیا جائے جہاں موت واقع ہوئی۔ دفن سے پہلے ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لاش میں بو پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ دفن کرنے کے بعد نکال کر لے جانا حرام ہے، بجز اس صورت کے جبکہ اُسے کسی ایسی زمین میں دفن کیا گیا ہو جو ناجائز طور پر غصب کی ہوئی ہو یا کسی نے بذریعہ حق شفعہ لی ہو اور زمین کا مالک میت کے وہاں مدفون رہنے پر راضی نہ ہو یا میت کے ساتھ کچھ مال قصداً یا بے خبری میں دفن ہو گیا ہو تو قبر کھول کر وہ مال نکال لینا جائز ہے۔

ایک قبر میں کئی میتوں کا دفن کرنا بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایسا کرنا ضروری ہو جائے، مثلاً جگہ کی تنگی ہو تو ایک قبر میں ایک سے زیادہ میتوں کو دفن کرنا جائز ہے اگر ایسی صورت درپیش آئے تو اموات میں جو افضل ہو اُسے قبلے کی جانب رکھیں اس کے بعد دوسرے درجے کی میت کو رکھا جائے، بڑے کو چھوٹے پر اور، مرد کو عورت پر تقدم حاصل ہے، مستحب یہ ہے کہ ہر دو میت کے درمیان مٹی رکھ دی جائے محض کفن کا فرق کافی نہیں ہے۔

متفرق مسائل جنازے کی نماز میت کا رشتہ میں قریب ترین مرد پڑھائے اور اگر کوئی ایسا شخص نہ ہو تو پھر محلے یا بستی کا امام پڑھائے کسی دوسرے کو ولی کی اجازت کے بغیر نماز نہیں پڑھانا چاہیے۔

اگر ایک وقت میں کئی جنازے ہوں تو ہر ایک کی الگ الگ نماز پڑھنا چاہیے لیکن اگر میتوں کے ولی ایک ساتھ نماز پڑھائی جانے پر متفق ہوں تو ایسا کرنا جائز ہے۔

نماز جنازہ میں اس لئے دیر کرنا کہ آدمی زیادہ ہو جائیں مکروہ ہے۔

قبرستان میں گپ شپ باتیں کرنا روا نہیں بلکہ موت کو یاد رکھنا اور اپنے اسی انجام کو دھیان میں رکھنا چاہیے۔

دفن کرنے کے بعد کچھ دیر کھڑے ہو کر میت کے لئے دعائے مغفرت کرنا سنت ہے. دفن کے بعد قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پائنتی سورۂ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جانا چاہیے۔

زندگی میں اپنے لئے کفن تیار رکھنا تو جائز ہے لیکن قبر بنا رکھنا مکروہ ہے اُسے کیا معلوم کہ وہ کہاں مرے گا۔

مرنے کے بعد مرنے والے کی بُرائیاں یاد نہ دلائی جائیں اگر کسی نے اُس کی برائی کو مثال سمجھ کر خود وہی بُرائی اختیار کی ہو تو اس کی قباحت قرآن وحدیث کے حوالے سے بتا دینا ضروری ہے۔

تعزیت (پُرسا) جن گھر والوں کے بیچ سے کسی آدمی کا انتقال ہو گیا ہو تو یقیناً ان پر رنج و غم طاری ہو گا لہٰذا ان کے تعزیت کرنا مستحب ہے، یعنی تسلی وتشفی دینا اور صبر وشکر کی تلقین کرنا۔ حنفی علمار میت کے گھر والوں سے ان الفاظ میں تعزیت کرنا مستحب کہتے ہیں:

غَفَرَ اللہ تعالیٰ لِمَیِّتِکَ وَ تَجَاوَزَ عَنْہُ وَتَغَمَّدَہٗ بِرَحْمَتِہٖ وَرَزَقَکَ الصَّبْرَ عَلٰی مُصِیْبَتِہٖ وَاٰجَرَکَ عَلٰی مَوْتِہٖ۔	اللہ تعالیٰ مرنے والے کی مغفرت کرے اُس کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اُس کو اپنے دامن رحمت میں ڈھک لے اور اس حادثہ پر اللہ آپ کو صبر دے اور اُس کی موت کا رنج سہنے پر آپ کو اجر دے۔

اس موقع پر سب سے اچھے الفاظ وہ ہیں جو رسول اللہؐ نے فرمائے:

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔	اللہ کو اختیار ہے جو چاہے لے لے اور جو چاہے دے دے ایک مقررہ وقت ہر شے کو اُسی کے پاس جانا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ تعزیت دفن کے بعد کی جائے۔ میت کے تمام اقربا مرد عورت چھوٹے بڑے سب سے تعزیت کی جائے، البتہ جوان عورت سے محرموں کے سوا کوئی اور تعزیت نہ کرے۔ اہل میت کا پُرسا لینے کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے خواہ اپنے گھر میں ہو یا کسی اور کے گھر میں ہو۔ پُرسا لینے کے لئے سر راہ بیٹھنا اور فرش وغیرہ بچھانا جیسا کہ عام طور پر دستور ہے بدعت اور ممنوع ہے۔ تین دن کے بعد تعزیت کے لئے جانا بھی مکروہ ہے، البتہ باہر سے آنے والوں کے لئے تین دن کی قید نہیں ہے۔

مکروہات بدعت میں سے وہ رسمیں ہیں جو جنازہ گھر سے نکلتے وقت یا قبر پر کی جاتی ہیں مثلاً: جانور ذبح کیا جانا یا کھانا تقسیم کیا جانا۔ اگر میت کے ورثا میں ایسے افراد موجود ہوں جو ابھی بالغ نہیں ہوئے تو ایسا کرنا مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔

مستحب یہ ہے کہ پڑوسی اور احباب اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کر کے بھیجیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالبؓ کی شہادت پر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ "جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو، اُن پر ایسی مصیبت آن پڑی ہے کہ رنج و غم میں کھانا بھولے ہوئے ہیں۔" لہٰذا احباب اور پڑوسیوں کو چاہئیے کہ اہل میت کو اصرار کر کے کھانا کھلائیں کیونکہ شدت غم میں کھانا کھایا نہیں جاتا۔ تین وقت سے زیادہ کھانا نہ بھیجنا چاہئیے۔ بعض عورتیں میت کے گھر میں تین دن تک چولہے میں آگ جلانے کو بُرا سمجھتی ہیں۔ یہ خیال بالکل جاہلانہ ہے اس کو دلوں سے نکال دینا چاہئیے۔

قبروں کی زیارت کرنا

قبروں کی زیارت عبرت حاصل کرنے اور آخرت کی یاد دلانے کی غرض سے مستحب ہے۔ خاص طور پر جمعہ کے روز اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد۔ علمائے امت نے جمعرات کو عصر کے وقت سے لیکر

ہفتہ کے دن طلوع آفتاب تک کے وقت کو ترجیح دی ہے۔ قبر کی زیارت کرنے والے کو چاہئیے کہ دُعا اور زاری اور حصول عبرت میں مصروف رہے اور میت کے لئے تلاوت قرآن کر کے رحمت و مغفرت کی دعا کرے، اس سے میت کو اجر ملتا ہے، حدیثوں میں آیا ہے کہ قبر کی زیارت کرتے وقت یوں کہے:۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ الْاَرْوَاحِ الْبَاقِيَةِ وَالْاَجْسَامِ الْبَالِيَةِ وَالشُّعُوْرِ الْمُتَمَزِّقَةِ وَالْجُلُوْدِ الْمُتَقَطِّعَةِ وَالْعِظَامِ النَّخِرَةِ الَّتِیْ خَرَجَتْ مِنَ الدُّنْيَا وَھِیَ بِكَ مُؤْمِنَةٌ اَنْزِلْ عَلَيْھَا رُوْحًا مِّنْكَ وَسَلَامًا مِّنِّیْ۔

اے اللہ تو رب ہے باقی رہنے والی روحوں اور فنا ہونے والے جسموں کا بکھرے بالوں پھٹی کھالوں اور بوسیدہ ہڈیوں کا جو اس دنیا سے گئیں اور تیرے سپرد ہیں اُن پر اپنی روح نازل فرما اور میرا سلام اُن کو پہنچا۔

قبرستان میں آ کر اس طرح کہنا بھی حدیث میں روایت ہوا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۔

اے ایمان داروں کی بستی والو تم پر سلام، انشاء اللہ ہم بھی تمہارے ساتھ آملیں گے۔

قبرستان اگر دور ہوں تو سفر اختیار کر کے زیارت کرنا مستحب ہے، اور نبی کریمؐ کی قبر کی زیارت بہت زیادہ موجب قربت ہے، مردوں کی طرح عمر رسیدہ عورتوں کے لئے بھی مستحب ہے جن کے باہر نکلنے میں کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو لیکن اگر ایسا ہو تو قبروں کی زیارت کے لئے عورتوں کا جانا حرام ہے۔

قبر کی زیارت احکام شریعت کے مطابق ہونا چاہئیے، یعنی نہ تو قبر کا طواف کرنا چاہئیے نہ استلام ہو اور نہ دعائے مذکورہ کے علاوہ کوئی اور مراد زیارت گاہ میں مانگنا چاہئیے۔

ذکر اور دُعا

اوقاتِ نماز میں تو بندہ اپنے پروردگار سے رجوع ہو کر اُس کے ارکان مخصوص ہیئت اور شرائط کے ساتھ بجالاتا ہے اور فرض و سنّت ادا کرتا ہے۔ لیکن اللہ کو ہر وقت یاد کرنا ایک بندۂ مومن کا شعار ہے، وہ گھر میں ہو یا گھر سے باہر، سفر میں ہو یا حضر میں، بیٹھا ہو یا لیٹا ہو، کاروبار کی تگ و دو میں ہو یا میدانِ جہاد کی ہماہمی میں، وہ ہر وقت ہر آن اور ہر موقع و محل پر اُس کو دل سے اور زبان سے یاد کر سکتا ہے، ان عبادتوں کو تسبیح و تہلیل، تحمید و تکبیر ذکر اور دُعا، استعاذہ اور استغفار کے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپؐ کے دیکھنے والوں کی شہادت ہے کہ "یذکر کل احیانہ" (آپؐ ہر وقت خدا کی یاد کرتے تھے) ایک صحابیؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ! ایسی بات بتا دیجئے جس پر میں دائماً عمل پیرا رہوں آپؐ نے فرمایا:-

لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ۔ — خدا کے ذکر سے ہر وقت تمہاری زبان تر رہے۔

سورۂ آل عمران میں ہے:-

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران۔ آیت ۱۹۱)

اہلِ عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔

اور ارشاد ہے:

اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۝ (احزاب ۴۱-۴۲)

اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو

عبادت کا مغز دعا ہے" الدعاءُ مُخ العبادۃ" (حدیث) ترمذی اور ابوداؤد نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک بار آپؐ نے فرمایا:

اَلدُّعاءُ ھو العبادۃ۔ — دعا ہی عبادت ہے۔

یہ فرمانے کے بعد آپؐ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝ (مومن۔ آیت۔ ۶۰)

تمہارے رب نے کہا کہ مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں، عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

من لم یسئل اللہ یغضب علیہ

جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے غصے ہوتا ہے۔ (ترمذی)

دعا فطرت انسانی کی پکار ہے، قرآن نے اس فطرت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ (زمر۔ آیت، ۸)

جب انسان کو کوئی تکلیف چھو جاتی ہے تو وہ اپنے رب کو پوری طرح رجوع ہو کر پکار اُٹھتا ہے۔

وہی شخص ذکر و دعا میں مصروف رہتا ہے جس کے دل میں یہ بس گیا ہو کہ حاجت روا کرنا اور ہر قسم کی تکلیف رفع کرنا صرف اور صرف اللہ کے اختیار میں ہے تاکہ اس کی عظمت اور اسی سے محبت کا جذبہ دِل میں ہر وقت بیدار رہے، اُس کے حضور عاجزی و بے چارگی، کمتری اور افتقار کی وہ کیفیت پیدا ہو جو ایمان کی روح اور اسلام (یعنی کامل سپردگی) کا تقاضہ ہے۔ آدمی اپنا درد و غم اُسی سے کہے، جو کچھ مانگے اُسی سے مانگے، اُس کی نظر اللہ کے سوا اور کسی طرف نہ اُٹھے۔ نماز کے ہر رکن اور اُس کی ہر ہیئت قیام، قعود، رکوع و سجود اور اس میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے سب میں انہی کیفیات کا اظہار ہوتا ہے، بالخصوص سجدے کی ہیئت اور سورۂ فاتحہ کی قرأت ان کیفیات کو زیادہ نمایاں کرتی ہے، اسی لئے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری قرار دیا گیا اور سجدے دو فرض کئے گئے ہیں جبکہ دوسرے ارکان ایک رکعت میں ایک ہی بار ادا کرنا فرض ہیں۔ سورۂ فاتحہ کی اس حیثیت کا اندازہ اِس حدیثِ قدسی کے الفاظ سے ہوتا ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زبان مبارک سے ادا ہوتے تھے، وہ امام مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کئے ہیں:-

قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین ولعبدی ماسأل فاذا قال الحمد للہ رب العٰلمین قال اللہ حمدنی عبدی و اذا قالَ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم قَالَ اَثنیٰ عَلَیَّ عَبدی فاذا قال مالک یوم الدین قال مجدنی عبدی وکرۃً فوّضَ اِلیٰ عَبدِی فاذا قال ایاک نعبد و ایاک نستعین قال ھذا بینی وبین عبدی و لعبدی ماسأل فاذا قالَ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالینؕ قال اللہ ھذا لعبدی و لعبدی ماسَألَ۔	(اللہ نے فرمایا) میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان برابر سے تقسیم کر دیا ہے، اور میرے بندے نے جو مانگا وہ اُسے ملا جب وہ الحمد للہ رب العٰلمین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی جب وہ رحمٰن اور رحیم کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی، پھر جب وہ کہتا ہے مالک یوم الدین تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری برتری اور بزرگی بیان کی (ایک حدیث میں ہے کہ) میرے بندے نے خود کو میرے حوالے کر دیا۔ پھر جب ایاک نعبد و ایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے راز و نیاز کی بات ہے جو اُس نے مانگا وہ اُسے مل گیا۔ پھر جب وہ اہدنا الصراط المستقیم سے ولا الضالین تک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سارا میرے بندے کا حصہ ہے اور جو کچھ اُس نے مانگا وہ میرے بندے کو دے دیا گیا۔

بندے کی اس عاجزی و خاکساری کا اظہار سب سے زیادہ سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ یہ حالت قربِ خداوندی کا سب سے مؤثر ذریعہ بنتی ہے، ارشادِ نبوی ہے:

اَقرَبُ مَا یَکُونُ العبد مِن رَّبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ فَاَکثِرُوا الدُّعَاءَ (المنتقی بحوالہ مسلم و ابوداؤد)	بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے تو اس حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو۔

تمام عبادات جن میں اللہ کا ذکر اور دعائیں شامل ہیں ان سب کا مقصود بندے کو اپنے رب سے قریب کرنا اور اُس سے گہرا تعلق قائم کرنا ہے تاکہ حاجت مندیوں اور نیازمندیوں کا تعلق مخلوق سے ٹوٹ کر خالق سے جُڑ جائے اور اس کے دل میں خدا کی عبدیت کا احساس اتنا راسخ ہوجائے کہ وہ اپنے تمام مراسم عبودیت، اپنے جسم و جان، اپنی زندگی اور موت اور اپنی تمام خواہشیں محض اللہ کے لئے وقف کردے اور اس کی عظمت کے آگے سرنگوں ہوجائے اگر ذکر و دعا پورے شعور اور جذبۂ محبت کے ساتھ دل اور زبان سے نکلے تو اس سے ایمان میں جلا اور حلاوت، اطاعت و عبادت میں استقامت اور لذت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ذکر و دعا کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں اور حدیث کی کتابوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو دعائیں اور اذکار منقول ہیں اُن کو پورے شعور اور حضور قلب کے ساتھ اپنی زبان سے ادا کیا جائے تو ہر قسم کی پریشانی اور بے چینی میں اطمینان قلب اور سکون حاصل ہوگا آپ ایسا محسوس کریں گے کہ آپ کے اور خدا کے درمیان جتنے پردے تھے وہ ہٹ گئے ہیں اور آپ براہِ راست بارگاہ الٰہی میں کھڑے ہوئے عرض کر رہے ہیں، اللہ آپ سے ذرا بھی دور نہیں ہے۔

"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ" (سورۂ ق) یعنی میں بندے کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں" اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (سورۂ بقرہ)

ذکر اور دعا میں فرق یہ ہے کہ ذکر میں اللہ کی ثنا اور اُس کی عظمت کا اعتراف اُس کے احسانات پر شکر اور اس سے عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے، اس سے غیر معمولی سکون قلب حاصل ہوتا ہے، اللہ سے قربت کا احساس قوی ہوتا ہے، دل میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ دعا میں اپنی غرض اور حاجت کی طلب بھی شامل ہوتی ہے، امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

الذکر افضل من الدعاء	ذکر دعا سے افضل ہے۔ ذکر اللہ تعالیٰ
فالذکر ثناء علی اللہ عز وجل	کی تمام صفتوں اور نعمتوں پر اُس کی
بجمیع اوصافہ و آلائہ و	تعریف کا نام ہے اور دُعا بندے کا

الدعاء سؤال العبد حاجته فاين هذا من هذا و لهذا جاء فی الحدیث من شغله ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین و لهذا کان المستحب فی الدعاء ان یبدأ الداعی بحمد اللّٰہ تعالیٰ و الثناء علیه بین یدی حاجتہ۔

اپنی حاجت مانگنے کے لئے سوال ہے تو دونوں کا کیا مقابلہ؟ اسی لئے حدیث (قدسی) میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ جو شخص میرے ذکر میں مشغول ہوکر اپنی حاجت مانگنے سے رہ جائے تو اُسے ہم مانگنے والوں سے بھی زیادہ دیں گے، اور اسی بنا پر دُعا مانگنے والے کو پہلے اللہ کی حمد اور ثنا کرنا اور اُس کے بعد دُعا مانگنا چاہیئے۔

(الوابل الصیب)

بہت سی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دُعا کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُس کا آغاز ذکر الٰہی، تسبیح و تہلیل اور حمد و ثنا سے ہو۔

استغفار اللہ نے نبی کو معصوم بنایا ہے (عصمت کے معنی نفس کو مضبوطی سے تھامنے اور اُسے گناہ سے باز رکھنے کے ہیں، عزت و ناموس کے معنی میں اسی لئے استعمال ہوتا ہے کہ نفس کو بُری خواہشات سے اور عیب سے پاک و صاف رکھنا ہی عزت اور حفظ ناموس کہلاتا ہے) باوجود انتہائی پاکیزہ نفس ہونے کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میرے دل پر گرد و غبار آجاتا ہے تو میں استغفار کرتا ہوں توبہ اور استغفار میں فرق یہ ہے کہ توبہ گناہ سرزد ہوجانے کے بعد کی جاتی ہے لیکن گناہ کا خیال اور اُس کا ذرا سا میل بھی آجانا بجائے خود عصمت کے منافی ہے، اسی لئے استغفار کا اہتمام بھی بہت ضروری ہے جس کے جامع کلمات یہ ہیں:۔ " اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ " اس سے دل کا میل صاف ہوجاتا ہے، اس میں بندہ اپنے رب سے اپنی ادنیٰ بھول پر بھی معافی طلب کرتا ہے۔

نبی علیہ السلام پر درود خدا تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان وہ سرچشمۂ ہدایت ہیں جنھیں اُس نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست دکھانے

کے لئے مبعوث فرمایا اور جنھیں ہمارے لئے نمونہ بنا کر بھیجا یہ وہ ذات گرامی ہے جو تمام ظاہری اور معنوی احسانات کی جامع ہے اس لئے خدا کی یاد کے بعد اس مقدس ہستی کی یاد مسلمان کے ایمان کا جز ہے، یہ یاد اذان کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور اقامت کے ذریعے بھی، نماز میں تشہد کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور درود کے ذریعے بھی، جس طرح خدا کی یاد کے ساتھ اُس سے محبت بھی ضروری ہے، اسی طرح تمام جہان کے لئے جس ہستی کو اس نے رحمت بنا کر بھیجا یعنی خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کے ساتھ بھی آپؐ کی ذات سے محبت ایمان کا لازمی تقاضا ہے، آپؐ کے نام نامی سے قلب میں ٹھنڈک، روح کو فرحت اور زبان کو لذت ملتی ہے جس طرح پیاس کی شدت میں ٹھنڈا پانی پینے سے جسم و جان کو سکون حاصل ہوتا ہے آپؐ پر درود و سلام بھیجنے سے وہی سکون روح انسانی کو نصیب ہوتا ہے، آپؐ سے محبت کا طریقہ آپؐ کی ایک ایک سنت کا اتباع ہے، اس اتباع میں کیف و سرور پیدا ہوتا ہے درود کی کثرت سے۔

آپؐ نے فرمایا ہے:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ واحدۃً صلی اللہ علیہ عشراً۔ (مسلم) یعنی جو شخص مجھ پر ایک بار درود و سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار نگاہ رحمت ڈالتا ہے۔

کسی مجلس میں آپؐ کا نام مبارک لیا جائے اور سننے والا آپؐ پر درود نہ پڑھے تو اُس کو آپؐ نے بخیل فرمایا ہے۔ "البخیل الذی مَنْ ذُکِرْتُ عندہ فلم یصلِّ علیَّ" (ترمذی، احمد) یعنی بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے۔

ترمذی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل ہوئی ہے:۔

ان الدعاء موقوف بین السماء والارض لا یصعد منھا شیٔ حتی تصلی علی نبیک دُعا اُس وقت تک زمین و آسمان کے درمیان ٹھہری رہتی ہے اور اوپر نہیں جاتی جب تک تم اپنے نبیؐ پر درود نہ پڑھ لو۔

سب سے افضل اور بہتر درود وہ ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، حدیث کی کتابوں میں اور بھی درودوں کا ذکر ہے جن الفاظ سے بھی آپؐ پر درود و سلام پڑھا جائے وہ سب باعث ثواب ہیں اور دل کو سکون اور راحت عطا کرتے ہیں۔

صوم (روزہ)

صوم کی تعریف صوم کے لغوی معنی کسی امر سے باز رہنے کے ہیں، اگر کوئی شخص بولنے سے باز رہے یا کھانے سے رُکا رہے تو اُسے صائم کہتے ہیں، قرآن حکیم میں ہے اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا (مریم-۲۶) یعنی میں نے اللہ سے صوم کی منت مانی ہے (خاموش رہنے کی یا کلام نہ کرنے کی)

اصطلاح شرع میں دن بھر کے لئے روزہ توڑنے والے اعمال سے باز رہنا صوم ہے دن کی میعاد صبح صادق کے ظاہر ہونے سے آفتاب غروب ہوجانے تک ہے اور روزہ توڑنے والے اعمال کھانا، پینا اور جنسی تعلق قائم کرنا ہیں۔

فرض روزے رمضان کا پورا مہینہ فرض روزوں کا ہے، اس کی ادا اور قضا دونوں فرض ہیں۔ اسی طرح کفارے کے روزے اور نذر مانے ہوئے روزے بھی فرض ہیں، حنفی فقہا نذر مانے ہوئے روزے کو واجب کہتے ہیں۔

رمضان کا روزہ اور اس کا ثبوت ماہ رمضان کا روزہ ہر مکلف مسلمان پر جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو، فرض عین ہے رمضان میں روزے رکھنا، ہجرت سے ڈیڑھ سال بعد ماہ شعبان کی دس تاریخ کو فرض ہوا اس کا فرض ہونا کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

قرآن حکیم میں ہے "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ" (مسلمانو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، آگے فرمایا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ اس آیت میں شھر رمضان خبر ہے، اس کا مبتدا محذوف ہے، اور وہ ہے "ھُوَ" یعنی جو روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں وہ رمضان کے روزے ہیں، رمضان کا مہینہ وہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ جو رمضان

کا مہینہ پائے اُسے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ (سورہ بقرہ ۱۸۳، ۱۸۵)

احادیث جن سے روزے کی فرضیت ثابت ہے اُن میں سے ایک حدیث جسے بخاری اور مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یہ ہے:۔

بنی الاسلام علی خمس۔ شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ واقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ والحج وصوم رمضان۔	اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے (۱) اس بات کا اعتراف کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا اور (۵) ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔

رہا اجماع تو تمام امت محمدیہ اس پر متفق ہے کہ ماہ رمضان کا روزہ فرض ہے مسلمانوں میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا، یہ دین کی مسلمہ بات ہے، اس کا منکر کافر ہے۔

روزے کے ارکان

امام ابوحنیفہ اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک روزے کا رکن صرف ایک ہے اور وہ ہے روزہ توڑنے والے امور سے باز رہنا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نیت روزہ کو بھی رکن کہتے ہیں، حنفی فقہا نیت کو شرط کہتے ہیں، رکن نہیں کہتے۔

روزے کی شرائط

روزے کی شرطیں تین قسم کی ہیں (۱) روزہ واجب ہونے کی شرطیں۔ (۲) روزہ ادا کرنے کی شرطیں (۳) روزہ صحیح ہونے کی شرطیں۔

۱۔ روزہ واجب ہونے کی شرائط اسلام، عقل اور بلوغ ہیں لہٰذا جو شخص مسلمان نہ ہو یا مسلمان تو ہو لیکن فاتر العقل (مجنوں یا بے ہوش) ہو یا صغیر السن بچہ ہو تو روزہ واجب نہیں ہوگا۔

۲۔ ادائے روزہ کا وجوب صحت اور مقیم پر ہے، مریض اور مسافر پر نہیں ہے لیکن مرض دور ہو جانے اور سفر تمام ہو جانے کے بعد قضا ضروری ہے۔

۳۔ روزہ صحیح ہونے کی شرطیں دو ہیں۔ حیض و نفاس سے پاک ہونا اور روزے کی نیت کرنا

روزے کی نیت کرنے کا وقت

نیت کا وقت ہر روز آفتاب غروب ہونے کے بعد سے اگلے روز کے نصف النہار سے پہلے تک ہے۔

ماہ رمضان میں ہر روز روزے کی نیت کرنا چاہیئے۔ سحری کھانا بھی نیت ہے لیکن اگر کھاتے وقت روزہ رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو وہ سحری کھانا نیت میں شمار نہ ہوگا۔

نذر معین کے روزے اور نفلی روزے کے لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ رات کو نیت کی جائے اور روزہ متعین کر دیا جائے، اگر اگلے روز روزہ رکھنے کی نیت کی (خواہ نذر روزے کی یا نفلی روزے کی) اور مہینہ رمضان کا ہے تو وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا۔ البتہ اگر حالت سفر میں کسی واجب روزے کی نیت کی (رمضان کے اندر) تو وہی واجب روزہ ادا ہوگا کیونکہ حالت سفر میں رمضان کے روزے ترک کر دینے کی اجازت ہے۔

ماہ رمضان کا تحقق

دو طرح سے یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ رمضان شروع ہو گیا۔

(۱) چاند نظر آجائے، مطلع صاف ہو۔ بادل دھند یا غبار چاند دیکھنے سے مانع نہ ہو۔

(۲) شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں یہ اس صورت میں جب مطلع صاف نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صوموا لرؤیتہٖ و افطروا لرؤیتہٖ فان غمّ علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین (بخاری بروایت ابوہریرہ)

چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ توڑ دو، اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔

اگر آسمان صاف ہو یعنی رویت ہلال سے مانع کوئی چیز نہ ہو تو ضروری ہے کہ ایک مجمع کثیر نے اُس کو دیکھا ہو۔ دیکھنے والے امام یا قاضی کے سامنے یہ لفظ کہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے ماہ رمضان کا چاند دیکھ لیا۔

اگر آسمان صاف نہ ہوا (رویت ہلال سے مانع کوئی چیز موجود ہو) اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ اُس نے چاند دیکھ لیا اور وہ شخص مسلمان، راست باز، عاقل اور بالغ ہے تو اُس کی شہادت کافی ہوگی۔ مطلع ناصاف ہو تو رویت ہلال کے ثبوت کے لئے ایک مجمع کا دیکھنا ضروری نہیں ہے۔

ایسا شخص جو مقبول الشہادۃ ہو ماہ رمضان کا چاند دیکھے تو اُس پر واجب ہے کہ قاضی کے پاس آکر اُس کی شہادت دے اگر شہر میں ہے۔ اور اگر قریہ میں ہے تو اس مقام کی مسجد میں جا کر سب لوگوں کو مطلع کر دے خواہ چاند دیکھنے والی کوئی پردہ نشین عورت ہی کیوں نہ ہو۔

یہ مسائل ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے سے متعلق ہیں، اگر چاند دکھائی نہ دے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ شعبان تیس دن کا ہے اور تیسواں دن گزار کر روزہ رکھ لینا چاہیئے۔

کسی ایک علاقہ میں رویت ہلال ثابت ہونا

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رویت ہلال جب کسی علاقے میں ثابت ہو جائے تو وہاں سے ہر طرف کے قرب وجوار کے علاقے میں اس ثبوت کی بنا پر روزہ رکھنا واجب ہوگا، قریب کے علاقے وہ مانے جائیں گے جو چاند دکھائی دینے والے علاقے سے چوبیس فرسخ کے اندر واقع ہوں، دور کے علاقے والوں پر روزہ واجب نہیں ہو جاتا کیونکہ باہم مطلع کا اختلاف ہوتا ہے۔

رویت ہلال کے بارے میں منجم کا قول سند نہیں

ستارہ شناس کی بات رویت ہلال کے بارے میں قابل اعتبار نہیں ہے، اس کے حساب کی بنا پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے روزے کو مقررہ علامتوں کے ساتھ وابستہ کیا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، وہ علامتیں ہیں ہلال رمضان کا نظر آنا یا ماہ شعبان کے تیس دن کا پورا ہو جانا۔

چاند دیکھنے کی کوشش کرنا

مسلمانوں پر یہ امر بطور فرض کفایہ عائد ہوتا ہے کہ شعبان اور رمضان کی اُنتیس تاریخ کو غروب آفتاب کے وقت چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

رویت ہلال کا تحقُق ہو جانے کے بعد پھر حاکم کے فیصلہ کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اگر حاکم کسی طریقے سے جو اُس کے مسلک پر مبنی ہو فیصلہ کر ہی دے تو تمام مسلمانوں پر روزہ واجب ہوگا اگرچہ اُس کا فیصلہ ایک ہی معتبر شہادت کی بنا پر ہوا ہو۔

جدید ذرائع خبر رسانی سے چاند ہونے کی خبر

اگر دیندار اور پرہیزگار مسلمانوں کے توسط سے ریڈیو یا ٹیلی ویژن اور ٹیلیفون سے چاند دیکھنے کی خبر پہنچانے کا باقاعدہ انتظام ہوجائے کہ شک وشبہ باقی نہ رہے تو اس کی خبر مان لی جائے گی بشرطیکہ دونوں جگہوں میں اتنی دوری نہ ہو کہ چاند نظر آنے میں ایک دن کا فرق پڑجاتا ہو جیسے حجاز اور ہندوستان میں ہے۔ حجاز کی رویت کا ہندوستان میں اعتبار نہیں کیا جائے گا، اسی طرح دوسرے ممالک کو بھی سمجھنا چاہیئے۔

(یہ جامعۂ ازہر کے شیخ علامہ عبدالرحمٰن تاج کی رائے نقل کی گئی ہے)

سحری

جو کھانا یا پانی صبح صادق سے پہلے روزہ رکھنے کی نیت سے کھایا یا پیا جائے اُسے سحری کہتے ہیں۔ سحری کھانا سنّت ہے اور سنّت کا ثواب ملتا ہے خواہش نہ ہونے پر بھی کچھ سحری کی نیت سے کھا لینا چاہیئے اور سحری دیر کرکے کھانا سنّت ہے تاکہ کھانے کے فوراً بعد صبح صادق شروع ہوجائے۔ سحری نہ کھانے کی بنا پر روزہ ترک کرنا گناہ ہے اگر آنکھ دیر میں کھلی سحری کا وقت گزر گیا اور روزہ نہیں رکھا تو بھی دن بھر روزہ داروں کی طرح گزارنا چاہیئے، اور رمضان کے بعد اس کی قضا ضروری ہے۔

اِفطار

سورج ڈوبنے کے بعد روزہ کھولنے کو افطار کہتے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا سنت ہے یعنی جب اس بات کا یقین ہوجائے کہ سورج غروب ہوگیا تو فوراً روزہ افطار کرلینا چاہیئے، دیر کرنا مکروہ ہے. چھوہارے یا کھجور یا پانی سے افطار کرنا بہتر ہے، افطار کرتے وقت یہ دُعا پڑھنا چاہیئے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔	اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیری دی ہوئی روزی سے افطار کیا۔

اگر یہ یقین ہوگیا کہ سورج ڈوب گیا اور افطار کرلیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ ابھی سورج نہیں ڈوبا تھا تو اس روزے کی قضا رکھنی پڑے گی۔

حالتِ روزہ

جیسا کہ شروع میں تعریف بیان کی جاچکی ہے، صبح صادق سے غروب آفتاب تک خود کو کھانے پینے اور مباشرت سے باز رکھنے کا نام روزہ ہے، کھانے

پینے میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی اور طریقے سے بھی غذا یا دوا جسم میں داخل نہ ہو، مباشرت میں تمام صورتیں جو بالارادہ ہوں شامل ہیں۔ احتلام اس حکم سے خارج ہے کیونکہ اُس میں ارادہ نہیں پایا جاتا۔ روزے کی حالت میں قرآن کی تلاوت، نفل نماز، تبلیغ اور جہاد میں وقت گزارنا بہتر ہے۔ فضول باتوں میں لگے رہنے سے سونا اچھا ہے۔

ماہ شوال کا تحقّق

عید کا چاند نظر آجائے تو قدرتی طور پر شوال کا مہینہ ثابت ہو جائے گا۔ ۲۹ رمضان کو چاند دیکھنے کی کوشش کرنا چاہیئے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مطلع صاف ہو تو مجمع کثیر کو چاند نظر آئے گا لیکن اگر بادل وغیرہ کے باعث مطلع صاف نہ ہو تو دو معتبر مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے رویت ثابت ہو جاتی ہے جو شخص چاند کی شہادت دے وہ یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آج چاند دیکھا اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

یوم الشک یعنی مشکوک دن کا روزہ

یوم شک سے مراد شعبان کا آخری دن (۳۰ تاریخ) ہے جس کے متعلق رمضان کی پہلی تاریخ ہونے کا احتمال ہو اور اُس کی رات کو مطلع ابر آلود رہا ہو (یعنی ۲۹ شعبان گذرنے کی شب کو) تو ایسی صورت میں اگر بلا ثبوت شرعی یہ یقین کرکے کہ یہ دن رمضان کا ہے روزہ رکھ لیا جائے تو وہ روزہ مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر اس تردد کے ساتھ روزہ رکھا کہ روزہ رکھے لیتا ہوں اگر رمضان ہوا تو بہتر ورنہ افطار کر لوں گا تو یہ روزہ باطل ہے۔

ممنوع روزوں کا بیان

عیدین کے روز اور ایام تشریق کے تین دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے البتہ حج کرنے والا یہ روزے رکھ سکتا ہے، حنفی مسلک یہی ہے شافعی فقہا ان دنوں میں روزہ مطلقاً حرام کہتے ہیں۔

کسی عورت کا اپنے شوہر کی اجازت یا اُس کی رضامندی کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے سوا اُس صورت کے کہ شوہر موجود نہ ہو یا حالت احرام یا اعتکاف میں ہو۔

نفلی روزے

ماہ محرم کی نو اور دس تاریخ کے روزے جنھیں تاسوعا اور عاشورا کہتے ہیں یہ روزے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب اور باقی تین ائمہ

کے نزدیک سنت ہیں۔ نفلی روزوں کے منجملہ ہر ماہ کے تین روزے ہیں اور مستحب یہ ہے کہ یہ روزے ایام بیض میں ہوں یعنی عربی مہینے کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخ۔

ہر ہفتے دوشنبہ اور جمعرات کو روزہ رکھنا مستحب ہے، ان روزوں سے جو صحت جسمانی حاصل ہوتی ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نفل روزوں کی اقسام میں سب سے افضل روزے یہ ہیں کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور دوسرے دن نہ رکھا جائے۔ رجب اور شعبان کے مہینوں میں روزے رکھنا مستحب ہیں لیکن امام احمد بن حنبلؒ پورے ماہ رجب کا روزے سے گزارنا مکروہ کہتے ہیں، درمیان میں ناغہ کیا جائے تو مکروہ نہیں ہے، باقی اشہر حُرم میں ہر مہینے تین روزے رکھنا (جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کو) مستحب ہے، واضح ہو کہ اشہر حُرم چار ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک مہینہ رجب کا۔

ماہ شوال کے چھ دن یعنی (شش عید) کے روزوں کے متعلق حنفی اور مالکی مسلک یہ ہے کہ یہ روزے متفرق دنوں میں ہوں مثلاً ہر ہفتے میں دو دن۔

یوم عرفہ کا روزہ ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو جسے عرفہ کا دن کہا جاتا ہے روزہ رکھنا مستحب ہے۔ یہ روزہ ان کے لئے مستحب ہے جو حج میں نہیں ہیں۔ حج کرنے والے کو عرفہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، اگر اس سے کمزوری لاحق ہوتی ہو، اسی طرح یوم ترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ بھی مکروہ ہے۔

نفلی روزہ رکھ کر توڑ دینا نفلی روزہ رکھ لینے کے بعد اگر توڑ دیا تو اس کی قضا واجب ہے، حنفی علما نفلی روزہ توڑ دینے کو مکروہ تحریمی اور اُس کی قضا نہ رکھنے کو بھی مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ مالکی فقہا کے نزدیک وہ روزہ جو کسی نے بطور تطوع رکھا ہو اور اس کے ماں باپ میں سے کوئی یا شیخ بربنائے شفقت روزہ افطار کر لینے کا حکم دیں تو توڑ دینا جائز ہے اور اس کی قضا نہیں ہے۔

بعض روزے جو مکروہ تنزیہی ہیں یوم عاشورا کا روزہ جس کے ساتھ نویں یا گیارھویں تاریخ کا روزہ نہ ملایا گیا ہو مکروہ تنزیہی ہے، اسی طرح یوم نوروز اور یوم مہرجان کے روزے ہیں بشرطیکہ یہ اُس دن واقع

نہ ہوئے ہوں جس دن وہ شخص پہلے سے روزہ رکھتا آرہا ہو۔ دائمی روزے رکھنا جس سے جسمانی کمزوری لاحق ہو جاتی ہے اور صوم وصال یعنی مسلسل رات دن کھانے پینے وغیرہ سے خود کو باز رکھنا بھی مکروہ ہے۔ مسافر کو روزہ رکھنا جبکہ روزہ اُس پر شاق ہو مکروہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن روزِ عید کے مشابہ ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے۔ مریض اور مسافر کی طرح اگر حاملہ عورت، دودھ پلانے والی اور عمر رسیدہ مرد و عورت جن پر روزہ رکھنا باعث مشقت ہو یا ضرر کا اندیشہ ہو اُنھیں بھی روزہ رکھنا مکروہ ہے کسی فرض روزے کی قضا واجب ہوتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ فرض کی ادائگی نفل سے زیادہ ضروری ہے۔

مُفسِدات صوم جن باتوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے وہ دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے صرف قضا لازم آتی ہے، دوسری وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔

قضا واجب ہونے کی صورتیں کوئی ایسی شے کھا لینا جو غذا کی طرح نہیں کھائی جاتی لیکن غذا کے حکم میں ہے مثلاً کچا چاول، آٹا، کھجور کی گٹھلی، کنکری یا لوہا اگر نگل گیا یا کوئی دوا پیٹ میں بذریعہ حُقنہ یا ناک سے پہنچائی گئی یا کان میں تیل ڈالا گیا یا قے منہ میں آئی اور پھر ارادۃً نگل لی اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔ اگر منہ بھر کر قے نہیں آئی تو روزہ نہیں جائے گا۔ کھجور کا کوئی حصہ دانتوں کی جھری میں رہ گیا اور اُسے کھا لیا تو اگر اُس کی مقدار چنے کے برابر ہے تو قضا واجب ہوگی اور اگر اس سے کم ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اسی طرح اگر لعاب دہن نگل گیا یا کلّی کے بعد منہ میں تری باقی رہ گئی اور تھوک کے ساتھ وہ بھی اتر گئی تو روزہ فاسد نہ ہوگا لیکن چاہیئے یہ کہ کلی کرنے کے بعد پہلے تھوک لیا جائے، تھوکنے میں زیادہ مبالغے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر منہ میں بارش کا قطرہ پڑ گیا یا برف آن پڑی اور اسے ارادۃً نہیں نگلا تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ بھولے سے کچھ کھا پی لیا اُس کے بعد یہ سوچ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا دوبارہ کھا پی لیا یا صبح صادق کے بعد یہ خیال کر کے سحری کھالی کہ ابھی وقت باقی ہے یا غروب آفتاب سے پہلے اس خیال سے روزہ افطار کر لیا کہ سورج ڈوب چکا

ہے، ان تمام صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے بدلے میں ایک روزہ قضا کا رکھنا پڑیگا۔

قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونے کی صورتیں

بغیر کسی عذر شرعی کے کوئی غذا یا غذا جیسی کوئی شے استعمال کی یعنی کھائی یا پی اور پیٹ کی طلب پوری کی، یا خواہش نفسانی کی طلب پوری کی ان دونوں صورتوں میں بشرائط ذیل کفارہ واجب ہوگا:

پہلی شرط یہ کہ روزہ دار مکلف ہو اور اُس نے رات سے روزۂ رمضان کی نیت کرلی ہو۔

دوسری شرط یہ کہ کوئی ایسا امر لاحق نہ ہوا ہو جس میں روزہ توڑ دینا روا ہے مثلاً سفر یا مرض۔

تیسری شرط یہ کہ روزہ اپنے ارادے سے بخوشی خاطر رکھا ہو۔ مجبور کرکے روزہ رکھوایا نہ گیا ہو۔

چوتھی شرط یہ کہ روزہ بالارادہ توڑا ہو، بھولے یا غلطی سے نہ ٹوٹ گیا ہو۔

اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو کفارہ واجب نہ ہوگا مثلاً رات سے روزۂ رمضان کی نیت نہیں کی ہو یا کسی پچھلے روزے یا گزشتہ رمضان کے روزے کی قضا کی نیت ہو اور روزہ رکھ کر توڑ دیا ہو یا سفر اختیار کرنے کے بعد روزہ توڑ دیا ہو یا بھولے سے یا کسی غلطی سے روزہ ٹوٹ گیا ہو تو کفارہ ساقط ہو جائے گا، اسی طرح اگر مباشرت بالارادہ نہ کی گئی ہو، شرمگاہیں باہم نہ ملی ہوں تو بھی کفارہ کسی پر واجب نہ ہوگا نہ اُس عورت پر کفارہ واجب ہوگا جس نے اپنے نفس پر مرد کو اختیار نہ دیا ہو۔ نہ مساحقہ کرنے والی عورتوں پر کفارہ واجب ہے لیکن انزال ہو جانے کی صورت میں قضا واجب ہوگی۔

دھواں دینے والی اشیا (حقہ، سگریٹ وغیرہ) پہلی قسم کے نواقض صوم میں ہے کیونکہ اس سے طبیعت کی خواہش پوری ہوتی ہے، اسی طرح حصول لذت کے لئے عورت کا بوسہ لے کر لعاب دہن چوسنا بھی اسی حکم میں ہے، تو ان باتوں کے بالارادہ کرنے سے کفارہ لازم ہوگا۔

روزے میں کوئی ایسا کام کیا جس کا کرنا جائز ہے جیسے سر میں تیل ڈالنا، خوشبو سونگھنا بیوی کا بوسہ لینا، ان میں سے کسی عمل سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر بھول کر پیٹ بھر کھانا کھالیا اور عورت سے بغلگیر ہوا اور انزال ہوگیا تو صرف روزے کی قضا لازم ہوئی لیکن اگر اوپر بیان کئے گئے کسی عمل

کے بعد روزہ اس خیال سے قصداً افطار کر لیا یا مجامعت کر لی کہ روزہ ٹوٹ گیا ہے تو قضا اور کفارہ دونوں ادا کرنا پڑے گا۔ رمضان میں اگر غیر عمدی طور پر روزہ ٹوٹ جائے تو واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں نواقضِ صوم سے باز رہے۔

روزہ جو قضا ہوا اُسے ادا کرنے کا وقت

قضا روزوں کی ادائگی سال کے گیارہ مہینوں کے اندر کی جا سکتی ہے، رمضان میں کسی دوسرے روزے کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے، اگر گذشتہ رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہو اور دوسرا رمضان آجائے تو پہلے اس رمضان کے روزے رکھے پھر قضا روزے پورے کرے قضا روزہ رکھنے میں دیر نہ کرنا چاہئے اگر زیادہ ہوں تو مسلسل رکھنا ضروری نہیں ایک یا دو ناغہ کر کے پورے کئے جا سکتے ہیں۔

روزہ توڑ دینے کا کفارہ

(۱) بلا عذر شرعی قصداً توڑے ہوئے روزے کا کفارہ ایک روزے کے بدلے میں دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے سے پورا ہوتا ہے اگر درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹ گیا تو پھر سے دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ہوں گے، اگر یہ روزے قمری مہینے کی پہلی تاریخ سے شروع کئے گئے تو اس پورے مہینے کے اور اس کے بعد کے قمری مہینے کے روزے رکھنا چاہئے اور اگر قمری مہینے کے وسط سے شروع کئے گئے تو اس مہینے کو پورا کر کے اگلے پورے ماہ کے روزے رکھنا اور پھر تیسرے مہینے میں اتنے دن روزے رکھنا چاہئے کہ پہلے مہینے کے دن ملا کر پورے تیس دن ہو جائیں، اس کا خیال رکھا جائے کہ بیچ میں کوئی ایسا دن نہ پڑتا ہو جس میں روزہ رکھنا حرام ہے مثلاً عید الاضحیٰ کے تین دن۔ روزوں کا تسلسل امر واجب ہے اس پر تین اماموں، کا اتفاق ہے، صرف حنبلی علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شرعی عذر سے روزہ ترک ہوا جیسے سفر پیش آگیا تو اس سے تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔

(۲) کفارے کے روزے رکھنے کے درمیان میں اگر عورت کو حیض آجائے تو حیض کی مدت ختم کر کے فوراً روزے شروع کر دینا چاہئے چونکہ یہ قدرتی اور دائمی عذر ہے اس لئے صرف ایسی عورتوں کو اجازت دی گئی ہے۔ البتہ اگر نفاس کی وجہ سے روزے چھوٹ جائیں تو کفارہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ عذر ہر مہینے پیش نہیں آتا۔ (شرح التنویر ج ۲ صفحہ ۱۵۷)

(۳) اگر کسی میں لگاتار دو مہینے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے یا پھر صدقۂ فطر میں جتنا غلہ دیا جاتا ہے اتنا غلہ یا اس کی قیمت ہر ایک مسکین کو دیدے' اگر اکٹھا ساٹھ مسکین نہ مل سکیں تو جتنے بھی مل سکیں روزانہ اُنھیں پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا رہے یہاں تک کہ ساٹھ کی تعداد پوری ہو جائے۔ ایک ہی آدمی کو ساٹھ دن کھانا کھلانا یا روزانہ ایک دن کا غلہ دینا بھی جائز ہے مگر ایک آدمی کو ساٹھ دنوں کا اکٹھا غلہ یا اُس کی قیمت ایک ہی دن دیدینے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ اگر ایک آدمی کے تین چار روزے ایک رمضان میں چھوٹ گئے تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہے' اگر یہ روزے دو رمضان کے ہوں تو دو کفارے دینے ہوں گے۔ رمضان کے علاوہ اگر کوئی نفل روزہ توڑ دے تو کفارہ واجب نہیں ہے' اُس کی قضا پوری کر لینی چاہیئے۔

روزہ توڑنے کے جائز عذر

مرض یا شدت تکلیف کے سبب روزہ توڑنا روا ہے اگر یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جائے گا یا جلد آرام نہ ہوگا یا سخت تکلیف کا موجب بن جائے گا تینوں امام (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ) متفق ہیں کہ روزہ توڑ دینا جائز ہے' امام حنبلؒ کے نزدیک روزہ توڑ دینا سنت اور رکھنا مکروہ ہے' اگر ہلاکت یا شدید مضرت کا قوی گمان ہو تو روزہ توڑ دینا واجب اور رکھنا بالاتفاق حرام ہے۔

سفر کی حالت میں روزہ ترک کرنا مباح ہے بشرطیکہ سفر اتنا ہو جس میں قصر واجب ہوتا ہے یعنی ۴۸ میل (۷۴ کلومیٹر سے زیادہ) سفر پیدل ہو یا ریل کا یا ہوائی جہاز کا' لیکن اگر سفر میں تکلیف نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے' ارشاد خداوندی یہی ہے وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (یعنی اگر حالت سفر میں) روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

جس مسافر نے رات سے روزے کی نیت کی ہو اور طلوع فجر کے بعد سفر شروع کیا ہو تو روزہ توڑنا حرام ہے' اگر توڑ لیا تو قضا واجب ہے کفارہ نہیں ہے' حنفی مسلک یہی ہے۔

روزہ ترک کرنے کی جائز صورتیں

حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنا اُس کی اپنی جان کے لئے یا بچے

کے لئے یا دونوں کے لئے مضرت رساں ہوگا تو اُس کو روزہ ترک کرنا جائز ہے ایسی عورتوں پر بشرط طاقت قضا کرنا واجب ہے، نہ فدیہ واجب ہے اور نہ مسلسل قضا کے روزے رکھنا واجب ہیں۔ دودھ پلانے والی بچے کی ماں ہو یا اُجرت پر دودھ پلانے والی عورت دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر ماں ہے تو شرعًا اس پر دودھ پلانا واجب ہے اور اگر اُجرت پر رکھا گیا ہے تو معاہدے کی رو سے دودھ پلانا واجب ٹھہرا۔

حیض و نفاس کی حالت میں روزہ ترک کر دینا واجب ہے اور روزہ رکھنا حرام لیکن جوں ہی پاک ہو جائے اُسے روزہ شروع کر دینا چاہیئے اور جو روزے چھوٹ جائیں اُن کو رمضان کے بعد پورا کر لینا چاہیئے۔

روزے میں سخت بھوک یا پیاس کا غلبہ اگر بھوک یا پیاس کی اتنی شدت ہو کہ اس حالت میں روزہ رکھنا برداشت سے باہر ہو جائے تو ایسی حالت میں روزہ توڑ دینا جائز ہے اور قضا واجب ہوگی۔

ضعیف العمری کے باعث ترک صوم عمر رسیدہ نحیف و ناتواں شخص جو سال بھر میں کسی وقت بھی روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو روزہ ترک کر سکتا ہے، اس پر واجب ہے کہ ہر دن کے عوض ایک محتاج کو کھانا کھلائے۔ یہی حکم اُس مریض کا ہے جسے صحت کی توقع نہ ہو۔ فدیہ دینے کے بعد پھر قضا واجب نہیں۔ اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں روزہ رکھنے سے عاجز ہو لیکن اُس کی قضا کسی اور وقت میں رکھنے کی قدرت رکھتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اُس وقت قضا رکھے اس کے لئے فدیہ نہیں ہے۔

فدیہ کی مقدار ایک محتاج کو اتنا غلہ دینا جتنا غلہ صدقۂ فطر میں دیا جاتا ہے یعنی پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت۔ اگر گیہوں اور جو کے علاوہ کوئی اور غلہ فدیہ میں دیا جائے تو جو قیمت پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو کی بنتی ہو اسی قیمت کا دوسرا غلہ دیا جا سکتا ہے۔

فدیہ میں اگر غلہ نہ دے بلکہ ایک محتاج کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے تو اس سے بھی فدیہ ادا ہو جائے گا مگر وہی کھانا ہو جو خود کھاتا ہے۔ فدیہ کا غلہ یا غلے کی قیمت کئی محتاجوں کو

دینا بھی جائز ہے۔

میت کے قضا شدہ روزے

اگر مرنے والے نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر دی ہو تو اُس کے وارثوں کو چاہیئے کہ اُس کے ایک تہائی مال سے فدیہ ادا کر دیں۔ اگر وصیت نہ کی ہو اور وارث بالغ ہوں تو اُنھیں فدیہ ادا کر دینا چاہیئے اس سے میت کو آخرت میں فائدہ اور وارثوں کو ثواب حاصل ہو گا مگر نابالغ وارثوں کے حصے سے فدیہ نہ ادا کرنا چاہیئے۔

اعتکاف کا بیان

مسجد میں خاص طریقے سے عبادت کے لئے رہنا اعتکاف کہلاتا ہے جتنے دن اعتکاف میں رہنے کی نیت کی گئی ہو اُتنے دنوں دنیاوی کاروبار اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر نماز کی جگہ ٹھہر کر گزارے جاتے ہیں اس کا فائدہ یہ ہے کہ تمام دنیاوی کاموں اور نفسانی خواہشات سے الگ ہو کر ہمہ وقت خدا کے ذکر اور اُس کی عبادت میں مصروف رہنے سے تعلق باللہ استوار تر ہوتا ہے، قلب و دماغ میں نور پیدا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دن مسجد میں اعتکاف فرماتے اور صحابۂ کرامؓ بھی آپؐ کی سنت پر عمل کرتے تھے، یہ سنّت مؤکدہ کفایہ ہے کسی بستی میں ایک شخص بھی اعتکاف کرلے گا تو یہ سنّت ادا ہو جائے گی۔ اگر کوئی بھی اعتکاف نہ کرے گا تو پوری بستی کے لوگ ایک سنّت موکدہ کو ترک کرنے کا گناہ اپنے سر لیں گے۔ اس سنّت کو رمضان میں ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ۲۰ رمضان کو عصر کی نماز پڑھ کر مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ جائے اور ایک پردہ باندھ کر اس گوشے کو ایک حجرے کے مثل بنالے۔ جماعت کے وقت پردہ نمازیوں کے لئے اُٹھا دیا کرے۔ دس دن تک اسی طرح گزارے اسی جگہ کھانا پینا اور سونا ہو اور بے ضرورت باہر نہ جایا جائے۔ جب عید کا چاند نظر آجائے تو اعتکاف کو ختم کر دیا جائے۔ عورتیں گھر کے کسی بھی صاف ستھرے حصے میں اعتکاف کر سکتی ہیں اُن کے لئے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔

اعتکاف کی قسمیں اور میعاد

(۱) اعتکاف واجب ہے اگر اُس کی نذر مان لی گئی ہو۔ (۲) اعتکاف سنت کفایہ مؤکدہ ہے رمضان کے آخری عشرے میں (۳) اعتکاف مستحب ہے رمضان کے علاوہ اور دنوں میں، اعتکاف کے لئے کوئی

میعاد کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ مالکی مسلک میں ایک دن اور ایک رات کم سے کم میعاد ہے۔

اعتکاف کی شرطیں

اعتکاف کی شرطوں میں پہلی شرط مسلمان ہونا ہے اور دوسری شرط صاحب شعور ہونا ہے، لہذا کافر کا، مجنون کا اور بے شعور بچوں کا اعتکاف درست نہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہو۔ مسجد بھی وہ جہاں پنجوقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے، امام اور مؤذن مقرر ہوں یہ حکم مرد کے لئے ہے، عورت اپنے گھر میں جو جگہ نماز کے لئے بنائی گئی ہو وہاں اعتکاف کر سکتی ہے، جماعت والی مسجد میں عورت کا اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ اُس مقام کے علاوہ جو گھر میں نماز کے لئے بنائی ہے کسی اور جگہ اعتکاف کرے۔ شرائط اعتکاف میں نیت بھی ایک شرط ہے جس کے بغیر اعتکاف درست نہیں ہے۔ جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی اعتکاف کے لئے شرط ہے۔ حنفی مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ جنابت سے پاک ہونا اعتکاف روا ہونے کی شرط ہے، یعنی ایسی حالت (جنابت) میں اعتکاف کرنا حرام ہے حیض و نفاس سے پاک ہونا اعتکاف واجب کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ اعتکافِ واجب وہ ہے جس کی نذر مانی ہو اس میں روزہ رکھنا بھی شرط ہے اور روزہ حیض و نفاس سے پاک ہوئے بغیر رکھا نہیں جا سکتا۔

واضح ہو کہ عورت کا اعتکاف کرنا بغیر شوہر کی اجازت کے درست نہیں ہے۔

مفسداتِ اعتکاف

وہ باتیں جن سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے یہ ہیں:

(۱) مباشرت کرنا (۲) مسجد سے بلا ضرورت باہر آ جانا (۳) جنون اور بے ہوشی (۴) نشہ آور اشیاء یا ذہن کر دینے والی چیزوں کا استعمال (۵) گناہ کبیرہ کا ارتکاب (۶) ارتداد۔

مباشرت خواہ قصداً ہو یا سہواً، مسجد کے اندر ہو یا باہر مفسدِ اعتکاف ہے۔ وہ تمام اعمال جو اس جانب تحریک پیدا کریں مکروہ تحریمی ہیں۔ مسجد سے باہر نکلنا طبعی ضرورتوں یا شرعی ضرورتوں کے علاوہ مفسد اعتکاف ہے۔ کھانا پینا، پیشاب پاخانہ، غسل جنابت طبعی ضرورتیں ہیں، ان کے لئے اگر مسجد سے باہر آنا پڑ جائے تو ان ضرورتوں کو پورا کر کے فوراً مسجد کے اندر آ جانا چاہیئے۔ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا اور نماز جنازہ پڑھانا (اگر کوئی دوسرا آدمی پڑھانے والا نہ ہو) شرعی ضرورتیں ہیں۔ اگر جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا ہو تو سنت پڑھ کے جانا

چاہیئے اور خطبہ اور نماز سے فارغ ہو کر فوراً واپس آجانا چاہیئے، فرض کے بعد پڑھی جانے والی سنت نماز مقامِ اعتکاف میں پڑھنا چاہیئے۔ جنازے کی نماز ختم ہوتے ہی لوٹ آنا چاہیئے۔ باہر ٹھہرنا یا کسی سے باتیں کرنا معتکف کے لئے منع ہے۔

اعتکاف کے آداب اعتکاف کرنے والے کو اچھی بات کے سوا اور کوئی کلام نہ کرنا۔ زیادہ تر وقت تلاوت کلام اللہ، ادائے نوافل اور ذکر الٰہی میں گزارنا، احادیث رسولؐ اور علوم دینی کا مطالعہ کرنا۔ اللہ کی تسبیح و تحمید اور استغفار کثرت سے کرتے رہنا، اعتکاف کے آداب ہیں۔ یہ امر بھی آداب اعتکاف میں سے ہے کہ اعتکاف کے لئے اُس مسجد کا انتخاب کیا جائے جو سب سے اچھی ہو، دنیا میں سب سے اچھی مسجد مسجد حرام ہے پھر مسجد نبوی پھر مسجد اقصیٰ پھر ہر شہر کی وہ مسجد جس میں سب سے زیادہ نمازی جمع ہوتے ہوں اور امام و مؤذن مقرر ہوں۔

اعتکاف کے مکروہات اس خیال سے چپ رہنا کہ ثواب زیادہ ملے گا مکروہ ہے۔ پیشہ ورانہ شغل (خواہ وہ تدریس ہی کیوں نہ ہو) میں زیادہ مصروف رہنا بھی مکروہ ہے۔ مسجد کے قریب گھر ہونے کے سبب اُس میں جانا یا مریض کی مزاج پُرسی کے لئے جانا، خرید و فروخت کرنا یا تجارتی معاہدہ کرنا، بیچنے کی غرض سے مال مسجد میں لانا یہ سب باتیں اعتکاف کی حالت میں کرنا مکروہ ہیں۔

شب قدر رمضان کے آخری دس دنوں میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں بڑی خیر و برکت ہے، اس کا ذکر قرآن کی ایک سورۃ میں ہے جسے سورۂ قدر کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

تحروا ليلة القدر في الوتر	ليلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس
من العشر الأواخر	راتوں میں تلاش کرو۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مقدس رات رمضان کی اکیس۔ تیئس۔ پچیس۔ ستائیس یا انتیسویں شب کو ہوتی ہے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سے دو تین دن پہلے فرمایا کہ رمضان کا مہینہ آرہا ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے

جو شخص اس رات سے محروم رہا وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہا۔"

اللہ تعالیٰ نے نہ تو اس رات کو متعین طور پر ظاہر کیا ہے نہ اُس کی پہچان بتائی۔ اس لئے بندوں کو اس کی تلاش و جستجو اُن راتوں میں کرنا چاہیئے جن کا ذکر اوپر کی حدیث میں کیا گیا ہے۔ ان راتوں میں زیادہ سے زیادہ یادِ الٰہی میں مشغول رہنا چاہیئے جب اُس کے قلب پر فرحت و سرور اور توجہ الی اللہ کی کیفیت غالب ہو گی تو اُس کا ذوق اور وجدان محسوس کرے گا کہ یہی لیلۃ القدر ہے، اِس رات نفل نمازوں کے علاوہ یہ دُعا کثرت سے پڑھنا چاہیئے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔	اے اللہ تو سراپا عفو ہے اور معاف کرنا تجھے پسند ہے تو میری خطاؤں سے درگزر فرما۔

صدقۂ فطر

یوں تو رمضان کے مبارک مہینے میں ہر نیکی کا اجر کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر صدقۂ فطر رمضان کے روزے ختم ہونے پر دینا ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ دو جلیل القدر صحابیوں سے روایت ہے:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَ الرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ۔ (مشکوٰۃ)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر دینا لازم قرار دیا ہے تاکہ رمضان میں جو غلطی سے بیکار باتیں ہو گئی ہیں یا بُرے خیالات آئے ہوں اُن سے روزے پاک ہو جائیں اور غریبوں کے کھانے کا سامان بھی ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر ہر آزاد مسلمان پر جو صاحب مقدور ہو واجب ہے، اس کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس سال دیا جس سال رمضان میں روزہ رکھنا فرض ہوا، چنانچہ عبدالرزاق نے صحیح اسناد کے ساتھ عبد بن ثعلبہ سے اخراج فرمایا ہے کہ حضورؐ نے یوم فطر سے ایک یا دو روز پہلے خطبہ دیا اور فرمایا۔

اَدُّوْا صَاعًا مِّنْ بُرٍّ اَوْ قَمْحٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ عَنْ	ایک صاع بُر یا قمح (گیہوں کی دو قسمیں) یا ایک صاع کھجور یا جو آزاد اور غلام کی طرف

کل حر او عبد صغیر او کبیر   ے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ادا کرو۔

فقہائے احناف صدقۂ فطر کو واجب کہتے ہیں فرض نہیں کہتے۔ واجب ہونے کی تین شرطیں ہیں (۱) مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) حاجات اصلیہ سے بقدر نصاب، فاضل مال کا مالک ہونا۔ صدقہ فطر میں بقدر نصاب فاضل مال کے خاص عرصے تک باقی رہنے کی قید نہیں ہے جس طرح زکوٰۃ میں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص صدقہ فطر واجب ہونے کے بعد نصاب کا مالک تھا مگر اُس کو ادا کرنے سے پہلے وہ مال جاتا رہا تو اُس کے ذمہ سے وہ صدقۂ فطر ساقط نہ ہوگا، اسی طرح بالغ اور عاقل ہونے کی بھی شرط نہیں ہے، بچے اور رفاتر العقل کے مال میں بھی صدقہ فطر واجب ہے، یہاں تک کہ اُن کے ولی اگر صدقۂ فطر نہ نکالیں تو مرتکب گناہ ہوں گے اور بالغ ہونے یا جنون سے افاقہ پانے کے بعد مسکینوں کو صدقۂ فطر دینا واجب ہوگا۔

صدقہ فطر عید الفطر کی فجر طلوع ہونے کے وقت واجب ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا اس سے پہلے اور بعد میں بھی درست ہے، تاہم مستحب یہ ہے کہ عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر نکال دیا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اغنوھم عن السوال فی   محتاجوں کو عید کے روز سوال سے بے نیاز

ھٰذا الیوم   کردو۔

صدقہ فطر کا ادا کرنا اپنی طرف سے، اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے اپنے خادم اور ایسے بڑے بچے کی طرف سے جو مجنون ہو واجب ہے، بیوی اور بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے لیکن اگر دے دے تو اس کو ثواب حاصل ہوگا، اسی طرح ماں پر بچوں کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔

صدقہ فطر میں دی جانے والی چیزیں

ہر قسم کا اناج گیہوں، جَو، چنا، دھان اور باجرہ اور پھلوں میں کھجور اور منقیٰ صدقۂ فطر میں دیا جا سکتا ہے تو جو کوئی گیہوں یا اُس کا آٹا دے تو اس کو ۸۰ تولے کے سیر سے پونے

دو سیر گیہوں یا آٹا دینا چاہیے اور اگر جو دے تو ۸۰ تولے کے سیر سے اس کا دوگنا یعنی ساڑھے تین سیر جَو یا آٹا دینا چاہیے۔

گیہوں اور جَو کے علاوہ اور جتنے اناج ہیں ان سب کا حکم یہ ہے کہ پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جَو کی قیمت لگائیں پھر اُس قیمت سے وہ غلّہ خرید یں جو صدقۂ فطر میں دینا ہے جتنا ملے اتنا ہی دیدینا چاہیے۔ گویا اصل چیز پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جَو یا اس کی قیمت ہے، غلّہ اگر نہ دیں اور یہی قیمت صدقۂ فطر میں دیدیں تو بھی جائز ہے بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے؛ اس سے مساکین کو زیادہ فائدہ ہے۔

چند لوگوں کا صدقۂ فطر اجتماعی طور پر کسی ایک محتاج کو دینا جائز ہے جس طرح یہ جائز ہے کہ ایک شخص کا صدقۂ فطر چند مسکینوں کو دیا جائے۔ صدقۂ فطر کے مصارف وہی ہیں جس کا ذکر آیت "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ" میں ہے اور جو باب زکوٰۃ میں آگے آرہا ہے۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معنی اور اس کی تعریف

عربی میں زکوٰۃ کے معنی پاک کرنے اور نمو (ترقی) پانے کے ہیں، دونوں معنوں میں استعمال کی مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا — جس نے اپنے نفس کو گندگی سے پاک کیا وہ بیشک فلاح یاب ہوا۔

زکا الزرع — زراعت میں نشوونما ہوئی

شریعت کی اصطلاح میں اس کے معنی مخصوص مال کو خاص شرائط کے ساتھ کسی مستحق شخص کو اُس کا مالک بنا دینے کے ہیں" مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نصاب زکوٰۃ کے مالک ہیں یعنی اتنا مال رکھتے ہیں جس پر زکوٰۃ واجب ہو اُن پر فرض ہے کہ دوسرے حقداروں کو جن کی تفصیل آگے آرہی ہے اپنے مال میں سے ایک مقدار خاص کا مالک بنا دیں۔ یہ خاص مقدارِ مال زکوٰۃ کہلاتی ہے، اس کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے آدمی کا بقیہ مال پاک ہوجاتا ہے اور اُس کی نیکی میں نمو اور ترقی ہوتی ہے۔

ادائے زکوٰۃ کا حکم اور اس کا ثبوت

زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رُکن ہے اور ہر اُس شخص پر فرض عین ہے جو شرائط کو پورا کرتا ہو جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں فرض ہوئی اس کی فرضیت کتاب، سنّت اور اجماع سے ثابت ہے، قرآن میں ہے وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (زکوٰۃ ادا کرو) اور وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ "(لوگوں کے مال میں سوال کرنے والوں اور ناداروں کا مقررہ حق ہے) (سورہ معارج آیت ۲۴)

سنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مراد ہے، آپؐ نے فرمایا "بُنِیَ الاِسلام علی خمس" (اسلام کی بنیاد پانچ امور پر ہے) اِن میں سے ایک ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔

خطبہ حجۃ الوداع میں آپؐ نے فرمایا:

اتقوا اللہ وصلوا خمسکم	اللہ سے ڈرتے رہو اپنی پنجگانہ نمازیں پڑھا
وصوموا شھرکم وادوا	کرو تمہارا رمضان آئے تو روزہ رکھو اور
زکاۃ اموالکم	اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔

اجماع یعنی تمام امت اس پر متفق ہے کہ زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے جس کی خاص شرائط ہیں۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت

نماز، روزہ اور زکوٰۃ تینوں فرض عبادتیں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلی دو عبادتیں جسمانی ہیں اور تیسری مالی، دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی دو عبادتیں ہر امیر و غریب، خوش حال و بدحال سب پر فرض ہیں لیکن زکوٰۃ ان ان لوگوں پر فرض ہے جو کھانے پینے سے مطمئن ہوں اور روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے بعد کچھ بچ بھی رہتا ہو۔ تیسرا فرق یہ ہے نماز اور روزہ صرف خدا کا حق ہیں اور زکوٰۃ میں خدا کے حق کے ساتھ بندوں کا حق بھی ہے۔ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید قرآن میں کثرت سے کی گئی ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) بارہا قرآن پاک میں کہا گیا ہے۔

زکوٰۃ سے مقصود مال کی حرص اور محبت دل سے نکالنا اور بخل کی مذموم صفت سے نفس کو پاک رکھنا ہے۔ مال و دولت کے حریصوں کو سخت عذاب کی وعید (دھمکی) اللہ نے دی ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ

(سورۂ توبہ آیت ۳۴)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو بڑے دردناک عذاب کی خبر دیدیجئے۔ جو لوگ مال رکھتے ہوئے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ اپنے لئے قیامت میں بڑا عذاب تیار کر رہے ہیں۔

وجوب زکوٰۃ کی شرطیں

بالغ ہونا زکوٰۃ واجب ہونے کی شرط ہے، کوئی بچہ مالدار ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ایک شرط عاقل ہونا ہے یعنی

مجنوں پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔ حنفی علماء کہتے ہیں کہ ان کے ولیوں سے ان کی زکوٰۃ ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا البتہ اُن کے مال سے قرض اور نفقے کا ادا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ بندوں کے حقوق ہیں تاہم عُشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصّہ) اور صدقہ فطر واجب ہے، فاتر العقل کے مال کا وہی حکم ہے جو بچّے کے مال کا ہے ایک شرط یہ ہے کہ مملوکہ مال نصاب کو پہنچ گیا ہو اور اس پر ایک سال کی مدت گزر چکی ہو اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ صاحب مال آزاد ہو۔

نصاب اور ایک سال کی مدّت

سونا یا چاندی یا مال و اسباب کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اُسے شریعت میں نصاب کہتے ہیں اور جس کے پاس وہ مقدار موجود ہو اُس کو صاحب نصاب کہتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اُس کو چالیسواں حصّہ زکوٰۃ میں نکالنا ہوگا، غرض مال کی وہ مقدار جس کو صاحب شرع نے وجوب کی حد قرار دیا ہو خواہ وہ نقد زر و سیم کی صورت میں ہو یا کسی اور شکل میں وہی نصاب کی مقدار ہے۔ مختلف اموالِ زکوٰۃ کا نصاب جدا جدا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ایک سال کی مدّت گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت تک واجب الادا نہیں ہوتی ہے جب تک کسی شخص کو اُس مال کا مالک بنے رہنے کی مدّت ایک سال نہ ہو جائے۔ سال سے مراد قمری حساب سے سال ہے شمسی حساب کا سال نہیں۔ قمری حساب سے ایک سال تین سو چون دن کا ہوتا ہے، وجوب زکوٰۃ کے لئے شرط یہ ہے کہ سال کے دونوں سروں پر نصاب پورا ہو رہا ہو قطع نظر اس کے کہ سال کے درمیان نصاب کامل رہا ہو یا نہ رہا ہو لہٰذا اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں پورے نصاب کا مالک تھا اور اسی حال میں پورا سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر سال کے دوران میں مال میں کمی ہو گئی اور اخیر سال میں وہ کمی پوری ہو گئی تب بھی بدستور زکوٰۃ واجب ہوگی ہاں اگر مال کی کمی اخیر سال تک جاری رہی اور سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں نصاب کا مالک تھا پھر دوران سال مال میں اور اضافہ ہوا تو اُس کو اصل مال میں شامل کیا جائے گا اور سب

پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

پورا سال گزر جانے کی شرط کھیتی اور پھلوں کے علاوہ دوسری اشیاء کے لئے ہے، کھیتی اور پھلوں کے لئے سال گزر جانے کی شرط نہیں ہے۔

صاحب مال کا آزاد ہونا اور قرض سے بری ہونا

آزاد سے مراد کسی کا غلام نہ ہونا ہے لہٰذا رقیق پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ وہ مکاتب ہو (ہمارے زمانے میں اس طبقے کے لوگ پائے نہیں جاتے) اسی طرح صاحب مال کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ قرض واجب الادا اس کے ذمہ نہ ہو بس اگر کسی پر اتنا قرض ہے جو مال نصاب کے برابر ہو یا اتنا ہو کہ ادائے قرض کے بعد بمقدار نصاب مال باقی نہ رہے تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وہ اموال جن پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی

سکونتی مکانوں، سامانہ خانہ، پہننے کے کپڑوں، سواری کے جانوروں، استعمالی ہتھیاروں اور ایسے ظروف جو سجاوٹ کیلئے ہوں اور سونے چاندی کے نہ ہوں، ان سب چیزوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسی طرح جواہرات مثلاً موتی، یاقوت، زبرجد وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔ پیشہ ورانہ آلات اور علمی کتابوں پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔

اشیاء کی قسمیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے

وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے پانچ قسم کی ہیں:

۱۔ چوپائے یعنی پالے جانے والے جانور۔

۲۔ سونا، چاندی یا سونا چاندی کے بجائے چلنے والے سکے۔

۳۔ سامانِ تجارت۔

۴۔ کان سے نکلی ہوئی اشیاء اور دفینے۔

۵۔ زرعی پیداوار اور پھل۔

ہر ایک قسم کا بیان اور زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ الگ الگ لکھا جاتا ہے۔

چوپاؤں کی زکوٰۃ

واضح ہو کہ صرف گھریلو جانوروں پر زکوٰۃ ہے، وحشی جانور مثلاً نیل گائے اور ہرن وغیرہ پر نہیں ہے۔ اونٹ، گائے، بھینس اور بکری (خواہ نر ہوں یا مادہ) ان پر زکوٰۃ عائد ہونے کی دو شرطیں ہیں، پہلی یہ کہ وہ سائمہ ہوں یعنی سال کے زیادہ تر حصے میں میدان یا جنگل کی گھاس چر کر یا درختوں کی پتی کھا کر جیتے ہوں اور ان کو چارہ کبھی کبھی دیا جاتا ہو اور دوسری یہ کہ اُن سے بار برداری، سواری، کھیتی باڑی کا کام نہ لیا جاتا ہو جیسے گھوڑے خچر اور بیل وغیرہ۔

اونٹ	تعداد جس پر زکوٰۃ ہے	شرح زکوٰۃ
کم سے کم تعداد	۱ سے چار تک	کچھ نہیں
جس پر زکوٰۃ	۵ سے ۹ تک	ایک بکری یا بکرا یا اس کی قیمت
عائد ہوتی ہے	۱۰ سے ۱۴ تک	دو بکریاں یا دو بکرے۔
پانچ ہے	۱۵ سے ۱۹ تک	تین 〃
	۲۰ سے ۲۴ تک	چار 〃
	۲۵ سے ۳۵ تک	اونٹ کا یکسالہ مادہ بچہ یا اُس کی قیمت
	۳۶ سے ۴۵ تک	اونٹ کا دوسالہ 〃 〃
	۴۶ سے ۶۰ تک	اونٹ کا تین سالہ 〃 〃
	۶۱ سے ۷۵ تک	اونٹ کا چار سالہ 〃 〃
	۷۶ سے ۹۰ تک	دو سال کے دو بچے 〃 〃
	۹۱ سے ۱۲۰ تک	تین تین سال کے دو بچے 〃

۱۲۰ اونٹوں کے بعد پھر اُسی طرح حساب چلے گا یعنی ہر پانچ پر ایک بکری اور ہر دس پر دو بکریاں بڑھتی جائیں گی یعنی ۱۲۵ اونٹوں پر ۳،۳ سال کے دو اونٹ کے بچے اور ایک بکری زکوٰۃ میں دینا ہوگی اور ۱۴۰ اونٹوں پر تین تین سال کے دو اونٹ کے بچے اور تین بکریاں ہوں گی۔ اس طرح جتنے اونٹ بڑھتے جائیں گے زکوٰۃ اسی حساب سے بڑھتی رہے گی۔

گائے بھینس وغیرہ کی زکوٰۃ کا نصاب	تعداد جس پر زکوٰۃ واجب ہے	شرح زکوٰۃ
ابتدائی نصاب تیس	۱ سے ۲۹ تک	کچھ نہیں
ہے اس سے کم پر	۳۰ ہوں تو	ایک سال کا بچہ یا اس کی قیمت
زکوٰۃ نہیں ہے	۴۰ ہوں تو	پورے دو سال کا بچہ ،،
	۶۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے دو بچے ،،
	۷۰ ہوں تو	دو سال کا ایک اور ایک سال کا ایک بچہ
	۸۰ ہوں تو	۲ سال کے دو بچے ،،
	۹۰ ہوں تو	ایک ایک سال کے تین بچے ،،
	۱۰۰ ہوں تو	دو سال کا ایک اور ایک سال کے دو بچے

جتنی تعداد بڑھتی جائے گی اُن کی زکوٰۃ بھی زیادہ ہوتی رہے گی۔ آسان طریقہ یہ ہے کہ ۳۰، اور ۴۰ کو معیار بنا لیا جائے اور ساٹھ سے زیادہ جتنی تعداد ہو ان پر ۳۰، اور ۴۰ کے اعتبار سے زکوٰۃ نکالی جائے، مثلاً ۷۰ میں ایک سال کا ایک بچہ جو ۳۰ کی زکوٰۃ ہے اور دو سال کا ایک بچہ جو ۴۰ کی زکوٰۃ ہے دینا چاہیئے، دہائی کے درمیان کی تعداد پر زکوٰۃ شمار نہ کی جائے بلکہ صرف ۴۰، ۶۰، ۷۰ کی زکوٰۃ دی جائے گی مثلاً ۱۲۰ ہوں تو یا تو ۴ بچے ایک ایک سال کے دئے جائیں یا تین بچے دو دو سال کے، دونوں صورتیں جائز ہیں۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ پر نصاب	تعداد جس پر زکوٰۃ فرض ہے	شرح زکوٰۃ
نصاب کی تعداد چالیس سے	۱ سے ۳۹ تک	کچھ نہیں
شروع ہوتی ہے اگر تمام بھیڑیں	۴۰ سے ۱۲۰ تک	ایک
ہوں تو زکوٰۃ میں خصوصیت	۱۲۱ سے ۲۰۰ تک	دو
سے بھیڑ دینا ہوگی اور اگر تمام	۲۰۱ سے ۳۹۹ تک	تین
بکریاں ہیں تو زکوٰۃ میں بکری نکالی	۴۰۰ پورے ہونے پر	چار
جائے گی اگر مشترک ہوں تو جن کی تعداد	۴۰۰ سے زیادہ ہوں تو	ہر سو پر ایک

زیادہ ہوگی زکوٰۃ میں دی جائے گی اگر تعداد برابر ہے تو زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اختیار ہے کہ دو قسموں

میں سے جو قسم چاہے وصول کرے۔ اوپر کی جو تعداد زکوٰۃ فرض ہونے کی لکھی گئی ہے ان فریضوں کے درمیان کی تعداد معاف ہے۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ کا بیان

اوپر "نصاب اور ایک سال کی مدت" کے عنوان سے سونے چاندی کی وہ مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے بیان کی جا چکی ہو۔ سونے کے نصاب کی مقدار بیس مثقال ہے اور چاندی کے نصاب کی مقدار ۲۰۰ درہم۔ مثقال اور درہم کا وزن تولوں اور ماشوں میں لانے کی علماء نے جو تحقیق کی ہے اُس کے مطابق ۲۰ مثقال کو ساڑھے سات تولے کے برابر اور دو سو درہم کو ساڑھے باون تولہ کے ہم وزن مانا گیا ہے "بہشتی زیور" مؤلفہ مولانا اشرف علی صاحب میں یہی وزن قابل اعتماد لکھا ہے۔ پس جو شخص سونے اور چاندی کے ان نصابوں کا مالک ہو اُس پر واجب ہے کہ ان کی زکوٰۃ دسویں حصے کی ایک چوتھائی (۱/۴۰) نکالے قطع نظر اس کے کہ سونا، چاندی سکے کی شکل میں ہو یا نہ ہو۔ نصاب مذکورہ بالا سے کم سونے یا چاندی پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے یعنی دونوں میں سے جو چیز نصاب کو پہنچ جائے اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ سونے اور چاندی کی بنی ہوئی جتنی چیزیں ہوں اُن سب کا حکم سونے اور چاندی کا ہے، مثلاً زیورات خواہ وہ مردوں کے ہوں یا عورتوں کے، تراش کر بنے ہوں یا پگھلا کر، برتن ہوں یا سچا گوٹا، لچکا یا سونے چاندی کے تار کا کام کپڑوں پر کیا ہوا خواہ یہ چیزیں استعمال کی جاتی ہوں یا نہ کی جاتی ہوں، اگر بقدر نصاب ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب وزن کے اعتبار سے ہے، قیمت کے اعتبار سے نہیں ہے۔ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ میں سونا اور چاندی دی جائے یا اُس کی قیمت دونوں صورتیں جائز ہیں۔

سونے چاندی کی مخلوط اشیا کی زکوٰۃ کا بیان

اگر سونا یا چاندی کسی اور دھات مثلاً تانبا، پیتل یا نکل میں مخلوط ہو تو اُن پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی تاوقتیکہ محض سونے یا چاندی کی مقدار جو دوسری دھات میں شامل ہے نصاب کو پورا نہ کرے۔ ملاوٹی اشیاء میں اس دھات کا لحاظ کیا جائے گا جس کی مقدار زیادہ ہو خواہ وہ سونا ہو یا چاندی یا کوئی اور دھات، لہٰذا سونے کے ساتھ چاندی ملی ہوئی اشیاء

میں اگر سونا زیادہ ہے تو سونے کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے اور اس پوری شے کو سونا تصور کیا جائے اور اگر چاندی کی مقدار زیادہ ہے تو اس پوری شے کو چاندی تصور کیا جائے گا۔ اگر نصاب پورا ہوتا ہو تو زکوٰۃ نکالی جائے ورنہ نہیں۔

سکّوں کی قیمتیں اور ان کی زکوٰۃ

سکّے کئی طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو سونے اور چاندی کے سکّے (جیسے ڈالر، پونڈ، ریال، دینار وغیرہ) دوسرے کاغذی سکّے (مثلاً نوٹ اور بانڈ وغیرہ) تیسرے دھاتوں کے سکّے (جیسے ریزگاری میں روپے دو روپے اور اس سے کم کے سکّے رائج ہیں)

سونے اور چاندی کے سکوں کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

کاغذی سکّوں اور دوسری دھاتوں سے بنے سکّوں کا بیان

اگر نوٹ، بانڈ، سیونگ سرٹیفکٹ یا دوسری دھاتوں سے بنے ہوئے سکّے اتنی تعداد میں جمع ہو جائیں جن سے بقدر نصاب چاندی خریدی جا سکتی ہو تو اُس کا چالیسواں حصّہ زکوٰۃ میں نکال دینا چاہیئے، اگر قدر نصاب سے زائد چاندی مل سکتی ہو جس کی قیمت سو روپے یا اس سے زیادہ ہو جائے تو جتنی بھی بیٹھتی ہو گی اُس کا ۱/۴۰ زکوٰۃ میں نکالا جائے گا مثلاً سو میں ڈھائی روپے ہزار میں ۲۵ روپے۔ دو ہزار میں ۵۰ روپے دس ہزار میں دو سو پچاس روپے وعلیٰ ہذا القیاس۔

روپیوں کی اور سونے چاندی کی زکوٰۃ نکالنا اُسی وقت واجب ہو گا جب یہ دو باتیں پائی جائیں:

۱۔ یہ کہ وہ ضرورت سے زیادہ ہو۔

۲۔ یہ کہ اس روپے کو اُس کے پاس آئے ہوئے ایک سال ہو چکا ہو۔

ضرورت سے زیادہ ہونے کا مطلب

ضروریات دو طرح کی ہوتی ہیں ایک بنیادی ضرورتیں جیسے کھانا کپڑا، مکان، علاج، پیشہ ور آدمی کے اوزار۔ تو اگر کسی کا مکان بارش میں گر گیا ہے اور اُس کو بنوانے یا مرمت کرانے کے لئے رکھے ہیں تو اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ یا مکان تنگ ہے اور اُس میں توسیع کی

ضرورت ہے، یا کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے جس کے علاج کے لئے روپے جمع کرنا ضروری ہیں یا وہ پیشہ ور ہے جس کے لئے آلات خریدنا ضروری ہیں، غرض کہ بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جو روپیہ رکھا گیا ہو اُس روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ صاحب درمختار کے اس جملہ (وفارغ عن حاجته الاصلیه) کی تشریح علامہ شامی نے یہی کی ہے۔

دوسری غیر بنیادی یا کم اہم ضرورتوں مثلاً شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ یا اور کوئی تقریب کرنے کے لئے روپے ہیں تو سال گزرنے پر ان کی زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح اگر حج کرنے، کتابیں خریدنے یا بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے روپیہ جمع کیا جائے تو اس صورت میں بھی روپوں کی زکوٰۃ واجب الادا ہے۔

سال گزرنے کا مطلب پورے سال بھر ایک شخص کے پاس اتنا روپیہ جمع رہا ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری باتیں وجوب زکوٰۃ کے شرائط میں بیان کی جا چکی ہیں۔

قرض میں دیئے ہوئے مال پر زکوٰۃ اگر کسی شخص کا قرض دوسرے پر ہے اور اُس کی مقدار نصاب کے برابر ہے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالنے کے احکام یہ ہیں:

۱۔ اگر نقد روپے قرض دیئے ہیں یا سامان بیچ دیا ہے اور اُس کی قیمت آنا باقی ہے تو اس روپے کی زکوٰۃ اس وقت دینا ہوگی جب وہ اُس کو واپس مل جائے، اب اگر وہ کئی برس کے اکٹھا وصول ہوئے تو اُن تمام برسوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی جتنے دن مقروض کے پاس رقم باقی رہی تھی اور اگر تھوڑی تھوڑی کر کے وصول ہو تو جتنا روپیہ وصول ہوتا جائے اُتنے کی زکوٰۃ دیتے جانا چاہئیے۔ البتہ اگر یہ وصول ہونے والی رقم نصاب زکوٰۃ کے ۱/۵ سے بھی کم ہو تو پھر زکوٰۃ واجب نہیں۔

۲۔ قرض کی دوسری صورت یہ ہے کہ مقروض پر ایسی چیز کی قیمت باقی ہو جس پر زکوٰۃ نہیں ہے، مثلاً گھر کا فرنیچر، پہننے کے کپڑے، سواری کا گھوڑا، ہل جوتنے کا بیل۔ اب اگر ان میں سے کوئی چیز بیچ دی اور قیمت باقی ہے اور وہ بقدر نصاب ہے یعنی اُس سے بقدر نصاب چاندی

خریدی جا سکتی ہے تو جب قیمت وصول ہو زکوٰۃ دینا چاہیئے، اگر اکٹھا اتنی مقدار وصول نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں، اگر قدر نصاب سے زیادہ رقم باقی ہو مگر کئی سال کے بعد وصول ہو تو ان تمام برسوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ سال گزرنے کی مدت کا اعتبار اُس وقت سے کیا جائے گا جب سے کہ وہ نصاب کا مالک ہوا نہ کہ اُس کے وصول ہونے کے وقت سے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مال اس کے قبضے میں تو نہ ہو لیکن ملنے کی توقع ہو جیسے مہر کا روپیہ یا انعام کا روپیہ تو اس پر اس وقت سے زکوٰۃ واجب ہوگی جب ملنے کے بعد ایک سال گزر جائے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قرض ہو مگر اُس کے ملنے کی اُمید نہ ہو مثلاً پھلدار درختوں کی شجرکاری کے لئے قرض دیا گیا ہو تو ایسے قرض پر زکوٰۃ نہیں ہے، اگر بعد میں وصول ہو جائے تو پوری مدت کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

تجارتی مال پر زکوٰۃ

وہ سامان جو تجارت کے لئے ہو خواہ وہ کسی دھات کا بنا ہوا ہو یا لکڑی کا میوہ ہو یا مسالہ، کاغذ ہو یا کتابیں، کپڑے سِلے ہوں یا بے سِلے اور تمام وہ سامان جو کسی کارخانے میں تیار ہو تو ان تمام چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ ان پر پورا سال گزر جائے اور وہ تجارت کی نیت سے رکھی گئی ہوں۔ پورا سال گزر جانے کا مطلب "صاحب نصاب ہونے کے بعد ایک سال پورا ہونا" ہے۔ تجارت کی نیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں اپنے استعمال کے لئے یا آرائش کے لئے جمع نہ کی گئی ہوں۔ اگر کسی نے اپنے گھر کے لئے بڑی بڑی دیگیں پتیلے، پتیلیاں، فرنیچر، اونی اور سوتی قیمتی کپڑے غلہ اور مسالہ وغیرہ رکھا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اگر کارخانے میں کوئی مال تیار کیا جاتا ہو تو جتنا مال فروخت ہوا اور جو اسٹاک کیا گیا سب پر زکوٰۃ واجب ہے، البتہ مشینوں یا سامان تیار کرنے کے آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح پیشہ و صنعت کار مثلاً گھڑی ساز، بڑھئی، لوہار، موٹروں اور سائیکلوں کی مرمت کرنے والے اور ان جیسے دوسرے پیشہ وروں کے استعمالی اوزار پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سامان تجارت کا نصاب یعنی وہ حد جہاں سے زکوٰۃ کا وجوب ہوتا ہے وہی ہے جو روپے پیسے کے لئے ہے۔ یعنی تجارتی سامان کی قیمت اتنی ہو کہ اُس سے بقدر نصاب چاندی خریدی جا سکتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور اس کے بعد جتنا مال بڑھتا جائے گا سب کی قیمت کا ۱/۴۰ زکوٰۃ میں

نکالا جائے گا، سونے کے نصاب کے مطابق مال تجارت کی قیمت لگانا بھی جائز ہے لیکن غریبوں اور مسکینوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے کے لئے چاندی کے نصاب کی قیمت سے حساب کرنا زیادہ مناسب ہے۔

واضح ہو کہ اصل مال تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، تمام مال کی قیمت لگا کر باہم اکٹھا کر لینا چاہئے خواہ وہ مال مختلف نوعیت کے ہوں مثلاً:۔ کپڑا اور تانبے پیتل کا سامان، اسی طرح بہ دوران سال مال تجارت سے جو نفع حاصل ہو اس کو بھی مال کی قیمت میں شامل کر لیا جائے نیز تجارت کے علاوہ کسی اور طریقے سے جو مال حاصل ہو مثلاً: وراثت یا ہبہ وغیرہ سے تو وہ منافع اور یہ مال سب کو ملا کر نصاب کا مالک سب کی زکوٰۃ سال پورا ہو جانے پر نکالے بشرطیکہ سال کے خاتمہ پر نصاب پورا ہو اور کم نہ ہو گیا ہو۔ غرض زکوٰۃ کے واجب ہونے کا انحصار پورے سال بھر تک نصاب کے قائم رہنے پر ہے۔

کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ

زمین سے اُگنے والی چیزوں پر زکوٰۃ کی فرضیت علاوہ اس عام دلیل کے جو شروع میں بیان ہوئی، کتاب وسنت سے ایک خاص حکم کے ذریعے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورۂ انعام آیت ۱۴۲)

وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ یعنی فصل کاٹنے کے وقت اُس کا حق دیا کرو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ما سقت السماء ففیه العشر یعنی جو کھیتی آب باراں سے سیراب ہو اس پر دسواں وما سقی غرب (دلو) اوالیة حصہ اور جو ڈول یا چرسا سے سینچی گئی ہو اُس میں (دولاب) ففیه نصف العشر۔ دسویں حصے کا نصف (۱/۲) واجب ہے۔

اس حدیث میں مذکورہ آیت کی تفصیل ہے۔

زمین کی پیداوار سے جو زکوٰۃ نکالی جاتی ہے اُسے شریعت میں عُشر کہتے ہیں، اس کو ادا کرنا ہر اُس مسلمان پر فرض ہے جو زمین سے پیداوار حاصل کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا نابالغ بچہ۔ عاقل ہو یا مجنون۔

زمین کی پیداوار میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں

زمین کی پیداوار میں ہر وہ چیز شامل ہے جو زمین سے اُگتی ہے اور اس سے آدمی فائدہ حاصل کرتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠

(بقرہ آیت ۲۶۷)

اے ایمان والو خدا کی راہ میں ان اچھی اچھی چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔
ہر قسم کا غلہ ہر قسم کے پھل اور میوے اور مختلف قسم کی کھانے کی چیزیں جن میں ترکاریاں، خربوزہ، تربوز، ککڑی، شکر قند گنا وغیرہ شامل ہیں سب میں عشر واجب ہے، قرآن مجید میں ان چیزوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (سورۂ انعام آیت ۱۴۲)

وہی اللہ جس نے باغات پیدا کئے وہ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں (جیسے انگور وغیرہ) اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں مختلف طرح کی کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار باہم مشابہ بھی اور غیر مشابہ بھی ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق شرع سے واجب ہے وہ اس کے کاٹنے اور توڑنے کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو اور حد سے مت گزرو، یقیناً اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

عشر اور زکوٰۃ میں فرق

سامان تجارت، سونا چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ اور عشر میں فرق یہ ہے کہ عشر کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اور نہ ایک سال کا گزرنا عشر واجب ہونے کے لئے شرط ہے جبکہ روپے پیسے کی زکوٰۃ میں یہ دونوں باتیں شرط ہیں۔ ترکاری وغیرہ چند دن سے زیادہ باقی نہیں رہ سکتیں، مگر ان میں عشر ہے۔ زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے، اگر کوئی شخص دوسرے کا کھیت لگان پر لے کر جوتتا ہے یا کسی قسم کے پھل یا میوے کے باغ کو پھل اور میوہ تیار ہونے کے زمانے تک خریدتا ہے تو دونوں صورتوں میں فصل کی کٹائی کے وقت اور پھل توڑتے وقت عشر دینا ضروری ہے۔ یہ مسائل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

مسلک کے مطابق ہیں، دوسرے ائمہ کا مسلک آگے استدراک کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

بٹائی کا حکم بٹائی پر کھیتی کرنے کی صورت میں ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصّہ کا عشر الگ الگ دینا چاہیے اور اگر اکٹھا ہی پورے غلّے کا عشر نکال کر باقی غلّہ تقسیم کرلیں تو یہ بھی جائز ہے۔

عشر نکالنے کا طریقہ اگر پیداوار بارش کے پانی سے یا بغیر پانی کے ہوئی ہے مثلاً دھان یا باجرا جوار، ارہر، اور خریف کی دوسری فصلیں۔ یا دریا کے کنارے اور ترائی کی زمین میں ربیع کی پیداوار، یا باغات کے پھل تو ان تمام چیزوں میں دسواں حصّہ (عشر) نکالنا فرض ہے، یعنی دس من میں ایک من یا دس پھل میں ایک پھل کے حساب سے عشر نکالا جائے گا۔

اگر یہ پیداوار سینچائی کے ذریعے ہوئی ہے، مثلاً کنویں سے ڈول یا رہٹ کے ذریعے یا تالاب سے پانی کھینچ کر یا ٹیوب ویل یا نہر سے قیمتاً پانی لیکر کھیت یا باغ کی سینچائی کی گئی ہو تو ان تمام صورتوں میں بیسواں حصہ یعنی نصف عُشر دینا فرض ہے یعنی ۲۰ من میں ایک من۔ جہاں ربیع کی فصل جو، گیہوں، مٹر وغیرہ سینچائی کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں ان سب میں بیسواں حصّہ ہے۔ لیکن اگر پانی پہنچانے کے لئے کوئی انتظام آب رسانی کا نہ کرنا پڑے بلکہ تالاب، چشمہ یا ندی سے کاٹ کر کھیت میں پہنچا دیا جائے تو اس میں دسواں دینا ہوگا بیسواں نہیں۔

جہاں دونوں صورتیں جمع ہوں یعنی اگر کوئی فصل ایسی ہو جس میں سینچائی بھی کی گئی ہو اور بارش کے پانی سے بھی فائدہ پہنچا ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اگر اس فصل کا زیادہ حصّہ سینچائی کی وجہ سے ہوا ہے تو بیسواں دینا ہوگا۔ سینچنے کے بعد اگر بارش ہو بھی جائے تو اُس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر سینچا نہیں تھا کہ بارش ہوگئی اور اسی بارش سے فصل تیار ہوگئی تو بیسواں (یعنی نصف عشر) کے بجائے دسواں حصّہ دینا ہوگا (یعنی عُشر)

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زیادہ حصہ بارش کے پانی سے یا بغیر بارش کے ہوا ہو آخر فصل میں یا شروع فصل میں ایک آدھ بار پانی چلا دیا گیا ہو تو پھر اُسے دسواں (عشر) ہی دینا

ہوگا جیسا کہ دھان کی فصل میں ہوتا ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ خریف کی فصل جو جمی اور بڑھی تو ہو بارش کے پانی سے لیکن آخر میں دو تین بار پانی دینا پڑا ہو، ایسی صورت میں عشر کے بجائے نصف عشر (۱/۲۰) دینا پڑے گا۔

ہدایات

۱۔ عشر یا نصف عشر (جیسی بھی صورت ہو) پوری پیداوار سے لیا جائے گا۔ ہل بیل، سینچائی، مزدوری اور بیج وغیرہ کا خرچ وضع نہیں کیا جائے گا (درمختار)

۲۔ جس پیداوار میں سے عُشر دینا واجب ہے اُس کو استعمال کرنے سے پہلے عشر نکال دینا ضروری ہے اگر بغیر عُشر نکالے استعمال کرے گا تو اس کے لئے ناجائز ہوگا۔ البتہ اگر عشر نکالنے کا ارادہ کر لیا ہو تو پھر ناجائز نہیں ہے۔

(جواہر النیرہ میں ہے" الا اذا کان المالك عازمًا علی اداء العشر"

۳۔ اگر کوئی شخص عُشر ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اسلامی حکومت اُس کے چھوڑے ہوئے مال سے عُشر وصول کرلے گی یا اُس کے ورثا دیدیں تو سب سے بہتر ہے۔

۴۔ فصل کاٹنے سے پہلے یا باغ کے پھل توڑنے سے پہلے فصل کو یا پھلوں کو بیچ دیا تو اُس کی دو صورتیں ہیں (۱) اگر اس نے کھیتی اور پھلوں کو پکنے سے پہلے بیچا ہے تو عُشر خریدار پر واجب ہوگا (۲) اگر پک کر تیار ہو جانے کے بعد بیچا ہے تو بیچنے والے پر عُشر ادا کرنا ضروری ہوگا۔

۵۔ عُشر پیداوار میں سے ہی نکالا جائے گا۔ چاہے اُسی کو عشر میں دیا جائے یا اُس کی قیمت کو دونوں صورتیں جائز ہیں۔

۶۔ گھر کے اندر لگائے ہوئے درخت کے پھل یا گھر کے صحن میں بوئی ہوئی ترکاری میں عُشر نہیں ہے۔

۷۔ پیداوار جیسی ہو ویسی ہی عشر میں دینا چاہیئے اور حتی الامکان اچھا مال دینا چاہیئے۔

استدراک

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد کا اور امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ پانچ وَسق سے کم پیداوار پر زکوٰۃ (یعنی عُشر) واجب نہیں ہے۔ پانچ وسق کا وزن اسی تولے والے سیر سے

۲۵ من پونے ۲۴ سیر ہوتا ہے۔ ترکاریوں کے بارے میں بھی ان حضرات کی رائے ہے کہ اس پر زکوٰۃ (عشر) نہیں لینا چاہئیے کیونکہ ایک حدیث میں ترکاری کا عُشر سے مستثنیٰ ہونا ثابت ہے، لیکن عام فقہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ حدیث میں یہ مطلق حکم موجود ہے کہ "جو کچھ زمین سے پیدا ہو اُس میں صدقہ ہے" دوسرے ائمہ کا استدلال یہ ہے کہ آپؐ نے حکم کے بعد ترکاریوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے زرعی اجناس اور پھلوں کی زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے دو شرطیں بڑھائی ہیں: ایک یہ کہ وہ شے ذخیرہ کرنے کے قابل ہو، دوسرے یہ کہ وہ شے نصاب کی مقدار کو پہنچ گئی ہو اور نصاب کی مقدار پانچ وسق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لیس فی حب ولا تمر صدقة	یعنی دانوں (اناج) میں اور کھجور میں صدقہ
حتی تبلغ خمسة اوسق.	نہیں ہے جب تک پانچ وسق کی مقدار نہ ہو جائے۔

اور ایک وسق کی مقدار ساٹھ صاع کے برابر بتائی ہے جو ان دنوں مدینے میں رائج تھا۔

مصارف زکوٰۃ جس طرح قرآن وحدیث میں زکوٰۃ ادا کرنے کے احکام ہیں اسی طرح زکوٰۃ کے حقداروں کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں آٹھ قسم کے لوگوں کو اس کا مستحق قرار دیا گیا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (سورۂ توبہ آیت ۶۰)

زکوٰۃ کے حقدار ہیں فقیر، مسکین زکوٰۃ وصول کرنے کے کارندے، اور جن کے دلوں کو ملانا مقصود ہو اور زکوٰۃ کو غلام آزاد کرانے قرضداروں کا بار ہلکا کرنے اور اللہ کے راستے میں نکلنے والوں اور غریب الوطن مسافروں کی مدد کرنے کے لئے خرچ کیا جائے، یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

ان آٹھ اقسام میں سے ہر ایک کی تعریف اور ان کے متعلقہ احکام یہ ہیں:

فقرا ۔ فقیر کی جمع ہے جس سے وہ شخص مراد ہے جس کے پاس مال نصاب سے کم یا نصاب کے برابر ہو اور اُس کی ضروریات کے لئے ناکافی ہو۔ مقدار نصاب کا مالک ہونا فقیر کے زمرے سے خارج نہیں

کرتا۔ صاحب علم فقراء جو قلیل ذرائع آمدنی پر گزر کرتے ہیں اُن پر خرچ کرنا زیادہ اچھا ہے، قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو جو اللہ کے کاموں میں مصروف ہوں اور زمین میں چل پھر کر روزی کمانے کا موقع کم ملتا ہو فقراء کے لفظ سے یاد کیا ہے اور اُن کا حال یہ بیان کیا ہے کہ،

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا (بقرہ، آیت ۲۷۳)

ناواقف لوگ ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے مطمئن اور مالدار سمجھتے ہیں تم غور کرو تو اُن کے چہرے بشرے سے پہچان لوگے کہ وہ مطمئن نہیں ہیں لیکن وہ گڑ گڑا کر کسی سے نہیں مانگتے۔

مساکین۔ مسکین کی جمع ہے، اس سے وہ شخص مراد ہے جو بے روزگار ہو۔ گذارہ کرنے اور تن ڈھانکنے کے لئے کچھ نہ ہو یا کسی حادثہ کی وجہ سے تہی دست ہو گیا ہو یا خود روزی کمانے کی صلاحیت کھو چکا ہو، بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے۔ ایسے شخص کو سوال کرنا حلال ہے بخلاف فقیر کے کہ اگر اس کے پاس ایک دن کی خوراک اور تن ڈھانکنے کو کپڑا ہے تو اُسے سوال کرنا حلال نہیں ہے۔

عاملین۔ عامل وہ شخص کہلاتا ہے جس کو امام (حکومت) نے کسی کام پر لگایا ہو، یہاں زکوٰۃ و عشر وصول کرنے والے کارندے مراد ہیں، کام کی نوعیت کے مطابق اُن کی اجرتیں زکوٰۃ کی مد سے دی جائیں گی اگر ایسا نظام مسلمان بنالیں۔

مؤلفۃ القلوب:۔ وہ لوگ جن کو اسلام کی طرف مائل کرنے یا دلجوئی کرنے یا انھیں دشمنوں کے فتنے سے باز رکھنے کے لئے کچھ دیا جائے تو زکوٰۃ یا عشر سے دیا جاسکتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ ادا کرنے سے روک دیا گیا تھا

رقاب۔ یہ رقبہ کی جمع ہے، رقبہ کے معنی گردن کے ہیں، یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے مثلاً جنگ میں گرفتار شدہ قیدی یا غلام جن کی رہائی بغیر معاوضہ ادا کئے ممکن نہ ہو، اُن کی مدد زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

غارمین۔ غارم وہ شخص ہے جس پر کوئی بار یا بوجھ ہو مثلاً قرض کا یا ضمانت کا بار اور اُس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ ادائے قرض یا زر ضمانت کے بعد بمقدار نصاب مال رہ سکے، ایسے شخص کی مدد زکوٰۃ سے کی جائے گی۔

فی سبیل اللہ:۔ سے مراد ایسے حاجتمند اشخاص ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے اپنے متعلقین کو

کو چھوڑ کر نکلے ہوں یا کسی دینی کام کے لئے جا رہے ہوں تو ایسے نیک کام میں اُن کی امداد زکوٰۃ سے کی جائے گی۔
ابن السبیل، وہ ہے جو غریب الوطنی میں اپنے مال سے جدا ہو کر رہ گیا ہو اور مسافرت کی حالت میں ضرورت پیش آگئی ہو گو وہ گھر کا مالدار ہی کیوں نہ ہو، اُس کی مدد زکوٰۃ سے کرنی چاہیئے، حاجت کے مطابق ہی دینا جائز ہے، ادائے زکوٰۃ صحیح ہونے کی شرط نیت ادائے فریضہ ہے۔ زکوٰۃ نکالنے والے کو اختیار ہے کہ سب ہی قسم کے مستحقین کو جن کا اس آیت میں ذکر ہے دے یا بعض کو دے یا کسی ایک ہی قسم کے مستحق کو ادا کرے، اگر زکوٰۃ کی مقدار نصاب سے کم ہو تو صرف ایک ہی شخص کو دینا بہتر ہے۔ ادائے قرض کے لئے جس کو زکوٰۃ دی جائے تو مستحق سے یہ کہہ دیا جائے کہ وہ مالِ زکوٰۃ کو قرض ادا کرنے کے لئے کام میں لائے۔

کن لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہیئے

اپنی اصل کو یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر کے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور نہ اپنی شاخ یعنی بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی اور ان سے نیچے کے لوگوں کو دینا جائز ہے۔ اسی طرح بیوی کو زکوٰۃ دینا روا نہیں ہے اگرچہ وہ زوجیت سے علیحدہ ہو کر عدت میں ہو اور بیوی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مال اپنے شوہر پر خرچ کرے۔ جس کے پاس بقدر نصاب مال ہو اُس کو بھی زکوٰۃ دینا نہیں چاہیئے، مالدار آدمی کی نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ مال زکوٰۃ کا مسجد یا مدرسہ کی تعمیر، پُل کی تعمیر، سڑکوں کی مرمت، میت کی تجہیز و تکفین میں اور ہر ایسی شکل میں جس میں مستحق زکوٰۃ کو مال زکوٰۃ کا مالک نہ بنایا گیا ہو صرف کرنا جائز نہیں۔

زکوٰۃ لینے کے حقدار

سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ دار مثلاً بھائی، بھتیجے، بھتیجیاں، بہن بہنوئی، بھانجے بھانجیاں، چچا، چچی، خالہ، خالو، پھوپھی پھوپھا، ماموں ممانی، ساس، سسر، سالے، داماد، سوتیلے باپ، سوتیلی ماں۔ ان کے علاوہ جو بھی قریبی عزیز ہوں اُن کو دینے میں دُہرا ثواب ہے، ایک زکوٰۃ دینے کا، دوسرا صلہ رحمی اور نیک سلوک کا، ان لوگوں کے بعد پڑوسیوں اور احباب کا حق ہے پھر اپنے شہر یا آبادی میں دوسرے مستحقوں کا پھر جن کو دینے میں دین کا فائدہ ہو مثلاً طالبعلموں، مبلغوں اور معلموں کو۔ کسی مالدار کے بالغ لڑکے

کو جو فقیر (حاجتمند) ہو یا مال دار کی بیوی کو جو محتاج ہو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

مال زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا

زکوٰۃ جہاں نکالی جائے وہیں خرچ کی جائے، ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانا مکروہ ہے بجز اُس صورت کے کہ کوئی عزیز یا دوست دوسرے مقام پر رہتا ہو یا کسی وجہ سے چلا گیا ہو اور مدد کا مستحق ہو یا کوئی طالبعلم گھر چھوڑ کر دوسرے شہر میں علم حاصل کرنے گیا ہو۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے اُس جگہ کو ملحوظ رکھا جائے گا جہاں پر مال زکوٰۃ ہے، یہاں تک کہ اگر مالک کسی اور شہر میں ہے اور مال قابل زکوٰۃ دوسرے شہر میں تب بھی زکوٰۃ کی تقسیم وہاں کی جائے گی جہاں مال ہے۔ زکوٰۃ کا مال رشتہ داروں کے بچوں یا کسی خوش خبری دینے والے کو انعام وغیرہ میں اگر دیا جائے تو جائز ہے تقاریب اور عید کے مواقع پر محتاج مردوں اور عورتوں کو مال زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے، البتہ ذمیوں کو صدقہ کا مال تو دیا جاسکتا ہے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

سادات بنی ہاشم پر زکوٰۃ حلال نہیں ہے بخلاف نفل صدقات اور مال وقف کے کہ یہ سادات کو دئے جاسکتے ہیں۔

عُشر و زکوٰۃ کی وصولی کا حکومتی ادارہ

اگر کہیں اسلامی حکومت کی طرف سے عشر و زکوٰۃ اکٹھا کرنے کا انتظام ہو تو اپنی زکوٰۃ حکومت کے حوالے کر دینا چاہئیے جہاں مناسب ہوگا وہ خرچ کرے گی —— نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عاملین کو عشر و زکوٰۃ وصول کرنے اور اُسے تقسیم کرنے کا حکم دیتے تو فرماتے:

توخذ من اغنیائھم وَتُرَدُّ عَلٰی فقرائھم۔ — اُن کے امیروں سے زکوٰۃ وعشر وصول کیا جائے اور اُسے اُن کے غریبوں پر تقسیم کر دیا جائے۔

زکوٰۃ کے مال کی حیثیت

زکوٰۃ میں جو مال نکالا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے حقداروں کا ہوتا ہے اس لئے زکوٰۃ نکالنے والے کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئیے کہ یہ مال اُس کا تھا ہی نہیں اور وہ اُسے مستحقین کو پہنچا کر احسان نہیں کر رہا ہے بلکہ اللہ کا

عائد کردہ فرض بجالا رہا ہے، احسان مند تو وہ خود اللہ کا ہے جس نے اس کو زکوٰۃ نکالنے کی توفیق عطا فرمائی اور اُس کو ذریعہ بنایا غریبوں اور مستحقوں کو مدد دینے کا۔ زکوٰۃ نکالنے والا اللہ سے اجر و ثواب پانے کا سزاوار تب ہی ہے جب وہ زکوٰۃ ادا کر کے اپنے دل میں سمجھے اور زبان سے بھی کہے کہ اُس نے صرف فرض ادا کیا ہے کسی پر احسان نہیں کیا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو اجر دے گا:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورۂ بقرہ - ۲۶۲)

جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کر کے احسان نہیں جتاتے اور نہ لینے والے کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے اُن کو نہ خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

جو لوگ صدقہ دے کر احسان جتلاتے اور تکلیف دیتے ہیں اُن کے بارے میں کہا گیا ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (بقرہ۔ ۲۶۳)

ایک بھلی اور میٹھی بات اور کسی کی غلطی کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے کوئی تکلیف دہ بات کہی جائے، اللہ بے نیاز اور بڑا بُردبار ہے۔

اللہ تمہاری لغزشوں اور کوتاہیوں کو دیکھتا ہے اور درگذر کرتا رہتا ہے، تمہاری گرفت کر کے ذلیل نہیں کرتا۔ اسی طرح تم بھی کچھ مال کسی کو دے کر اُس کو ایذا نہ پہنچاؤ، اور احسان جتا کر اس کی اہانت نہ کرو۔ اس سے تمہاری زکوٰۃ و خیرات برباد ہو گی اور نیکی کا اجر پانے سے محروم ہو جاؤ گے، اللہ تعالیٰ نے بڑی بلیغ مثال دے کر یہ بات فرمائی ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۗ

(سورۂ بقرہ ۲۶۴)

اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ پہنچا کر برباد نہ کرو اُس آدمی کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اُس کو نہ تو خدا پر یقین ہوتا ہے نہ آخرت

پر، اُس کی مثال پتھر کی چٹان جیسی ہے جس پر مٹی جمی ہو اور بارش ہو پڑے۔ تو وہ صاف چٹان رہ جائے (جس پر کچھ بویا نہ جا سکے)

اگر صدقہ و خیرات میں خالص عبادت کی نیت اور خدا کی رضا مقصود نہ ہو اور احسان دھرنا یا ضرورتمند کا استحصال کرنا مدِنظر ہو تو ایسا صدقہ اور خیرات محض دکھاوا ہے اور ایسا ہی بیکار ہے جیسے چٹان کے اوپر مٹی، اسی لئے اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ مستحقین کو دیتے وقت یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ ہے اور نہ علی الاعلان دینا چاہیئے۔ یہ بھی بہتر طریقہ ہے کہ بچوں کو انعام یا عیدی وغیرہ کے نام سے دیا جائے لیکن بالکل ناسمجھ بچوں کو دینا درست نہیں ہے، متوسط حال کے بعض لوگ جو واقعی مستحق ہوتے ہیں لیکن زکوٰۃ نہیں مانگتے اور اس نام سے کوئی دے تو اُن کو تکلیف ہوتی ہے ایسے لوگوں کو کسی نہ کسی بہانے سے دینا پسندیدہ ہے، احسان اور رحم کا جذبہ ہر مسلمان میں ہونا چاہیئے اور دوسروں کی غربت و تکلیف کو سمجھنا چاہیئے۔

صدقۂ فطر بھی زکوٰۃ کی ایک شکل ہے جو ماہ رمضان کے آخر میں دینا واجب ہے اُس کا ذکر روزہ کے بیان میں کیا جا چکا ہے۔

کان اور دفینوں کا بیان

ائمۂ فقہ کی رائیں کان سے نکلنے والی چیزوں کے بارے میں مختلف ہیں۔ سونا اور چاندی اگر قدرتی کان سے برآمد ہو تو تین اماموں کی رائے میں اگر ان کی مقدار نصاب کو پورا کرتی ہو تو زکوٰۃ کا حکم نافذ ہوگا لیکن اگر دفینہ ہے یعنی سابق زمانے میں زمین میں دفن کیا گیا سامان ہے خواہ کیسی ہی چیزیں اُس میں سے برآمد ہوں اُنھیں مال غنیمت قرار دے کر خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے۔ حنفی فقہا کان اور دفینے سے برآمد ہونے والی اشیاء پر زکوٰۃ کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ ان میں زکوٰۃ کی شرطیں نہیں پائی جاتیں۔ لہٰذا کان سے نکالی جانے والی وہ اشیاء جو پگھلائی جا سکتی ہوں اُن پر خمس نکالنے کا حکم دیتے ہیں۔ مائع اشیاء مثلاً کولتار، تیل اور نمک اور آگ میں نہ پگھلائی جانے والی اشیاء مثلاً جواہرات، پتھر اور چونے پر کچھ مطالبہ عائد نہیں کرتے، رہا دفینہ تو اس میں تمام وہ چیزیں شامل ہیں جو زمین کے اندر سے دستیاب ہوں مثلاً ہتھیار، اوزار، گھریلو سامان، برتن وغیرہ تو ان تمام پر خمس واجب ہوگا اور جو چیزیں سمندر سے نکالی جائیں جیسے عنبر، موتی، مونگا، مچھلی وغیرہ اس پر کوئی مطالبہ نہیں۔ خمس بھی اُس وقت واجب ہوگا جب دفینہ غیر اسلامی عہد کا ہونا ثابت ہو جائے

حج

حج ایسی عبادت ہے جس میں جسمانی توانائیاں اور مال و دولت دونوں خرچ کرنے پڑتے ہیں جب یہ دونوں چیزیں کسی مسلمان مرد یا عورت کو میسّر ہوں تو اس پر حج کرنا فرض ہے۔

حج کے معنی اور تعریف

لغت میں حج کے معنی کسی "بڑے مقصد کا ارادہ کرنا" ہیں شریعت کی اصطلاح میں اس لفظ سے وہ خاص اعمال مراد ہیں جو مخصوص ایام میں ایک خاص جگہ اور خاص طریقے سے ادا کیے جائیں۔

حج کی اہمیت اور فضیلت

نماز روزہ اور زکوٰۃ ایسی عبادتیں ہیں جو اگلی شریعتوں میں بھی فرض تھیں جس کی شہادت قرآن سے ملتی ہے اسی طرح حج بھی فرض تھا چنانچہ عرب جو حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے تھے اس فریضے کو ادا کرتے چلے آئے تھے اور باوجود اس کے کہ شرک اُن میں راہ پا گیا تھا، رات دن قتل و غارت گری اور شراب نوشی اور دوسری برائیوں میں مصروف رہنے لگے تھے، پھر بھی حج کے زمانے میں قتل و خوں ریزی سے باز رہتے اور امن و سکون کے ساتھ حاجیوں کے قافلوں کا خیر مقدم کرتے اور ایام حج میں دشمنوں کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہ ہونے دیتے۔ حج کے ایام میں بھی کچھ نامناسب روایات انھوں نے داخل کر رکھی تھیں مثلاً لباس دور کر کے طواف کرنا اور حدود حرم میں شعر گوئی کی محفلیں منعقد کرنا وغیرہ۔ شریعت محمدی میں بھی حج کو فرض کر دیا گیا اور جو نئی باتیں انھوں نے از خود اعمال حج میں بڑھا رکھی تھیں اُن سے اس کو پاک کر دیا۔

حج کے مسائل اور اس کا ثبوت

حج عمر بھر میں ایک بار ہر مسلمان پر مرد ہو یا عورت بشرط استطاعت ادا کرنا فرض ہے اور اس کی فرضیت قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا (آل عمران۔ ۹۷)

خالص خدا کی خوشنودی کے لئے اُن لوگوں پر اللہ کے گھر کا حج کرنا فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

بہت مشہور حدیث ہے "بُنی الاسلام علی خمس" یعنی اسلام پانچ رُکنوں پر قائم کیا گیا ہے)

اِس حدیث میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے بعد جس رُکن کا ذکر ہے وہ حج ہے، رہا اجماع تو تمام اُمت کا اس کے فرض ہونے پر اتفاق ہے لہٰذا اس کا منکر کافر ہے جیسا کہ اوپر لکھی آیت یعنی سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۹۷ کا آخری فقرہ "وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" سے ظاہر ہے (جو شخص اس فرضیت کا مُنکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہے)

اس بات کا ثبوت کہ حج عمر بھر میں ایک بار فرض ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا ایھا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا، فقال رجل اَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَسَکَتَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی قَالَھَا ثَلَاثًا فَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ۔

اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا حج کیا کرو" اس پر ایک شخص نے کہا "کیا ہر سال یا رسول اللہ؟" آپ خاموش رہے اُس نے تین بار اپنی بات کو دُہرایا تب آپؐ نے فرمایا! اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج واجب ہو جاتا اور تم سے نہ ہو سکتا۔

حج سے مقصود صاحب استطاعت مسلمانوں پر حج کی فرضیت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایک ہی خطۂ ارض میں جمع ہو کر خدائے واحد کے حضور میں اپنی عبادات اور جذبۂ اطاعت و فرماں برداری کے پیش کرنے کا موقع فراہم ہو۔ دینِ اسلام اخوت اور باہمی تعاون کا دین ہے، حج نیکی اور پرہیز گاری میں مسلمانوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی تربیت دیتا ہے، رنگ و نسل اور وطن کے اختلافات کو مٹا کر سب کو ایک دین کے رشتہ میں پروتا ہے، حج کے مناسک اور ارکان، حج کرنے والوں کے

ذہن میں یہ شعور پیدا کرتے ہیں کہ وہ ایک بلند و برتر اور قادر مطلق پروردگار کے حضور میں حاضر ہیں جس نے انھیں پیدا کیا اور رزق دیا اور اپنی بے شمار مخلوقات پر برتری اور فضیلت عطا کی۔ یہ فریضہ حج یاد دلاتا ہے کہ موت ضرور آئے گی اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، جہاں صرف اعمال صالحہ اور ہر حالت میں خدا کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کے جذبے کو دیکھا جائے گا، قیامت کے دن سب یکساں حالت میں اٹھیں گے۔ اسی کا نمونہ حاجیوں کا یکساں لباس پیش کرتا ہے اور میدان حشر کا تصور آنکھوں کے سامنے لے آتا ہے۔ سب اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اس سے محبت اور فرماں برداری کا اقرار کرتے ہیں۔

حج کب فرض ہو جاتا ہے

جس مسلمان مرد اور عورت میں اس فریضے کے واجب ہونے کی پوری شرائط پائی جائیں اسی وقت اس پر حج فرض ہو جاتا ہے اب اگر وہ اسی سال جس میں حج فرض ہوا ہے۔ بغیر کسی معقول عذر کے حج کرنے میں تاخیر کرے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی تینوں امام اس تاخیر کو گناہ قرار دیتے ہیں۔

حج واجب ہونے کی شرطیں

ایک مسلمان کا بالغ، عاقل، آزاد ہونا اور صاحبِ استطاعت ہونا حج کے واجب ہونے کی شرطیں ہیں۔ لہٰذا جو بچہ سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو اس پر حج واجب نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ایما صبی حج عشر حجج ثم بَلَغَ فَعَلَيْهِ حَجة الاسلام۔	کسی بچے نے دس حج بھی کئے پھر بالغ ہوا تو اس پر لازم ہے کہ اسلام نے جو حج فرض کیا ہے اُسے ادا کرے۔

مجنون (فاتر العقل) پر حج واجب نہیں وہ اس بارے میں بے شعور لڑکے کی طرح ہے۔

آزاد ہونا بھی ایک شرط ہے چنانچہ غلام پر حج واجب نہیں ہے، اگر اس طبقے کے لوگ اب بھی کسی خطۂ زمین میں پائے جائیں تو اُن پر حج کرنا واجب نہیں ہوگا۔

استطاعت کے مسائل

جس میں استطاعت نہ ہو اس پر حج واجب نہیں ہے اس بارے میں سورۂ آل عمران کی آیت ۹۷ کا حوالہ دیا جاچکا ہے، استطاعت کے معنی ہیں قادر ہونا، مطلب یہ ہے کہ سفر اور سواری کے خرچ کا مقدور ہو اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب بنیادی ضرورت سے فاضل مال ہو۔ بنیادی ضروریات کی تفصیل میں کیا کیا آتا ہے؟ مثلاً: قرض واجب الادا، رہنے کا گھر، ضروری مولیشی، پیشہ ورانہ آلات، ہتھیار، نیز اتنا مال کہ گھر سے جانے اور واپس آنے تک اہل وعیال یا اُن لوگوں کے نان نفقہ کے لئے کافی ہو جن کی ذمہ داری اُس پر ہے، سواری کے تعین میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ وہ سواری اس شخص کی عادت اور عام رواج کے مطابق ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص اونٹ کی پیٹھ پر سوار نہیں ہو سکتا اور محمل کا کرایہ ادا نہیں کر سکتا اور صرف یہی سواری ممکن الحصول ہے تو اس شخص پر حج واجب نہیں ہے، یہ حکم اُس صورت میں ہے جب کوئی شخص مکے سے تین یوم یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو لیکن جو شخص قریب ہے اس پر حج واجب ہے، گو سواری کا بندوبست نہ کر سکے لیکن چلنے کی طاقت اور لازمی اخراجات کے علاوہ زادراہ موجود ہونا چاہیئے۔

اگر کوئی شخص اپاہج یا فالج زدہ یا اتنا ضعیف العمر ہو کہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا ایسے لوگوں پر یہ بھی واجب نہیں کہ اپنے بدلے میں کسی اور سے حج کرنے کے لئے کہیں۔ نابینا شخص جو زادراہ اور سواری کا بندوبست کر سکتا ہے لیکن کوئی راہبر میسر نہیں اُس پر نہ خود حج کرنا واجب ہے نہ حج بدل کرانا۔

دوسرے وجوب حج کے لئے ضروری ہے کہ راستہ محفوظ ہو یعنی بالعموم سلامتی کے ساتھ سفر کیا جا سکتا ہو خواہ وہ سفر بری ہو یا بحری۔

تیسرے عورت کی صورت میں شوہر کا یا کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے، محرم سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ نکاح حرام ہے خواہ نسب کی وجہ سے یا ازدواجی رشتے سے یا دودھ کے رشتے سے۔ محرم کا معتمد، عاقل اور بالغ ہونا بھی شرط ہے، یہ حکم بھی اس صورت میں ہے جبکہ تین یوم یا اس سے زیادہ مسافت پر ہو۔

چوتھے یہ کہ عورت عدت میں نہ ہو، عدت میں حج کرنا منع ہے۔

حج کے صحیح ہونے کی شرطیں

حج کے صحیح ہونے کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے خواہ وہ خود حج کرے یا اُس کی جانب سے کوئی اور کرے، دوسری شرط تمیز (یعنی باشعور ہونا) ہے، چنانچہ صبی ممیز (باشعور لڑکا) اگر حج کرے اور اعمال حج بجالائے تو حج صحیح ہوگا جس طرح نماز صحیح ہوگی لیکن جو بچہ ہنوز ذی شعور نہیں ہوا تھا یا کوئی مجنون (فاترالعقل) ہے تو اُس کا حج صحیح نہ ہوگا، نہ اُن کا احرام درست ہے اور نہ اعمال حج میں سے کوئی عمل ٹھیک ہوگا لیکن ایسے اشخاص کے ولی پر لازم ہے کہ اُن کی طرف سے احرام باندھے اور بہ دوران حج ہر موقع پر اُن کو ساتھ رکھے، طواف اور سعی اُن کو ساتھ لے کر کرے اور عرفات ساتھ لے کر جائے۔ تیسری شرط صحت حج کی اعمال حج کو اُن کے خاص اوقات میں ادا کرنا ہے۔ اس سے مراد وہ اوقات ہیں جو وقوف بہ عرفات اور طواف زیارت کے لئے مقرر ہیں۔ وقوف کا وقت یوم عرفہ کے زوال شمس کے بعد سے یوم نحر کے طلوع فجر تک ہے اور طواف زیارت کا وقت یوم نحر کی فجر سے شروع ہوتا ہے یعنی طواف زیارت عرفات میں وقوف کے بعد کسی وقت بھی ہوسکتا ہے پس اگر کوئی شخص طواف زیارت سے پہلے عرفات میں نہیں ٹھہرا تو طواف زیارت صحیح نہ ہوگا۔ وہ وقت جس سے پہلے اعمال حج میں سے کسی فعل کا کرنا درست نہیں وہ یکم ماہ شوال سے ماہ ذیقعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ہے، اگر اس سے پہلے طواف کیا یا سعی کی تو درست نہیں ہے لیکن احرام اس سے مستثنیٰ ہے تاہم ان اوقات سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ وقوف کے لئے مقامِ عرفات اور طواف زیارت کے لئے مسجد حرام کا ہونا شرطِ صحت ہے اور احرام باندھنا بھی شرط ہے، حنفی مسلک کے مطابق صحت حج کی تین شرطیں ہیں:

(۱) احرام یعنی نیت حج کا مخصوص لباس (۲) حج کا وقت اور (۳) حج کی جگہ

یہ شرائط وجوب حج کے لئے بھی ہیں ـــــ رہا صاحب شعور ہونا۔ ہر چند کہ بعض ائمہ اس کو صحت حج کی شرط قرار نہیں دیتے لیکن حقیقت میں یہ شرط ہی ہے کیونکہ جو صاحب شعور نہ ہو اس کا احرام باندھنا حنفی فقہاء کے نزدیک درست نہیں۔

ارکانِ حج

حج کے ارکان چار ہیں، احرام، طوافِ زیارت جس کو طوافِ افاضہ کہتے ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی اور عرفات میں وقوف۔ ان ارکان میں سے اگر کوئی ایک رُکن بھی رہ جائے تو حج باطل ہو جائے گا، تین اماموں کا اس پر اتفاق ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کے صرف دو رکن ہیں (۱) عرفات میں وقوف کرنا (۲) طوافِ زیارت کا بیشتر حصّہ (یعنی سات میں سے چار چکر) رکن ہے۔ باقی حصّہ (تین چکر) واجب ہے۔ رہا (۳) احرام تو وہ صحت حج کی شرائط میں سے ہے رکن نہیں ہے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اور (۴) صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے رکن نہیں ہے۔

احرام کی تعریف

اصطلاح شرع میں احرام کے معنی حج و عمرہ میں شامل ہونے کی نیت کرنا ہے۔ حنفی فقہا کہتے ہیں کہ 'احرام' عبارت ہے خاص امور کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے اور احرام دو باتوں سے بندھ جاتا ہے، ایک نیت کرنا دوسرے اُس کے ساتھ تلبیہ کہنا یا قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ ڈال کر قربانی کے لئے پیش کر دینا (یہ بھی تلبیہ کا قائم مقام ہے)۔ اگر محض نیت کی اور "لبیک اللّٰھم لبیک" نہ کہا اور نہ قربانی کے لئے جانور پیش کیا یا تلبیہ کیا اور نیت نہ کی تو احرام نہ ہوگا، اسی طرح محض قربانی کا جانور پیش کرنے کے اعمال سے بلا نیت حج کے احرام نہیں بندھے گا۔

تلبیہ کہنا احرام باندھنے کے متصل ہی سنّت ہے، دونوں میں فاصلہ نہ ہونا چاہیے۔

احرام کے مواقیت

میقات کے معنی وہ مقام ہے جہاں پر حاجی حج کا احرام باندھتے ہیں۔ احرام کے میقات مکانی بھی ہیں اور زمانی بھی۔ میقاتِ زمانی ابھی اوپر بتائے جا چکے ہیں۔ میقات مکانی چاروں طرف سے آنے والے حاجیوں کی سمتوں کے اعتبار سے مقرر ہیں، چنانچہ مصر، شام، مغربی ممالک اور اہل اندلس و روم کا میقات جُحفہ ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے، یہ جگہ اُجڑ چکی ہے لیکن اس کے قریب رابغ نام کا قصبہ ہے یہیں پر احرام باندھنا بلا کراہت درست ہے، سمندر کے راستے آنے والے لوگ جب اس مقام کے محاذ میں آتے ہیں تو یہیں احرام باندھتے ہیں۔ اہل عراق اور دوسرے اہلِ مشرق کے لئے مقام ذاتِ عرق میقات ہے، یہ مکے سے دو منزل کے فاصلے پر ایک بستی ہے جو

پہاڑی وادی میں واقع ہے، اس پہاڑی کا نام عرق ہے اور وادی کا نام وادیٔ عقیق ہے۔
مدینے والوں کے لئے میقات ذوالحلیفہ ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں سے قبیلہ بنی جشم کے لوگ پانی لیا کرتے تھے، اس کا مدینہ منورہ سے پانچ میل سے کم فاصلہ ہے، یہ میقات مکہ کے لئے سب سے زیادہ دور واقع ہے کیونکہ دونوں مقامات کے درمیاں نو منزل کا فاصلہ یعنی نو دن کی مسافت ہے۔ اہل ہند اور اہل یمن کے لئے میقات یلملم ہے، یہ کوہستان 'تہامہ' کی ایک پہاڑی ہے جو مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ نجد والوں کے لئے میقات قرن ہے یہ بھی ایک پہاڑی ہے جو عرفات میں واقع اور مکہ سے دو منزل کی مسافت پر ہے اسے قرن المنازل بھی کہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص ان میقات یا ان کے محاذ سے بہ ارادۂ اعمال حج گزرے تو وہاں پر احرام باندھنا واجب ہے۔ بغیر احرام باندھے میقات سے گزرنا حرام ہے اور اس کی تلافی میں قربانی دینا لازم ہے بشرطیکہ اس کے آگے جہاں سے اس کو گزرنا ہے کوئی اور میقات نہ ہو اور اور افضل یہی ہے کہ پہلے ہی سے احرام باندھ لے بشرطیکہ وہ اپنے نفس کی طرف سے پورا اطمینان رکھتا ہو کہ منافی احرام کوئی حرکت سرزد نہ ہوگی اگر یہ اطمینان نہ ہو تو آخری میقات پر جہاں سے اُسے گزرنا ہے احرام باندھا جائے جو شخص مکہ میں ہو خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہو یا نہ ہو اس کے لئے شہر مکہ ہی میقات ہے جو شخص مواقیت کے آگے اور مکے سے پہلے رہتا ہے اس کے لئے وہی میقات ہے جہاں وہ رہتا ہے۔

احرام باندھنے سے پہلے جو امور مطلوب ہیں

حج کے لئے احرام باندھنے سے پہلے کچھ امور مطلوب ہیں جن میں سے بعض سنّت ہیں اور بعض مستحب ہیں چنانچہ غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے گو محض وضو کر لینا اصل سنّت کا قائم مقام عمل ہے لیکن غسل افضل ہے، یہ غسل ستھرائی کے پیش نظر ہوگا پاک ہونے کے لئے نہیں۔ حیض و نفاس کی حالت میں بھی (احرام کے لئے) غسل کرنا چاہیئے۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو غسل ساقط ہو جائے گا اس کے بجائے تیمم کرنا مشروع نہیں ہے، کیونکہ ستھرائی جو غسل سے مطلوب ہے وہ تیمم سے حاصل نہیں ہوتی۔ ناخن تراش لینا اور بالوں کا کاٹنا جن کے کاٹنے کا حکم ہے نہانے سے پہلے مستحب ہے ورنہ بالوں میں کنگھا کر لینا

چاہئے، یہ بھی مستحب ہے کہ اگر کوئی امر مانع ہو تو بیوی سے ہم بستری کرلے تاکہ زیادہ عرصہ گزرنے سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو احرام کو فاسد کردے۔ جامۂ احرام ایک ازار اور ایک بردا پہن لے، ازار سے مراد وہ کپڑا ہے جو ناف سے لے کر گھٹنوں سمیت ڈھک لے اور ردا سے مراد وہ چادر ہے جو پیٹھ سینے اور دونوں مونڈھوں پر ڈال لی جائے۔ مستحب یہ ہے کہ ازار اور ردا نئے کپڑے کی ہوں یا دھلا ہوا پاک کپڑا ہو اور سفید ہو، خوشبو اگر دستیاب ہو تو اس کا لگانا مستحب ہے بشرطیکہ خوشبودار چیز کا نشان بدن اور کپڑوں پر نہ رہنے پائے پھر دو رکعت نماز ادا کرے بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو یہ نماز سنت ہے، افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھی جائے، اگر احرام کوئی فرض نماز ادا کرکے باندھا گیا ہو تو وہی نماز اس کی قائم مقام ہے اور یہ کہ زبان سے اور دل میں بھی یہ کہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ (بار الٰہا میں نے حج کا ارادہ کیا ہے تو اسے مجھ پر آسان کردے اور میرا حج قبول فرما) اس کے بعد تلبیہ کہے تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکُ لَاشَرِیْکَ لَکَ (ہاں اے میرے اللہ! ہاں بے شبہ تمام تعریفیں اور خوبیاں تیرے لئے ہیں۔ بادشاہت تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں) تلبیہ کرنے کے بعد آہستہ آواز سے درود پڑھے اور ہر فرض نماز کے بعد جہاں تک ہوسکے زیادہ سے زیادہ تلبیہ کرے، اسی طرح جب کوئی سواری نظر آئے یا چڑھائی پر چڑھنے لگے یا وادی میں اُترنے لگے اور ہر صبح کو اس کو کثرت سے کہتا رہے۔ نیند سے بیدار ہوکر سواری پر بیٹھتے یا اُترتے وقت بھی تلبیہ کرے اور ہمیشہ اونچی آواز سے پڑھے لیکن پوری طاقت لگا کر نہیں۔

حالت احرام میں کیا کیا کرنا منع ہے

جماع، شکار، خوشبو یہ وہ خاص امور ہیں جو حالت احرام میں ممنوع ہیں۔ منجملہ اُن باتوں کے جن سے صاحبِ شریعت نے احرام کی حالت میں منع فرمایا ہے ان میں سے بعض حلال نہیں ہیں اور بعض مکروہ ہیں۔ احرام کی حالت میں تین اماموں کے نزدیک عقد نکاح حرام ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ احرام باندھنا عورت کو عقد نکاح کی صلاحیت سے مانع نہیں ہوتا البتہ ہم بستری ممنوع ہے، عقد نکاح کی ممانعت نہیں ہے، جماع کی طرح حالت احرام میں دواعی جماع مثلاً بوسہ لینا، بدن سے بدن ملانا، اسی طرح تمام وہ امور جو حج کے علاوہ اور دنوں میں بھی حرام ہیں حالت احرام میں ان کی ممانعت زیادہ سخت ہے۔ اپنے ساتھیوں اور نوکروں سے اُلجھنا بھی حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (سورۃ بقرہ - ۱۹۷)

جن ایام میں حج فرض کر لیا تو بدوران حج رَفَث فسوق اور جدال کی اجازت نہیں ہے۔

رفث کے معنی جماع اور اُس پر اُبھارنے والی کوئی حرکت اور فحش کلامی کے ہیں ۔۔۔ فسوق کے معنی حکم الٰہی کی نافرمانی اور راستی سے روگردانی کے ہیں۔ اور جدال لڑائی جھگڑے کو کہتے ہیں۔

برّی جانوروں کے شکار کے درپے ہونا اُنھیں مارنا اور ذبح کرنا بھی حرام ہے اور اگر شکار نظر آ رہا ہو تو اشارے سے اُسے بتانا یا نظر نہ آتا ہو تو اُس کا رستہ بتانا یا کوئی اور حرکت مثلاً، انڈوں کو توڑنا حرام ہے خواہ وہ جانور حلال ہو یا نہ ہو البتہ دریائی جانور کا شکار حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (مائدہ، آیت - ۹۶)

تمہارے لئے حالت احرام میں دریائی جانوروں کا شکار اور اُس کا کھانا حلال ہے تاکہ تمہیں اور دوسرے مسافروں کو فائدہ مند ہو لیکن خشکی کے جانوروں کا شکار بدوران احرام حرام ہے۔

برّی جانور وہ ہیں جن کا توالد و تناسل خشکی میں ہو گو وہ پانی میں بھی رہتے ہوں۔ بحری جانور ان کے برعکس ہیں (یعنی جن کا توالد و تناسل دریا میں ہو گو وہ خشکی میں بھی رہتے ہوں) تین اماموں کی یہی رائے ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک بحری جانور وہ ہے جو پانی کے سوا کہیں نہ رہ سکے۔

حالت احرام میں خوشبو کا استعمال کرنا مثلاً مشک کا کپڑوں پر ملنا حرام ہے اس کے علاوہ ناخن اور بال ترشوانا، مردوں کو سلے ہوئے کپڑے پہننا یا جو بدن پر لپیٹے جائیں جیسے قمیص پاجامہ، پگڑی، قبا یا اچکن وغیرہ اور خف (چرمی موزے) پہننا حرام ہے، سر اور چہرے کا پورا یا کسی قدر حصہ ڈھکنا بھی حنفی اور مالکی مسلک میں حرام ہے۔

عورت کیلئے حالت احرام میں منہ اور سر ڈھکنے کا مسئلہ

عورت کے لئے جائز ہے کہ حالت احرام میں وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ڈھک لے بشرطیکہ غیروں سے منہ چھپانا مقصود ہو لیکن چہرے کے سامنے کسی چیز کی آڑ کر لینا چاہئیے جو چہرے سے نہ لگنے پائے۔

عورتیں بھی انھیں آداب کے ساتھ احرام باندھیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے صرف تین باتوں میں اُن کے اور مردوں کے احکام میں فرق ہے۔

(۱) عورتیں احرام کی حالت میں بھی سلا ہوا کپڑا اسی طرح پہنیں جس طرح احرام سے پہلے پہنتی تھیں، اُن کے کپڑوں میں کوئی ایسی خوشبو نہ لگی ہو جو دور تک پھیلے۔

(۲) عورتوں کو جس طرح پہلے سر اور بالوں کا کھولنا حرام تھا اسی طرح حالت احرام میں بھی حرام ہے بلکہ زیادہ گناہ ہے اگر کھل جائے، البتہ چہرہ کھلا رہنا چاہئیے۔ نامحرم کے سامنے کسی چیز سے آڑ کر لینا چاہئیے مگر چہرے پر کپڑا وغیرہ ڈالنا یا لپیٹنا منع ہے۔

(۳) مرد تلبیہ بلند آواز سے کہیں اور عورتیں آہستہ آہستہ، اُن کی آواز نامحرم کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔

رنگین یا خوشبودار کپڑے

ایسے رنگین کپڑے پہننا احرام میں حرام ہے جس میں خوشبو ہو۔ عصفر (یعنی گل خیرو) کی کلیوں یا ورس (جو یمن میں پیدا ہونے والی سرخ رنگ کی بوٹی ہے) یا زعفران یا اور خوشبودار چیزوں سے رنگے ہوئے کپڑے کا پہننا بھی حرام ہے ہاں اگر اسے اس قدر دھویا جائے کہ اس کی خوشبو جاتی رہے تو اس کا پہن لینا احرام کی حالت میں جائز ہے۔

عطر سونگھنا یا اُس کو پاس رکھنا حالت احرام میں مکروہ ہے۔ ایسے مکان میں ٹھہرنا جہاں عطر

کی خوشبو لبی ہوئی ہو احرام باندھنے کے بعد مکروہ ہے، عورت کے لئے مہندی لگانا بھی مکروہ ہے
ایسی چیز جس میں خوشبو ملائی گئی ہو کھانا احرام والے کو جائز نہیں، نہ ایسا سرمہ لگانا جائز ہے جس میں خوشبو ڈالی گئی ہو۔

بالوں کا کٹوانا یا انھیں کسی اور طریقے سے دور کرنا

حالت احرام میں بالوں کا منڈوانا، کتروانا خواہ وہ کسی جگہ کے ہوں حرام ہے، اگر کسی شخص کی آنکھ میں بُر بال ہو اور وہ اُسے تکلیف کے سبب نکلوا دے تو جائز ہے مگر اس کے لئے ایک قربانی عائد ہوگی۔
احرام والے کو مہندی کا خضاب کرنا جائز نہیں خواہ وہ سر میں ہو یا ہاتھوں میں ہو یا جسم کے کسی اور حصے میں۔

حرم کی گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنے کے مسائل

حرم کے حدود میں جو درخت ہیں اُنھیں کاٹنے اُکھاڑنے ضائع کرنے یا ٹہنی توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ گھاس کا بھی وہی حکم ہے جو درختوں کا ہے لیکن لیکن گیاہِ اذخر اور سَنا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ ایسی اشیاء ہیں جن کو دوا کے لیطور استعمال کیا جاتا ہے اس لئے انھیں کاٹ کر یا کسی اور طرح سے کام میں لانا مباح ہے۔ اُن کی اُگی ہوئی چیزوں میں سے جو کچھ خشک ہو جائے اور ٹوٹ کر گر جائے تو اُس کا شمار حرم کے درختوں میں نہیں کیا جائے گا۔ ایسی روئیدگی جسے لوگ اُگایا کرتے ہیں اُن کا کاٹنا مطلقاً جائز نہیں ہے خواہ اُس کا کوئی مالک ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی مالک ہو اور حالت احرام میں اُسے کاٹے تو یہ فعل حرام ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص جو مالک نہ ہو اور کاٹ لے تو اُسے قیمت ادا کرنا پڑے گی اور قربانی بھی دینا ہوگی۔

فصد کھلوانا پچھنے لگوانا غسل کرنا اور اپنے اوپر سایہ کرنا

حالت احرام میں ضرورۃً فصد کھلوانا یا پچھنے لگوانا مباح ہے لیکن بال نہ کاٹے جائیں، بلا ضرورت فصد اور پچھنے مکروہ ہیں۔ اسی طرح بدن کو اور بالوں کو رگڑ کر ملنا مباح ہے بشرطیکہ بال اور جوئیں گرنے نہ پائیں۔ میل کچیل دور کرنے کے لئے اپنے سر اور بدن کو پانی سے دھونا مباح ہے بشرطیکہ پانی میں کوئی ایسی چیز ملی نہ ہو جو جوئیں

کو مار دے۔ میل کاٹنے والی کوئی چیز غسل کرنے میں استعمال کی جاسکتی ہے لیکن اس سے جوئیں نہ مرنے پائیں۔ صاحب احرام کو درخت، خیمہ، مکان، محمل یا چھتری کا سایہ کر لینا جائز ہے لیکن چھتری کو سر یا چہرے پر پڑنے نہ دیا جائے کیونکہ سر کھلا رکھنا واجب ہے۔

احرام والے کو مکہ میں داخل ہونے کیلئے کیا کرنا چاہیئے

احرام باندھنے سے پہلے جو اُمور مطلوب ہیں ان کو بیان کیا جا چکا ہے، وہ غسل جو مکے میں داخل ہونے کے لئے کیا جائے سنت ہے وہ ستھرائی کی غرض سے ہے طواف قدوم کے لئے نہیں ہے اس لئے حیض و نفاس والی عورتیں بھی ستھرائی کی غرض سے غسل کر سکتی ہیں لیکن طواف نہیں کر سکتیں۔ مستحب یہ ہے کہ دن کے وقت مکے میں داخل ہو اور بلند جانب سے آئے تاکہ تعظیماً رخ قبلہ کی طرف رہے۔ داخلہ اس دروازے سے ہو جو باب معلی کے نام سے موسوم ہے، پھر سامان سنبھالنے کے بعد مسجد حرام کا رخ کرے اور باب السلام سے مسجد میں داخل ہو۔ اس وقت عاجزی اور خشوع سے تلبیہ کہتا رہے۔ جب بیت اللہ پر نظر پڑے تو ہاتھ کو بلند کرے اور تکبیر و تہلیل میں مصروف ہو جائے پھر کہے:

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّ تَعْظِیْمًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّ بِرًّا وَّزِدْ مِنْ عَظَمَتِہٖ وَشَرَفِہٖ مِمَّنْ حَجَّہٗ اَوِ اعْتَمَرَہٗ تَعْظِیْمًا وَّتَشْرِیْفًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّبِرًّا	اے اللہ اس گھر کے شرف، عظمت، عزت شان و دبدبہ اور خوبی کو بڑھا اور جو شخص اس کا حج یا عمرہ اس کی عظمت و بزرگی عزت و ہیبت اور خوبی کے پیش نظر بجالائے اُس کی عظمت و شان میں اضافہ فرما۔

حنفی فقہا کعبے کو دیکھ کر ہاتھ اُٹھانے کو مکروہ کہتے ہیں اور دُعا کے الفاظ جو آثار میں وارد ہوئے یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ۔	اے اللہ تو ہر نقص سے پاک ہے اور تو ہی سلامتی بخشنے والا ہے پس اے پروردگار ہمیں برائیوں سے پاک زندگی عطا فرما۔

اس کے بعد جو جی چاہے دُعا مانگے اور طوافِ قدوم کرے۔ حج کے ارادے سے آنے والے

کے لئے یہ طواف سنّت ہے۔

طوافِ قدوم اس کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ مکّہ سے باہر کہیں سے آنا ہوا ہو اسی لحاظ سے اس کا نام طواف قدوم ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ طواف کا وقت باقی ہو بنہ ہو تو وقوف (بہ عرفہ) کے لئے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ وقوف سے رہ جانے کا ڈر ہو تو سر دست طواف قدوم کو ترک کر دے۔

ارکان حج میں سے دوسرا رکن طواف کی تین قسمیں ہیں جن میں سے ایک قسم کا طواف، رُکن ہے جس کو نہ کیا تو حج باطل ہوگا۔ وہ ہے طواف افاضہ جسے طواف زیارت کہتے ہیں۔ دوسری قسم کا طواف واجب ہے اس کا نام طواف صدر ہے تیسری قسم کا طواف سنّت ہے یہ طواف قدوم کہا جاتا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔

طوافِ اِفاضہ حج کے چار ارکان متذکرہ سابقہ میں سے ایک رُکن طواف افاضہ ہے اِسے نہ کرنے سے حج باطل ہو جائے گا۔ اس کے سات چکّر ہیں جس کا خاص طریقہ ہے۔ جہاں تک اس کے رکن ہونے کا تعلق ہے وہ اس کے چار چکّر ہیں باقی چکّر واجب ہیں۔ چار چکّر کر لئے تو طواف کا بیشتر حصّہ پورا ہو کر رُکن ادا ہو جاتا ہے یہی حنفی مسلک ہے۔

طواف افاضہ کا وقت حنفی علماء کہتے ہیں کہ طواف افاضہ کا وقت یوم نحر (دسویں ذی الحجہ) کی فجر سے ہے بشرطیکہ عرفہ میں وقوف کر لیا ہو۔ اگر عرفات میں اس وقت کے اندر جس کا بیان آگے آرہا ہے وقوف نہیں کیا تو طواف افاضہ بھی صحیح نہ ہوگا اور حج باطل ہو جائے گا۔ اگر کسی نے وقوف کر لیا لیکن طواف افاضہ ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کو بھی نہیں کر سکا اور پورا مہینہ گزر گیا تو اس پر لازم ہے کہ اگلے سال حج کے تین مہینوں (شوال ذوالقعدہ، ذوالحجہ) میں سے کسی ایک مہینے میں طواف افاضہ کر لے۔

طوافِ صدر یا طوافِ وَداع حج سے فراغت کے بعد جب مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے لگے تو کعبہ کا طواف کر لینا واجب ہے۔ اس کو طواف صدر یا طواف وداع کہتے ہیں۔ مکہ معظمہ کے رہنے والوں کے لئے نہ طواف قدوم ہے اور نہ طواف وداع۔

طواف کا مسنون طریقہ

آفاقی یعنی مکہ سے باہر کے رہنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے مسجد حرام میں نہایت احترام اور خشوع وخضوع کے ساتھ داخل ہوں اور جیسے ہی بیت اللہ پر نظر پڑے تکبیر وتہلیل اور درود شریف پڑھ کر یہ دعا کریں:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔ — اے اللہ میرے گناہوں کو معاف کردے اور میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے۔

اس کے بعد وہاں سے نکل کر طواف کی نیت کریں۔ مسجد حرام سے نکلتے وقت زبان پر یہ دُعا ہو:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ وَسَهِّلْ لِیْ اَبْوَابَ رِزْقِكَ۔ — اے اللہ! میرے لئے اپنے فضل وکرم کے دروازے کھول دے اور رزق کے ذرائع میرے لئے آسان کردے۔

جملہ اقسام طواف کے لئے چند شرائط ہیں جن کے بغیر طواف صحیح نہیں ہوتا۔

طواف کی شرطیں

۱۔ ستر عورت یعنی بدن کے وہ حصے جن کا ڈھکنا نماز میں واجب ہے ان کو ڈھکنا۔

۲۔ حدث اور نجاست سے پاک ہونا جس طرح نماز میں ہوتے ہیں۔

۳۔ طواف کی ابتدا اپنے بائیں پہلو کو حجر اسود کے محاذ میں رکھ کر کرنا بایں طور کہ بدن کا کوئی حصہ حجر اسود سے کچھ بھی آگے نہ ہو۔ طواف کے خاتمہ پر بھی حجر اسود کے محاذ میں اسی طرح آجائے۔

۴۔ طواف کے وقت کعبہ کا نظر آنے والا حصہ بائیں جانب ہو اور طواف کرنے والا حجر اور شاذروان سے باہر ہو اس سے مراد وہ تعمیر ہے جو کعبہ کے ساتھ بنی ہوئی ہے۔

۵۔ طواف کے سات چکر ہوں اگر تعداد میں کمی کا شک ہوجائے تو جس قدر چکر کا یقین ہے اسی کی بنا پر سات پورے کرے۔

۶۔ طواف مسجد کے اندر ہو خواہ کعبے سے کتنے ہی فاصلے پر ہو مسجد کے باہر سے طواف

درست نہ ہوگا۔

۷۔ یہ دوران طواف کسی اور کام کی جانب نہ مڑے۔

۸۔ طواف زیارت کے لئے نیت کرنا طواف کی نیت کے وقت حجر اسود سامنے ہونا اور اس سے آگے نہ بڑھنا۔

طواف کے بعد دو رکعتیں طواف افاضہ اور طواف قدوم کے بعد مسنون ہیں مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔ یہ نماز مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا اور ملتزم پر جا کر دعا مانگنا مستحب ہے، ملتزم حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کی جگہ ہے۔

طواف کے واجبات اور سنتیں

جو باتیں شرائط طواف میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے طواف[۱] مسجد کے اندر ہونا، طواف[۲] افاضہ کا وقت یوم نحر کی فجر سے شروع ہونا اور طواف[۳] قدوم کا وقت مکہ میں داخل ہونے سے شروع ہو کر وقوف بہ عرفات تک ہونا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرائط ہیں باقی باتیں طواف کے واجبات میں سے ہیں یا سنت ہیں۔

طواف کی سنتوں میں چند باتیں اور ہیں منجملہ اُن کے یہ کہ طواف شروع کرنے سے پہلے چادر کا ایک سرا دائیں بغل کے نیچے رکھ کر دوسرا اپنے بائیں کندھے پر ڈال لیں، اس کو اضطباع کہتے ہیں اور یہ عمل ہر اُس طواف میں کیا جاتا ہے جس کے بعد سعی کرنا ہو جیسے طواف قدوم۔

ایک سنت یہ ہے کہ چھوٹے قدم اٹھا کر تیز چلا جائے اور مونڈھوں کو حرکت دی جائے اسے رَمَل کہتے ہیں۔ رَمَل صرف ابتدائی تین چکروں میں کیا جائے۔

حجر اسود کا استلام یعنی ہاتھ لگانا اور ہر چکر کے خاتمے پر اُس کو بوسہ دینا سنت ہے، اگر کسی سے یہ ممکن نہ ہو تو عصا وغیرہ یا اس جیسی چیز سے چھوئے اور اُس چیز کو بوسہ دے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی جانب رُخ کر کے کھڑا ہو اپنے ہاتھ اس طرح اُٹھائے کہ ہتھیلیاں حجر اسود کی جانب رہیں اور تکبیر و تہلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بجا لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور دو رکعتیں جو طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھی جاتی ہیں پڑھ کر سعی کے لئے صفا کی طرف

جانے سے پہلے زمزم پر آئے اور اس کا پانی خوب سیر ہو کر پئے اور ڈول میں بچا ہوا پانی کنویں میں ڈال دے اور یہ دُعا کرے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ شِفَآءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ۔	بار الٰہا میں تجھ سے فراخی رزق اور نفع بخش علم مانگتا ہوں اور ہر مرض سے شفا کی دعا کرتا ہوں۔

اس کے بعد پہلے ملتزم کے پاس آئے پھر صفا کی جانب جائے۔

طواف کی نیت

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔	خدایا میں تیرے محترم گھر کا طواف کرنے کے ارادے سے آیا ہوں تو اسے میرے لئے آسان کر دے اور اس کو قبول فرمالے۔

حجر اسود کا استلام کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ دونوں ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف ہوں اور یہ پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔	شروع اللہ کے نام سے ساری تعریفیں اُسی کے لئے ہیں وہ سب سے بڑا ہے۔ درود اور سلام ہو اللہ کے رسول پر۔

استلام کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَ اِتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔	اے اللہ میں تجھ پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ طواف و استلام تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں کر رہا ہوں۔

مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دُعا کرے:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا مَقَامُ اِبْرَاھِیْمَ الْعَآئِذِ اللَّآئِذِ بِکَ مِنَ النَّارِ حَرِّمْ لُحُوْمَنَا وَ	اے اللہ یہ تیرے خلیل حضرت ابراہیم کا مقام ہے جنھوں نے تیری پناہ اُس وقت ڈھونڈی اور سہارا لیا جب کافروں نے انھیں آگ میں

بشَرَتَنَا عَلَى النَّارِ۔ ڈالا۔ پس جس طرح تو نے انھیں آگ سے بچایا ہمارے گوشت و پوست کو بھی ـــــ دوزخ کی آگ سے بچا۔

پھر ملتزم پر چمٹ کر یہ دُعا ہاتھ پھیلا کر حضورِ قلب سے پڑھے:

يَا وَاجِدُ يَا مَاجِدُ لَا تَزُلْ عَنِّي نِعْمَةً أَنْعَمْتَهَا عَلَيَّ۔ اے قدرت والے اے عزت والے مجھ سے اپنی وہ نعمت نہ چھیننا جو تو نے عطا فرمائی ہے۔

میزاب رحمت کے پاس پہنچے تو اس کے نیچے کھڑے ہو کر سوزِ دل کے ساتھ یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ إِيْمَانًا لَا يَزُوْلُ وَ يَقِيْنًا لَا يَنْفَدُ وَ مُرَافَقَةَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ أَظِلَّنِيْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ وَ اسْقِنِيْ بِكَأْسِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرْبَةً لَا ظَمَأَ بَعْدَهَا أَبَدًا۔

اے اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو مجھ سے جدا نہ ہو اور ایسا یقین مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور قیامت میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت چاہتا ہوں اے اللہ مجھے قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے اس دن تیرے عرش کے علاوہ کہیں اور سایہ نہ ہوگا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے مجھے ایسا شربت پلا کہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوں (یعنی حوض کوثر سے)

حج کا تیسرا رکن "سعی"

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں ان کے درمیان سعی کرنا یعنی پھیرے لگانا بھی حج کا ایک رکن ہے لہٰذا اگر کسی نے یہ نہ کیا تو حج باطل ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سعی رکن نہیں بلکہ واجب ہے کہ طواف کے بعد ہو اور سات پھیرے ہوں اور پاپیادہ ہو اور ہر پھیرے کی ابتدا صفا سے کی جائے اور مروہ پر ختم کیا جائے، واجب کے رہ جانے سے حج باطل نہیں ہوتا البتہ فدیہ لازم آتا ہے چنانچہ اگر

بلاعذر سوار ہوکر سعی کی تو دوبارہ کرنا ہوگی یا پھر قربانی دینا لازم ہوگی اور جو پھیرا مروہ سے شروع کیا جائے گا وہ پھیرا شمار نہیں ہوگا۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کے شرائط اور سنتیں اور مستحبات

صحت سعی کی شرط یہ ہے کہ وہ طواف کے بعد ہو اگر سعی طواف سے پہلے کی گئی تو وہ شمار میں نہیں آئے گی اُسے پھر سے کرنا واجب ہے۔ سعی کی سنتیں یہ ہیں کہ طواف اور سعی مسلسل ہو۔ اگر درمیان میں وقفہ پڑ گیا خواہ وہ طویل وقفہ ہو تو سنّت رہ جائے گی اور یہ کہ دونوں قسم کے حدث سے پاک ہو۔ حیض و نفاس کی حالت میں سعی، بوجہ معذوری بلا کراہت ہو جائے گی۔

طریقہ سعی کا یہ ہے کہ صفا اور مروہ کی اونچائی پر چڑھے اور میلَین اَخضَرَین کے درمیان چلے جن میں سے ایک ستون باب علی کے نیچے ہے اور دوسرا رباط عباس کے سامنے اور دونوں کے درمیان ہرولہ کرے (تیز تیز قدم اٹھائے) تکبیر و تہلیل اور درود کا ورد کرتا رہے اور جو جی چاہے دعا مانگے۔ صفا اور مروہ پر پہنچ کر کعبے کی طرف رخ کرے اور سعی کا آغاز کرنے سے پہلے حجر اسود کا استلام (جس طرح طواف کی سنتوں میں بتایا جا چکا ہے) کر لیا ہو۔ افضل یہ ہے کہ باب صفا سے باہر نکلے۔ اس کو باب بنی مخزوم بھی کہتے ہیں اور نکلتے وقت بایاں قدم پہلے نکالے اور مستحب یہ ہے کہ صفا و مروہ پر دُعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اگر طواف یا سعی کے دوران نماز کھڑی ہو جائے تو پہلے نماز پڑھے اور اس سے پہلے جتنے پھیرے کر لئے ہیں اُس سے آگے کا عمل پورا کرے۔ سعی کے درمیان خرید و فروخت وغیرہ کی باتیں مکروہ ہیں۔

حج کا چوتھا رکن "عرفات میں وقوف"

چوتھا رکن حج کا میدان عرفات میں حاضر ہونا ہے۔ اس رُکن کے صحیح طور پر ادا ہونے کی شرط، واجبات اور سنتیں فقہائے احناف کے نزدیک حسب ذیل ہیں:

شرط تو یہ ہے کہ "وقوف" شریعت کے مقرر کردہ وقت کے اندر ہو اور یہ وقت نویں ذی الحجہ کے دن زوال آفتاب کے بعد سے یوم نحر کی فجر تک ہے پس جو شخص ان اوقات میں عرفات میں پہنچ گیا اُس کا حج درست ہو گیا۔ دوسرے ائمہ عقل و ہوش میں ہونے اور حاضری

عرفات کی نیت کو بھی شرط صحت قرار دیتے ہیں جبکہ حنفی فقہا اس کو داخل شرط قرار نہیں دیتے اور سونے کی یا بیداری کی حالت میں وقوف کرنے کو کافی گردانتے ہیں۔

واجب یہ ہے کہ اگر میدان عرفات میں کوئی دوپہر کو پہنچ گیا تو آفتاب غروب ہونے تک رہے، رات میں پہنچنے والے پر کچھ واجب نہیں۔ دن کو وقوف کرنے والا اگر سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات سے چلا جائے گا تو اس پر قربانی واجب ہے۔

وقوف عرفات کی سنتیں یہ ہیں: امام کے لئے دو خطبے دینا، ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھنا اس کے بعد غروب آفتاب تک رکنا۔ روزے سے نہ ہونا، باوضو ہونا۔ یہ بھی سنت ہے کہ سیاہ پتھروں کی چٹانوں کے قریب ٹھہرے، یہ وہ جگہ ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا ہے اگر وہاں پر ٹھہرنا دشوار ہو تو حتی المقدور اس کے قریب ٹھہرنے کی کوشش کرے اور یہ کہ اپنے دونوں ہاتھ کھول کر بلند کرے، تہلیل وتکبیر اور درود کے بعد دعا کرے، اپنے اور اپنے ماں باپ اور تمام مسلمان مرد اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت مانگے اور اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر تلبیہ کرتا رہے، سورج غروب ہونے تک حمد وثنا تہلیل وتسبیح اور تلبیہ خشوع و خضوع اور خلوص قلب کے ساتھ جاری رکھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے ساتھ اپنی حاجات پوری ہونے کی دعائیں کرتا رہے، دعا کے لئے خاص الفاظ کا پابند ہونا ضروری نہیں، افضل ترین دعائیں یہ ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کی سلطنت ہے وہی شایان حمد ہے وہی جلاتا اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اسے موت نہیں تمام بھلائیاں اس کے دست قدرت میں ہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے خدایا میرے دل میری آنکھ اور میرے کان کو منور کر دے اور میرا سینہ کھول دے اور

امری   میری مشکلات آسان کردے۔

اوپر ارکان حج اور ہر رکن کے مخصوص شرائط، واجبات اور سنتوں کا بیان تھا اب حج کے وہ واجبات جو کسی ایک رکن کے ساتھ خاص نہیں ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔

حج کے عام واجبات

۱۔ رات کو عرفات سے چل کر منیٰ جاتے ہوئے مزدلفہ میں فروکش ہونا کم ازکم اتنے وقت کے لئے جس میں ایک سواری سستا سکتی ہو۔ عرفات میں وقوف کے بعد غروب آفتاب ہوتے ہی بغیر نماز پڑھے حاجی مزدلفہ کے لئے روانہ ہوجائیں، یہاں مغرب وعشاء کی نمازیں بغیر کسی وقفہ کے پڑھیں۔ ۱۰ ذی الحجہ کو طلوع فجر سے پہلے مزدلفہ میں موجودگی واجب ہے اگر یہ رہ گئی تو ایک قربانی لازم ہوگی بشرطیکہ اس تاخیر کا سبب کوئی خاص عذر یا مرض نہ ہو، فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے بعد جبل قزح کے پاس امام کھڑا ہوگا اُس کے ساتھ تمام لوگ کھڑے ہوکر دُعا کریں گے، یہ دوسرا مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر دُعا فرمائی ہے، اسے مشعر حرام کہتے ہیں۔

۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو سورج نکلنے سے پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہوجائیں۔ سات کنکریاں اپنے ساتھ لے لیں۔

۲۔ رمی جمار یا کنکریاں مارنا۔ یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) میں صرف جمرۂ عقبہ کے مقام پر کنکریاں ماری جائیں پھر باقی ایام تشریق میں روزانہ تینوں جگہ کنکریاں پھینکی جائیں، اس کے لئے سنت یہ ہے کہ مقام جمرۂ اولیٰ سے کنکری مارنے کی ابتدا کی جائے، یہ مقام مسجد خیف کے قریب ہے پھر جمرۂ وسطیٰ پر اور اُس کے بعد جمرۂ عقبہ پر سات سات کنکریاں بطریق بالا پھینکی جائیں، سنت جب ہی پوری ہوگی جب اسی ترتیب سے رمی کی جائے۔ دوسرے اور تیسرے روز رمی کرنے کا وقت زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے، رات میں رمی کرنا مکروہ ہے اور زوال آفتاب سے پہلے جائز نہیں ہے۔ رمی کے وقت اپنے اور دوسروں کے لئے جو دعا چاہے مانگے اور اپنے ہاتھ آسمان کی جانب یا قبلہ کی جانب اُٹھائے، اسی طرح یوم نحر کے تیسرے دن بھی رمی کرنا چاہیئے اور اگر وہیں قیام رہے تو چوتھے دن بھی ایسا ہی کرے۔ پہلی رمی سے تلبیہ موقوف کردینا چاہیئے۔ جمرہ کے قریب سے کنکریاں چننا مکروہ ہے۔ سات کنکریوں سے زیادہ مارنا مکروہ

ہے، کنکری پھینکنے والے کے اور جمرہ کے درمیاں پانچ ذراع (ہاتھ) کا فاصلہ ہو، کنکری اگر جمرہ سے دور فاصلے پر جا پڑی تو وہ کافی نہیں ہے اس کے بجائے دوسری کنکری پھینکنا واجب ہے یہ بھی سنت ہے کہ ہر کنکری پھینکتے وقت بسم اللہِ اللہ اکبر کہا جائے۔ ایام تشریق کی تین راتوں میں سے بیشتر راتیں منیٰ میں گزاری جائیں لیکن جسے جلدی ہو اور دو راتوں کے بعد یعنی عید کے تیسرے دن منیٰ سے مکہ کی طرف روانہ ہونا چاہے تو تیسری رات کو منیٰ میں ٹھہرنا ساقط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۔ جو شخص جلدی کے خیال سے دو ہی دن ٹھہرے تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

۳۔ یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) میں رمی کے بعد قربانی کرنا اور سر منڈوانا یا بال کتروانا واجب ہے، اس کو حلق کہتے ہیں۔ رمی جمار اور حلق کے درمیان ترتیب کا لحاظ اور قربانی اور حلق کے لئے مقررہ وقت اور جگہ کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، عورتوں کے لئے بال منڈوانا منع ہے، صرف انگلی کے بہ قدر سر کی لٹ سے بال کا تراشں دینا کافی ہے۔

۴۔ طواف صدر منجملہ واجبات کے ہے جو مکے سے رخصت ہوتے وقت کیا جاتا ہے، اس کو طواف وَداع بھی کہتے ہیں۔

واجبات حج حنفی فقہا کے قول کے مطابق یہ پانچ باتیں ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا۔

(۱) صفا مروہ کے درمیان سعی (۲) یوم نحر کو فجر سے پہلے مزدلفہ میں ہونا (۳) رمی جمار۔

(۴) حلق یعنی بال منڈوانا (۵) طواف صدر۔

ان امور کی تفصیل جن پر قربانی دینا پڑتی ہے جنایات الحج (حج کی فرو گزاشتوں) کے بیان میں آئے گی۔

حج کی سنتوں کا بیان

حج کی سنتوں میں کچھ تو وہ ہیں جن کا تعلق احرام سے ہے جو حج کی نیت کرنے والوں کو احرام باندھنے سے پہلے ادا کرنا ہوتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کا تعلق طواف، سعی یا وقوف عرفہ سے ہے، ان کا بیان سابقًا ہو چکا ہے، ان کے علاوہ حج کی باقی سنتیں یہ ہیں جن کا ذکر ضمناً واجبات کے بیان میں بھی آ چکا ہے۔

(۱) ایام نحر کی راتیں منیٰ میں گزارنا (۲) قربانی کی رات عرفات سے نکلنے کے بعد رات کو مزدلفہ میں رہنا اور (۳) مزدلفہ سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کو روانہ ہو جانا (۴) رمی جمرات میں تینوں مقامات پر ترتیب کا لحاظ رکھنا۔ رمی بذات خود واجب ہے۔ منجملہ سنتوں کے یہ بھی ہے کہ جب وادی محسّر سے گزرے تو رفتار تیز کر دے اس وادی کا نام حسرت (ناکامی) سے نسبت رکھتا ہے کیونکہ یہیں پر ابرہہ کا ہاتھی جسے وہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے لایا تھا ناکامی سے دوچار ہوا۔ مسجد عرفہ میں زوال آفتاب کے بعد دو خطبوں کا دینا، ظہر اور عصر کی نمازیں عرفے کے دن ایک ہی وقت میں بطور جمع تقدیم کے پڑھنا اور ظہر اور عصر کی نمازوں کا قصر کرنا، مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز عشاء کے ساتھ بطور جمع تاخیر کے پڑھنا بھی سنّت ہے، عشاء کا قصر کرنا اُن لوگوں کے لئے سنّت ہے جو مزدلفے کے رہنے والے نہ ہوں۔

آداب حج جنھیں مستحبات بھی کہا جا سکتا ہے کئی ہیں: مثلاً حج کو جانے سے پہلے اپنے قرضوں کو چکا دیا جائے، گناہوں سے توبہ کی جائے، نیت میں خلوص ہو اور مظالم سے دور رہے، جس سے خصومت یا کوئی معاملہ اٹکا ہو اُس سے صفائی کر لے جو عبادتیں رہ گئی ہوں اُنھیں پورا کر لے۔ خود کو نمائش، ناموری، اور فخر کے خیال سے دور رکھے، رزق حلال حاصل کرے حرام مال سے حج کرنے کا کوئی ثواب نہیں ہے کسی نیک آدمی کو اپنا رفیق سفر بنائے تاکہ جہاں کوئی فروگزاشت ہو وہ بتاتا رہے، مشکل کے وقت وہ مددگار ہو اور تسلی دینے والا ہو، عورت اگر حج کرنے جا رہی ہے تو محرم مرد کا ہونا لازم ہے، کنبہ کے لوگوں اور بھائیوں سے رخصت ہو تو اُن کی دُعاؤں کا طالب ہو۔ گھر سے حج کے لئے نکلتے وقت دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دُعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَ	اے اللہ تیری طرف یکسو ہو کر میں نے اپنا
بِكَ اعْتَصَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ	رخ کیا ہے تیرا ہی دامن پکڑا ہے تجھی پر
اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثِقَتِيْ وَ اَنْتَ	میرا بھروسہ ہے اے اللہ تیری ذات پر
رَجَائِيْ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ مَآ اَهَمَّنِيْ	میرا تکیہ ہے اور تجھی سے امید رکھتا ہوں
وَمَا لَا اَهْتَمُّ بِهٖ وَمَآ اَنْتَ	اے اللہ مجھے محفوظ رکھ ہر غم انگیز بات سے
اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ عَزَّ جَارُكَ	اور ہر اُس دشواری سے جس کی طرف میرا

وَلَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ اَللّٰهُمَّ زَوِّدْنِيَ التَّقْوٰى وَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَوَجِّهْنِيْ إِلَى الْخَيْرِ اَيْنَمَا تَوَجَّهْتُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔

دھیان نہ ہو اور تو مجھ سے بہتر اُسے جانتا ہے۔ تیری بڑی بارگاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے خدایا پرہیزگاری کو میرا زادِ سفر بنا میرے گناہوں کی مغفرت فرما، میری توجہ صرف نیک کاموں کی طرف رہے۔ اے اللہ میں سفر کی دشواریوں حالات کی ناسازگاری، فراغت کے بعد مشکلات اور اہل و عیال اور مال کو ناخوشگوار حالات پیش آنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اور سواری پر سوار ہوتے وقت کہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا الْاِسْلَامَ وَعَلَّمَنَا الْقُرْاٰنَ وَمَنَّ عَلَيْنَا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنِيْ مِنْ خَيْرِ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اللہ کے نام سے اور ستائش کا سزاوار اللہ ہی ہے جس نے ہمیں اسلام کا راستہ دکھایا اور قرآن کا علم دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ہم پر احسان فرمایا، اس اللہ کا شکر اور حمد و ثنا جس نے ہمیں ساری امتوں میں سے بہترین امت کا فرد بنایا۔ وہ ذات پاک ہے جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر فرمایا ورنہ یہ ہمارے بس کی نہ تھی بلاشبہ ہم کو اپنے پروردگار کے پاس ہی لوٹ کر جانا ہے ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہان کا پالنے والا ہے۔

خانہ کعبہ کے سامنے جائے تو یوں کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْبَيْتَ بَيْتُكَ

اے اللہ یہ گھر تیرا گھر ہے اور یہ حرم تیرا حرم ہے

وَالْحَرَامُ حَرَمُكَ وَالْاَمْنُ اَمْنُكَ وَهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ۔ | اور پناہ تیری پناہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں پناہ مانگنے والے جہنم سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

رکنین یمانین (کعبے کے دونوں کونوں) کے درمیان یہ کہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ | اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں اور آخرت میں خوبی عطا فرما اور عذاب دوزخ سے نجات دے۔

رمی جمار کے وقت کہے:

اَللّٰھُمَّ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّسَعْیًا مَّشْکُوْرًا۔ | بار الٰہا میرا حج بے لوث بنا دے۔ گناہوں کو معاف فرما ہماری کوششوں کو پسندیدہ کر دے۔

سعی صفا و مروہ کے وقت کہے:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ۔ | اے پروردگار مغفرت فرما اور رحم کر اور ہماری خامیاں جو تو خوب جانتا ہے درگزر کر دے بلاشبہ تو عظیم ترین ہے۔

زمزم کا پانی خوب شکم سیر ہو کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر پیے اور کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ بَلَغَنِیْ عَنْ نَّبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ قَالَ مَآءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَہٗ وَاَنَا اَشْرَبُہٗ لِسَعَادَۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ فَافْعَلْ۔ | اے اللہ تیرے نبی کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچا ہے کہ آپؐ نے فرمایا زمزم کا پانی جس مراد کے لئے پیا جائے گا وہ پوری ہوگی میں اسے دنیا اور آخرت کی خوش بختی کے لئے پی رہا ہوں سو میری یہ مراد پوری فرما دے۔

پھر اللہ کا نام لے کر اسے پیے اور پینے کے دوران تین بار سانس لے اور کنوئیں کی طرف جانا اس کا دیکھنا اور ڈول سے پانی نکالنا اور اپنے چہرے، سر اور سینے کو اس سے دھونا اور راستے کے لئے لے کر چلنا یہ سب باتیں مسنون و مستحب ہیں۔

ممنوعاتِ حج کا بیان

حاجیوں کو جن امور کی ممانعت ہے ان میں سے بعض مفسد حج ہیں یعنی ان کے ارتکاب سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن پر قربانی لازم آتی ہے۔ بعض امور ایسے ہیں جن پر تاوان عائد ہوتا ہے یعنی صدقہ، طعام وغیرہ۔

مفسداتِ حج کا بیان

عرفات میں مقررہ اوقات کے اندر وقوف نہ کیا جائے تو حج نہیں ہوتا، اسی طرح حج کے ارکان میں سے کوئی رُکن رہ جائے تو حج فاسد ہو جاتا ہے۔ جماع سے حج فاسد ہو جاتا ہے خواہ وہ بھول کر ہو یا قصداً ہو، بیداری میں ہو یا سوتے میں، اختیار سے ہو یا مجبوری سے اگر یہ حرکت وقوف عرفہ سے پہلے ہوئی ہو۔ یہی رائے فقہائے احناف کی ہے کیونکہ ان کے نزدیک وقوف عرفہ کے بعد حج کو فاسد کرنے والی کوئی بات باقی نہیں رہتی۔ جماع سے حج فاسد ہو جائے تب بھی لازم یہ ہے کہ حج کے تمام اعمال پورے کئے جائیں اور اگلے سال حج دوبارہ کیا جائے اور مرتکبوں میں سے دونوں پر قربانی لازم ہوگی۔ اس کے لئے ایک بکری کی قربانی جائز ہے، ایک ہی مجلس میں اگر ایک سے زیادہ بار جماع کیا تب بھی ایک ہی بکری کافی ہے۔ اگر مختلف مجلسوں میں کیا تو ہر دفعہ کے لئے ایک ایک بکری دینا ہوگی۔

وہ باتیں جن پر فدیہ واجب ہوتا ہے

حج میں فدیہ بھیڑ بکری وغیرہ کا ذبح کرنا ہے یہ چند امور سے واجب ہوتا ہے۔

۱۔ محرکات جماع کا ارتکاب (مثلاً لپٹنا۔ بوسہ لینا، شہوت کے ساتھ چھٹانا یا مس کرنا (انزال ہو یا نہ ہو) شرمگاہ کو دیکھنا۔ ایسے خیالات کا دل میں لانا جس سے انزال ہو جائے تبطین (کپڑا لپیٹ کر جماع) تفخیذ (ران پر مَسُل کر یا جانور کے ساتھ بدفعلی کر کے انزال ہونے کی صورتیں قربانی کو واجب کرتی ہیں۔

۲۔ سَر یا داڑھی کے ایک چوتھائی بال کاٹنا۔ گردن کے بالوں، بغل کے بالوں، زیر ناف کے بالوں کا دور کرنا جبکہ بغیر کسی معذوری کے ایسا کیا جائے تو قربانی واجب ہے لیکن اگر کسی عذر سے ہو مثلاً بالوں میں جوئیں پڑ گئی ہوں جن سے اذیت ہوتی ہو تو اس صورت

ہیں تین باتوں میں سے ایک بات کرنا ہوگی،

۱۔ جانور ذبح کرنا (۲) تین دن کے روزے رکھنا (۳) چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہر مسکین کو نصف صاع کے حساب سے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ (البقرہ، آیت ۔۱۹۶)

اگر تم میں سے کسی کو مرض لاحق ہو یا سر میں کوئی اذیت دِہ شے ہونے کی وجہ سے بال کٹوانا پڑیں تو اس کا فدیہ دو روزے رکھ کر صدقہ دے کر یا قربانی کر کے

۳۔ مرد کو سلا ہوا کپڑا پہننا۔ عورت کو اجازت ہے جو چاہے پہنے لیکن اپنا چہرہ ایسی شے سے نہ ڈھکے جو چہرے کے ساتھ لگتی ہو جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ واضح ہو کہ مرد کو جو چیز ممنوع ہے وہ عام لباس ہے لہٰذا اگر کسی نے سلا ہوا کپڑا پہنا نہیں بلکہ اوپر ڈال لیا یا بدن پر عام طریقہ لباس کے خلاف رکھ لیا تو اس پر تاوان عائد نہیں ہوتا۔ سِلا ہوا کرتا، پاجامہ موزہ یا عمامہ وغیرہ بغیر کسی معذوری کے پہن لے گا تو اس پر فدیہ دینا واجب ہوگا۔

۴۔ سر کو ڈھکنے والی عام چیزوں میں سے کسی چیز سے پورے دن سر کو ڈھکا رکھنا، مرد کے لئے اور چہرے کا ڈھکنا عورت کے لئے فدیہ کو واجب کرتا ہے۔

۵۔ اعضائے انسان میں سے کسی بڑے عضو مثلاً ران، پنڈلی، ہاتھ، چہرہ سر یا گردن پر یا کپڑے کے ایک بالشت حصے پر خوشبو کی کوئی چیز مل جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔ خوشبو میں عصفر، زعفران اور مہندی شامل ہے۔ مہندی اگر سر پر اس طرح لگائی کہ سر کی جلد ڈھک گئی تو دو قربانیاں دینا ہوں گی، ایک خوشبو استعمال کرنے کے لئے دوسری سر کو ڈھکنے کے لئے۔ کسی ایک عضو پر روغن زیتون یا تل کا تیل بلا عذر لگانا بھی خوشبو لگانے کے مانند ہے بشرطیکہ علاج کے لئے نہ لگایا گیا ہو۔

۶۔ ناخنوں کا ترشوانا۔ فدیہ واجب کرتا ہے ایک پاؤں یا ایک ہاتھ کے ناخن ہوں یا دونوں ہاتھ پیروں کے۔ اگر بیک وقت ایک ہی مجلس میں کاٹے گئے تو ایک قربانی لازم ہے اور اگر مختلف مجلسوں (یعنی وقت اور جگہ بدل بدل کر) تمام ناخن کاٹے گئے تو چار قربانیاں، ہر عضو کے لئے ایک قربانی کے حساب سے عائد ہوں گی

۷۔ طواف قدوم یا طواف صدر کو ترک کرنا۔ عمرے کے پھیروں میں سے کسی پھیرے کا چھوٹ جانا یا واجبات جو پہلے بیان کئے گئے ہیں اُن میں سے کوئی واجب اگر رہ جائے تو فدیہ واجب ہوگا۔

حالت احرام میں شکار کا تاوان

احرام کی حالت میں تحلّل سے پہلے کسی جانور کا شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے شکار کیا تو اُس پر تاوان عائد ہوگا۔ تحلل کی تشریح یہ ہے کہ حج سے فارغ ہونے کی جو تین باتیں ہیں یعنی جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنا، حلق کرانا (بال اُتروانا) اور طواف کرنا۔ ان میں سے دو باتیں کرلی جائیں تو تحلل اول ہوگیا یعنی ابتدائی درجے میں حج کی پابندیاں ختم ہوگئیں۔

اگر تحلّل سے پہلے خشکی کا جانور حرم کے اندر شکار کیا ہو (حالت احرام میں ناجائز امور کا بیان پہلے کیا جا چکا ہے) تو اُس پر اس جانور کی قیمت واجب ہوگی، اگر اس کی قیمت قربانی کے جانور کی قیمت کے برابر ہو جائے تو تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے فدیہ دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اس کی قیمت سے قربانی کا جانور خرید کر حرم میں ذبح کیا جائے۔
۲۔ اس کا کھانا خرید کر فی کس نصف صاع کے اعتبار سے مسکینوں کو صدقہ کر دیا جائے۔
۳۔ ہر نصف صاع کے بجائے ایک دن کا روزہ رکھا جائے، جتنے بھی روزے اس طرح سے واجب ہوں اُن کا لگاتار رکھنا ضروری نہیں ہے نہ یہ لازم ہے کہ جیسا جانور شکار کیا گیا اُسی کے مانند جانور فدیہ کے لئے لایا جائے بلکہ اس کی قیمت ادا کرنا کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ (مائدہ، آیت۔ ۹۵)

اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو۔ اگر تم میں سے کسی نے شکار دانستہ مارا تو اُس کا تاوان مارے گئے جانور کے مثل ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو منصف مزاج صاحبان کر دیں۔

لفظ متعمداً سے مراد شکار کی نیت سے مارنا ہے اور مثل سے ظاہری نہیں بلکہ معنوی مثلیت مراد ہے یعنی جانور کی قیمت جس کو دو منصف مزاج مناسب سمجھتے ہوں، یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس جانور کا کوئی مالک نہ ہو۔ لیکن اگر مالک ہے تو دو جانوروں کا فدیہ واجب ہوگا، ایک تاوان کے طور پر دوسرا اس کے مالک کے لئے۔ حدود حرم میں شکار کیا ہوا جانور کھانا بھی حرام ہے، اگر جانور کا کوئی عضو بیکار ہوگیا یا بال نچ گئے یا ایسی ہی کوئی اور خرابی ہوگئی تو اس کا فدیہ وہ قیمت ہے جو اس کی وجہ سے کم ہوگئی۔ حشرات الارض۔ بھڑ، تتلی، مکھی، چیونٹی، سیہی، سانپ بچھو، چوہا، پاگل کتا وغیرہ مارنے کا فدیہ نہیں ہے حرم کی گھاس کاٹنے پر کٹی ہوئی گھاس کی قیمت دینا واجب ہے۔

نصف صاع کی مقدار میں گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ حسب ذیل امور میں واجب ہے:۔

کسی عضو کے کمتر حصے میں خوشبو لگانا۔

ایک دن سے کم عرصے کے لئے قمیص پہن لینا، یا خوشبو لگا ہوا کپڑا پہنے رہنا۔ یا سر ڈھکا رکھنا۔

ایک چوتھائی سے کم سر کے یا داڑھی کے بال کاٹنا۔

پنڈلی یا بازو کے بال یا دو ایک ناخون تراشنا۔ حدث کی حالت میں طواف قدوم یا طواف صدر کرنا۔ کسی دوسرے شخص کے سر کے بال کاٹنا خواہ وہ حالت احرام میں ہو یا نہ ہو، طواف صدر کے ایک پھیرے کا ترک ہوجانا۔

نصف صاع سے کم جس امر میں صدقہ واجب ہوتا ہے ٹڈی کا مارنا ہے، اگر ایک ٹڈی ماری ہے تو اس کے عوض صدقہ دے دیا جائے جس قدر بھی چاہے اور دو تین ٹڈیاں ماری ہوں تو لپ بھر کھانا صدقے میں دے دیا جائے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو نصف صاع دینا لازم ہے۔

عُمرہ

عمرہ کے لغوی معنے زیارت کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں خانہ کعبہ کی زیارت خاص شرائط وارکان کے ساتھ کرنے کو کہتے ہیں۔

عمرہ کی حیثیت

عمرہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ ابن ماجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے:

الحج مکتوب و العمرۃ تطوع. حج فرض ہے اور عمرہ رضاکارانہ عبادت ہے

باقی دو امام عمرے کو فرض کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰہِ۔ یعنی حج اور عمرے کو پوری طرح انجام دو

ہر عبادت جب شروع کی جائے تو اُس کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، اس آیت کا یہی مفہوم حنفی اور مالکی فقہا نے لیا ہے۔ رہا حج کا فرض ہونا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ۔ اور اللہ کے لئے لوگوں پر حج بیت اللہ ہے۔

عمرہ کی شرائط اور ارکان

عمرے کی شرطیں وہی ہیں جو حج کی ہیں۔ حنفی علمائے فقہ کے نزدیک احرام شرط ہے اور سعی بین الصفا و المروہ واجب ہے، اسی طرح بال منڈوانا یا کتروانا بھی واجب ہے رکن نہیں ہے، البتہ طواف کے چار پھیرے کرنا رکن ہے۔

عمرہ کی میقات

عمرے کی میقات زمانی پورا سال ہے یا تمام سال میں کسی وقت بھی عمرہ کا احرام باندھنا درست ہے۔ میقات مکانی وہی ہیں جو حج کی میقات ہیں البتہ مکے میں رہنے والے لئے احرام باندھنے کی میقات (جگہ) علاقۂ حِل ہے۔ ارض حرم کے علاوہ باقی تمام جگہ حِل ہے۔ بیرون حرم افضل جگہیں تنعیم اور جِعرانہ ہیں۔ تنعیم وہ جگہ ہے جسے مسجد عائشہ کہا جاتا اور جِعرانہ مکے اور طائف کے درمیان واقع ہے۔

عمرے کی میقاتِ زمانی جیسا کہ ابھی بتایا گیا پورا سال ہے لیکن بعض حالات میں عمرے کے احرام باندھنے کی ممانعت بھی ہے، فقہائے احناف عرفہ کے دن زوال سے پہلے اور بقول راجح اس کے بعد عمرے کے لئے احرام باندھنا مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اسی طرح عید قرباں اور اس کے تین روز بعد تک احرام باندھنا منع ہے۔ اہلِ مکہ کے لئے حج کے مہینوں میں عمرے کا احرام باندھنا مکروہ ہے اگر اسی سال حج کا ارادہ ہو۔

اگر کسی مکے کے رہنے والے نے عمرے کا احرام علاقۂ حرم میں باندھا اور احرام کے بعد حرم سے باہر حِل کے علاقے میں نہیں گیا تو یہ احرام صحیح ہوگا، البتہ میقات پر احرام نہ باندھنے کی پاداش میں قربانی دینی ہوگی لیکن اگر طواف اور سعی سے پہلے علاقۂ حِل میں جاکر میقات پر احرام باندھ لیا تو قربانی عائد نہ ہوگی۔

عمرے کے واجبات، سنن اور مفسدات

عمرہ میں بھی وہی امور واجب ہیں جو حج میں ہیں۔ اسی طرح عمرہ کی سنتیں بھی وہی ہیں جو حج کی ہیں۔ احرام کے احکام میں فرائض میں محرمات مکروہات اور مفسدات میں بھی کوئی فرق نہیں ہے تاہم بعض امور میں عمرہ حج سے مختلف ہے مثلاً (۱) عمرے میں وقت مقرر نہیں ہے اور وہ فوت نہیں ہوتا۔ عرفات میں وقوف اور مزدلفہ میں رہنا، کنکریاں مارنا اور دو نمازوں کو اکٹھا کرنا عمرے میں نہیں ہوتا، طواف قدوم اور خطبے بھی عمرے میں نہیں ہیں، عمرے کے لئے غیر حرم کا تمام علاقہ احرام باندھنے کی میقات ہے، خواہ مکے کے رہنے والے ہوں یا نہ ہوں بخلاف حج کے کہ مکے والوں کے لئے حج کی میقات حرم ہے۔ حج کی طرح عمرے میں طوافِ وداع بھی نہیں ہے۔

حجِ قران، تمتع اور افراد کے متعلقہ مسائل

حج اور عمرہ کا ارادہ کرنے والے کے لئے حج کی تین صورتیں جائز ہیں۔ جسے چاہے اختیار کرے، قران یا تمتع یا اِفراد۔ حج قران باقی دونوں سے افضل ہے اور تمتع افراد سے بہتر ہے، قِران کا افضل ہونا اسی حالت میں ہے جبکہ ممنوعات احرام میں سے کسی امر ممنوع کے سرزد ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ حج قِران میں لمبے عرصے تک حالت احرام میں رہنا ہوتا ہے، اگر ایسی کسی بات کے سرزد ہونے کا اندیشہ ہو تو تمتع ہی سب سے افضل ہے کیونکہ اِس میں تھوڑے دن حالت احرام میں رہنا ہوتا ہے اور انسان کے لئے اپنے نفس پر قابو رکھنا آسان ہے۔

اِفراد یہ ہے کہ صرف حج کے لئے احرام باندھا جائے۔

قِران لغت میں دو چیزوں کے جمع کرنے کو کہتے ہیں، اصطلاح شرع میں حج اور عمرہ کو جمع کرنے کا اِحرام مراد ہے، چاہے ایک ہی وقت اور ایک ہی احرام میں حج و عمرہ کو جمع کیا جائے یا حج کا احرام عمرے کے احرام کے بعد ہو پھر اُن کے افعال کو اکٹھا بجالایا جائے، اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا جائے پھر طواف عمرہ کے چار پھیرے لگانے سے قبل حج کا احرام بھی باندھ لیا جائے۔ اگر طواف کے چار پھیرے لگانے کے بعد باندھا تو اس صورت میں قِران نہ ہوگا بلکہ حج تمتع ہوگا وہ بھی اس حالت میں جبکہ عمرے کا طواف ایام حج میں واقع ہوا ہو بہ صورت دیگر نہ حج قِران ہوگا نہ حجِ تمتع۔

تمتع اصطلاح شرع میں یہ ہے کہ ایام حج میں عمرہ کا احرام باندھا جائے یا اس سے پہلے باندھا جائے لیکن طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے ایام حج کے آجانے پر کئے جائیں اس کے بعد حج کا احرام ایک ہی سفر میں باندھا جائے بایں طور کہ عمرے کے بعد یا تو قطعاً اپنے مقام پر واپس نہ آیا ہو یا آیا ہو لیکن پھر مکہ میں دو باتوں کے لئے واپس آنا مطلوب ہو یعنی:

۱۔ قربانی بھیج دی ہو ایسی صورت میں یوم نحر سے پہلے تحلل ممنوع ہے۔

۲۔ یا سر منڈانے سے پہلے اپنے شہر میں آگیا ہو اور تکمیل کے لئے پھر حرم میں واپسی قطعی ہو کیونکہ حلق علاقۂ حرم میں واجب ہے چنانچہ اگر کسی نے ہَدِی (قربانی کا جانور) روانہ کئے بغیر عمرہ کیا اور سر کے بال اُتروائے بغیر اپنے شہر میں واپس آگیا تو اس کا احرام باقی رہے گا۔ پھر اگر حلق کرائے بغیر واپس آگیا تو اس کا حج تمتع ہو جائے گا۔

قران کے مسائل اگر پہلے حج کا احرام باندھا پھر طواف قدوم سے پہلے عمرے کی نیت کر لی تو وہ بھی قران ہو جائے گا لیکن ناقص صورت میں اس کے لئے طواف قدوم کے بعد قربانی دینا ہو گی۔ قارن کا احرام میقات پر باندھا جائے یا اس سے پہلے وہ احرام صحیح ہو گا لیکن احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھنے پر قربانی لازم ہو گی بجز اس کہ احرام باندھ کر پھر وہاں لوٹ کر آئے جہاں میقات ہے تو قربانی واجب نہ ہو گی ہر چند کہ قارن کا ایام حج میں اور اس سے پہلے بھی احرام باندھنا درست ہے لیکن حج و عمرہ کے باقی اعمال کا ایام حج میں واقع ہونا ضروری ہے۔ سنت یہ ہے کہ حجِ قران کا احرام باندھنے کے لئے یہ کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ	بارالٰہا میں نے عمرے اور حج کا ارادہ کیا
وَالْحَجَّ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا	ہے ان کو میرے لئے آسان کر دے اور
مِنِّیْ۔	میرے عمرے اور حج کو قبول فرما لے۔

مستحب یہ ہے کہ نیت میں عمرے کا نام پہلے آئے، اور واجب ہے کہ پہلے عمرے کے لئے سات پھیرے طواف کے کرے اور ابتدائی تین پھیروں میں رمل کرے یعنی شانوں کو ہلاتے ہوئے تیز قدم چلے، یہ طواف یا اس کے بیشتر پھیرے لازمی طور پر ایام حج میں واقع ہوں، طواف کے بعد عمرے ہی کے لئے سعی کی جائے، عمرے کے اعمال یہاں ختم ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ حج کا

احرام بندھا ہوتا ہے اس لئے تحلُّل نہ کیا جائے یعنی سر نہ منڈایا جائے بلکہ اعمال حج سے فارغ ہونے تک توقف کیا جائے، اگر اس سے پہلے سر منڈالیا تو دو احراموں کی خلاف ورزی ہوگی اور دو قربانیاں لازم ہوں گی۔ اعمال حج کی انجام دہی عمرے سے فارغ ہونے کے بعد شروع کی جائے۔

قِران کے صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں:

۱۔ حج کا احرام، عمرے کا طواف پورا کر لینے یا اُس کے بیشتر پھیرے کرنے کے بعد باندھا تو وہ حج قران نہ ہوگا، لہٰذا عمرے کا پورا طواف یا طواف کے بیشتر پھیرے کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا چاہیئے۔

۲۔ حج کا احرام اُس وقت باندھا جائے جب عمرہ فاسد نہ ہوا ہو۔

۳۔ عمرے کا طواف، وقوف بہ عرفات سے پہلے کر لیا جائے، اگر طواف نہ کیا اور زوال آفتاب کے بعد عرفہ میں وقوف کر لیا تو عمرہ جاتا رہا اور قران باطل ہو گیا اور عمرے کی قربانی جو لازم تھی ساقط ہو گئی ہاں اگر طواف کے بیشتر پھیرے کر لینے کے بعد عرفہ میں وقوف کیا تو طواف زیارت سے پہلے باقیماندہ پھیرے پورے کر لئے جائیں۔

۴۔ حج اور عمرہ دونوں مفسدات سے محفوظ ہوں مثلاً وقوف بعرفہ سے پہلے مفسد فعل سرزد ہو گیا اور طواف عمرہ کے بیشتر پھیرے نہ ہوئے تو قران باطل ہو جائے گا اور قربانی ساقط ہو جائے گی۔

۵۔ عمرے کا طواف یا اُس کے بیشتر پھیرے ایام حج کے اندر ہوئے ہوں، اگر پہلے کئے گئے تو قران نہ ہوگا۔

۶۔ قران کرنے والا مکّے کا باشندہ نہ ہو۔ مکّے کے رہنے والے کا قران اُس وقت درست ہوگا جب وہ ایام حج سے پہلے کسی اور علاقے میں چلا جائے۔

۷۔ وہ حج فوت نہ ہو، اگر حج فوت ہو گیا تو وہ قارن نہ رہے گا اور قربانی ساقط ہو جائے گی۔

صحت قران کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اپنی اہل کے لَمَمْ (معمولی اختلاط) بھی نہ ہو، اگر کسی نے عمرے کا طواف کر لیا اور بغیر تحلل کے گھر واپس آگیا تو قران باقی رہے گا۔

تمتع کے مسائل

اگر حج تمتع کرنے والے نے قربانی کا جانور روانہ کرنے کے ساتھ عمرہ کیا پھر اگر قربانی یوم نحر تک ملتوی رکھی تو تمتع صحیح ہوگا اور قربانی کے سوا اُس پر اور کچھ واجب نہ ہوگا خواہ واپس اپنے گھر آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ لیکن اگر ذبیحہ کرنے میں جلدی کی اور اپنے گھر واپس آگیا تو اُس پر مطلقاً کچھ واجب نہیں ہے خواہ اس سال حج کرے یا نہ کرے لیکن تمتع باطل ہوجائے گا اور اگر اپنے گھر واپس نہیں آیا تو حج نہ کرنے پر کچھ واجب نہیں اور اگر حج کیا تو دو قربانیاں لازم ہیں ایک تو حج تمتع کی قربانی اور دوسری وقت سے پہلے تحلل کی قربانی۔

تمتع کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں منجملہ ان کے ایام حج میں عمرہ کا طواف، حج کے احرام سے پہلے طوافِ عمرہ یا اُس کے بیشتر پھیرے کرلینا، عمرے کا احرام حج کے احرام سے پہلے باندھنا، اپنے اہل کے ساتھ صحیح معنوں میں اِلمام نہ کرنا، عمرہ اور حج کا فاسد نہ ہونا حج اور عمرہ ایک ہی سال میں کرنا، چنانچہ اگر عمرے کا طواف ایام حج میں کرلیا گیا لیکن حج دوسرے سال میں کیا تو یہ حج تمتع نہ ہوگا اگرچہ وہ گھر میں نہ آیا ہو اور اگلے سال تک احرام میں رہا ہو اور یہ کہ وہ مکے کا باشندہ نہ ہو لہٰذا اگر عمرہ کیا پھر مستقل طور پر ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا تو تمتع نہ ہوگا۔ اگر ایسا ارادہ نہ کیا تو حج تمتع ہوجائے گا۔ اور یہ کہ ایام حج آنے سے پہلے مکے میں بغیر احرام کے مقیم ہو تو بھی حج تمتع نہ ہوگا۔ یہی حکم اس صورت میں ہے کہ ایام حج آنے سے بیشتر مکے میں احرام کے ساتھ مقیم ہو لیکن طوافِ عمرہ کے بیشتر پھیرے ایام حج کے علاوہ دنوں میں کئے ہوں۔

تمتع کرنے والے کو چاہئیے کہ عمرے کے اعمال سے فارغ ہوکر سر کے بال اُتروا کر حلال ہوجائے یعنی احرام کی پابندیوں سے الگ رہے پھر آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے اس دن کو یوم تَرْوِیَہ کہتے ہیں یہ دن اہل مکہ کے احرام باندھنے کا ہے اس احرام میں نویں تاریخ یعنی یوم عرفہ تک تاخیر جائز ہے بشرطیکہ عرفات میں وقوف کرنا وقت پر ممکن ہو۔

حجِ قران اور حج تمتع دونوں صورتوں میں قربانی واجب ہے جو جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ

وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ بقرہ-۱۹۶)

اگر قربانی میسر ہو تو قران والے پر تمتع والے کی طرح قربانی واجب ہے، اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے واجب ہیں ان کے علاوہ مزید سات روزے اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد، یہ پورے دس روزے ہیں۔

تین دن کے روزے متواتر رکھنا افضل ہے، ایام حج کے اندر عمرے کا احرام باندھنے کے بعد اور مزید سات روزے اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد واجب ہیں، ان کو بھی مسلسل رکھنا افضل ہے تین روزوں میں یہاں تک تاخیر کرنا جائز ہے کہ عید میں تین دن سے زیادہ باقی نہ رہیں، یہ اس لئے کہ اگر ان ایام سے پہلے قربانی کا جانور میسر ہو جائے تو قربانی کی جائے، روزہ رکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے، اگر تین دن کے روزے نہ رکھے گئے اور یوم نحر آگیا تو اب صرف روزے جائز ہیں، قربانی نہیں کی جا سکتی۔

اگر قربانی کا مقدور نہ ہو تو حلال ہو جائے یعنی ممنوعات احرام سے سبکدوش ہو جائے۔ ایسے شخص پر دو قربانیاں رہیں گی ایک تو قران یا تمتع کی دوسری قربانی سے پہلے حلال ہو جانے کی۔

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حرم میں رہنے والے کو قران اور تمتع کرنا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ (سورۂ بقرہ ۱۹۶)

یہ اُس کے لئے ہے جس کا گھر بار مسجد حرام کے حدود میں نہ ہو۔

حاضرین مسجد حرام سے مراد وہ لوگ ہیں جو مواقیت کے اندر اور حرم کے علاقہ میں رہتے ہیں۔

ہَدی کی تعریف

ہَدی وہ چوپایہ جس کی قربانی حرم میں کرنا ہو، یہ اونٹ گائے بھیڑ بکری سب ہو سکتی ہے، اونٹ وہ جائز ہے جو پانچ سال کا ہو کر چھٹے سال میں داخل ہو گیا ہو اور گائے بیل وہ جو دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں داخل ہوں۔ بھیڑ بکری سال بھر سے کم کے جائز نہیں، البتہ اگر بھیڑ اتنی فربہ ہو کہ آدھے سال کی بھیڑ اور سال بھر کے جانور میں فرق نہ معلوم ہوتا ہو تو آدھے سال کی بھیڑ بھی جائز ہے۔

ہدی کی قسمیں ہدی کی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ قربانی ہے جو حج اور عمرے کے اعمال میں واجب ہے، جیسے تمتع یا قران کی قربانی اُس کو دم شکر کہتے ہیں۔ اس میں وہ قربانی بھی شامل ہے جو حج کے کسی واجب کے ترک ہوجانے پر لازم ہوتی ہے۔

دوسری قسم وہ قربانی ہے جس کے کرنے کی نذر مانی گئی ہو یہ نذر پوری ہونے پر واجب ہوتی ہے۔

تیسری قسم تطوّع (نفلی قربانی) ہے جو احرام باندھنے والا نیکی سمجھ کر کرے۔

قربانی کے وقت اور جگہ کا بیان قربانی کے تین دن مقرر ہیں۔ عید کا دن اور اس کے بعد کے دو دن، یہ دن قران یا تمتع کی قربانی کے ہیں جسے جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ذبح کرنا چاہیئے جو قربانی ایام نحر میں کی جائے اُسے منیٰ میں ذبح کرنا سنت ہے، اگر منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ ذبح کیا جائے تو افضل جگہ مکہ ہے، البتہ نذر کی قربانی اگر بُدنہ (اونٹ) ہو تو اُسے حرم میں ذبح کرنے کی پابندی نہیں ہے، قران اور تمتع کی قربانیوں کے علاوہ کسی اور قربانی کے لئے وقت کی بھی پابندی نہیں ہے، قران اور تمتع کی قربانی اگر ایام نحر کے بعد ذبح کی گئی تو اس تاخیر پر بھی قربانی لازم ہوگی۔

قربانی کے گوشت میں سے کچھ کھانے کا بیان قران اور تمتع کی قربانی جسے شکریہ کی قربانی کہا جاتا ہے، اس میں سے قربانی کرنے والے کو کچھ کھانا مستحب ہے، البتہ نذر کی قربانی کا گوشت کھانا قربانی کرنے والے کو جائز نہیں کیونکہ وہ صدقہ ہے اور فقراء کا حق ہے، اگر اُس میں سے کچھ کھا لیا تو اس قدر گوشت کی قیمت فقیروں کو ادا کرنا چاہیئے اور جس قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ تین برابر کے حصے کئے جائیں، ایک تہائی کھایا جائے، ایک تہائی صدقہ میں دیا جائے اور باقی ایک تہائی ہدیہ کے طور پر دیا جائے۔ اُس کی کھال اور ہڈی بھی صدقہ کردی جائے ہَدی کے جانور کا دودھ بھی جائز نہیں ہے، اگر اس کا دودھ لیا تو اس کی قیمت فقرا کو دیدی جائے۔

ہدی کی شرطیں قربانی کے جانور میں ایسا عیب نہ ہو جس کے باعث قربانی جائز نہیں رہتی۔ کانا، اندھا، لنگڑا اور ایسا دُبلا جو چل نہ پائے، یہ وہ عیوب ہیں جو قربانی کے

جانوروں میں نہ ہونا چاہئیں۔

احصار اور فوات

احصار کے لغوی معنی رکاوٹ کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مُحرِم کو رکن حج ادا کرنے سے پہلے اعمال واجبہ کی بجا آوری میں رکاوٹ پڑنے کو کہتے ہیں، فوات اصطلاح شرع میں وقوف عرفہ سے رہ جانے کو کہتے ہیں۔ احصار یعنی اعمال حج کی بجا آوری سے روکنے والے اسباب دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔

(۱) شرعی اسباب، مثلاً ایک عورت احرام باندھنے کے بعد اپنے خاوند یا مَحرَم سے محروم ہو جائے یا خاوند بیوی کو نفلی حج سے منع کر دے یا کوئی شخص اخراجات حج سے محروم ہو جائے اور پیدل سفر کرنے سے معذور ہو۔

(۲) حسّی اسباب مثلاً کوئی دشمن اُس کو قید میں ڈال دے یا کوئی اور شے اعمال حج کو بجالانے سے روک رکھے یا کوئی مرض آگھیرے تو حکم یہ ہے کہ قربانی کا جانور یا اُس کی قیمت کسی کے ہاتھ بھیج دے کہ اُس کی طرف سے حَرَم میں قربانی کر دے۔ اب قربانی ہو جانے تک تحلل جائز نہیں ہوگا اگر ذبح ہونے سے پہلے ممنوعات میں سے کوئی امر سرزد ہو گیا تو اُس پر وہی کچھ واجب ہوگا جو احرام والے پر واجب ہوتا اگر اُسے رُکاوٹ نہ ہوتی۔ اگر حج کی رُکاوٹ جو پیش آئی تھی ہدی روانہ کرنے کے بعد دور ہو گئی تو اب یا تو اعمال حج اور قربانی دونوں ادا کرنے کا موقع مل جائے گا یا دونوں میں سے کوئی ایک کام کیا جا سکے گا یا پھر دونوں میں سے کوئی عمل نہ ہو سکے گا، اگر پہلی صورت امکان میں ہو تو لازم ہے کہ اعمال حج کی تکمیل میں مصروف ہو جائے، اگر دوسری صورت ممکن ہو اور محض قربانی کا موقع مل سکے تو فوت شدہ اعمال حج کی طرف توجہ کرنا لازم نہیں اُسے چاہئیے کہ عمرہ کے بعد تحلّل کرے اور اگر اتنا موقع تھا کہ اعمال حج پورے کر سکے تو اُسے پورا کرنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ تحلّل کر لیا جائے، اگر تیسری صورت ہے کہ نہ حج کے اعمال بجالانے کا وقت ہے نہ قربانی کا تو عمرہ کر کے تحلّل کرلے۔

اب رہا مسئلہ فوات کا یعنی عرفہ میں وقوف کا وقت گزر جانے کے بعد وقوف کیا تو چاہئیے کہ طواف اور سعی کر کے تحلّل کرلے اور آئندہ سال اس کی قضا کرلے اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

حج بدل

عبادات کی تین قسمیں ہیں:

(۱) محض بدنی عبادت جیسے نماز اور روزہ اس میں مال کو دخل نہیں ہے بلکہ اللہ کی رضا کے لئے نفس کو عاجزی اور فروتنی میں ڈالنا ہے۔

(۲) محض مالی عبادت جیسے زکوٰۃ وصدقہ یہ اللہ کے بندوں کی مالی امداد کرنا ہے۔

(۳) مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادت حج ہے جس میں طواف اور سعی خشوع وخضوع بھی ہے اور اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کرنا ہے۔

پہلی قسم کی عبادت میں اپنے بجائے کسی دوسرے کو عبادت کے لئے نائب بنانے کی گنجائش نہیں ہے کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ اپنی بجائے کسی اور کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کے لئے کہے، ایسا کہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

دوسری قسم کی عبادت میں اپنا نائب کسی دوسرے کو بنانے کی گنجائش ہے، مال کے مالک کو جائز ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالنے یا اپنے مال میں سے صدقہ دینے کے لئے کسی اور کو نائب بنادے۔

تیسری قسم کی عبادت (یعنی حج) میں تینوں امام علاوہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس پر متفق ہیں کہ حج وعمرہ ایسے اعمال ہیں جن میں کسی دوسرے کو نائب بنایا جاسکتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص ان اعمال کو ادا کرنے سے عاجز ہے تو واجب ہے کہ وہ کسی کو اپنا نائب بنائے جو اس کے بدلے میں حج کرے، اس کو حج بدل کہتے ہیں۔

حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں

۱۔ کوئی ایسی معذوری لاحق ہو جو بالعموم مرتے دم تک باقی رہے مثلاً ایسا مرض جس کے آرام ہونے کی اُمید نہ ہو مثلاً نابینا ہو جانا یا کہنہ سالی کے سبب اعضائے جسم کا اس قدر ضعیف ہو جانا کہ طاقت بحال ہونے کی توقع نہ رہے، اگر ایسا شخص کسی کو اپنا نائب بنادے کہ وہ اُس کی طرف سے حج ادا کرے تو یہ جائز ہے اور فریضۂ حج اس معذور کے ذمّے سے ساقط ہو جائے گا۔

لیکن ایسا مریض جسے شفا پانے کی امید ہو یا جو قید میں ہو اگر کسی کو نائب بنائے اور وہ نائب اُس کی جانب سے حج ادا کرلے، بعد میں وہ شفایاب ہو جائے یا قید سے رہائی مل جائے تو فریضۂ حج اُس کے ذمّہ سے ساقط نہ ہوگا۔

۲۔ حج کرنے والے کی طرف سے حج کی نیت کرنا بھی شرط ہے یعنی نیت یوں کرنا چاہیئے کہ فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھتا اور تلبیہ کرتا ہوں، یہ نیت دل میں کر لینا بھی کافی ہے، نائب نے حج کی نیت اگر اپنی طرف سے کی تو نائب بنانے والے کی طرف سے حج ادا نہ ہوگا۔

۳۔ جس کی طرف سے حج بدل کیا جائے حج کے بیشتر اخراجات وہی برداشت کرے گا اگر کسی شخص نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کی ہو ہاں اگر کوئی ایسی وصیت نہ تھی بلکہ متوفی کے وارثوں میں سے کسی نے یا کسی دوست نے از خود نیکی کے خیال سے اُس کی جانب سے حج کیا تو انشاء اللہ یہ حج اس کی طرف سے قبول ہو جائے گا۔

۴۔ حج کرنے کی کوئی اجرت مقرر نہ کی جائے، حج کے اخراجات کے لئے جو رقم دی گئی ہے اگر اس میں اخراجات پورے نہ ہوں تو زائد رقم کا مطالبہ حج کرانے والے سے کیا جائے گا اور اگر اُس میں سے کچھ بچ رہا تو حجِ بدل کرنے والے کو چاہیئے کہ باقی رقم حج کرانے والے کو واپس کر دے، حج کی اجرت مقرر کر کے حج کرنا سرے سے جائز نہ ہوگا، اسی طرح دوسری عبادات میں بھی اجرت باطل ہے ہاں بعض ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً تعلیم دینے اذان پنجوقتہ دینے اور امامت کرنے کی اجرت۔

۵۔ حج کرانے والے کی شرائط کے مخالف حج نہ کیا جائے ــــــ مثلاً حج افراد کے لئے کہا گیا اور اس کے بجائے حج قران یا حج تمتع کیا تو وہ حج کرانے والے کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ اور جو اخراجات ہوئے ہیں اُن کو واپس کرنا ہوگا۔

۶۔ احرام ایک ہی باندھا جائے یعنی یہ نہ ہو کہ ایک احرام حج بدل کا اور دوسرا احرام اپنے حج کا باندھا تو دونوں میں سے کسی کا حج نہ ہوگا ہاں اگر حج بدل کر لیا پھر اپنی طرف سے عمرہ بھی کر لیا تو جائز ہے البتہ ادائگی عمرہ کے اخراجات نائب کو اپنے مال سے کرنا لازم ہے۔ دو اشخاص کی طرف سے احرام باندھنا اور حج کرنا بھی درست نہیں، ایسا کرنے پر وہ دونوں کے اخراجاتِ حج کی واپسی کا ذمہ دار ہوگا۔

۷۔ حج بدل کرنے والا اور جس کی طرف سے حج کیا جا رہا ہے دونوں کا مسلمان اور عاقل ہونا شرط ہے۔ ہاں اگر حج واجب ہونے کے بعد جنون لاحق ہوا تو کسی کو حج کے لئے روانہ کرنا درست

ہوگا، بشرطیکہ حج بدل کرنے والا صاحب شعور ہو۔ عورت اور غلام بھی حج بدل کر سکتے ہیں اور وہ شخص بھی جس نے اپنا فریضۂ حج ادا نہ کیا ہو۔

۸۔ اگر حج بدل کرنے والے سے کوئی ایسا امر سرزد ہو جو حج کو فاسد کر دے تو اگر یہ امر وقوف عرفہ سے پہلے سرزد ہوا تو اخراجات حج کی واپسی کی ذمہ داری حج بدل کرنے والے پر ہوگی اور اگر وقوف عرفہ کے بعد ایسا امر سرزد ہوا تو یہ ذمہ داری عائد نہ ہوگی تاہم غلطی کا کفارہ حج بدل کرنے والے کے ذمہ ہے کیونکہ وہ خود اس کا سبب ہے' البتہ احصار کی صورت میں قربانی کے اخراجات حج کرانے والے پر ہوں گے کیونکہ احصار میں حج بدل کرنے والے کو کچھ اختیار نہ تھا۔

حج کرنے کی وصیت کو پورا کرنا اگر کسی نے وصیت کی کہ وفات کے بعد اس کی طرف سے حج کیا جائے اور اس کے لئے اخراجات کی مقدار اور مقام جہاں سے حج کے لئے جانا ہے متعین کر دیا ہے تو اس کے مطابق وصیت کو پورا کرنا واجب ہے اگر یہ دونوں باتیں متعین نہیں ہیں تو دیکھا جائے کہ اس کے مال متروکہ کا ایک تہائی حصہ حج کے اخراجات کے لئے کافی ہے ــــــــ ؟۔ پھر جہاں سے حج کرنے میں وہ مال کفایت کرے وہاں سے حج کیا جائے ــــــــ اگر کسی جگہ سے بھی وہ مال اخراجاتِ حج کے لئے مکتفی نہ ہو تو وصیّت باطل متصور ہو گی ــــــــ

اگر ایک تہائی مال ایک سے زیادہ حج کے لئے کافی ہو اور متوفی نے ایک حج کی وصیت کی ہے تو باقی ماندہ مال وارثوں کا حق ہے' اگر ایک حج کا تعین نہیں کیا تو اس مال میں جتنے حج ہو سکتے ہیں سب کو ایک سال ہی کرا لینا اس سے افضل ہے کہ متعدد حج مختلف سالوں میں کرائے جائیں۔

زیارت روضۂ اطہر "روضہ مسجد نبوی میں ایک چوکور جگہ کا نام ہے یہاں جزء بول کر کُل مراد ہے یعنی وہ ارض پاک جہاں نزول وحی ہوتا تھا جہاں سے دعوت حق دی جاتی تھی جہاں سے ہدایت کی روشنی ضلالت کے اندھیروں کو مٹایا کرتی تھی،

اخلاق فاضلہ کی تربیت دی جاتی تھی اور شریعت کی تبلیغ کی جاتی تھی حق وصداقت کی صدائیں گونجا کرتی تھیں، رسول اللہ کے خطبے جس ممبر سے سنے جاتے تھے وہ حجرہ جو آپؐ کی قیام گاہ تھا اور اب ابدی آرام گاہ ہے، یہ وہ حصۂ زمین ہے جس کو خاص شرف اور برتری حاصل ہے اور زیارت کا اصل مقصد آخرت کے تصور کو تازہ کرنا ہے، اہل دل جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوتے ہیں تو اگرچہ جسم اطہر پردۂ خاک میں مستور ہے لیکن آپؐ کے معنوی وجود کی شہادت وہاں کا ذرہ ذرہ دیتا ہے کہ آپؐ یہاں بیٹھتے تھے یہاں آرام فرماتے تھے یہاں نماز پڑھتے تھے، یہاں وضو فرماتے تھے یہاں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، آپ کے فیوض وبرکات وہاں جوں کے توں موجود ہیں جن سے زیارت کرنے والے کا دل فیض حاصل کرتا ہے، احکام رسالت کی بجا آوری کی طرف راغب اور رسول کی نافرمانی پر شرمسار ہوتا ہے یہ امر تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ وہ مسلمان جسے حج بیت اللہ کی توفیق ہوئی ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہونے کے قابل ہے اگر زیارت سے محروم رہے تو اس کے دل کو قرار وسکون نہیں حاصل ہو سکتا اور صاحب مقدور کے لئے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ مکے میں حاضر ہو اور مدینے پہنچ کر نزول وحی کے مقامات اور دین حنیف کے سرچشموں کا مشاہدہ نہ کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے اور اپنی قبر کی زیارت کی خود تاکید فرمائی ہے کہ مسلمانوں کا رشتۂ محبت آپؐ سے ٹوٹنے نہ پائے، آپؐ نے فرمایا جس نے حج کیا اور میری مسجد کی زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا، ایک دوسرے موقع پر آپؐ نے فرمایا — جس نے میری قبر کی زیارت کی اس نے گویا زندگی میں میری زیارت کی۔ مسجد قبا جس میں سب سے پہلی نماز باجماعت آپؐ نے پڑھی، مسجد قبلتین جہاں قبلہ بدلنے کا حکم بارگاہ ایزدی سے صادر ہوا۔ ستون ابولبابہؓ جہاں انھوں نے اپنے آپ کو باندھ دیا تھا یہاں تک کہ ان کی توبہ قبول ہوئی، ستون حنانہ جس سے رونے کی آواز آتی تھی، جب آپؐ نے خطبہ دینے کے لئے منبر کو اختیار کر لیا تھا۔ بقیع اور اُحد جہاں بڑے بڑے عظیم صحابہ کے مزارات ہیں یہ سب مقامات قلب وروح کے لئے وجہ سکون ہیں اور اللہ سے قرب پیدا کرنے والے ہیں۔

فقہاء نے آداب زیارت مقرر کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مکہ معظمہ سے طواف وداع کے بعد

مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو جانا، تمام راستے کثرت سے سلام اور درود پڑھتے ہوئے جانا، راستے میں جو مسجدیں آئیں اُن میں نماز ادا کرنا اور جب مدینہ منورہ کی فصیل نظر آئے تو یہ کہنا،

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ نَبِیِّکَ فَاجْعَلْہُ وِقَایَۃً لِّیْ مِنَ النَّارِ وَ اَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ۔	اے اللہ! یہ تیرے نبی کا حرم ہے اس کی برکت سے مجھے جہنم کی آگ سے بچالے اور عذاب و سختی محاسبہ سے امن میں رکھ۔

مسجد نبوی میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں قدم اندر رکھے اور کہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْٓ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ الْیَوْمَ مِنْ اَوْجَہِ مَنْ تَوَجَّہَ اِلَیْکَ وَاَقْرَبَ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیْکَ وَاَنْجَحَ مَنْ اَعَالَ وَابْتَغٰی مَرْضَاتَکَ۔	اے اللہ محمدؐ پر اور ان کی آل پر رحمت کاملہ نازل فرما، بار الٰہا میرے گناہوں کو معاف فرما اور میرے سامنے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے یا اللہ اس دن کو تیری طرف متوجہ ہونے والوں میں بہترین توجہ کا دن اور تیرا قرب حاصل کرنے والوں میں بہترین قرب حاصل کرنے کا دن بنا دے جس نے تیری ذات پر بھروسہ کیا اور تیری رضا پر جلا وہ نجات پا گیا۔

پھر منبر کے پاس دو رکعت پڑھے، منبر کا ستون دائیں شانے کے محاذ میں رہے کیونکہ نبی علیہ السلام یہاں کھڑے ہوتے تھے، یہ جگہ قبر شریف اور منبر کے درمیان ہے، نماز کے بعد جو دعا چاہے مانگے پھر وہاں سے چل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جانب آئے، سرہانے کی طرف قبلہ رو کھڑا ہو پھر قبر سے تین چار ہاتھ کے فاصلے پر پہنچ جائے۔ اس سے آگے نہ بڑھے، قبر کی دیوار پر ہاتھ نہ رکھے، ادب سے کھڑا ہو حضورؐ کا تصور کرے گویا آپؐ مرقد میں استراحت فرما ہیں اور اُس کی موجودگی کو جانتے اور بات کو سُن رہے ہیں، پھر سلام پڑھے جس کی آواز زیادہ اونچی ہو نہ دھیمی۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ	اے اللہ کے نبی آپ پر سلام اور اللہ

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَشْهَدُ
اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَدْ
بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ
الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ
وَجَاهَدْتَ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى
قَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَكَ حَمِيْدًا
مَّحْمُوْدًا فَجَزَاكَ اللّٰهُ
عَنْ صَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا خَيْرَ
الْجَزَآءِ وَصَلِّ عَلَيْكَ اَفْضَلَ
الصَّلٰوةِ وَاَزْكَاهَا وَاَتَمَّ
التَّحِيَّةِ وَاَنْمَاهَا اَللّٰهُمَّ
اجْعَلْ نَبِيَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَقْرَبَ
النَّبِيِّيْنَ وَاسْقِنَا مِنْ كَاْسِهٖ
وَارْزُقْنَا مِنْ شَفَاعَتِهٖ وَاجْعَلْنَا
مِنْ رُفَقَآئِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ هٰذَا اٰخِرَ
الْعَهْدِ بِقَبْرِ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَارْزُقْنَا الْعَوْدَ اِلَيْهِ يَا ذَا الْجَلَالِ
وَالْاِكْرَامِ۔

کی رحمت اور برکتیں ہوں میں گواہ ہوں کہ
بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ
نے رسالت کا حق پورا کر دیا، اللہ کی
امانت ادا فرمادی اُمّت کو نصیحت فرمائی
اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے یہاں
تک کہ اللہ نے آپ کی قابل ستائش
اور محمود روح کو اپنے پاس کھینچ لیا اللہ
آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، ہمارے تمام
چھوٹوں بڑوں کی طرف سے اور بہترین
اور پاکیزہ درود و رحمت اور کامل ترین
سلام آپ پر ہو۔ اے اللہ ہمارے
نبی کو قیامت کے دن سب سے زیادہ
قرب عطا فرما اور اُن کے جام سے ہم کو
ایسا پانی پلا کہ اُس کے بعد پیاس نہ
لگے اور ہمیں اُن کی شفاعت نصیب کر اور
قیامت کے دن اُن کے ساتھ والوں
میں شامل کر دے، اے اللہ نبی کی قبر انور
پر ہماری یہ حاضری آخری حاضری نہ بنا
بلکہ اے بڑی شان اور بڑی عزت والے
ہمیں پھر اُن کے پاس لوٹ کر آنے کی توفیق عطا فرما۔

اس کے بعد اس کا سلام پہنچائے جس نے سلام پہنچانے کی درخواست کی ہو اس کے لئے یوں کہے :-

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

اے رسول اللہ آپ پر فلاں ابن فلاں

من فلان ابن فلان یستشفع بك الی ربك فاشفع له ولجمیع المومنین۔

کی جانب سے سلام ہو وہ بارگاہ خداوندی میں آپؐ کی شفاعت کا طالب ہے پس اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیے۔

پھر جدھر حضورؐ کا چہرہ ہے اُس طرف قبلہ کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو اور جو درود چاہے پڑھے پھر ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے سامنے آجائے اور کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا خَلِیْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِی الْغَارِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَفِیْقَهٗ فِی الْاَسْفَارِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْنَهٗ فِی الْاَسْرَارِ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰی اِمَامًا عَنْ اُمَّةِ نَبِیِّهٖ وَلَقَدْ خَلَفْتَهٗ بِاَحْسَنِ خَلْفٍ وَّسَلَكْتَ طَرِیْقَهٗ وَمِنْهَاجَهٗ خَیْرَ مَسْلَكٍ وَّ قَاتَلْتَ اَهْلَ الرِّدَّةِ وَالْبِدَعِ وَمَهَّدْتَ الْاِسْلَامَ وَوَصَلْتَ الْاَرْحَامَ وَلَمْ تَزَلْ قَائِمًا لِّلْحَقِّ نَاصِرًا لِّاَهْلِهٖ حَتّٰی اَتَاكَ الْیَقِیْنُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَللّٰهُمَّ اَمِتْنَا عَلٰی حُبِّهٖ وَلَا تُخَیِّبْ سَعْیَنَا فِیْ زِیَارَتِهٖ بِرَحْمَتِكَ یَا كَرِیْمُ

اے خلیفہ رسول اللہ آپ پر سلام ہو اے غار میں رسول اللہ کا ساتھ دینے والے آپ پر سلام ہو اور حضورؐ کے شریک سفر رہنے والے آپ پر سلام ہو اسرار نبوت کے امین آپ پر سلام ہو اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی بھی نبی کی امت سے امام قوم کو پہنچی ہو آپ نے رسول اللہ کی خلافت کا حق بہ طریق احسن ادا فرمایا آپ نے ان کا طریقہ کار اور اُنھیں کا اسلوب اختیار فرمایا، آپ نے مرتدوں اور باغیوں سے جنگ کی، اسلام کو پھیلایا، رشتہ داروں میں میل ملاپ کرایا اور ہمیشہ حق پر قائم اور اہل حق کے معاون بنے یہاں تک کہ امر ناگزیر آپہنچا آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں اے اللہ ان کی محبت میں ہمیں موت آئے اے کریم ان کی زیارت کی ہماری کوششوں کو رائیگاں نہ فرما۔

اس کے بعد وہاں سے ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کی طرف آنا چاہیئے وہاں پر یوں کہنا چاہیئے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظْهِرَ الْاِسْلَامِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُكَسِّرَ الْاَصْنَامِ جَزَاكَ اللهُ عَنَّا اَفْضَلَ الْجَزَاءِ وَرَضِيَ اللهُ عَمَّنِ اسْتَخْلَفَكَ فَقَدْ نَصَرْتَ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ حَيًّا وَّمَيِّتًا فَكَفَلْتَ الْاَيْتَامَ وَ وَصَلْتَ الْاَرْحَامَ وَقَوِيَ بِكَ الْاِسْلَامُ وَكُنْتَ لِلْمُسْلِمِيْنَ اِمَامًا مَّرْضِيًّا وَّ هَادِيًا مَّهْدِيًّا جَمَعْتَ مِنْ شَمْلِهِمْ وَ اَغْنَيْتَ فَقِيْرَهُمْ وَجَبَرْتَ كَسْرَهُمْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ۔

اے امیر المومنین آپ پر سلام ہو۔ اے اسلام کے پشت پناہ آپ پر سلام ہو اے بتوں کے توڑنے والے آپ پر سلام ہو۔ اللہ آپ کو ہماری طرف سے سب سے بہتر اجر عطا فرمائے اور اس سے راضی ہو جس نے آپ کو خلیفہ بنایا۔ بلا شبہ آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی حیاۃ و موت میں حمایت کی، آپ نے یتیموں کی خبر گیری فرمائی باہمی تعلقات کو جوڑے رکھا، آپ کے ذریعے اسلام کو تقویت حاصل ہوئی آپ مسلمانوں کے محبوب امام اور ہدایت یافتہ راہنما تھے، آپ نے مسلمانوں کے انتشار کو دور فرمایا اُن میں جو نادار تھے اُنھیں غنی کردیا اُن کی خستہ حالی کا علاج کیا آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

اس کے بعد پہلے کی طرح حضورؐ کے سرہانے کھڑے ہو کر اللہ سے یوں دُعا مانگے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

اے اللہ تو نے ارشاد فرمایا ہے اور تو حق بات ہی فرماتا ہے کہ اگر اپنے نفس پر ظلم کرنے والے (گناہگار) تمہارے (رسول کے) پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور رسول بھی

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝
وَقَدْ جِئْنَاكَ سَامِعِيْنَ قَوْلَكَ
طَائِعِيْنَ اَمْرَكَ مُسْتَشْفِعِيْنَ نَبِيَّكَ
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا
الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ
رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ رَبَّنَآ اٰتِنَا
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي
الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ
النَّارِ سُبْحَانَ رَبِّكَ
رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ
وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعَالَمِيْنَ۔

اُن کے لئے اللہ سے مغفرت مانگیں تو وہ
دیکھیں گے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور
رحم فرمانے والا ہے۔ اے اللہ ہم تیرے
قول کو غور سے سنتے ہوئے تیرے حکم کو مانتے
ہوئے تیرے نبی کو شفیع بناتے ہوئے حاضر
ہوئے ہیں اے ہمارے پروردگار ہماری
اور ہمارے بھائیوں کی جو ہم سے پہلے
ایمان لائے مغفرت فرما اور ہمارے دل
میں ایمان والوں کے لئے خلوص پیدا کر
اے ہمارے پروردگار تو مہربان اور رحم
کرنے والا ہے، اے رب ہمیں دنیا اور
آخرت میں خیر (بھلائی) عطا فرما اور دوزخ
کے عذاب سے بچالے، تیری ذات پاک ہے
تو ہر کمی اور خامی سے مبرا ہے جو لوگ تیری
طرف منسوب کرتے ہیں سب رسولوں پر
سلام ہو، تعریفیں اُسی کو شایاں ہیں جو
تمام دُنیا کا پالنے والا ہے۔

پھر ستون حضرت ابو لبابہؓ کے پاس آئے اور مقام روضہ پر آئے اور منبر کے پاس آکر
رمانہ پر ہاتھ رکھے، پھر ستون حنانہ پر آئے ان سب جگہوں پر نماز پڑھنا تسبیح و ثنا اور
درود پڑھنا اور دُعا کرنا چاہیئے پھر جنت البقیع میں صحابہ اور تابعین اور امہات المومنین
کی قبروں کی زیارت کرے، شہدائے بدر و احد کے مزاروں پر حاضر ہو اور کہے:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ سَلَامٌ

اے اہل قبور وہ صبر و استقامت جس کا
مظاہرہ تم نے کیا اس پر تمہیں سلام ہو

عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۔

دار آخرت کیسی اچھی جگہ ہے ایمان والوں کی اس اقامت گاہ پر سلام ہو ہم بھی انشاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔

ہفتہ کے دن مسجد قبا پر آنا مستحب ہے اور یہ دُعا مانگنا چاہیئے:

يَا صَرِيْخَ الْمُسْتَصْرِخِيْنَ وَيَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ يَا مُفَرِّجَ كَرْبِ الْمَكْرُوْبِيْنَ وَيَا مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاكْشِفْ كَرْبِيْ وَحُزْنِيْ كَمَا كَشَفْتَ عَنْ رَسُوْلِكَ كَرْبَهٗ وَحُزْنَهٗ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا كَثِيْرَ الْمَعْرُوْفِ وَيَا دَائِمَ الْاِحْسَانِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اے پکارنے والے کی پکار کو سننے والے اے فریادیوں کی فریاد رسی کرنے والے اے مبتلائے مصیبت کی دور کرنے والے اے عاجزوں کی دُعائیں قبول کرنے والے حضرت محمد اور اُن کی آل پر رحمت کاملہ نازل فرما اور میرے غم و الم کو اس طرح دور فرما جس طرح تو نے اے کریم، اے شفیق اور اے صاحب خیر کثیر اور اے محسن بے زوال اور اے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو نے اپنے رسول کے حزن و تکلیف کو اس جگہ دور فرمایا تھا۔

مستحب یہ ہے کہ جب تک مدینے میں رہے تمام نمازیں مسجد نبوی میں ادا کی جائیں واپسی کے وقت دو رکعت نماز وداع مسجد میں ادا کی جائے اور جو مراد ہو اس کے لئے دُعا کی جائے اور پھر حضورؐ کی قبر مبارک پر آکر دُعا کی جائے، اللہ دُعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

اُضحیہ کا بیان یعنی قربانی کا

اُضحیہ اُس چوپائے کو کہتے ہیں جو ایام نحر میں بغرض حصول ثواب ذبح یا نحر کیا جائے۔

قربانی کا حکم

قربانی کا حکم سنہ ۲ ہجری میں ہوا، اسی سال عید میں مال کی زکوٰۃ اور صدقۂ فطر بھی مشروع ہوا، قرآن حدیث اور اجماع سے اس کا شرعی حکم ہونا

ثابت ہے "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" (اپنے پروردگار کی نماز پڑھ اور قربانی کر) سورۂ کوثر میں ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے،

ضحی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین املحین اقرنین ذبحھما بیدہ وسمی وکبر ووضع رجلہ علیٰ صفاحِھما۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے املح (سفید رنگ کے) اور اقرن (اوسط درجے کے سینگوں والے) اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اللہ کا نام لے کر تکبیر کہہ کر اور اپنا پاؤں اُن کے پہلوؤں پر رکھ کر)

اس کے شرعی حکم ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے اس لئے حنفی علماء واجب قرار دیتے ہیں، شافعی علماء گھر بھر میں ایک آدمی کے لئے سنّت عین کہتے ہیں۔

شرائط قربانی

اس کے سنت ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ قربانی کرنے والا صاحب مقدور ہو لہٰذا جو شخص عاجز ہے اُس کے لئے قربانی سنت نہیں ہے، صاحب مقدور وہ ہے جو قربانی کی قیمت دے سکتا ہو اور اس کی آمدنی اتنی ہو کہ ایک مہینہ کا خرچ نکل آئے۔ قربانی صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ قربانی کا جانور عیب سے خالی ہو، یعنی کانا یا اندھا اور ایسا لنگڑا نہ ہو جو قربانی کی جگہ تک نہ جا سکے، کان کٹا ہوا نہ ہو، دُم کٹی ہوئی نہ ہو، ایک تہائی سے زیادہ چکتی غائب نہ ہو۔ دانت سارے شکستہ نہ ہوں۔ بوچے جانور کی قربانی اور ایسے جانور کی قربانی جس کے تھن کا سر کٹا ہوا ہو صحیح نہیں ہے۔ جماء یعنی جس جانور کے سینگ قدرتی طور پر نہ ہوں اور عظماء وہ جانور جس کا سینگ کسی قدر ٹوٹ گیا ہو جڑ سے نہ ٹوٹا ہو تو ایسے جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ بھیڑ بکری کی جو سال بھر سے کم ہو قربانی درست نہیں ہے البتہ بھیڑ اگر بھاری جسم کی فربہ ہو اور چھ ماہ کی ہو کر ایک سال والوں سے کم نظر نہ آتی ہو اُس کی قربانی جائز ہے لیکن بکری جب تک دوسرے سال میں نہ لگ جائے اُس کی قربانی جائز نہیں ہے، گائے اور بھینس دو سال سے کم عمر کی اور اونٹ پانچ سال سے کم عمر کا چھوٹی عمر کے جانور ہیں، ان کی قربانی درست نہیں ہے، جب تک گائے بھینس تیسرے سال میں اور اونٹ چھٹے سال میں نہ لگ جائے اُنھیں قربانی کے جانوروں میں شامل نہ کیا جائے، بھیڑ اور بکری

کی قربانی صرف ایک شخص کی جانب سے ہو سکتی ہے لیکن اونٹ اور گائے میں سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اس کی قیمت میں ہر ایک کا حصہ ساتواں ہو اگر کسی نے ساتویں حصے سے کم دیا تو قربانی جائز نہ ہو گی۔

قربانی صحیح ہونے کی ایک شرط قربانی کا مقررہ اوقات میں ہونا ہے، قربانی کا وقت یوم نحر (جس کو عید کا دن کہتے ہیں) کے طلوع فجر کے بعد سے ہوتا ہے، اور تیسرا دن ختم ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، شہر میں رہنے والوں کو نماز عید کے بعد قربانی کرنا چاہیئے اور افضل یہ ہے کہ خطبۂ عید کے بعد ہو اگر عید کی نماز اُس آبادی میں نہ ہوتی ہو تو قربانی میں اتنی دیر کرنا چاہیئے کہ نماز عید کا وقت ختم ہو جائے، نماز کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال آفتاب تک ہے لہذا اس کے بعد ذبح کرنا چاہیئے، البتہ دیہات کے لوگ یوم نحر کی صبح نمودار ہونے کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ اگر عید کے دن کے متعلق غلط فہمی ہو جائے، لوگ نماز بھی پڑھ لیں اور قربانی بھی کر لیں پھر پتہ چلے کہ وہ عید کا دن نہیں عرفہ کا دن تھا تو نماز اور قربانی دونوں جائز متصور ہوں گی۔

اگر قربانی کے لئے جانور تو لے لیا گیا لیکن اُسے ذبح نہیں کیا جا سکا یہاں تک کہ وقت نکل گیا تو چاہیئے کہ اُس کو زندہ ہی صدقہ کر دیا جائے۔

قربانی کرتے وقت بسم اللہ کہنا

بسم اللہ کہنا ہر قسم کے ذبیحے کا گوشت حلال ہونے کی شرط ہے، تسمیہ قربانی کے جانور کو بلکہ ہر ذبیحہ کو ذبح کرتے وقت لازم ہے، اگر قصداً ترک کیا گیا تو اس ذبیحے کا گوشت کھانا ممنوع ہے ہاں اگر بھولے سے ترک ہو گیا تو کھایا جا سکتا ہے لیکن اللہ کے سوا کسی کا نام لے کر ذبح کرنا ذبیحہ کا کھانا حرام کر دیتا ہے۔

قربانی کے مستحبات اور مکروہات

قربانی کا گوشت کھانا، بچا کر رکھنا اور صدقہ کرنا مستحب ہے، افضل یہ ہے کہ ایک تہائی صدقہ کیا جائے، ایک تہائی اپنے لئے بچایا جائے باقی ایک تہائی رشتہ داروں اور احباب کے لئے نکالا جائے۔ نذر کی قربانی کا کھانا مطلقاً حرام ہے، وہ صدقہ کر دینا چاہیئے جو بچہ قربانی

کے جانور سے قبل از ذبح پیدا ہو جائے اُس کا کھانا جائز نہیں اُسے قربانی کے ساتھ ہی صدقہ کر دیا جائے۔ اس قربانی کا گوشت کھانا بھی حرام ہے جو کسی میت کی طرف سے اُس کی وصیت کے مطابق کی جائے، یہی حکم اس حال میں ہے جب پچھلی قربانی کی قضا کے طور پر قربانی کی جائے یا حصہ لگایا جائے۔ اس صورت میں پورا گوشت صدقے میں دیدینا واجب ہے۔

قربانی کی کھال کا بیچنا یا ایسی شے سے تبادلہ کرنا مکروہ ہے جو خرچ ہو جانے والی ہو جیسے گوشت دودھ سرکہ وغیرہ لیکن ایسی اشیاء سے مبادلہ حلال ہے جو عرصے تک باقی رہے مثلاً: چھلنی یا ڈول، یا مشکیزہ یا دسترخوان اس کھال کا بنالیا جائے۔ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اس کی اون اُتارنا بھی مکروہ ہے، اگر اُتار لی گئی تو اُسے بھی صدقہ کر دینا چاہیئے، کھال کی قیمت سے قصاب کو اجرت دینا بھی مکروہ ہے، ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رُخ لٹانا سنّت ہے، چھری تیز دھار والی ہو تاکہ ذبح کے وقت جانور کو بے ضرورت تکلیف نہ پہنچے، پھر یہ آیت پڑھے ــــ

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ (انعام ۸۰، ۱۶۲، ۱۶۳)

(میں سب سے کٹ کر اُس ذات کی طرف منہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں اُس ذات کے ساتھ کسی کو شریک بنانے والوں میں سے نہیں ہوں میری نماز میرا حج اور ساری عبادتیں میری زندگی میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرماں برداروں میں ہوں اے اللہ یہ تیرا عطیہ ہے اور تیرے لئے ہی ہے)

یہ پڑھ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے چھری جانور کی گردن پر پھیر دے اور اچھی طرح سے ذبح کرے اور اس کے بعد یوں دُعا کرے:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ	اے اللہ اسے میری طرف سے اسی طرح
مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِيْلِكَ	قبول کر جس طرح تو نے اپنے حبیب حضرت
إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ	محمد اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ

وَالسَّلَامُ۔ والسلام کی طرف سے قبول کیا تھا۔)

اگر اونٹ گائے یا بیل ہے جس میں کئی آدمی شریک ہیں تو سب کا نام لے کر یوں کہے۔

تَقَبَّلْ مِنِّیْ وَمِنْ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ۔ اگر کسی کو دُعا یاد نہ ہو تو دل میں نیت کرے اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کردے۔ (رد المحتار ج ۵ ص۲۳)

ذکات (جانور کی قربانی کا طریقہ)

لفظ ذکات جو ذال سے لکھا جاتا ہے اس کے معنی ہیں جانور کو جس کا گوشت کھانا مباح ہے ذبح کرنا، نحر کرنا یا عقر کرنا۔ نحر اونٹ کو نیزہ مار کر ذبح کرنے کو کہتے ہیں اور عقر ہرن یا نیل گائے وغیرہ جانور کو زخم لگا کر ذبح کرنے کو کہتے ہیں، یہ عمل ایسے جانوروں پر کیا جاتا ہے جو پالتو نہ ہوں یا وہ بھیڑ بکری گائے بیل جو بدک کر بے قابو ہو جائے، تو اُس پر تیر چلانا اور خون بہانا جائز ہے۔ خون کے بہنے سے اگر وہ جانور مر جائے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اسی طرح اگر اونٹ بھاگ جائے اور اُسے پکڑا نہ جا سکے یا جانور کسی پر حملہ کرے اور وہ اپنی حفاظت کے لئے اُس پر وار کردے تو وہ بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ زخم کھا کر اور خون کے بہنے سے ہلاک ہوا ہو۔ اگر کوئی جانور کنوئیں میں گر گیا اور اُسے ذبح کرنا دشوار ہے لیکن تیر چلا کر زخمی کیا جا سکتا ہے تب بھی اس کا کھانا حلال ہے بشرطیکہ وہ زخم سے ہی مرا ہو۔ گائے کے بچہ پیدا ہوا اب اگر کسی نے اُسے ذبح یا زخمی کر دیا تو وہ حلال ہوگا اور اگر نہ تو ذبح کیا اور نہ زخمی تو وہ بچہ حلال نہیں ہوگا خواہ اس کی ماں کو حلال کر دیا جائے۔ گردن جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں سے سینے کی ابتدا تک کسی جگہ بھی ذبح کیا جائے، بہ این طور کہ دونوں شہ رگیں جنھیں ودجین کہتے ہیں کٹ جائیں۔ اسی طرح نرخرہ یعنی سانس لینے کی نالی اور مَرِی (کھانے پینے کی نالی) بھی کٹ جانا چاہئیے ان چاروں یعنی ودجین نرخرہ اور خوراک کی نالی میں سے تین کے کٹ جانے سے فعل ذبح پورا ہو جاتا ہے، بعض اصحاب کے نزدیک سانس اور خوراک کی دونوں نالیوں اور ایک شہ رگ کا کٹنا ضروری ہے۔

جب تک جانور کی جان نکل نہ جائے نہ اُس کا گلا جسم سے علیحدہ کیا جائے نہ کھال کھینچی جائے بلکہ اُس کو پکڑے رہنا چاہئیے۔ ذبح صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

۱۔ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو تو ذبیحہ کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ وہ کتابی جو ذبح کے وقت مسیح کا نام لیتا ہے اُس کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔ بت پرست، مجوسی، (آتش پرست) اور مرتد کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور اور دروزیوں کا ذبیحہ جو کسی الہامی کتاب کو نہیں مانتے حلال نہیں ہے۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس جانور کا ذبح کیا جائے وہ علاقہ حرم کا شکار کردہ نہ ہو۔ علاقہ حرم کا شکار کیا ہوا جانور ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا۔

۳۔ تیسری شرط یہ کہ تسمیہ میں خالص اللہ کا نام لیا گیا ہو اور قصداً ترک نہ کیا گیا ہو اور ذبح کرنے والے نے خود تسمیہ کیا ہو اور تسمیہ کہنے کے بعد اُس جگہ سے ہٹے بغیر وہیں جانور کو ذبح کیا گیا ہو۔ اللہ یا الرحمٰن، سُبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے بھی تسمیہ ہو جاتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہے۔ اگر اللہ کا نام دُعا کے ساتھ لیا جیسے اَللّٰھُمَّ اغفِرلِی تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

۴۔ کند چھری سے ذبح کرنا یا ایسی شے سے جو دِقت سے کھال اور رگوں کو کاٹ سکے یا دانت یا ناخون سے ذبح کرنا حلال نہیں ہے۔

۵۔ اگر کسی بزرگ کے نام پر اُس کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کیا یا اُس کی بزرگی کے خیال سے نحر کیا تو وہ ذبیحہ نہ کھایا جائے کیونکہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہو جاتا ہے۔

معاشرت

— نکاح

— رضاعت

— طلاق

— عدّت

— وصیّت و وراثت

اسلام کے معاشرتی احکام

اقوام وملل کی تہذیب اور اُن کا تمدن معاشرے کے ذہنی اور عملی صلاحیتوں کا عکس ہوتا ہے۔ کسی ملک یا ملت کے تہذیب وتمدن کی برتری اور تفوق معاشرے کی صلاح اور پاکیزہ طرز زندگی پر موقوف ہے۔ بگڑا ہوا معاشرہ تہذیب وتمدن کے انحطاط کا سبب ہوتا ہے اور صالح معاشرہ پاکیزہ اخلاق وفضائل سے رغبت اور رذائل سے اجتناب کر کے بنتا ہے، اور یہ صالح معاشرہ ہی قوم وملت کو اوپر اٹھاتا، اعلیٰ تمدن اور بہترین تہذیب کی تشکیل کرتا ہے۔

اسلام کے معاشرتی احکام تمام تر اسی مقصد کے لئے ہیں کہ انسانوں میں انس ومحبت کے فطری عوامل کو بروئے کار لایا جائے، دشمنی اور عداوت کے سوتوں کو بند کیا جائے، امن وسلامتی اور رحمت وشفقت کا ماحول پیدا کیا جائے، فسادات اور ظلم واستبداد کی بیخ کنی کی جائے، آقائی اور غلامی، اونچ اور نیچ کے تصورات کو یکسر مٹا دیا جائے۔ فروتنی اور خاکساری کو محمود اور کبر ونخوت کو مذموم قرار دیا جائے۔ آپس میں خیر خواہی کے جذبات کو اُبھارا جائے، غیظ وغضب اور خودغرضی کے داعیات کو دبایا جائے۔ اسلام نے ہر فردِ ملت پر لازم کر دیا کہ جب ایک دوسرے سے ملے تو سلام کرنے میں سبقت کرے کیونکہ جذبۂ خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لئے امن وسلامتی اور مضرتوں سے محفوظ رہنے کی تمنا کرے۔ یہ جذبۂ خیر سگالی اپنے ماں باپ اور اہل وعیال اور رشتہ داروں کے ساتھ اور زیادہ شدید ہو، تاکہ ایسا مثالی

خاندان تشکیل پائے جس کی شیرازہ بندی محبت و مودّت کے مضبوط بندھنوں سے کی گئی ہو۔
اسلام کی نظر میں خاندان کا نظام اور افرادِ خاندان کا باہمی تعلق جتنا پاکیزہ اور مضبوط ہوگا اتنا ہی زیادہ پاکیزہ اور عمدہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔ حسنِ معاشرت کے سلسلے میں شریعت اسلامی نے جو ہدایات دی ہیں اُن کو عبادات کی طرح اجر و ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ معاشرتی احکام میں اسلام ایک طرف خاندان سے باہر اہلِ وطن اور برادرِ ملت سے اخوت اور خیر خواہی کے رشتے کو مضبوط کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور دوسری طرف خاندان کے اندر تعلق کی استواری کے لئے قانون اور حقوق کا تعین کرتا ہے۔

سلام کو عام کرنے کا بیان

"سلام" کے معنی سلامتی کے ہیں۔ کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو گویا وہ اس کو نقصان دِہ چیز سے محفوظ رہنے کی دعا دیتا ہے۔ سلام کا طریقہ بنی نوع انسان کے درمیان امن کا اعلان اور ایک اسلامی معاہدہ ہے جس میں لوگ باہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہر ایک اپنے بھائی کی جان اور آبرو مال اور عزت پر ناحق دراندازی سے باز رہے گا۔ شرارتوں سے تحفظ، اور پائدار امن کو یقینی بنائے گا، رفاقت و محبت اور باہمی اعانت کا برتاؤ کرے گا۔ سلام کے ان ہی محاسن کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اس کی ترغیب دی ہے۔ ایک شخص نے آپؐ سے سوال کیا "اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ" — "کون سی بات اسلام کی نظر میں اچھی ہے؟" ارشاد ہوا۔
"تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ" (بخاری و مسلم)
"یعنی کھانا کھلایا کرو اور سلام کیا کرو جس سے تم واقف ہو اس کو بھی اور ناواقف کو بھی"
ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ:
لن تدخلوا الجنّۃ حتیٰ تومنوا، ولن تومنوا حتی تحابوا، الا ادلّکم علی شیئ اذا فعلتموہ تحاببتم، افشوا السلام بینکم۔ (مسلم)
ہرگز جنت میں نہ جاؤ گے جب تک تم مومن نہ بن جاؤ، اور ایمان والے کبھی نہ ہو گے جب تک باہم محبت نہ کرو۔ کیا تمہیں وہ بات نہ بتاؤں اگر اس پر عمل کرو تو باہم محبت

کرنے لگو گے وہ بات یہ ہے کہ آپس میں سلام کرنا عام کردو۔"

سلام میں پہل کرنا اور سلام کا جواب دینا

سلام میں پہل کرنا عین سنت ہے ایک فرد کے لئے، اور اگر جماعت ہے تو سنت کفایہ ہے، یعنی اگر جماعت میں سے ایک آدمی نے سلام کرلیا تو سب کی طرف سے سلام کی سنت ادا ہوگئی، لیکن سنت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے سب کا سلام کرنا بہتر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی سوار کی ملاقات بیابان میں پیدل چلنے والے سے ہو تو سوار پر لازم ہے کہ وہ سلام کرے تاکہ پیدل چلنے والا مطمئن ہو جائے۔

سلام کی ابتدا کرنے والا دو طرح سے سلام کے الفاظ ادا کرسکتا ہے' السلام علیکم اور سلام علیکم۔ پہلا طریقہ افضل اور مسنون ہے خواہ وہ ایک شخص ہو یا کئی ہوں' سلام کی ابتدا علیک السلام سے کرنا مکروہ ہے۔

سلام کا جواب دینا فرض عین ہے ایک فرد کے لئے۔ اور جماعت کے لئے فرض کفایہ ہے یعنی ایک کا جواب سب کی طرف سے کافی ہے۔ سلام کا جواب فوراً دینا چاہیئے۔ تاخیر گناہ ہے۔ جواب اس طرح دیا جائے کہ سلام کرنے والا سُن لے' اگر نہیں سُنا تو فرض ادا نہیں ہوا' اگر بالفرض وہ بہرا ہے تو وہ اشارے یا لبوں کی جنبش سے سمجھ سکے گا تو اسی طرح جواب دینا چاہیئے۔ سلام کے جواب میں سب سے بہتر یہ ہے کہ وعلیکم السلام کہا جائے۔ سنت یہ ہے کہ جب کسی سے ملاقات ہو تو کلام سے پہلے سلام کرے اور اونچی آواز سے بولے۔ ہمیشہ گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا سنت ہے' خالی گھر میں جہاں کوئی انسان نہ ہو وہاں بھی اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ کہنا چاہیئے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو۔ سوار پیدل کو۔ کھڑا ہوا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو پہلے سلام کرے۔ جب کوئی شخص کسی کو سلام کہلا بھیجے تو اس پر سلام کا جواب دینا فرض ہو جاتا ہے۔ مستحب طریقہ یہ ہے کہ پیغام لانے والے سے ابتدا کی جائے یعنی وَعَلَیْکَ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ کہنا چاہیئے۔ خط میں سلام لکھا ہو تو اُس کا جواب دینا واجب ہے۔

وہ صورتیں جن میں سلام کرنا مکروہ ہے

مرد کسی جوان عورت کو تنہائی میں سلام کرے یا وہ عورت سلام کرے دونوں صورتیں ناجائز ہیں بخلاف محرم عورتوں کے جنھیں سلام کرنا سنت ہے۔ غسل خانے کے اندر سلام کرنا مکروہ ہے اور اس سلام کرنے والے کو اگر جواب نہ دیا جائے تو گناہ نہیں ہوگا۔ جو شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھ رہا ہو یا دینی مسائل بیان کر رہا ہو اذان یا تکبیر کہنے میں مصروف ہو یا جو خطبہ سن رہا ہو یا وعظ تقریر کر رہا ہو ان سب صورتوں میں سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا لازم نہیں۔ اگر کوئی شخص جماعت میں سے کسی خاص شخص کا نام لے کر سلام کرے تو اس پر جواب دینا فرض ہو جاتا ہے، جماعت میں سے کسی ایک شخص کے جواب سے فرض ساقط نہیں ہوگا۔ جو شخص درس دینے یا علم حاصل کرنے میں مصروف ہو اسے بھی سلام کرنا مکروہ ہے، یہی حکم تلبیہ پڑھنے والے اور سوتے ہوئے انسان کے بارے میں ہے، جو شخص علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہو یا شراب کے نشے میں اُسے سلام کرنا حرام ہے۔

بچوں کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے بلکہ بہتر ہے کہ انھیں سلام کیا جائے تاکہ وہ ادب سیکھیں۔

چھینکنے والے کو دُعا دینے کا بیان

تشمیت کے معنی نیکی اور برکت کے لئے دعا کرنے کے ہیں، اصطلاح میں یہ اُس دُعا کہتے ہیں جب کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو سننے والا کہتے یرحمک اللہ یعنی اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے۔ اس حکم کا مقصد بھی اپنے مسلمان بھائی سے دوستی و الفت کا اظہار ہے اور یہ مکارم اخلاق کی تلقین ہے جس کے لئے اسلام نے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ترغیب دی ہے۔

تشمیت بھی فرض کفایہ ہے اسی طرح جیسے سلام کا جواب دینا۔ فرض ہونے کی شرط یہ ہے کہ چھینکنے والے نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" یا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" یا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" کہا ہو اور یہ الفاظ سنے گئے ہوں۔ اگر نہیں سنے گئے تو تشمیت بھی واجب نہیں۔ اِس دُعا یعنی یرحمک اللہ کے جواب میں چھینکنے والے کو یہ کہنا فرض ہے "یَغْفِرُ اللّٰہُ لِیْ وَلَکُمْ" (اللہ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے) یا "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ" (اللہ تمہاری ہدایت فرمائے اور تمہاری طبیعت ٹھیک رہے) اگر بار بار چھینک آئے تو پہلی دوسری اور تیسری بار کی چھینک میں یہ دعائیں کرنی چاہئیں اس سے زیادہ ہوں

تو یہ واجب نہیں ہیں۔

عورتوں کے متعلق مسائل وہی ہیں جو سلام کے ہیں، محرم عورتوں کو مردوں کی طرح دعا دی جا سکتی ہے اور عورتوں کو باہم اسی طرح تشمیت کرنا چاہیئے۔

نکاح کا بیان

نکاح کے معنی نکاح کے معنی باہم ملنے کے ہیں۔ درخت کی شاخیں جب ایک دوسرے سے مل جائیں اور باہم پیوست ہو جائیں تو کہا جاتا ہے "تناکحت الاشجار" یعنی درختوں کا ہجوم ہو گیا یا آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔ اس کا اطلاق بطور مجاز عقد نکاح پر ہوتا ہے۔ عقد نکاح ایک معاملہ ہے جس کے ذریعہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان تعلقات اور حقوق کی تعیین ہوتی ہے۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، اولاد کی تربیت اور ان سب کے باہمی روابط اور اُن کے حدود، رحمت و شفقت، ہمدردی و بہی خواہی اور عائلی حقوق کی ادائگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ ان خاندانی تعلقات کے قائم ہونے سے آدمی بے شرمی اور بے حیائی سے بچتا اور ظلم و زیادتی کرنے سے باز رہتا ہے۔ اسلامی شریعت نے جس جس رشتہ دار کے جو حقوق مقرر کر دیئے ہیں انھیں ادا کر کے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

نکاح کا رشتہ ابتدائے آفرینش سے خاندان کے وجود اور اُس کے نشو و نما کا مدار رشتہ نکاح پر ہے، نکاح کے ذریعے ہی رشتہ داریاں ظہور میں آتی ہیں اور خاندان بنتا ہے، یہ نکاح کا رشتہ تعلقات کو اس درجہ مضبوط رکھتا ہے کہ ایک بار قائم ہو جانے کے بعد پھر قیامت تک نہیں ٹوٹتا۔ اسلام میں اس رشتے کی اتنی اہمیت و فضیلت ہے کہ اس کے صحیح طور پر قائم رکھنے اور اس کی ذمہ داریوں اور حقوق کے ادا کرنے کے عمل کو نفل عبادتوں کی مشغولیت سے افضل اور احسن قرار دیا گیا ہے:

ان الاشتغال به افضل من التخلی لنوافل العبادات۔	اس میں مشغول ہونا نفل عبادتوں کی مشغولیت سے افضل ہے

(رد المحتار ج ۲)

دُرمختار کتاب النکاح میں علمائے اسلام میں سے ایک عالم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ:

لیس لنا عبادۃ شرعت من عہد آدم الی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔

جو عبادتیں ہمارے لئے ضروری قرار دی گئی ہیں اُن میں نکاح اور ایمان کے علاوہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو حضرت آدم سے شروع ہوتی ہو اور جنت تک ساتھ رہتی ہو۔

اسی تعلق کی بنا پر ایک مرد کسی کا باپ اور کسی کا بیٹا بنتا ہے۔ کسی کا دادا اور کسی کا پوتا ہوتا ہے، کسی کا ماموں کسی کا چچا اور کسی کا بھائی، کسی کا بہنوئی ہوتا ہے۔ اسی تعلق کے ذریعے ایک عورت کسی کی ماں کسی کی نانی یا دادی کسی کی پھوپھی یا چچی ہوتی ہے اور کسی کی بیٹی اور کسی کی بہن بنتی ہے گویا سارے تعلقات نکاح کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں، نکاح کے ذریعے ایک اجنبی اپنا اور ایک بیگانہ یگانہ بن جاتا ہے، ان ہی تعلقات سے آدمی بزرگوں کا ادب چھوٹوں پر شفقت و ہمدردی و غم گساری، عفت و پاکبازی، شرم و حیا، پاس و لحاظ اور الفت و محبت کرنا سیکھتا ہے، انھیں تعلقات سے خاندانی نظام کی صورت گری ہوتی ہے، اگر نکاح کے رشتہ کا تقدس ملحوظ نہ رکھا جائے تو پھر جو معاشرہ بنے گا تو اُس میں نہ ہمدردی و غمگساری ہوگی نہ عفت و پاکبازی نہ محبت و مودت اور نہ خوش خلقی اور خوش معاملگی بلکہ ان کی جگہ ظلم و زیادتی بے مہری و بے وفائی، بد خلقی و بد معاملگی، بے شرمی اور بے حیائی جیسی مذموم صفات پیدا ہوں گی اور پاکیزہ و اعلیٰ صفات کا معاشرہ وجود میں نہیں آسکے گا جو اسلام کو مطلوب ہے۔ قرآن میں اس رشتۂ نکاح کو اور رشتہ دارانہ تعلقات کو قائم رکھنے کی تاکید کی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (سورۂ نساء - ۱)

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اُس کا

جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا اُس خدا سے
ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتوں کے
حقوق کا پاس و لحاظ رکھو۔ بیشک اللہ تمہارا حال دیکھتا اور اُس پر نظر رکھتا ہے۔
نبی علیہ السلام ان آیتوں کو خطبۂ نکاح کے موقع پر تلاوت فرمایا کرتے تھے تاکہ رشتۂ
نکاح کی غرض اور اس سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ ذہن میں تازہ ہو جائے اور تعلقات
کے رشتوں کو جوڑنے، اُن کے حقوق ادا کرنے اور قطع رحمی سے پرہیز کرنے کے اوصاف ایک
مومن میں پیدا ہوں۔
اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں جو انسان کو عطا فرمائی ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (سورہ روم۔ ۲۱)

یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں۔
دوسری جگہ سورۂ نحل میں ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (سورۂ نحل ۷۲)

خدا ہی ہے جس نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کئے اور ان سے تمہارے لڑکے اور پوتے بنائے
ایک جنس سے پیدا کر کے الفت و محبت دلوں میں ڈال دی جو اللہ کی نعمت ہے اور نکاح کی بنیاد ہے۔
بعض مذاہب روحانی ترقی کے لئے تجرد کی زندگی اختیار کرنے کی تعلیم دیتے ہیں لیکن قرآن
نے ہمیں بتایا ہے کہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے بلند تر لوگ انبیاء و رسل ہیں مگر خدا نے انھیں بھی
یہ تعلق قائم رکھنے کی ہدایت دی" وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً"
(تم سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کی بیویاں بھی تھیں اور بچے بھی) پھر مسلمانوں کو یہ دُعا
سکھائی گئی "رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ" (اے اللہ ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی
اولاد عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو) دراصل نکاح آدمی کو رشد و صلاح، عصمت و عفت اور
بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کی جانب لے جاتا ہے۔ علمائے فقہ نے لکھا ہے:

لما فیہ تہذیب الاخلاق و توسعۃ الباطن بالتحمل فی معاشرۃ ابناء
النوع و تربیۃ الولد و النفقۃ علی الاقارب و المستضعفین و اعفاف

الحرم ونفسه ودفع الفتنة عنه وعنهن۔
رشتۂ نکاح سے اخلاق میں درستی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اور اپنے اہل وعیال کا بوجھ برداشت کرکے اولاد کی تربیت کرکے اپنے رشتہ داروں اور کمزوروں پر مال خرچ کرکے اپنی بیوی اور اپنی ذات کو پاکبازی اور عفت کے ساتھ ہر قسم کے فتنے فساد سے محفوظ رکھ کے اس کے باطن میں وسعت اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

راہبانہ زندگی اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا ہے:۔ "النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی" (نکاح میری سنت ہے جو شخص اس سے منہ موڑتا اور میرے طریقے سے روگردانی کرتا ہے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں)۔ میاں بیوی کا تعلق جتنا پاکیزہ اور مضبوط ہوگا اتنا ہی پاکیزہ خاندان وجود میں آئے گا اور ویسا ہی پاکیزہ معاشرہ بنے گا جو ایک اعلیٰ تمدن کی بنیاد ہے۔

اسلام نے اخلاقی ہدایتوں اور قانونی بندشوں سے ان رشتوں کو خوش گوار اور مضبوط بنانے پر زور دیا ہے۔ حدیث میں ہے خیرکم خیرکم لاھلہ" تم میں وہ شخص بہتر ہے جو اہل خانہ کے ساتھ بہتر ہے۔

نکاح کی فقہی تعریف

فقہائے احناف نے نکاح کو ایسا معاملہ (معاہدہ کہا ہے جو اس ارادے سے کیا جائے کہ ایک مرد ایک عورت کی مِلکِ مُتعہ کا مالک ہوجائے، ملک متعہ کے معنی ایک خاص شخص کا بلا شرکت غیرے ایک عورت کے جسم سے انتفاع کا مالک ہونا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ قدرتی طور پر وہ اُس کا حقیقی مالک ہوجائے کیونکہ آزاد خاتون کا کوئی مالک نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف وہی شخص اُس سے متمتع ہونے کا حق رکھتا ہے۔ تمتع کا حق خرید وفروخت جیسا حق نہیں ہے۔ پھر یہ معاہدہ گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے اور جس امر پر معاہدہ ہوتا ہے وہ حق استمتاع ہے (یعنی خود مستفید ہونا نفع کمانا نہیں) اگر پڑھی لکھی بیوی کسی تعلیمی ادارے میں کام کرکے یا وزارت کے عہدے پر فائز ہوکر اس کا معاوضہ کماتی ہے تو وہ تمام وکمال اُس کا اپنا مال ہے، اُس کے شوہر کا اس میں کوئی حصہ نہیں، نہ نکاح سے اُس کا کوئی تعلق ہے۔ نکاح کا مقصد مرد اور عورت دونوں کو پاکبازانہ زندگی گزارنا اور

عصمت وعفت کی حفاظت کرنا ہے، نکاح کے ذریعے اسی تحفظ کی ضمانت لی جاتی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے بار بار اس کی تاکید کی ہے "محصنین غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ اور مُحْصَنَاتٍ غَیْرَ مُسَافِحَاتٍ" حِصْن قلعہ کو کہتے ہیں یعنی حفاظت کی جگہ اور سفح کے معنی بہانے یعنی ضائع کرنے کے ہیں، محصنین اور محصنات عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والے یا حفاظت کرنے والیاں ہیں اور مسافحین اور مسافحات عزت و آبرو کو ضائع کرنے والے یا ضائع کرنے والیاں ہیں۔ اسلامی شریعت مرد کو صرف اُسی عورت سے استمتاع کی اجازت دیتی ہے جو اُس کے لئے حلال بنا دی گئی ہو اسی طرح عورت کو بھی اسی مرد پر اکتفا کرنے کا حکم ہے جس نے اس کو اپنے لئے حلال بنا لیا ہو۔ مرد کو یہ تاکید ہے کہ بیوی کو پاکباز رکھنے کی اور اس کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور عورت کو تاکید ہے کہ مرد کی خواہش پوری کرنے کے لئے اُس کے جائز حکم کی اطاعت کرے۔

عقد نکاح میں شرعی طور پر ایجاب وقبول ضروری ہے اور یہ کہ عقد گواہوں کی موجودگی میں ہو۔ عقد مدنیہ (سول میرج) یا مقررہ عرصے کے لئے اجارہ کے طور پر یا اسی طرح کا خلاف شرع عقد کرنا سب زنا ہے "۱ اور یہ جرم قابل سزا ہے"۔

نکاح کی شرعی حیثیت شریعت اسلامی کے فقہائے نکاح پر پانچوں قسم کے احکام شرعیہ عائد ہونے کی صراحت کی ہے یعنی (۱) واجب (۲) سنت (۳) مستحب یا مباح (۴) مکروہ اور (۵) حرام۔ اس بات میں سب فقہا متفق ہیں کہ وہ شخص جو نکاح کرنے کا خواہش مند ہو اور اُسے اندیشہ ہو کہ اگر شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہو جائے گا اسے نکاح کر لینا واجب ہے بشرطیکہ اُسے مہر کی ادائگی اور رزق حلال حاصل کرنے کی قدرت ہو۔ لیکن اگر نہ کر سکتا ہو اور خود کو گناہ سے باز رکھنے کے لئے دوسرے گناہ یعنی حرام کی کمائی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہو تو شادی کرنا واجب نہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر ایک شخص حلال روزی سے عاجز ہے تو شادی نہ کرے اور اُسے روا ہے کہ گناہ کرلے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں اپنے نفس اور خواہش نفسانی سے جنگ کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفس کو سرزنش کرے اور ایسی

شادی سے بچے جس کی وجہ سے دوسروں کا استحصال اور اُن پر ظلم کرنا پڑے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نور۔۳۳)

جو لوگ نکاح نہ کر سکیں اُنھیں چاہئیے کہ خود کو گناہوں سے بچائے رکھیں یہاں تک اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کر دے۔

البتہ اگر کسی کے لئے یہ ممکن ہو کہ مہر ادا کرنے اور رزق حلال کمانے کے لئے قرض لے سکتا ہو اور اُسے اندیشہ ہو کہ بغیر نکاح کے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو اس پر نکاح واجب ہو جاتا ہے۔

نکاح اس صورت میں سنت مؤکدہ ہو جاتا ہے جب کوئی شخص نکاح کی خواہش رکھتا ہو لیکن یہ خواہش معتدل ہو اتنی شدید نہ ہو کہ گناہ کے ارتکاب کا خوف ہو۔ ایسی حالت میں اگر شادی نہ کی جائے تو گناہ ہوگا لیکن ترک واجب سے کم، تاہم یہ شرط بہر حال ضروری ہے کہ حلال مال سے گھر چلائے۔ مہر ادا کرنے اور فریضۂ زوجیت بجالانے کی قدرت رکھتا ہو، اگر ان میں کوئی شرط پوری کرنے سے عاجز ہو تو نکاح کرنا نہ واجب ہوگا نہ سنت۔

اگر نکاح اس نیت سے کیا جائے کہ اپنے اور اپنی بیوی کے نفس کو گناہ سے بچائے تو یہ کار ثواب ہوگا، ثواب کا انحصار نیت پر ہے۔ مقدور والے آدمی کو نکاح کرنا نفلی نمازوں سے افضل ہے کیونکہ یہ اپنے نفس اور اپنی بیوی کے نفس کو قابو میں رکھتا ہے اور حصول اولاد کا ذریعہ ہے جس سے امت محمدی کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ کہ نکاح تعمیر معاشرہ کا ایک حصہ ہے۔

نکاح اس شخص کے لئے مباح ہے جسے نکاح کی خواہش نہ ہو جیسے عمر رسیدہ شخص اور وہ جو قوت مردمی سے محروم ہو بشرطیکہ یہ نکاح بیوی کے اخلاق پر بُرا اثر ڈالنے والا نہ ہو بلکہ اُس کی عزت و آبرو کو محفوظ رکھنے کے لئے ہو لیکن اگر نکاح فتنے کا سبب بن سکتا ہو تو ایسے لوگوں کے لئے شادی کرنا حرام ہے۔ عورت کے لئے ایسے مرد سے نکاح حرام ہے جس کی کمائی حرام کی ہو۔

اگر ایک عورت کسی بدکار شخص سے اپنی عزت کے بارے میں ڈرتی ہو کہ بغیر شادی کے وہ اس کو شرارت سے باز نہیں رکھ سکتی تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ کسی سے نکاح کرلے۔

ایسے شخص کے لئے شادی کرنا مکروہ ہے جو نکاح کا خواہشمند نہ ہو اور اُسے ڈر ہو کہ وہ شادی کے بعض مطالبات پورے نہ کر سکے گا اور شادی اُسے کار ثواب کی انجام دہی میں مانع

ہوگی۔ اس میں خواہ مرد ہو یا عورت اور اولاد کی آرزو ہو یا نہ ہو۔ شادی مکروہ ہے۔

نکاح کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ نکاح کے رشتہ میں بندھنے کا مقصد ان حدود کے اندر پابند رہنا ہے جن سے تجاوز یا تقصیر دونوں اس رشتے کے تقدس کو ضائع کر دیتے ہیں اگر اس مقصد کی تکمیل نہ ہو رہی ہو تو پھر اس رشتے کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے۔

۱۔ عفت و عصمت کی حفاظت: نکاح کا اولین مقصد اُس عفت و عصمت کی حفاظت کرنا ہے جو ہر مرد و عورت کی فطرت میں ودیعت ہے، اسی کی حفاظت کے لئے اسلام نے زنا اور ترغیبات زنا مثلاً بے پردگی، بدنگاہی، بے حجابانہ ہنسی دل لگی اور بے شرمی کی گفتگو اور اجنبی عورتوں مردوں کے اختلاط کو حرام قرار دیا ہے، مرد و عورت دونوں کو پابند کیا ہے کہ ایک ایسے ضابطے کے ذریعے اپنے فطری تعلق کو قائم کریں کہ ان کی عصمت و عفت مجروح ہونے کے بجائے محفوظ اور مامون ہو جائے۔ سورۂ نساء کی حسب ذیل آیتوں میں یہی حکم ہے:

أُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ (نساء۔ ۲۴)

فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ (نساء۔ ۲۵)

ان عورتوں کے علاوہ (جن سے نکاح حرام ہے) تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم مہر دے کر انھیں قید نکاح میں لاؤ۔ آبرو ضائع کرنے والے نہ ہو

تم اُن کے ذمہ داروں کی اجازت سے اُن سے نکاح کرو اور ان کے مہر دستور کے مطابق ادا کرو تاکہ وہ قید نکاح میں رہیں اور نہ عصمت لٹائیں اور نہ چوری چھپے کسی سے ناجائز تعلق جوڑیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان ٹولے کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔	اے نوجوانو! تم میں جو نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے اس لئے کہ اس سے نگاہیں نیچی اور شرمگاہیں محفوظ رہیں گی اور جنھیں اتنی استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھا کریں کہ اس سے خواہش نفسانی دبی رہتی ہے۔

(ابن ماجہ)

ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ نکاح کا مقصود عصمت وعفت کی حفاظت بدنگاہی اور بدکاری سے بچنا ہے اور نکاح کی ضرورت اسی لئے ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔

۲۔ الفت ومحبت: نکاح کی دوسری غرض طرفین میں خواہش نفسانی سے ہٹ کر محبت و مودت، ہمدردی وغمگساری کے جذبات پیدا کرنا ہے تاکہ دونوں کو سکون وراحت میسر ہو کیونکہ نکاح کا تعلق محبت کا رشتہ ہے جس سے دونوں کو اطمینان وسکون نصیب ہوتا ہے اور دونوں اس محبت کا حق ادا کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس الفت کو اپنی نشانی قرار دیا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (سورۂ روم۔ ۲۱)

اُس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم اُن کے پاس سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان الفت ومحبت پیدا کر دی ہے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (اعراف۔۱۸۹)

وہی ذات ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کر سکے۔

لفظ مودت ہر طرح کی محبت والفت کے لئے اور رحمت ہر طرح کی ہمدردی مہربانی اور غم گساری لئے بولا جاتا ہے اور لفظ سکون ہر طرح کے سکون کے لئے خواہ وہ جنسی ہو یا ذہنی وقلبی استعمال ہوتا ہے، اب دیکھئے کہ زوجیت کا حقیقی تصور قرآن نے ان تین لفظوں میں پیش کیا ہے، دوسری جگہ اسی تعلق کو لباس کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورہ بقرہ ۱۸۷)

وہ (تمہاری بیویاں) تمہارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس ہو

لباس کے مفہوم پر غور کیجئے، لباس جسم کو چھپاتا ہے، اُس کو زینت دیتا ہے، اُس کی عزت و خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے، جسم کو ہر مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ جب زوجین کا تعلق لباسُ جسم کی طرح کا ہے تو لازمی تقاضا یہ ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیئے، ایک

دوسرے کی زینت و آرائش ہونا چاہیئے، اُن میں ایسا ہی اتصال ہونا چاہیئے جو لباس اور جسم کے درمیان ہوتا ہے، ہر ایک کو دوسرے کی تکلیف و مضرت کا احساس اور راحت و آرام پہنچانے کا خیال ہونا چاہیئے۔

۳۔ حدود اللہ کا قیام: نکاح کی تیسری غرض یہ ہے کہ یہ رشتہ خدا کے مقررہ کردہ حدود کو قائم کرنے کا سبب ہو نہ کہ اُن کو توڑنے کا، چنانچہ جہاں نکاح کا حکم دیا گیا ہے وہاں یہ تاکید بھی کی گئی ہے:

اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (بقرہ۔ ۲۳۰)

کہ دونوں اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کو قائم رکھیں۔

نکاح و طلاق کے احکام بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (بقرہ۔ ۲۲۹)

جو لوگ اللہ کے قائم کردہ حدود سے تجاوز کریں گے وہ ظالم ہیں:

اسی لئے مسلمانوں کو کافروں سے شادی کرنا حرام قرار دیا گیا کیونکہ کافروں سے حدود الٰہی قائم رکھنے کی توقع نہیں کی جا سکتی، چنانچہ مشرک اور مشرکہ سے نکاح کو حرام ٹھہراتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ تم کو بھلے لگیں جب بھی اُن سے نکاح نہ کرو کیونکہ:

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ (سورۂ بقرہ۔ ۲۲۱)

وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم کے ذریعے جنّت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے۔

غرض یہ کہ اسلامی قانونِ نکاح افراد میں عفت و پاکبازی، الفت و محبّت، ہمدردی و غمگساری، خدا کے عائد کردہ حدود و قیود کی پابندی اور بندوں کے حقوق کی پاسداری جیسے صفات پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ ایک صالح معاشرہ وجود میں آسکے۔

نکاح کے ارکان نکاح کے دو رکن ہیں جن کے بغیر نکاح کی تکمیل نہیں ہو سکتی: ایک ایجاب، دوسرا قبول۔ یعنی کسی بالغ عورت یا اُس کے ولی نے بالغ مرد سے یا کسی بالغ مرد نے بالغ عورت یا اُس کے ولی سے دو گواہوں کی موجودگی میں براہِ راست

یا وکیل کے ذریعے کہا کہ میں تم سے نکاح کرتا ہوں اور دوسرے نے اُسے منظور کر لیا تو دونوں میں رشتۂ نکاح قائم ہو گیا۔ عقد نکاح سے مراد ایجاب و قبول یعنی قول و قرار ہے۔ پھر اس ایجاب و قبول کا باہم مربوط ہونا ایک مزید امر ہے جو ضروری ہے گویا عقد شرعی تین چیزوں پر منحصر ہے جن میں سے دو حسّی ہیں یعنی ایجاب و قبول اور تیسری معنوی ہے یعنی ایجاب کا ربط قبول کے ساتھ۔ ان کے علاوہ دوسرے امور جن پر شرعاً صحتِ نکاح کا انحصار ہے وہ امور عقد کی ماہیت سے باہر ہیں اور شرائطِ نکاح ہیں۔ اُس کے ارکان (یعنی اجزائے لازم) نہیں ہیں۔

نکاح کی شرطوں کا بیان

نکاح کی شرطوں میں سے بعض کا تعلق صیغہ (ایجاب و قبول کے الفاظ) سے ہے، بعض کا تعلق عاقدین (فریقینِ نکاح) اور بعض کا تعلق گواہی سے ہے۔

صیغہ (یعنی ایجاب و قبول)

وہ الفاظ جن سے عقد نکاح ہوتا ہے دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔

(۱) صریح جو مصدر اِنکاح یا تزویج سے مشتق ہوں مثلاً زَوَّجْتُ یا تَزَوَّجْتُ (زوجیت میں دیا یا زوجیت میں لیا) یا نکاح کرنے والے مرد نے عورت سے کہا "زَوِّجِینِیْ نَفْسَكِ" (تم اپنے آپ کو میری زوجیت میں دے دو) اور جواب میں زَوَّجْتُ یا قَبِلْتُ یا سَمْعًا وَطَاعَةً" (میں نے زوجیت میں دیا۔ یا قبول کر لیا۔ یا سنا اور تسلیم کر لیا) کہا جائے۔

(۲) کنایہ کے الفاظ جن سے نکاح کا ارادہ ظاہر ہو اور گواہ بھی یہ مقصد سمجھتے ہوں مثلاً عورت کہے کہ میں اپنا نفس تمہیں ہبہ کرتی ہوں، مراد اس کی زوجیت میں دینا ہو، اور مرد کہے کہ میں نے قبول کیا۔ یا یوں کہے کہ میں نے اپنے نفس کا مالک تمہیں بنا دیا، یا لڑکی کے باپ نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی ایک ہزار روپے (یعنی مہر) میں تمہیں دی اور مرد نے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا تو ان سب صورتوں میں نکاح ہو جائے گا۔ الفاظ نکاح صیغہ ماضی میں کہے جانا چاہئیں۔ عقد نکاح صیغہ مضارع کے استعمال سے بھی ہو جاتا ہے بشرطیکہ اس سے نکاح کرنا مراد ہو نہ کہ نکاح کا وعدہ لینا مثلاً کسی نے کہا: آپ اپنی بیٹی کو میری زوجیت میں دیدیں اور مخاطب نے جواب میں کہا کہ میں نے زوجیت میں دے دیا تو نکاح ہو گیا لیکن اگر مقصد وعدہ لینا تھا تو نکاح صحیح

نہ ہوگا۔اگر کسی شخص نے بصیغہ مضارع کہا کہ میں تم سے شادی کرتا ہوں اور اس نے جواباً کہا کہ تم نے کرلی تو بلاشبہ درست ہے۔ صیغہ استقبال میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جب تک وہ الفاظ استعمال نہ ہوں جو مصدر النکاح یا تزویج سے مشتق ہیں نکاح درست نہیں لیکن امام مالکؒ کے نزدیک لفظ ہبہ سے نکاح ہوجاتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ مہر کا ذکر کردیا جائے مثلاً لڑکی کا ولی کہے کہ میں اپنی بیٹی کو اتنے مہر کے عوض تمہیں ہبہ کرتا ہوں یا کوئی شخص کہے کہ آپ اپنی بیٹی اتنے مہر کے عوض مجھے ہبہ کردیجئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔

ایجاب وقبول کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ ایک ہی نشست میں ہو ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں لازم ہونے سے یہ نکلتا ہے کہ اگر مرد وعورت جانور پر سوار ہوں اور جانور چل رہا ہے اور سوار ہونے کی حالت میں عقد نکاح کریں تو یہ نکاح درست نہ ہوگا، ہوائی جہاز اور موٹر بھی اسی حکم میں آتے ہیں کیونکہ ہر لمحہ جگہ بدل جاتی ہے اس کو ایک مجلس قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ اگر کسی شخص نے ایک عورت کے پاس جو دوسرے شہر میں ہے تحریر بھیجی جس میں اُس سے عقد کی درخواست تھی، اب اگر عورت نے اُس تحریر کو گواہوں کی موجودگی میں پڑھا اور کہا کہ میں نے اپنے نفس کو اُس کی زوجیت میں دے دیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا کیونکہ اس صورت میں ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہوا یعنی وہ تحریر بطور ایجاب ہے اور اُسے پڑھ کر قبولیت کے الفاظ کہے گئے ہیں۔ ہاں اگر یہ تو کہا کہ میں فلاں شخص کی زوجیت قبول کرتی ہوں لیکن تحریر گواہوں کے سامنے نہیں پڑھی تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ صحت نکاح کے لئے گواہوں کا تحریر سننا شرط ہے۔ تحریر بھیجنے والا اگر موجود ہے اور مجلس عقد میں آنا ممکن ہے تو بذریعہ تحریر نکاح درست نہ ہوگا۔

تیسری شرط ایجاب وقبول کے لئے یہ ہے کہ دونوں باتیں مختلف نہ ہوں چنانچہ اگر ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا عقد تمہارے ساتھ ایک ہزار روپے مہر پر کرتا ہوں جواب میں اُس نے کہا کہ نکاح مجھے قبول ہے لیکن مہر (اس قدر) قبول نہیں ہے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا ہاں اگر نکاح قبول کرلیا اور مہر کا ذکر نہیں کیا تو منعقد ہوجائے گا کیونکہ اب اختلاف باقی نہیں رہا۔

چوتھی شرط ایجاب وقبول کے لئے یہ ہے کہ دونوں فریقین مجلس نکاح میں اُنھیں سُن سکیں، یہ سُننا

یا تو حقیقی معنوں میں ہو یا حکمی طور پر، جیسے غیر موجود شخص کی تحریر جس کو پڑھ کر سنا جا سکتا ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ الفاظ ایجاب و قبول میں وقت متعین نہ کیا گیا ہو اگر ایسا کیا گیا تو عقد باطل ہو گا، اس طرح کے وقتی نکاح کو متعہ کہتے ہیں۔

فریقینِ نکاح بیوی اور شوہر کے لئے ایک شرط صاحب عقل ہونا ہے لہذا کوئی مجنون شخص یا بچہ جس میں عقل نہ ہو اگر عقد کرے تو منعقد نہ ہو گا۔

ایک شرط بالغ اور آزاد ہونا ہے۔ اگر کوئی سمجھدار لڑکا یا کسی کا غلام عقد کرے تو ہو جائے گا لیکن اُس کا نفاذ لڑکے کے ولی یا غلام کے آقا کی اجازت کے بغیر نہ ہو سکے گا۔

ایک شرط یہ ہے کہ فریقین وہ ہوں جن کے آپس میں نکاح ہو سکے مثلاً خنثیٰ جس کی جنس کا تعین نہ ہو سکے یا وہ عورت جو ابھی عدت میں ہو یا کسی کے نکاح میں ہو ایسیوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

ایک شرط یہ ہے کہ فریقین معلوم شخصیتیں ہوں لہذا اگر کسی نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح فلاں کے ساتھ کرتا ہوں اور اُس کی دو بیٹیاں ہیں تو یہ نکاح درست نہ ہو گا جب تک بیٹی کا نام نہ لیا جائے۔ اگر کسی کی بیٹی کا نام بچپن میں کچھ رہا ہو اور بڑی ہو کر نام کچھ اور ہو گیا ہو تو عقد کے وقت اُس کے مشہور نام کا ذکر کیا جائے بلکہ زیادہ صحیح ہے کہ دونوں نام بتائے جائیں تاکہ ابہام نہ رہے۔

چونکہ نکاح میں مہر لازمی شرط ہے اس لئے ایجاب و قبول میں مہر کا ذکر ہونا چاہیئے۔ شرط نمبر ۳ کے مطابق اگر ایجاب و قبول میں اختلاف ہو گا تو نکاح منعقد نہ ہو گا۔

شہادت یعنی گواہوں کی موجودگی سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شہادت، عقد نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط ہے۔ گواہوں کی تعداد کم سے کم دو ہو، دونوں کا مرد ہونا ضروری ہے، ایک شخص کی گواہی سے نکاح درست نہ ہو گا، دو عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح درست نہ ہو گا، دو عورتوں کے ساتھ ایک مرد کی گواہی ضروری ہے، گواہوں کے لئے یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ حالت احرام میں نہ ہوں بلکہ اس حالت میں بھی گواہی درست ہے۔

گواہوں کے لئے پانچ شرطیں ہیں (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) آزاد ہونا (۴) مسلمان ہونا

(۵) زوجین کی بات کو سن سکنے کے قابل ہونا۔

گواہوں کا بادی النظر میں معتبر ہونا کافی ہے۔ اگر زوجین کے نزدیک دونوں گواہ بظاہر معتبر مشہور ہیں تو نکاح کے وقت اُن کا گواہ بننا درست ہے۔

نکاح بذریعہ وکالت

جس طرح بالغ مرد اور بالغ عورت خود دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر سکتے ہیں اسی طرح کسی وکیل یعنی نمائندے کے ذریعے بھی نکاح ہو سکتا ہے جبکہ بالغ مرد یا عورت نے خود اپنی زبان سے اجازت دی ہو یا نابالغ لڑکے یا لڑکی کا ولی دو گواہوں کے سامنے وکیل کو صراحتہً یہ اجازت دے کہ میری لڑکی یا بہن کا نکاح فلاں سے کر دو۔

ولی اگر کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت لے اور وہ خاموش رہے یا رونے لگے تو اس کو اجازت سمجھ لیا جائے گا لیکن وکیل کو صراحتاً اجازت لینا ہوگی۔

بیوہ یا مطلقہ عورت کی اجازت نکاح کے بارے میں صراحتاً ہونا ضروری ہے اُس کی خاموشی کو رضا نہیں سمجھا جائے گا، اسی طرح بالغ لڑکے کو زبانی ایجاب و قبول لازم ہے اُس کے خاموش رہنے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ نابالغ بچّے کی طرف سے ولی ایجاب و قبول کر سکتا ہے۔

ولی کا بیان

نکاح کا ولی وہ ہے جس کی موجودگی پر نکاح کے صحیح ہونے کا انحصار ہو اس کے بغیر نکاح درست نہیں، ولی یا تو باپ ہو سکتا ہے یا جسے باپ وصیت کر دے یا عصبی قرابت دار امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ولی بالکفالہ کا اضافہ کیا ہے یعنی وہ شخص جس نے کسی لڑکی کی پرورش کی ہو۔

ولیوں کی ترتیب

لڑکے اور لڑکی کا ولی سب سے پہلے اس کا باپ ہے، اگر باپ نہ ہو تو دادا یا پردادا، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر سگا بھائی ولی ہے، اگر سگا بھائی نہ ہو تو سوتیلا بھائی جو اُس کے باپ کا ہی لڑکا ہو اور یہ بھی نہ ہوں تو پھر بھتیجا۔ ان سب کا بالغ ہونا ضروری ہے، اگر بھائی بھتیجے نابالغ ہوں یا نہ ہوں تو پھر سگا چچا ولی ہوگا وہ نہ ہو تو سوتیلا چچا اگر وہ بھی نہ ہوں تو سگے چچا کا لڑکا، پھر سوتیلے چچا کا لڑکا، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر باپ کے سوتیلے چچا اور اُن کے لڑکے قرابت قریبہ کے لحاظ سے علی الترتیب ولی ہوں گے، اگر مذکورہ لوگوں

ہیں سے کوئی نہ ہو تو پھر ماں ولی ہوگی اور ماں کی عدم موجودگی میں نانی پھر دادی پھر نانا پھر حقیقی بہن پھر سوتیلی بہن اس کے بعد ماں کی طرف سے سوتیلے بھائی بہن پھر پھوپھی پھر ماموں پھر خالہ اور اس کے بعد پھوپی زاد بھائی، ماموں زاد بھائی اور خالہ زاد بھائی علی الترتیب۔ ان میں سے ہر ایک (جو ولی بنے اُس) کو حق ہے کہ لڑکی کو شادی کر لینے پر مجبور کریں اور نابالغ لڑکے پر بھی یہی حق ہے لیکن لڑکے کے بالغ ہو جانے کے بعد اُنھیں ولی بننے کا حق نہیں ہے لیکن جنون زدہ مرد یا عورت کا ولی بننا درست ہے۔

ولی کی قسموں کا بیان

ولی کی دو قسمیں ہیں: (۱) ولی مُجبِر جسے یہ حق ہے کہ اپنے زیرِ ولایت اشخاص میں کسی کا بھی نکاح اُس کی رضا اور اجازت کے بغیر کر دے۔ دوسرا (۲) ولی غیر مُجبِر جسے یہ حق نہیں ہے لیکن اس کا ہونا لازمی ہے۔ وہ اپنے زیر ولایت اشخاص میں سے کسی کی شادی اُس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر نہیں کر سکتا۔

ولایتِ اجبار کے شرائط

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے نابالغ لڑکے اور لڑکیوں پر باپ دادا کو ولایت اجبار حاصل ہے یعنی اُن کا کیا ہوا نکاح لڑکے اور لڑکی بالغ ہونے پر رد نہیں کر سکتے یعنی وہ اُسے ماننے پر مجبور ہیں لیکن اس کی چند شرطیں ہیں اگر وہ شرطیں ولی مجبر میں نہیں پائی گئیں تو بالغ ہونے کے بعد لڑکا یا لڑکی کئے ہوئے نکاح پر مجبور نہیں ہیں (۱) بے باک اور بے غیرت آدمی جسے گناہ کرنے میں کوئی باک نہ ہو۔ (۲) ایسا لالچی شخص جو لالچ میں آکر غلط جگہ شادی کر دے (۳) نشے باز یا جنون کے مرض میں مبتلا جس کے ہوش و حواس درست نہ ہوں، ایسے اشخاص کو اگر ولایت کا حق پہنچتا بھی ہو تو اُن کا کرایا ہوا نکاح باطل ہوگا۔

ولایت اجبار کی وجہ

باپ دادا چونکہ اپنے لڑکے اور لڑکی کے بدخواہ نہیں ہو سکتے اس لئے انھیں یہ اختیار شریعت نے دیا ہے لیکن جو شخص گناہ کرنے میں جری، لالچ میں مبتلا یا ہوش و حواس سے عاری ہو تو ایسا آدمی خود اپنا ہی خیر خواہ نہیں ہے پھر اپنے لڑکوں کا خیر خواہ کب ہو سکتا ہے اس لئے ولایت، اجبار کے سلسلہ میں فقہائے وہ تین شرطیں لگا دی ہیں ان میں سے کوئی بھی باپ دادا کے ولایتِ اجبار کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔

قریب ترین ولی کی موجودگی میں دوسرے ولی کا اختیار

اگر دوسرا ولی قریبی ولی کی موجودگی میں نکاح کر دے تو یہ نکاح اُس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک قریبی اور اصل ولی رضامندی نہ دیدے، مثلاً کسی لڑکے یا لڑکی کا باپ موجود تھا اور اُس کی ماں نے اُس سے پوچھے بغیر اپنی مرضی سے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا یا بھائی موجود تھا اور چچا یا بہن نے نکاح کر دیا تو اصل ولی یعنی باپ یا بھائی کی اجازت ضروری ہوگی ورنہ نکاح فاسد سمجھا جائے گا۔

اگر قریبی ولی بروقت موجود نہ ہو اور اُس سے رائے حاصل کرنے میں تاخیر ہو رہی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ مناسب رشتہ ختم ہو جائے گا تو ایسی صورت میں دوسرا ولی بھی نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر اُس سے رائے لی جاسکتی ہو تو کسی دوسرے ولی کا نکاح کرنا اُس کی مرضی اور اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا مناسب رشتہ لگ گیا لیکن ولی اقرب بغیر کسی معقول وجہ کے یا محض ذاتی رنجش کی بنا پر اجازت نہیں دے رہا ہو تو اُس کے بعد کے ولی قریب اس کا نکاح کر سکتے ہیں، اسی طرح اگر ولی قریب پاگل ہو جائے تو ولی بعید کو نکاح کردینے کا اختیار ہوتا ہے۔

اگر دو برابر کے ولی ہوں مثلاً دو سگے بھائی۔ اور دونوں اپنی نابالغ بہن کا نکاح الگ الگ کرنا چاہتے ہوں تو جو پہلے نکاح کر دے گا وہ صحیح مانا جائے گا اور اگر دونوں ایک ہی جگہ کرنا چاہتے ہوں تو دونوں کے مشورے سے نکاح صحیح ہوگا، بغیر مشورے کے کیا ہوا نکاح دوسرے کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر دونوں نے ایک ہی وقت میں اُس کا نکاح دو الگ الگ جگہ کر دیا تو دونوں نکاح باطل سمجھے جائیں گے۔

ولی کو یہ حق ہے کہ عقد ازدواج کے لئے کسی کو اپنا قائم مقام (وکیل) بنا دے۔

نکاح میں کفو کا لحاظ

کفارت کے معنی برابری کے ہیں یعنی زوجین میں دینی معاشی اور معاشرتی مساوات۔ اگر یہ نہ ہوگی تو رشتے میں استواری خوشگواری اور محبت و مودت پیدا ہونا مشکل ہو جائے گا جو نکاح کا اصل مقصد ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اچھے رشتے کا انتخاب کرو اور

اپنی برابری والوں میں نکاح کرو (ابن ماجہ)

ایک حدیث میں آپؐ نے برابری کی تفصیل فرماتے ہوئے فرمایا: اذا اتاکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ و، الا تفعلوا تکن فی الارض فتنۃ وفساد عریض (ابن ماجہ و ترمذی)
"جب ایسا رشتہ آئے جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کرلو اگر ایسا نہیں کروگے تو زمین پر فتنہ وفساد پھیلے گا۔"

کفارت کن باتوں میں ہونا چاہیئے

پانچ باتوں میں کفارت کا لحاظ کیا جانا چاہیئے:۔ (۱) اسلام یعنی زوجین مسلمان ہوں (۲) تقویٰ اور دیانت یعنی اخلاق وکردار کا اچھا ہونا (۳) نسب یعنی خاندان (۴) مال اور (۵) پیشہ۔
امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہم ان باتوں میں برابری کا لحاظ رکھنے کا حکم دیتے ہیں جبکہ امام مالک صرف دو چیزوں میں برابری ضروری قرار دیتے ہیں (۱) دین اسلام کا عقیدہ اور (۲) صلاح یعنی اخلاق وکردار کا پسندیدہ ہونا، دوسری چیزوں کا لحاظ رکھنا بھی اچھا ہے لیکن اصل چیز دین وتقویٰ ہی ہے" اس سے حقیقی برابری پیدا ہوتی ہے اور محبت و تعلق بھی۔ فقہائے کرام نے دین کے ساتھ بعض دوسری باتوں کا لحاظ بھی اس لئے کیا کہ آپس میں مودت والفت کا رشتہ پائدار تر ہو، ایسا نہیں ہے کہ ممتاز خاندان کے فاسق وفاجر لڑکے کو دوسرے غیر ممتاز خاندان کے دیندار اور نیک لڑکے پر ترجیح دیتے ہوں۔ کفارت میں جن امور کا لحاظ کیا جانا چاہیئے ان کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے:

۱۔ اسلام: سب سے پہلی چیز یہ دیکھنا ہے کہ دونوں عقیدے کے لحاظ سے مسلمان ہیں یا نہیں۔ اگر دونوں میں اسلام کا رشتہ نہیں ہے تو پھر نکاح کا رشتہ قائم نہیں ہوسکتا۔ جو شخص قدیم سے مشرک یا کافر ہو یا مسلمان گھر میں پیدا ہوتے ہوئے اسلامی عقیدے کا قولاً یا فعلاً منکر ہو تو دونوں کا مسلمہ لڑکی سے رشتہ قائم نہیں ہوسکتا بلکہ ایسا شخص نکاح میں وکیل اور گواہ بھی نہیں بن سکتا۔

۲۔ تقویٰ اور دیانت۔ عقیدہ درست ہونے کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ اُس کے اخلاق و اعمال اُس کے عقیدے کے خلاف نہ ہوں کیونکہ ایسا شخص اس شخص کا کفو نہیں ہوسکتا جس

کا عقیدہ بھی درست ہو اور عمل بھی جو ذہنی اعتبار سے بھی مسلمان ہو اور عملی اعتبار سے بھی۔ ہدایہ میں ہے:

لانہ من اعلی المفاخر — امانت و پرہیزگاری سب سے زیادہ عزت و فخر کی چیز ہے۔

والمرأۃ تعیر بفسق الزوج فوق ما تعیر بضعۃ نسبہ — اور عورت کے لئے شوہر کا کم نسب ہونا اتنا قابل عار نہیں جتنا اس کا فاسق (بدعمل) ہونا۔

۳۔ نسب۔ امام مالکؒ کو چھوڑ کر باقی تینوں اماموں نے نسب میں برابری کا لحاظ رکھنے کیلئے معیار قائم کیا ہے۔ نسب کے اعتبار سے انسان کی دو قسمیں ہیں، عربی اور غیر عربی یعنی عجمی۔ پھر عربی کی دو قسمیں ہیں، قریشی اور غیر قریشی۔ قریش آپس میں ایک دوسرے کے ہم پلہ یعنی کفو ہیں اس طرح عربی نژاد صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی اور عباسی خاندان ایک دوسرے کے کفو ہیں، غیر قریشی عرب قبائل اور انصار مدینہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ اہل عجم مثلاً ترکستانی، ایرانی، افغانی وغیرہ اہلِ عرب کے کفو نہیں۔ اہلِ عجم میں بھی باہم فرق کیا جاتا ہے مثلاً اہلِ فارس اہلِ نبط سے اور بنی اسرائیل قبطیوں سے افضل سمجھے جاتے ہیں لہٰذا اگر عورت اونچے نسب کی ہے تو لازم ہے کہ مرد بھی اسی درجے کے خاندان سے نسبت رکھتا ہو۔ نسب کا لحاظ باپ کے اعتبار سے ہوتا ہے ماں کے اعتبار سے نہیں ہوتا اس لئے اگر باپ اہل عجم سے ہو اور ماں عربی ہو تو بیٹا اور بیٹی کو اہل عجم سے سمجھا جائے گا۔

(۴) مال۔ مالی برابری دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ خوش حال گھرانے کی لڑکی خوشحال گھر میں بیاہی جائے تاکہ اُسے محرومی کی شکایت نہ ہو۔ علمائے فقہ مال میں ہمسری کے لئے اس کو کافی سمجھتے ہیں کہ لڑکا مہر ادا کرنے اور خرچ چلانے کی قدرت رکھتا ہو۔ مالکی فقیہ ابن جزی کا قول ہے کہ

وبالمال الذی یقدر بہ ولا یشترط الیسار۔ — یعنی اتنا مال جس پر وہ قادر ہو۔ خوش حالی شرط نہیں ہے۔

فتح القدیر میں ہے "الصحیح انہ اذا کان قادراً علی النفقہ علی طریق الکسب" یعنی صحیح یہ ہے کہ اگر وہ بیوی کو کھلانے پہنانے پر قادر ہو تو وہ اُس کا کفو ہے۔

(۵) پیشہ۔ پیشے میں ہمسری کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے والوں کا پیشہ لڑکی والوں کے پیشے کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہو۔ عام طور پر ایک پیشے کے لوگوں کا رہن سہن اور طرز معاشرت یکساں اور معاشی اعتبار سے بھی ملتی جلتی ہے اس لئے رشتۂ نکاح میں اس کا اعتبار اور لحاظ رکھنے کی اجازت ہے۔ اسلام میں پیشوں سے عزت اور ذلت کو وابستہ کرنا صحیح نہیں ہے، ہدایہ میں ہے:

ان الحرفة ليس بلازمة ويمكن التحول من الخسة الى النفيسة.

(پیشہ کسی کے ساتھ چپٹا نہیں رہتا۔ آدمی معمولی پیشہ چھوڑ کر دوسرا اچھا کام کر سکتا ہے

نسب، دولت اور پیشہ عزت و شرف کی بنیاد نہیں ہیں۔ اسلام اگر انسان کو شرف و عزت کا مستحق قرار دیتا ہے تو دین و تقویٰ کے لحاظ سے محض نسب، مال یا پیشے کی وجہ سے کسی کو صاحبِ عز و شرف سمجھنا اسلامی نقطۂ نظر نہیں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات-۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں وہی زیادہ معزز و مکرم ہے جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔

یعنی ذرائعِ معاش کے اختلاف، زبان و مقام کے اختلاف سے جو گروہ اور قبیلے بنتے گئے وہ اس لئے کہ انسان آپس میں ایک دوسرے کو پہچانے، پیشہ ور، صنعت گر، مزارع، تاجر اور مختلف کاروبار کرنے والوں میں تمیز کرے اور زندگی کی ضروریات ایک دوسرے کے تعاون سے پوری کرے، اسی تعارف کی وجہ سے قریب اور بعید رشتوں کا تعین اور ان کے حقوق کی ادائگی اور ہر ایک کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کا علم ہوتا ہے۔ یہ تقسیم زندگی کی اہم ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ انسانوں کو ایک دوسرے سے جڑے رکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ تقسیم ہرگز عزت و ذلت، شرافت و رذالت کی بنیاد نہیں ہے، نہ مغرب کو مشرق پر فوقیت ہے نہ عرب کو عجم پر نہ ایشیا کو یورپ پر نہ گورے کو کالے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الناس سواسية كاسنان المشط   یعنی انسان سب برابر ہیں جیسے کنگھی

لا فضل لعربي على عجمي وَاِنَّمَا الفضل بالتقوىٰ۔ (الادب المفرد مشکوٰۃ)	کے دندانے عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی غیر قریش میں شادی فرمائی۔ اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینبؓ کو حضرت زیدؓ کے ساتھ اور فاطمہ بنت قیس کو حضرت اسامہ بن زید کے ساتھ بیاہا حالانکہ دونوں خاتونیں قریشی تھیں اور یہ دونوں بزرگ غیر قریش ہونے کے علاوہ غلام بھی رہ چکے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرافت کی اصل بنیاد دین وتقویٰ پر ہے نسب پر نہیں۔ رشتۂ نکاح کے وقت دوسری چیزیں بھی جیسے حسب ونسب، حسن وجمال، مال ودولت بھی دیکھی جا سکتی ہیں مگر دین وتقویٰ پر ان چیزوں کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ اگر ایک صاحب مال ودولت لڑکا ہو لیکن امانت وتقویٰ سے عاری ہو اور علم دین سے بے بہرہ اُس کے مقابل ایک غریب نادار مگر صاحب تقویٰ اور دین کا علم رکھنے والا لڑکا شریف تر ہے خواہ وہ جاہل لڑکا عالی نسب ہی کیوں نہ ہو۔ رد المحتار میں ہے:

كان شرف العلم اقوى من شرف النسب بدلالة الاٰية «هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ»	علم کا شرف نسب کے شرف سے زیادہ قوی ہے۔ یہ بات اس آیت سے ظاہر ہے "کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟"

ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ دولت ووجاہت اور نسب کے مقابلے میں امانت وتقویٰ اور علم کو ترجیح دے، اسی طرح بیوی کے انتخاب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان المرأة تنكح على دينها ومالها وجمالها فعليك بذات الدّين تربت يداك۔	عورت سے نکاح تین خوبیاں دیکھ کر کیا جاتا ہے، دین واخلاق، مال ودولت، حسن وجمال تم لازماً دین واخلاق والی عورت سے نکاح کرو۔ تمہیں خیر اور خوشی نصیب ہو۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تین خوبیوں میں بہترین خوبی دین و اخلاق کی ہے اور اسی کو لازماً ملحوظ رکھا جائے تاکہ سکون و اطمینان مسرت و خوش بختی حاصل ہو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مال، نسب اور پیشے میں کفو کا لحاظ شرط نہیں قرار دیتے اُن کے نزدیک کفو یہ ہے کہ دو باتوں میں دونوں برابر ہوں۔

(۱) مسلمان اور دیانت دار ہونا (۲) عیب دار نہ ہونا جیسے کوڑھ جذام یا پاگل پن۔ اُن کے نظریے کے اعتبار سے اگر ایک لڑکی ایسے گھر میں پلی ہو جس میں دین و اخلاق اور علم و فضل ہو اور اُسی خاندان کا ایک لڑکا ایسے ماحول میں پلا ہو جس میں دین و اخلاق اور علم و فضل کا فقدان ہو تو خاندان کے اشتراک کے باوجود اُس لڑکی کا یہ لڑکا کفو نہیں ہو سکتا اس کے برخلاف اگر دو مختلف برادریوں یا خاندانوں کے لڑکا لڑکی دین و اخلاق اور علم و فضل کے اعتبار سے ہم آہنگ ہوں تو دونوں ایک دوسرے کے کفو ہو سکتے ہیں۔

نسب میں کفو دیکھنے کا طریقہ اسلام میں نسب کا اعتبار باپ کی طرف سے ہوتا ہے ماں کی طرف سے نہیں۔ باپ دادا کا خاندان لڑکا اور لڑکی کا خاندان ہے جو لوگ نسب کی تلاش میں ننھیال کو بھی دیکھتے ہیں وہ غلط کار ہیں۔

صداق (مہر) کا بیان

قرآن میں مہر کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ صَدُقہ استعمال ہوا ہے "وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً" اِصداق کے معنی ہیں درست کرنا۔ سچا کرنا۔ دوستی کرنا۔ اظہار رغبت کیلئے مال خرچ کرنا۔ مہر کے لئے لفظ صداق (صاد پر زبر یا زیر) بولا جاتا ہے (جو اصداق کا اسم مصدر ہے) اس طرح اصداق کے معنی مہر دینے کے اور صداق کے معنی مہر کے ہیں۔ گویا مہر کو صداق اس لئے کہتے ہیں کہ یہ شوہر اور بیوی کے تعلقات کی درستی، سچائی اور دوستی کی علامت ہے۔

مہر کی تعریف مہر کے اصطلاحی معنی اُس مال کے ہیں جو عقد نکاح کے بعد عورت سے متمتع ہونے کے عوض دیا جاتا ہے۔ یہ مال یا تو نکاح کے وقت عورت

کو فوراً ادا کر دیا جاتا ہے یا ادا کرنے کا وعدہ کر لیا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں مہر معجل کہا جاتا ہے اور دوسری صورت میں مہر مؤجل۔ معجل عجلت سے ہے یعنی وہ چیز جو جلد کی جائے اور مؤجل اجل سے بنا ہے جس کے معنی وقت اور مدّت کے ہیں۔

مہر کی شرطیں

پہلی شرط یہ ہے کہ مہر مال کی قسم میں سے ہو جس کی قیمت لگائی جا سکے اس کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد متعین نہیں ہے سنت یہ ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پاک شے ہو یعنی حلال جسے استعمال میں لانا درست ہو کیونکہ شریعتِ اسلامی میں حرام چیزوں کی کوئی قیمت نہیں ہے، گو غیر مسلم کے نزدیک اُن کی قیمت ہو۔ جیسے شراب اور سور وغیرہ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مال غصب کردہ نہ ہو، مالِ مغصوبہ کو مہر قرار دینا درست نہیں ہے تاہم عقدِ نکاح تو ہو جائے گا اور عورت کو مہرِ مثل کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ (مہر) نامعلوم نہ ہو۔ یہ شرط نہیں ہے کہ خصوصیت کے ساتھ چاندی یا سونا ہو بلکہ مالِ تجارت، جانور، اراضی، مکان بھی حقِ مہر ہو سکتا ہے اور ان اشیاء کی منفعت کو بھی حقِ مہر قرار دیا جا سکتا ہے مثلاً مکان یا جانور کا کرایہ، اراضی کی پیداوار، تعلیم قرآن کی اجرت وغیرہ۔

مہر ایسی ضروری چیز ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا گیا ہو تب بھی مہرِ مثل ادا کرنا پڑے گا۔ مہرِ مثل کی تعریف آگے آتی ہے۔

مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہیے

مہر اتنا ہی مقرر کرنا چاہیے جتنا شوہر آسانی سے ادا کر سکے، عام طور پر مہر زیادہ مقرر کرنے کی دو وجہیں ہوتی ہیں: ایک تو عزت و فخر کی نمائش، دوسرے یہ بات کہ شوہر عورت کو طلاق نہ دے سکے دونوں وجہیں شرعاً اور عقلاً غلط ہیں، اگر مزاجوں میں اتنا اختلاف ہو کہ دونوں کا ایک جگہ رہنا عذاب بن جائے تو کونسی عقلمندی ہوگی کہ اس عذاب سے چھٹکارا نہ حاصل کیا جائے۔ لیکن عذاب تب ہی دور ہو سکتا ہے جب شوہر عورت کا حق دے کر اُسے رخصت کر دے۔ شرعی اعتبار سے بھی مہر زیادہ مقرر کرنے کی ممانعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَؤُنَةً

زیادہ بابرکت وہ نکاح ہے جس میں تکلیف وپریشانی کم سے کم ہو۔

خود آنحضرت ؐ نے اپنے لئے مہر زیادہ مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا۔ حضرت فاطمہؓ کا مہر آپؐ نے پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا۔ ایک درہم چوتھائی تولے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی تین ماشہ دو رتی۔ کل مہر فاطمی ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدار سے زیادہ مہر نہیں مقرر فرماتے تھے۔ اس چاندی کی جو قیمت روپے یا دوسرے سکوں کے اعتبار سے بنے وہی مقرر کرنا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب تموّل بڑھا تو لوگ بہت زیادہ مہر مقرر کرنے لگے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگو مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو، اگر یہ چیز دنیا میں باعث عزت وافتخار ہوتی یا آخرت میں زیادہ مہر کا ثواب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سب سے پہلے اختیار کرتے۔

مہر کی کم سے کم مقدار

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نبوی کی روشنی میں کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم یعنی پونے تین تولہ چاندی مقرر کی ہے اب اگر کوئی شخص اس سے کم قیمت کا مہر مقرر کرتا ہے تو اُسے لامحالہ پونے تین تولہ چاندی کی قیمت دینا پڑے گی کیونکہ یہ کم سے کم مقدار ہے اس سے کم مہر مقرر نہیں کیا جاسکتا۔

زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے مگر جیسا کہ پہلے بیان ہوا مہر حیثیت سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے یعنی اتنا مہر مقرر کیا جائے جتنا وہ اس وقت یا مستقبل قریب میں ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر فخر وغرور یا کسی اور غیر شرعی بنا پر زیادہ مہر مقرر کردیا اور دل میں یہ خیال رہا کہ دینا تو ہے نہیں جتنا چاہو مقرر کردو تو یہ سخت گناہ ہے۔ یہ عورت کا حق ہے اور حق مارنے کا خیال کرنا بڑا ظلم اور گناہ ہے۔

مہر مثل

بعض صورتیں نکاح وطلاق کے سلسلے میں ایسی پیش آتی ہیں جن میں مہر مثل دینا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نے نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا تو مہر معاف نہ ہوگا بلکہ عورت کو مہر مثل ملے گا۔ مہر مثل سے مراد مہر کی وہ مقدار ہے جو عام طور پر اس کے کنبہ اور خاندان میں مقرر ہوتی ہو یعنی ددھیال میں ننھیال میں نہیں۔ مثال کے طور پر پھوپھی، سگی بہن یا چچازاد بہن اور ددھیال کی دوسری بیٹیاں۔ اگر ماں اور خالہ باپ کے خاندان کی ہوں تو اُن کے مہر کو

اعتبار کیا جائے گا۔ کسی لڑکی کا مہر مثل اس عورت کے مہر سے متعین کیا جائے گا جو صورت، سیرت، علم و سلیقہ اور دینداری میں اس کے قریب قریب ہو' اگر قریبی رشتہ داروں میں کوئی لڑکی ان صفات کی نہیں ہو تو دور کے رشتہ داروں میں جو لڑکی اس کے جیسے صفات کی ہوگی اس کا مہر مہر مثل قرار پائے گا۔

مہر کے متعلق بعض ضروری مسائل

۱۔ نکاح کے وقت مہر کا تعین کیا جا چکا ہو تو خلوت صحیحہ کے بعد پورا مہر دینا پڑے گا۔

۲۔ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا گیا، یا مرد نے مہر نہ دینے کی شرط لگادی اور نکاح ہو گیا دونوں صورتوں میں خلوت صحیحہ کے بعد عورت مہر مثل پانے کی مستحق ہوگی اور اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے' یہی حکم اس وقت بھی نافذ ہوگا اگر مرد کا انتقال ہو جائے خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ)

۳۔ اگر کوئی شخص نقد رقم کے بجائے غیر منقولہ جائداد مثلاً مکان، زمین، دکان یا منقولہ اموال مثلاً موٹر، موٹر سائیکل یا سواری کا جانور مقرر کرے تو وہ کر سکتا ہے لیکن یہ تعیین ضروری ہے کہ کونسی زمین، مکان، یا سواری مہر میں دے رہا ہے۔ اگر مبہم رکھا تو مہر مقرر نہیں ہوا۔ اس کے بجائے مہر مثل دینا پڑے گا۔ (ردالمحتار)

۴۔ اگر کسی خدمت کو یا ایسی چیز کو جو فی الوقت موجود نہیں ہے مہر ٹھہرایا تو وہ مہر صحیح نہ ہوگا مثلاً یہ کہا کہ میں عورت کو حج کرادوں گا، یا تعلیم کا خرچ برداشت کروں گا یا خدمت کے لئے ایک خادمہ رکھ دوں گا تو مہر کی تعیین صحیح نہ ہوگی اور ان تمام صورتوں میں مہر مثل ادا کرنا پڑے گا۔

۵۔ دو شخص اپنے لڑکوں یا لڑکیوں کا نکاح اس طور پر کہ ہر ایک دوسرے کی لڑکی کو اپنے لڑکے سے کر دے اور یہ تبادلہ ہی مہر سمجھا جائے تو یہ نکاح فاسد ہے' اس کو "نکاحِ شغار" کہا جاتا ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے' دونوں کو مہر مثل دینا پڑے گا۔

۶۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں کیا گیا۔ مگر نکاح کے بعد میاں بیوی دونوں نے اپنی خوشی سے مہر مقرر کر لیا تو وہی واجب ہوگا۔ مہر مثل واجب نہیں ہوگا۔

۷۔ نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا مثلاً ایک ہزار۔ شوہر نے بعد نکاح کہا کہ میں ڈیڑھ ہزار دوں گا

تو اب اُس پر اتنا ہی واجب ہوگیا۔ اگر نہ دے تو عورت اُس سے مزید رقم کا مطالبہ کرسکتی ہے، اور اگر وہ نہیں ادا کرے گا تو گنہگار ہوگا، اسی طرح اگر عورت نے مقررہ مہر میں سے کچھ معاف کردیا تو اتنا حصہ مہر کا مرد کے سر سے معاف ہوگیا۔ اب عورت اس معاف شدہ رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

۸۔ عورت کو پریشان کرکے ڈرا دھمکا کر اگر مرد نے مہر معاف کرالیا تو ایسی معافی معتبر نہیں ہے۔ مہر عورت کی ملکیت ہے اور ملکیت کا کوئی حصہ جب تک بخوشی کسی کو نہ دے دیا جائے وہ خود نہیں لے سکتا۔

۹۔ شوہر اور بیوی دونوں بالغ ہوں اور دونوں یکجا رہ چکے ہیں مگر شوہر فرائض زوجیت ادا کرنے سے بسبب کسی جنسی خرابی کے باز رہا تو اس صورت میں اگر مرد نے طلاق دے دی یا عورت نے نکاح فسخ کرالیا تو پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔ البتہ اگر دونوں میں سے کوئی نابالغ ہے اور اس حالت میں نکاح فسخ ہوگیا یا طلاق ہوگئی تو نصف مہر واجب ہوگا۔

۱۰۔ نکاح کے شرائط اور ارکان پورے نہ ہوئے ہوں مثلاً دو گواہ نہ رہے ہوں یا ولی جائز کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے نے نکاح کرادیا ہو یا کوئی اور خرابی ہو جس کی وجہ سے نکاح فاسد قرار دیا گیا ہو اور دونوں میں علیحدگی کرادی گئی ہو تو اگر یہ علیحدگی مباشرت کے بعد ہوئی ہے تو مہر مثل دینا پڑے گا لیکن اگر مباشرت نہیں ہوئی تو مہر واجب نہ ہوگا اگرچہ خلوت صحیحہ ہوچکی ہو۔

خلوتِ صحیحہ کی تعریف

مرد اور عورت دونوں بالغ ہوں اور انھیں تنہائی میں یکجا ہونے کا ایسا موقع ملے کہ کوئی حسی، طبعی یا شرعی مانع مباشرت کے لئے نہ ہو تو اس تنہائی اور یکجائی کو خلوت صحیحہ کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی مانع موجود ہو جس کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے تو خلوت صحیحہ نہ ہوگی، ایسی تنہائی کو خلوت فاسدہ کہیں گے۔

موانعِ مباشرت

مرد یا عورت میں سے کوئی ایسا بیمار ہو کہ مباشرت ممکن نہ ہو یا قریب ہی کوئی تیسرا شخص موجود ہو خواہ وہ سوتا ہی کیوں نہ ہو۔ یا مرد اور عورت میں سے کوئی احرام باندھے ہوئے ہو، یا ان میں کوئی رمضان کا روزہ رکھے ہوئے ہو یا عورت حیض کی حالت میں ہو یا دونوں میں کوئی نابالغ ہو تو ان جیسی صورتوں میں یکجائی اور تنہائی خلوت صحیحہ نہیں خلوتِ فاسدہ کہی جائے گی۔

چڑھاوے اور جہیز کا بیان

یہ رواج ہے کہ عقد اور مہر کا تصفیہ ہونے کے بعد ہونے والا شوہر بیوی کو تحفہ بھیجتا ہے جس کو پیش کش یا چڑھاوا کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی رواج ہے کہ عورت حیثیت کے مطابق جہیز لے کر آتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مرد کے تحفے کو مہر میں شمار کیا جائے یا نہیں؟ اور کیا مرد کو یہ حق ہے کہ وہ جہیز کا مطالبہ کرے؟

ہدیہ یا تحفہ جو مرد کی طرف سے عورت کو بھیجا جاتا ہے وہ دو طرح کا ہو سکتا ہے، کھانے پینے کی چیزیں یا برتنے اور رکھ اُٹھا کر استعمال کی چیزیں جیسے زیور یا ملبوس تو اگر پہلی قسم کی اشیاء کو مرد یہ گمان کرے کہ اُسے مہر میں شمار کیا جائے اور بیوی کہے کہ وہ مہر نہیں ہے بلکہ ہدیہ ہے تو بیوی کا کہنا تسلیم کیا جائے گا کیونکہ عام رواج میں ان اشیاء کو مہر نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح وہ چیزیں جنھیں چڑھاوا کہتے ہیں اس میں کنگن یا چوڑیاں یا انگوٹھی اور اس کے ساتھ شیرینی اور پھولدار کپڑے وغیرہ ہوتے ہیں، عام طور پر اس کو مہر نہیں کہتے بلکہ یہ ایک پیش کش ہے جو بیوی کو اس لئے بھیجی جاتی ہے کہ وہ کسی اور خواستگار کو قبول نہ کرے، اب اگر مرد یہ دعویٰ کرے کہ اُسے مہر میں شمار کیا جائے اور اس دعوے کی کوئی شہادت نہ ہو تو اس بارے میں عورت جو بات کہے اُسے قسم کھا لینے پر تسلیم کر لیا جائے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ دوسرے قسم کے تحفوں اور ہدیوں میں شوہر کی بات کو مان لیا جائے گا اگر کوئی اور ثبوت نہ ہو۔ پس اگر شوہر قسم کھالے کہ میں نے یہ اسی ارادے سے دیا تھا کہ مہر میں دے رہا ہوں تو اُس کی بات کو تسلیم کر لیا جائے گا، اب اگر اُس کا تحفہ باقی ہے تو بیوی کو حق ہے کہ اُسے واپس کر دے اور اپنا مہر وصول کرلے اور اگر وہ چیز ختم ہوگئی ہے تو اس کی قیمت لگا کر مہر میں سے اُسی قدر وضع کر لیا جائے گا۔ مگر ترجیح اس رائے کو حاصل ہے کہ عام دستور کو دیکھا جائے گا اگر تحفے کو مہر نہیں قرار دیا جاتا تو اسی کے مطابق عملدرآمد ہوگا، اگر کوئی اور ثبوت پیش نہ جا سکے۔

رہا جہیز کا مسئلہ تو اس بات کی صحت میں کوئی شک نہیں کہ جس چیز کو مہر قرار دے کر عقد نکاح کیا جاتا ہے اُس کا بدل بیوی کے سوا اور کچھ نہیں ہے لہٰذا شوہر کو بیوی کی ذات کے سوا اور کسی چیز (جہیز وغیرہ) کے مطالبہ کا حق نہیں ہے لیکن اگر کسی مہر پر عقد طے ہو گیا پھر شوہر نے (مہر کے علاوہ)

اور کچھ رقم دے دی کہ اس سے وہ اپنا جہیز تیار کر لے اور بیوی نے وہ رقم لے لی لیکن بغیر جہیز کے آگئی اور شوہر نے عرصہ تک اس پر کچھ نہ کہا تو یہ اس کی رضامندی کا ثبوت ہے اور اب اُسے اُس رقم کے مطالبہ کا (جو اُس نے جہیز کے لئے دی تھی) حق نہیں رہے گا ورنہ وہ اُس کے مطالبہ کا حق رکھتا تھا کیونکہ وہ ایسے کام کے لئے دی تھی جس کی انجام دہی خود اُس پر واجب تھی اس لئے کہ بیوی کے ضروریات کی فراہمی شوہر کا کام ہے اسی طرح باپ یا ماں نے اگر کوئی چیز یا سامان بیٹی کو دیا ہو اور وہ اُسے قبول کر چکی ہو تو باپ یا ماں کو بیٹی سے واپسی کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ بیٹی کی ملکیت ہو گئی۔

محرماتِ نکاح

اسلام میں مردوں کے لئے جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اُن کے دو طبقے ہیں، ایک وہ جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے دوسرا وہ جن سے عارضی طور پر نکاح حرام ہے، جب حرمت کی وجہ دور ہو جائے تو وہ حلال ہو جاتی ہے پہلے طبقے میں حرمت کی وجہیں تین ہیں، نسب، شادی، دودھ میں شرکت۔

نسبی رشتے سے تین قسم کی عورتیں حرام ہیں (۱) وہ جس کے اوپر اور نیچے کی تمام شاخیں حرمت میں شامل ہیں یعنی ماں اور ماں کی مائیں یا باپ کی مائیں اور ان سے اوپر اور نیچے کی شاخ میں بیٹیاں، نواسیاں، پوتیاں اور ان سے نیچے کی اولاد سب ابدی حرام ہیں (۲) ماں باپ کی بہنیں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی، بہنوں کی بیٹیاں یعنی بھانجیاں اور اُن کے بیٹوں یعنی بھانجوں کی بیٹیاں اور بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور بھتیجوں کی بیٹیاں اور ان سے نیچے کی اولاد (۳) دادا اور نانا کی شاخیں یعنی پھوپھیاں اور خالائیں خواہ سگی ہوں یا سوتیلی۔ نسبی محرمات کی گنتی یہیں تک ہے لہٰذا پھوپی اور خالاؤں کی بیٹیاں چچا اور ماموں کی بیٹیاں حرام نہیں ہیں۔ دادی اور نانی کی شاخ میں بھی بجز اُس کے جو نسب میں پہلے درجے پر ہے اور کوئی حرام نہیں ہے۔

شادی کے رشتے سے بھی تین قسم کی عورتیں حرام ہیں (۱) بیوی کی بیٹی یعنی مرد کی سوتیلی بیٹی جس کو ربیبہ کہتے ہیں اور ربیبہ کی بیٹی اور اُس کی بیٹی کی بیٹی سب حرام ہیں (۲) نکاح ہوتے ہی بیوی کی ماں، نانی اور دادی یعنی ساسیں حرام ہو جاتی ہیں (۳) وہ تمام عورتیں جو باپ کے حرم میں رہی ہوں۔

دودھ کے رشتے سے وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب کے رشتے سے حرام ہوتی ہیں۔ بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر رضاعت کے بیان میں آئے گا۔

یہ وہ صورتیں ہیں جو ہمیشہ کے لئے عورت کو حرام کر دینے کی موجب ہیں۔

عارضی طور پر نکاح کو حرام کر دینے والی صورتیں

چند امور ایسے ہیں جن سے عارضی طور پر عورت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے:

(۱) بیوی کے ایسے رشتہ دار سے شادی جس کو اگر مرد فرض کر لیا جائے تو بیوی اُس سے شادی نہ کر سکتی ہو (اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے (۲) مشرکہ عورت جو کسی آسمانی دین کی پیرو نہ ہو (۳) وہ عورت جو طلاق کے ذریعہ حرام ہو چکی ہو (۴) وہ عورت جو کسی کے ساتھ وابستہ ہو یعنی نکاح ہوا ہو لیکن رخصتی نہ ہوئی ہو یا وہ عدت میں ہو (۵) وہ مرد جس کی چار بیویاں موجود ہوں یا چوتھی عدت میں ہو اُس کے لئے بھی نئی شادی کرنا جائز نہیں۔ ان تمام صورتوں میں اگر وجوہ مانعِ حلتِ نکاح دور ہو جائیں تو نکاح جائز ہو جائے گا۔

مُصاہرت یعنی سسرالی رشتے کی وجہ سے حرمت

مصاہرہ (یعنی ازدواجی رشتہ) سے جو عورتیں کسی مرد پر حرام ہو جاتی ہیں

اُن میں سے ایک بہو یعنی بیٹے کی بیوی ہے جس کا رشتہ بیٹی کے مشابہ ہوتا ہے۔ دوسری بیوی کی بیٹی جو پہلے شوہر سے ہو وہ بھی رشتہ میں اپنی بیٹی کے برابر ہے، تیسری باپ کی دوسری بیوی وہ بھی رشتہ میں اپنی ماں کے مانند ہے چوتھی بیوی کی ماں کہ وہ اپنی ماں جیسی ہے۔

بہو ہونے میں بیٹے کی بیوی کی طرح پوتے پڑپوتے، نواسے پڑنواسے کی بیویاں شامل ہیں اگر باپ کسی لڑکی سے شادی کرلے تو وہ بیٹے پوتے پڑپوتے وغیرہ سب پر حرام ہو جاتی ہے اسی طرح اگر بیٹا کسی عورت سے شادی کرلے تو وہ اُس کے باپ دادا، پردادا وغیرہ سب پر حرام ہو گی خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن باپ کی بیوی کی بیٹی جو اپنے باپ کی بیٹی نہ ہو وہ حرام نہیں ہو گی، اسی طرح ماں کے دوسرے خاوند کی بیٹی اور اُس خاوند کی ماں بھی حرام نہیں۔ سوتیلی ماں کی ماں، اور بہو کی ماں اور منہ بولے بیٹے کی بیوی (طلاق کے بعد) حرام نہیں ہیں۔

اگر ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی جس کا ایک بیٹا دوسرے خاوند سے ہوا اور وہ

بیٹا اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اُس سے یہ شخص (یعنی ماں کا خاوند) نکاح کر سکتا ہے۔ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کی ماں اور نانی سب حرام ہو جائیں گی خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس عورت کی بیٹی جب ہی حرام ہوگی جب خلوت ہوئی ہو۔

رشتۂ ازدواج سے بعض عورتیں جو حرام ہو جاتی ہیں اُن کا ذکر ہوا۔ لیکن اگر باقاعدہ نکاح کے ذریعہ رشتہ نہ ہوا ہو تو بُری نیت سے کسی عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہے اور جو اس حرام کا مرتکب ہو جائے تو اس عورت کی ماں اس مرد کے لئے اور مرد کا باپ اس عورت کے لئے حرام ہو گیا۔

مرد اور عورت کا تعلق حرمتِ مصاہرت کے لئے تب ہی معتبر ہوگا جب عورت کی عمر نو برس یا اس سے زائد ہو۔ اگر اس سے کم عمر ہو تو پھر حرمت قائم نہیں ہوگی۔

ایک سے زیادہ بیویاں

اسلام نے بعض شرائط کے ساتھ ایک وقت میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے جس کی حد چار بیویوں تک ہے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا ہے فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً "اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان سب کے ساتھ برابر کا برتاؤ نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھنا"۔ چار کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح قطعًا حرام ہے۔

کن عورتوں کو زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے

ایسی دو عورتوں کا زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے کہ ان دونوں میں سے اگر کسی کو مرد تصور کر لیا جائے تو اُن دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہو، لہٰذا دو بہنوں کا ایک شخص کی زوجیت میں جمع ہونا حرام ہے کیونکہ اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کر لیا جائے تو دونوں بھائی بہن ہو جائیں گے جن کا باہم نکاح ناجائز ہے، اسی طرح ایک لڑکی اور اُس کی پھوپھی یا خالہ جمع نہیں ہو سکتی، اگر پھوپھی یا خالہ کو مرد تصور کر لیا جائے تو وہ اُس کا چچا یا ماموں ہوگا اور بھتیجی یا بھانجی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ جس طرح سگی بہنیں زوجیت میں جمع نہیں ہو سکتیں اسی طرح رضاعی بہنیں بھی جمع نہیں ہو سکتیں، کیونکہ ان میں بھی اگر ایک کو مرد فرض کر لیں تو بھائی بہن کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

اگر بیوی کا انتقال ہو جائے یا اُس کو طلاق مل جائے اور عدت کا زمانہ گزر جائے تو اُس کی

بہن سے یا خالہ سے یا پھوپی سے اگر نکاح کرنا چاہے تو وہ نکاح جائز ہوگا۔ ایک وقت میں دونوں کا جمع کرنا حرام ہوگا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

لاتنکح المرأة علی عمتها	یعنی کوئی عورت اپنی پھوپی پر (اُس کے شوہر
ولا عمة علی بنت اخیها	سے) شادی نہ کرے اور نہ کوئی پھوپی اپنی بھتیجی
لا الکبری علی الصغری	پر (اُس کے شوہر سے) شادی کرے نہ بڑے
ولا الصغری علی الکبرای۔	رشتہ والی چھوٹی پر اور نہ چھوٹی رشتہ والی
(ترمذی)	بڑے رشتہ والی پر۔

لہٰذا جن کو زوجیت میں جمع کرنا حلال نہیں ہے اگر ایسی عورتوں کو کسی نے جمع کیا تو وہ عقد فسخ کر دیا جائے گا، نسب کے رشتے سے جو شادی حرام ہے وہی دودھ کے رشتے سے بھی حرام ہے بجز چند صورتوں کے جن کا ذکر رضاعت کے بیان میں آئے گا۔

مختلف مذہب کی عورت سے نکاح

مسلمانوں سے عقیدے کا اختلاف تین صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے (۱) وہ لوگ جو اوثان (مورتوں) یا اصنام (تصویروں) کی بندگی کرتے ہوں (۲) وہ لوگ جو اس کے مدعی ہیں کہ اُن کے نبی پر ایک کتاب نازل ہوئی۔ لیکن اس کی تصدیق موجودہ آسمانی کتابوں سے نہیں ہوتی مثلاً مجوسی جو آگ کی پرستش کرتے ہیں اور قائل ہیں کہ زرتشت پر ایک کتاب نازل ہوئی مگر لوگوں نے اُس کو بدل دیا تو وہ کتاب اُٹھالی گئی (۳) وہ لوگ جو آسمانی کتابوں پر ایمان لائے جن کی تصدیق قرآن نے کی ہے۔ تو پہلی دو قسم کے مذہب والوں سے نکاح کسی مسلمان کا حلال نہیں ہے۔ تیسری قسم کے مذہب والے یہودی اور نصرانی ہیں جو توریت زبور اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں تو مسلمان مرد کے لئے حلال ہے کہ وہ کتابیہ (یعنی یہودی یا نصرانی عورت) کے ساتھ نکاح کرلے لیکن مسلمان عورت کے لئے کتابی (یعنی یہودی یا نصرانی مرد) سے نکاح حلال نہیں ہے۔ غرض مسلمان عورت کا نکاح صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرد مسلمان ہو۔ ان تمام مذکورہ باتوں کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ " (مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور فرمایا ــــــ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا "

(مشرک مردوں سے (عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں) اس سے ثابت ہوا کہ کسی طرح بھی مرد کا نکاح مشرکہ سے اور مسلمان عورت کا نکاح مشرک سے حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایمان لائیں اور مسلمانوں میں داخل ہو جائیں۔

کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کو نکاح کرنے کی اجازت ان الفاظ میں دی گئی ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (نیک عورتیں اُن میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تم پر حلال ہیں) (مائدہ - ۵)

نیک عورتوں کی صراحت کے ساتھ کتابیہ کے ساتھ نکاح حلال ہونا ثابت ہے، قرآن نے دو باتوں کی قید لگائی مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یعنی وہ واقعی اپنے نبی اور اُن پر نازل شدہ کتاب پر ایمان رکھتی ہوں، دوسری یہ کہ وہ محصنات اپنے کو قید نکاح میں رکھنے والی یعنی پاک دامن ہوں۔ جہاں یہ دونوں شرطیں نہیں پائی جائیں گی یا ان کے پائے جانے میں شک ہوگا وہاں نکاح کی اجازت نہیں دی جائے گی جس کی مثالیں عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں ملتی ہیں۔

اگر میاں بیوی میں سے کوئی شخص خدانخواستہ اسلام سے مرتد ہو جائے یا کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے تو رشتۂ نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر کوئی مشرک جوڑا (میاں بیوی) ساتھ ہی مسلمان ہو جائیں تو اُن کو نیا نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تین طلاق والی عورت کی حرمت اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ عدت گزرنے کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرے، اب اگر دوسرا شوہر خلوت صحیحہ اور مباشرت کے بعد اس کو طلاق دیدے تو عدت گزرنے کے بعد وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔ یہ دوسرا خاوند جس نے عورت کو پہلے خاوند کے لئے حلال کر دیا مُحَلِّل کہا جاتا ہے۔

وقتی نکاح یا مُتعہ نکاح متعہ اور نکاح مُوقّت ایک ہی ہے، اس بارے میں چاروں ائمہ کے نزدیک اختلاف نہیں۔ بنیاد اس نکاح کی یہ ہے کہ آغاز اسلام

میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور انھیں دشمنوں کا دفاع کرنے کے لئے مسلسل مشغول رہنا پڑتا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے جن حالات میں عرب کے لوگ پلے تھے وہ عورتوں سے انہماک کا دور تھا، شادی کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی، ہر شخص جتنی چاہے عورتیں کر سکتا تھا ایسے لوگ جب حالات جنگ سے دوچار ہوئے تو لامحالہ وہ ان تمام تقاضوں کو پورا کرنے سے محروم ہو گئے جن کی آزادی انھیں حاصل تھی پھر دین میں داخل ہونے کے بعد ایک مسلمان اپنے فطری اور اقتصادی مطالبات کو شریعت کے اندر رہتے ہوئے پورے کرنے کا پابند ہو گیا۔ شریعت نے زنا کو قطعاً حرام قرار دیدیا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ حالاتِ جنگ میں وقتی تقاضوں کے مطابق شرعی احکام ہوتے تاکہ فطری تقاضوں کو ان سے ہم آہنگ کیا جا سکتا۔ نکاح متعہ یا وقتی نکاح کی نوعیت اُن وقتی احکام کی ہے جو حالتِ جنگ میں مصلحتاً دیئے جاتے ہیں تو یہ بھی بنیاد نکاح متعہ کی شرعی اجازت کی۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث سے جو سبرۃؓ سے مروی ہے ثابت ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس سال ہم کو فتح حاصل ہوئی اور ہم مکے میں داخل ہوئے اُسی سال ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ کی اجازت دی تھی پھر ابھی ہم وہاں سے نکلے نہ تھے کہ ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی ـــ اس روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ حکم وقتی اور حالات جنگ کی ضرورت کے پیش نظر تھا۔ نیز ابن ماجہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي كُنْتُ أَذِنْتُ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ أَلَا وَإِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهَا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔	اے لوگو! میں نے بیشک متعہ کی اجازت دی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اب اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔

اور یہ عین عقل کے مطابق ہے۔ شریعت نے زنا کو بدترین جرائم میں سے ایک جرم قرار دیا ہے اور ایسے عمل کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں اُس کا شبہ بھی پایا جائے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل ۳۲)	زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو بلاشبہ یہ کھلی معصیت اور بُری راہ ہے۔

یہ ارشاد خداوندی اپنے موضوع پر کافی ہے۔ اس طرح اگر کسی عورت سے ایک مقررہ مدت کے لئے نکاح کیا گیا مثلاً ایک ماہ، ایک سال یا دو چار یا دس برس کی قید لگا کر تو یہ نکاح حرام ہو گا۔ اس عورت

سے مباشرت کرنے والا زنا کا مرتکب ہوگا اور اسی سزا کا مستحق ہوگا جو شریعت نے مقرر کی ہے۔

رضاعت کی وجہ سے نکاح کا حرام ہونا اوپر یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ نسب کے رشتے سے جن سے نکاح حرام ہے ان سے رضاعت کے رشتے سے بھی نکاح حرام ہے۔ رضاع کے لغوی معنی پستان سے دودھ چوسنے کے ہیں چنانچہ جس کسی نے عورت، گائے، بکری کے پستان سے دودھ پیا تو عربی میں کہتے ہیں رضعہا۔ (اُس نے اُسے دودھ پلایا) اگر جانور کا دودھ دوہا اور پھر کسی نے اُسے پیا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس نے دودھ پلایا۔ جہاں تک معنی کا تعلق ہے اُس میں یہ شرط نہیں ہے کہ پستان چوسنے والا بچی یا بچہ ہو۔

رضاعت کے اصطلاحی معنی اصطلاح شرع میں اس لفظ کے معنی کسی عورت کے دودھ کا ایسے انسانی بچے کے پیٹ میں جانا ہے جس کی عمر دو سال یعنی چوبیس ماہ سے زیادہ نہ ہو۔ اس تعریف سے اُن بچوں میں جنھوں نے کسی جانور کا دودھ پیا ہو رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور وہ بچہ جس نے ۲۴ ماہ کی عمر ہوجانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا ہو اُس کی رضاعت دوسرے بچوں کے ساتھ نہیں ہوگی، یہ رائے تمام فقہا کی اور صاحبین یعنی امام ابوحنیفہ کے دونوں شاگردوں کی ہے۔ اگرچہ امام صاحب نے مدت رضاعت ڈھائی سال یعنی تیس مہینے قرار دی ہے۔ لیکن صاحبین کی رائے کی حمایت میں قوی تر دلیل موجود ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مدت رضاعت کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے۔ "وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ" (مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں) دوسری جگہ اللہ پاک فرماتا ہے "وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا" (پیٹ میں رہنے اور دودھ چھڑانے تک کی مدت تیس ماہ ہے) دونوں آیتوں کی تطبیق اس طرح ہوتی ہے کہ مدت شیر خوارگی دو سال اور حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے۔ حضرت علی رض نے حضرت عثمان رض کو یہی مطلب اس آیت کا بتایا تھا اور حضرت عثمان رض نے اسی تفسیر کو تسلیم فرمایا۔ لیکن امام ابوحنیفہ رح نے اس آیت سے ایک اور طرح استدلال فرمایا ہے کہ حمل کی مدت اور دودھ چھڑانے تک کی مدت دونوں الگ الگ تیس تیس مہینے گویا ارشاد باری کا منشا زیادہ سے

زیادہ مدّت کا تعین کرنا ہے کم سے کم مدّت مراد نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک حمل کی مدّت بھی زیادہ سے زیادہ تیس مہینے تک ہو سکتی ہے' ـــــــ اور شیر خوارگی کی مدّت بھی تیس ماہ تک مانی جاسکتی ہے اس طرح اگر ڈھائی سال کی عمر تک کا بچہ بھی کسی عورت کا دودھ پئے تو وہ اس عورت کا دودھ پینے والے تمام بچوں کا بھائی ہو جائے گا۔

دودھ کی شرکت سے نکاح کی حرمت کا حکم

قرآن میں محرمات کا بیان سورۂ نساء میں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (سورۂ نساء - ۲۳)

تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام کی گئی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یحرم بالرضاع مایحرم من الولادۃ (بخاری) (جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوجاتے ہیں) یعنی (۱) ماں دادی، نانی (۲) بیٹی اور نواسیاں (۳) بہنیں سگی اور سوتیلی (۴) بہن کی بیٹیاں (۵) بھائی سگے یا سوتیلے کی بیٹیاں (۶) پھوپھیاں (۷) خالائیں۔

رضاعت کی مدّت اور اُس کا حکم

رضاعت کی مدت دو برس ہے۔ دو برس سے زیادہ دودھ پلانا جائز نہیں لیکن اگر کسی عورت نے کسی کمزور اور کم طاقت بچے کو ڈھائی برس تک دودھ پلا دیا تو وہ بھی رضاعی ماں تسلیم کرلی جائیگی۔ اس کا خاوند رضاعی باپ اور اس کے لڑکے لڑکیاں دودھ پینے والے بچے کے بھائی بہن ہو جائیں گے۔ رضاعت کا یہ رشتہ اسی وقت قائم ہوگا جب بچے نے کسی عورت کا دودھ ڈھائی برس کی عمر کے اندر پی لیا ہو خواہ مسلسل پیا ہو یا صرف ایک بار ہی، دودھ کے چند قطرے ہی اس کے حلق میں گئے ہوں، سب کا حکم برابر ہے لیکن ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ مدّت مذکور کے اندر اگر بچے نے عورت کی چھاتی سے منہ لگا کر نہیں پیا بلکہ عورت نے اپنا دودھ نکال کر اُس کے منہ میں ڈال دیا حتیٰ کہ اُس کے منہ کے بجائے ناک میں بھی دودھ ڈال دیا جب بھی رضاعت کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔

منہ اور ناک کے علاوہ کسی اور ذریعے سے دودھ پہنچنے کا حکم

کسی عورت کا دودھ بچے کے کان یا آنکھ میں ٹپکایا یا انجکشن کے ذریعہ دماغ میں پہنچا، یا حقنے سے معدے میں پہنچ گیا یا ایسے ہی کسی اور غیر فطری طریقے سے اگر دودھ پہنچ جائے تو رشتۂ رضاعت قائم نہ ہوگا۔

کسی عورت کا دودھ پانی یا دوا میں ملا کر کسی بچے کو پلایا گیا تو اگر دودھ کی مقدار پانی یا دوا سے کم تھی تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی لیکن اگر دودھ کی مقدار زیادہ تھی اور پانی یا دوا کم تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت کا دودھ بکری یا گائے کے دودھ میں ملا کر پلایا گیا تو بھی مقدار کو دیکھا جائے گا اگر عورت کا دودھ زیادہ تھا تو وہ اس بچّے کی رضاعی ماں ہو جائے گی اور اس کے بچے اس کے رضاعی بھائی بہن ہو گئے۔

عورت کا دودھ دوا میں ملانا جائز نہیں اور ایسی دوا کا کھانا اور لگانا حرام ہے۔ کان اور آنکھ میں بھی عورت کا دودھ ڈالنا جائز نہیں ہے۔

کنواری لڑکی جس کی عمر نو برس سے زیادہ ہو اگر اُس کے دودھ نکل آئے اور وہ دو برس سے کم عمر والے بچّے کو پلا دے تو یہ لڑکی اُس بچّے کی رضاعی ماں ہو جائے گی اور اُس کے تمام رشتے اس کے لئے حرام ہو جائیں گے۔

رضاعت کا ثبوت

دودھ کا رشتہ یا تو شہادت سے ثابت ہوتا ہے یا زوجین کے اقرار سے۔ اگر نکاح ہونے سے پہلے یہ شہادت مل جائے کہ مرد اور عورت نے کسی ایک عورت کا دودھ مدّت رضاعت کے اندر پیا تھا تو اُن کا نکاح حرام ہو جائے گا لیکن اگر نکاح ہو چکنے کے بعد یہ شہادت ملتی ہے تو مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو معتبر مردوں کی گواہی یا پھر ایک معتبر مرد اور دو معتبر عورتوں کی گواہی دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لئے کافی ہوگی، ایک شخص کی گواہی کافی نہیں ہے اور چار عورتوں کی گواہی بھی کافی نہیں ہے، گواہوں میں ایک مرد ہونا ضروری ہے۔ گواہی دینے والے زوجین کے سامنے شہادت دیں کہ دونوں میں رضاعی رشتہ ہے تو اُن پر واجب ہوگا کہ خود ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں، خواہ مباشرت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اگر ہو چکی ہے تو واجب یہ ہے کہ زبان سے

کہہ کر عقد کو فسخ کر دیں مثلاً خاوند گواہوں کے سامنے کہے کہ اس عقد زوجیت کو جو ہم نے کیا تھا میں نے فسخ کر دیا، یا وہ عورت ایسا ہی کہے۔ علیحدہ ہو جانے کے بعد اب یکجائی گناہ ہوگی۔ مباشرت اس صورتِ خاص میں حد جاری کرنے کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ رضاعت کا ثبوت بہم پہنچنے سے نکاح فاسد قرار پاجاتا ہے اور نکاح فاسد کی صورت میں حد جاری نہیں ہوتی تاہم زوجین پر لازم ہے کہ وہ خود فسخ نکاح کر کے علیحدہ ہو جائیں؛ اگر وہ ایسا نہیں کریں تو حاکمِ شرع اُن کے درمیان علیحدگی کرادے تو نکاح جاتا رہے گا، اب مباشرت کا ارتکاب جرم قابل سزا ہوگا۔

اگر معتبر شہادت سے صرف عورت کو پتہ چل گیا کہ اُس کا خاوند اُس کا دودھ شریک بھائی ہے اور خاوند باہر گیا ہوا ہے تو جب وہ واپس آئے تو عورت پر واجب ہے کہ اُس سے علیحدہ رہے یہاں تک کہ وہ باقاعدہ عقد فسخ کرلیں یا قاضی فسخ کرادے، عورت کے لئے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ رضاعت کا فیصلہ ہونے سے پہلے کسی اور سے شادی کرے۔

اگر دودھ کی شرکت کی اطلاع خاوند کو ہو گئی اور بیوی کو نہیں ہوئی تو خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی سے علیحدہ رہے کیونکہ اب مباشرت گناہ ہے۔

اگر کسی ایک معتبر عورت نے میاں اور بیوی کو بتایا کہ دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے تو چار صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ دونوں (میاں اور بیوی) اس کی بات کو سچ مان لیں تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔ اب اگر مباشرت نہیں ہوئی ہے تو بغیر کچھ اعلان کئے علیحدہ ہو جانا کافی ہے، عورت اس صورت میں مہر کی مستحق نہ ہوگی اور اگر مباشرت ہو چکی ہے تو اعلان کر کے علیحدگی واجب ہے اگر خود ہی جُدا نہ ہوں تو قاضی پر واجب ہے کہ ان میں علیحدگی کرادے کیونکہ اُس عورت کی بات کو سچ مان لینا اس امر کا اقرار ہے کہ عقد فاسد ہو گیا۔

۲۔ اگر دونوں اُس عورت کی بات کو جھٹلا دیں تو اس صورت میں نکاح فاسد نہیں ہوگا لیکن احتیاط اس میں ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ رہیں تاوقتیکہ کوئی یقینی فیصلہ نہ ہو جائے۔ پھر اگر یہ اطلاع اُنھیں مباشرت کے بغیر ہوئی ہے تو خاوند پر کسی مہر کی ادائگی واجب نہیں ہے تاہم افضل یہ ہے کہ نصف مہر ادا کردے اور عورت کے لئے بہتر یہ ہے کہ اُس میں سے کچھ نہ لے اور اگر

یہ بات مباشرت کے بعد معلوم ہوئی تو طے شدہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کمتر ہو اُس کا ادا کرنا لازم ہے، ایام عدت اور دیگر اخراجات ادا کرنا لازم نہیں لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ وہ بھی ادا کر دیئے جائیں۔

۳۔ اگر اُس عورت کی اطلاع کو خاوند صحیح مان لے لیکن بیوی اس کو نہ مانے تو عقد فاسخ ہو جائے گا لیکن خاوند پر مہر واجب الادا رہے گا خواہ اطلاع مباشرت سے پہلے ہوئی ہو یا بعد میں لیکن علیحدگی خاوند کی جانب سے ہوگی۔

۴۔ تیسری صورت کے برعکس اگر بیوی اُس اطلاع کو سچ مان لے لیکن خاوند اُسے جھوٹ بتائے تو عقد فاسد نہ ہوگا۔ البتہ بیوی کو یہ حق ہوگا کہ اس کے لئے خاوند کو قسم دلائے اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو ان میں علیحدگی کرا دی جائے گی۔

یہ مسائل اس صورت میں ہیں جب اطلاع دینے والی عورت معتبر ہو لیکن اگر وہ قابل اعتبار نہ ہو تو اُس کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی اگر دونوں میاں بیوی نامعتبر گواہوں کی باتوں کو مان لیں یا صرف خاوند مان لے تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور معاملہ مشتبہ ہو جائے گا۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ علیحدہ ہو جائیں۔

مذکورہ مسائل گواہی سے متعلق ہیں، رہا معاملہ اقرار کا تو اگر میاں بیوی دونوں نے رضاعت کا اقرار کر لیا، خواہ رضاعی بھائی بہن ہونے کا یا اس بات کا کہ دودھ پلانے والی ایک دوسرے کی ماں یا پھوپی یا خالہ وغیرہ ہے تو اُن کا نکاح فسخ ہو جائے گا خواہ یہ اقرار مباشرت سے پہلے کریں یا بعد میں۔

اگر اقرار صرف خاوند کرتا ہے تو اُس کے اقرار پر عمل کیا جائے گا جب تک وہ اس سے رجوع نہ کرے، رجوع تب ہی کر سکتا ہے جب اُس نے تاکیداً اقرار نہ کیا ہو یعنی یوں نہ کہا ہو کہ یہ سچ ہے یا یہ پکی بات ہے یا یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ وہ عورت میری دودھ شریک بہن ہے۔ اگر اُس نے اس طرح نہیں کہا اور جو کچھ کہا تھا اُس سے پلٹ گیا یا یہ کہا کہ میں نے جس بات کا [illegible] کیا ہے وہ غلطی سے کیا تھا تو ایسی صورت میں رجوع کر لینا درست ہوگا اور زوجیت [illegible] ہے گی۔

اگر یہ اقرار صرف بیوی کی طرف سے ہو مثلاً یہ کہے کہ میں اُس کی دودھ شریک بہن ہوں تو اُس کا کہنا معتبر نہیں ہے۔ اگر اُس نے اپنے اقرار پر اصرار کیا اور خاوند نے اُس کو طلاق دیدی تو امام مالکؒ کے نزدیک وہ مہر کی حقدار نہ ہوگی کیونکہ اُس نے خود عقد کے فاسد ہونے کا اقرار کیا۔

دودھ پلانے والی کی شہادت

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رضاعت کی گواہی دودھ پلانے والی کی قبول کر لی جائے گی بشرطیکہ وہ دودھ پلانے کی اُجرت کا مطالبہ نہ کرے تاکہ خود غرضی کا الزام عائد نہ ہو، اور اُس کی گواہی درست نہ ہوگی جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں:

۱۔ رضاعت کا وقت بتائے کہ اس نے فلاں وقت دودھ پیا تھا کیونکہ ممکن ہے کہ اُس نے اُس کو دو سال کی عمر کے بعد دودھ پلایا ہو یا خود اُس کی عمر نو سال سے کم ہو۔

۲۔ وہ یہ بھی بتائے کہ اس نے کتنی بار دودھ پلایا ہے۔

۳۔ وہ درمیانی فاصلے بھی بیان کرے۔

۴۔ وہ یہ بھی بتائے کہ دودھ چھاتیوں سے اُترا اور بچے کو دیکھا کہ وہ اُسے چوس رہا یا گھونٹ لے رہا ہے اور دودھ فی الواقع بچے کے پیٹ میں پہنچا۔

رضاعت کے اقرار کی گواہی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ عورت ذات لَبَن (شیردار) ہے۔

رضاعت کے بارے میں زوجین کے اقرار کو قبول کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ جس بات کا وہ اقرار کرتے ہیں اُس کا ہونا ممکن ہو۔ اگر کوئی شخص دودھ کے رشتے سے بیوی کو بیٹی کہدے اور وہ عمر میں اُس سے بڑی ہے تو یہ غلط بیانی ہوگی۔

رضیع کے حقیقی بھائی بہن کا حکم

رضیع یعنی جس نے دودھ پیا ہے اُس کا نکاح مُرضِعَہ (دودھ پلانے والی) اور اُس کے شوہر اور اُس کے خونی رشتہ داروں سے جائز نہ ہوگا لیکن رضیع کے دوسرے بھائی بہن جنھوں نے اس خاص مرضعہ کا دودھ نہیں پیا خواہ وہ حقیقی ہوں یا سوتیلے یا رضاعی اُن کی اُس مرضعہ کے لڑکے لڑکیوں

سے شادی ہو سکتی ہے۔

رضیع کے لڑکے لڑکیاں مرضعہ اور اس کے شوہر کے لئے حرام ہیں کیونکہ رضیع کے بچے مرضعہ اور اُس کے شوہر کے پوتے پوتیاں اور اُس کی بیوی بہو ہوگئی، اسی طرح رضیعہ کے بچے مرضعہ اور اُس کے شوہر کے نواسے نواسیاں اور اُس کا شوہر داماد ہوگیا اور ان سب سے شادی حرام ہے، اس شعر میں یہ قاعدہ کلیہ بیان کر دیا گیا ہے جسے یاد رکھنا چاہیئے۔

از جانبِ شیر دہ ہمہ خویش اند حرام
وز جانبِ شیر خوارہ زوجان و فروع

بیوہ اور مطلقہ سے نکاح اسلام عورتوں کو نکاح کے رشتے میں بندھا رکھنا چاہتا ہے کیونکہ یہ بات اُس کی عزت و عصمت کو محفوظ رکھتی ہے عہد نبوی میں صحابۂ کرامؓ کی بیویاں جب بیوہ ہو جاتیں تو دوسرے صحابہ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا خاص لحاظ رکھتے کہ وہ بغیر کسی مرد کے جو اُن کی عفت و عصمت کا محافظ ہو نہ رہنے پائیں۔ رسولؐ اللہ اور صحابۂ کرامؓ کی سیرت میں اس کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔ قرآن کے اس ارشاد کے مطابق کہ و انکحوا الایامیٰ منکم (اپنی قوم کی بیواؤں سے نکاح کرو) اس کا بہت لحاظ رکھا جاتا کہ کوئی خاتون بغیر کسی سرپرست کے زندگی نہ گزارے۔ بیوہ کے لئے عدت چار مہینے دس دن۔ مطلقہ کی عدت تین حیض اور حاملہ بیوہ یا مطلقہ کی عدت بچے کی پیدائش ہے یعنی اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اس مقررہ مدت کے ختم ہونے سے پہلے نکاح کرنا حرام ہے۔

زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً (زنا کرنے والا بجز زانیہ اور مشرکہ عورت کے کسی سے نکاح نہ کرے) اسلامی شریعت نے جو طریقے ایک مرد کو کسی عورت سے متمتع کرنے کے مقرر کر دئیے ہیں ان کے علاوہ کسی اور طریقے سے یعنی مقررہ حدود کو توڑ کر یہ تعلق قائم کرنا اصطلاحِ شریعت میں زنا کہلاتا ہے اور اس کی شناعت اس درجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ایسے مرد و عورت کو قبول کرنے سے باز رہتا ہے، جو لوگ شرعی قوانین کے پابند نہ ہوں ان کو شریعت خارج از اسلام

قرار دیتی ہے اور انھیں وہی حیثیت دیتی ہے جو ایک مشرک کی حیثیت ہو۔ چنانچہ زانیہ کے لئے کوئی عدت نہیں۔ اگر اُس کو حمل رہ گیا ہے تو اُسی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے جس کا حمل ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اُس سے نکاح کرے تو اُسے مباشرت نہ کرنا چاہئیے تاکہ حمل میں اختلاط واقع نہ ہو۔

نکاح کے باب میں مستحب امور کفارت اور مہر کے بیانات میں بہت سی باتوں کا ذکر کیا جا چکا ہے جو آدمی کی معاشی اور معاشرتی حیثیت کے لحاظ سے رشتۂ نکاح قائم کرتے وقت پیش نظر رہنا چاہئیں۔ اخلاق و دیانت کا تقاضا ہے کہ شادی کے مواقع پر اسراف سے بچا جائے کیونکہ حیثیت سے زیادہ جو عمل کیا جائے گا وہ پریشانی اور بوجھ بڑھانے والا ہوگا اور نکاح کی برکتوں کو گھٹانے والا ہوگا، اور مسرت کے بجائے رنج و غم میں اضافہ کرے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اعظم النکاح برکۃً ایسرہ مؤنۃً" (سب سے زیادہ مبارک نکاح وہ ہے جو سہل تر ہو) یعنی مادی پریشانی اور بار کا سبب نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس لڑکے کے دین و اخلاق سے مطمئن ہو جاؤ اُس سے اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو تکن فِتنَۃ فی الارض و فساد عریض" (زمین میں عظیم فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا)۔ ان ارشادات میں واضح کر دیا گیا کہ شادی بیاہ کی تقریب کو نہایت سادہ کم خرچ اور اخلاقی حدوں کے اندر ہونا چاہئیے، بہت سی رسوم اور غیر ضروری جہیز جو محض مادی خواہشات کی پیدا کردہ ہیں دین و اخلاق سے اُن کا کوئی واسطہ نہیں بلکہ اُلٹے تباہ کن ہیں۔

خِطبہ (منگنی) یہ امر مستحب ہے کہ جب نسبت طے کی جا رہی ہو، تو ہونے والی بیوی کو دیکھ لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار صفات میں سے کسی نہ کسی صفت کی بنا پر ایک مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے: حسن و جمال، مال و دولت، خاندانی وجاہت، دین و اخلاق۔ پھر فرمایا۔ "فاظفر بذات الدین تربت یداک" (تم دین والی کو حاصل کر کے سُرخ رو ہو جاؤ تاکہ بھلائی سے محروم نہ رہو) درحقیقت یہی چاروں باتیں دیکھی جاتی ہیں اور دیکھنا بھی چاہئیے۔ جس عورت میں یہ چاروں صفتیں موجود ہوں تو بہت خوب ہے۔ مگر وجہ ترجیح چوتھی صفت ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، دوسری صفتیں عارضی اور جلد ختم ہونے والی ہیں! اس

کے علاوہ وہ ایسی ہیں کہ اگر دین و اخلاق نہ ہو تو وہ باعث عذاب ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آپؐ نے فرمایا: "الدُّنیا کلھا متاعٌ وخیرُ متاعِ الدُّنیا المرأۃُ الصالحۃُ" (پوری دنیا دولت مستعجل ہے جس کی لذت جلد زائل ہو جانے والی ہے، دنیا کی بہترین دولت نیک و صالح بیوی ہے) اس ارشاد سے دیندار، نیک اور صالح بیوی کا دنیا کی بہترین دولت ہونا مستند ہے اور محض حسن وجمال اور دولت وجاہ والی عورت کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی سند ہے کہ حسن وجمال اور جاہ ودولت کتنے دن باقی رہے گا۔ جبکہ نیکی اور صلاح کبھی زوال آشنا نہیں بلکہ وہ ضمانت ہے فقر وافلاس کو دور کرنے کی، اللہ کا وعدہ ہے "اِن یکونوا فقراءَ یُغنِھمُ اللہُ"۔ جس عورت کے ساتھ منگنی ہوئی ہے اس کو دیکھنا مرد کے لئے مباح ہے جس سے محض نکاح کی خواہشمندی اور طرفین کی رضامندی کا اظہار ہو، آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:

اذا خطب احدکم امرأۃ فقدر ان یری منھا بعض ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل (احمد و ابوداؤد) یعنی جب کسی عورت سے منگنی ہو جائے اور وہ مرد عورت کو کسی قدر دیکھ سکتا ہو کہ اُسے نکاح کی رغبت ہو تو وہ ایسا کر سکتا ہے) اس سے ظاہر ہوا کہ جس کے ساتھ منگنی نہ ہوئی ہو اُس عورت کو محض شوقیہ دیکھنا درست نہیں۔

شادی کے سلسلہ میں رائے دینا

لڑکے یا لڑکی کے بارے میں صحیح معلومات اُن کے عیب و ہنر سے متعلق کرنا اور مشورہ لینا مستحسن ہے اور جس سے مشورہ کیا جائے اسے صحیح رائے دینا لازم ہے کیونکہ حدیث میں ہے "المستشار مؤتمن" (جس سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ امانت دار ہوتا ہے) ایسی صورت میں واقعی عیوب کا ظاہر کر دینا غیبت نہیں ہے۔

کسی کے پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں ہے

اگر کسی مسلمان مرد نے کسی مسلمان عورت سے شادی کرنے کی بات چیت شروع کر دی ہو تو کسی دوسرے مسلمان کو اس جگہ پیغام نہیں دینا چاہئے جب تک ان کی بات چیت ختم نہ ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "لا یخطب الرجل علیٰ خِطبۃ اخیہ حتیٰ ینکح او یترک" (بخاری) (کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغام پر اُس

وقت تک پیغام نہ دے جب تک نکاح کر لینے یا نہ کرنے کی بابت طے نہ ہو جائے۔)

منگنی کی رسم ادا کرنے کا جو دستور ہے مثلاً مٹھائی، سبزی، پھل اور نقد روپیہ یا زیور کا لینا دینا اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ اسراف ہے جس میں بعض رسوم مکروہ تحریمی ہیں اور بعض مکروہ تنزیہی۔ لہٰذا ان سے بچے رہنا چاہیئے۔ عورت کا تعلیم یافتہ ہونا بہت اچھی صفت ہے بشرطیکہ اس سے مقصد اصلاح حال اور بچوں میں اخلاقی صفات اور تعلقات کا احترام پیدا کرنا ہو۔ دفتر اور سیاست کی کرسی پر بٹھانا اور معاشی ذمہ داریاں عورت پر ڈالنا غیر فطری امور ہیں جس کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکلے۔ عورت کا دائرۂ عمل گھر کے باہر تک نہیں پھیلنا چاہیئے۔ البتہ اگر صاحب علم عورت ہو تو جس طرح عورتیں اس سے تحصیل علم کر سکتی ہیں اسی طرح مرد بھی شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے علم حاصل کر سکتے ہیں۔

عقد نکاح کے لئے اعلان

نسبت طے ہو جانے کے بعد نکاح کے لئے دن تاریخ اور وقت اور مقام کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ نکاح کے لئے تشہیر مستحب ہے، ایسے موقع پر دف، ڈھول یا نقارہ بجا کر یا جھنڈا بلند کر کے اعلان کیا جا سکتا ہے، رات کے وقت زیادہ روشنی حاصل کر کے بھی یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "نکاح اعلان کر کے کرو اور اس کی بہترین جگہ مسجد ہے" (ترمذی)

مستحب یہ ہے کہ نکاح جمعہ کے دن ہو، اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ عورت بذات خود نکاح میں شریک نہ ہو بلکہ اُس کا ولی ہو جو عاقل، نکوکار اور قریبی رشتے دار ہو اور گواہ بھی معتبر اور نیک ہوں۔ یہ امر بھی مستحبات میں سے ہے کہ عورت ایسے شخص کو پسند کرے جو دین پر قائم ہو۔ کسی فاسق یا بے دین سے شادی نہ کرے۔ سہولت پسند، خوش اخلاق اور فیاض طبع شخص کا انتخاب کرے۔ ایسا مالدار جو بخیل یا حریص ہو یا ایسا مفلوک الحال جو خرچ نہ چلا سکے دونوں لائق انتخاب نہیں۔

مقامِ نکاح

جیسا کہ ابھی حدیث کا حوالہ دیا جا چکا ہے، نکاح کی بہترین جگہ مسجد ہے گھر پر بھی نکاح ہو سکتا ہے خواہ لڑکی کا گھر ہو یا لڑکے کا۔ لڑکی کے گھر برات لے جانے کی رسم سہرے اور جوڑے کی رسم یا سونے کی انگوٹھی مرد کو پہنانے کی رسم اور باجا بجانے

کی رسم، یہ تمام رسمیں مکروہ یا حرام ہیں اس لئے ان سے گریز کرنا چاہئے۔

نکاح کے لئے بلاوا نکاح کے وقت اپنے قریبی اعزہ اور احباب کو بلا لینا پسندیدہ ہے لیکن لازم نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقع پر حضرت انسؓ کو بھیجا کہ جاؤ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کو اور انصار کے کچھ لوگوں کو بلا لاؤ، چنانچہ ان ہی کے سامنے آپ نے حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا۔ یہ نمونہ ہے ہمارے لئے اس میں نہ تو بلانے والے کو کچھ کرنا ضروری ہوتا ہے اور نہ آنے والوں کو زحمت ہوتی ہے اس سے زیادہ اگر کچھ کیا جائے گا تو اس میں زحمت بھی ہوگی اور اسوۂ حسنہ کی پیروی نہ ہو پائے گی۔

ولی کو لڑکی سے اجازت لینے کا طریقہ بالغہ لڑکی کا ولی دو گواہوں کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ اجازت لے کہ "میں تمہارا نکاح فلاں لڑکے سے اتنے مہر معجل یا مؤجل پر پڑھانا چاہتا ہوں تم اجازت دیتی ہو یا تم نے اجازت دی" اگر لڑکے کے بارے میں لڑکی کو پہلے نہیں بتایا جا چکا ہے تو اِذن لیتے وقت پورا تعارف کرا دینا چاہئے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ کون اور کیسا آدمی ہے۔ کنواری لڑکی کا خاموش ہو جانا، آنسو بہا دینا یا ہاں ہوں کر دینا اُس کی اجازت سمجھی جائے گی۔ اور اگر کنواری نہیں ہے یعنی ایک شادی بلوغ کی حالت میں پہلے ہو چکی تھی تو پھر اُسے صراحتاً "مجھے منظور ہے" "میں اجازت دیتی ہوں" کہنا چاہئے۔ نابالغہ لڑکی سے ولی کو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، ولی اپنی صوابدید سے نکاح پڑھا سکتا ہے۔

وکیل کے ذریعے اجازت لینا ولی اگر کسی آدمی کو وکیل بنا دے کہ تم اجازت لے کر نکاح پڑھا دو تو وکیل کو بھی دو گواہوں کے سامنے انھیں الفاظ کے ساتھ اجازت لینا چاہئے جیسے اوپر بیان ہوئے اور بالغ لڑکی سے صراحتاً اجازت لے لینا چاہئے، خاموشی یا رو دینا کافی نہیں ہے۔

ولی یا وکیل کے ساتھ گواہوں کو بھی الفاظ (اجازت کے) سننا چاہئیں۔

عام طور پر پہلے لڑکی سے اجازت لی جاتی ہے اور پھر لڑکے سے قبول کروایا جاتا ہے لیکن

اگر کہیں اس کے برعکس صورت واقع ہو یعنی لڑکے سے پہلے ایجاب کرایا جائے تو بالغ اور سمجھدار لڑکے سے صریح الفاظ کے ساتھ ایجاب قابلِ اعتبار ہوگا ورنہ نہیں۔ البتہ اگر لڑکا نابالغ اور ناسمجھ ہے تو ولی کی اجازت کافی ہے۔

قبول کرنے کا طریقہ جس طرح دو گواہوں کے سامنے اجازت لے گئی ہے اسی طرح دو گواہوں کی موجودگی میں قبول بھی ہونا چاہیے۔ قبول کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکے یا لڑکی سے یہ کہا جائے کہ میں فلاں لڑکے یا لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔ تم نے اسے قبول کیا؟ جواب میں صاف صاف کہنا چاہیے کہ میں نے قبول کیا۔ تین بار قبول کروانا لازم نہیں ہے، ایک ہی بار کافی ہے۔

مہر کا ذکر کرتے وقت معجل (فوراً ادا ہونے والا) یا موجل (بعد میں ادا ہونے والا) اور سکے کا نام یعنی اتنے روپے، اتنے ڈالر یا اتنے ریال یا اتنا سونا یا اتنی چاندی کی صراحت کر دینا چاہیے۔

خطبۂ نکاح ایجاب کے بعد اور قبول سے پہلے یا عقد ہونے سے پہلے خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ سب سے بہتر وہ خطبہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کی کتابوں میں مروی ہے:

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ	(۲) سب تعریفیں اللہ کو سزاوار ہیں پس ہم اس کی حمد کرتے اور اسی سے مدد کے طالب اور بخشش کے طلبگار ہیں اور اپنے نفس کی برائیوں اور بداعمالیوں سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔ جسے وہ راہ راست پر ڈال دے اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کر دے اسے ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

ہے، وہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

(۲) یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔

(۲) لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اُس کا جوڑا پیدا کیا اور اُن دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں جہان میں پھیلا دئے۔ تم اس اللہ کی نافرمانی سے ڈرو جسے تم اپنا حاجت روا جانتے ہو اور قرابت داروں کے ساتھ بدسلوکی سے ڈرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگراں ہے۔

(۳) یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

(۳) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہو۔

(۴) یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

(۴) اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے ہوئے ٹھیک بات کہا کرو تاکہ اللہ تمہارے کام بنادے اور تمہارے گناہ بخش دے اور جس شخص نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کی وہ بڑی کامیابی سے سرفراز ہوا۔

اس خطبے کے بعد ارشادات رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جو نکاح کے متعلق ہیں پڑھنا بھی نکاح کی محفل میں باعث برکت وہدایت ہیں اور ان ارشادات کی اطاعت واجب ہے:

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔

نکاح میری سنت ہے جو اس سے گریز کرے گا وہ میرا اُمتی نہیں ہے۔

اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهٗ مَئُوْنَةً۔ — سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم سے کم پریشانی اور کم سے کم خرچ ہو۔

دُعا عقد نکاح ہو چکنے کے فوراً بعد بیٹھے یا کھڑے ہوئے لوگوں کو دُعا مانگنا چاہیئے کہ اے اللہ ان کو برکت دے، ان پر اپنا فضل فرما، ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے ہمدردی اور غمخواری پیدا فرما اور بھلائی کے کاموں میں اتفاق واتحاد کی توفیق عطا کر۔ سنت یہ ہے کہ دونوں میاں بیوی کو رشتہ ازدواج قائم ہو جانے کی مبارکباد اس طرح دی جائے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمَا وَعَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِىْ خَيْرٍ وَّ عَافِيَةٍ — اللہ تعالیٰ تم دونوں کو مبارک کرے اور تم پر برکت نازل فرمائے اور دونوں خیر و عافیت سے رہو۔

دعوت ولیمہ ولیمہ اُس ضیافت طعام کو کہتے ہیں جو کتخدائی کی خوشی میں کی جائے۔ یہ ایک سنّت مؤکدہ ہے، یہ سنّت اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ جس مرد کا نکاح ہوا ہے وہ حسب توفیق اعزہ اور احباب کو کھلاتا پلاتا ہے۔ اگر جانور ذبح کرنے کا مقدور ہے تو سنّت یہ ہے کہ ایک بکری سے کم نہ ہو۔ صاحبِ توفیق کے لئے یہ مطالبہ کم سے کم ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ارشاد فرمایا:

اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔ — ولیمہ کرو خواہ ایک بکری ہی سے ہو۔

اگر مقدور نہ ہو تو حسب استطاعت جو بھی ہو سکے کافی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کے بعد یہ دعوت ولیمہ دی :۔

ما کان فیھا من خبز و لا لحم وما کان فیھا الا ان اَمَرَ بالانطاع فبسطت فالقی علیھا التمرَ والاَقط والسمن۔ (بخاری و مسلم) — اُس میں نہ تو روٹی تھی اور نہ گوشت تھا بلکہ آپؐ نے چمڑے کا دستر خوان بچھانے کا حکم دیا اس پر کھجوریں اور پنیر اور مسکہ رکھ دیا گیا، جسے لوگوں نے کھایا)

لڑکی والوں کے یہاں کسی طرح کی دعوت وغیرہ کا اہتمام غیر مسنون ہے، یہ بات الگ ہے کہ لڑکے کی طرف سے نکاح میں آئے ہوئے لوگوں کی خاطر مدارات بغیر کسی زحمت و تکلیف کے کردی جائے۔ لیکن اس کو دستور بنالینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرامؓ نے ایسا نہیں کیا ہے۔

دعوت ولیمہ طعام العرس کا نام ہے "عُرس" عقد ازدواج اور زفاف کے لئے بولا جاتا ہے یعنی زفاف اور کتخدائی کی خوشی میں کھانے کی دعوت کرنا اس کے علاوہ دوسری مسرت بخش تقریبات میں بھی کھانے کی دعوتیں دی جاتی ہیں اُن کے نام دوسرے ہیں مثلاً دعوتِ اِملاک املاک کے معنی ہیں زوجیت میں دینا، یہ نکاح سے قبل زوجہ بننے والی کی طرف سے دی جاتی ہے۔ دعوت خُرس، ولادت کی تقریب میں دی جاتی ہے۔ دعوت عقیقہ۔ مونڈن کی تقریب میں کھانا کھلانے کو کہتے ہیں۔ ختنہ کی تقریب میں جو دعوت ہوتی ہے اُس کو اِعذار اور بچّے کے قرآن ختم کرنے کی تقریب میں جو دعوت ہو اُس کو حِذاق کہتے ہیں، یہ لفظ حذق سے مشتق ہے جس کے معنی علمی مہارت کے ہیں۔ سفر سے واپس آنے کی تقریب میں جو دعوت ہوتی ہے اُس کو نقیعہ کہتے ہیں، یہ لفظ نقع سے مشتق ہے جس کے معنی گرد و غبار کے ہیں، تعمیر مکان کی خوشی میں جو دعوت دی جاتی ہے اُسے وکیرہ کہتے ہیں یہ غالباً وکر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں پرندے کا آشیانے میں آنا۔ اس کے علاوہ وہ کھانا جو غم کے موقع پر دیا جائے اُس کو وضیمہ کہتے ہیں یعنی میت کا کھانا، یہ پڑوسی یا کسی عزیز کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

ان تمام دعوتوں میں سنّت صرف دعوت ولیمہ ہے، باقی رہیں دوسری ضیافتیں تو وہ صرف جائز ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی دینی بُرائی نہ پیدا کی جائے۔ وضیمہ صرف محتاجوں کے لئے ہو تو باعث ثواب ہے، بشرطیکہ وارثوں سے مال نہ لیا گیا ہو۔ حنفی مسلک کے لحاظ سے یہ تمام باتیں لکھی گئی ہیں۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غمی کے موقع پر کھانے کی ضیافت مکروہ ہے، ختنے کے سلسلے میں دعوت بھی مکروہ ہے، مگر کچھ لوگ جائز کہتے ہیں، عقیقے کی دعوت کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ سنّت ہے۔

دعوتِ ولیمہ کا وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں اس طرح روایت کیا گیا ہے:

الولیمۃ اوّل یوم حق	ولیمہ پہلے روز کھلانا حق کو ادا کرنا ہے
والثانی معروف والثالث	دوسرے دن کا ولیمہ نیکی ہے تیسرے
ریاء وسمعۃ۔	دن ریا اور نمائش ہے۔

فقہائے کے نزدیک ولیمہ کا وقت عقد نکاح کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی کے مطابق رخصتی کے بعدِ پہلے دن ولیمہ سب سے بہتر ہے، دوسرے دن بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ امر مندوب یہ ہے کہ طعام ولیمہ کی دعوت ایک بار ہو۔ دوبارہ ضیافت بھی صحیح ہے بشرطیکہ دوسری بار جو لوگ بلائے جائیں وہ پہلی بار بلائے جانے والوں سے مختلف ہوں۔

دعوتِ ولیمہ میں لوگوں کو بلانا دعوت ولیمہ میں ممتاز لوگوں کو بلانا اور غریب اعزہ واحباب کو نہ بلانا سخت ناپسندیدہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

شر الطعام طعام الولیمۃ	سب سے ناپسندیدہ کھانا اُس ولیمہ کا کھانا
یدعیٰ لہا الاغنیاء ویترک	ہے جس میں مالدار لوگ بلائے جائیں
الفقراء۔	اور غربا رومحتاج چھوڑ دئے جائیں۔

پھر آپؐ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ:

شر الطعام الولیمۃ یمنعہا	سب سے بُرا ولیمہ کا کھانا وہ ہے جس میں اُن
من یاتیہا ویدعیٰ من	لوگوں کو روکا جائے جو آنا چاہیں اور اُنھیں
یأباھا۔	بُلایا جائے جو آنے سے رُکتے ہوں۔

دعوت ولیمہ وغیرہ کا قبول کرنا دعوت کا قبول کرنا سنت ہے اور دعوت ولیمہ کا قبول کرنا واجب ہے، دوسری دعوتوں کا قبول کرنا مستحب یا مباح ہے جیسے دوستانہ دعوت جسے مادُبہ کہتے ہیں۔ عقیقہ، نقیعہ، وکیرہ، خرس یا اعذار کی دعوتیں دی جائیں تو ان کا قبول کرنا مباح ہے یعنی انکار سے بہتر ہے، وہ دعوت جو اظہارِ فخر

یا ناموری کے لئے کی جائے اُس کا قبول کرنا مکروہ ہے اور حرام دعوت وہ ہے جو کسی ایسے شخص کو دی جائے جس کو تحفہ قبول کرنا حرام ہو جیسے فریقین مقدمہ میں سے کسی کا منصف کو دعوت دینا۔

دعوت قبول کرنے کی شرطیں

پہلی شرط یہ ہے کہ جس کو دعوت دی گئی ہو وہ متعین شخص ہو۔ اگر کسی نے عام دعوت دی کہ لوگو کھانا کھانے کو چلو یا کسی نے اپنے فرستادہ سے کہا کہ جو مل جائے اُسے کھانے کو بُلا لاؤ تو ایسی دعوت کا قبول کرنا کسی پر واجب نہیں ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ دعوت کرنے والا علانیہ فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو۔ بدکار، ظالم اور حرام کی کمائی کرنے والے کی دعوت قبول کرنا مسنون نہیں ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دعوت ولیمہ وغیرہ میں کوئی امر خلاف شرع نہ ہو رہا ہو، مثلاً شراب کی موجودگی یا اور کوئی منکر یعنی غیر اسلامی کام جیسے رقص و سرود، اور نامناسب گانا، باجا، ریکارڈنگ وغیرہ، ایسی صورت میں فوراً دعوت سے اُٹھ جانا چاہئیے اور اگر پہلے سے معلوم ہو تو جانا ہی نہ چاہئیے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کو دعوت دی گئی ہے وہ شرکت دعوت سے معذور نہ ہو مثلاً مریض یا روزہ دار نہ ہو۔ نفل روزہ دار کو اگر ولیمہ میں بلایا گیا ہو تو وہ وہاں جائے اور دعوت کرنے والے کو بتائے کہ وہ روزہ دار ہے اور پھر اُس کے حق میں دعائے خیر کر کے واپس آ جائے

اگر دو جگہ سے ایک ہی وقت میں دعوت آ جائے تو جس کا دعوت نامہ پہلے آیا ہو اُس کے یہاں جانا چاہئیے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی آپؐ گھر کے اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر کے پردے پر چند تصویریں ہیں، آپ اسی وقت واپس چلے گئے اور کھانا تناول نہیں فرمایا۔

تصویر کے احکام

دعوت ولیمہ قبول کرنے کے سلسلے میں تصویر کا مسئلہ بھی آجاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مدعو کو یہ علم ہو کہ جس جگہ دعوت میں جانا ہے وہاں تصویر بھی ہے تو دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا یا نہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ بجز اس صورت کے جب شرعاً اُس تصویر کو دیکھنا مباح نہ ہو۔ حکم ساقط نہ ہوگا۔ اس لئے کہ بے جان اشیاء کی تصویریں جیسے درخت مسجد و مینار چاند اور تارے وغیرہ کی

تصویریں دیکھنا جائز ہیں۔ البتہ جاندار ذی عقل یا غیر ذی عقل چیزوں کی تصویریں شرعی نقطۂ نظر سے حرام ہیں۔ اگرچہ وہ فاسد اغراض کے لئے بنائی گئی ہوں۔ مجسمے جو غیر اللہ کی پرستش کے لئے بنائے جاتے ہیں، اُن کو شدت سے حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ ان مجسموں کی تصویر یا جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے والی تصویریں رکھنا، بنانا، دیکھنا ناجائز ہے جس دعوت کے موقع پر ایسے مجسمے یا تصویریں ہوں وہاں دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اگر ان تصویروں کا مقصد علم سکھانا یا سیکھنا ہو تو مباح ہے جیسے علم تشریح الاعضاء کا سیکھنا سکھانا یا لڑکیوں کو گڑیاں کھیلنے کی اجازت جس سے غرض تربیت اولاد کی سوجھ بوجھ پیدا کرنا ہو۔ یہ تمام مقاصد مباح ہونے کے لئے کافی ہیں۔ اگر فرش پر، بستر پر اور تکیوں پر تصویر بنی ہو تو بھی جائز ہے کیونکہ اس طرح کی تصویر کا استعمال توہین آمیز ہے، الغرض شریعت اسلامی کا مقصد صورت گری یا بت پرستی کی مخالفت اور اُس کے آثار کو مٹانا ہے، لہٰذا ہر وہ شے جو بت پرستی کے قریب قریب ہو یا اُس کا ذکر باقی رکھے اُس کے علاوہ سب طرح کی تصویر جائز ہے۔ ایسی تصویر بھی جائز ہے جس میں کوئی ایسا عضو کٹا ہوا دکھایا گیا ہو جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں تاہم اگر اُسے احترام سے رکھا گیا ہو یا تمام اعضاء کامل ہوں تو وہ حلال نہ ہوگی۔

گانے کے مسائل

ولیمہ کی دعوت کے تعلق سے یہ سوال بھی اُٹھایا جاتا ہے کہ بعض گھرانوں میں ایسی تقریبات میں گانے اور تماشے کا بھی انتظام ہوتا ہے تو کیا ایسی صورت میں دعوت قبول کرنے کا حکم جاتا رہتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے کا حکم ساقط نہیں ہوتا جب تک وہ گانا اور کھیل تماشا ایسا نہ ہو جو شرعاً روا نہیں ہے، اگر معمولی کھیل تماشا اور جائز گانا ہو تو اس سے اجازت ولیمہ میں کوئی امر مانع نہیں۔ شریعت اسلامیہ میں رواداری کے ساتھ اخلاق کو سنوارنا اور طبائع کو بُری خواہشات کی گندگی اور گناہ سے بچانے کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے انسان کے ہر ایسے عمل کو جس میں خرابی کا شائبہ ہے حرام قرار دیا گیا ہے خواہ وہ بہ ظاہر اچھا معلوم ہوتا ہو چنانچہ گانا اس معنی میں کہ وہ لحن کے ساتھ آواز کی تکرار کا نام ہے جائز ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں لیکن اس کے ساتھ کچھ اور باتیں شامل ہو کر اُسے مکروہ اور حرام بنا دیتی ہیں یہی حال کھیل تماشے

کا ہے، چنانچہ ایسا گانا ممنوع قرار دیا گیا جس میں کسی عورت یا نوعمر لڑکے کے خط و خال، بالوں، آنکھوں اور پوشیدہ اعضائے جسم کی تعریف و توصیف کی جائے تاکہ سننے والے مفتون ہوں اسی طرح ایسے گانوں کی بھی ممانعت ہے جس میں شراب نوشی کی طرف رغبت دلائی گئی ہو یا ضیاع وقت کا سبب ہو اور امور واجب کی ادائگی میں حارج ہو لیکن اگر گانے میں ایسی کوئی بُرائی نہ ہو تو روا ہے لہٰذا ایسا گانا جو خواہش نفس کو بھڑکانے والا ہو حلال نہیں ہے ہاں اگر کسی وفات یافتہ خاتون کی اعلیٰ صفات کو بیان کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسی نوجوان کی شجاعت اور بہادری کو بیان کیا جائے تو بھی صحیح ہے کیونکہ ان اقدار کو حاصل کرنا ہر انسان کے بس میں نہیں ہوتا وہ گانا بھی حلال نہیں جس میں شراب کی تعریف و ترغیب ہو یہ باتیں شرعی نقطۂ نظر سے حرام ہیں۔ یہی حکم اُس گانے کا بھی ہے جس میں کسی انسان کا مذاق اُڑایا گیا ہو یا ہجو کی گئی ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی، ایسا کرنا دین اسلام میں حرام ہے، ایسا گانا اور اُس کا سننا جائز نہیں، البتہ ایسے گانے جن میں حکمت و نصیحت ہو یا وہ گانے جو گل و غنچہ، سبزہ و رنگ، دریاؤں اور آبشاروں کی روانی اور ایسے ہی مناظر قدرت کی تعریف میں ہوں یا جس میں غیر معین انسان کے حسن و جمال کی تعریف ہو اور کسی امر حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو مباح ہیں اور ان میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

ایسا کھیل تماشا جس میں گندی اور جھوٹی باتیں ہوں یا عورت کے اعضائے بدن کی نمائش ہو جنھیں دکھانا شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے یا لوگوں کے ساتھ تمسخر ہو اور نامحرم مردوں کے سامنے عورت کا رقص ہو، یہ سب باتیں حرام ہیں، ایسے ولیمے میں نہ شرکت حلال ہے اور نہ دعوت ولیمہ کا قبول کرنا جائز ہے۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا وہ دین کے تقاضوں کے موافق اور اہل فکر علماء کی عبارتوں سے ماخوذ ہے،

امام غزالی اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں کہ نصوص یعنی دینی تصریحات سے ثابت ہے کہ گانا، ناچنا، دف بجانا اور خوشی میں ڈھال اور نیزے کے ساتھ زنگیوں اور حبشیوں کا ناچ دیکھنا مباح ہے، یہ حکم تقریب یوم عید پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ وہ خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ اس میں شادی کی تقریب، ولیمہ، عقیقہ، ختنہ اور سفر سے واپسی اور ایسی تمام مسرت آگیں

تقریبات اور مواقع داخل ہیں جن میں شرعاً اظہار مسرت جائز ہے، چنانچہ اپنے بھائیوں سے ملاقات کرنا، ان کو دیکھنا اور ایک جگہ مل بیٹھ کر کھانا کھانا اور بات چیت کر کے خوش ہونا جائز ہے اور یہی مواقع ہیں جن میں عموماً گانا وغیرہ ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس گانے کے بارے میں ہے جس میں کوئی خرابی یا خلاف شریعت بات یا دینی نقطۂ نظر سے گھٹیا قسم کا مضمون نہ ہو کیونکہ ایسے گانے جن میں ایسے نقائص پائے جائیں اُن کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ حرام ہیں جس رقص کو انھوں نے جائز کہا ہے اُس سے مُراد مردوں کے وہ حرکات ہیں جو اظہار انبساط کے طور پر وہ کرتے ہیں اُن میں نہ کسی نفسانی خواہش کا تصور ہوتا ہے اور جن کے سامنے وہ اپنا یہ فن پیش کرتے ہیں وہ بھی ناشائستہ خیالات سے پاک ہوتے ہیں لیکن عورتوں کا ناچ اور وہ بھی نامحرم مردوں کے سامنے بالاتفاق حرام ہے کیونکہ اس میں شہوانی تحریک ہوتی ہے اور فتنہ پیدا ہوتا ہے نیز غیرت وحمیت کے منافی ہے یہی خرابی بے داڑھی مونچھ کے لڑکوں کے ناچ وغیرہ میں ہے جبکہ وہ ایسے لوگوں کے سامنے کیا جائے جن کی نفسانی خواہشات برانگیختہ ہوتی ہوں۔

امام غزالیؒ نے جواز رقص کا استدلال حبشیوں اور زنگیوں کے اس ناچ سے کیا ہے جو ایک بار عید کے روز مسجد نبوی کے احاطے میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہونے دیا اور آپ نے روا رکھا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اُسے دیکھیں اور آپ خود اُن پر آڑ کئے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے اس سے کوئی بُرا خیال نہیں پیدا ہوتا۔ غرض وہ ناچ جس میں بُرے خیالات نہ پیدا ہوں مباح ہے۔ احیاء العلوم میں امام شافعی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ "میں نے علمائے حجاز میں سے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا جس نے گانے کو مکروہ بتایا ہو بجز ان گانوں کے جن میں حسن صورت وغیرہ کا بیان ہو، چنانچہ نوائے شتربان (حُدی) اور آثار وعمارات کا ذکر اور اشعار کا خوش گلوئی سے لحن کے ساتھ پڑھنا مباح ہے۔

حنفی مسلک میں ناجائز گانا وہ ہے جس میں ناجائز (حیا سوز) مضامین ہوں اور شراب پینے کی تشویق ہو یا میکدوں کی تعریف یا کسی مسلمان یا غیر مسلم شہری کی بُرائی بیان کی گئی ہو لیکن اگر ایسے گانے سے مراد کسی کلام کی سند پیش کرنا ہو یا اظہار فصاحت وبلاغت مقصود ہو تو حرام

نہ ہوگا، اسی طرح اگر گانا جمالیات کے موضوع پر ہو، خیابانوں، مرغزاروں، چشموں، پہاڑوں اور بادلوں کی منظر کشی، ہو تو ایسے گانوں کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں (اقتباس از فتح القدیر)

مالکی فقہا نکاح کے اعلان کے لئے دف اور ڈھول وغیرہ کا استعمال جس میں گھنگرو نہ ہوں جائز کہتے ہیں، لیکن گانا وہی جائز ہے جو انصاری لڑکیوں کے اس گانے سے مشابہ ہو۔

اَتَیْنَاکُمْ اَتَیْنَاکُمْ   فَحَیُّوْنَا نُحَیِّیْکُمْ

وَلَوْلَا الْحَبَّةُ السَّمْرَاءُ   لَمْ نَحْلُلْ بِوَادِیْکُمْ

ترجمہ: ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے ÷ تم ہمیں مبارکباد دو ہم تمہیں مبارکباد دیتے ہیں

اگر گندمی رنگ کے دانے نہ ہوتے ÷ تو ہم تمہاری وادی میں نہ آتے

گانے کو حسن صوت اور ترنم کی حد تک حنبلی فقہا جائز قرار دیتے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ تلاوت قرآن میں ترنم اور خوش آوازی مستحسن ہے۔

بال کو رنگنے یعنی خضاب کا بیان

خضاب کے بارے میں حنفی فقہا کا مسلک یہ ہے کہ مرد کو داڑھی اور سر میں خضاب لگانا مستحب ہے لیکن ہاتھ اور پیر کا رنگنا مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنے سے عورتوں سے مشابہت ہے اسی طرح بغیر کسی شرعی مقصد کے بالوں کو سیاہ رنگنا مکروہ ہے مثلاً دشمن پر رعب جمانے کے لئے ہو تو مباح ہے لیکن عورتوں کے سامنے اپنی خوش نمائی کے لئے ہو تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ایسا کرنا مکروہ ہے، دوسرا قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ جس طرح مرد یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کی بیوی اُس کے لئے سنگار کرے ایسے ہی اُس کی بیوی اپنے شوہر کے لئے اس بات کی خواہشمند ہو تو مرد کے لئے خضاب کرنا جائز ہے۔

زفاف سنت کی روشنی میں

نکاح ہو جانے کے بعد پہلی رات کو عورتیں لڑکی کو اس کے شوہر کے کمرے تک پہنچاتی ہیں یہ طریقہ عہد نبوی میں بھی تھا جب دونوں میاں بیوی پہلی بار یکجا ہوں تو سب سے پہلے شوہر کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کی پیشانی پکڑ کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا   اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور وہ

وَخَيْرِ مَاجَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَاجَبَلْتَهَا عَلَيْهِ

(ابن ماجہ و ابوداؤد)

بھلائی چاہتا ہوں جو تونے اس کی فطرت میں رکھی ہے اور میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اُس کے شر اور اُس شر سے جو اس کی فطرت میں ہے۔

پھر ہم بستر ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا

اے اللہ ہم کو شیطان سے محفوظ رکھ اور جو اولاد تو دے اُس سے شیطان کو دور رکھ۔

اس موقع پر جو دُعا بتائی گئی اور جو ہدایتیں دی گئی ہیں اُن کا مقصد انسان کو حیوانی پستی سے اوپر اٹھانا ہے تاکہ وہ انسانیت سے نیچے نہ گرنے پائے جہاں تک جنسی جذبے کا تعلق ہے انسان اور حیوان میں یہ یکساں موجود ہے لیکن اس جذبے کی تسکین کی راہیں جُدا جدا ہیں، کوئی انسان حیوان کی طرح مکان وزمان اور شرم وحیا کی قیود سے آزاد ہوکر اپنے اس جذبے کی تسکین کرنا پسند نہیں کرتا۔ ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے نفس کو تسکین دینے کے لئے اپنی بیوی کے پاس جائے تو اُسے جامہ ولباس سے عاری نہ ہوجانا چاہئیے جیسے بکری اور بکرے ہوتے ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا فرشتے دو وقت آدمی سے جُدا ہوتے ہیں (۱) بیت الخلا میں جاتے وقت اور (۲) مباشرت کے وقت" فاستحیوھم واکرموھم" پس تم ان سے شرمایا کرو اور ان کا لحاظ کیا کرو۔

شوہر اور بیوی کے حقوق وفرائض

شریعت اسلامیہ نے نکاح کے رشتے کو قائم کرنے کے لئے جو ہدایتیں دی ہیں اُن کا مقصد اُس تقدس اور پاکیزگی کو یقینی بنانا ہے جس پر ایک صالح خاندان کی بنیاد قائم ہونا چاہئیے اس رشتے کو خوش گوار اور استوار رکھنے کے لئے شوہر اور بیوی کے حقوق وفرائض اور اُن کا دائرۂ عمل اور حدود واختیار بھی متعین کر دیئے ہیں کیونکہ یہی ایسا تعلق ہے جو ایک مرد اور ایک عورت کو اتنا قریب لے آتا ہے جیسے جسم اور اُس جسم کا لباس (جو ایک دوسرے

کے لئے لازم و ملزوم ہیں) اس تعلق کو پائیدار اور خوش گوار رکھنے کے لئے دونوں ذمہ دار بنائے گئے ہیں تاکہ یہ رشتہ نہ ٹوٹنے پائے اور نہ اس میں کمزوری آئے پھر چونکہ ایک مرد اور ایک عورت مل کر ایک خاندان کی بنیاد ڈالتے ہیں اور معاشرہ وجود میں آتا ہے جس کا نظم قائم رکھنے کے لئے ایک سربراہ ہونا ضروری ہے جو خاندان کا ذمہ دار اور نگراں ہو اور انتشار و بدنظمی سے محفوظ رکھ سکے۔ تو یہ منصب صرف مرد کو عطا کیا گیا ہے کیونکہ عورت اور مرد کی مخصوص فطرت کے پیش نظر مرد ہی میں قوام بننے کی صلاحیت ہے، قرآن نے اس فطری تفوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (النساء۔ ۳۴)

مردوں کو عورتوں پر قوام اس لئے بنایا گیا ہے کہ فطری طور پر اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔

قوام کے معنی "محافظ اور خبر گیری کرنے والا۔ ذمہ دار اور قائم رکھنے والا" یہ قوام کے معنی ہیں۔ میاں اور بیوی کے بنیادی حقوق برابر ہیں مگر مرد کو قوام کا منصب اُس کی مخصوص فطرت کے سبب دیا گیا ہے کیونکہ عورت فطرتاً اس ذمہ داری کو اس طرح انجام نہیں دے سکتی جس طرح مرد انجام دے سکتا ہے، یہ مطلب ہے بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کا، اس تفوق کا ذکر کرنے کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح اُن پر مردوں کے حقوق۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ۔ آیت ۲۲۸)

عورتوں کا حق مردوں پر اُسی طرح ہے جس طرح اُن کا حق عورتوں پر اور مردوں کو کچھ برتری حاصل ہے۔

عورتوں کے حقوق جن کا ادا کرنا مردوں پر واجب ہے

قوام اور ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے مرد پر حسب ذیل فرائض عائد کئے گئے ہیں۔

(۱) **مہر**۔ اس کی تفصیل بیان ہو چکی۔ یہ ایسا حق ہے کہ اگر نکاح کے وقت اس کا ذکر نہ آئے جب بھی شریعت نے مرد پر اس کی ادائگی ضروری قرار دی ہے۔ عام طور پر نکاح کرتے وقت مہر کا

تعین کر دیا جاتا ہے جو مرد کو بوقت نکاح ادا کر دینا چاہئیے لیکن اگر اس وقت ادا نہ کر سکتا ہو تو بیوی سے مہلت لے لینا ضروری ہے ورنہ عورت کو یہ حق ہو گا کہ شوہر کو اپنے قریب آنے سے روک دے۔ اس حق کے ادا ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو مرد اُسے ادا کر دے یا عورت اپنی خواہش سے یا مرد کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر اس کو معاف کر دے۔ اگر عورت پر معافی مہر کے لئے دباؤ ڈالا گیا تو اخلاقاً و قانوناً اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۲) نفقہ۔ سامان زندگی فراہم کرنے کا حق۔ نفقہ ان چیزوں کو کہتے ہیں جو خرچ کی جاتی ہیں، یعنی کھانے پہننے اور دوسری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مرد کو خرچ اُٹھانا جو اس پر بحیثیت قوام ہونے کے فرض ہے۔ نفقہ کے بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۳) سُکنیٰ۔ مکان جس میں سکون سے رہا جائے۔ بیوی کا یہ حق ادا کرنا شوہر پر واجب ہے تاکہ وہ آرام سے زندگی گزار سکے، اس کے بارے میں بھی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۴) حسنِ سلوک۔ کھانے کپڑے اور مکان کی ضرورت پوری کرنے کے بعد بیوی کا اپنے شوہر پر حق ہے کہ وہ بہتر برتاؤ کا اُس سے مطالبہ کرے اور مرد پر واجب ہے کہ وہ اچھے برتاؤ کا مظاہرہ کرے، اس بارے میں شریعت کی ہدایات آگے بیان ہوں گی۔

(۵) ظلم اور ایذارسانی سے باز رہنا۔ یعنی بیوی کا یہ حق ہے کہ اُس کا شوہر اس کے حقوق اس طرح ادا کرے جو عدل و انصاف پر مبنی ہوں اور تکلیف کا سبب نہ بنیں۔ اس سلسلے میں جو مسائل پیش آسکتے ہیں ان کی تفصیل آگے بیان ہو گی۔

نفقہ کا معیار قرآن مجید میں نفقہ کا ذکر کرتے ہوئے اُس کا معیار یہ رکھا گیا ہے کہ شوہر کی وسعت اور طاقت سے زیادہ نہ ہو، چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے:

عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ (بقرہ ۲۳۶)

خوش حال پر اُس کی قدرت کے مطابق اور تنگ حال پر اُس کی استطاعت کے مطابق نفقہ واجب ہے۔

سورۂ طلاق میں فرمایا گیا:

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ (طلاق ۷)

وسعت والے کو اپنی بیوی بچوں پر اپنی وسعت بھر خرچ کرنا چاہیئے اور جس کو نپا تلا میسر ہو اُسے جو کچھ اللہ نے دیا ہے اُس میں سے خرچ کرنا چاہیئے۔ (یعنی بخل نہ کرنا چاہیئے)

مطلب یہ ہے کہ عورت کی ضرورتیں اُس کی حیثیت اور مرضی کے مطابق پوری کرنے کی کوشش اُس کے شوہر کو کرنا چاہیئے جہاں تک اُس کی وسعت اجازت دے ' حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہؐ سے اُن حقوق کے بارے میں دریافت کیا جو بیویوں کے شوہروں پر ہیں تو آپؐ نے فرمایا:

اَن تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَ تَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِى الْبَيْتِ۔	جب تم کھاؤ تو انھیں بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو انھیں بھی پہناؤ' چہرے پر نہ مارو۔ نہ بُرے نام دھرو' ناگواری ہو تو اپنے سے جُدا کردو مگر گھر کے اندر۔

حجتہ الوداع کے خطبے میں جو اہم بنیادی باتیں آپؐ نے فرمائی ہیں اُن میں یہ بھی ہے کہ "وَ اِنَّ لَهُنَّ عَلَيْكُمْ نَفَقَتُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" اُن کے کھانے پینے اور اُن کے ملبوسات کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے دستور کے مطابق۔ فقہاء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو طے فرمایا ہے وہ یہ ہے:

(۱) شوہر کا معیار زندگی بلند ہے اور آمدنی اچھی ہے اور بیوی کا گھرانا بھی اسی حیثیت کا ہے تو نفقہ بھی اسی معیار کے مطابق دینا پڑے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنے گھر وہ اچھا کھاتی اور اچھا پہنتی ہو اور شوہر اس کے معیار کے مطابق کھلا پہنا سکتا ہو، پھر بھی وہ بیوی کو موٹا جھوٹا کھلائے پہنائے، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو عورت قانوناً اُس سے اپنے معیار کا کھانا کپڑا طلب کرسکتی ہے۔

(۲) اگر مرد خوش حال ہو اور آمدنی بھی اتنی ہو کہ خوش حال زندگی گزار سکتا ہو لیکن بیوی کسی غریب گھرانے کی ہو تو مرد کو نفقہ اپنی حیثیت کے مطابق دینا ہوگا اُس کو غربت و تکلیف میں اس لئے مبتلا رکھنا کہ وہ غریب گھرانے کی ہے جائز نہیں، بیوی کو قانوناً حق ہے کہ شوہر سے اپنی حیثیت کے مطابق نفقہ دینے کا مطالبہ کرے۔

(۳) اگر مرد غریب اور تنگ حال ہے اور عورت بھی غریب گھر کی ہے تو پھر مرد کو اپنی اور عورت کی حیثیت کے مطابق ہی کھانے اور پہننے کا خرچ دینا چاہیئے، عورت مرد کی حیثیت سے زیادہ نہیں مانگ سکتی۔

(۴) اگر مرد غریب ہو اور عورت خوش حال گھرانے کی تو مرد کو اپنی حیثیت کے ساتھ مقدور بھر اُس کے آرام و آسائش کا لحاظ بھی رکھنا چاہیئے اور عورت کا بھی اخلاقی فرض ہے کہ وہ مرد پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے تاکہ وہ کوئی حرام ذریعہ آمدنی تلاش کرنے پر مجبور نہ ہو یا دونوں کے تعلقات میں بدمزگی پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہمیشہ تنگی سے بسر کرتی رہیں، جب فتوحات سے آمدنی میں اضافہ ہوا تو آنحضرتؐ نے اصحاب صفہ اور نادار مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ ازواجِ مطہرات نے بھی خواہش کی کہ اُن کا نفقہ زیادہ ہو مگر یہ خواہش نبی کریمؐ اور اللہ کے نزدیک ان کے مرتبے سے فروتر تھی، چنانچہ اس پر قرآن میں یہ تنبیہ فرمائی گئی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (احزاب۔ ۲۹)

اے نبیؐ! اپنی ازدواج سے کہیئے کہ اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی زینت مطلوب ہے تو آؤ میں تمہیں مال اور پوشاک دے کر خوبصورتی سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر (جنت) کی طلبگار ہو تو اللہ نے نیک دل اور نیک عمل عورتوں کے لئے بہت بڑی نعمتوں والا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے کیا کہا؟ سب نے یک زبان ہو کر فرمایا: ہمیں خدا اور رسولؐ اور دار آخرت کے سوا کچھ نہیں چاہیئے اور پھر کبھی نفقے میں اضافے کا سوال نہیں کیا۔ اس آئینے میں ہر مسلمان عورت کو اپنا چہرہ دیکھنا چاہیئے۔

(۵) آرائش و زیبائش کی وہ چیزیں جو عورتوں کے لئے ضروری ہیں مثلاً تیل، کنگھی، صابون وغیرہ وہ بھی نفقہ میں داخل ہیں اور اُن کا فراہم کرنا مرد پر ضروری ہے لیکن غیر ضروری آرائش و

زیبائش کا سامان جیسے لپ اسٹک اور بیوٹی پاؤڈر وغیرہ تو ان کی فراہمی مرد پر واجب نہیں۔

۶۔ اگر عورت ایسے گھر کی ہے جہاں گھر والے اپنے ہاتھ سے کام نہیں کرتے بلکہ نوکر چاکر کرتے ہیں تو اگر عورت ملازم کا مطالبہ کرے اور شوہر ملازم رکھ سکتا ہو تو اُسے ملازم رکھنا پڑے گا لیکن اگر ملازم رکھنے سے معذور ہے تو پھر اندر کا کام خود بیوی کو کرنا ہوگا اور باہر کا کام کرنا خود شوہر کی ذمہ داری ہوگی۔

۷۔ اگر عورت اتنی کمزور یا مریض ہے کہ گھر کا کام انجام نہیں دے سکتی تو شوہر ایسی عورت کو کام کاج پر مجبور نہیں کر سکتا اور اُس کو بٹھا کر روٹی کپڑا دینا ہوگا۔ اس ذیل میں چند فقہی مسائل بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ کپڑوں کی دھلائی مرد پر واجب نہیں ہے بلکہ صرف صابون اور پانی فراہم کر دینا ضروری ہے، عورت کو کپڑے اپنے ہاتھ سے دھونا چاہیئے، اسی طرح بعض علماء نے دوا علاج کا خرچ شوہر پر واجب نہیں قرار دیا، صرف روٹی، کپڑا فراہم کرنا اُس کے لئے ضروری ہے، اسی طرح وقت ولادت دائی وغیرہ کی فیس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اُسے وہی برداشت کرے گا جو اُسے بلائے گا۔

یہ تمام مسائل اس وقت اُٹھتے ہیں جب شوہر اور اُس کی بیوی میں اختلاف ہو جائے اور وہ شوہر سے علیحدہ رہنے لگے، ورنہ نکاح کے ذریعے جو تعلق ایک مرد اور ایک عورت میں قائم ہوتا ہے اُس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خوش گوار سے خوشگوار تر ہو اور وہ محض قانونی ہی نہیں بلکہ اخلاقی تعلق بھی بن جائے، ایک دوسرے کی تکلیف و آرام کا خیال ہو اور دونوں اخلاقاً ایک دوسرے کی مدد کرنے کے خواہشمند ہوں جہاں یہ صورت ہوگی وہاں اس طرح کے مسائل پیدا ہی نہیں ہوں گے۔

۸۔ جس لڑکی سے نکاح ہوا ہے وہ بالغ ہو مگر رخصتی نہ ہوئی ہو یعنی اپنے ماں باپ کے پاس ہو تب بھی وہ مستحق ہے کہ نفقہ اُس کو دیا جائے۔ بشرطیکہ رخصتی شوہر کی مرضی سے ملتوی ہو۔

۹۔ اگر لڑکی نابالغ ہے اور ابھی شوہر کے گھر نہیں آئی ہے تو نفقہ دینا واجب نہیں لیکن اخلاقاً دے سکتا ہے۔

۱۰۔ اگر بیاہی عورت، شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے ماں باپ یا کسی عزیز کے گھر چلی جائے تو جتنے دن وہاں رہے گی اُس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، البتہ اگر اجازت سے جائے تو بدستور نفقہ ملے گا۔

۱۱۔ اگر بیوی بالغ ہے مگر شوہر ابھی نابالغ ہے تو بھی اُس کو نفقہ ملے گا۔

۱۲۔ اگر شوہر قدرت کے باوجود اتنا کم خرچ کرنے کے لئے دیتا ہو کہ اس کی یا بچوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی ہوں تو مجبوری کی حالت میں شوہر کی اجازت کے بغیر اُس کے مال سے اپنی ضرورت پوری کر سکتی ہے، ایسی ہی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے مال سے ان کی بیوی ہندہ کو خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"خُذِی مَا یَکْفِیْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ" (اچھی نیت سے اتنا لے سکتی ہو جتنا تمہاری اور تمہارے بچوں کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔)

(۱۳) شوہر ایک مہینہ کا خرچ بیوی کو دیتا ہو اور اُس میں سے وہ کچھ بچالے تو وہ عورت کا حق ہے مرد کو اُسے واپس لینا یا نفقے کی کمی کرنا روا نہیں لیکن اگر عورت کنجوسی کے سبب خرچ نہیں کرتی جس کا اثر اُس کی صحت یا حُسن وجمال پر بُرا پڑتا ہو تو شوہر قانونًا اس سے منع کرنے کا مجاز ہے کیونکہ عورت کی صحت اور اُس کی ظاہری کشش مرد کا حق ہے جس کو ضائع کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ (درمختار)

۱۴۔ اسی طرح فضول خرچی سے باز رکھنا بھی شوہر کا حق ہے کہ مہینہ بھر کا خرچ صحیح ڈھنگ سے چلے اگر بے توجہی سے خرچ کر دیا یا چوری ہو گیا تو شوہر پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالی جائیگی (درمختار)

سُکنیٰ کے مسائل

نفقہ کے بعد تیسرا حق بیوی کا شوہر پر یہ ہے کہ وہ اُس کے لئے رہنے کا گھر فراہم کرے، یہ فرض شوہر پر طلاق کے بعد بھی اختتام عدت تک باقی رہتا ہے، قرآن میں ہے:

اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ (الطلاق۔ ٦)

اُن کو مقدور بھر وہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود رہتے ہو۔

اس کی اہمیت اتنی ہے کہ رسول اللہؐ نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی اور دوسرا کام ازواجِ مطہرات کے لئے مکان تعمیر کرنے کا فرمایا۔ فقہانے بیوی کے لئے گھر فراہم کرنے کی ہدایات یوں دی ہیں:

(۱) شوہر کے گھر کے لوگوں کے ساتھ مل جُل کر رہنا بہت پسندیدہ ہے تاہم گھر کا ایک کمرہ یا ایک حصہ مخصوص ہونا چاہیئے جہاں شوہر اور بیوی بے تکلفی سے رہ سکیں اور بیوی اپنی چیزیں بحفاظت رکھ سکے۔

(۲) اگر بیوی اپنے رہنے کے لئے ایک علیٰحدہ گھر کا مطالبہ کرتی ہے تو اگر شوہر صاحب حیثیت ہے تو اُسے ایسا گھر مہیا کر دینا چاہئیے جس میں اُس کی ضرورت کی تمام چیزیں مثلاً غسل خانہ پاخانہ، باورچی خانہ وغیرہ ہو۔ لیکن اگر اُس کی حیثیت ایسی نہیں ہے تو جو گھر اُسے میسّر ہے اُس میں ایسی جگہ اُس کو دی جائے جس میں وہ جسے چاہے آنے دے اور جسے نہ چاہے نہ آنے دے، اپنا سامان محفوظ کر سکے اور میاں بیوی لیٹ بیٹھ سکیں اس کے علاوہ غسل خانہ، بیت الخلا اور باورچی خانہ الگ دینا اگر ممکن نہ ہو تو زیادہ ضروری نہیں۔ (شرح درمختار)

حسنِ سلوک یہ امر تمام حقوق و فرائض کی روح ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی سے حسن سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ازدواجی تعلق کوئی وقتی اور کاروباری تعلق نہیں بلکہ جان اور بدن جیسا تعلق ہے جو آخری سانس تک اس دنیا میں قائم رہنے والا ہے اور آپس کا حسنِ سلوک اس تعلق کو پائدار تر کر کے دارِ آخرت تک قائم رکھتا ہے۔ حسنِ سلوک کا مطلب صرف مادّی ضروریات زندگی کی فراہمی نہیں ہے، یہ تو وہ قانونی حقوق ہیں، جنھیں بہرحال ادا کرنا ہی پڑتا ہے خواہ بخوشی یا بجبر لیکن اس لطیف رشتے کا تقاضا اس سے زیادہ کا طالب ہے، نازک جذبات کا احساس نرمی اور ملاطفت دل کو جیتنے والا برتاؤ، سچی خیر خواہی، بھول چوک ہو جانے پر درگزر کرنے کا رویہ، میٹھی گفتگو، بات بات پر ٹوکنے اور جھڑکنے سے پرہیز، بیوی سے خدمت لینے میں اُس کی کمزور اور نازک فطرت کا لحاظ۔ اور سب سے بڑھ کر اللہ کا خوف اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی پیروی ۔ ارشاد نبوی ہے "خیرکم خیرکم لاھلہ" (تم میں اچھا وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہو) آپؐ نے اپنے بارے میں فرمایا۔ "میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ تم میں سب سے بہتر ہوں۔" ایک دوسرا ارشاد ہے "خیارکم خیارکم لنسائھم" (تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر ہیں)

اوپر کی حدیثیں صحیح ترمذی اور مسند احمد سے نقل کی گئی ہیں، صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثیں آگے بیان ہوں گی۔ قرآن مجید میں معروف طرز عمل اختیار کرنے کا حکم موجود ہے۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء۔ ۱۹)

اور عورتوں کے ساتھ خوبی اور اچھے برتاؤ کے ساتھ رہو۔ اگر تم انھیں کسی وجہ سے ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ جو بات تم کو ناپسند لگتی ہو اُسی میں اللہ نے تمہارے لئے بہت بھلائیاں اور خوش نصیبیاں رکھ دی ہوں۔

اس آیت میں دو حکم دیئے گئے ہیں (۱) معروف (بھلے) طریقے سے رہو سہو (۲) اگر کوئی بات ناپسند ہو تو فوراً نفرت نہ کرنے لگو کیونکہ ممکن ہے اُس بات میں تمہارے لئے بہت سی بھلائیاں پوشیدہ ہوں جو تمہارے لئے خیر و برکت کا سبب بن جائیں۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ کا یہ ارشاد مروی ہے:

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً ‌إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ۔ (مسلم)	مومن کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ مومنہ بیوی میں کوئی بات اچھی نہ لگے تو اُس سے نفرت کرنے لگے، دوسری کوئی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اُسے بہت اچھی لگے۔

ہو سکتا ہے کہ ظاہری حسن و جمال میں ایک عورت مرد کے معیار سے فروتر نظر آتی ہو مگر باطن اُس کا بہت اعلیٰ و ارفع ہو۔ صورت و شکل کسی کے اختیار کی چیز نہیں جبکہ سیرت و کردار کو بلند کرنا اختیار میں ہوتا ہے۔ عورت فطرتاً کمزور ہوتی ہے اس لئے، اگر کسی کمزوری کا اظہار ہو تو اُسے نرمی اور ملاطفت سے دور کیا جا سکتا ہے، سختی اور درشتی سے نہیں۔ اس بارے میں رسول اللہ کی یہ حدیث راہ نمائی کرتی ہے:

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ۔ (بخاری و مسلم)	عورتوں سے نیک برتاؤ کرو۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو تم اُسے توڑ دو گے اور اگر تم اسے اپنے حال پر رہنے دو گے تو وہ بدستور خمیدہ رہے گی لہٰذا تم عورتوں سے نیک برتاؤ کرتے رہو۔

ظلم اور ایذا رسانی

یہ حدیث جو ابھی بیان ہوئی اس کا تقاضا ہے کہ صنف نازک کو ایذا اور تکلیف نہ دی جائے نہ اُن سے سخت کلامی کی جائے نہ طعن وتشنیع سے دل شکنی کی جائے، اُنھیں اپنے اقربا سے ملنے پر پابندی نہ لگائی جائے اُن کی مادّی ضرورتوں کے ساتھ ان کی دلی خواہشوں کو پورا کرنے کا بھی خیال رکھا جائے۔ قرآن مجید میں ظلم وزیادتی نہ کرنے کا حکم اپنی منکوحہ بیویوں کے بارے میں ہی نہیں بلکہ مطلقہ بیویوں کے بارے میں بھی دیا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (البقرہ۔۲۳۱)

"اُن کو محض تکلیف پہنچانے کے لئے روک نہ رکھو اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا۔"

عورت کا حق اور دینی فرائض

دینی کاموں میں ایسا انہماک جو بیوی کے مادّی اور جنسی حقوق کی ادائگی سے توجہ ہٹادے کارِ ثواب نہیں ہے۔ کیونکہ حق تلفی بہرحال گناہ ہے، ایک ممتاز صحابی راتوں کو نماز پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے میں گزار دیتے اور بیوی کی طرف توجہ نہ کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے انھیں بلا کر تنبیہ کی اور فرمایا "و ان لزوجك عليك حقاً (اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے) حضرت عمر رضی اللہ کے زمانے میں جبکہ اسلام کو پھیلانے کے لئے اکثر مسلمان اپنے گھروں سے باہر مصروف جہاد رہا کرتے، آپ نے حکم دیدیا تھا کہ کوئی چار مہینے سے زیادہ اپنی بیوی سے الگ نہ رہے۔

ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی شرط

بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ایک مرد کو بیک وقت ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس کی حد چار سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ شرط یہ ہے کہ اُن کے درمیان عدل قائم رکھنا ضروری ہوگا تاکہ بیوی کسی قسم کی محرومی محسوس نہ کرسکے اگر ہر ایک کے ساتھ مساوی برتاؤ نہیں کرسکتا تو اس مرد کو ایک سے زیادہ عقد کرنا جائز نہیں۔ قرآن میں جہاں چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے وہاں یہ ہدایت بھی دی گئی ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (نساء۔ آیت ۲)

"اگر تم کو ڈر ہو کہ ان میں برابری قائم نہ رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھ سکتے ہو یا ایک باندی"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی اور سیاسی مصلحتوں سے کئی شادیاں فرمائیں اور ان سب بیویوں میں کوئی کبیر السن تھیں کوئی ہم عمر اور کوئی صغیر السن، ظاہر ہے کہ ان کا مزاج اور ذوق بھی مختلف ہوگا، اکثر بیویاں وہ تھیں جو پہلے کسی دوسرے شوہر کے ساتھ رہ چکی تھیں صرف ایک بیوی کنواری تھیں جو عمر میں بہت چھوٹی تھیں۔ عدل و مساوات اور حسنِ معاشرت کا اعجاز یہ ہے کہ آپ کی کسی بیوی کو دوسری کے مقابلے، میں کمتری یا محرومی کا شکوہ کبھی نہیں ہوا، آپ ہر بیوی کی دلجوئی فرماتے سب کے پاس باری باری قیام فرماتے جس میں کبھی فرق نہیں آنے پاتا، آپ کا اسوۂ حسنہ جو گھریلو زندگی سے متعلق ہے اُن ہی ازواج مطہرات کے ذریعہ اُمت کو پہنچا۔ عدل و انصاف کا یہ نادر نمونہ کاشانۂ نبوت کے سوا کہیں نہیں ملتا۔

جو لوگ شوقیہ شادی پر شادی کرتے ہیں وہ میلان قلب کے اعتبار سے ضرور ایک کی طرف جھک جاتے ہیں اور دوسری کی طرف اُن کی توجہ کم سے کمتر ہوتی جاتی ہے جو عدل کو باقی نہیں رہنے دیتی، ان لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں بصراحت اِس کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی ہے:۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (سورۂ نساء۔ ۱۲۸)

تم اپنی شدید خواہش کے باوجود بیویوں کے درمیان عدل کے ساتھ رہنے پر قادر نہ ہو سکو گے، لہٰذا ایسا نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف بالکل ہی جھک جاؤ اور دوسری کو بیچ میں لٹکا کر چھوڑ دو (کہ نہ وہ بیاہی رہے نہ بے بیاہی۔)

اگر کسی ایک بیوی کی محبت اُس کی ظاہری یا باطنی خوبی کی بنا پر زیادہ ہو جائے تو اس پر انسان کا بس نہیں ہے اور یہ عدل کے خلاف بھی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عدل کرنے والا کوئی نہیں لیکن آپ بھی یہ دُعا فرماتے تھے:۔

اللھم ان ھذا قسمی فی ما   بار الٰہا! میری یہ تقسیم اسی حد تک ہے جہاں تک

اللّٰھم فلا تلمنی فیما لا املک۔ میرا اختیار ہے لیکن جن باتوں کا مجھے اختیار نہیں ہے اُن میں مجھ کو ملامت نہ فرما۔ (ابوداؤد)

لیکن شریعت نے جو حقوق بیوی کے مقرر کر دیئے ہیں ان میں اگر کوئی شخص کمی کرتا ہے تو وہ اخلاق اور قانون کی نظر میں مجرم ہے۔

قَسم بین الزوجات

قسم بفتح قاف مصدر ہے باب قَسَمَ قَسْمًا کا۔ قَسَمَ قَسْمًا کے معنی یہ ہیں کہ اس نے حصّے کر کے ہر ایک کا حصّہ دے دیا۔ فقہا کی اصطلاح میں اس سے بیویوں کے درمیان شب گزاری میں مساوات کا لحاظ رکھنا اور ہر ایک کا نفقہ (خرچ) مقرر کر دینا مراد ہے۔

نفقہ کی تقسیم

نفقہ میں کھانا، لباس اور مکان شامل ہیں۔ نفقہ کی مقدار شوہر کی حیثیت اور حالت کے مطابق مقرر کی جائے گی۔ بیویوں کی رضامندی سے اُس کی مساوی تقسیم کر دی گئی تو بہت بہتر ہے، ورنہ بیویوں کی حیثیت کے مطابق تقسیم کرنا بھی جائز ہے (یعنی امیر بیوی کا حصّہ نفقے میں غریب بیوی کے حصّے سے زائد ہو) بشرطیکہ کسی پر جبر نہ ہو اور ہر ایک کو جو اُس کا حق ہے بغیر کسی کی حق تلفی کے مل جائے۔ جبر اور حق تلفی کی شکل میں بیوی قانونی طور پر اپنا حق لے سکتی ہے، اسلامی عدالت سے اُس کا جائز حق دلوائے گی۔

جب ہر بیوی کو اُس کا پورا پورا حق مل گیا ہو تو شوہر کو آزادی ہے کہ ان میں سے جس کو چاہے کچھ زیادہ عطا کر دے۔

وقت کی تقسیم یعنی باری مقرر کرنا

بیویوں کے درمیان باری کے دن کی (مساویانہ) تقسیم واجب ہے جس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے:

"فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" تو جب بیویوں کے درمیان بے انصافی کے اندیشے سے دو بیوں کا کرنا حرام قرار دیا گیا تو بلا تردد دونوں کے درمیان قیام عدل واجب قرار پایا۔ لہٰذا شوہر جو (۱) عاقل ہو۔ جنون زدہ نہ ہو (۲) بالغ ہو چھوٹی عمر کا نہ ہو اور بیوی بھی چھوٹی عمر کی نہ ہو (۳) بیوی شوہر کی نافرمان نہ ہو ان تینوں شرائط کی موجودگی میں باری مقرر کرنا واجب ہے۔ عورت جنون زدہ ہو لیکن مباشرت ممکن ہو یا چھوٹی عمر کی ہو مگر قابل مباشرت ہو تو بھی باری مقرر

کرنا لازم ہے ورنہ نہیں۔ وہ عورت جو شوہر کی فرماں برداری نہ کرتی ہو اُسے باری کا حق نہیں۔

۲۔ شوہر بیمار ہو یا تندرست اُس کو بیویوں کے پاس باری کے مطابق ہی رہنا چاہیئے کیونکہ مقصد باری مقرر کرنے کا باہمی محبت ہے نہ کہ مباشرت۔ شوہر پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کی عصمت کی حفاظت کرے کسی دوسرے کے ساتھ تعلق کی راہیں بند کر دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو چھوڑ دینا واجب ہے۔

۳۔ مرد پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے درمیان مباشرت اور اُس کے لوازمات میں بھی یکسانی برتے کیونکہ جنسی میلان میں مساوات ممکن نہیں "لَنْ تَسْتَطِيعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا" کا مطلب یہی ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص دن میں کاروبار یا ملازمت کرتا ہے تو باری کی راتیں مقرر کرے اور اگر رات کا کام کرتا ہے مثلاً چوکیدار ہے یا کسی کارخانے میں شب کی ڈیوٹی کرتا ہے تو باری کے دن مقرر کرے۔

۵۔ شوہر کو یہ حق ہے کہ باری چاہے ایک ایک دن کی مقرر کرے یا دو دو چار چار دنوں کی۔

۶۔ شوہر کو ایک کی باری والی رات کو دوسری کے گھر چلا جانا جائز نہیں بلکہ اگر ایک کے یہاں سرِ شام پہنچ جاتا ہے اور دوسری کے یہاں دس گیارہ بجے رات کو تو یہ بھی خلاف عدل ہے اور وہ گنہگار ہوگا۔ البتہ اگر دوسری کوئی بیوی بیمار ہے تو اُس کی مزاج پرسی کے لئے جانا روا ہے۔

باری مقرر کرنے میں نئی بیوی کا حق

کسی شخص نے بیوی کے ہوتے ہوئے ایک نئی شادی کی، یہ نئی بیوی یا تو باکرہ (کنواری) ہوگی یا ثیبہ (بیوہ یا مطلقہ) تو اگر باکرہ ہے تو سات دن اور اگر ثیبہ ہے تو تین دن کا حق اُس کو ہوگا جب نئی بیوی کے ساتھ قیام کی مدت ختم ہو جائے تو بیویوں کے درمیان باری کی مساویانہ تقسیم (جس کا ذکر کیا جا چکا ہے) پر عمل ہوگا ابن حبان کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ٥ سبع للبکر وثلاث للثیب" (سات دن تک باکرہ کا اور تین دن تک ثیبہ کا حق ہے) بخاری اور مسلم میں حضرت انس رضی کی یہ روایت موجود ہے:۔

ان السنة اذا تزوج البکر | سُنّت (طریقہ) یہ تھا کہ ثیبہ پر باکرہ سے نکاح

علی الثیب اقام عندھا سبعا ثم قَسَمَ و اذا تزوج الثیب علیَ البِکرِ اَقامَ عندھا ثلاثا ثم قَسَمَ۔

کرتے تو اُس کے پاس سات دن قیام فرماتے پھر باری مقرر فرمادیتے اور باکرہ پر ثیبہ سے نکاح کرتے تو اُس کے پاس تین دن قیام فرماتے پھر باری مقرر فرمادیتے۔

عورت کو اپنی باری سے دست برداری کا حق

یہ ثابت ہے کہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کردی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کو اپنی اور حضرت سودہ رضؓ کی باریوں کا حق استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس سے فقہاء نے مسائل مستنبط کئے ہیں: ایک بیوی کو یہ حق ہے کہ دوسری سے مالی معاوضہ لے کر اپنی باری کا حق اُسے دیدے یا بغیر کوئی معاوضہ لئے ایسا کرے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں طریقے صحیح ہیں جبکہ باقی تین ائمہ باری کا حق دے کر مالی معاوضہ لینا درست نہیں مانتے ہیں۔

۲۔ ہبہ کرنے والی کو حق ہے کہ ہبہ سے رجوع کرلے۔ رجوع کرنے کے بعد آئندہ باریوں میں اُس کا حق رہے گا، جو گزر چکیں اُن کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔

۳۔ ہبہ کرنے والی بیوی نے جس خاص بیوی کے حق میں اپنی باری دی ہے اور اُس نے اُسے قبول کرلیا ہے تو شوہر کو اس میں ردّ و بدل کا حق نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسری بیوی کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ شوہر کا راضی ہونا کافی ہے اور یہ ہبہ اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک ہبہ کرنے والی اور اُس کا شوہر راضی ہیں۔

۴۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طرح ہبہ جائز ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مقررہ مال کے عوض اپنی باری کا حق اپنے شوہر یا سوکن کو فروخت کردے۔ اُن کا ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں اپنی باری کا حق ہمیشہ کے لئے فروخت کردے، تھوڑے عرصے کے لئے کرسکتی ہے۔

سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ

ایسا شخص جس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں سفر کا ارادہ کرے تو اگر یہ سفر دوسرے شہر میں ملازمت پر

رہنے کے لئے ہو تو یا تو وہ اپنی سب بیویوں کو لے جائے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو قرعہ ڈالے جس کے نام قرعہ نکلے اُسے ساتھ لے جائے اور پھر کچھ دن ساتھ رکھنے کے بعد واپس لائے اور دوسری بیوی کو اتنے عرصے کے لئے اپنے پاس رکھے جتنے عرصے تک پہلی کو رکھا تھا اور اسی طرح عمل کرتا رہے لیکن سفر اگر کسی وقتی مقصد مثلاً تجارت، علاج یا حصول صحت یا حج وغیرہ کے لئے ہو تو ساتھ لے جانے کے لئے اُس بیوی کا انتخاب کرے جو صلاحیت سفر رکھتی ہو، بعض اوقات کسی بیوی کو گھر کا بندوبست کرنے کے لئے چھوڑ کر جانا لازم ہوتا ہے۔ لیکن اگر سب بیویاں سفر کی صلاحیت اور گھریلو انتظام کی قابلیت رکھتی ہوں تو ان میں قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے خصوصاً جب حج کا سفر ہو کیونکہ اس کا شوق سب بیویوں کو ہوتا ہے۔

جب کسی کے نام قرعہ نکل آئے اور اُس کے ساتھ سفر کیا تو جو عرصہ سفر میں گزرا اُس کا حساب بیوی کے ذمے نہیں ڈالا جائے گا، البتہ اگر بدوران سفر کوئی پر فضا دلچسپ مقام دیکھ کر کچھ روز ٹھہر گئے تو یہ ایام بیوی کی باری میں محسوب ہوجائیں گے اور واپسی پر اتنے ہی دن دوسری بیویوں کی باری میں تقسیم کردئے جائیں گے، یہ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے جبکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک تمام ایام سفر جو چلنے، فروکش ہونے اور کوچ کرنے میں صرف ہوں گے اُن کی کوئی قضا نہیں چکانا ہے لیکن اگر کسی نے بغیر قرعہ ڈالے کسی بیوی کو لے کر سفر کیا تو اول تو یہ گناہ ہے، دوسرے وہ اوقات جن میں شوہر اور بیوی ساتھ رہے شمار میں آئیں گے اور (سوکنوں کو) اُن کی قضا دینا ہوگی اگر اُنھوں نے بغیر قرعہ کے اُس کے ساتھ سفر کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر نہ کی ہو۔ جب دو بیویاں سفر میں ساتھ ہوں تو اُن کے درمیان باری مقرر کرنا اُس صورت میں لازم ہے جب دونوں الگ الگ سواریوں یا کمپارٹمنٹ یا خیموں میں ہوں۔

اگر سفر میں بیویاں ساتھ ہوں اور ایک دوسرے خیمے میں ٹھہریں یا ایک فرش پر رہیں تو جائز ہے لیکن مباشرت قطعاً ناجائز ہے۔

مرد کا فرض

اوپر مرد کے فرائض بیوی کے حقوق ادا کرنے کے سلسلے میں بیان کئے گئے ہیں قرآن کی آیات اور احادیث سے مرد کا فرض یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیوی کی

دینی اور اخلاقی تربیت بھی کرتا رہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورۂ تحریم آیت ۶)

اے مسلمانو! اپنے اور اپنے اہل وعیال کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا گیا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب۔۳۴)

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور دانش وحکمت کی باتیں تلاوت کی جاتی ہیں انھیں یاد رکھو۔

سورۂ مدثر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ اسلام کا پہلا حکم یہ دیا گیا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ___ (اپنے کنبے کے قریبی لوگوں کو چونکاؤ)

سب سے پہلی نماز آپؐ نے حضرت جبریلؑ کے ساتھ پڑھی، اور دوسری نماز میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے ساتھ تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ نے دین کی تعلیم سب سے پہلے اپنی بیوی کو دی۔ اور جو صحابہ آپ پر ایمان لاتے آپؐ اُن کو بھی یہی ہدایت فرماتے۔ حضرت مالکؓ بن حویرث بیان کرتے ہیں کہ "ہم چند نوجوان اسلام لانے کے بعد دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپؐ کی خدمت میں بیس دن رہے، آپؐ کی رحم دلی کا حال یہ تھا کہ بیسویں دن آپؐ نے پوچھا کہ گھر میں کس کو چھوڑ آئے ہو جب ہم لوگوں نے بتایا تو فرمایا:

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِيْكُمْ فَاَقِيْمُوْا فِيْهِمْ وَعَلِّمُوْهُمْ وَمُرُوْهُمْ (بخاری ومسلم)

اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤ۔ اُنھیں میں رہو۔ ان کو دین سکھاؤ اور خدا کا حکم اُنھیں سُنادو۔

عورتوں کو نماز کی تاکید کرتے رہنا چاہیے اور اصلاح وتربیت نرمی اور ملاطفت کے ساتھ کرنا چاہیے، وہ حدیث سامنے رہنا چاہیے جس میں عورت کی فطری کجی اور نزاکت کا ذکر کیا گیا ہے۔ (حسن سلوک کے ذیل میں)

مردوں کے حقوق اُن کی بیویوں پر

بیوی پر شوہر کا پہلا حق جو فرض ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی عصمت وعفت کی حفاظت اس طرح

کرے جیسے کہ وہ اُس کے شوہر کی صاف شفاف امانت ہے جس پر ذرا سا داغ یا میل بھی نہ آنے پائے۔ کسی نامحرم سے بے ضرورت بات چیت نہ کرے، پردے کا خاص اہتمام کرے کہ شوہر کے سوا کسی محرم کے سامنے بھی منہ اور ہاتھ کے علاوہ باقی سارا جسم ڈھکا رہے، بغیر اجازت گھر سے باہر نہ جائے، قرآن میں یہ صفت بیان کی گئی ہے۔ "حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ" (وہ جو شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی عزت آبرو اور شوہر کی ہر چیز کی بتوفیق الٰہی حفاظت کرتی ہیں)

دوسرا فرض شوہر کے مال کی حفاظت کرنا ہے۔ آنحضرتؐ نے صالح عورت کی تعریف میں فرمایا "ولا تخالفه فی نفسها و ماله بما یکرہ" (بیوی اپنے بارے میں اور شوہر کے مال کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کرے جو اُس کا شوہر پسند نہ کرتا ہو۔

دوسرے موقعہ پر آپؐ نے اس طرح تعریف کی۔" زوجة لاتبغیه خونا فی نفسها ولا فی مالها" (ایسی بیوی جو اپنی جان (عزت و آبرو) اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے) مال کی حفاظت یہ بھی ہے کہ گھر کی کوئی چیز شوہر کی اجازت کے بغیر نہ دے (دونوں حدیثیں نسائی اور بیہقی سے نقل کی گئی ہیں)

تیسرا فرض ہر نیک کام اور حق بات میں شوہر کی اطاعت کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے:

"فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ" (سورۂ نساء) (نیک عورتیں وہ ہیں جو فرماں بردار ہوتی ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تقویٰ کے بعد ایک مرد کے لئے سب سے بڑی نعمت صالح بیوی ہے جو اپنے شوہر کی نیک بات کو مانے جب اُس کی طرف دیکھے تو اُس کو خوش کر دے جب شوہر اُس کے بھروسے پر کوئی بات کہدے تو اُسے پورا کر دے اور جب وہ گھر میں نہ ہو تو اپنی عزت کی اور اُس کے مال کی حفاظت کرے۔ (ابن ماجہ) آپؐ نے فرمایا:

"جو عورت نماز روزے کی پابندی کرے تو اُس کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ)

شوہر کی اطاعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"إِذَا دَعَا الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَأْتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ"۔ (ترمذی) اگر شوہر بیوی کو اپنی کسی

حاجت کے لئے بلائے تو وہ فوراً اُس کے پاس چلی جائے خواہ وہ تنور ہی پر کیوں نہ بیٹھی ہو، بیوی کتنی ہی ضروری کام میں کیوں نہ لگی ہو، جب شوہر بلائے تو اُس کی طرف متوجہ ہو جانا اور اُس کے پاس پہنچ جانا چاہیئے۔ حدیث میں حاجت کا لفظ استعمال ہوا ہے جو جنسی ضرورت کو شامل ہے۔ یہاں تک حکم ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہ تو بیوی کو نفل نمازیں پڑھنی چاہئیں اور نہ نفل روزے رکھنے چاہئیں اور فرض نمازیں بھی لمبی اور دیر تک نہیں پڑھنا چاہئے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے،

صفوان بن معطل کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت لے کر آئیں کہ کہ میرے شوہر مجھے نماز پڑھنے پر مارتے ہیں، روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتے ہیں اور خود فجر کی نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھتے ہیں۔ صفوان بھی موجود تھے، آپؐ نے اُن سے دریافت کیا کہ حقیقت کیا ہے، اُنھوں نے عرض کیا کہ جب یہ نمازیں شروع کرتی ہیں تو دو بڑی سورتیں ایک ایک رکعت میں پڑھتی ہیں، میں نے بار بار منع کیا لیکن یہ نہیں مانتیں، اس پر میں ان کو مارتا ہوں۔ آپؐ نے خاتون سے فرمایا کہ ایک چھوٹی سورۃ سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ پھر صفوان نے کہا کہ جب یہ نفل روزے رکھتی ہیں تو مسلسل رکھتی چلی جاتی ہیں اور میں ایک نوجوان آدمی ہوں اس لئے روزہ تڑوا دیتا ہوں، اس پر آپؐ نے فرمایا کوئی عورت نفل روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے نہ رکھا کرے۔ فجر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کی وجہ صفوان نے یہ پیش کی کہ وہ جو محنت مزدوری کرتے ہیں اُس میں رات گئے تک مصروف رہنا پڑتا ہے، اس لئے صبح اُٹھنے میں دیر ہو جاتی ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ شوہر کی اطاعت اُس حد تک ضروری ہے جس میں اللہ کی نافرمانی لازم نہ آئے، نفل نماز یا نفل روزہ چھوڑ دینے میں اللہ کی نافرمانی نہیں ہوتی اسی طرح فرض نماز بھی چھوٹی سورتیں پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے، البتہ جہاں معصیت کی بات ہو اور احکام شریعت کی پامالی ہوتی ہو ایسے تمام بُرے کام کرنے سے صاف انکار کر دینا ضروری ہے خواہ شوہر خوش ہو یا ناخوش، اُس کے تعلقات اچھے رہیں یا بُرے کیونکہ ارشاد نبوی ہے:

لَاطَاعَةَ لِمخلوقٍ فی معصیۃ الخالق۔	جس بات میں خالق کی نافرمانی ہو اُس میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔

ضروریاتِ زندگی کی طلب میں اعتدال عورتوں کو بے ضرورت تزئین وآرائش سے اس لئے روک دیا گیا کہ بے جا طلب اور اسراف کی بیخ کنی کی جائے۔ جاہلی عرب عورتیں سر کے بالوں کو خوبصورت بنانے کے لئے کچھ خارجی بال لگالیا کرتی تھیں، اس بارے میں آپؐ نے فرمایا فانه زور تزین فیه" یہ ایک طرح کا جھوٹ ہے جو بالوں میں بڑھالیا جاتا ہے۔ اسی جھوٹ اور فریب دہی کی بنیاد پر گودنے گدوانے، چہرے کے روئیں صاف کرنے، حد سے زیادہ تراش خراش کرنے، دانتوں کو چمکیلا بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ (مسند احمد)

حدیث میں ایسی عورت سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے جو دین واخلاق پر کاربند ہوتے ہوئے کم سے کم ضروریات زندگی پر قانع ہو، قرآن مجید میں ازواجِ مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے جو تنبیہ ہے وہ نفقہ کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہے۔

احسان شناسی عورتوں میں ایک عام کمزوری یہ ہے کہ ذرا سی بدسلوکی پر عمر بھر کے حُسن سلوک کو بھلا کر صرف اُس کی بدسلوکی کو یاد کرتی اور یاد دلاتی ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ زیادہ تر دوزخ میں ڈالی جانے والی عورتیں وہ ہوں گی جو ناشکری کی وجہ سے عذاب کی مستحق ہوں گی" یکفرن العشیرۃ" یعنی وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں۔ اس حدیث میں یہ ہدایت عورتوں کے لئے ہے کہ وہ شوہروں کے ساتھ شکر گزاری اور احسان شناسی کا رویہ اختیار کریں، شوہر اپنی محنت سے جو کچھ کما کر دے سکے اُسے خدا کا شکر ادا کر کے خوش دلی سے قبول کریں البتہ اگر شوہر تن آسانی کی وجہ سے بیوی کے جائز حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کی ملامت احسان ناشناسی نہیں ہوگی۔

شوہر کو تنبیہ وتادیب کا حق حقوق وفرائض کے بیان میں پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے کہ خاندان کے نظم کو درست رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوام بنایا ہے، قوام کی تعریف میں ذمہ داری اور نگہبانی شامل ہے، اس کا تقاضا ہے کہ قوام کو معتدل اور سنجیدہ ہونا چاہئیے۔ مغلوب الغضب اور کم فہم لوگ اس ذمہ داری کو نہیں نبھاسکتے۔ اسلامی شریعت نے ایسے مرد کو جو قوامیت کی صلاحیت رکھتا ہو اس کی اجازت دی

ہے کہ جب اپنی بیوی میں نشوز و سرکشی دیکھے تو تنبیہ و تادیب کرے، خواہ مخواہ اپنی بڑائی جتانے کے لئے نہیں بلکہ اصلاح حال کے لئے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا (النساء۔۳۴)

اور جن عورتوں سے تم نشوز دیکھو تو (۱) اُنھیں سمجھاؤ بجھاؤ پھر (۲) اُنھیں اپنی خوابگاہوں میں چھوڑ کر الگ رہو۔ اور پھر بھی باز نہ آئیں (۳) تو مارو، پس اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو پھر اُن پر سختی کی راہ تلاش نہ کرو۔

نشوز کے معنی اُٹھ جانے کے ہیں یعنی عورت کے دل سے رشتۂ نکاح کا احترام اور لحاظ و پاس اُٹھ جانا۔ یہ آیت اس آیت کے فوراً بعد ہے جس میں عورتوں کی بہترین صفات بیان کی گئی تھیں یعنی صالحات نیک عورتیں قانتات فرماں بردار اور حافظات للغیب شوہر کی غیر موجودگی میں حفاظت کرنے والی اپنی بھی اور شوہر کے مال کی بھی۔ تو اس آیت میں نشوز کے مفہوم میں وہ عورت ہے جو اپنی عزت و آبرو، شوہر کے مال و متاع کی حفاظت نہ کرے اور معروف (نیک باتوں) میں اُس کی اطاعت نہ کرے تو ایسی عورت کو تنبیہ و تادیب کی جا سکتی ہے جس کی تین صورتیں بتائی گئی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ اُنھیں نرمی اور ملاطفت سے سمجھاؤ۔ یہاں تک کہ وہ تمہاری بات مان لیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے اُن کے پاس لیٹنا بیٹھنا اور سونا چھوڑ دو یا ایلاء کر لو یعنی عہد کر لو کہ فلاں وقت تک اُس کے پاس نہیں جاؤ گے (ایلا کی تعریف آگے آتی ہے) یہ باتیں ایسی ہیں کہ اگر عورت میں فطری خواہش ہے کہ شوہر کی نظر التفات نہ ہٹے تو اپنی غلط روش کو ضرور بدلے گی لیکن اگر اُس پر اس کا کوئی اثر نہ ہو تو آخری درجے میں اُسے ہلکی مار کی سزا بھی دی جا سکتی ہے مگر منہ پر مارنا منع ہے۔ یہ آخری اجازت استعمال کرنے میں اگر ظلم و زیادتی ہوگی تو گناہ بھی بہت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں عورتوں کے بارے میں جو آخری ہدایات دی ہیں اُنھیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے:

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَاءِ فَاِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ وَ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاضْرِبُوْهُنَّ غَيْرَ مُبَرِّحٍ۔	عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو وہ تمہاری قید میں ہیں اُن پر تمہارا یہ حق لازم ہے کہ تمہارے فرش پر کسی کو قدم نہ رکھنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا کریں تو انھیں اس طرح مارو جو نمایاں نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ گھر میں ایسے لوگوں کو نہ آنے دیں جنھیں شوہر ناپسند کرتا ہے یا جن کی طرف سے اُس کے دل میں کوئی شک و شبہ ہے۔ تو اگر وہ ایسا کریں اور بھلائی میں تمہاری اطاعت نہ کریں تو اُن کو مارو، اس طرح کہ چوٹ کا نشان نہ پڑے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ مسواک وغیرہ چھوٹی چیز سے۔ اسلام نے جب جانوروں کو بھی سخت چیز سے مارنے کی اجازت نہیں دی ہے تو صنفِ نازک کے لئے ایسی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے۔

ایلاء کا بیان

اوپر ایلا کا ذکر کیا گیا ہے اس لفظ کے لغوی معنے قسم کھانے کے ہیں۔ قبل از اسلام، عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ کسی بیوی سے ترک مقاربت کی قسم کھا لیتے تھے۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس سے بیوی جیسا تعلق نہیں رہے گا اس کے لئے ایلا کا لفظ بولا جاتا تھا، اور جس عورت سے ایلا کیا جاتا تھا وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی۔ اسلامی شریعت نے اس اصطلاح کو باقی رکھا لیکن اس کا حکم بدل دیا۔ بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم غیر مشروط بھی ہو سکتی ہے اور بصراحت وقت بھی یعنی قسم کھا کر کہا جا سکتا ہے کہ میں اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کروں گا یا چار مہینے تک یا اس سے زیادہ عرصے تک یا ساری عمر بھی اس کے پاس نہیں جاؤں گا۔ تو اگر وقت کی صراحت چار مہینے سے کم کی ہو خواہ ایک ہی دن کم ہو تو وہ شریعت کی نظر میں ایلا نہیں ہے۔ باقی صورتوں میں ایلا ہوگا۔

ایلا کی شرعی تعریف

بیوی سے ترک مقاربت کی قسم کھانا، غیر مشروط یا چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصے کے لئے یا بیوی سے مقاربت کا انحصار کسی دشوار کام پر رکھ دینا۔

قسم سے اللہ کے نام یا اُس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم مراد ہے۔ دشوار کام پر انحصار رکھ دینے کا مطلب یہ ہے کہ فعل مقاربت کو حج سے، روزوں سے یا طلاق سے وابستہ کر دیا جائے مثلاً اگر میں تم سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج کرنا واجب ہوگا یا اتنے روزے رکھنا لازم ہوں گے یا میری فلاں بیوی کو طلاق ہو جائے گی یا مجھ پر قربانی یا سو رکعت پڑھنا لازم ہوگا۔ یہ تمام صورتیں مقاربت کو امر دشوار سے وابستہ کرنے کی ہیں۔

ایلا کی تعریف میں ایلا کرنے والے شوہر کا قابل مباشرت ہونا اور جس بیوی سے ایلا کیا جائے اُس کا قابل مباشرت ہونا داخل ہے۔ بعض فقہا نے لفظ مکلف کا اضافہ کیا ہے یعنی ایلا کرنے والا اسلامی احکام بجا لانے والا ہو (بچہ یا مجنون نہ ہو)

ایلاء کے ارکان اور شرطیں

فقہا نے ایلا کے چھ ارکان لکھے ہیں (۱) محلوف بہ یعنی جس کی قسم کھائی جائے (۲) محلوف علیہ۔ یعنی جس بات پر قسم کھائی جائے۔ (۳) صیغہ یعنی قسم کے الفاظ (۴) مدت یعنی وہ عرصہ جس کے لئے قسم کھائی ہے یعنی چار مہینے یا اس سے زیادہ کے لئے (۵) شوہر (۶) بیوی۔

پس اگر کسی نے کہا کہ قسم اللہ کی میں اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کروں گا اس میں اللہ محلوف بہ ہے اور ترک مباشرت محلوف علیہ۔ اور اگر کہا کہ مجھ پر طلاق لازم ہوگی بخدا میں مباشرت نہ کروں گا، اس قول میں طلاق محلوف بہ ہے اور ترک مباشرت محلوف علیہ۔ بعض اوقات بیوی ہی کو محلوف علیہ کہا جاتا ہے کیونکہ مباشرت کا مفہوم اُس کی ذات سے وابستہ ہے۔ الفاظ قسم کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

۱۔ ایک بیوی کے ساتھ کسی دوسری کو شریک نہ کرے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ ایلاء متصور نہ ہوگا کیونکہ اگر صرف بیوی سے مباشرت کر لی تو قسم نہیں ٹوٹی اور کفارہ عائد نہ ہوگا۔

۲۔ ایلا کی مدت میں سے کوئی وقت مستثنیٰ نہ کیا جائے مثلاً اگر کہا کہ اللہ کی قسم میں ایک دن کے سوا سال بھر تک مباشرت نہ کروں گا تو اس کو سر دست ایلا نہیں قرار دیا جائے گا۔ البتہ اگر کسی روز مباشرت کر لی تو دیکھا جائے گا کہ اگر سال پورا ہونے میں چار ماہ سے کم باقی ہیں تو ایلا قرار نہیں دیا جائے گا۔ اگر چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ باقی ہے تو

مقاربت والے دن کا آفتاب غروب ہوتے ہی اُس کو ایلاء کنندہ قرار دیا جائے گا پھر وہ احکام نافذ ہوں گے جس کا ذکر آئے گا۔

۳۔ یہ کہ قسم میں کسی خاص جگہ کی قید نہ ہو، چنانچہ اگر مقام کی قید لگائی گئی تو ایلاء نہ ہوگا کیونکہ کسی دوسرے مقام پر مباشرت کرنا روا رہے گا۔

۴۔ مباشرت کے ساتھ کسی اور خدمت کو نہ ملائے مثلاً یہ کہا کہ "اگر میں تجھ سے مباشرت کروں اور فلاں خدمت لوں تو تجھ کو طلاق ہے" تو اس سے ایلاء نہ ہوگا۔

۵۔ اگر صریح الفاظ استعمال کرنے کے بجائے کنایۃً کہا گیا مثلاً: اللہ کی قسم میں تجھے ہاتھ نہ لگاؤں گا، یا پاس نہ آؤں گا یا ہم بستر نہ ہوں گا تو جب تک ان الفاظ سے نیت ترکِ مباشرت نہ ہو ایلاء نہ ہوگا۔

احکام متعلقہ ایلاء

جب خدا کی قسم کھا کر ایلاء کر لیا تو اُس کا یہ حکم قرآن میں دیا گیا ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (سورۂ بقرہ۔ ۲۲۶)

جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں اُنھیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر وہ قسم سے رجوع کر لیں تو اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اگر طلاق ہی کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

ایلاء کرنے کا جو رواج اہلِ عرب میں تھا جس سے ہمیشہ کے لئے بیوی مرد پر حرام ہو جاتی تھی اور پھر تمام عمر گھٹتی رہتی تھی اسلام نے اس ظلم کو ختم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ترک مباشرت کی قسم کھا لیتے ہیں اُنھیں چار مہینے کی مہلت ہے یا تو وہ رجوع کر کے مباشرت کر لیں جس کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیں تو اللہ ان کی مغفرت کرے گا، اس سے معلوم ہوا کہ ایلاء بذات خود بُرا کام اور عورت پر ظلم اور ایذا رسانی کا مترادف ہے۔ اس حالت کا تقاضا یہ تھا کہ مرد کو مہلت ہی نہ دی جاتی۔ مگر چار مہینے کی مہلت دینے میں حکمت یہ ہے کہ اتنے عرصے کی مفارقت اُس کو اپنے کئے پر پشیمان

ہونے اور بیوی کی جانب رجوع ہونے کا موقع فراہم کردے گی، دوسری طرف یہی مفارقت بیوی کی اصلاح کا وسیلہ بھی بن جائے گی اور جو بات شوہر کی بیزاری کا سبب بنی اُسے ترک کرنے کا رویہ اختیار کرے گی اس لئے اتنے عرصے تک توقف کرنا علاقۂ زوجیت کی بحالی کے لئے ضروری ہے اب اگر اس مفارقت کا کچھ اثر نہ ہوا اور ایک کو دوسرے کی پروا نہ رہی تو جدا ہونا آسان ہوگا۔ یہ ارشاد کہ " اگر طلاق ہی کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے"، اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جب چھوڑ دینے کا ہی عزم کر لیا تو بیوی کے پاس نہ جائیں، چار مہینے کی مدت پوری ہونے کے بعد از خود بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ خواہ مرد طلاق نہ دے یا عورت طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایلاء کی مدت گزر جانے کے بعد اگر طلاق ہی دینے کا ارادہ کر لیں تو اللہ (ان کی قسموں کو) سننے والا اور (اس ظلم و اذیت کو جو بیوی پر رجوع نہ کرنے کی صورت میں ہوئی) جاننے والا ہے۔ یعنی اس خاوند کو تنبیہ کی گئی ہے جو ایلاء کی مدت گزر جانے پر رجوع نہیں کرتا اور طلاق ہی دینا چاہتا ہے اگر یہ بطور ظلم ہے تو اللہ سمیع و علیم ہے، وہ اس کی سزا ضرور دے گا۔

فقہ حنفی کے مطابق خدا کی قسم کھا کر ایلاء کرنے والا اگر چار مہینے گزرنے سے پہلے بیوی سے مباشرت کر لے تو اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور ایلاء ختم ہو جائے گا، اگر چار مہینے گزر گئے اور جس بیوی سے ایلا کیا ہے اُس سے مباشرت نہ ہوئی تو بیوی پر ایک طلاق پڑ جائے گی بغیر اس کے کہ یہ معاملہ حاکم شرع کے پاس لایا جائے یا شوہر خود طلاق دے پھر اگر وہ ساری مدت جس کا ایلاء کرتے وقت ذکر کیا تھا، گذر جائے اور شوہر مباشرت نہ کرے تو طلاق بائنہ پڑ جائے گی یعنی رشتہ نکاح ٹوٹ جائے گا اور جب تک دونوں پھر سے نکاح نہ کریں یہ رشتہ قائم نہیں ہوگا۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ایلاء دو طرح سے کیا جاتا ہے (۱) بقید وقت یا (۲) مطلق بغیر وقت کا تعین کئے ہوئے۔ دونوں قسم کے ایلاء کا عام حکم یہ ہے کہ اگر غصے میں یا بطور تنبیہ شوہر نے ایسا کہا تھا تو شوہر کو چار مہینے کے اندر ہی اپنی قسم توڑ دینا چاہیئے یعنی بیوی سے بیوی جیسے تعلق کو قائم کر لینا اور قسم کا کفارہ دیدینا چاہیئے، اگر ایسا نہ کیا تو چار مہینے گذرتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اگر شوہر نے کوئی مدت ایلا کی مقرر نہیں کی تھی بلکہ یوں کہا تھا کہ "خدا کی قسم میں

کبھی تجھ سے مباشرت نہ کروں گا" تو بھی چار مہینے گزر جانے کے بعد طلاق پڑ جائے گی اور دوبارہ نکاح کے بعد ہی تعلق قائم ہو سکے گا۔ اب دونوں قسم کے ایلاء میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں اگر دوبارہ نکاح کر لینے کے بعد وہ چار چھ مہینے یا سال بھر تک بھی مباشرت نہ کرے تو دوبارہ طلاق نہیں پڑے گی۔ مگر دوسری صورت میں اگر وہ چار مہینے مباشرت نہ کرے تو دوبارہ طلاق پڑ جائے گی۔ اب اگر دوبارہ نکاح پڑھانے کے بعد پھر چار ماہ مباشرت نہیں کی تو تیسری طلاق پڑ جائے گی۔ اب بغیر حلالے کے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔

اگر اُس نے خدا کی قسم کھائے بغیر یوں کہا تھا کہ " اگر میں تجھ سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج کرنا یا ایک مہینے کے روزے رکھنا یا ایک سو روپیہ کا صدقہ کرنا واجب ہے" اگر اس عہد کے بعد چار مہینے کے اندر مباشرت کر لی تو عہد کا پورا کرنا ضروری ہوگا قسم کا کفارہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر چار مہینے تک مباشرت نہ ہوگی تو چار مہینے پورے ہوتے ہی طلاق بائن پڑ جائے گی اور دوبارہ نکاح کے بعد ہی اُس سے تمتع کر سکے گا۔

طلاق کا بیان

طلاق کی تعریف

لغت میں طلاق کے معنی بندش کو کھول دینے کے ہیں چاہے بندش نظر آنے والی ہو یا غیر محسوس ہو مثلاً: اونٹنی کی بندش کو کھول کر اُسے چھوڑ دیا جائے تو کہتے ہیں "طُلِقَ الناقۃ طلاقاً" اسی طرح کوئی شوہر بیوی سے علیحدگی اختیار کرے تو کہتے ہیں "طلقت المراۃ" (عورت کو چھوڑ دیا) لفظ تطلیق بھی بندش ہٹانے کے معنوں میں طلاق کی طرح استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں "طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَہٗ طَلَاقًا" (اُس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی) طلاق کا لفظ اسلام سے پہلے بھی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا، شریعت اسلامی کی اصطلاح میں اس کا مطلب نکاح کے ذریعہ لگائی گئی گرہ کو کھول دینا یا نکاح کا زائل ہو جانا ہے یا خاص الفاظ کے ساتھ عقد نکاح میں ایسا نقصان ڈال دینا ہے جس سے گرہ پوری طرح کھلنے میں کمی رہ جائے۔ نکاح زائل ہونے کا مطلب

یہ ہے کہ عقد نکاح جاتا رہے اور آئندہ کے لئے بیوی اُس پر پوری طرح حرام ہو جائے یہ اس صورت میں ہوگا جب بیوی کو تین طلاقیں دی جائیں اور نکاح کے رشتہ میں نقصان واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقد نکاح بالکل زائل ہونے میں کمی رہ جائے یہ اُس صورت میں ہوگا جب کہ طلاق رجعی دی جائے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ بیوی مکمل طور پر اپنے شوہر کو حلال تھی، اُس وقت وہ تین طلاقوں کا مالک تھا۔ طلاق رجعی کے بعد وہ دو طلاقوں کا مالک رہ گیا۔ اب اگر وہ اس طلاق کو واپس لے لے تو بیوی پھر مکمل طور پر حلال ہو جائے گی لیکن اگر وہ طلاق سے رجوع نہیں کرتا اور باقی دو طلاقیں بھی دے دیتا ہے تو بیوی حلال نہیں رہے گی۔ طلاق رجعی سے عقد نکاح نہیں ٹوٹتا صرف رشتہ نکاح میں فرق آجاتا ہے جس کو دور کرنے سے پہلے وہ بیوی کے پاس نہیں جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اُسی کی بیوی رہتی ہے اور شوہر کو ایک مقررہ عرصے کے اندر یا طلاق واپس لینا پڑتی ہے یا باقی طلاقیں دے کر اُس سے بالکل رشتہ نکاح توڑ لینا پڑتا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ مقررہ عرصے کو اصطلاح فقہ میں عدت کہتے ہیں۔

طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے

طلاق کی ضرورت صرف اُس وقت پڑتی ہے جب عورت اور مرد اُن حقوق و فرائض کو ادا نہیں کرتے جو شریعتِ اسلامی نے مقرر کئے ہیں یا دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی حق تلفی کرتا ہے یا کسی کی طرف سے کوئی اخلاقی بُرائی ظاہر ہوتی ہے جس کی وجہ سے نفرت و عداوت کی صورت پیدا ہوتی ہے اور محبت و مودت باقی نہیں رہتی، جذبۂ رحمت و خیر خواہی فنا ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے رویے کو برداشت کرنے پر آمادہ نہیں رہتا تو اس صورت میں شریعت اسلامیہ عورت اور مرد دونوں کو حق دیتی ہے کہ اگر عورت مرد کی قوامیت سے نکلنا چاہے تو خلع اور تفریق کے ذریعے اور اگر مرد عورت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہے تو طلاق کے ذریعے رشتۂ نکاح کو توڑ کر آزاد ہو جائیں۔ یہ حق دینے کے باوجود قرآن و حدیث میں نکاح کے معاہدے کو فسخ کرنے سے پہلے سنجیدگی سے غور کرنے اور تعلقات خوش گوار بنانے کی کوشش کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء - ۱۹)

"ممکن ہے تمہیں کوئی بات بُری لگتی ہو اور خُدا نے اُس میں بہت سی بھلائیاں رکھی ہوں۔"

ممکن ہے بیوی کی کوئی عادت یا شکل وصورت تمہیں ناپسند ہو مگر اُس میں ایسی خوبیاں بھی ہوسکتی ہیں جو کسی دوسرے میں نہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ "یعنی حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ بات اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔"
(ابوداؤد، ابن ماجہ)

یعنی اگرچہ طلاق کو آخری چارہ کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت ہے مگر فی الحقیقت یہ ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ اگر شوہر اور بیوی میں کوئی وجہ اختلاف ہوجائے تو اُسے دور کرنے کا طریقہ قرآن میں یہ بتادیا گیا ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا (نساء - ۳۴)

اگر دونوں میں شدید اختلاف کا اندیشہ ہو تو شوہر کے گھر والوں میں سے ایک سمجھ دار شخص اور بیوی کے گھر والوں میں سے ایک منصف مزاج شخص کو بھیج دو اگر دونوں بھلا چاہنے والے ہوں گے تو اللہ ضرور دونوں میں موافقت کی توفیق دے گا، اللہ علیم وخبیر ہے۔
دونوں آدمی جو ثالث مقرر ہوں وہ ایسے ہوں جو واقعی صلح صفائی چاہتے ہوں اور خود شوہر اور بیوی اُن کی بات کو ماننے والے ہوں تب اللہ کی توفیق شامل حال ہوگی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طلاق کو پسند نہیں فرمایا ــــ اور صحابۂ کرام کو بھی بجز ایک دو کے (وہ بھی دینی ضرورت کی بنا پر) کسی کو طلاق دینے کی اجازت نہیں دی۔ آپ کی ایک حدیث ہے:

فان اللہ لا یحب الذواقین والذواقات — اللہ تعالیٰ زیادہ مزہ چکھنے والوں اور زیادہ مزہ چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا۔

صحیح مسلم میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ شیطان بُرائیاں پھیلانے اور لوگوں کو بہکانے کے کاموں میں سب سے زیادہ جس چیز سے خوش ہوتا ہے وہ شوہر اور بیوی میں تفریق پیدا کرنا ہے۔ طلاق شیطان کی پسندیدہ چیز کیوں ہے؟ اس لئے کہ طلاق صرف دو شخصوں کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کرتی بلکہ اس سے نہ جانے کتنے رشتے کٹ جاتے ہیں۔ شوہر کے اور بیوی کے کتنے اعزہ و اقارب ایک دوسرے کے ساتھ قریبی تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں جو کل تک بیگانے تھے اُن کے آپس میں مہر و محبت کے رشتے استوار ہو گئے ہوتے ہیں، طلاق کے ذریعے یہ سب باتیں یہی نہیں کہ یک لخت ختم ہو جاتی ہیں بلکہ خاندانوں اور گھرانوں میں بغض و عداوت کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور آئندہ کے لئے کتنے نئے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، اگر بچے ہیں تو اُن کی پرورش اور تربیت کا سوال پیدا ہوتا ہے گویا یہ طلاق ایک گھر کا نہیں پورے معاشرے کا مسئلہ بن جاتا ہے اور اُس کی پاکیزگی اور صالحیت داغدار ہو جاتی ہے، ایسا دوررس فتنہ اور فساد کسی صالح معاشرہ میں پیدا کرنا شیطان کو ضرور پسند ہونا چاہیئے، خدا اور رسول کو کیسے پسند ہو سکتا ہے۔

طلاق کے ارکان یعنی اجزاء لازمی

طلاق کے چار رُکن ہیں (۱) مرد جس کا نکاح اُس عورت کے ساتھ ہونا ثابت ہو جس کو وہ طلاق دے رہا ہے۔ طلاق نکاح کے بندھن کو ہٹا دینے کا نام ہے، لہٰذا جب تک یہ بندھن ثابت نہ ہو اُس کے ہٹانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا طلاق فیما لا یملك۔ جس عورت کا مالک نہ ہو اُس کو طلاق نہیں دے سکتا۔

عورت جو طلاق دینے والے کے نکاح میں ہو (طلاق بائن پائی ہوئی نکاح میں نہیں رہتی۔ جبکہ طلاق رجعی پائی ہوئی نکاح میں رہتی ہے جب تک وہ عدّت میں ہو)

طلاق کے الفاظ جو عقد نکاح کو توڑنے والے ہوں خواہ وہ صراحتاً کہے گئے ہوں یا کنایۃً۔

نیت یعنی الفاظ طلاق دینے کی نیت (ارادے) سے ادا کئے گئے ہوں۔

طلاق کی شرطیں

طلاق صحیح ہونے کی شرطوں میں سے بعض کا تعلق شوہر سے ہے بعض کا بیوی سے اور بعض کا الفاظِ طلاق سے ہے۔

(۱) طلاق دینے والا صحیح الدماغ ہو۔ جنون زدہ کا طلاق دینا درست نہیں۔ لیکن وہ شخص جو لذت اندوزی کے لئے نشہ آور چیز استعمال کرے اور عقل جاتی رہے اور اسی حالت میں طلاق دے دے تو وہ طلاق پڑ جائے گی، البتہ اگر کسی مرض کو دور کرنے کے لئے کوئی شے اس خیال سے استعمال کی کہ اس سے نشہ نہیں ہوگا اور عقل زائل ہوگئی اور اسی حال میں طلاق دے دی تو یہ طلاق نہیں پڑے گی۔

(۲) طلاق دینے والا بالغ ہو۔ ایسا لڑکا جو بالغ نہ ہوا ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ بیوی کے حرام ہو جانے سے کیا مراد ہے تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ بڑا ہونے کے بعد وہ شمار کی جائے گی۔

(۳) طلاق دینے والے کو طلاق دینے پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔ اپنے اختیار سے نہ دی ہوئی طلاق امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر دیگر ائمہ کے نزدیک واقع نہ ہوگی۔

بیوی کے تعلق سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ طلاق دینے والے مرد کے زیر تحفظ ہو اگر اُس کا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور ابھی وہ عدت میں ہے تو بھی اس پر طلاق نہیں پڑے گی کیونکہ وہ ایسی طلاق یافتہ ہے جس کا نکاح ختم ہو چکا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی عقد صحیح سے اُس شخص کی زوجیت میں ہو اگر مرد نے کسی عورت سے بہ دوران عدت شادی کر لی یا کوئی اور فاسد عقد کر لیا تو وہ اُس کی بیوی نہیں مانی جائیگی

الفاظ طلاق سے تعلق رکھنے والی شرطیں دو ہیں:

۱۔ الفاظ ایسے ہوں جو صراحتہً یا کنایتہً طلاق کا مفہوم ظاہر کرتے ہوں۔ اگر کوئی مرد کسی ناراضی کے باعث بیوی کے پاس نہ آئے یا اُسے اپنے ماں کے گھر بھیج دے تو اُسے طلاق نہیں مانا جائے گا خواہ وہ اُس کا سامان بھی روانہ کر دے اور مہر بھی ادا کر دے۔ زبان سے لفظ ادا کئے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ محض طلاق کی نیت کر لینا اور زبان سے نہ کہنا طلاق نہیں کہلائے گا۔ البتہ تحریر کر کے طلاق دی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ نام سے ہو، پڑھی جا سکتی ہو اور محض تحریر کی آزمائش کے بطور نہ لکھی گئی ہو۔ گونگا شخص اگر اشارے سے طلاق دے اور وہ اشارہ قابلِ فہم ہو تو طلاق ہو جائے گی۔

(۲) منہ سے جو لفظ ادا ہو اُس میں لغزش زبان کو دخل نہ ہو اور وہی اُس کا مقصد بھی ہو مثلاً اگر وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ "تو طاہرہ ہے" لیکن زبان سے نکل گیا "تو طالقہ ہے" تو یہ طلاق نہ ہوگی لیکن حاکم ان الفاظ پر طلاق کا حکم دے سکتا ہے کیونکہ وہ دل کی بات نہیں جانتا۔

غصے میں طلاق دینا

ایسا غصہ جس میں عقل و ہوش باقی رہے اور زبان سے کہنے والا اپنے قول کو جانتا ہو، اگر بیوی کو طلاق دیدے تو بالاتفاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ غصہ کی وہ حالت جو عقل کو بے جا نہ رکھے اور اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے علاوہ تمام ائمہ کے نزدیک وہ مجنون کے حکم میں آئے گا اور اُس کی دی ہوئی طلاق نافذ نہیں ہوگی لیکن اگر وہ جو کچھ کہتا ہے اُسے سمجھتا بھی ہے تو جمہور علماء کا خیال ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ غصہ انسان کی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جو انسان کی ذات میں موجود ہے، وہ بذات خود حرام نہیں ہے، البتہ اُسے ایسے وقت میں استعمال کرنا جس کے لئے وہ نہیں بنایا گیا حرام ہے، بخلاف شراب کے کہ وہ ہر حال میں حرام ہے اس لئے غصے کی حالت کو شراب کے نشے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، تو اگر کوئی آدمی غصے میں اپنے آپے سے باہر ہو جائے اور بے ہودہ اقوال و افعال سرزد ہونے لگیں، اس حال میں دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

طلاق کی قسمیں

(الف) احکام شرعیہ کے لحاظ سے طلاق کی قسمیں واجب اور حرام (اور ان کے درمیانی درجات یعنی مستحب، جائز اور مکروہ) ہیں۔

(ب) طلاق دینے کے وقت و تعداد کے اعتبار سے اُس کی دو قسمیں ہیں، طلاق سُنّی اور طلاق بدعی۔ یہ تقسیم پہلی تقسیم کے منافی نہیں ہے۔

(ج) الفاظ یا عبارتِ طلاق کی رو سے اُس کی قسمیں یہ ہیں:۔

۱۔ طلاق صریح یعنی واضح الفاظ میں طلاق دینا جس سے کوئی دوسرا مطلب سوائے طلاق کے نہ نکلتا ہو۔

۲۔ طلاق بالکنایہ یعنی غیر واضح الفاظ میں طلاق دینا جس سے دوسرا مفہوم بھی نکل سکتا ہو۔

۳۔ طلاق بائن یعنی شوہر کو بیوی سے جدا کر دینے والی طلاق جس سے نکاح زائل ہو جائے

۴۔ طلاق رجعی یعنی قابل رجوع، ایسی طلاق جس کو واپس لیا جا سکتا ہو۔

ہر قسم کی طلاق کی تفصیل یہ ہے :

واجب اور حرام بنیادی طور پر طلاق کراہت سے متصف ہے یعنی ہر طلاق بذات خود مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حلال باتوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ بات اللہ کے نزدیک طلاق ہے" اگرچہ شریعت نے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کا حلال طریقہ طلاق کو قرار دیا ہے لیکن اسے بہرحال مکروہ بتایا ہے اور بلاوجہ اس پر عمل کرنا سخت ناپسندیدہ ہے۔ پھر بھی ایسے اسباب پیش آ سکتے ہیں جو کبھی طلاق کو واجب کبھی مستحب اور کبھی حرام اور کبھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔ طلاق واجب ہو جاتی ہے جب شوہر اپنی بیوی کے جائز مطالبات جنسی اور معاشرتی ادا کرنے سے عاجز ہو یا بیوی بدکار ہو۔ طلاق حرام ہے اُس وقت جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ کسی گناہ میں ملوث ہو جائیں یا کسی کی حق تلفی کا سبب بن جائیں طلاق مکروہ ہے اگر وہ بغیر کسی وجہ کے دی جائے۔ طلاق مستحب ہے اگر بیوی نماز روزے اور فرائض کو ادا نہیں کرتی ہو، بد اخلاق ہو، ہتک عزت کرتی ہو۔

سُنّی اور بدعی طلاق کی یہ خاص قسمیں اُوپر ذکر کی گئی تقسیم میں ہر قسم پر مشتمل ہیں یعنی جو طلاق صحیح وقت پر یعنی شریعت کے مقرر کردہ اصول کے مطابق اور مقررہ تعداد میں دی جائے وہ طلاق سُنّی ہے۔ اور بدعی وہ ہے جس میں نہ وقت کا لحاظ رکھا جائے نہ تعداد کا۔ دونوں کا فرق طلاق سنی کی شرائط سے واضح ہے۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ طلاق اُس زمانے میں دی جائے جب عورت پاک وصاف ہو۔ اگر ایام مخصوص (حیض ونفاس) میں طلاق دی تو یہ طلاق بدعی ہوگی جو گناہ اور حرام ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد عورت سے مباشرت نہ کی گئی ہو اور اُس سے تخلیہ نہ ہوا ہو۔ اگر مباشرت اور تخلیہ کر کے طلاق دی تو یہ فعل بھی حرام ہے اور طلاق بدعی ہوگی۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ طلاق صرف ایک دی جائے (یعنی رجعی) اُس کے ایک مہینے کے بعد جب ایام ماہواری گزر گئے ہوں تو پہلی بار پاک ہونے کے بعد (اگر رجوع نہیں کرتا)

دوسری بار طلاق دے پھر عدت کے دوران جب تیسری بار عورت پاک ہولے تو تیسری طلاق دی جائے۔ لیکن اگر پہلی بار کی پاکی کے دنوں میں دو یا تین طلاقیں دیں تو یہ طلاق بدعی ہوگی بلکہ پہلی بار ایک طلاق بائن دینا بھی بدعی ہے۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ مخصوص ایام میں بیوی کے پاس نہ گیا ہو اور پاک ہو جانے کے بعد بھی تخلیہ نہ کیا ہو تب طلاق درست ہوگی، ورنہ نہیں۔ جس طرح ممنوعہ ایام میں طلاق دینا درست نہیں اسی طرح ان ایام میں مباشرت کرنے کے بعد پہلی دفعہ پاک ہونے پر طلاق دینا بھی بدعی ہے تاوقتیکہ اُسے پھر ایام مخصوص نہ آجائیں اور پھر پاک ہو اور ان دونوں ایام (ناپاکی اور پاکی) میں مقاربت نہ کی ہو۔

ان چار (۴) شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے جو طلاق دی جائے گی وہ سُنی طلاق ہوگی ورنہ طلاق بدعی ہو جائے گی۔ احسن طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دی جائے جو رجعی ہوتی ہے اور پھر چھوڑ دیا جائے یعنی دوران مدت دوسری طلاق نہ دی جائے، عدت گزرنے کے بعد بیوی خود نکاح سے باہر ہو جائے گی۔

پاکی کے زمانے میں طلاق دینے کی قید اُس بیوی کے لئے ہے جس سے مباشرت ہو چکی ہو لیکن جس سے مقاربت ہی نہ ہوئی ہو اُس کے لئے زمانے کی قید نہ ہوگی، یہی حکم اُس بیوی کے لئے ہے جو صغیر سن ہو اور مخصوص ایام سے دوچار نہ ہوئی ہو یا جس کے ایام بند ہو چکے ہوں یا حاملہ ہو۔ مگر طلاق کی تعداد کی قید ہوگی یعنی ہر مہینے میں ایک طلاق رجعی پس اگر چاندرات کو اُس شخص نے ایک طلاق رجعی دی تو اگلے ماہ کی چاندرات تک انتظار کرے اس کے بعد طلاق دے پھر تیسرے مہینے کی چاندرات تک انتظار کرے گا اور تب تیسری طلاق دے گا اگر مہینے کے دوران طلاق دی ہے تو دوسری طلاق تیس دن گزرنے کے بعد اکتیسویں دن دیگا اور تیسری طلاق مزید تیس دن گزرنے کے بعد دے گا۔

طلاقِ صریح صریح الفاظ میں طلاق دینا کہ اُن الفاظ سے کچھ اور مراد نہ لی جا سکے مثلاً بیوی سے کہا کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں یا تجھ کو طلاق ہے یا میں نے تجھے طلاق دی یا تو مطلقہ ہے یا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، یہ سب الفاظ صریح شمار ہوں گے۔ ان الفاظ کے کہتے ہی طلاق پڑ جائے گی خواہ سنجیدگی سے کہے یا مذاق سے، دل میں نیت کرے یا نہ کرے ہر صورت سے

طلاق نافذ ہو جائے گی۔ پھر طلاق صریح رجعی بھی ہو سکتی ہے یعنی قابل رجوع اور بائن بھی ہو سکتی ہے یعنی ناقابلِ رجوع۔

طلاق رجعی کی صورت جب کسی عورت کو صریح الفاظ میں ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت کے اندر طلاق دینے والے کو اپنے اس فعل پر پشیمانی ہوئی اور ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کی خواہش ہوئی تو وہ طلاق سے رجوع کر سکتا ہے یعنی دوبارہ نکاح کے بغیر اُسے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔

طلاق رجعی کب بائن ہو جاتی ہے اگر پہلی بار صریح الفاظ میں ایک یا دو طلاق دینے کے بعد عدت بھر اس سے رجعت نہیں کی تو اب عدت (یعنی تین حیض کی مدت) گزرنے کے بعد ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر دو کی صراحت کی تھی تو دو طلاق بائن پڑ جائیں گی۔ جس کے بعد ازدواجی تعلق بغیر دوبارہ نکاح کے ممکن نہیں ہے، اور یہ نکاح بھی جب ہو سکے گا کہ دونوں رضامند ہوں۔ شوہر محض اپنی مرضی سے نکاح کرنا چاہے گا تو نہیں ہو گا۔

طلاق کس صورت میں مغلّظہ ہو جاتی ہے جب طلاق دینے والے نے صراحتاً تین طلاقیں دی ہوں تو پھر وہ نہ تو رجعت کر سکتا ہے اور نہ اُس عورت سے نیا نکاح کر سکتا ہے تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر کے اُس سے طلاق نہ حاصل کر لے، اس کو اصطلاح شرع میں حلالہ کہتے ہیں۔ حلالے کا بیان تین طلاقوں والی محرمہ عورت کے ضمن میں کیا گیا ہے۔

طلاق بالکنایہ کنایہ سے مراد یہاں ایسے الفاظ ہیں جو مخصوص طلاق کے لئے ہی نہ بولے جاتے ہوں لیکن اُس کا مطلب طلاق بھی لیا جا سکتا ہو اور بیزاری یا شدید ناگواری کا اظہار بھی ہوتا ہو مثلاً "میرا اب تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا" یا "میرے گھر سے چلی جاؤ" یا "میرا تمہارے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا" یا "اپنے ماں یا باپ کے پاس رہو" وغیرہ۔ تو اگر ان الفاظ سے نیت طلاق کی ہے تو طلاق بائن پڑ جائے گی۔ لیکن اگر اُس نے واضح کر دیا کہ "میری نیت طلاق کی نہیں تھی" تو طلاق نہیں پڑے گی۔ اب اگر ایک طلاق کی نیت تھی تو ایک اور اگر اسی طرح دو طلاقیں

دی تھیں تو دو طلاق بائن پڑ جائیں گی، دو کی حد تک وہ دوبارہ نکاح کر کے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے لیکن اگر اسی طرح تین طلاقیں دے دیں تو جس طرح تین صریح طلاق سے طلاق مغلظہ پڑ جاتی ہے اسی طرح تین کنایہ کی طلاقوں سے بھی طلاق مغلظہ پڑ جائے گی اور اُس کا حکم وہی ہوگا جو بیان ہو چکا۔ غیر صریح الفاظ سے جو طلاق دی جائے گی وہ رجعی نہیں ہوگی یعنی اس میں خود سے رجوع کر لینے کا اختیار شوہر کو نہیں ہوگا، اور عورت سے بغیر نکاح کے اُس کا تعلق حرام ہوگا خواہ ایک ہی بار کیوں نہ دی گئی ہو۔ شوہر کا یہ کہنا کہ اِن الفاظ سے میری نیت طلاق کی نہ تھی اسی وقت قابل لحاظ ہوگا جب دوسرا قرینہ موجود نہ ہو لیکن اگر قرینہ یہ بتاتا ہو کہ جس موقعہ پر یہ الفاظ کہے گئے اس میں طلاق کے علاوہ کوئی دوسرا مطلب نکلتا ہی نہیں مثلاً طلاق ہی کی گفتگو ہو رہی ہو اور شوہر بیوی سے کہے کہ "آپ اپنا بستر اُٹھائیے اور چلی جائیے اب میرے گھر نہ آئیے گا" یا بیوی نے کہا کہ "میرا آپ کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا مجھے طلاق دیدیجئے یا مجھے چھوڑ دیجئے" اور جواب میں شوہر نے کہا کہ "اچھا تو میں نے چھوڑ دیا یا تم کو آزاد کر دیا" تو ان صورتوں میں ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اور شوہر کو بیوی سے علیحدگی کا حکم دے دیا جائے گا۔ شوہر کا یہ کہنا کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی نہیں مانا جائے گا۔ (در مختار)

وہ الفاظ جن کیلئے نیت کا جاننا ضروری ہے

کنایہ کے بعض الفاظ جن کا مفہوم طلاق کے علاوہ بھی ہو سکتا ہو،

بہت طرح کے ہو سکتے ہیں مثلاً "میرا گھر چھوڑ دو۔ تم میرے کام کی نہیں ہو۔ یہاں سے چلتی بنو۔ اپنا منہ کالا کرو۔ میں نے تمہیں تمہارے ماں باپ کے حوالے کیا۔ میں تم سے بالکل بیزار ہوں۔ میں تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ تم میرے لائق نہیں ہو۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ ان جیسے الفاظ سے طلاق کا مفہوم بھی نکلتا ہے اور غصے کا اظہار بھی۔ تنبیہ و تادیب، طنز و تشنیع کا مفہوم بھی۔ اس لئے اگر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو کہنے والے کی نیت کو معلوم کرنا ہوگا۔ (بدایۃ المجتہد کتاب الطلاق میں ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ امام شافعیؒ نے تین مانے ہیں: طلاق۔ فراق۔ سراح جو قرآن میں مذکور ہے۔ امام مالکؒ صرف لفظ طلاق کو صریح مانتے ہیں اور اس کے علاوہ سب اُن کے نزدیک کنایہ ہے اور اُس کی بھی دو قسمیں ہیں ظاہر اور محتمل۔ تو ایسے الفاظ

جن سے کنایۃً طلاق کا مفہوم نکل سکتا ہو اور مفہوم ظاہر بھی نہ ہو محض احتمال ہو اور کوئی دوسرا قرینہ بھی موجود نہ ہو تو ایسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ الّا یہ کہ کہنے والا یہ کہے کہ اس کہنے سے میری نیت طلاق کی تھی۔

مبہم لفظوں میں دی گئی طلاق کا صریح بن جانا

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ایسے مبہم الفاظ کہے جس سے پتہ نہ چلتا ہو کہ آیا طلاق ہے یا محض سرزنش۔ پھر کسی نے پوچھا کیا آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے؟ اور جواب میں کہا "ہاں"، تو یہ طلاق صریح ہوگی۔

طلاق کی تعداد

شریعت نے طلاق کی تعداد تین مقرر فرمائی ہے لہٰذا طلاق کا لفظ کہا جائے تو اس میں وہ تعداد داخل ہوگی (ایک، دو، یا تین) جس کی نیت کی گئی ہے۔ صریح طلاق میں اگر تعداد کا ذکر نہیں کیا تو اس سے ایک طلاق رجعی پڑ جاتی ہے لیکن اگر کنایہ کے الفاظ میں طلاق دی تو ایک طلاق بائن پڑ جاتی ہے اور نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ تعداد کی صراحت اگر طلاق دیتے وقت کر دی ہے تو وہی تعداد طلاق کی مان لی جائے گی۔ البتہ اگر کسی نے اس طرح کہا کہ تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق تو اگر اس تکرار سے محض تاکید مقصود تھی (یعنی تین طلاق کی نہیں بلکہ ایک ہی طلاق کی تاکید) تو ایک ہی طلاق رجعی پڑے گی بشرطیکہ دل میں ارادہ تین کا نہیں تھا۔ کیونکہ نیت کے بارے میں جھوٹ بول کر اگر عورت سے تعلق رکھے گا تو زندگی بھر حرام کاری کا مجرم رہے گا اور جو اولاد ہوگی وہ ناجائز ہوگی۔

طلاق رجعی کے بارے میں ہدایات

واضح رہے کہ طلاق رجعی سے رشتۂ نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن کشیدگی یا بدمزگی پیدا ہو جانے سے کمزور ہو جاتا ہے۔ ایک صالح بیوی کو ایسی حالت میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے کشیدگی بڑھے بلکہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے جس سے دلوں میں خوشگواری پیدا ہو اور رشتہ پھر مضبوط جڑ جائے، فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کے لئے مستحب ہے کہ اس زمانے میں زیادہ بناؤ سنگھار کر کے رہے، طلاق رجعی میں عورت کو شوہر کے گھر ہی میں رہنے کا حکم ہے۔ یہ حکم عدت تک کے لئے ہے، اس مدت میں عورت کا رویہ ایسا ہونا چاہئے کہ شوہر دوبارہ اس کی

طرف مائل ہو جائے، عدت گزرنے کے بعد اُس کو شوہر سے پردہ کرنا چاہیئے اور اُس کے گھر سے چلا جانا چاہیئے۔

اس حالت میں مرد کو بھی بار بار اپنے فیصلے پر غور کرنا چاہیئے اور تعلق میں کمزوری پیدا کرنے والے اسباب کو دور کر کے اسے پھر سے استوار کرنے کی خواہش کرنا چاہیئے "وَالصُّلْحُ خَیْرٌ" پر عمل کرنے کی کوشش کر لینے کے بعد بھی اگر رشتہ جڑتا نظر نہ آئے تو پھر بیوی کے ساتھ غیر عورت جیسا برتاؤ کرنا یعنی پردہ کر لینا چاہیئے اور عدت کے بعد گھر سے رخصت کر دینا چاہیئے مگر یہ رخصتی ایسی ہو جس کو سَرَاحًا جَمِیْلاً قرآن میں کہا گیا ہے۔ عدت گزر جانے کے بعد طلاق رجعی طلاق بائن ہو گئی۔ اب اگر مرد و عورت دونوں چاہتے ہوں کہ رشتۂ نکاح قائم ہو جائے تو پھر جس طرح شروع میں نکاح ہوا تھا اسی طرح دوبارہ دو گواہوں کے سامنے نکاح کر کے رشتۂ نکاح قائم کر سکتے ہیں۔

ایسی بیوی جس سے مباشرت نہ ہوئی ہو اُس کو اگر ایک طلاق دی گئی تو وہ رجعی نہیں بلکہ بائن ہو گی کیونکہ اُس سے سابقہ ہی نہیں پڑا اور طلاق مل گئی تو یہ ایک طرح کا ظلم ہے اور ظلم کی سزا یہی ہو سکتی ہے کہ مرد کو رجوع کا حق نہ دیا جائے۔

عدت گزر جانے کے بعد رجوع کرنے کا حق ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح دوسری یا تیسری طلاق بھی اُس عورت پر واقع نہیں ہو گی۔ کیونکہ طلاق اُس کو دی جا سکتی ہے جو نکاح میں ہو۔ عدت کے بعد وہ نکاح سے نکل جاتی ہے، اب طلاق کا موقع ہی باقی نہیں رہتا۔ البتہ عدت پوری کرنے سے پہلے اگر دوسری یا تیسری طلاق دے دی تو وہ سب پڑ جائیں گی۔

طلاق بائن کے بارے میں ہدایات

طلاق بائن یا مغلظہ پانے والی عورت کو شوہر سے پردہ کرنا اور اُس کو غیر مرد تصور کرنا چاہیئے، البتہ عدت بھر اُسی کے گھر میں رہے گی اور نفقہ شوہر کے ذمے ہو گا، عدت میں بناؤ سنگھار کر کے نہیں رہے گی کیونکہ وہ انتہائی ناخوشگوار حالات سے دوچار ہو گی۔

وہ الفاظ جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی

طلاق بالکنایہ میں بہت سے الفاظ ایسے بتائے جا چکے ہیں جن سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگر نیت ثابت نہ ہو، اب یہ بتایا جاتا ہے کہ صریح لفظ طلاق اگر مستقبل کے صیغہ سے کہا جائے

تو بھی طلاق نہیں پڑے گی چاہے جتنی بار کہے کہ میں طلاق دوں گا۔ جس طرح نکاح ماضی وحال کے صیغوں سے منعقد ہو سکتا ہے اسی طرح طلاق بھی ماضی وحال کے صیغوں سے ہی پڑ سکتی ہے۔

تعلیق یعنی طلاق میں شرط لگا دینا

اگر بیوی سے کہا کہ "فلاں کام کیا تو تجھے طلاق ہے" اب وہ عورت جب بھی وہ کام کرے گی ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی لیکن اگر کوئی ایسی شرط لگائی جس کا صدور آدمی سے ممکن ہی نہ ہو تو وہ لغو ہو گی اور کبھی طلاق نہیں پڑے گی، طلاق اُسی وقت پڑے گی جب اُس کا موقع ومحل موجود ہو مثلاً اگر تو نے فلاں شخص سے بات کی تو تجھے طلاق ہے تو جب وہ اس سے بات کرے گی طلاق پڑ جائے گی لیکن اگر وہ آدمی مر جائے تو طلاق کا محل وموقع بھی ختم ہو گیا۔ یا اگر تو فلاں گھر میں گئی تو تجھ کو طلاق ہے، اب اگر وہ گھر گر گیا تو طلاق واقع نہ ہو گی خواہ وہ دوبارہ کیوں نہ بنا لیا گیا ہو۔ جس کام پر طلاق کو معلق کیا تھا وہ کام عورت نے کیا اور ایک طلاق رجعی پڑ گئی ——
پھر شوہر نے اُس سے رجوع کر لیا اور وہ میاں بیوی ہو گئے، اس عورت نے پھر دوبارہ وہی کام کیا تو اب اُس کو طلاق نہیں پڑے گی۔ کیونکہ وہ کام ایک بار کرنے پر طلاق معلّق تھی۔ ہاں اگر یہ کہا "جب جب فلاں کام کرے گی تو تجھے طلاق ہے تو اگر دوبارہ کرے گی تو دو طلاق اور تیسری بار کرے گی تو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔

تفویضِ طلاق

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ اپنے کو طلاق دے لو، تو اگر عورت نے فوراً ہی کہہ دیا کہ میں نے ایک یا دو طلاق بائن لے لیں تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اُس نے اُس وقت کچھ نہ کہا اور وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی یا دوسرا کام کرنے لگی تو یہ اختیار باطل ہو گیا البتہ اگر اس طرح کہا کہ جب چاہو یا جس وقت چاہو طلاق لے لو تو پھر اُس کو یہ اختیار رہے گا کہ جب چاہے طلاق لے کر علیحدہ ہو جائے۔

طلاق کے لئے نائب بنانا

مالک کو نائب بنانے کا حق ہوتا ہے۔ طلاق کا مالک مرد ہے عورت نہیں، اس کے دو سبب ہیں۔ پہلا یہ کہ مرد عورت سے نکاح کر کے یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کا نگراں، سرپرست اور

کفیل ہوگا، یہاں تک کہ اگر زوجیت سے اُس کو الگ کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو بھی اس کے بعد ایک مقررمدت (عدت) کے لئے اُس کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کا پابند ہے اور جو اولاد اُس کی اس عورت سے ہو اُس کی پرورش کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔ بیوی کا حق مہر اور اولاد کی دودھ پلائی کا معاوضہ اُسی کو ادا کرنا ہوتا ہے لہذا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ طلاق دینے کا اختیار اُسی کو ہو جس پر یہ سب ذمہ داریاں ہیں۔ طلاق دیتے وقت اُسے یہ سب مصارف بھی چکانے پڑتے ہیں، بسااوقات ان سب کا بار اُٹھانا اُس کی طاقت سے باہر ہوتا ہے اس لئے طلاق دینے سے پہلے اُسے بہت سوچنا پڑتا ہے اگر یہ اختیار بیوی کو دیا جاتا جس پر وہ ذمہ داریاں نہیں جو اُس کے اور طلاق کے درمیان حائل ہوں تو وہ جب ذرا سی ناراض ہوجاتی طلاق دینے میں تامل نہ کرتی۔ اس میں بڑی حکمت و مصلحت ہے کہ عورت کو شریعت نے یہ اختیار نہیں دیا۔

دوسرا سبب عورت کی فطرت ہے جو قدرت نے بنائی ہے کہ وہ مرد کے مقابلے میں نہ تو سختی برداشت کرسکتی ہے اور نہ اُس جیسا صبر و استقلال وہ بہت جلد اثر قبول کرلیتی ہے اور مردوں کی طرح نفس پر قابو نہیں رکھ سکتی، رشتۂ زوجیت کے استحکام اور اس کی بقا کے لئے عزم و استقلال اور اثر ناپذیری ضروری ہے، ذرا سی دیر میں خوش اور ذرا سی دیر میں ناخوش ہوجانے والا مزاج اس لائق نہ تھا کہ اُسے ایسے اہم اور مستحکم رشتے کو توڑ دینے کا اختیار دیا جاتا۔

لہذا جب طلاق کا اختیار مرد کو ہے تو اُسے یہ حق بھی ہے کہ وہ اپنی طرف سے طلاق کے لئے کسی کو اپنا نائب بنادے۔ نائب بنانے کی یہ تین صورتیں ہیں (۱) نیابت بذریعہ رسالت یعنی کسی کو بھیج کر اپنی بات پہنچانا (۲) نیابت بذریعہ وکالت یعنی کسی کو اپنی مرضی بتادینا کہ وہ اُس کی مرضی کے مطابق کام کرے (۳) نیابت بذریعہ تفویض یعنی اپنا کام دوسرے کے سپرد کردینا کہ جس طرح چاہے انجام دے۔ تینوں صورتوں میں جو فرق ہے اُس کو سمجھ لینا چاہیئے۔ پہلی قسم کا نائب مالک کے الفاظ کو بعینہٖ نقل کردے گا نہ کچھ بڑھائے گا نہ گھٹائے گا۔ دوسری قسم کا نائب مالک کی مرضی پر عمل کرے گا اُس کی مرضی کے خلاف نہ کوئی بات کرے گا نہ کہے گا اور تیسری قسم کا نائب مالک کا بتایا ہوا کام اپنی مرضی کے مطابق انجام دیگا۔ دوسری قسم کا نائب جس کو وکیل کہا جائے گا اُسے وکالت سے علیحدہ کردینے کا حق مالک کو رہتا ہے۔ لہذا طلاق کے سلسلے

میں کسی کو وکیل بنانے کے بعد یہ کہنے کا حق باقی رہے گا کہ میں نے تم کو اس حق سے سبک دوش کیا، شوہر کو حق ہے کہ بیوی سے مباشرت کر کے اس وکالت کو باطل کر دے لیکن تفویض یعنی طلاق کا معاملہ سپرد کر دینے کے بعد یہ حق نہیں رہتا کہ اُسے واپس لے اور اگر بیوی تفویض کا حق اُن شرائط کے مطابق استعمال کرے جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا تو وہ نافذ ہوجائے گی۔ اگر فرستادہ کے ذریعہ شوہر نے یہ اختیار اپنی بیوی کو دیا تو جب وہ فرستادہ اُس کا قول نقل کر دے اور بیوی اپنے اختیار کو شرائط کے مطابق استعمال کرے تو اُس کی طرف سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

طلاق کے لئے تحریر کے ذریعہ نائب بنانا مرد تحریر لکھ کر بھی اپنی بیوی کو اپنی طرف سے طلاق کے لئے نائب بنا سکتا ہے، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت یا اُس کا ولی یا وکیل۔ شوہر (یا اُس کے ولی یا وکیل) سے ایک تحریر لے جس میں یہ ذکر ہو کہ اگر شریعت کے واجب کردہ حقوق و فرائض کو ادا کرنے میں ناکام رہوں تو عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرلے اور میرے عقد نکاح سے نکل جائے۔ اس تحریر پر دونوں طرف کے آدمی گواہ بنالئے جانا بھی ضروری ہے عورت کے حقوق اور مرد کے فرائض کا ذکر بھی کرنا چاہیئے، اس طرح عورت پر جب کوئی زیادتی، حق تلفی یا کوئی اور ظلم مرد کی طرف سے ہوگا اور دونوں طرف کے گواہ بھی اسے تسلیم کرلیں گے تو عورت کو خود طلاق لینے کا اختیار ہوگا۔ یہ تحریر نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت بھی لکھی جاسکتی ہے اس طور پر کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا ہے اور ان باتوں کا ذمہ لیا ہے اگر میں ان کی خلاف ورزی کروں تو اس (عورت) کو ایک طلاق بائن واقع کرنے کا حق ہوگا۔ یا میں نے فلاں عورت سے اس شرط پر نکاح کیا یا کرتا ہوں کہ....

خلع کا بیان

خلع کے معنی خ پر زبر کے ساتھ اُس کے معنی اُتار دینے کے ہیں "خَلَعَ الرَّجُلُ ثَوبَہ خَلْعًا" (اُس نے اپنا کپڑا اتار دیا) اور "خَلَعتُ النَّعلَ خَلْعًا" (میں نے

جوتی اُتار دی) چونکہ اُتارنے کا مفہوم علیٰحدہ کر دینا ہے تو اسی لئے کہتے ہیں "خَلَعَ الرجلُ امرأتَہ" (مرد نے اپنی عورت کو علیٰحدہ کر دیا) "خلعت المراۃ زوجھا" (عورت نے اپنے شوہر سے علیٰحدگی اختیار کرلی) خُلع پیش کے ساتھ خاص طور پر زوجیت سے علیٰحدگی کے لئے بولا جاتا ہے، زوجین کی علیٰحدگی کو لباس اُتار دینے سے مشابہ قرار دیا گیا ہے اور وجہِ شبہ دونوں کا لباس ہونا ہے، قرآن میں فرمایا گیا ہے "ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ" (بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم بیویوں کے لباس ہو)

خلع اور طلاق میں فرق

خلع اُس وقت بھی روا ہے جبکہ طلاق روا نہ ہو مثلاً ایام ماہواری یا حالت نفاس میں یا ایسے طہر میں جس میں مباشرت کی گئی ہو طلاق دینا منع ہے مگر خلع درست ہے، اس کے جائز ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ (بقرہ - ۲۲۹)

" اگر یہ اندیشہ ہو کہ شوہر اور بیوی دونوں اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اس میں کوئی ہرج نہیں کہ بیوی فدیہ دے کر علیٰحدگی اختیار کرلے"

طلاق بلا معاوضہ ہوتی ہے، اور معاوضہ لے کر جو طلاق دی جاتی ہے اُسے خلع کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر دونوں فعل مکروہ ہیں، صرف اُسی وقت اجازت ہے جب اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہنا ممکن نہ ہو۔ علیٰحدگی ضروری نہ ہو تو طلاق حرام ہے، اسی طرح خلع بھی حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المختلعات ھن المنافقات ۔ بغیر کسی وجہ کے خلع چاہنے والیاں حقیقۃً منافق ہیں۔

خلع کب درست ہے

اللہ کے مقرر کردہ حدود کی پاسداری دونوں زوجین پر فرض قرار دی گئی ہے کہ دونوں ان سے تجاوز نہ کریں، ان حقوق کے منجملہ جن کی پاسداری کا بیوی کو حکم ہے یہ ہے کہ شوہر کی مکمل فرماں برداری کرے سوائے اُس صورت کے جبکہ ضرر کا اندیشہ ہو (دینی یا دنیوی)۔ خاوند کے ساتھ رفاقت رکھے یعنی ایسی بات نہ کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو مثلاً کسی اجنبی شخص سے بات چیت کرنا یا اُسے گھر میں بُلانا، شوہر کی شریک حیات بن کر رہے، یہ حلال نہیں ہے کہ بظاہر شوہر کے ساتھ ہو لیکن دل کا تعلق

دوسروں سے ہو، شوہر کی خیرخواہ ہو لہٰذا یہ بھی حلال نہیں ہے کہ اتنا زیادہ خرچ کا بار ڈالے، جس سے معاشی حالت اور معاشرتی نظام بگڑے یا بیٹے بیٹیوں کی تربیت میں کوتاہی کرے یا اُن کے لئے بُرا نمونہ ثابت ہو۔ شوہر کے مال میں اور اُن حقوق کی مراعات میں جن کا حکم شوہر نے دیا ہے خیانت نہ کرے، پاک دامن رہتے ہوئے شوہر کی عزت کی حفاظت کرے ان کے علاوہ اور دوسرے اخلاقی حقوق بھی ہیں۔

اب اگر زوجین میں اختلاف واقع ہو جائے تو سنت طریقہ یہ ہے کہ کنبے کے دو شخص بیچ میں پڑ کر تصفیہ کرائیں جس کی طرف اللہ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے۔ "فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا۔ جس کی تشریح "طلاق پسندیدہ عمل نہیں ہے" کے ضمن میں کی جا چکی ہے۔ حَکَمْ سے مراد ایسا شخص ہے جو تصفیہ کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور من اھلہ اور من اھلھا کی قید اس لئے ہے کہ کنبے والے ہی اندرونی معاملات سے باخبر ہوتے ہیں پھر میاں اور بیوی بھی یہ پسند نہ کریں گے کہ اُن کے داخلی معاملات کو غیروں کے سامنے لایا جائے۔

تصفیہ کنندگان کا فرض یہ ہونا چاہئیے کہ دونوں میں مفاہمت کرا دیں لیکن اگر وہ اصلاح نہ کر سکیں اور باہمی مخالفت اتنی شدید ہو جائے کہ احکام الٰہی کا بھی پاس نہ رہے تو ایسی صورت میں معاوضہ لے کر یا بغیر معاوضہ کے اُن میں علیحدگی کرا دینا درست ہے جس کی صورت طلاق یا خلع ہے۔ طلاق کا اختیار خاص شوہر کا ہے یا اُن کو جنھیں وہ اپنا نائب بنا دے، اگر تصفیہ کنندگان کو نائب بنا دے تو انھیں طلاق دینے کا حق ہو جائے گا۔ خلع کے معاملے میں بیوی کا حق ہوتا ہے کہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مال کا فدیہ دینے کے لئے رضامندی دے اسی بنا پر اُس کا مطالبۂ خلع درست ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شوہر اپنی بیوی پر معاملۂ خلع میں تشدد کر کے اور دکھ پہنچا کر فدیہ وصول کرے گا تو وہ اُس کے لئے حرام ہے خواہ وہ مال مہر ہو یا کوئی اور مال ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا یعنی بیوی کو جو کچھ دے چکے ہو اُس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ اس کے بعد وہ دوسری آیت ہے جس کا ذکر ہم نے خلع اور طلاق میں فرق بتاتے ہوئے کیا ہے جس میں ارشاد ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو بیوی کو مال دے کر اپنا پیچھا

چھڑا لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ دونوں آیتوں میں پہلے تو شوہروں کو یہ بتا دیا گیا کہ تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم نے اپنی بیویوں کو دے دیا ہے اُس میں سے کچھ بھی واپس لے لو پھر دوسری آیت میں یہ کہا گیا "لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حقوق وحدود کا پاس نہ کرسکیں گے تو اس صورت میں عورت کچھ دے دلا کر اپنی جان چھڑا لے، اس میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ شوہر کو ان دو حالتوں میں بیوی کے مہر سے کوئی واسطہ نہیں ہے' ایک تو اس حالت میں جب اختلاف کی بنا خود شوہر ہو، دوسرے اس حالت میں جبکہ زوجین کو حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ نہ ہو۔ طلاق کا معاوضہ لینا اُسی حالت میں روا ہوگا جب حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو جس میں شوہر کے ساتھ بیوی کا بُرا برتاؤ اور بیوی کو شوہر کی طرف سے ایذا رسانی دونوں باتیں شامل ہیں، اس حال میں اگر عورت مال کے عوض خلع قبول کرے تو خلع عائد ہو جائے گا اور معاوضہ میں جو مال شوہر کو ملے گا وہ اُس کا مالک ہو جائے گا لیکن اگر بیوی کو مال دینے پر مجبور ہونا شوہر کی ضرر رسانی اور بدسلوکی پر مبنی ہو تو اُس مال پر شوہر کی ملکیت مذموم ہو گی۔ بیوی کے ذمہ مال واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ بہ رضا و رغبت دے نہ کہ مجبور کرنے پر، اگر مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے ایک ہزار روپے کے عوض طلاق دی اور اُسے ادائگی پر مجبور کیا تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی اور زرِ فدیہ کا حقدار نہ ہوگا اور اگر اُس نے لفظ خلع استعمال کیا یعنی یوں کہا کہ میں نے تیرے ساتھ خلع کیا اور مجبور کیا کہ وہ اسے منظور کرلے تو طلاق بائن پڑ جائے گی لیکن مال وصول کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"لَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا" یعنی دونوں پر مال کے لینے، دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے یعنی جب دونوں طرف سے یہ خواہش ہو لیکن مرد کے لئے دیا ہوا مال واپس لینا مذموم و معیوب ہے اور قرآن میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے "لَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ (نساء ۱۹)" یعنی بیویوں کو اس ارادے سے تنگ نہ کرو کہ جو کچھ تم نے اُنھیں دیا ہے اُس میں سے کچھ واپس لے لو۔ علاوہ ازیں مَردوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ "فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ" (طلاق - ۲) (خوش اسلوبی سے اُن کو نکاح میں رہنے دو یا پھر خوش اسلوبی کے ساتھ اُن کو الگ کر دو) لہٰذا مرد کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ بیوی کو ستا کر خلع پر مجبور کرے۔

خلع کے ارکان وشرائط

خلع کے پانچ رکن ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ موجود ہو تو خلع نہیں ہوسکتا۔ پہلا رکن مستلزم العوض ہے۔ یعنی وہ شخص جو معاوضہ (زرِ خلع ادا کرنے کا ذمہ دار ہو خواہ خود بیوی ہو یا کوئی اور شخص۔ دوسرا رکن بُضع ہے۔ یعنی عورت کی عصمت جس سے نفع اُٹھانے کا مالک شوہر ہوتا ہے اگر یہ ملکیت ختم کر دی گئی تو یہ رُکن بھی موجود نہ ہوگا اور خلع درست نہیں رہے گا (یہ ملکیت طلاق بائن سے ختم ہو جاتی ہے) تیسرا رکن معاوضہ ہے یعنی وہ مال جو بیوی اپنی ازدواجی حیثیت (سے آزاد ہو جانے) کے عوض ادا کرے، چوتھا رکن شوہر ہے اور پانچواں رُکن اُس کا اپنی بیوی کی عصمت کا مالک ہونا ہے۔ یہ خلع کے وہ لازمی اجزا ہیں جن کی موجودگی کے بغیر خلع نہیں ہوسکتا۔

۱۔ مستلزم العوض کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ معاملہ کرنے کا اہل ہو اور مال میں تصرف کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، لہٰذا صغیر سن (نابالغہ) جنون زدہ یا حواس باختہ عورت کا خلع کرنا درست نہیں ہے اور اُسے مالی امور کا سپرد کرنا بھی صحیح نہیں۔ جس طرح صغیر سن لڑکی کا مال کے عوض خلع کرنا صحیح نہیں اسی طرح بے عقل لڑکی کا خلع کرنا بھی درست نہیں، بے عقل سے مراد وہ لڑکی ہے جو فضول خرچ ہو، اپنا مال تلف کرتی ہو یا غیر شرعی امور میں ضائع کرتی ہو۔ مریضہ عورت اگر حالتِ مرض میں خلع کرے تو خلع درست ہوگا لیکن وہ اسی مرض میں انتقال کر جائے تو مالِ خلع اُس کے مملوکہ مال کے ایک تہائی حصہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ عطیہ کے مانند ہے اور کسی کو حق نہیں کہ اپنے مال کے ایک تہائی حصہ سے زائد عطیہ میں دیدے۔ اگر انتقال دورانِ عدت میں ہوا تو شوہر کو وراثت کا حق پہنچتا ہے، اب اگر حصۂ میراث کل مال کے ایک تہائی سے کم ہے تو وہی شوہر کو دیا جائے گا اور اگر زیادہ ہے تو ایک تہائی ہی اُس کو ملے گا۔

صغیر سن لڑکی کا باپ اپنی لڑکی کی طرف سے اُس کے مال کے عوض خلع کرلے تو خلع ہو جائے گا لیکن مال کا ادا کرنا واجب نہ ہوگا لیکن اگر وہ اپنے مال کے عوض لڑکی کی طرف سے خلع کرے گا یعنی ادائگی مال کا ضامن ہوگا تو مال کی ادائگی لازم ہو جائے گی۔ باپ یا کوئی اور شخص اگر ادائگی مالِ خلع کی ضمانت لے لے مثلاً یوں کہے کہ میری بیٹی

یا فلاں کی بیٹی کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کے عوض خلع کر لو اور زرِ خلع کی ادائگی کا میں ضامن ہوں اور شوہر یہ لکھے کہ میں نے یہ خلع منظور کر لیا تو خلع صحیح ہو جائے گا۔ اگر شوہر نابالغ لڑکا ہے تو اُس کا ولی زرِ خلع وصول کرے گا۔

۲۔ معاوضہ خلع :- یا تو نقد ہونا چاہئیے یا کوئی قیمتی شے۔ دوسری شرط اس کا حلال ہونا ہے۔ شراب، سور، مردار، شریعت کی نظر میں، حرام ہیں اور کوئی قیمت نہیں رکھتیں اگرچہ غیر مسلموں کی نظر میں اُن کی قیمت ہو۔ اسی طرح مال مغصوب ہے۔ مہر یا مال تجارت کے عوض خلع کرنا درست ہے، اسی طرح زمانہ عدت کے نفقے اور بچے کے دودھ پلائی کے مصارف کے معاوضہ میں بھی خلع ہو سکتا ہے۔

۳۔ الفاظ خلع :- لفظوں میں خلع کے لئے ایجاب وقبول ہونا ضروری ہے یعنی جب تک عورت اپنے شوہر سے یہ نہ کہے کہ تم اس قدر معاوضے پر خلع کر لو اور شوہر کہے کہ میں نے اتنے پر خلع منظور کر لیا یا شوہر کہے کہ تم مجھ سے اتنے کے عوض خلع کر لو اور بیوی کہے کہ میں نے خلع کر لیا اُس وقت تک خلع نہیں ہوتا، محض ایک دوسرے کو مال دیدینے سے خلع درست نہ ہوگا۔

اگر خلع کے وقت مال کا کوئی ذکر نہیں ہوا اور دونوں نے خلع کر لیا تو دونوں پر جو مالی حقوق ہیں وہ معاف ہو گئے مثلاً اگر عورت مہر پا چکی ہے یا شوہر نے اسے کوئی رقم دی ہے تو اب شوہر اُس سے واپس نہیں لے سکتا، اسی طرح اگر عورت نے کچھ دے رکھا ہے یا اُس کا مہر باقی ہے تو وہ واپس نہیں لے سکتی۔ البتہ عدت بھر عورت کو نان نفقہ اور سکنیٰ فراہم کرنا مرد پر ضروری ہے۔

اگر مرد عورت پر دباؤ ڈال کر خلع پر مجبور کرتا ہے تو عورت پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں ہے اگر شوہر نے مہر نہیں ادا کیا ہے تو وہ ساقط نہیں ہوگا، خلع میں مال تب ہی واجب ہوتا ہے جب عورت خوشی سے اُسے منظور کر لے۔

خلع طلاق بائن ہے فسخ عقد نہیں ہے

خلع سے جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ اُن تین طلاقوں میں شمار ہوتی ہے جس کا مالک

شوہر ہوتا ہے لہذا یہ فسخ عقد نہیں ہے۔ طلاق صریح الفاظ میں یا کنایہ سے عورت کو زوجیت سے خارج کر دینے کا نام ہے، اسی میں خلع بھی داخل ہے چنانچہ طلاق کی جگہ خلع کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ بھی صریح طلاق ہوگا، مال کے عوض ہو تو بھی صریح طلاق ہے معاوضہ نہ ہو تو کنایہ ہوگا جس سے طلاق بائن پڑ جاتی ہے، ایلاء میں بھی طلاق پڑ جاتی ہے اگر قسم نہ توڑے اور چار ماہ تک بیوی کے ساتھ مقاربت نہ کرے جس کی تفصیل ایلاء کے بیان میں آچکی اس کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں مثلاً مرد کا فرائض زوجیت ادا کرنے سے عاجز ہونا یا عورت پر بدکاری کی تہمت لگانا جسے لعان کہتے ہیں تو یہ صورتیں طلاق کی ہیں فسخ عقد نہیں ہیں۔

فسخِ عقد فسخ عقد کی ایک صورت قومیت مختلف ہو جانا یعنی میاں بیوی میں سے کوئی ایک دار الحرب کو چھوڑ کر دار الاسلام میں آبسے تو قومیت بدل جائے گی عقد فسخ ہو جائے گا لیکن اگر ارادہ واپسی کا ہو تو فسخ نہ ہوگا۔ فسخ کا ایک اور سبب یہ ہے کہ عقد فاسد ہوا ہو مثلاً گواہوں کے بغیر نکاح کر لیا یا ایک مقررہ مدت کے لئے کیا تو نکاح ہی فاسد تھا اس لئے علیحدگی واجب ہوگی اور اسے فسخ عقد کہا جائے گا، غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی کا مسلمان ہو جانا بھی فسخ عقد کا سبب ہے۔ ایسی حرکت جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جائے وہ بھی فسخ عقد کا موجب ہوتی ہے مثلاً مرد اپنی بیوی کی ماں یا بیوی کی جوان لڑکی جو پہلے شوہر سے ہو کو جنسی خواہش کے تحت ہاتھ لگائے یا عورت بری خواہش کے ساتھ اپنے شوہر کے بیٹے کو پیار کر لے وغیرہ۔

ان عیوب کا بیان جو فسخ نکاح کا موجب ہیں اس میں عنین (نامرد۔ جو پیدائشی طور پر یا بڑھاپے کے سبب مباشرت پر قادر نہ ہو) مجبوب (زنخہ) خصی (جس کے خصیتین الگ کر دیئے گئے ہوں) شامل ہیں۔ وہ امراض جو شوہر یا بیوی میں پائے جاسکتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جن کی موجودگی سے میاں اور بیوی دونوں، فسخ نکاح کا مطالبہ بغیر کسی شرط کے کر سکتے ہیں۔ دوسری قسم کے عیوب وہ ہیں جن کی بنا پر فسخ نکاح کا مطالبہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ بوقت عقد یہ شرط رکھی گئی ہو (کہ اس عیب کی وجہ سے نکاح درست نہیں ہوگا۔ پہلی قسم کے عیوب تین نوع

کے ہیں ـــ

۱۔ وہ عیوب جو مرد اور عورت دونوں میں ہوسکتے ہیں مثلاً برص، جذام، جنون وغیرہ۔

۲۔ وہ عیوب جو مرد کے ساتھ مخصوص ہیں ـــ مثلاً عنین، مجبوب، یا خصی ہونا تفصیل اوپر بیان کی گئی۔

۳۔ وہ عیوب جو عورت کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً: عفل (خصیوں کی سوجن کی طرح کا مرض ہے جو غدود بڑھ جانے سے پیدا ہوجاتا ہے) قرن (گوشت یا ہڈی کا غیر معمولی اُبھار) رتق (جڑ جانا، راستہ بند ہوجانا) تینوں امراض مانع مباشرت ہیں۔

مذکورہ عیوب وہ ہیں جن کے پائے جانے پر فریقین کو یہ حق پہنچتا ہے کہ فسخ نکاح کا مطالبہ غیر مشروط پر کرسکیں۔ دوسری قسم کے عیوب جن سے فسخ نکاح واجب نہیں ہوتا (اگران کے نہ ہونے کی شرط نہ رکھی گئی ہو) اکثر پائے جاتے ہیں۔ جیسے نظر کی کمزوری (اندھاپن، شب کوری) اور تو ندر سیاہ فامی۔ گنجاپن، بسیار خوری اسی جیسے بہت سے امراض اور عیوب ہیں جن کی وجہ سے فسخ نکاح لازم نہیں ہوتا جب تک کہ میاں بیوی میں سے کوئی نکاح کے وقت ان عیوب سے خالی ہونے کی شرط نہ رکھ دے۔

تفریق فسخ نکاح کی درخواستوں پر قاضی یا حاکم عدالتِ شرعی میاں بیوی میں علیحدگی کرانے کا حکم دیتا ہے، اسی کو تفریق کہتے ہیں۔ طلاق اور خلع کے علاوہ یہ رشتۂ نکاح منقطع کرنے کی ایک اور صورت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر شوہر میں بیوی کی جنسی خواہش پوری کرنے کی صلاحیت نہیں ہے یا صلاحیت تو ہے مگر وہ ایسے بُرے مرض میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے بیوی اُسے پسند نہیں کرتی (جیسے کوڑھ، برص، سوزاک یا آتشک یا وہ بالکل پاگل ہوگیا ہو) یا بیوی کو نان نفقہ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا بیوی کی کوئی خبر نہیں لیتا۔ یا لاپتہ (مفقود الخبر) ہوگیا ہے، ان سب صورتوں میں عورت کو اسلامی شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ اگر وہ ایسے شوہر کی قید نکاح سے خود کو نکالنا چاہے تو قاضی یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو تو چند ذمہ دار دین دار مسلمانوں کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر کے چھٹکارا حاصل کرلے۔ اسی طرح اگر عورت کو جنون ہوجائے یا ایسا مرض لاحق ہو جس کی وجہ سے مباشرت نہ کی جاسکتی ہو یا ایسا متعدی مرض (مثلاً

آتشک سوزاک وغیرہ) ہو، جس سے مرد کو اس مرض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو مرد قاضی کے سامنے یا ذمہ دار دیندار مسلمانوں کے سامنے درخواست پیش کر کے تفریق کرا سکتا ہے۔

فسخ نکاح اور تفریق کے بارے میں فقہاء کا مسلک

عنین اور مجبوب سے فسخ نکاح کے سلسلے میں تمام ائمہ متفق الرائے ہیں کہ فسخ نکاح کا حق بلا شرط ہے۔ لیکن دوسرے عیوب کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ جب مرد کو طلاق کا اختیار ہے تو فسخ کرانے کا اختیار اُس کو دینا غیر ضروری ہے اور عورت کو عنین اور مجبوب سے فسخ نکاح کا حق ہے، باقی دوسرے عیوب جیسے جنون، جذام یا برص وغیرہ میں نہیں ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ کے دوسرے ممتاز شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ فسخ کا حق رفعِ ضرر کے لئے دیا گیا ہے لہٰذا ہر وہ مرض جس سے عورت کو تکلیف پہنچتی ہو اُس میں فسخ نکاح کا حق اُسے ہے:

لها الخيار دفعا للضرر عنها	دیگر تکلیف دہ امراض میں عورت کو
كما فى الجُبّ وَ العِنّةِ ۔	فسخ نکاح کا حق اُسی طرح ہے جس طرح
(ہدایہ)	مرد کے مجبوب اور عنین ہونے کی صورت میں ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ برص، جنون اور تمام ان امراض میں جو مانع مباشرت ہوں تفریق کی اجازت دیتے ہیں۔ باقی میں نہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مجبوب، عنین، مفقود، متعنت (قدرت کے باوجود عورت کی ضرورتیں نہ پوری کرنے والا) مجنون۔ مجذوم اور مبروص سے اور متعدی یا گھناؤنے امراض (آتشک سوزاک وغیرہ) میں مبتلا سے فسخ نکاح کی اجازت دیتے ہیں، عورت میں ایسی خرابیاں جو مانع مباشرت ہوں اُن میں بھی مرد کو فسخ کا اختیار ہے۔

امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ان عیوب کی بنا پر فسخ نکاح کی اجازت اس شرط کے ساتھ دیتے ہیں کہ مرد یا عورت کو نکاح سے پہلے ان کا علم نہ ہو، اگر علم کے باوجود نکاح کیا ہے تو فسخ کی اجازت نہیں ہے۔

فقہائے امت کی ان رایوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس میں کتنی وسعت ہے

اسی ضرورت کے پیشِ نظر مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے دوسرے ممتاز علماء کے تعاون سے جن میں مولانا مفتی محمد شفیع بھی شامل ہیں اپنی نگرانی میں چند رسائل مرتب کرائے جس میں عورت اور مرد کے درمیان تفریق کے مسائل درج کر دیئے ہیں اور اسی پر عملدر آمد کیا جاتا ہے، وہ رسالے یہ ہیں:۔ الحلیۃ الناجزہ للحلیۃ العاجزہ، المختارات فی مہمات التفریق والخیارات، المرقومات للمظلومات۔

متعنت، مفلس، مفقود الخبر، غائب غیر مفقود اور مفقود کی واپسی کے بعد کے مسائل پر ان رسائل میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تفریق کا حکم اور اُس کا اثر تفریق سے ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی یعنی عدت کے بعد اُس عورت کو دوسرا نکاح کرنے کا حق ہوگا، اگر شوہر عدت کے اندر واپس آجائے (مفقود ہونے کی صورت میں) یا عورت کی ضروریات پوری کرنے پر راضی ہو جائے (متعنت ہونے کی صورت میں) یا صحتیاب ہو جائے (اُس مرض سے جس کے سبب تفریق کی گئی تھی) تو زمانۂ عدت کے اندر اُس کو رجعت کرنے کا حق ہوگا خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔

اگر عدت کے بعد واپس آئے تو بھی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اُس نے عورت کے دعوے کے خلاف ثابت کر دیا تو عورت کو اسی کی بیوی رہنا ہوگا، دوسری صورت یہ کہ عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت نہیں کی تو پھر عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔

اگر شوہر نے عورت کے دعوے کے خلاف کوئی بات ثابت کر دی لیکن وہ عورت کسی دوسرے کے نکاح میں جا چکی ہے تو بھی عورت کو پہلے شوہر کے پاس آنا ہوگا، نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے نہ تجدید مہر کی، البتہ اگر دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو عورت پر عدت واجب ہے، پہلا شوہر عدت بھر اُس سے مجامعت نہیں کر سکتا۔ اگر حاملہ ہے تو ولادت تک مجامعت نہیں کر سکتا۔ وہ دوسرے شوہر سے بھی مہر پانے کی حقدار ہوگی اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے لیکن اگر صرف نکاح ہوا ہے تو مہر کی مستحق نہ ہوگی (المرقومات للمظلومات)

مفقود الخبر اوپر فسخ نکاح اور تفریق کے مسائل بیان کئے گئے ہیں جن میں مفقود الخبر اور غائب غیر مفقود کا ذکر بھی آیا ہے، لہٰذا کچھ تفصیل سے دونوں صورتیں

اور اُن سے متعلق مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔ مفقود الخبر وہ شخص ہے جو منکوحہ بیوی کا شوہر ہو اور پھر باہر چلا گیا ہو اور کسی کو خبر نہ ہو کہ وہ کہاں چلا گیا نہ یہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ ایسے شخص کی بیوی دوسرا نکاح نہیں کر سکتی جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ وفات پا گیا ہے۔ سابق زمانے میں ذرائع مواصلات بہت کم تھے اور مدت دراز کے بعد بھی یہ یقین کر لینا کہ فلاں شخص اب زندہ نہیں ممکن نہ تھا۔ لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے اور مفقود شخص کا حال چھپا رہنا تقریباً دشوار ہو گیا ہے۔ مفقود الخبر کی بیوی کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ اُس وقت تک نکاح نہ کرے جب تک مفقود الخبر شوہر کے وفات پا جانے کی تصدیق نہ ہو جائے خواہ اس میں کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگے عقد نکاح کا احترام اور اخلاق کی پاکیزگی اس رائے کو صحیح و درست ماننے کی مؤید ہیں لیکن زمانہ حال میں جبکہ ضبطِ نفس اور قناعت کی وہ اعلیٰ قدریں باقی نہیں رہیں، امت کے فقہا نے عورت کو بغیر کسی سرپرست کے جو اُس کی عصمت کا بھی نگہبان ہو چھوڑے رکھنا اسلامی مزاج کے منافی سمجھا اور امام مالک اور امام حنبل رحمہما اللہ نے انتظار کی حد چار سال مقرر کی جس کے بعد عورت کو اسلامی عدالت کا حاکم عقد ثانی کا اجازت نامہ عطا کر سکتا ہے، فقہائے احناف بھی اسی مسلک سے متفق ہیں جس کا عملدرآمد حسب ذیل طریقے سے ہوگا:

۱۔ سب سے پہلے شوہر کے مفقود الخبر ہونے اور نان نفقے کا انتظام نہ ہونے اور شوہر کی غیبت میں عصمت و عزت کی حفاظت نہ ہو سکنے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے اپنا دعویٰ حکومت اسلامی یا ذمہ دار مسلمانوں کی جماعت کے سامنے پیش کرے۔

۲۔ دعوے کی سماعت کے وقت دو ایسے معتبر گواہ پیش کر کے یہ ثابت کرے کہ فلاں شخص سے میرا نکاح ہوا تھا اور وہ اتنے دنوں سے لاپتہ ہے، لہذا میں اُس سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ شوہر کے لاپتہ ہو جانے کی شہادت بھی شاہدوں کے ذریعے دینا ہوگی۔

۳۔ حاکم یا مسلمان جماعت جو بھی اس معاملے پر غور کرے وہ اپنے طور پر اُس شخص کی زندگی یا موت کی تحقیق ممکن ذرائع سے کرے اور جب اُس کا سراغ نہ مل پائے تو عورت

کو چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دے، اس مُدت کے گزرنے پر اُس شخص کے مُردہ قرار دئے جانے کا حکم نافذ کر دیا جائے گا۔ اب وہ عورت درخواست دے کر اُس حکم کی نقل حاصل کرے اور دوسرے نکاح کی اجازت طلب کرے۔ اجازت ملنے کی تاریخ سے چار مہینے دس دن (موت کی عدت) گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کرنے کا حق ہو جائے گا۔

چار سال انتظار کرنے کی مدت اس وقت سے شمار ہوگی جب سے شوہر کے لاپتہ ہونے کا حکم کسی حاکم یا اسلامی جماعت کی طرف سے دیا جائے اس سے پہلے جتنی مدّت گزری ہوگی وہ محسوب نہ ہوگی۔

اگر مفقود الخبر کی بیوی کے نان نفقے کا کوئی انتظام نہ ہو یا اُس کے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو علمائے احناف اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ تفریق کے لئے ایک سال کی مدّت بھی مقرر کی جاسکتی ہے، فقہ مالکی سے اس اجازت کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اُن کے یہاں چار سال کی مدّت اس حالت میں مقرر کی گئی ہے جب عورت کے نفقے کا انتظام ہو، اُس کے مبتلائے معصیت ہو جانے کا خوف نہ ہو اور شوہر کے واپس آجانے کا امکان بھی ہو۔ بلکہ مالکی مسلک میں یہاں تک اجازت ہے کہ اگر نان نفقے کا کوئی انتظام نہ ہو تو فوراً تفریق ہو سکتی ہے مگر حنفی علماء احتیاط کے خیال سے ایک سال کی مدّت مقرر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

تفریق کا اثر مفقود اور اُس کی بیوی کے درمیان تفریق کا حکم نافذ ہو جانے کے بعد ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی یعنی وہ طلاق جس کی عدّت کے زمانے میں اگر شوہر واپس آجاتا تو اُس سے رجوع کر سکتا اور تجدید نکاح کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن عدّت گزر جانے کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جائے گا اور ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔ اب عورت کو حق ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔

دوسرا نکاح ہو جانے کے بعد مفقود شوہر کی واپسی اگر فسخ نکاح کے بعد عورت نے دوسرا نکاح کر لیا، اس کے بعد اتفاق سے وہ مفقود شوہر واپس آجائے تو کیا ہونا چاہیئے؟ اس بارے میں علماء فقہ کا موقف یہ ہے:—

"یہ واپسی اگر ایسے وقت میں ہوئی کہ دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ کی نوبت نہیں آئی تھی تو تمام ائمہ کی متفقہ رائے ہے کہ عورت پہلے شوہر کو واپس کردی جائے گی اور دوسرے شوہر کا نکاح فسخ کرادیا جائے گا لیکن اگر دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ ہو چکنے کے بعد مفقود شوہر واپس آئے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں وہ دوسرے شوہر ہی کے پاس رہے گی، پہلے شوہر کا (فسخ نکاح کے بعد) اس بیوی پر کوئی حق نہیں رہا۔ بھوپال کے شعبۂ قضا نے بھی جو حنفی علمائے فقہ پر مشتمل ہے اسی رائے کو پسند کیا ہے، چنانچہ شعبۂ قضاء کے شائع کردہ ضابطہ میں ہے "اگر شخص مذکور (مفقود) بعد فسخ نکاح ومرور ایام عدت واپس آئے اور اس عورت پر دعویٰ کرے تو ایسی صورت میں اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔"

یہاں یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہؒ پہلے شوہر کو ہی بیوی کا حقدار سمجھتے ہیں اور اُن کی رائے میں اُسے پہلے شوہر ہی کو واپس کردینا چاہئیے۔

غائب غیر مفقود

ایک صورت یہ بھی پیش آتی ہے کہ شوہر لاپتہ تو نہیں ہوتا لیکن کسی دوسری جگہ چلا جاتا ہے، نہ تو بیوی کے پاس آتا ہے اور نہ اُس کو خرچ بھیجتا ہے ایسے شوہر سے رہائی کی صورت یہ ہے کہ عورت حاکمِ عدالت کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کرکے اُس سے اپنا نکاح ہونا اور اُس کا نان نفقہ نہ دینا ثابت کرے، اب اگر محض نفقے کی تکلیف کی بنا پر علیحدگی چاہتی ہے اور اُس کی کفالت کا معقول انتظام ہونے پر یہ تکلیف رفع ہوجائے تو پھر فسخ نکاح کی کوشش نہ کرنا چاہئیے۔ لیکن اگر نفقے کا انتظام نہ ہو یا انتظام ہوجائے مگر اس کے گناہ میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں حاکم عدالت یا اسلامی جماعت اس کے شوہر کے پاس دو آدمیوں کے ذریعے یہ پیغام بھیجیں کہ یا تو تم خود آؤ یا اپنی بیوی کو اپنے پاس بلوا کر اُس کی پوری کفالت کرو، ورنہ اُسے طلاق دے دو، اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں کی تو پھر ہم تمہارے اور تمہاری بیوی کے درمیان تفریق کرادیں گے۔ اس آگاہی کے بعد اگر اُس نے نہ طلاق دی اور نہ بارِ کفالت اُٹھایا تو مدعیہ کی طرف سے ایک مہینے کی مہلت اُسے اور دی جائے گی کہ وہ اپنا رویہ درست کرے، اس عرصے میں اگر دونوں میں موافقت ہوگئی اور بیوی نے مطالبہ واپس لے لیا تو پھر تفریق نہیں ہوگی، ورنہ تفریق کرادی جائے گی۔

تفریق سے ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی جس کی عدت گزرنے کے بعد اُس کو دوسرا نکاح کرنے کا حق ہوگا۔

تفریق کے بعد شوہر کی واپسی

اگر یہ شوہر تفریق کے بعد واپس آجائے تو ایک صورت یہ ہے کہ وہ عدت کے اندر آگیا اور بیوی کی ضروریات پوری کرنے پر راضی بھی ہوا تو اُسے رُجوع کرنے کا حق ہوگا۔ اس میں عورت کی رضامندی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عدت کے بعد واپس آیا تو اس میں بھی دو حالتیں ممکن ہیں:

"جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ حاکم عدالت (یا اسلامی جماعت) غائب شوہر کے پاس دو آدمی بھیجے گا جو زبانی یا تحریری پیغام لے جائیں گے تو اگر انھوں نے اس پیغام کے جواب میں کوئی تحریری یا زبانی جواب اُس سے حاصل کر لیا ہو اور اُس کے بعد تفریق کی اجازت دی گئی ہو تو اب شوہر کو بغیر عورت کی رضامندی اور تجدید نکاح کے اُس سے زوجیت کا تعلق قائم کرنا درست نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے اور شوہر کو اطلاع دیئے بغیر حاکم یا اسلامی جماعت نے شرعی شہادت لے کر تفریق کرا دی ہے اور شوہر واپس آکر یہ ثابت کرتا ہے کہ میں اُس کو برابر خرچ دیتا تھا یا وہ میری فلاں جائداد سے اپنے مصارف پورے کرتی تھی تو اس صورت میں عورت کو اُس کی بیوی بن کر رہنا ہوگا اور اگر اُس نے دوسرا عقد کر لیا ہے تو وہ فاسد سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر عورت کے دعوے کے خلاف اُس نے کوئی بات ثابت نہیں کی تو دوسرا نکاح صحیح قرار پائے گا۔

پہلی صورت میں اگر دوسرے شوہر سے خلوت صحیحہ ہو چکی ہو جب بھی پہلے شوہر کے پاس واپس آنا ہوگا، نہ تجدید نکاح کی ضرورت ہے اور نہ تجدید مہر کی۔ البتہ عورت پر عدت واجب ہے، یعنی عدت بھر شوہر اُس سے علیحدہ رہے گا اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک وہ اُس سے مقاربت نہیں کرے گا۔ اسی طرح۔ خلوت صحیحہ ہو چکنے کی صورت میں وہ دوسرے شوہر سے مہر پانے کی بھی حقدار ہوگی لیکن اگر صرف نکاح ہوا تھا اور خلوت نہیں ہوئی تو مہر پانے کی مستحق نہ ہوگی۔" (المرقومات للمظلومات)

رجعت لغت میں اس کے معنی ہیں واپس کرنا اور واپس ہونا "رَجَعْتُهُ اِلَیْهِمْ" (میں نے فلاں شے انھیں واپس کردی) اور "رَجَعَ الشَّیْءُ اِلٰی اَھْلِہٖ" (فلاں شے اُس کے حقدار کو واپس ہوگئی) اصطلاح فقہ میں ایسی عورت کو جسے طلاق غیر بائنہ دی گئی ہو سابقہ حالت میں واپس لانا رجوع کہلاتا ہے۔ نکاح کر کے ایک مرد ایک عورت کی عصمت کا مالک ہوجاتا ہے۔ یہ ملکیت طلاق رجعی سے ناقص ہوجاتی ہے یعنی اُس ملکیت سے فائدہ اُٹھانا حلال نہیں رہتا لیکن رجوع کا حق عدت کی مدّت کے اندر رہتا ہے تو اگر وہ رجوع کرے تو وہ ملکیت جو ناقص ہوگئی تھی پوری طرح شوہر کی طرف عود کر آتی ہے۔ یہ رجوع الفاظ کے ذریعے بھی ہوتا ہے اور کبھی مباشرت کر لینے سے بھی رجوع ہوجاتا ہے خواہ رجوع کی نیت ہو یا نہ ہو۔ رجوع کی بابت قرآن، سنّت اور اجماع سے ثبوت ملتا ہے، قرآن میں ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا (سورہ بقرہ ۲۲۸)

(یعنی شوہروں کو سب سے زیادہ اپنی بیویوں کو پھر اپنے پاس لوٹا لینے کا حق ہے اگر بہتری اور اصلاح پیشِ نظر ہو"

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ رجوع کرلے۔ تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ آزاد شخص جب اپنی بیوی کو تین طلاق سے کم دے اور غلام دو طلاق سے کم دے تو انھیں حق ہے کہ ایام عدت میں اُس سے رجوع کرلیں۔

رجعت کے ارکان وشرائط اس کے تین ارکان ہیں الفاظِ رجوع۔ مَحَل رجوع (جس سے رجوع کیا جائے) اور مرتجِع (رجوع کرنے والا)

رجوع کی چار شرطیں ہیں

۱۔ طلاق رجعی ہو۔ طلاق بائن کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا۔ ایک طلاق جو مباشرت سے پہلے نہ ہو اور کسی طرح کے معاوضے میں بھی نہ ہو جیسے خلع میں ہوتی ہو اور نہ اُن الفاظ و کنایات میں ہو جس کا مفہوم بائن ہونا ہے۔

۲۔ رجوع میں شرطِ خیار نہ ہو۔

۳۔ رجوع کے لئے کسی آئندہ وقت کی قید نہ ہو۔

۴۔ رجوع کسی امر سے مشروط نہ ہو۔

رجوع کی دو قسمیں ہیں: قولی اور فعلی۔ قولی رجوع یا تو صریح الفاظ میں ہوگا مثلاً میں نے تجھ سے رجوع کر لیا یا میں تجھے واپس لیتا ہوں یا میں نے تجھے روک لیا یا کسی دوسرے شخص کو مخاطب کر کے کہا: میں نے اپنی عورت (بیوی) اسے رجوع کر لیا۔ یا کنایہ کے لفظوں میں ہوگا مثلاً یوں کہے "تو میرے لئے ایسی ہی ہے جیسی کہ تھی یا اب ہم دونوں ایسے ہی ہو گئے جیسے پہلے تھے یا تو میری بیوی ہے وغیرہ) رہا فعلی رجوع یعنی عمل سے رجوع کرنا تو وہ فعل ہے جس سے حرمت مصاہرہ ہو جاتی ہے یعنی ہاتھ لگانا، بوسہ لینا، ستر پر نظر کرنا جس کے ساتھ جنسی خواہش بھی ہو، غرض ہر وہ عمل جس سے جنسی تحریک پیدا ہو، اسی طرح عورت مرد کا بوسہ لے اور اُس کے ستر کی طرف دیکھے اور یہ سب جنسی تقاضے سے ہو تو رجعت ہو جائے گی۔ حرمت مصاہرہ مباشرت سے یا ایسی خوش فعلیوں سے جو مباشرت کا پیش خیمہ ہوتی ہیں عائد ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ زبان سے کہہ کر رجوع کرے اور دو آدمیوں کو گواہ بھی بنا لے خواہ عملی طور پر رجوع کیا ہو۔ اگر ایک شخص نے ایسی عورت سے رجوع کیا جو موجود نہیں ہے تو اس امر سے اُسے آگاہ کر دینا مستحب ہے۔

طلاق رجعی کے بعد بھی شوہر کو حقوق زوجیت حاصل رہتے ہیں اور زائل نہیں ہوتے تاوقتیکہ ایام عدت گزر نہ جائیں اسی لئے ایسی طلاق یافتہ عورت کا اپنے گھر سے نکلنا ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ" یعنی اُنھیں اُن کے گھروں سے نہ نکلنے دو۔

رجوع کا حق کب ختم ہو جاتا ہے

طلاق رجعی پائی ہوئی عورت سے اُس کے شوہر کا حقِ رجوع عدت کی میعاد گزر جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مدت تین بار ایام ماہواری آنے تک ہے یا (حاملہ ہونے کی صورت میں) وضع حمل یا اسقاط حمل تک ہے۔ اگر عورت کو ایام ماہواری نہ آتے ہوں اور حاملہ بھی نہ ہو تو طلاق کی تاریخ سے تین ماہ تک کا زمانہ عدت کی میعاد شمار ہوگا۔

رجوع کرتے وقت عدت کی میعاد ختم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف واقع ہو سکتا ہے۔ مثلاً مرد کہتا ہے کہ ابھی عدت کے دن باقی ہیں۔ عورت کہتی ہے کہ وہ گزر چکے۔ یا مرد کہتا ہے کہ میں نے انقضائے عدت سے پہلے ہی رجوع کر لیا

تھا، مگر بیوی کو اس کی اطلاع عدت ختم ہونے سے پہلے نہیں ہوئی لیکن بیوی اس سے انکار کرتی ہے تو ان صورتوں میں مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ چند واضح صورتیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ شوہر دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تھا لیکن رجوع کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جب تک بیوی اُس کے دعوے کی تصدیق نہ کر دے رجوع نہیں مانا جائے گا، اور عورت کی بات مانی جائے گی۔ شوہر کو اس بات کے لئے بیوی سے حلف لینے کا حق ہوتا ہے۔ (بعض فقہاء کے نزدیک)

۲۔ شوہر عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لینے کی گواہی پیش کر دے کہ اُس نے گواہ کے سامنے عدت پوری ہونے سے پہلے فلاں عورت سے رجوع کر لیا تھا تو ایسی حالت میں رجوع درست ہوگا، اسی طرح یہ شہادت کہ اُس نے ایام عدت گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے مباشرت کرنے یا جنسی خواہش سے ملامست کرنے کا اقرار کر لیا تھا تو بھی رجوع کرنے کو تسلیم کر لیا جائے گا لیکن عدت گزر جانے کے بعد ایسے اقرار کو رجوع کا اقرار نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ اُس کی حیثیت محض دعوائے رجوع کی ہوگی اگر بیوی تصدیق نہیں کرتی تو رجوع ثابت نہ ہوگا۔

۳۔ اگر مرد دوران عدت رجوع کر لینے کا دعویٰ ان الفاظ میں کرے کہ "میں نے تجھ سے کل ہی رجوع کر لیا تھا"، تو رجوع کرنا تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ جو بات حال کے صیغہ میں کہہ سکتا ہے اُس کے کہے جانے کی اطلاع بھی دے سکتا ہے اگر ماضی میں کہے جانے کا مقصد یہی بتانا ہو کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا ہے لیکن اگر مقصد یہ نہ ہو بلکہ بطور خبر کے اطلاع دینا مقصود ہو تو بیوی کی تصدیق پر رجوع موقوف رہے گا پھر جب وہ تصدیق کر دے کہ واقعی رجوع کر لیا تھا تو رجوع درست ہوگا۔ گذشتہ دن کے رجوع کو بیان کرنے کے ساتھ قصد رجوع کی شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ بہت ممکن ہے جس وقت یہ الفاظ (میں نے تجھ سے کل رجوع کر لیا تھا) کہے گئے وہ آخری ایام ماہواری کا آخری لمحہ ہو اور عورت رجوع ہونے کو نہ مانے، ایسی صورت میں شریعت سمجھتی ہے کہ یہ رجوع ہے کیونکہ شوہر کے پیش نظر رجوع کرنا ہی تھا۔

۴۔ مرد نے عورت سے کہا کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا اور اُسے یہ علم نہیں کہ اس کی عدت گزر چکی ہے، اب دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا تو عورت فوراً جواب میں کہدے کہ میری عدت کے دن ختم ہو گئے اور وہ وقت بھی عدت پوری ہو جانے کی تائید کرتا ہو تو رجعت نہیں ہو گی، دوسری حالت یہ ہے کہ رجوع کر لینے کی بات سن کر وہ خاموش رہی پھر دیر کے بعد اُس نے کہا کہ میری عدت تو گزر چکی، ایسی حالت میں رجوع صحیح ہو گا کیونکہ اُس نے پہلے خاموشی اختیار کی۔

۵۔ مطلقہ رجعیہ سے شوہر نے کہا کہ میں نے رجوع کر لیا، اس پر اُس نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا کہ اُس کی عدت پوری ہو چکی ہے پھر خود ہی اپنے قول کو جھٹلایا اور کہا ابھی عدت پوری نہیں ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں شوہر کا رجوع کر لینا درست ہے کیونکہ اس نے اپنی بات کو اسی لئے جھٹلایا کہ شوہر کا حق رجوع برقرار رہے۔

۶۔ بیوی جس کو ایک طلاق رجعی دی گئی تھی شوہر اُس سے تخلیہ کرے اور پھر دعویٰ کرے کہ اُس نے مباشرت کی ہے، تو بیوی اگر شوہر کے قول کو جھٹلاتی اور اپنے کو مطلقہ بائنہ ثابت کرنا چاہتی ہے تو بھی مرد کا رجوع کرنا درست ہے اور اُس کی بات بغیر حلف اٹھائے سچ مان لی جائے گی کیونکہ تخلیہ کرنا ظاہر ہے جس سے مرد کی سچائی اور عورت کے جھوٹ کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اگر تخلیہ کرنا ثابت نہ ہو بلکہ صرف مباشرت کا دعویٰ ہے جس کی تکذیب بیوی نے کی تو پھر اسے رجوع کرنے کا حق نہیں ہو گا کیونکہ تخلیہ کے انکار سے مباشرت کا اقرار جھوٹ قرار پائے گا۔

انقضائے عدت کے بارے میں یہ مسائل وہ ہیں جن کا تعلق ایام ماہواری سے ہے لیکن اگر حمل ہو تو پورے طور پر وضع حمل کے بعد عدت پوری ہو گی، چنانچہ اگر پورے طور پر بچے کی ولادت نہ ہوئی ہو تو پیدائش کے وقت بھی خاوند رجوع کر سکتا ہے، اس سے فرق نہیں پڑتا کہ بچہ پورا ہو گیا ہو یا نامکمل بچے کا اسقاط ہو گیا ہو۔

عدّت کا بیان

عدّت کا لفظ از روئے لغت عدد سے بنا ہے۔ عد کے معنی شمار کرنے کے ہیں "عددت الشیئ عدّا" یعنی فلاں شے کو گن لیا۔ لغت میں اس کا اطلاق عورت کے ایام حیض و طہر شمار کرنے پر ہوتا ہے۔ اصطلاح شرع میں محض ایام ماہواری کا نہیں بلکہ اس کا مطلب عورت کو دوسری شادی کے لئے مطلوبہ ایام کے پورا ہوجانے کا انتظار کرنا ہے۔ شرعی مفہوم زیادہ وسیع ہے محض مدت حیض اور مدت طہر کے انتظار کے علاوہ کچھ مہینوں کے گزرنے کے انتظار اور وضع حمل ہوجانے کے انتظار کو بھی عدت کہتے ہیں۔ عدت کی اصطلاح کی تعریف فقہائے احناف نے یوں کی ہے:

عدّت کی تعریف

"عدّت وہ مدت مقررہ ہے جو نکاح یا ہم بستری کے آثار ختم ہوجانے کے لئے رکھی گئی ہے۔" "نکاح یا ہم بستری" کہنے سے وہ لونڈی بھی شامل ہوگئی جو نکاح کے ذریعہ ملکیت میں نہ آئی ہو بلکہ کسی اور طرح سے ملکیت میں آئی ہو اور اُس سے مباشرت ہوچکی ہو۔ نکاح کے آثار دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) مادّی جیسے حمل کا ہوجانا (۲) اخلاقی جیسے شوہر کا احترام اور دوسرے حقوق و فرائض۔

"مدت مقررہ" میں حسب ذیل صورتیں شامل ہیں:

حیض والی عورتوں کے لئے تین قروء (یعنی تین بار ایام ماہواری آنا)

آئسہ یا کم عمر جس کو ایام ماہواری نہ ہوتے ہوں دونوں کے لئے تین مہینے۔

حاملہ عورت کے لئے وضع حمل ہوجانے تک کی مدّت۔

غیر حاملہ جس کے شوہر کی وفات ہوگئی ہو اُس کے لئے چار مہینے دس دن۔

عدّت واجب ہونے کے اسباب

عدت واجب ہونے کے تین اسباب ہیں: ایک سبب عقد صحیح ہے۔ یعنی عقد صحیح میں آئی ہوئی عورت کے شوہر کی وفات عدّت کا موجب ہے کہ وہ ایک مدّت تک دوسرے نکاح سے

رُکی رہے، شوہر کا سوگ منائے اور بناؤ سنگھار سے پرہیز کرے۔ دوسرا سبب مباشرت ہے یعنی ایک ایسی مدت تک دوسرے نکاح سے باز رہے کہ برارتِ رحم (رحم کا حمل سے پاک ہونا) ظاہر ہو جائے اور تیسرا سبب خلوت ہے خواہ خلوت صحیحہ ہو یا فاسدہ، یہ بھی اُسی طرح وجوب عدت کا سبب ہے جس طرح مباشرت۔

عدت کی صورتیں اور اُن کے اقسام

عدت کی تین صورتیں ہیں، حمل کی عدت، مہینوں کی عدت اور قرور (ماہواری ایام) کی عدت

عدت شوہر سے علیحدگی پر واجب ہوتی ہے۔ علیحدگی یا تو شوہر کی وفات سے ہوتی ہے، یا شوہر کی زندگی میں طلاق اور فسخ نکاح کے سبب سے۔ شوہر کی وفات کے وقت یا تو بیوی حاملہ ہوگی یا حاملہ نہیں ہوگی، پہلی صورت میں وضع حمل سے عدت پوری ہوگی۔ دوسری صورت میں عدت کی مدت چار مہینے اور دس دن ہے۔ طلاق یا فسخ نکاح کی صورت میں جو عدت واجب ہوگی اُس میں عدت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عورت جسے طلاق ملے اور وہ حاملہ ہو اُس کی مدت وضع حمل سے پوری ہوگی۔

(۲) جسے طلاق مل جائے اور حاملہ نہ ہو لیکن حیض والی ہو اس کی عدت قرور (یعنی حیض یا طہر کے ایام) آنے پر پوری ہوگی۔

(۳) وہ جسے طلاق مل جائے اور آئسہ ہو (یعنی ایام نہ آتے ہوں) اُس کی عدت کی مدت پورے تین ماہ ہے۔

عدت گزارنے والی عورت کو معتدہ کہتے ہیں تو معتدہ کی کُل پانچ قسمیں ہوئیں،

حمل کی عدت

طلاق یافتہ عورت یا ایسی عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی، اس کی تین شرطیں ہیں:

پہلی یہ کہ حمل پورے طور پر باہر آ چکا ہو اگر بچہ پیٹ میں مر جائے اور اسے کاٹ کر نکالنا پڑے اور بیشتر حصہ نکالنے کے بعد بھی کچھ حصہ رہ جائے تو جب تک وہ نکال نہ دیا جائے عدت پوری نہیں ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر حمل ساقط ہو جائے اس طور پر کہ انسانی اعضاء بنے نہ ہوں تو عدت کا ہونا پورا نہیں مانا جائے گا بلکہ ضروری ہوگا کہ تین بار ایام ماہواری

پوری کرے، تیسری شرط یہ ہے کہ اگر حمل میں دو بچے یا زیادہ ہوں تو جب تک آخری بچہ پورے طور پر پیدا نہ ہو جائے، عدّت کی مدّت پوری نہ ہوگی، قرآن میں ارشاد ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (سورۂ طلاق۔۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدّت وضع حمل ہے۔

غیر حاملہ کی عدت

اگر شوہر وفات پا جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اُس کی عدت چار مہینے دس دن ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرہ۔۲۳۴)

تم میں سے جن کی وفات ہو جائے اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے کو چار مہینے اور دس دن تک نکاح وغیرہ سے روکے رکھیں۔

اس حکم سے ظاہر ہے کہ شوہر کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے کہ اس کے بعد بیوی کے لئے زیبا نہیں کہ وہ کہیں آئے جائے یا کسی سے نکاح کرنے یا زیبائش اور آرائش کے ساتھ رہنے کی بات کرے لہٰذا چار مہینے اور دس دن عورت کی عدت مقرر فرمائی گئی تاکہ اس مدت تک نہ اُسے نکاح کرنا چاہیئے نہ زیور پہننا چاہیئے، مانگ نکالنا، رنگین کپڑے پہننا خوشبو لگانا غرض وہ تمام باتیں جن سے مسرت وشادمانی کا اظہار ہوتا ہو، اِس مدت میں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔ تاہم سر میں تیل ڈالنا اور کنگھی کرنا منع نہیں ہے، اگر جوئیں پڑ جانے یا کوئی اور تکلیف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ سرمہ لگانے میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے اگر نہ لگانے سے آنکھ میں تکلیف ہو جاتی ہو۔ شدید ضرورت پڑ جانے پر گھر سے باہر دوسری جگہ بھی جا سکتی ہے۔ نہانے دھونے بدن اور کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنے میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔ اظہار غم کی ناجائز صورتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ مثلاً ماتمی لباس پہن کر بلند آواز سے آہ و بکا کرنا، قبر پر چادر چڑھانا وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر	مسلمان عورت جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اُسے جائز نہیں کہ کسی کی

ان تحد علی میت فوق ثلاث الا علیٰ زوجھا
موت پر تین دن سے زیادہ غم کرے سوائے اپنی شوہر کی موت کے۔

یعنی صرف شوہر کے لئے ہی زیادہ غم کا اظہار کیا جاسکتا ہے لیکن وہ بھی چار مہینے دس دن سے زیادہ نہیں۔

طلاق یافتہ بیوی کی عدت

اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اپنی زندگی ہی میں چھوڑ دے خواہ طلاق دے کر یا فسخ نکاح کی بنا پر اور اُس عورت کو ایام ہوتے ہوں تو اُس کی عدت تین قروء ہے، اس عرصے میں نہ تو وہ دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ اُس گھر سے جہاں اسے طلاق ملی، باہر جاسکتی ہے، قرآن میں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ۔۲۲۸)

مطلقہ عورتیں تین ایام ماہواری گزرنے تک نکاح وغیرہ سے رُکی رہیں۔

آئسہ کی عدت

آئسہ وہ عورت ہے جسے حیض نہ آتا ہو مثلاً نو سال سے کم عمر کی لڑکی۔ یا عمر رسیدہ عورتیں جنھیں حیض آنا بند ہو چکا ہو۔ وہ عورتیں جو حیض آئے بغیر بالغ ہو جائیں یا بالغ ہونے پر بھی حیض نہ آئے وہ بھی اس میں شامل ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَالّٰٓئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ يَحِضْنَ

(سورۂ طلاق۔۴)

اور جو عورتیں ناامید ہو چکیں حیض سے ان عورتوں کے بارے میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ایسی ہی وہ عورتیں جن کو حیض نہیں آیا۔

عمر رسیدہ محروم الحیض عورت مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار لے اور عدت پوری ہو جانے کے بعد اُسے باقاعدہ حیض آجائے تو اب اس کو پھر سے عدت گزارنا نہیں ہے اگر اُس نے عدت گزارنے کے بعد شادی کرلی تو وہ درست ہوگی۔ اگر ایسی ہی محروم الحیض عورت مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار رہی ہو اور اس دوران باقاعدہ حیض آجائے (یعنی وہ مرض کا خون یا فاسد خون نہ ہو) تو مہینوں والی عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی

اور دوسری عدت کا آغاز نئے سرے سے واجب ہوگا۔

یہی حکم صغیر سن لڑکی کا ہے جو نو سال کی ہو اور مہینوں والی عدت گزار رہی ہو کہ عدت کے دوران اُسے حیض آجائے تو اُس کی یہ عدت حیض کی عدت میں منتقل ہو جائے گی اور جب تک تین حیض پورے نہ آجائیں اُس کی عدت ختم نہ ہوگی۔ ہاں اگر مہینوں والی عدت پوری ہو جانے کے بعد اُسے حیض آیا تو اب اُس پر کچھ عائد نہ ہوگا۔

زانیہ کی عدت

اگر کوئی بدبخت عورت اور مرد زنا کا ارتکاب کر بیٹھیں اور عورت کو حمل رہ جائے تو اگر وہی دونوں نکاح کرلیں تو حمل کی حالت میں بھی کر سکتے ہیں کیونکہ قانون شریعت کو توڑنے والے کے لئے عدت کی شرعی قید بھی کوئی معنے نہیں رکھتی، مزید گناہ سے باز رہنے کی یہی صورت ہے کہ عدت کی قید ان سے ہٹا کر انھیں کو آپس میں باندھ دیا جائے۔ یہی حکم اُس عورت کا بھی ہے جس کے شوہر نے زنا کے ارتکاب کی وجہ سے اُس کو طلاق دے دی ہو اور یہی حکم اُس عورت کا ہے جو طلاق پانے کے بعد زنا کی مرتکب ہوئی ہو، قرآن میں ارشاد ہے: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً۔

اگر زانیہ عورت سے کوئی دوسرا شخص نکاح کرنے کو تیار ہو جائے تو نکاح حالتِ حمل میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسرا شخص حمل کی حالت میں مباشرت نہیں کر سکتا جبکہ زانی کر سکتا ہے۔ اسلامی شریعت دوسرے شخص کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ زانیہ سے اس حالت میں متمتع ہو اور لڑکے یا لڑکی کا نسب مشتبہ ہو جائے۔

عدت کا شمار طلاق کی صورت میں

پہلے طلاق کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا مکروہ اور ناصواب ہے لیکن پھر بھی کوئی یہ گناہ کر گزرے تو عدت میں وہ حیض شمار نہ ہوگا جس میں طلاق دی گئی بلکہ اُس کے بعد سے تین حیض عدت میں شمار کئے جائیں گے۔

مطلقہ رجعیہ کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تو اب اس وقت سے موت کی عدت پوری کرنی ہوگی، طلاق کی عدت کا اعتبار نہ ہوگا یہ اس لئے کہ طلاق رجعی کی صورت میں رشتہ نکاح نہیں ٹوٹتا ہے لیکن اگر طلاق مغلظہ یا طلاق بائنہ دی

تھی اور پھر موت واقع ہوئی تو طلاق کی ہی عدت پوری کرنا کافی ہے۔

معتدہ کو نکاح کا پیام دینا

مطلقہ عورت خواہ رجعیہ ہو یا بائنہ اُس کا شوہر اُسے پھر حبالۂ عقد میں واپس لے سکتا ہے تو ایسی معتدہ عورت کو اشارۃً وکنایۃً بھی نکاح کا پیام دینا حرام ہے، رہی وہ عورت جو شوہر کی وفات کے بعد عدت گزار رہی ہو یا اُسے مغلظہ طلاق ہو چکی ہو اور وہ عدت میں ہو تو اُسے بھی صراحتاً نکاح کا پیام دینا حرام ہے، البتہ اشارے کنایے سے کوئی شخص ارادۂ نکاح کی نیت کا اظہار کر سکتا ہے، قرآن میں اس بارے میں ہدایت دی گئی ہے کہ:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ (البقرہ۔ ۲۳۵)

جن عورتوں کے شوہر وفات پا گئے اگر اُن سے پیام نکاح کے طور پر تم اشارۃً کچھ کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ ان عورتوں کا دھیان تمہیں ضرور آئے گا لیکن خفیہ طور پر کوئی عہد نہ کر لینا سوائے اس کے کہ کوئی بھلی بات کہدو۔ تم اُس وقت تک نکاح کا ارادہ پختہ نہ کرو جب تک عدت ختم نہ ہو جائے۔

قول معروف (یعنی بھلی بات) سے مراد ایسی بات ہے جس کے کہنے کا رواج ہو مثلاً میں ان ان صفات کی خاتون سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، یا مجھے ایسے اوصاف والی بیویاں پسند ہیں۔

حلالہ

یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جس عورت کو اُس کے شوہر نے طلاق مغلظہ دے دی ہو اگر وہی اُسے پھر اپنے رشتۂ نکاح میں لینا چاہے تو اُس کی بس ایک صورت ہے اور وہ ہے حلالہ۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ معتدہ اپنی عدت کا زمانہ گزار کر اپنی مرضی سے کسی سے نکاح کرے، اور ازدواجی تعلق قائم ہو جانے کے بعد اگر وہ مرد اپنی مرضی سے اُس کو طلاق دیتا ہے یا اُس کا انتقال ہو جاتا ہے تو عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے پھر نکاح کر سکتی ہے۔ قرآن میں یہ حکم ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط (سورۂ بقرہ - ۲۳۰)

اگر تیسری طلاق (بھی) اُس کو دیدی تو اُس کے بعد وہ اُس کے لئے حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ کوئی دوسرا اُس کے ساتھ نکاح کرلے پھر اگر وہ دوسرا بھی اُسے طلاق بائنہ دیدے تو دونوں کو یہ اجازت ہے کہ پھر سے میاں بیوی ہو جائیں بشرطیکہ دونوں اللہ کے حدود کو قائم رکھنے کا تہیّہ کرلیں۔

ان آیات میں دوبارہ نکاح میں لینے کی یہ چند شرطیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

ایک یہ کہ وہ مطلقہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔

دوسرا یہ کہ یہ دوسرا شوہر اپنی مرضی سے اس کو طلاق دیدے:

تیسری یہ کہ اب اگر یہ عورت اور اُس کا پہلا شوہر پھر رشتۂ نکاح قائم کرنا چاہتے ہیں تو خوب سوچ لیں کہ جن حقوق و فرائض میں کوتاہی کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا تھا وہ دوبارہ نہ ہونے پائے اور دونوں اللہ کے حدود کے پابند رہیں — نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں کچھ مزید ہدایتیں دی ہیں۔ دوسرے شوہر سے نکاح حسب دستور شرعی ہونا چاہیئے۔ نکاح میں کوئی شرط لگانا حرام ہے لہٰذا مطلقہ عورت یا اُس کا سرپرست یا نکاح کرنے والا یہ شرط نہ لگائے کہ وہ طلاق ضرور دے دے گا بلکہ نکاح اسی طرح غیر مشروط ہونا چاہیئے جس طرح ہوا کرتا ہے اور طلاق بھی اُسی بنا پر دینا چاہیئے جو طلاق کی صحیح بنیاد بن سکتی ہے، اگر کوئی شخص شرط لگا کر نکاح کرے گا جو شرعاً غلط ہے اور پھر حلالے کے لئے طلاق دے دیگا تو اُس کو بھی گناہ ہوگا اور لعنت کا مستحق ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر سخت لعنت کی ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح نکاح کرنے کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے فرمایا "جو مرد یا عورت طلاق دینے کی شرط لگا کر (حلالے کے لئے) نکاح کریں گے میں اُن کو رجم کر دوں گا"۔ اگر اتنی سختی نہ برتی جاتی تو رشتہ کا تقدس ختم ہو کر رہ جاتا۔

پہلے شوہر کے لئے اُس سے تین طلاق پائی ہوئی عورت تبھی حلال ہو سکتی ہے جب اُس نے طلاق کی عدّت پوری طرح گزار کر دوسرے شوہر سے بغیر کسی شرط یا دباؤ کے نکاح کیا ہو۔

دوسرے شوہر نے فرائض زوجیت ادا کئے ہوں۔ اگر وہ بغیر مباشرت کے مرگیا تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

یہ لازم ہے کہ طلاق مباشرت کے بعد دی گئی ہو اور عورت نے طلاق کی عدت پوری کرلی ہو تب ہی پہلے شوہر سے نکاح درست ہوگا۔

ثبوتِ نسب

اس بات کا ثبوت کہ وضع حمل سے پیدا ہونے والا بچہ اسی شوہر کا ہے جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح ہوا، شریعت نے کم سے کم مدت حمل کا تعین کردیا ہے۔ کم سے کم مدت چھ ماہ ہے یعنی اگر نکاح کے بعد کسی عورت سے چھ ماہ کے بعد ہی لڑکا ہوجائے تو اس کا نسب ثابت سمجھا جائے گا، یعنی یہ کہ یہ اسی شوہر کا لڑکا ہے جس سے چھ ماہ پہلے نکاح ہوا ہے۔ اس معاملہ میں تمام فقہا کو اتفاق ہے۔

اسی طرح اگر کسی عورت کو طلاق مل چکی ہے یا اُس کا شوہر مرگیا ہے اور دو برس تک اُس نے نکاح نہیں کیا کہ اُس کے لڑکا پیدا ہوگیا تو وہ لڑکا بھی ثابت النسب سمجھا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت حمل دو برس ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس سے زیادہ ہے۔ اس امر کی دلیل کہ پورے حمل کی مدت چھ مہینے ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حَمْلُهٗ وفصالہ ثلثون شھرا (حمل سے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے کی مدت ہے) شیر خوارگی کا زمانہ دو سال ہے وفصالہ فی عامین کہہ کر اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمادی ہے باقی عرصہ چھ مہینے حمل کا زمانہ ہے، اگر چھ ماہ سے پہلے کسی عورت کے صحیح سالم لڑکا پیدا ہوجائے تو اسے ولد الحرام قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح دو برس کے بعد پیدا ہونے والا لڑکا کے کا نسب احناف کے نزدیک مشتبہ ہے۔

لعان

عورت اور مرد کے درمیان تفریق کا ایک سبب لعان ہے، اپنی عورت پر بغیر کسی تحقیق کے زنا کی تہمت لگانا اور اس کے دامنِ عصمت کو داغدار بنانا سخت گناہ ہے، اگر کوئی اپنی عورت پر یہ اتہام لگائے کہ وہ زنا کی مرتکب ہورہی ہے لیکن گواہ کوئی نہ ہو اور عورت اس سے انکار کرے اور معاملے کو اسلامی حکومت کی عدالت میں اٹھائے تو قاضی یا حاکم دونوں سے چار چار بار قسم لے گا اور ایک ایک بار دونوں سے جھوٹ بولنے والے پر لعنت کرائے گا

اور پھر دونوں میں تفریق کرادے گا اُس قسم لینے اور لعنت کرانے کو شریعت میں لعان کہتے ہیں، قرآن میں صراحتاً اس کا طریقہ یہی بتایا گیا ہے،

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (سورۂ نور: ۶-۸)

جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگاتے ہیں اور اس بات پر اُن کے علاوہ دوسرے گواہ بھی نہیں تو الزام لگانے والے کی شہادت یہی ہے کہ وہ چار بار خدا کی قسم کھا کر کہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت۔ پس یہ داغ عورت کے دامن سے اُسی وقت ڈھل سکتا ہے جب وہ بھی چار بار قسم کھا کر کہے کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر مرد الزام لگانے میں سچا ہو تو مجھ پر خدا کا قہر و غضب نازل ہو۔

لعان کے شرائط یہ ہیں کہ دونوں میاں بیوی عاقل و بالغ ہوں اُن کی گواہی معتبر ہو عورت جرم سے انکار کرتی ہو، الزام لگانے والا اُس کا شوہر ہو جو پہلے الزام تراشی میں سزا نہ پا چکا ہو یا اُس کا یہ مشغلہ نہ رہا ہو، شوہر نے گواہ نہ پیش کئے ہوں، دعویٰ اسلامی حکومت کے سامنے دائر کیا گیا ہو۔ اگر ان سب باتوں میں سے کوئی بات نہ ہوگی تو لعان نہیں ہوگا۔

ظہار یہ لفظ ظہر سے بنا ہے جس کے معنی پیٹھ کے ہیں جب اس کی نسبت سواری کے جانور کی طرف کی جائے تو سوار ہونے کی جگہ مراد ہوتی ہے لیکن انسان کی طرف نسبت کرنے سے مقاربت کا مفہوم لیا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک عرب اپنی بیوی سے یہ کہہ کر کہ "تو میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے" اس سے مباشرت کو حرام کر لیتا تھا اور پھر وہ عورت ہمیشہ کے لئے اپنے خاوند پر اور دوسروں پر حرام ہو جاتی تھی اس عمل کو ظہار کہا جاتا ہے۔

اسلام جب آیا تب بھی عربوں کے طور طریقے وہی تھے، ان میں سے جو طریقے اسلام میں پسندیدہ تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں بدستور باقی رکھا جو امور ناپسندیدہ تھے اُن سے منع فرمایا اور

جن امور میں اصلاح کی ضرورت تھی اُن کی اصلاح فرمائی۔ چنانچہ ظہار کے بارے میں اسلام نے جو احکام دیئے وہ یہ ہیں کہ ان الفاظ کو کہنے والا گناہ گار ہے اب جو اس گناہ کا ارتکاب کرے گا تو دُنیا میں بھی اُس کو سزا ملے گی وہ یہ کہ جس بیوی سے ظہار کرے گا اُس سے مباشرت اُس وقت تک حرام رہے گی جب تک اس ناپسندیدہ لفظ کو زبان سے ادا کرنے کا تاوان یعنی کفارہ نہ ادا کر دے۔ ہر مسلمان کو سمجھ لینا چاہئیے کہ یہ امر دین کے قطعاً خلاف ہے بلکہ بدترین قسم کی بے باکی بھی ہے کہ کوئی شخص غصے میں آکر اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے یا میری بہن کے برابر ہے وغیرہ، ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب کا سزاوار ہوتا ہے۔ اس گناہ سے ندامت کا خمیازہ کفارہ ادا کر کے اُٹھانا پڑتا ہے۔

ظہار کا شرعی مفہوم

حنفی فقہاء کے نزدیک ظہار کی تعریف یہ ہے:۔

"ایک مسلمان مرد اپنی بیوی کو یا بیوی کے عضو یا جزو کو ایسی شے سے تشبیہ دے جو ہمیشہ کے لئے اُس پر حرام ہے اور کبھی حلال نہیں ہو سکتی"

لفظ تشبیہ سے ایسی عبارت خارج ہو گئی جو مشابہت کے لئے نہ ہو مثلاً بیوی سے اس طرح کہنا کہ جس طرح میں اپنی ماں کی عزت کرتا ہوں یا پھوپھی کا احترام کرتا ہوں تیری بھی عزت کروں گا یا جس طرح میں اپنی بہن یا بیٹی سے محبت کرتا ہوں تجھ سے بھی محبت کروں گا ان الفاظ سے ظہار اسی اُسی وقت ہو گا جب وہ ظہار کے قصد وارادے سے کہے یعنی اُس کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے لئے۔ تشبیہ صریح اور ضمنی دو طرح کی ہوتی ہے، صریح کی مثال تو یہی ہے کہ "تو میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے"، ضمنی کی مثال یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جس کے ساتھ اُس کے شوہر نے ظہار کیا ہو۔ یعنی تو میرے لئے ایسی ہی ہے جیسے فلاں عورت اپنے خاوند کے لئے۔ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تشبیہ سے ظہار کرنا مقصود ہے۔ ظہار کو وقت کے ساتھ مشروط کرنا بھی ایسا ہی ہے مثلاً تو ایک مہینے تک میرے لئے پشت مادر کے مانند ہے، تو یہ بھی ظہار ہے، اگر اس وقت کے اندر مباشرت کا ارادہ کرے تو کفارہ ادا کرنا لازم ہو گا۔ اگر مثل یا برابر کا لفظ استعمال نہیں کیا تو گو ظہار نہیں ہو گا مگر ایسا کہنا گناہ ہے۔ عورت کے جزو بدن سے تشبیہ دینے سے مراد ایسا جزو یا عضو ہے جس کا دیکھنا حرام ہے جیسے پیٹھ یا پیٹ

وغیرہ، اُس میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو دودھ، خاندان یا شادی کے رشتے سے حرام ہوں مثلاً یوں کہا کہ تو میرے لئے میری ساس کی یا سوتیلی بیٹی کی یا فلاں دودھ شریک بہن کی پشت کی مانند ہے تو یہ ظہار ہو جائے گا لیکن اگر ایسے جزو بدن سے تشبیہ دی جس پر نظر کرنا حرام نہیں مثلاً: تو میرے لئے سرِ مادر یا پائے مادر کے مانند ہے تو یہ ظہار نہ ہوگا، اسی طرح یہ بھی ظہار نہ ہوگا اگر بیوی سے کہا کہ تو میرے لئے اپنی بہن (یعنی میری سالی) کی مانند ہے کیونکہ بیوی کی بہن بذاتِ خود حرام نہیں ہوتی، بیوی کو طلاق دینے کے بعد شادی کر سکتا ہے، اسی طرح مرد کے جزو بدن سے تشبیہ دینے سے بھی ظہار نہیں متصور ہوگا۔ اندرونی اجزا مثلاً جگر، دل وغیرہ کو ظہار میں نہ مشبہ بنایا جا سکتا ہے نہ مشبہ بہ، یہی حکم مادۂ تولید اور دودھ کا ہے۔

ظہار کے بارے میں احکام شرعی

جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ظہار کا طریقہ جاہلی زمانے سے رائج تھا، اسلام نے شروع میں اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا مگر جب ایک مسلمان گھر میں اس طریقے کا استعمال کیا گیا تو شرعی احکام نازل ہوئے جس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت اوسؓ بن صامت کی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ نماز میں مصروف تھیں، اُن کے شوہر دیکھتے رہے اور جب انھوں نے سلام پھیرا تو اوسؓ نے اُن سے رغبت ظاہر کی، بیوی نے انکار کیا تو انھیں غصہ آگیا اور ظہار کر بیٹھے (یعنی تم آج سے میرے لئے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو) حضرت خولہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ "اوس نے جب مجھ سے شادی کی میں نوجوان تھی اور مجھ میں کشش تھی۔ پھر میں عمر رسیدہ ہوئی اور کثرتِ اولاد سے کوکھ پھیل گئی تو اب وہ مجھے اپنی ماں کی مانند کہتے ہیں۔" ظہار کا جو طریقہ پہلے سے چلا آرہا تھا اُس کے متعلق کوئی وحی ہنوز نازل نہیں ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت خولہؓ سے فرمایا "میں تمہارے معاملے میں کچھ بول نہیں سکتا۔" حضورؐ کا ارشاد سُن کر حضرت خولہؓ فریاد کناں ہوئیں کہ "یا رسول اللہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر میں انھیں اوسؓ کے سپرد کر دوں تو تباہی ہے اور اپنے پاس رکھوں تو کہاں سے کھلاؤں۔" حضورؐ نے پھر وہی بات دُہرائی تو وہ رو کر کہنے لگیں کہ "میں اللہ تعالیٰ سے اپنی فاقہ کشی اور بے کسی کی شکوہ طراز ہوں"، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی :- قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا

تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ (مجادلہ - ۱)

یقیناً اللہ نے اس کی بات سُن لی جو اپنے شوہر کے بارے میں تم سے بات کر رہی تھی اور اللہ سے شکوہ سنج تھی، اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اُس کے بعد ظہار کا ثبوت اور اُس کی حیثیت اللہ کے نزدیک اس طرح ارشاد فرمائی گئی :-

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ (مجادلہ - ۲)

"تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے یعنی ماں کہہ دیتے ہیں وہ حقیقت میں اُن کی مائیں نہیں۔ مائیں تو وہ ہیں جنھوں نے ان کو جنا، بلاشبہ یہ لوگ بڑی گھناؤنی اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے ظہار کے باب میں دو حکم دیئے ہیں، اُخروی و دُنیوی، یعنی یہ فعل عذاب آخرت کا موجب ہے لہٰذا اس کے مرتکب کو توبہ کرنا چاہیئے اور آئندہ کے لئے اس سے باز رہنے کا عزم کرنا چاہیئے، دوسرا حکم دُنیا سے تعلق رکھتا ہے کہ اس گناہ کا کفارہ یعنی کفارۂ ظہار ادا کرے۔

جس فعل کو اللہ تعالیٰ نے مُنکَر اور زور قرار دیا وہ آخرت کا گناہ اور مستوجب عذاب ہے جس کی تلافی صرف توبہ سے ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہ سے درگزر فرماتا ہے۔ رہا اس کی بابت دُنیا کا حکم تو اس کا ذکر مذکورہ آیت سے اگلی آیت میں ہے :

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ (سورۂ مجادلہ - ۳، ۴)

جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کریں پھر کہی ہوئی بات سے واپس پلٹیں تو ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے اُن پر ایک غلام یا باندی آزاد کرنا لازم ہے یہ تمہارے

لئے تنبیہ اور نصیحت ہے اور اللہ تمہارے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے، پھر اگر کسی کو یہ میسر نہ ہو تو دو مہینے لگاتار روزے رکھے، ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے۔ پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔"

ان دو باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ یہ فعل ناپسندیدہ ہے اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ کیونکہ "کفارہ" اس ناپسندیدہ فعل کو کر گزرنے کی سزا ہے جس کا ارتکاب اللہ کی نافرمانی تھا۔ بیوی کو ہاتھ لگانے کی ممانعت شوہر کی سرزنش کے لئے ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو سخت تنبیہ ہے کہ مکروہ بات زبان سے نہ نکالیں، اور غصے کی حالت میں بیوی سے گفتگو کرتے وقت زبان کو قابو میں رکھیں اور الفاظ ادا کرنے میں احتیاط برتیں۔

ظہار کی حالت میں عورت سے بات چیت کرنا حرام نہیں ہے مگر مباشرت اور اس کے لوازمات سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بغیر کفارہ ادا کئے ایسا کرنا سخت گناہ ہے، عورت کو بھی ایسی حالت میں اپنے قریب نہ آنے دینا چاہئیے۔

کفارۂ ظہار ادا کرنے کے طریقے

کفارہ ادا کرنے کے تین طریقے ہیں:

(۱) مسلمان مملوک (غلام یا باندی) کا آزاد کرنا یا

(۲) دو ماہ کے متواتر روزے رکھنا اس طرح کہ درمیان میں ایک روزہ بھی چھوٹنے نہ پائے اگر ایک روزہ بھی چھوٹ جائے گا تو پھر سے روزہ شروع کرنا پڑے گا۔ اگر دو ماہ تک متواتر روزے رکھنے سے معذور ہو تو پھر (۳) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائے (یا تو ایک دن ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے یا ساٹھ دن تک ایک مسکین کو دونوں وقت کھانا کھلائے) یا صدقۂ فطر کے برابر یعنی پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا ان کی قیمت ساٹھ مسکینوں کو دیدے یا ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دیتا رہے۔ ایک ہی دن ایک مسکین کو ساٹھ دن کا غلہ نہ دینا چاہئیے۔

نفقہ کا بیان

بیویوں کے شوہروں پر حقوق کے بیان میں نفقہ کا اجمالی ذکر کیا جا چکا ہے۔ اب یہاں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے:

نفقہ کے لغوی معنی خرچ کرنا، یا مال کی خرید و فروخت کا کاروبار چالو کرنا جیسے نَفَقَتْ

الدّ آبَّۃَ" (میں نے جانور کو نکال دیا) یہ ایسے موقع پر بولتے ہیں جب جانور کو اس کے مالک کے قبضے سے نکال لیا جائے خرید کر یا "نفقتُ السّلعَۃَ" (میں نے مال کو چالو کر دیا) یہ اُس وقت کہتے ہیں جب خرید و فروخت چل پڑے۔ یہ لفظ اسم مصدر ہے اس کی جمع نفقات آتی ہے اور نفاق بھی جیسے ثمرہ کی جمع ثمار۔

فقہی تعریف فقہ کی اصطلاح میں اُن ضروریات کا مہیا کرنا جس کی ذمہ داری کسی پر ڈالی گئی ہو نفقہ کی تعریف ہے۔ اس میں روٹی سالن، لباس، گھر اور دوسری متعلقہ اشیاء مثلاً پانی، تیل روشنی وغیرہ شامل ہیں۔

نفقہ کی شرعی حیثیت اس کی شرعی حیثیت امر واجب کی ہے۔ چنانچہ شریعت نے نفقہ کو مہیا کرنا، شوہر پر باپ پر اور آقا پر واجب قرار دیا ہے اس کے موجبات تین ہیں: شادی، قرابت داری اور ملکیت ان تینوں صورتوں میں نفقہ کی ادائیگی واجب ہونا قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النساء۔ ۳۴)

"عورتوں کے نگراں و نگہبان مرد ہیں اُس فضیلت کی بنا پر جو اللہ نے ایک کو دوسرے پر دی ہے اور اس بنا پر کہ وہ اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے "وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ" (صاحب اولاد کے ذمہ اُن عورتوں کا کھانا کپڑا ہے) ان کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی کا اولاد کا، ماں باپ اور قرابت داروں کا نفقہ واجب ہے۔

احادیث تو اہل و عیال، قرابت والوں اور غلاموں پر خرچ کرنے کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔ منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو بخاری نے روایت کی ہے:

تَقُوْلُ الْمَرْاَۃُ اِمَّا اَنْ تُطْعِمَنِیْ	عورت کہتی ہے کہ یا تو مجھے میرا کھانا (نفقہ)
وَ اِمَّا اَنْ تُطَلِّقَنِیْ وَیَقُوْلُ	دو یا مجھے طلاق دے کر آزاد کر دو اور غلام
الْعَبْدُ اَطْعِمْنِیْ وَ اسْتَعْمِلْنِیْ	کہتا ہے کہ مجھے خوراک دو اور مجھ سے
وَیَقُوْلُ الْاِبْنُ اَطْعِمْنِیْ اِلٰی	کام لو اور بیٹا کہتا ہے مجھے کھانا کھلاؤ

مَنْ تَدَعُنِیْ۔ مجھے کس پر چھوڑو گے؟

اس حدیث کو دوسرے طریقے سے بھی روایت کیا گیا ہے جس میں اَطْعِمْنِیْ کے بجائے اَنْفِقْ عَلَیَّ ہے یعنی مجھ پر خرچ کرو۔

اجماع: یعنی تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ جن مستحقین کے نفقات مہیا کرنے کی تاکید احادیث میں آئی ہے ان سب کی خبرگیری واجب ہے۔ جس طرح عورت کے زوجیت میں آجانے کے بعد شوہر پر اس کا نان نفقہ واجب ہو جاتا ہے اسی طرح کبھی زوجیت سے علیٰحدگی بھی نفقہ کی ادائگی کا موجب ہو جاتی ہے مثلاً طلاقِ رجعی کے ذریعے زوجیت سے علیٰحدگی۔

بیوی کا نفقہ اور اُس کے مسائل

نفقہ زوجیت تین قسم کی چیزوں پر مشتمل ہے: (۱) نان، نمک اور اس کے لوازمات (آٹا، گوشت، دال، ترکاری، چولھا، ایندھن، پانی وغیرہ) (۲) تن پوشی کا لباس ہر موسم سے متعلق (۳) گھر جس میں سکون سے رہ سکے۔ تینوں قسم کے تعلق سے مسائل ہیں: پہلی قسم یعنی کھانے سے متعلق چیزوں کی فراہمی شوہر پر واجب ہے، پکانا ریندھنا عام دستور کے مطابق بیوی کو کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی جس حسن سلوک کی وہ حقدار ہیں ویسا ہی حسن سلوک کرنا اُن پر بھی واجب ہے) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض حیات کی جو تقسیم حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فرمائی وہی مثال دستور العمل ہے۔ آپ نے خارجی امور و معاملات کی انجام دہی کا ذمہ دار حضرت علی کو اور داخلی امور کی انجام دہی کا ذمہ دار حضرت فاطمہ کو قرار دیا وہ زمانہ ایسا تھا کہ چکی بھی اپنے ہاتھ سے پیسنا پڑتی تھی اور پانی بھی اپنے ہاتھ سے بھرنا پڑتا تھا نہ پنہاریاں تھیں نہ بھشتنیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امورِ خانہ داری کی انجام دہی حضرت فاطمہ کے سپرد کی تو ہر مسلمان عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھریلو کام کو انجام دے، قطع نظر اس کے کہ اُس کی جاہ و منزلت کیا ہے۔ شوہر پر جس طرح ضروری سامان خورد و نوش کا مہیا کرنا لازم ہے اسی طرح اس کو بنانے کے لئے جو سہولتیں درکار ہیں مثلاً چھلنی چھاج آٹا گوندھنے کا ظرف، توا، انگیٹھی، ڈوئی، چمچہ وغیرہ حسب ضرورت فراہم کرنا بھی ضروری ہے پھر جہاں آٹا مشینوں پر پسوا کر لایا جا سکتا ہے تو اُس پر

یہ بھی ذمہ داری ہے کہ آٹا پسوا کر لائے، جہاں پنہاریاں اجرت پر پانی لانے کے لئے میسر ہوں وہاں اجرت دے کر پانی بھروائے، غرض بیوی کو گھریلو کاموں کی انجام دہی میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچانا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے، شوہر پر بیوی کی حالت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اگر وہ بیمار ہو جائے یا اولاد کی پیدائش کے زمانے میں وہ کوئی کام انجام دینے کے قابل نہ رہے تو اُس کے لئے پکا پکایا کھانا فراہم کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اگر وہ تنہا سب گھریلو کام انجام نہ دے سکتی ہو تو مدد کے لئے کسی خادمہ کا انتظام کرنا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے۔ ان سب کے باوجود شوہر کے گھر کا نظم و نسق چلانے والی اور راعیہ بیوی ہی ہے، وہ اس ذمہ داری سے خود کو الگ نہیں کر سکتی۔

نفقہ کی دوسری قسم لباس ہے، شوہر پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہر چھ ماہ کے لئے لباس تیار کرا کے بیوی کو دے جس میں گرمی یا سردی سے بچاؤ کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو اور گرد و پیش کے رواج کا بھی۔ بیوی شب زفاف گزرنے کے بعد چھ ماہ سے پہلے بھی لباس کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

نفقہ کی تیسری قسم مکان ہے۔ شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو ایسے گھر میں رکھے جو میاں بیوی کے مناسب حال ہو، جہاں اُس کی دوسری بیوی اور دوسرے بچے نہ ہوں ہاں اگر صغیر سن بچے ہوں جو تعلقات زن و شوئی سے بے خبر ہوں، ایسے بچوں کی موجودگی میں مضائقہ نہیں ہے، یہ امر کہ آیا بیوی کے ساتھ اُس کا شوہر اپنی باندی (مملوک) رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ صحیح قول اس بارے میں یہ ہے کہ اگر وہ ام ولد ہو (یعنی اس کے اولاد پیدا ہو چکی ہے) تو اُس کو بیوی کے ساتھ نہ رکھنا چاہئے کیونکہ یہ ناخوشگواری کا سبب ہو سکتا ہے۔ یہ احکام اُس حالت میں ہیں جبکہ بیوی اُن کے ساتھ نہ رہنا چاہے لیکن اگر وہ شوہر کے کنبے والوں کے ساتھ رہنا پسند کرے تو ساتھ رہنا درست ہے۔ گھر کی بابت یہ شرط ہے کہ اُس میں تمام ضروری اور کار آمد اشیاء موجود ہوں۔

مذکورہ بالا احکام میں نفقہ کی کم سے کم ضرورتوں کا بیان ہے جس کا مطالبہ بیوی اپنے شوہر سے کر سکتی ہے۔ باقی رہا باہمی رضامندی کا معاملہ تو ہر شخص پر یہ ذمہ داری خدا کی طرف سے عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرے۔ بعض فقہاء کے نزدیک نفقہ اُس تمتع کا معاوضہ ہے جو شوہر بیوی سے حاصل کرتا ہے اس لئے اُس پر لازم ہے کہ وہ اُس کی

حیات عامہ کی بقا کے لئے بھی خرچ کرے جس سے مراد صحت مند زندگی ہے۔ جبکہ احناف کی رائے میں بیوی کا نفقہ شوہر کے گھر کی پابند رہنے کا معاوضہ ہے خواہ تمتع کے قابل ہو یا نہ ہو۔ اس اختلاف رائے کی بنا پر طاقت بخش پھلوں اور دواؤں کا مہیا کرنا اور بناؤ سنگھار کا سامان فراہم کرنا بیوی کے لئے شوہر پر ضروری ہوگا اگر نفقہ اُس سے تمتع کا معاوضہ ہے لیکن اگر نفقہ شوہر کے گھر میں پابند رہنے کا معاوضہ ہے تو شوہر پر ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی کہ وہ اُس کے لئے فواکہ یا اور صحت بخش غذا و دوا اور پلکوں آنکھوں اور چہرے وغیرہ کو خوبصورت بنانے والی چیزیں بھی فراہم کرے۔ باوجود اختلاف رائے کے یہ نظریہ بغیر کسی اختلاف کے فقہائے امت کو تسلیم ہے کہ شریعت اسلامیہ میاں بیوی میں رابطۂ الفت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائے رکھنے کی تائید کرتی ہے اور جن باتوں سے نفرت پیدا ہو اُن پر عمل پیرا ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔

مقدار نفقہ کا تعین

حنفی مسلک کی رو سے اگر دونوں میاں بیوی خوش حال اور غنی ہیں تو امیروں جیسا نفقہ اور اگر غریب ہیں تو غریبوں جیسا نفقہ ہوگا لیکن اگر اُن میں سے ایک خوش حال اور دوسرا تنگدست ہے تو اس میں ائمہ کی رائیں دو ہیں اور دونوں پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ پہلی رائے یہ کہ نفقہ دونوں کی حیثیت سامنے رکھتے ہوئے مقرر کیا جائے یعنی اوسط۔ دوسری رائے یہ کہ صرف شوہر کی حیثیت کو ملحوظ رکھا جائے اگر وہ خوش حال ہے تو نفقہ امیرانہ ہوگا ورنہ بصورت دیگر شوہر پر غریبانہ نفقہ فرض ہے۔ امام شافعیؒ اس رائے سے متفق ہیں لیکن گھر کے بارے میں بیوی کی حیثیت کا لحاظ رکھنا پسندیدہ قرار دیتے ہیں

نقد رقم نفقہ میں دینا

احناف کے نزدیک یہ امر کہ نفقہ اناج اور اشیائے ضرورت کی شکل میں مقرر کیا جائے یا نقد کی صورت میں۔ زوجین کی حیثیت اُن کے طرز زندگی اور عام رواج کے پیش نظر متعین کرنا چاہیئے۔ ایک مخصوص رقم نفقہ کے لئے مقرر کر دینا اس لئے درست نہیں ہے کہ ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اور اشیا کی قیمتیں بھی اُترتی چڑھتی رہتی ہیں۔ پھر شوہر کے حالات کو دیکھنا ضروری ہے اگر اُسے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے تو بیوی کو بھی ماہواری نفقہ دیا جائے گا اور اگر ہفتہ وار اُجرت ملتی ہے تو نفقہ بھی ہفتہ واری رکھا جائے، اگر شوہر زراعت پیشہ ہے جسے ششماہی یا سالانہ پیداوار حاصل ہوتی

ہے تو بیوی کے لئے بھی ششماہی یا سالانہ نفقہ مقرر کرے۔

خوراک لباس اور اُس کے متعلقہ لوازمات میں سے تمام اشیاء کا تعلق نفقے سے ہوتا ہے، اُس کی مقدار کا مقرر ہونا ضروری ہے پھر اگر اُس کے دام نقدی یا کسی اور شکل میں بیوی کو دیئے جائیں تو بیوی کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اُسے قبول کرے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اشیائے نفقہ کے بجائے نقدی کا مطالبہ کرے اور شوہر اُسے قبول کرے، البتہ اگر دونوں اس پر راضی ہوں تو درست ہے تاہم راضی ہونے کے بعد بھی اپنی بات سے رجوع کر لینے کا دونوں کو حق ہے، یہی مسلک امام حنبل کا بھی ہے۔

وجوب نفقہ کی شرائط

ایک شوہر پر اپنی بیوی کا نفقہ واجب ہونے کی چند شرطیں ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ بیوی عقد صحیح کے ذریعہ زوجیت میں آئی ہو۔ اگر عقد ہو گیا اور بیوی کو نفقہ دیا گیا بعد میں اُس عقد کا فاسد یا باطل ہونا معلوم ہوا تو شوہر کو حق ہے کہ خرچ کیا ہوا واپس لینے کا مطالبہ کرے کیونکہ نفقہ معاوضہ ہے بیوی کو اپنا پابند اور اپنے لئے مخصوص کر لینے کا اور عقد فاسد ہو کر بیوی اُس کی پابند نہیں رہتی۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ بیوی قابل مباشرت ہو۔ کیونکہ نفقہ تب ہی واجب ہوگا جب اُس سے کوئی تمتع حاصل کیا جا سکے۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ بیوی ناشزہ نہ ہو اور خود سپردگی پر آمادہ ہو۔ ناشزہ وہ عورت ہے جو شوہر کے گھر سے اُس کی اجازت کے بغیر اور بلا وجہ چلی جائے یا شوہر کے بُلانے پر اُس کے پاس نہ آئے۔

۴۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ بیوی مرتد نہ ہو گئی ہو یعنی ترک اسلام نہ کیا ہو اس لئے کہ ارتداد سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ بیوی سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی ہو جس سے حرمت مصاہرہ عائد ہو جائے یعنی اپنے سوتیلے بیٹے یا خسر سے نفسانی خواہش کے ساتھ کوئی رابطہ رکھنا شوہر سے رشتۂ زوجیت کو منقطع کر دیتا ہے اور اُس پر اس کا نفقہ واجب نہیں رہتا۔

۶۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ بیوی وفات یافتہ شوہر کی عدت میں نہ ہو۔
۷۔ ساتویں شرط ایسی بیوی کے لئے جو کسی کی کنیز ہو تو اگر اس کا نکاح کر کے اُسے اور اُس کے شوہر کو الگ مکان دیا گیا ہے تو شوہر پر نفقہ واجب ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔
۸۔ وہ عورت جو قید میں ہو اور شوہر سے نہ مل سکتی ہو اُسے نفقہ کا حق نہیں ہے۔
۹۔ وہ بیوی جسے کسی اور شخص نے غصب کر لیا ہو یعنی زبردستی اپنے قبضے میں رکھا ہو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہ ہوگا۔
۱۰۔ وہ بیوی جس سے نکاح ہو گیا لیکن شوہر کے گھر میں آنے سے پہلے بیمار ہو گئی اور شوہر کے گھر نہ آپائی اُس کا نفقہ بھی واجب نہ ہوگا۔
۱۱۔ وہ بیوی جو شوہر کے علاوہ کسی محرم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئی اُس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ شوہر کے گھر میں رہنے کی پابند نہیں ہے۔

نفقہ عائد ہونے کے بارے میں

جب بیوی عقد صحیح کے بعد شوہر کی تحویل میں آجائے اور شرائط وجوب نفقہ پوری ہوتی ہوں تو بیوی کا نفقہ واجب ہو جاتا ہے اور شوہر پر قرض رہتا ہے۔ اگر بیوی کہے کہ میں اپنا نفس تمہارے حوالے کر چکی ہوں اور شوہر اس سے انکار کرے یا بیوی حوالگی کا عرصہ سال بھر بتائے اور شوہر کہے کہ نہیں صرف ایک ماہ ہوا ہے تو دونوں صورتوں میں شوہر کی بات قسم کھا لینے پر مان لی جائے گی اگر نفقہ کی ادائگی میں تاخیر کی اور بیوی کی شکایت پر حاکم شرع نفقہ مقرر کر دے تو اُسے حکم قرار دیا جائے گا۔ حاکم شرع کے فیصلے سے پہلے نفقہ اس پر واجب تھا لیکن اُس دوران اُس نے بیوی سے ملاقات نہیں کی تھی۔ موجود نہ ہونے کے سبب سے یا بیماری وغیرہ کے سبب سے تو پچھلے دنوں کا نفقہ واجب نہ ہوگا بلکہ اگر کافی عرصہ گزر گیا ہے تو ساقط ہو جائے گا ہاں اگر تھوڑا عرصہ یعنی ایک ماہ سے کم گزرا ہو تو ساقط نہ ہوگا لیکن اگر حاکم شرع کے فیصلے کے بموجب کوئی نفقہ مقرر ہوا ہے تو وہ شوہر کے ذمّے بیوی کا قرض ہوگا اور وہ ساقط نہ ہوگا۔ جب حاکم بیوی کے لئے نفقہ مقرر کر دے تو بیوی کو حق ہے کہ جو کچھ اُس نے اپنے اوپر خرچ کیا ہے اُس کو پورا کرنے کے لئے اس حد تک جتنا حاکم نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے شوہر سے مطالبہ کرے۔

یہی اس صورت میں بھی ہے جبکہ دونوں میاں بیوی نے خود ہی باہم کوئی مقدار نفقہ طے کرلی ہو تو وہی شوہر پر قرض ہوگا اور بیوی اسی کا مطالبہ بھی کرسکے گی اگرچہ حاکم نے اس بارے میں فیصلہ نہ کیا ہو۔ اگر حاکم شرع کے فیصلے یا باہمی رضامندی سے نفقہ متعین نہیں ہوا اور بیوی نے شوہر کو ادائگی نفقہ سے بری کردیا تو یہ دست برداری درست نہ ہوگی کیونکہ نفقہ جب تک مقرر نہ ہوئے قرض تسلیم نہیں کیا جاسکتا پھر اُس سے دست برداری کے کیا معنی؟ دست برداری کا سوال نفقہ مقرر ہوجانے اور اُس کو قرض قرار دینے کے بعد ہی پیدا ہوگا۔ واجب ہونے سے پہلے ساقط کرنے کی صورت نادرست ہے۔

نفقہ کو ساقط کرنے والی باتیں

نفقہ کو ساقط کرنے والی باتوں کا ذکر "وجوب نفقہ کی شرائط" میں ضمناً آچکا ہے۔ چند مزید باتیں یہاں وضاحت سے بیان کی جارہی ہیں:

۱۔ زوجین میں سے اگر کسی کی وفات ہوجائے تو نفقہ ساقط ہوجائے گا۔ بشرطیکہ حاکم شرع نے اُس کو قرض قرار دیئے جانے کا فیصلہ نہ کردیا ہو۔ اگر ایسا فیصلہ ہوا ہے تو اس نفقے کی حیثیت قرض کی ہے اور کسی کی موت ہوجائے تو قرض ساقط نہیں ہوتا کیونکہ وہ کسی کام کا صلہ نہیں ہوتا۔

۲۔ اگر بیوی شوہر کی نافرمانی کرے تو واجب الوصول نفقہ ساقط ہوجائے گا بشرطیکہ اُسے حاصل شدہ مان کر قرض نہ قرار دیا گیا ہو۔

۳۔ اگر بیوی دین سے پھر جائے یعنی مرتد ہوجائے تو نفقہ ساقط ہوجائے گا اسی طرح شوہر کے بیٹے یا باپ سے جنسی رابطہ قائم کرنے سے بھی نفقہ ساقط ہوجائے گا۔

۴۔ اگر بیوی کو طلاق قطعی دیدی یا اُس نے خلع کرلیا تو نفقہ ساقط ہوجائے گا لیکن اگر طلاق رجعی ہے تو ساقط نہ ہوگا اگر بیوی کو حمل کی حالت میں طلاق دی گئی ہے تو وہ نفقہ پانے کی مستحق ہے۔ زوجیت سے خارج کردینے والی طلاق کی صورت میں اگر قرائن یہ ہوں کہ شوہر نے اپنے کو نفقۂ واجب کی ادائگی سے چھٹکارا دلانے کے لئے طلاق دی اور بیوی مظلوم ہو تو حاکم شرع بیوی کا نفقۂ واجب اُس کو دئے جانے کا

حکم دے گا۔ اگر قرینہ اس کے خلاف ہو تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

فقہ مالکیہ کے مطابق نفقہ ساقط ہو جانے کا ایک سبب شوہر کی تنگ دستی بھی ہے بعد میں اگر وہ خوش حال ہو جائے تو بیوی کو دوران تنگدستی کے نفقے کا مطالبہ کرنے کا حق نہ ہوگا' بیوی اگر شوہر کے ساتھ کھاتی پیتی ہے اور اُس کے کپڑے بھی شوہر کے کپڑوں کے ساتھ ملتے ہیں تو بھی خوراک اور لباس کا نفقہ شوہر سے ساقط ہو جائے گا اگر بیوی اپنی ذات سے متمتع ہونے یا مباشرت سے انکار کرے تو جس روز ایسا ہوا اُس روز کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ ہاں اگر پھر اطاعت شعار ہو جائے تو نفقہ عائد ہو جائے گا۔

دوران عدّت نفقے کا بیان

جو عورت شوہر کی وفات کی عدّت میں ہو اُس کا کوئی نفقہ نہیں ہے۔ خواہ وہ حمل سے ہو یا نہ ہو لیکن وہ عورت جو طلاق یا فسخ نکاح کی عدت میں ہو اُس کے نفقہ کے بارے میں مسائل حسب ذیل ہیں:

فقہ حنفی کی رو سے شوہر اور بیوی کے درمیان علیحدگی چار اسباب سے ہوتی ہے:

۱۔ طلاق رجعی (جس میں نکاح باقی رہتا ہے)

۲۔ طلاق بائن (جس میں بیوی زوجیت سے خارج ہو جاتی ہے)

۳۔ فسخ عقد (خواہ وہ عقد صحیح کو فسخ کرنا ہو یا عقد ہی فاسد ہوا ہو)

۴۔ وفات۔ چاروں حالات میں بیوی کو مقررہ عدّت پوری کرنا ہوتی ہے جس کا ذکر عدّت کے بیان میں ہو چکا ہے، یہاں دوران عدّت نفقے کا ذکر مقصود ہے۔

پہلی صورت طلاق رجعی کی ہے تو بیوی زمانۂ عدّت میں ہر طرح کے نفقے کی حقدار ہوگی، اگر اس دوران شوہر کی وفات ہو جائے تو عدّتِ طلاق عدّت وفات میں منتقل ہو جائے گی اور مقررشدہ نفقہ ساقط ہو جائے گا لیکن اگر اس نفقہ کو قرض قرار دے دیا گیا ہے تو وہ نفقہ ساقط نہ ہوگا۔

دوسری صورت طلاق بائن کی ہے تو اگر بیوی حاملہ نہیں ہے تو وہ نفقے کی حقدار نہ ہوگی کیونکہ شوہر پر اُس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک اُس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ شرط یہ ہے کہ بیوی اُس گھر سے نہ نکلے جہاں ایام عدّت گزارنے کے لئے

اُسے رکھا گیا ہے۔

تیسری صورت فسخِ عقد کی ہے۔ اگر عقد صحیح کو فسخ کر دیا گیا ہے تو جو حکم طلاق بائن سے طلقہ بیوی کا ہے وہی نافذ ہوگا۔ لیکن علیٰحدگی اگر عقد فاسد کی بنا پر ہوئی ہے مثلاً ایک عورت جو عدت میں تھی اُس نے کسی اور سے نکاح کر لیا اور اس کے ساتھ خلوت صحیحہ بھی ہوگئی پھر اس عقد کے باطل ہونے کا علم ہوا اور اس بنا پر دونوں میں علیٰحدگی کرا دی گئی تو اس عورت کو دو عدتیں گزارنا ہوں گی، ان کی ابتدا علیٰحدگی کی تاریخ سے ہوگی اور اس میں وہ عرصہ داخل ہوگا جو دوسرے خاوند سے ملنے سے پہلے گزرا ہے پس اگر عورت کو ایام ماہواری ہوتے ہیں تو دوسرے خاوند سے علیٰحدگی کے بعد تین حیض آجانے تک انتظار کرنا ہوگا اگر دوسرے خاوند سے ملنے سے پہلے ایک حیض آچکا ہے تو وہ پہلے شوہر کی عدت میں محسوب ہوگا اور دوسرے سے مباشرت کی بنا پر تکمیل عدت کے لئے مزید دو حیض کا انتظار کرنا ہوگا، اس طرح دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی یعنی ایک ساتھ پوری ہوں گی، چنانچہ یہ دو ایام حیض دوسری بار پہلی عدت میں محسوب ہوں گے اور پہلی بار دوسری عدت میں۔ ایسی حالت میں نفقہ کا ذمہ دار پہلا شوہر ہوگا۔ کیونکہ نکاح فاسد کی بنا پر علیٰحدگی کے بعد عدت اگرچہ واجب ہوتی ہے لیکن نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کسی بیوی کا شوہر مفقود الخبر ہو جائے اور بیوی یہ افواہ سُن کر کہ اُس نے وفات پائی کسی اور سے شادی کرلے لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد مفقود الخبر شوہر واپس آجائے تو دوسرے شوہر سے بیوی کی تفریق کرا دی جائے گی اور دوران عدت کا نفقہ نہ تو دوسرے شوہر پر عائد ہوگا اور نہ پہلے شوہر پر کیونکہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی اس لئے اُس کی عدت نہیں۔ اور دوسرا نکاح فاسد ہوا ہے اس لئے تفریق کے بعد عدت تو واجب ہے لیکن نفقہ واجب نہیں ہوتا۔

چوتھی صورت شوہر کے وفات پا جانے کی ہے تو وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو تاہم بیوی کو شوہر کے گھر میں رہنے کا حق ہے جب تک عدت پوری نہ ہو جائے جس کی میعاد چار مہینے دس دن ہے، اسی طرح جس عورت کو طلاق بائنہ ہوئی ہو، وہ بھی مکان میں رہنے کے علاوہ کسی اور نفقے کی حقدار نہ ہوگی، اور رہنے کا حق عدت پوری ہو جانے تک ہے۔

اگر بیوی حاملہ ہے اور اسے طلاق بائنہ مل گئی تو نفقے کے اقسام سہ گانہ (خوراک، لباس اور

مکان، اکا مہیا کرنا شوہر پر واجب ہوگا، یہ نفقہ طلاق یافتہ بیوی کا نہیں بلکہ اُس حمل کے لئے ہوگا اور اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک ولادت نہ ہو جائے۔

اگر طلاق یافتہ عورت کہے کہ اُس کے طہر کا زمانہ طویل ہو گیا ہے اور حیض کے دن نہیں آئے تو اُس کے قسم کھا لینے پر بات تسلیم کر لی جائے گی اور عدت جاری رہے گی یہاں تک کہ اس کا پورا ہو جانا ثابت ہو جائے۔ مطلقہ حاملہ کو طلاق کے دن سے دو سال تک نفقہ حاصل کرنے کا حق ہوگا۔ دو سال گزر جائیں اور پتہ چلے کہ وہ حاملہ نہیں ہے تو شوہر کو یہ نہ چاہیئے کہ خرچ کردہ نفقے کی رقم واپس لینے کا مطالبہ کرے، دوران عدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر بیوی نے اس کا مطالبہ نہیں کیا اور مدت حمل گزر گئی تاہم اگر حاکم شرع کے حکم سے یا باہمی فیصلے سے نفقہ مقرر کیا جا چکا ہو تو وہ ساقط نہ ہوگا۔ غیر حاملہ طلاق بائنہ والی عورت نفقہ پانے کی مستحق نہیں رہتی اس لئے اگر وہ زمانہ عدت میں طہر کی مدت طویل ہونے کا دعویٰ کرے تو اس سے کچھ حاصل نہیں ہے، یہ مالکی فقہا کی رائے ہے۔

غیر موجود شوہر پر نفقہ عائد ہونا بیوی کو یہ حق ہے کہ اپنے شوہر سے مطالبہ کرے کہ سفر پر جاتے وقت واپسی کے وقت تک کا نفقہ دے کر جائے لیکن یہ اُس صورت میں جب ایک مقررہ عرصے کے لئے سفر میں جانے کا ارادہ ہو لیکن اگر لمبی مدت کے لئے جس کی میعاد مقرر نہ ہو سفر پر جانے کا ارادہ ہو تو بیوی ایک خاص عرصے کے لئے پیشگی نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے اور بعد کے لئے کسی کفیل کو ذمہ دار بنانے کا مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ حیثیت کے مطابق جو خرچ بیوی پر ہوتا چلا آیا ہے وہ اُس خاص عرصے کے بعد بیوی کو دیتا رہے۔ اگر شوہر کی موجودگی میں دونوں میاں بیوی کسی کفیل کی ذمہ داری پر راضی ہو جائیں کہ وہ بیوی کو مقررہ نفقہ دیتا رہے گا تو اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

اگر ایسا نہ ہوا اور شوہر بغیر نفقے کا انتظام کئے چلا گیا تو حاکم شرع اُس کی بیوی کے حق میں نفقے کا فیصلہ کرے گا بشرطیکہ اس امر کی شہادت موجود ہو کہ وہ فلاں شخص کی بیوی ہے جو غیر حاضر ہے اور اُس شخص کا مال جس شخص کی تحویل میں ہو وہ بھی اقرار کرتا ہو کہ اُس کا مال میری تحویل میں ہے اور یہ عورت اسی کی بیوی ہے یا خود حاکم شرع کو اس کا علم ہو تو بیوی کو اُس میں سے

نفقہ ملے گا ورنہ اُسے قرض لینے کا حکم دیا جائے گا۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں شوہر پر زوجیت کا نفقہ اُس وقت تک واجب نہیں آتا جب تک بیوی اپنے کو شوہر کے حوالے نہ کر دے اس لئے غیر موجود شوہر پر نفقہ اسی وقت عائد ہوگا جب حاکم شرع اس بات کا اعلان کر دے کہ بیوی خود کو شوہر کے سپرد کرنے (یعنی رخصتی) کیلئے تیار ہے۔ اگر بیوی نے خود کو شوہر کے حوالے کر دیا اور پھر وہ کہیں چلا گیا تو نفقہ اُس پر لازم الادا ہوگا۔ جس طرح پچھلے دنوں کے بقایا نفقہ کی ضمانت درست ہے اسی طرح آئندہ نفقے کی ضمانت بھی درست ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب تک یہ عورت فلاں شخص کی بیوی ہے میں اس کے نفقے کا ضامن ہوں تو اُس شخص پر مثالی نفقے کی ادائگی لازم ہے۔

شوہر کا ادائے نفقہ سے عاجز ہونا

اگر شوہر اپنی بیوی کا خرچ اٹھانے سے عاجز ہو تو بیوی کو حق ہے کہ وہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے۔ اس بارے میں حنفی مسلک تو یہ ہے کہ اس عاجزی کی بنا پر تفریق نہیں کرائی جائے گی بلکہ قاضی یا حاکم شرع بیوی کو حکم دے گا کہ وہ قرض لے، اور قرض کو شوہر کے ذمے واجب الادا کرے کیونکہ فقر و افلاس جب مانع نکاح نہیں ہے تو بقائے رشتۂ زوجیت کے لئے اُسے کیوں مانع قرار دیا جائے۔ رزق کی سبیل اللہ پیدا فرماتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

اگر وہ آج تنگدست ہیں تو کل اللہ اپنے فضل سے اُن کو فراخ دست بنا دے گا۔

اگر شوہر تنگدست ہے تو ہوسکتا ہے کہ اُس کا باپ، چچا بھائی یا بیٹا (جو اس بیوی سے نہیں ہے) خوش حال ہو یا خود بیوی کا باپ، چچا یا بھائی خوش حال ہو تو یہ صاحب توفیق اقارب نفقہ ادا کریں پھر جب شوہر کو سہولت میسّر ہو تو جو کچھ بیوی پر خرچ ہوا ہے وہ ادا کر دے۔ دین و اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ بیوی صبر و تحمل سے عارضی تکلیف کو جھیل جائے۔ حاکم یا اسلامی جماعت کو قرآن کی اس ہدایت کے مطابق کہ "إِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ" حکم دینا چاہیئے، یعنی جو تنگ حال ہوں اُن کو خوش حالی تک کی مہلت دی جائے گی۔ یہ مسائل اُس حالت میں ہیں جب شوہر کے پاس بہ ظاہر کوئی مال نہ ہو بصورت دیگر اُس کے مال سے جبراً

نفقہ وصول کیا جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شوہر بیوی کا خرچ نہ اُٹھا سکے تو وہ عقد نکاح کے فسخ کرنے کا مطالبہ کر سکتی ہے اور حاکم شرع شوہر کی طرف سے طلاق رجعی دے سکتا ہے بشرطیکہ یہ تین شرطیں پوری ہوتی ہوں:

۱۔ شوہر حال یا مستقبل میں بیوی کو خوراک اور لباس مہیا کرنے سے عاجز ہو۔ لیکن اگر وہ محض پچھلا بقایا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو بیوی کو فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ شوہر کے ذمے قرض واجب الادا ہے (عدم ادائگی قرض کی بنا پر نکاح فسخ نہیں ہو سکتا)

۲۔ بیوی کو نکاح کرتے وقت شوہر کی مفلسی کا علم نہ تھا۔ اگر تھا اور وہ نکاح پر راضی تھی تو اُسے فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ جس وقت شادی ہوئی تھی اُس کا شوہر کوئی کاروبار کرتا تھا بعد میں وہ ترک کر دیا تب وہ مطالبہ کر سکتی ہے۔

۳۔ یہ ثابت ہونے پر کہ شوہر فی الواقع نادار اور ادائے نفقہ سے عاجز ہے، حاکم ایک خاص مدّت اپنی سمجھ کے مطابق ادائے نفقہ کے لئے متعین کر دے گا جس عرصے میں اُس کی تنگدستی دور ہو جانے کی توقع ہو۔ پھر اگر وہ مدّت گزر جائے اور نفقہ نہ دے سکے تو اُس کی طرف سے طلاق رجعی دیدی جائے گی۔

جو شخص باوجود استطاعت کے بیوی کا نفقہ اور اُس کی ضروریات پورے نہیں کرتا اُس کو متعنّت کہا جاتا ہے۔ تعنّت ظلم کی شکل ہے اور مظلوم کو ظلم سے نجات دلانا مسلمان کا فرض ہے۔ فقہ مالکی میں عورت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ قاضی یا مسلمانوں کی جماعت کے سامنے دعویٰ پیش کر کے فسخ نکاح کرا لے۔ اُس کو یہ دعویٰ تب ہی کرنا چاہیئے جب کوئی دوسرا ذریعہ معاش یا کوئی دوسرا سرپرست موجود نہ ہو۔ یا اُس کا شوہر اُس کی طرف توجہ نہ کرتا ہو اور اُسے گناہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ مسلمان حاکم یا اسلامی جماعت کا فرض ہوگا کہ شہادتوں سے معاملے کی پوری تحقیق کر لیں پھر شوہر سے کہیں کہ تم کو اتنی مہلت دی جاتی ہے کہ تین ماہ کے اندر تم تعنّت کی روش ترک کر دو ورنہ ہم تفریق کرا دیں گے اگر اس مدّت میں وہ روش

بدل دے اور اگر بیوی اس سے مطمئن ہو جائے تو اُسے دعویٰ واپس لینے کو کہا جائے گا ورنہ تین ماہ کے ختم ہوتے ہی تفریق کرا دی جائے گی یعنی ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی۔ اب اگر عدت پوری ہونے سے پہلے وہ حق تلفیوں سے باز آجائے تو بیوی سے رجوع کر سکتا ہے۔ عدت گزرنے کے بعد بھی اگر اظہار ندامت کرے اور آئندہ حق تلفی سے باز رہنے کا وعدہ کرے تو عورت کی رضامندی سے تجدید نکاح کر سکتا ہے۔

نفقہ اولاد کے لئے اولاد لڑکے ہوں یا لڑکیاں کم عمر ہوں یا بالغ اگر خود کما نہ سکتے ہوں یا تعلیم حاصل کر رہے ہوں اور کوئی مال نہ رکھتے ہوں تو اُن کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ باپ کی معذوری کی صورت میں ماں کفیل ہوگی اور جو کچھ خرچ کرے گی وہ بچوں کے باپ پر قرض رہے گا، باپ اور ماں دونوں معذور ہوں تو پھر دادا اگر صاحب توفیق ہو تو وہ بچوں کا نفقہ ادا کرے گا لیکن اگر دادا صاحب حیثیت نہ ہو اور چچا یا بھائی صاحب حیثیت ہوں تو ان میں سے کسی پر نفقہ واجب ہوگا اور بچوں کی ماں کو حق ہے کہ ان دونوں میں سے کسی سے بلا ترجیح نفقۂ اولاد کا مطالبہ کرے۔ بصورت دیگر ان بچوں کا جو سب سے قریب رشتہ دار ہو اُس پر واجب ہوگا کہ اُن کا خرچ برداشت کرے اور ہر صورت میں صحیح یہ ہے کہ جو کچھ کسی نے خرچ کیا ہے وہ باپ سے جب بھی اُسے توفیق ہو اپنا مطالبہ وصول کر لے۔ البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں خرچ کرنے والے کو یہ حق نہ رہے گا، وہ یہ ہے کہ دادا نے خرچ کیا ہو اور باپ اپاہج ہو۔ تو یہ سمجھا جائے گا جیسے باپ وفات پا گیا ہے اور نفقہ ساقط متصور ہوگا پھر جب کوئی قرابت دار ایسا نہ ہو جو ان کا نفقہ ادا کر سکے تو اسلامی حکومت بیت المال سے نفقہ ادا کرے گی۔

ماں کے ذمہ نفقہ عائد نہیں ہوتا البتہ اُس پر لازم ہے کہ پیدائش کے ابتدائی ایام میں اپنا دودھ پلائے کیونکہ جب تک پہلے پہل بچے کو ماں کا دودھ نہ ملے وہ بالعموم زندہ نہیں رہتا۔

باپ دادا اور قرابت داروں کا نفقہ باپ دادا جب کہ وہ کما کر کھلانے سے معذور ہو جائیں تو اولاد پر لازم ہے کہ وہ اُن پر خرچ کرے، اسی طرح نانا پر خرچ کرنا ضروری ہے جب وہ محتاج ہو، ماں بھی باپ کے مانند ہے۔ اگر کوئی بیٹا اپنے والدین میں سے صرف ایک کے لئے نفقہ فراہم کر سکتا ہے تو ماں کو باپ پر

فوقیت دی جائے گی، اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کو نفقہ ادا کرنے سے باز رہے اور کہے کہ میرا باپ خوش حال ہے تو لازم ہے کہ اس دعوے کو گواہوں سے ثابت کرائے ورنہ باپ کا کہنا تسلیم کیا جائے گا، اگر کسی باپ کے بیٹا اور بیٹی دونوں خوش حال ہیں تو دونوں کو برابر کی مقدار میں نفقہ ادا کرنا پڑے گا، ورنہ جو زیادہ مالدار ہو اُس کا حصہ باپ کے نفقے میں زیادہ ہوگا۔ صاحب توفیق بیٹے کا یہ فرض بھی ہے کہ باپ کی بیوی کو (جو اُس کی ماں نہیں ہے) نفقہ دے اور ماں کا حق سب پر مقدم ہے۔ البتہ اگر باپ کی کئی بیویاں ہیں تو بیٹے پر صرف ایک بیوی کا نفقہ واجب ہے۔

قرابت داروں میں نسبی قرابت داروں کو دیکھا جائے گا یعنی پسری یا پدری حیثیت کو اگر ایسا کوئی قرابت دار محتاج ہے تو صاحب توفیق پر اُس کا نفقہ واجب ہے۔ نسبی رشتہ کے بعد قریب ترین رشتہ دار مقدم ہے مثلاً باپ کو نفقہ فراہم کرنا بیٹے پر زیادہ لازم ہے بہ نسبت پوتے کے کیونکہ وہ قریب ترین ہے، اسی طرح اگر کسی کی ایک بیٹی ہے اور ایک پوتا ہے تو بیٹی پوتے سے زیادہ قریب ہے اس لئے بیٹی پر نفقہ کی ذمہ داری بہ نسبت پوتے کے زیادہ ہے — حقیقی بھائی اور بیٹی ہو تو بھی بیٹی باپ سے قریب تر ہے کیونکہ وہ اُس کا جز بھی ہے۔ اگر کسی کی ایک بہن اور بیٹا ہے اور وہ عیسائی ہو گیا ہے تو بھی نفقہ بیٹے کے ذمے ہوگا (اگرچہ وہ عیسائی ہونے کی وجہ سے وارث نہیں ہے) اگر کسی شخص کا حقیقی بھائی بھی ہے اور نواسہ بھی موجود ہے تو نفقہ نواسے کے ذمہ ہوگا (حالانکہ سگے بھائی کی موجودگی میں نواسہ وارث نہیں ہوتا)

مختصراً یہ کہ مطالبۂ نفقہ کے بارے میں سب سے پہلے اصول و فروع (جڑ یا شاخ) کے رشتہ داروں کو دیکھا جائے گا اور ان میں بھی جو قریب ترین ہوگا وہ مقدم رکھا جائے گا مثلاً: ایک شخص نفقے کا ضرورتمند ہے اور اُس کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہیں اور قرابت کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں، یہاں بیٹے پر نفقہ کی ذمہ داری اس لئے ڈالی جائے گی کہ اُسے اِس حدیث کی رو سے ترجیح حاصل ہے: "انت و مالك لابيك" (یعنی تو خود اور تیرا مال تیرے باپ کے لئے ہے۔ نفقہ بجز قرابت داروں کے کسی اور پر واجب نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ صاحب توفیق ہوں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحب توفیق کی کیا تعریف ہے؟ بعض علماء نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو، بعض لوگوں نے کہا ایسا

شخص جو کاشتکار یا تاجر ہو اتنا مال جمع رکھ سکتا ہو جس سے اُس کے اور اس کے بال بچوں کا خرچ پورا ہو کر اس قدر بچے کہ بطور نفقہ حقدار کو دے سکے یا ایسا شخص ہو جو یومیہ اجرت پر کام کرتا ہو اور اہل و عیال کے روزانہ خرچ کو پورا کر کے کچھ بچ جائے تو وہ صاحب توفیق ہے ۔ نفقہ دینے والا نسبی رشتہ دار تو ہونا ہی چاہیئے اُس کا محرم ہونا بھی ضروری ہے لہٰذا چچا کی بیٹی پر واجب نہیں ہے کیونکہ وہ نسبی رشتہ دار ہونے کے باوجود نامحرم ہے۔ دودھ کے رشتے والے جو قرابت دار نہ ہوں اُن پر بھی نفقہ واجب نہیں ہے۔ مذہب کا اختلاف بھی نفقہ کو واجب نہیں کرتا، بجز دو صورتوں کے' باپ اور بیٹے کا رشتہ، میاں اور بیوی کا رشتہ'

حضانت (بچے کی پرورش) حِضن کے معنی گود کے ہیں' حاضنہ وہ عورت جو بچے کو اپنی آغوش میں پالتی ہے اصطلاح شرع میں حضانت کے معنے بچے کو حتی المقدور مضرتوں سے بچانا' اُسے صاف ستھرا رکھنا اور ضروریات صحت کا خیال رکھنا، حق حضانت یعنی بچے کی پرورش کے حقدار اور اصلاح و تربیت کے ذمہ دار علی الترتیب یہ لوگ ہیں:۔

۱۔ سب سے پہلے حضانت کا حق ماں کو ہے خواہ وہ باپ کے نکاح میں ہو یا طلاق یافتہ ہو پھر ۲۔ نانی پر نانی ۳۔ دادی' پردادی ۴۔ حقیقی بہن ۵۔ سوتیلی بہن (جو ماں کی بیٹی ہو) ۶۔ خالہ ۷۔ پھوپی کو ترتیب وار حق حضانت حاصل ہے۔ اس باب میں مادری رشتوں کو پدری رشتوں پر اوّلیت حاصل ہے۔ خالہ کی پھوپھی کی ماموں اور چچا کی بیٹیوں کو حق حضانت نہیں ہے' اسی طرح لڑکی کی پرورش بھتیجوں کے سپرد نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ اُس کے محرم نہیں ہیں۔

حضانت کے لئے شرائط بچہ جس کو پرورش کے لئے سپرد کیا جائے اُسے عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے' اس کے علاوہ چند اور بھی شرائط ہیں جن کا لحاظ رکھا جائے گا، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مرتد یعنی اسلام سے برگشتہ نہ ہو' دوسری شرط یہ کہ بدکار نہ ہو، چوری یا ایسا ذلیل پیشہ جسے لوگ اچھی نظر سے نہ دیکھتے ہوں مثلاً رقاصہ' تو ایسے اشخاص کو حق حضانت نہیں ہے' تیسری شرط یہ ہے کہ حاضنہ نے بچے کے باپ کے سوا کسی اور سے شادی نہ کر لی ہو' البتہ اگر اس نے اس کے پدری رشتہ دار، مثلاً بچے کے چچا سے شادی

بچّے کی پیدائش نکاح کی غرض سے جہاں شوہر اور بیوی کی عفت وعصمت کی حفاظت اور اُن میں محبت ومودت، ہمدردی اور غمگساری کے جذبات پیدا کرنا ہے وہاں صالح اولاد کا حصول بھی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کے ضمن میں فرمایا ہے، سورۂ نحل میں ارشاد ہے: وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً (سورہ نحل آیت ۷۲)

اللہ نے تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے پیدا کیے اور اُن سے تمہارے بیٹے اور پوتے بنائے۔

سورۂ فرقان میں مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی گئی:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (سورۂ فرقان۔ ۷۴)

اے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد میں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

کان میں اذان دینا اسلامی معاشرے میں کان میں اذان دینے کا طریقہ ہے (زاد المعاد) میں ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے کانوں میں اذان دی اور اقامت پڑھی۔ اس سنّت کی پیروی میں ہر مسلمان بچّے کی ولادت کے بعد اُس کو نہلا دھلا کر داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا چاہیئے۔

تحنیک حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو میں نے اُن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا۔ آپؐ نے خُرما منگوایا اور چبا کر لعاب مبارک عبداللہ کے منہ میں لگایا اور خُرما تالو میں ملا اور خیر وبرکت کی دعا فرمائی (زاد المعاد) امام بخاریؒ امام مسلم اور امام ترمذی نے ایسی ہی روایات حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہیں۔

اچھا نام رکھنا ابوداؤد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل ہوا ہے آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز تمہیں اپنے ناموں سے پکارا جائے گا۔ اس لئے بہتر نام رکھا کرو، سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ جس روز عقیقہ ہو اُسی دن نام رکھا جائے۔

عقیقہ جس طرح قربانی کی جاتی ہے اسی طرح عقیقے کا جانور بھی ذبح کرنا چاہیئے اور بچے کا جو نام رکھنا ہو وہ رکھ کر کہے اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عقيقة ابني فلان فتقبّله (اے اللہ یہ عقیقہ میرے بیٹے کا ہے اسے قبول کرلے لفظ فلاں کی جگہ وہ نام لے جو رکھنا چاہتا ہو۔ اگر کسی دوسرے

شخص کے بیٹے کی طرف سے ذبح کر رہا ہو تو فلاںَ ابنُ فلاںٍ کہے یعنی بچے اور اُس کے باپ دونوں کا نام لے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے بچے کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو اُسے چاہئیے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے۔ زاد المعاد میں آپ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ تک رہن ہوتا ہے لہذا اس کی جانب سے ساتویں دن کی قربانی کی جائے۔ اُس کا سر منڈوایا جائے اور اُس کا نام رکھ دیا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن رضؓ کا ایک بکری سے عقیقہ کیا اور فرمایا فاطمہ! اس کا سر منڈوا دو اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے بالوں کا وزن کیا جو ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھا۔ (زاد المعاد) فقہا نے کہا ہے کہ اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے تو جب کرے پیدائش کے ساتویں دن کا خیال رکھنا بہتر ہے۔ عقیقے کا گوشت چاہے کچا تقسیم کرے چاہے پکا کر بانٹے چاہے دعوت کر کے کھلائے۔ سب درست ہے۔ عقیقہ کا گوشت باپ ماں دادا دادی نانا نانی سب کو کھانا درست ہے۔

اگر عقیقہ نہ کر سکے تب بھی گناہ گار نہ ہو گا (بہشتی زیور)

ختنہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوگ عام طور سے لڑکے کا ختنہ اس وقت تک نہیں کرتے تھے جب تک وہ سمجھدار نہیں ہو جاتا تھا۔ امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوعبداللہ کی سند سے فرماتے ہیں کہ اگر ساتویں دن ختنہ کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (زاد المعاد)

بچے کی حفاظت کی دُعا حصن حصین اور ترمذی میں یہ دعائیہ کلمات آنحضرتؐ سے منقول ہیں جنھیں پڑھ کر بچے پر دم کرنا یا لکھ کر گلے میں ڈال دینا چاہئیے

أَعُوذُ بكلمات الله التامات من شر كل شيطان وهامة ومن شر كل عين لامة

(میں اللہ کے پورے ہونے والے کلمات کی پناہ چاہتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے جانور کے شر سے اور نظر پہنچانے والی ہر آنکھ کے شر سے)

بچے کو پہلی تعلیم نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اُسے لا اله الا الله سکھا دو پھر پروانہ کرو کب مر جائے۔ اور جب اُس کے دودھ کے دانت گر جائیں تو اُسے نماز پڑھنے کا حکم دو۔ (ترمذی۔ زاد المعاد)

کی ہے تو ہرج نہیں ہے، اجنبی شخص سے شادی کے بعد حق حضانت نہیں رہتا لیکن اگر وہ طلاق دیدے تو پھر حاصل ہو جائے گا، چوتھی شرط یہ ہے کہ بچے کی نگہداشت میں غفلت کرنے والی نہ ہو، وہ مائیں جو تمام وقت گھر سے باہر رہتی ہیں اور بچے کی دیکھ بھال نہیں کرتیں انھیں حضانت کا حق نہیں۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ بچے کا باپ خوش حال ہو اور ماں بچے کی پرورش سے انکار کر دے لیکن پھوپھی بلا معاوضہ پرورش کرنے پر آمادہ ہو تو وہ کر سکتی ہے، ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ بچے کی ماں ام ولد نہ ہو (یعنی وہ کنیز جس سے بچہ پیدا ہوا ہو) ام ولد پر حضانت کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی۔

اگرچہ فقہاء کے نزدیک حق پرورش کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی مسلمان شوہر کی عیسائی بیوی کو بچے کی پرورش کا حق ہے تاہم اگر یہ اندیشہ ہو کہ وہ بچے کو سور کا گوشت کھلائے یا شراب پلائے یا یہ دیکھا جائے کہ وہ بچے کو لیکر گرجا گھر جاتی ہے تو باپ کو حق ہے کہ بچہ کو اس سے علیحدہ کرلے کیونکہ دین و اخلاق کے پاکیزہ ماحول میں بچے کی پرورش ہونا ضروری ہے۔

حضانت کی مدت

لڑکے کی پرورش کے لئے سات سال کی مدت اور لڑکی کے لئے نو سال کی عمر مقرر کی گئی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر پرورش کنندہ ماں ہے تو لڑکے کے جوان ہو جانے تک اس کی پرورش لازم ہے اور لڑکی کی مدت حضانت اس وقت تک ہے کہ شادی ہو جائے اور شوہر اس کے ساتھ حق زوجیت ادا کرے۔

حضانت کی اجرت

حاضنہ خواہ ماں ہو یا کوئی اور اسے بچے کی پرورش کا معاوضہ لینا ثابت ہے، یہ اجرت بچے کی دودھ پلائی اور بچے کے نفقے کے علاوہ ہے، باپ یا وہ شخص جس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے وہی دودھ پلانے اور پرورش کرنے کی اجرت ادا کرے گا۔ حاضنہ کو خوراک و لباس مہیا کرنا اور اگر اس کا کوئی مکان نہ ہو تو اسے بھی فراہم کرنا لازم ہے، اگر بچے کو خدمت گار کی ضرورت ہو تو صاحب حیثیت باپ کو اس کے لئے بھی حکم دیا جائے گا۔ ماں جو دائرۂ زوجیت میں ہو اور بچے کے باپ سے علیحدہ نہ ہوئی ہو اسے جس طرح دودھ پلانے کی اجرت کا حق نہیں ہے، اسی طرح پرورش کی اجرت لینے کا بھی حق نہیں ہے۔

کتاب الیمین

یمین کی تعریف لغت میں یمین کا لفظ تین معنوں میں آتا ہے (۱) دایاں ہاتھ (۲) قوت (۳) قسم۔ بعد میں اس کا استعمال حلف یعنی قسم کھانے کے لئے ہونے لگا، کیونکہ قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ جب لوگ باہم کسی بات پر حلف اٹھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر قسم کھاتے یا اس لئے کہ قول وقرار کی پختگی اور قوت کو ظاہر کرنے کے لئے یمین یعنی دائیں ہاتھ سے اس لئے تشبیہ دی جاتی کہ وہ بائیں ہاتھ سے زیادہ طاقتور سمجھا جاتا تھا۔

یمین (قسم) کا حکم کسی بات کو مؤکد کرنے اور اُس میں زور پیدا کرنے کے لئے قسم کھائی جاتی ہے۔ نکاح وطلاق، ایلاء وخلع، بیع وشراء میں قسم کھانے کی ضرورت اکثر پیش آتی ہے، چنانچہ متعلقہ ابواب میں قسم کھانے کا ذکر آیا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں جہاں معاملات قرض ورہن اور خرید وفروخت بیان ہوئے ہیں وہیں قسم کے مسائل کا ذکر کیا گیا ہے چونکہ قسم کا استعمال جس طرح بیع وتجارت مضاربت ومزارعت میں ہوتا ہے اسی طرح نکاح وطلاق، ایلاء وخلع میں بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم نے معاشرتی معاملات کے ساتھ یہاں بیان کردینا مناسب سمجھا۔ قسم کی شرعی حیثیت حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے جب حلف پر کسی امر واجب کی تعمیل موقوف ہو تو وہ واجب ہوجاتا ہے مثلاً ایک بے قصور انسان کو جس نے خون نہیں کیا موت سے بچانا اگر حلف پر موقوف ہو تو حلف اُٹھانا واجب ہے، اسی طرح کسی ایسے کام کے لئے حلف اٹھانا جو ناروا یا خلاف حق ہو حرام ہے۔ قسم کھانا کبھی مستحب ہوتا ہے جب کسی نیک کام کی اہمیت جتانا، اس کی طرف رغبت دلانا یا بُری بات سے نفرت دلانا مقصود ہو اسی قبیل سے ہے جھگڑا مٹانے کے لئے قسم کھانا، مسلمان کے دل سے کینہ دور کرنے کے لئے یا کسی کو کسی کے شر سے بچانے کے لئے قسم کھانا وغیرہ۔ کسی اچھے کام کو چھوڑنے اور کسی ناپسندیدہ بات کو اختیار کرنے کی قسم مکروہ ہے اس کے برعکس طاعت الٰہی کے لئے یا ترک معصیت کے لئے قسم کھانا مباح ہے، اپنے مدعا کی تاکید کے لئے یا اپنے کو سچا ثابت کرنے کے لئے قسم کھانا بھی

مباح ہے، مثلاً آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: "فواللہِ لایمل حتی تملوا (خدا کی قسم، اللہ تو نہیں اُکتائے گا مگر تم اُکتا جاؤ گے) کسی امر کی اہمیت جتانے کے لئے قسم کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے" واللہِ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً (بخدا وہ بات جو مجھے معلوم ہے اگر تمہیں معلوم ہو جائے تو تم بلاشبہ کم ہنسو اور زیادہ روؤ)

جس طرح قسم کھانا واجب و حرام، مکروہ و مستحب اور مباح ہو جاتا ہے اسی طرح سے قسم توڑنا بھی کبھی واجب ہو جاتا ہے اگر کسی نے قسم کھا کر کہا شراب پیوں گا یا نماز نہیں پڑھوں گا تو اس پر واجب ہے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ دے۔ کبھی قسم توڑنا حرام ہوتا ہے جب صورت اس کے برعکس ہو، مثلاً بدکاری سے اجتناب کی قسم کھانا اور نماز مفروضہ قائم کرنے کی قسم کھانا تو ایسی قسم کا توڑنا حرام ہے۔ کبھی قسم توڑنا مستحب ہوتا ہے اگر کسی امر مستحب سے باز رہنے کی قسم کھائی اسی طرح اگر کسی امر مکروہ کو نہ کرنے کی قسم کھائی تو اُس کا توڑنا بھی مکروہ ہے کبھی قسم کھانا خلاف اولیٰ ہوتا ہے مثلاً کسی مباح کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی جیسے کسی غذا کے نہ کھانے کی تو بہتر یہی ہے کہ اللہ کے نام کا پاس کرتے ہوئے اُسے پورا کرے اور اگر توڑ دی تو بہرحال کفارہ واجب ہو گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اُس پر واجب ہے کہ قسم توڑ دے مثلاً یہ کہ میں اپنے ماں باپ سے ایک دن یا ایک مہینہ کلام نہیں کروں گا۔ اگر کسی گناہ کو نہ کرنے کی قسم کھائی تو اُس پر فرض ہو گیا کہ قسم پر قائم رہے اُسے ہرگز نہ توڑے واجب کو ترک نہ کرے اگر واجب ترک ہوتا ہو تو قسم کو توڑ دینا فرض ہے، اگر ایسے کام کی قسم کھائی جس کا نہ کرنا بہتر تھا یا جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر تھا یا کرنا نہ کرنا دونوں برابر تھے، اس کی مثالیں یہ ہیں۔ خدا کی قسم میں آج پیاز کھاؤں گا یا خدا کی قسم میں آج نماز چاشت پڑھوں گا یا خدا کی قسم میں آج روٹی نہیں کھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" وَاحْفَظُوٓا اَیْمَانَکُمْ" اپنی قسموں پر قائم رہا کرو"، قسم میں اگر وقت کی قید نہیں لگائی گئی تو قسم کھانے والا عمر بھر حالت قسم میں رہے گا اور اس کو توڑنے پر کفارہ واجب ہو گا۔ اسی لئے بے وجہ اور بے مقصد قسم کھانا شریعت میں ناپسندیدہ ہے، اس سے خدا کی ذات یا اُس کی کسی صفت کی توہین ہوتی ہے اور وہ شخص بھی ذلت و اہانت سے دیکھا جاتا ہے۔

قسم کا شرعی ثبوت

اللہ تعالیٰ کی یا اس کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا تاکہ عہد کو پورا کرنے کی ترغیب اور اللہ کی عظمت کا اعتراف ہو۔ قرآن۔ حدیث اور اجماع سے ثابت ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ (مائدہ۔ ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر گرفت نہیں کرتا البتہ ان قسموں پر مؤاخذہ کرے گا جو تم نے کسی مقصد سے کھائی ہیں۔

ابوداؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے "وَ اللّٰهِ لَاَغْزُوَنَّ قُرَيْشًا" (بخدا میں قریش سے ضرور جہاد کروں گا) یہ الفاظ حضورؐ نے تین بار فرمائے اور آخری بار انشاء اللہ کا اضافہ فرمایا۔ روایات میں ان الفاظ کے ساتھ آنحضرتؐ کا قسم کھانا مذکور ہوا ہے "لَا وَ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ" (دلوں کو بدلنے والے کی قسم) اور "وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ" (اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے)

تمام فقہائے امت کا اجماع ہے کہ قسم امور شرع میں سے ہے۔

قَسَم کی قسمیں

قسم کھانا تین طرح کا ہوتا ہے (۱) لغو (۲) منعقدہ (۳) غموس۔

قسم لغو وہ ہے جو بے کار اور بے مقصد کھائی جائے، اس میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ ___ لغو قسم کی دو صورتیں ہیں کبھی گذری بات پر سچ جانتے ہوئے یا صحیح گمان کرتے ہوئے قسم کھالینا، حالانکہ وہ بات صحیح نہ ہو یا بلا ارادہ زبان سے قسم کے الفاظ نکل جانا جس کی نہ ضرورت ہو نہ مقصد، بعض لوگ دوران گفتگو "قسم خدا کی" کہہ جاتے ہیں یا تکیہ کلام کے طور پر اُن کے مُنہ سے بھی خدا کی قسم یا واللہ جیسے الفاظ نکل جاتے ہیں جس سے ارادہ قسم کھانے کا نہیں ہوتا ایسی قسموں کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "نرجوا ان لا یؤاخذ الله بها صاحبها"، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مؤاخذہ نہیں کرے گا۔

قسم منعقدہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانا ہے۔ تو جس کام کے کرنے کی قسم کھائی ہے اگر وہ نہ کرے یا جس کام کو نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اگر وہ کرے تو اُس پر کفارہ دینا لازم ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خدا تعالیٰ یا اُس کی صفات میں سے کسی صفت کا

نام لے کر کوئی بات ثابت کرنے یا انجام دینے کی قسم کھائی جائے تو وہ پڑ جاتی ہے۔ قصد و ارادہ، بھول چوک یا جبر کا سوال اُٹھا کر اُس کو غیر مؤثر نہیں قرار دیا جائے گا مگر امام شافعیؒ اور امام مالکؒ قصد و ارادے کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآن میں "بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَیْمَانَ" کہا گیا ہے یعنی جن قسموں کو تم نے باندھ لیا ہو۔ دوسری جگہ ہے "بِمَا کَسَبَتْ قلوبُکُم" یعنی جو کچھ تمہارے دلوں نے کمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قسم میں دل کا ارادہ اور نیت نہ ہو تو وہ قسم نہ ہوگی۔ اس طرح بھول چوک اور زبردستی کی قَسم منعقد نہ ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے "رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ" یعنی میری امت سے غلطی اور بھول معاف ہے اور وہ عمل جس پر مجبور کیا گیا ہو۔

قسم غَموس یہ ہے کہ کوئی شخص دیدہ و دانستہ اللہ کی جھوٹی قسم کھالے، یہ ضروری نہیں کہ وہ ماضی کا ہی واقعہ ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی وقت کا ہو۔ ماضی کی مثال یہ ہے کہ کسی نے جانتے بوجھتے زید کو مارا اور پھر اُس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے زید کو نہیں مارا یا اُس نے خالد سے ایک ہزار روپے لئے اور پھر کہا خدا کی قسم خالد سے میں نے ایک ہزار روپے نہیں لیے حال کی مثال یہ ہے کہ کسی نے کہا خدا کی قسم یہ تو سونا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چاندی ہے۔

جھوٹی قسم عام طور پر کسی کا حق مارنے یا نقصان پہنچانے کے لئے کھائی جاتی ہے یا اپنی ذات کے لئے ناجائز فائدہ کمانے کے لئے۔ اس شناعت کے علاوہ دوسری شناعت یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر جھوٹ بولا جاتا ہے جو انتہائی بدترین بات ہے، اسی لئے شریعت میں یہ گناہ کبیرہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل اور والدین کی نافرمانی کے ساتھ اس کو بھی کبیرہ گناہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کا حق مار بیٹھتا ہے اُس پر جنت حرام ہے اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ دل میں کچھ اور ہو اور قسم کے ذریعے زبان سے کچھ اور ظاہر کیا جائے تو یہ جھوٹی قسم ہے جس کا رشتہ نفاق سے مل جاتا ہے ——

اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکَاذِبُوْنَ اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" (بے شک منافقین جھوٹے ہیں جو اپنی قسموں کو ڈھال بناتے ہیں اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے) سورۂ منافقون کی یہ آیت اُن منافقوں کے بارے میں ہے جو آپؐ کو سچا جانتے

ہوئے قسمیں کھا کر آپؐ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ ایسی قسم کا کفارہ نہیں اس کو غموس (ڈبو دینے والی) اس لئے کہتے ہیں کہ دروغ حلفی گناہ میں غرق کر دیتی ہے اس کے لئے جہنم ہے۔

قسم واقع ہونے کی شرطیں

قسم واقع ہونے کی چند شرطیں ہیں، ایک یہ کہ قسم کھانے والا مکلف ہو، لہذا نابالغ اور دیوانے کی قسم واقع نہیں ہوتی، دوسری یہ کہ با اختیار ہو۔ لہذا جبراً اگر قسم کھلوائی گئی تو وہ واقع نہ ہو گی لیکن قسم کھانے کے بعد اگر جبراً تڑوائی گئی تو وہ حانث (یعنی قسم توڑنے والا) مانا جائے گا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ قسم قصداً کھائی گئی ہو، لہذا ایسی قسم جو زبان پر بلا ارادہ عادتاً آجائے اُسے قسم قرار نہ دیا جائے گا۔ لیکن اگر قصداً کھائی ہوئی قسم بھول چوک سے ٹوٹ جائے تو وہ حانث ہو جائے گا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام یا اس کی صفات میں سے کوئی صفت ہو، پانچویں شرط یہ ہے کہ جس بات کی قسم کھائی ہے وہ خود بخود ظہور میں آجانے والی نہ ہو۔ نہ عادۃً نہ عقلاً، لہذا ایسی تمام قسمیں لغو ہیں جیسے خدا کی قسم سورج مشرق سے نکلے گا یا قسم خدا کی ہم مر جائیں گے، یا اللہ کی قسم یہ جسم ٹھوس ہے یا خدا کی قسم میں کل کا دن آج نہیں لوٹا کر لاؤں گا یا بخدا میں اس پتھر کو سونا نہیں بناؤں گا۔ تو اس طرح کی قسمیں واقع نہیں ہوں گی، البتہ وہ باتیں جن کا کرنا عقلاً اور عادتاً ممکن ہے اگر ان کی قسم کھائی جائے گی تو پڑ جائے گی۔ مثلاً اگر قسم کھا کر کہا کہ میں اس گھر میں ضرور جاؤں گا یا اس گھر میں ہرگز نہ جاؤں گا تو یہ قسمیں واقع ہو جائیں گی کیونکہ یہ باتیں عقلاً و عادۃً ممکن ہیں، ایسی بات جو صرف عادۃً ناممکن ہو تو اس پر قسم کھاتے ہی وہ ٹوٹ بھی جائے گی مثلاً قسم اللہ کی میں پہاڑ کو اُٹھا کر لاؤں گا یا آسمان پر چڑھ جاؤں گا" عقلاً اور عادۃً دونوں طرح ناممکن بات پر قسم کھانے کا بھی یہی حکم ہے یعنی قسم کھانے والا حانث مانا جائے گا۔ قسم واقع ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ کلمۂ استثنا (انشاء اللہ) سے خالی ہو۔ حنفی علماء کی رائے میں قسم کے لئے لازم ہے کہ اس میں کوئی استثنا نہ ہو خواہ بہ الفاظ مشیت جیسے انشاء اللہ یا "بجز اس کے کہ اللہ چاہے"، یا ما شاء اللہ (جو بھی اللہ چاہے) یا بغیر الفاظ مشیت کے جیسے

"ماسوا اس کے کہ کوئی اور بات میری سمجھ میں آجائے" یا "میں ایسا نہ کروں گا بلاسوچے" یا "میں ایسا نہیں کروں گا بغیر اس کے کہ اور کوئی صورت پسند آجائے"

اس طرح استثنار کے بعد اگر وہ بات کرلی تو حانث قرار نہیں دیا جائے گا اسی طرح اگر یوں کہا۔ "ایسا نہیں کروں گا بشرطیکہ اللہ نے میری مدد کی یا "ایسا ضرور کروں گا بشرطیکہ اللہ نے سہولت دی" وغیرہ وغیرہ اب اس طرح قسم کھانے کے بعد اگر وہی کام کرلیا تو نہ قسم ٹوٹی نہ کفارہ لازم ہوا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم میں استثنار مؤثر ہے لیکن طلاق کے بارے میں اگر "اللہ نے مدد کی" یا "اللہ کی مدد سے" کے الفاظ استعمال کئے اور ان سے مراد استثنا ہو تو اس کا فیصلہ اُس کے اور اللہ کے درمیان ہے، قاضی کی عدالت اس کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں دے گی۔

استثنار کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا الفاظ اس طرح بولے جو سُنے اور سمجھے جاسکیں، دوسری شرط یہ کہ جس بات پر قسم کھائی اُس بات کے ساتھ ہی استثنار کے الفاظ بولے جائیں اگر دونوں کے درمیان غیر ضروری فاصلہ ہوگا تو استثنار بے فائدہ ہے مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق اور ساتھ ہی انشاء اللہ یا کوئی استثنائی الفاظ زبان سے ادا ہو گئے تو طلاق واقع نہ ہوگی، خواہ بلاارادہ ہی وہ الفاظ ادا ہوئے ہوں۔ اسی طرح وہ قسم بھی معتبر نہیں ہے جہاں حلف کے الفاظ اور اس بات میں جس پر قسم کھائی جارہی ہے فاصلہ ہو۔ لہٰذا حلف لینے کا یہ طریقہ کہ کسی سے اللہ کی قسم کھلوائی، جب اس نے قسم کھالی تو کہا اب یہ کہو کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو یہ قسم واقع نہیں ہوئی کیونکہ اُس نے دوسرے کی بات کو صرف دُہرایا ہے اور اللہ کا نام لینے اور اس بات کے درمیان جو خاموشی رہی وہی فاصلہ ہے

وہ الفاظ جن سے قسم پڑجاتی ہے

اللہ کا نام لے کر یا اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کا ذکر کے قسم کھائی جائے تو وہ قسم پڑجاتی ہے جیسے اللہ کی قسم، خدا کی قسم، خدا کو حاضر ناظر جان کر، اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ کام ضرور کروں گا یا جیسے رحمٰن ورحیم کی قسم، عزت وجلال والے کی قسم، پروردگار کی قسم — رب العالمین کی قسم، اُس کی قسم جسے قدرت وکبریائی حاصل ہے، تو ان سب صورتوں میں اگر کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی تو اُسے نہ کرنے پر قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر نہ کرنے کی قسم

کھائی ہے تو کرنے پر قسم ٹوٹ جائے گی، خدا کی ذات وصفات کی حرمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس جرم میں وہ کفارہ ادا کرے کیونکہ اُس نے خدا کو اپنے اعمال کی ڈھال بنایا اور اُس کے احترام کو ملحوظ نہ رکھا، اگر کسی نے یوں کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ کام نہ کروں گا تو یہ بھی خدا کی قسم کھانا ہے۔ کلام اللہ کی قسم کھانے سے بھی قسم پڑ جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اللہ کی صفت میں سے ایک صفت ہے۔ مصحف (کتاب اللہ) کی قسم منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے اُس کی قسم کھائی گئی۔ حلف، شہادت، قسم اور عزم کے الفاظ سے قسم کھائی جاتی ہے، عربی میں "اَقْسَمْتُ بِاللّٰہِ" "اٰلَیْتُ بِاللّٰہِ" شَھِدْتُ بِاللّٰہِ، حَلَفْتُ بِاللّٰہِ یا عَزَمْتُ بِاللّٰہِ" کہنے سے قسم واقع ہو جاتی ہے، اگر ان الفاظ کے ساتھ اللہ کا نام نہ لیا جائے مگر دل میں اللہ کی نیت ہو تو بھی قسم پڑ جائے گی۔ البتہ نیچے دیئے ہوئے الفاظ سے قسم نہیں پڑے گی خواہ ارادہ قسم ہی کا ہو" اَسْتَعِیْنُ بِاللّٰہِ" (میں اللہ سے مدد مانگتا ہوں) ۔ اَعْتَصِمُ بِاللّٰہِ یا اَتَوَکَّلُ عَلَی اللّٰہِ (خدا پر بھروسہ کرتا ہوں) عَلِمَ اللّٰہُ (اللہ کو علم ہے) عِزُّ اللّٰہِ (عزت اللہ کی ہے) تَبَارَکَ اللّٰہ (اللہ کی ذات برکت والی ہے) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) یا سُبْحَانَ اللّٰہ (اللہ پاک ہے) وغیرہ۔

اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے کا حکم

اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے قسم نہیں پڑتی، چنانچہ اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کعبے کی یا جبریلؑ کی یا کسی ولی یا بزرگ شخصیت کی قسم کھائے تو قسم نہیں پڑے گی، ایسی قسم کھا کر توڑ دی جائے تو اس کا کفارہ بھی نہیں ہے، ایسی قسموں میں اگر کسی کو اللہ کے برابر سمجھنے کا تصور ہے تو شرک ہے اور اگر رسول اللہ یا کعبے یا فرشتے وغیرہ کی توہین ہوتی ہو تو کفر ہے۔ حدیث میں ہے "من حلف لغیر اللہ فقد اشرک" (جس نے خدا کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا) بعض فقہا نے قرآن کی قسم کھانے کو بھی غیر اللہ کی قسم میں داخل کیا ہے! اگر اُس سے قرآن کی جلد مراد ہو اور کلام الٰہی کا تصور نہ ہو۔

حلف بالتعلیق یعنی قسم کے ساتھ کسی امر کو وابستہ کرنا مثلاً یوں کہنا کہ "بخدا ایسا نہیں

کروں گا خواہ مجھے بیوی کو طلاق دینا پڑ جائے" حنفی علما کے نزدیک یہ کہنا اُسی وقت جائز ہے جب فریق ثانی کو محض اپنی قسم کی پختگی کا یقین دلانا مقصود ہو۔ لیکن اگر یہ مقصد نہ ہو تو یہ ایک مکروہ قول ہے۔ یہی حال ان قسموں کا ہے، تیرے باپ کی قسم، تیری جان کی قسم، تیرے سر کی قسم وغیرہ۔

دوسرے کی طرف سے قسم کھانا یا دِلانا

کسی نے دوسرے سے کہا کہ واللہ یا بخدا تم ایسا ضرور کرو گے تو اگر اس سے مقصد مخاطب کو قسم دلانا ہے تو نہ تو یہ قسم ہو گی اور نہ اس سے کسی پر کچھ واجب ہو گا۔ لیکن اگر مخاطب کو قسم دلانا مقصود نہ ہو تو اس کو قائل کی طرف سے قسم سمجھا جائے گا، لہٰذا اگر مخاطب نے وہ کام نہ کیا تو کہنے والا حانث ہو جائے گا اور اُس پر کفارہ عائد ہو گا۔ مخاطب پر کچھ لازم نہ ہو گا لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ میرا مقصد اس طرح کہنے سے صرف مخاطب کا ارادہ دریافت کرنا تھا تو یہ قسم نہیں سمجھی جائے گی۔ یہ ہے علمائے احناف کی رائے، باقی تینوں ائمہ کے نزدیک بھی یہی صورت ہے تاہم وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کسی سے اللہ کی قسم کے ساتھ کوئی کام کرنے کو کہا جائے اور اس کام کو کر دینے میں اُس کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس کی قسم کو پورا کر دیا جائے۔

قسم کا کفارہ کب واجب ہو گا

قسم واقع ہونے کی شرطیں بیان کی جا چکی ہیں تو اگر ان شرطوں کے مطابق منعقد قسم کو توڑا جائے گا تو کفارہ واجب ہو گا اور اگر قسم نہیں ٹوٹی تو کفارہ واجب نہ ہو گا، اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے منّت مانی ہے کہ یہ کام کروں گا اور وہ کام نہیں کیا تو کفارہ واجب ہو جائے گا۔ یا کہا کہ مجھے قسم ہے ایسا ضرور کروں گا، اگرچہ یہاں اللہ کا نام نہیں لیا پھر بھی قسم ہو جائے گی اور اگر وہ ٹوٹ گئی تو کفارہ دینا واجب ہو گا۔ یہ بات بھی کفارہ واجب کرتی ہے اگر کوئی شخص حلال چیز کو کہے کہ مجھ پر اس کا کھانا حرام ہے تو اس سے چیز تو حرام نہیں ہو جاتی لیکن اگر اُسے کھایا تو قسم کا کفارہ دینا ہو گا، ہاں اگر اُس نے محض اطلاع دینے کے لئے کہا کہ فلاں شخص کا مال یا کوئی چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہا کہ اگر

ایسا کروں تو اللہ سے پھروں۔ یا اللہ کی کتاب سے پھروں یا رسولؐ اللہ سے پھروں، تو اگر اس نے وہ کام کیا تو قسم ٹوٹنے والا کفارہ لازم ہوگا، مگر یہ کہ خدا شاہد ہے یا فرشتے گواہ ہیں میں ایسا کروں گا یا اگر نہ کروں تو رسولؐ اللہ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں تو ان الفاظ سے کفارہ لازم نہ ہوگا۔ یہ کہنا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو کافروں کے زمرہ میں ہوں تو اب اگر وہ اُسے کرتا ہے تو کفارہ دینا پڑے گا۔ اور اگر وہ اِس بات کو کر چکا ہے اور پھر یہ کہہ رہا ہے تو وہ دروغ حلفی کا مجرم اور گناہ گار ہے۔

قسم کا کفارہ ادا کرنے کا طریقہ

قسم کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، ان تینوں باتوں میں سے ایک بات اختیار کی جا سکتی ہے۔ غلاموں کی خرید و فروخت اب ہوتی نہیں لہٰذا اُسے کفارے میں آزاد کرنے کا طریقہ ختم ہو گیا ہے۔ بس اب دو ہی طریقے ہیں، لیکن اگر ان دو میں سے کوئی بات نہ کر سکتا ہو یعنی فی الحقیقت عاجز ہو تو اب تین روزے رکھ سکتا ہے یعنی کفارے میں روزے تب ہی رکھے جائیں گے جب پہلی مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کر سکتا ہو۔

کھانا کھلانے سے متعلق یہ امور ملحوظ رکھے جائیں: دس محتاجوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے یعنی جن دس محتاجوں کو صبح کھلائے اُنھیں دس محتاجوں کو شام بھی کھلائے یا پھر صدقۂ فطر میں جتنا غلہ دیا جاتا ہے اتنا اتنا غلہ دس فقیروں کو دے، یعنی ہر ایک کو پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا اس کی قیمت۔ گیہوں کے بجائے گیہوں کا آٹا اور جو کے بجائے جو کا آٹا دیا جا سکتا ہے، دس آدمیوں کا آٹا بیس آدمیوں کو تقسیم کرنا درست نہیں ہے، اسی طرح کفارے کی پوری مقدار ایک ہی محتاج کو ایک ہی دن ایک دفعہ میں دیدینا یا دس دفعہ کر کے دیدینا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اگر دس دن تک ہر روز ایک ہی محتاج کو پوری مقدار جنس کی (یا قیمت) دی گئی تو جائز ہے، کیونکہ دس مسکینوں کی شرط اس طرح پوری ہو جائے گی۔ ایک شخص کی خوراک دو آدمیوں میں بانٹنا درست نہیں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جس مسکین کو صبح کھانا کھلایا جائے تو اُسی کو شام کے کھانے کی قیمت دیدی جائے۔

کپڑا پہنانے سے متعلق یہ باتیں ملحوظ رہیں گی: دس مسکین اگر مرد ہیں تو ان میں ہر ایک

کا جوڑا ایسا ہونا چاہیئے کہ جسم ڈھک جائے، کرتا یا قمیص اور پائجامہ یا لنگی۔ عورتیں اگر ہیں تو اوڑھنی بھی دینا چاہیئے تاکہ نماز پڑھ سکیں۔ کپڑا بُرانا نہ ہو اور اتنا مضبوط ہو کہ تین ماہ سے زائد عرصے تک پہنا جا سکے اور اوسط درجے کے لوگوں کے پہننے کے لائق ہو۔

روزے کا کفارہ صرف اسی حال میں درست ہے جب کھلانے اور پہنانے کا مقدور نہ ہو۔ وہ شخص صاحب مقدور قرار دیا جائے گا جس کے پاس اتنا مال ہو کہ گزارے کے اخراجات نکال کر کفارہ دے سکے، غیر مستطیع کو یہ اجازت ہے کہ وہ قسم کے کفارے میں تین روزے رکھے۔ اگر مسلسل تین نہیں رکھ سکا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفارہ ادا نہیں ہوگا، کیونکہ روزہ کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ اس وقت تک ادا نہیں ہوتا جب تک مقررہ تعداد مسلسل نہ پوری کی جائے، باقی تین امام قسم کے کفارے میں مسلسل روزہ رکھنا لازم نہیں سمجھتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ قسم کے کفارے میں جو حکم قرآن وحدیث میں مذکور ہوا ہے اُس میں تسلسل کی قید نہیں لگائی گئی ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ (مائدہ۔ ۸۹)

جس کو کھانا کپڑا دینا میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے تو یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔

(ضروری نوٹ) فقہ کی کتابوں میں مختلف قسم کی مثالیں قسموں کی دے کر یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ وہ کن کن اعمال سے ٹوٹ جاتی ہیں اور کن اعمال سے نہیں ٹوٹتیں۔ اسی طرح قسم کے الفاظ سے بھی جو تغیرات اُس کی تعبیر میں واقع ہوتے ہیں بحث کی گئی ہے۔ کھانے پینے کے بارے میں قسم، گھر کے اندر جانے اور گھر سے باہر آنے کے بارے میں قسم، ترک کلام کے بارے میں قسم، خرید و فروخت کرنے نہ کرنے کے بارے میں قسم، نکاح کرنے یا نہ کرنے، قرض دینے یا نہ دینے اور طرح طرح کی قسموں کے بارے میں تفصیل سے مسائل بیان کئے گئے ہیں، ہم نے صرف اصولی باتیں اس کتاب میں بیان کر دی ہیں۔

نذر کے مسائل

نذر کی تعریف نذر یہ ہے کہ مکلف انسان اپنے اوپر کوئی ایسی بات واجب کرلے جسے شارع علیہ السلام نے ضروری قرار نہ دیا ہو، اصطلاح میں اسے منت ماننا کہتے ہیں۔

نذر کی حیثیت اور ثبوت شریعت نے منت مانی ہوئی بات کو پورا کرنا واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ ماننے والا صحت مند ہو اور شرائط کو پورا کرتا ہو جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے "وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ" (چاہیئے کہ وہ اپنی نذروں کو پورا کریں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

من نذر ان يطيع الله فليطعه و من نذر ان يعصي الله فلا يعصه۔	جس نے ایسی منت مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت ہے تو اُسے ضرور کرے اور جس نے ایسی منت مانی جو معصیت الٰہی ہے تو معصیت قطعاً نہ کرے۔

منت کو پورا کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے جب وہ بات ہوجائے جس کے لئے منت مانی ہے۔

حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نذر کو اگرچہ وہ عبادت ہی کی کیوں نہ ہو مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر کی بابت فرمایا ہے کہ "انه لم يأت بخير" (اس سے کچھ فائدہ نہیں) ہاں بخیل سے کچھ خرچ کروانے کا ذریعہ ہے۔ نذر اللہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتی، البتہ اگر وہ بات جس کی منت مانی ہے پوری ہوجائے تو نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ امام مالکؒ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اگر نذر کو کار ثواب سمجھ کر اور شکر الٰہی بجالانے کے طور پر کوئی اپنے اوپر واجب کرلے کہ جب اللہ کا انعام اس پر ہوا یا کوئی مشکل ٹل گئی یا کسی تکلیف سے نجات یا مریض کو شفا اللہ نے عطا کی تو شکرانے کے طور پر وہ کار ثواب بجالائے گا تو اس صورت میں منت ماننا مستحب اور اُسے

پورا کرنا فرض ہے۔ نذر جائز اسی حال میں ہے جب یہ خیال نہ ہو کہ اس نذر کے ماننے کی وجہ سے فلاں کام ہو جائے گا، ایسا خیال ہو تو وہ نذر حرام ہوگی، ایسی ہی نذر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے:

لا تنذروا فان النذر لا یرد من قضاء اللہ شیئًا (مسلم)	منت نہ مانا کرو کیونکہ منت اللہ کے حکم میں سے ذرا سی چیز کو بھی نہیں ٹال سکتی۔

اگر منت پوری کرنے کو کارِ خیر یا اللہ کا شکر ادا کرنے پر نہیں بلکہ کسی اور عمل پر موقوف رکھا تو اُس کے مکروہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نذر کو کارِ ثواب اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں کوئی ثواب کا کام مثلاً روزہ، نماز، حج صدقہ وغیرہ ادا کرنا ہوتا ہے اور شرعی امر اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (چاہیئے کہ وہ اپنی نذریں پوری کریں) قرآن پاک میں موجود ہے۔

نذر کی قسمیں

نذر کی ۲ قسمیں ہیں (۱) نذر تبرّر (۲) نذر لجاج

(۱) تبرّر۔ بر سے مشتق ہے جس کے معنی نیکی کے ہیں۔ ایسی نذر جس میں نیک کام اور اللہ کا قرب حاصل کرنا پیشِ نظر ہو وہ نذر تبرر ہے، اس کی بھی دو ذیلی صورتیں ہیں: (i) نذر جو کسی دلی مراد کے پورے ہونے پر موقوف ہو۔ مثلاً اگر مریض کو شفا ہو گئی تو شکرانے میں روزہ رکھوں گا، اس کو نذر مُجازاۃ کہتے ہیں کیونکہ جو منت مانی ہے وہ کسی بات کے جواب میں ہے (ii) نذر جو کسی بات کے ہو جانے پر موقوف نہ ہو مثلاً میں نے نذر مانی ہے کہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر روزہ رکھوں گا، یہ دونوں قسمیں نذر تبرر کی ہیں۔

۲۔ لجاج۔ ضد یا اصرار کی بنا پر یا غصہ اور ناراضگی کے موقعوں پر یہ نذر مانی جاتی ہے۔ اس سے مقصد کبھی کسی فعل سے باز رہنا ہوتا ہے مثلاً: اگر میں فلاں شخص سے بات کروں تو مجھ پر خدا کا یہ فرض عائد ہوگا یا اگر فلاں شخص ایسا کرے تو مجھ پر یہ فرض عائد ہوگا۔ پہلی مثال میں اپنے کو دوسرے آدمی کے ساتھ گفتگو سے باز رکھنا ہے، اور دوسری مثال میں دوسرے شخص کو کام سے روکنا ہے۔ اور کبھی اس نذر سے مقصد کسی کام پر خود کو آمادہ

کرنا ہوتا ہے، یا کسی اور کو آمادہ کرنا۔ مثلاً اگر گھر میں نہ گیا تو مجھ پر یہ کام لازم ہوگا یا اگر اس نے یہ کام نہ کیا تو مجھ پر یہ واجب ہوگا اور کبھی [۳] اس نذر سے مقصد کسی بات کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً، اگر وہ بات نہ ہوئی جو تم نے مجھ سے کہی تھی تو مجھ پر خدا کی طرف سے یہ لازم ہوگا۔

اس طرح نذر تبرر کی دو قسمیں اور نذر لجاج کی تین قسمیں، کل پانچ قسمیں ہوئیں۔ نذر تبرر کی دونوں صورتوں میں جو بات مانی ہے اُس کا پورا کرنا فرض ہے اور منت ماننے والے پر لازم ہے کہ نذر مشروط میں مراد حاصل ہونے پر جو منت مانی تھی اُسے پورا کرے اور غیر مشروط میں اگر وقت متعین کیا ہے تو اُسی وقت پورا کردے اور اگر کوئی وقت متعین نہیں کیا ہے تو کچھ تاخیر کی جاسکتی ہے۔ نذر لجاج کی تینوں صورتوں میں جو منت بھی مانی ہو اگر وہ ثواب کے کام کی ہے تو درست ہے جو امور کار ثواب نہیں ہیں اُن کی نذر ماننا درست نہیں، تمام جائز نذروں کو پورا کرنا ہوگا ورنہ کفارۂ یمین عائد ہوگا (یعنی قسم توڑنے کا کفارہ)

نذر تبرر صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں کہ نذر ماننے والا مسلمان ہو، نذر پوری کرنے پر قادر ہو۔ بچہ، نابالغ یا جنون زدہ نہ ہو۔ (نابالغ یا مجنون کی نذر اگر روزے یا نماز کی ہو تو درست ہے، مالی نذر درست نہیں ہے۔)

جس بات کی نذر مانی گئی ہے اُس کی شرط یہ ہے کہ وہ کوئی ثواب کا کام ہو جس کی تعیین بنیادی طور پر شرع میں نہ کی گئی ہو (اگر نذر میں کوئی فرض عین مانا تو وہ نذر منعقد نہ ہوگی کیونکہ فرائض یعنی نماز پنجگانہ اور روزۂ ماہ رمضان وغیرہ تو پہلے ہی شرعاً لازم ہیں) نفل کام ہو یا فرض کفایہ (نماز جنازہ وغیرہ) ہو اور نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہو تو نذر مانی جاسکتی ہے لیکن وہ تمام امور جو کار ثواب نہیں ہیں خواہ وہ حرام و مکروہ ہوں یا مباح، سب نذر ماننے کے قابل نہیں سمجھے جائیں گے، اور حرام کی نذر درست نہیں ہے کیونکہ یہ معصیت ہے اور حدیث میں صراحت ہے کہ:

لا نذر فی معصیة الله	فعل گناہ کی نذر اور ایسی بات کی نذر
ولا فیما لا یملکه ابن آدم۔	ماننا جو آدمی کے بس میں نہ ہو درست نہیں ہے۔

امر مکروہ کی نذر بھی مکروہ ہوگی مثلاً ہمیشہ روزہ رکھنے کی منت مانی تو وہ درست نہ ہوگی۔

امر مباح کی نذر جیسے "میں گوشت نہیں کھاؤں گا، یا ایک میل تک پیدل جاؤں گا تو اگر یہ نذر پوری نہ کی تو کفارہ لازم آئے گا۔ بعض فقہا کفارہ واجب نہ ہونے کے حق میں ہیں۔ اور وہ نذریں جس میں کار ثواب یا اللہ کی خوشنودی کے لئے کچھ کرنے کی منت مانی گئی ہو تو انھیں پورا کرنا یا کفارہ یمین ادا کرنا لازم ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ امر معصیت کی نذر ماننے کو نادرست کہا گیا ہے، اس میں وہ امر بھی شامل ہے جو بذات خود معصیت نہ ہو مگر خارجی سبب کی بنا پر گناہ ہو جائے مثلاً نماز پڑھنا بذات خود کار ثواب ہے لیکن مغصوبہ یا ناجائز قبضہ کی ہوئی زمین پر نماز پڑھنا حرام ہے، لہٰذا اس کی نذر ماننا بھی صحیح نہیں ہے۔

وراثت

معاملات کے ضمن میں امانت، عاریت، ہبہ اور وصیت کا بیان جداگانہ کیا گیا ہے۔ یہاں وراثت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا تعلق انسانی معاشرتی حقوق و واجبات اور صلہ رحمی سے ہے۔

وراثت کے معنی لغت میں وراثت کے معنی منتقل کرنے کے ہیں اس کا استعمال خاص طور پر مال اور جائداد، عزت و شرف کے لئے ہوتا ہے جیسے "ورث المال و المجد عن فلان" (وہ فلاں شخص کے مال اور اُس کی عظمت کا وارث ہوا)۔ اصطلاح میں کسی شخص کی وفات کے بعد اُس کے ترکہ کو مستحق لوگوں کی طرف منتقل کرنے کو وراثت کہتے ہیں۔

وراثت کی تقسیم کا طریقہ اور وارثوں کے حصّے شریعت نے متعین کئے ہیں ان کو بیان کرنے سے پہلے چند اصطلاحوں کو جان لینا ضروری ہے:

میّت: وفات پانے والا شخص جس نے مال اور سامان زندگی چھوڑا ہے۔

ترکہ: وہ مال و اسباب جو متوفیٰ نے چھوڑا، اسے میراث بھی کہتے ہیں۔

وارث: وہ شخص جو متوفی کے چھوڑے ہوئے مال اور سامان کا شریعت کے حکم سے

مالک قرار پائے۔

مورث، ترکہ چھوڑنے والا یعنی میت جو اپنی زندگی میں اس مال واسباب کا مالک تھا۔

ذوی الفروض: وہ لوگ جن کا میت سے نسبی تعلق ہو اور اُن کا حصہ شریعت نے ترکے میں مقرر کر دیا ہو۔

عَصَبہ: جن کا میت سے نسبی تعلق مرد کے واسطے سے ہو اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ اُن کا ہو۔

ذوی الارحام: وہ رشتہ دار جن کا تعلق میت سے عورت کے واسطے سے ہو مثلاً خالہ اور نواسی وغیرہ۔

حقیقی بھائی بہن: جنھیں عینی بھی کہتے ہیں وہ ہیں جو میت کے باپ اور ماں کی اولاد ہوں۔

اخیافی بھائی بہن: جو میت کی ماں کی اولاد ہوں، لیکن اُس کے باپ کی اولاد نہ ہوں۔

علاتی بھائی بہن: جو میت کے باپ کی اولاد ہوں لیکن اُس کی ماں کی اولاد نہ ہوں۔

محروم: وہ شخص جو اپنے کسی غلط فعل کی وجہ سے ترکے میں اپنا حق کھو چکا ہو۔

محجوب: وہ شخص جو کسی وارث کی موجودگی میں خود وارث نہ قرار پائے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو وراثت میں اُس کا حصہ دوسرے وارث کی وجہ سے کم ہو جائے گا، اُسے حُجبِ نقصان کہتے ہیں یا اُس کا حصہ دوسرے وارث کی وجہ سے بالکل نہ رہے گا اُسے حُجبِ حرمان کہتے ہیں۔

اصول، میت کے باپ دادا، پردادا۔

فروع: میت کے بیٹے پوتے اور بیٹے پوتی۔

مورث کی وفات کے بعد مورث کا چھوڑا ہوا مال اُس کے وارثوں کی میراث ہے لیکن اُسے اُس وقت تک تقسیم نہیں کیا جائے گا جب تک تین چیزوں کا خرچ اس سے پورا نہ کر لیا جائے (۱) تجہیز و تکفین (۲) قرض (۳) وصیت قرض و وصیت کا بیان دوسری جگہ ملے گا۔ یہاں صرف تکفین و تدفین کا ذکر کیا جا رہا ہے میت نے جو کچھ چھوڑا ہے اُس میں سب سے پہلے کفن اور دفن کا سامان کیا جائے گا

مگر اس میں فضول خرچی جائز نہیں ہے۔ بلکہ فضول خرچی کرنے والے کو ایسے زائد مصارف خود برداشت کرنا ہوں گے۔ کفن اسی حیثیت کے کپڑے کا ہو جیسا متوفی اپنی زندگی میں استعمال کرتا رہا ہو لیکن زیادہ کم قیمت کفن نہ دینا چاہیئے اور اس معاملے میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیئے تاکہ اسراف نہ ہو۔

قبر ہر حال میں کچی بنانا چاہیئے چاہے میت غریب کی ہو یا مالدار کی۔ قبر کی کھدائی کا خرچ ترکے سے لینا چاہیئے، اگر قبر کے لئے زمین خریدنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کی قیمت بھی ترکے سے لی جاسکتی ہے، مگر عام حالت میں اس سے زیادہ اس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ قبر کے تختوں کی قیمت بھی ترکے سے لینا چاہیئے اگر ضرورت ہو تو نہلانے والوں اور قبر تک پہنچانے والوں کو بھی مزدوری دی جاسکتی ہے، اگر اعزہ واقارب خوشی سے خرچ برداشت کرلیں تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ میت کا ترکہ اُس کے وارثوں کا حق ہے اس لئے فضول خرچی دوہرے گناہ کا سبب ہوگی، ایک سنت نبوی کی مخالفت کا گناہ دوسرے ورثہ کی حق تلفی جس کی اہمیت اس قدر ہے کہ اگر مورث اپنی تجہیز وتکفین پر حقیقی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کی وصیت کرجائے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

تدفین کے وقت صدقات دینا یا میت کو دفن کرنے کے لئے جو لوگ آئیں اُن کی تواضع کرنا تو اگر بالغ ورثہ اپنے حصے سے اس پر خرچ کرتے ہیں تو کوئی ہرج نہیں مگر جو وارثان ایسا اپنی خوشی سے نہیں کرتے بلکہ محض نام ونمود کی خاطر، تو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح نابالغ وارثوں کے حصے سے بھی صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں ہے۔ تیجہ۔ چہلم۔ برسی کا دستور خواہ اس میں ترکے سے خرچ کریں یا اپنے پاس سے، ناروا ہے، یہ دستور نہ تو سنت ہے اور نہ صحابہ اور تابعین نے ایسا کیا ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

وارث کے علاوہ کسی شخص کی طرف سے تجہیز وتکفین کی پیش کش

اگر کوئی شخص ثواب کی نیت یا محبت میں تجہیز وتکفین کرنا چاہے تو وارثوں کی مرضی سے کرسکتا ہے، وارثوں کو یہ پیش کش قبول کرنے یا نہ کرنے کا حق ہے۔

بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچ بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچ سب سے پہلے شوہر کے اوپر ہے اگر شوہر موجود نہ ہو تو بیوی کے ترکے سے لیا جائے گا۔

جس نے ترکہ نہ چھوڑا ہو اُس کی تجہیز و تکفین کا خرچ ترکہ چھوڑنے کی صورت میں جو لوگ اُس کے وارث ہوتے ہیں وہ لوگ میت کی تجہیز و تکفین پر خرچ کریں گے، اگر اُس نے ترکہ نہ چھوڑا ہو تو نصف خرچ وہ اٹھائے گا جو آدھے ترکے کا حقدار ہوتا اور باقی نصف ان وارثوں کو دینا ہو گا جو ½ ترکے کے حقدار ہوتے۔

لاوارث کی تجہیز و تکفین ایسی میت کی تجہیز و تکفین جس کا نہ کوئی وارث ہو نہ رشتہ دار اسلامی حکومت پر یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو تو محلہ کے یا بستی کے لوگوں پر واجب ہے۔ حکومت بیت المال سے خرچ کرے گی اور بستی کے لوگ آپس میں چندہ کر کے خرچ کریں گے۔

مورث کے ذمے قرض مورث وفات سے پہلے کسی کا مقروض ہو اور اس کا علم وارثوں کو ہو یا اس کا اقرار اُس نے مرض الموت میں کیا ہو تو تجہیز و تکفین کے بعد اس طرح کے تمام قرضے ادا کرنے کے بعد ترکہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ قرض میں بیوی کا مہر اور اگر کسی چیز کا نقصان ہو گیا ہو تو اس کا تاوان بھی شامل ہے۔ وہ فرائض عبادات جن کے ادا نہ کرنے پر فدیہ واجب ہو گیا ہو یا نماز کا کفارہ دینا ہو یا زکوٰۃ واجب ہو، تو حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ تو اُس کے مال سے دیدینا چاہیئے لیکن قرض کے ادا کر چکنے کے بعد جو کچھ بچے اس میں سے ⅓ حصہ کفارہ، فدیہ اور وصیت کو پورا کرنے میں خرچ کیا جائے گا اگر ان کی مقدار ⅓ سے زیادہ ہو تو پھر ورثہ کی مرضی پر ہے کہ وہ زائد مقدار کو ادا کریں یا نہ کریں، بہرحال ⅓ کے اندر وصیت کے مطابق ادا کرنا واجب ہے۔

ترکہ کی تقسیم قرض کی ادائگی اور وصیت کی تکمیل کے بعد میت کا ترکہ شریعت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کبھی ایسے

اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن کے باعث ایک وارث ترکے میں اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے یا اُس کا حصّہ کم ہو جاتا ہے۔

محروم ہونے کے اسباب بالکل محروم ہو جانے کے دو اسباب ہیں، مورث کا قتل اور دین میں اختلاف۔

۱۔ اگر کسی بالغ وارث کے ہاتھ سے مورث کا قتل ہو گیا خواہ وہ عمداً اور ظلماً کیا گیا ہو یا غلطی سے ہوا ہو تو وہ مورث کے ترکے سے بالکل محروم ہو جائے گا۔ محروم ہونے کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ وہ عقل و ہوش رکھتا ہو، دوسرے یہ کہ وہ بالغ ہو، تیسرے یہ کہ قتل اپنے دفاع میں نہ کیا گیا ہو۔ پاگل اور نابالغ شرعی پابندی سے آزاد ہونے کے سبب ناقابلِ مؤاخذہ ہیں اس لئے اُن سے قتل کا ارتکاب ہونا جُرم قابلِ سزا نہیں قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر وارث نے ظلم سے قتل نہیں کیا بلکہ اپنا بچاؤ کرنے میں مورث کا قتل ہو گیا تو وراثت سے محروم نہیں ہو گا۔

۲۔ کوئی مسلمان نہ کسی غیر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ کوئی غیر مسلم مسلمان مورث کی وراثت پا سکتا ہے، اسلامی شریعت دونوں کو ایک دوسرے کا وارث قرار نہیں دیتی۔ یہی حکم مرتد یا دین اسلام سے پھر جانے والا کا ہے کہ وہ بھی مسلمان کی وراثت سے محروم رہے گا۔

محجوب ہو جانے والے وارث وہ وارث جو اپنے فعل سے نہیں بلکہ دوسرے کسی وارث کے بیچ میں حائل ہونے کے سبب حجاب (پردے) میں آجاتے ہیں اور اس وجہ سے یا تو اُن کا حصّہ میراث میں کم ہو جاتا ہے یا بالکل نہیں رہتا، پہلی صورت کو شریعت میں حُجبِ نقصان اور دوسری صورت کو حُجب حرمان کہتے ہیں۔

وہ وارث جو دوسرے وارث کے باعث محجوب نہیں ہوتے حجب نقصان یا حجب حرمان سے دو وارث متاثر نہیں ہوتے یعنی وہ نہ اس بنا پر وراثت سے محروم ہو سکتے ہیں اور نہ اس بنیاد پر اُن کا حصّہ کم کیا جا سکتا ہے، وہ دو وارث میت کا بیٹا اور بیٹی ہیں۔

حجب نقصان کی تفصیل جن وارثوں کا حصہ دوسرے وارثوں کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے اُن کی تفصیل یہ ہے؛

۱۔ اگر ذوی الفروض (وارثوں) میں صرف میت کے ماں باپ ہوں تو اُن کو میراث کا ۱/۳ ملتا ہے لیکن اگر میت کے بیٹا بیٹی وغیرہ بھی ہوں تو پھر ماں باپ کا حصہ گھٹ کر ۱/۶ رہ جاتا ہے۔

۲۔ ماں کا حصہ میراث میں ۱/۳ ہے۔ جس طرح اُس کے لڑکوں کی موجودگی میں ماں کا حصہ گھٹ جاتا ہے اسی طرح میت کے بھائی بہن یا اُس کی اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی ماں کا حصہ ۱/۳ سے ۱/۶ ہو جائے گا۔

۳۔ شوہر کے ترکے میں بیوی کا حصہ چوتھائی ۱/۴ ہے لیکن اگر شوہر نے اولاد چھوڑی ہے تو اُن کی موجودگی میں بیوی کا حصہ آٹھواں ۱/۸ ہو جائے گا۔

۴۔ بیوی کے ترکے میں شوہر کا حق نصف (۱/۲) ہے لیکن اگر بیوی کے بطن سے کوئی اولاد ہے تو پھر شوہر کو صرف چوتھائی (۱/۴) کا حق ہوگا۔

۵۔ اسی طرح پوتی کا حصہ حقیقی بیٹی کی موجودگی میں۔ علاتی بہن کا حصہ حقیقی بہن کی موجودگی میں، دادا کا حصہ اولاد کی موجودگی میں کم ہو جاتا ہے۔

حجب حرمان کی تفصیل وہ وارث جو بعض وارثوں کی موجودگی میں بالکل محروم ہو جاتے ہیں یہ ہیں:

۱۔ اگر میت کے وارثوں میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، یا باپ دادا میں کوئی موجود ہو تو حقیقی اور اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اگر میت کے بیٹے موجود ہوں تو پوتا پوتی کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ شریعت نے ذوی الفروض میں ترکے کی تقسیم میں جو ترتیب قائم کی ہے وہ اس طرح ہے کہ پہلے قریب تر کو ملے پھر اس سے دور کو یعنی بیٹے پھر پوتے اور پھر اُن سے نیچے کے لوگ، اسی طرح باپ پھر دادا اور پھر اُن سے اوپر کے لوگ، غرض جو لوگ نسبی تعلق اور ترتیب کے اعتبار سے قریب تر ہوں گے وہ ترکہ پانے کے حقدار ہوں گے اور جو اسی ترتیب سے جتنے دور

ہوں گے وہ قریب تر کی وجہ سے محجوب ہو جائیں گے مثلاً باپ سے دادا محجوب ہو جائے گا اور دادا سے پردادا، اسی طرح لڑکوں سے پوتے محجوب ہو جائیں گے اور پوتوں سے پرپوتے اسی طرح ماں کی موجودگی میں نانیاں اور دادیاں محجوب ہوں گی۔

۲۔ سارے ذوی الارحام، ذوی الفروض اور عصبات کی موجودگی میں ترکے سے حصہ نہیں پائیں گے مثلاً نانا، نانی، بھانجا، بھانجی، خالہ، ماموں، پھوپی وغیرہ محجوب ہو جائیں گے اگر میت کے بیٹے، بیٹی، ماں باپ اور بھائی موجود ہیں۔

محجوب پوتے کا مسئلہ

شریعت نے جو تقسیمِ وراثت کی ترتیب رکھی ہے وہ بڑی مضبوط و مستحکم ہے جس کو اگر ذرا بھی بدلا جائے تو استحکام باقی نہیں رہتا۔ پوتا وراثت سے محجوب ہو جاتا ہے جب اُس کے باپ اور چچا یا دونوں میں سے کوئی ایک موجود ہو، اب اگر مورث کی زندگی میں ایک بیٹا وفات پا گیا اور وہ اپنے پیچھے کوئی اولاد چھوڑ گیا تو شریعت کے مطابق مورث کا ترکہ اُس کے زندہ بیٹوں کو ملے گا اور وہ پوتا جو یتیم ہے محجوب ہو جائے گا۔ اسلام نے شرعی قوانین کے ساتھ ساتھ اخلاقی ہدایات بھی دی ہیں۔ قانون پر پوری طرح عمل کرتے ہوئے بھی یتیم پوتے کے محجوبُ الارث ہونے کی تلافی کی گئی ہے، شریعت نے ہر مورث کو حق دیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ⅓ حصہ جس کارِ خیر میں لگانا چاہے اُس کی وصیت کرے لہٰذا مورث کو اپنے یتیم پوتے کے لئے ⅓ کی وصیت کرنے کا حق ہے، اس کے علاوہ وہ اپنی زندگی میں یتیم پوتے کے لئے دوسری صورتیں بھی نکال سکتا ہے۔ یتیم پوتے کے علاوہ یتیم نواسے، یتیم بھانجے اور یتیم بھائی بہن کے لئے بھی کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن شرعی قوانین میں تغیر کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔

یتیم اور بے سہارا لوگوں کے بارے میں قرآن و حدیث کی ہدایات

یتیم اور بے سہارا لوگوں کے لئے

اُن کے سرپرستوں، خاندان والوں، اسلامی جماعتوں اور حکومت کی جو ذمہ داریاں ہیں انھیں قرآن کی آیات اور ارشاداتِ نبوی میں دیکھا جائے اور ان احکام پر عمل کیا جائے۔ قرآن کریم میں آغازِ نزول سے آخر تک حقوق اللہ کی بنیادی باتوں کے ساتھ ہی ساتھ

بندگانِ خدا کے حقوق پر بھی برابر احکام نازل فرمائے جاتے رہے، ماں باپ کے بعد یتیموں اور بے نواؤں کے ساتھ حسنِ سلوک کو بہت بڑی نیکی بتایا گیا ہے۔ سورۃ البلد میں ارشاد ہے:۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ (سورۃ البلد ۱۱ تا ۱۶)

تو اس نے وہ گھاٹی نہیں عبور کی اور جانتے ہو کہ وہ کیا گھاٹی ہے؟ کسی کی گردن غلامی سے چھڑانا یا تکلیف اور فاقے کے دن کسی رشتے دار یتیم کو کھانا کھلانا یا کسی خاک بسر غریب نادار کو کھلانا۔

یعنی جو انسانی ہمدردی کی اس بلندی تک بھی نہ آسکا کہ کسی انسان کو غلامی کے پھندے سے چھڑا دے یا کسی اپنے رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلا دے جبکہ وہ فقر و فاقے میں مبتلا ہو یا کسی خاک نشین مسکین کا پیٹ بھر دے تو وہ انسانیت کے اونچے مراتب تک کیسے پہنچ سکے گا۔ سورۃ الضحیٰ میں ہے:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ ۹، ۱۰)

تو تم یتیم پر کوئی ظلم اور دباؤ نہ ڈالو اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دو۔

انسان اپنی ذرا سی تکلیف پر شکایت کرنے لگتا ہے لیکن کسی غریب کی تکلیف کا اُسے دُکھ محسوس نہیں ہوتا، اس خود غرضی پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے۔

كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ۝ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا ۝ (سورۂ فجر ۱۶ تا ۱۹)

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم خود یتیم کی دلداری نہیں کرتے اور نہ دوسروں کو حوصلہ دلاتے ہو کہ مسکین کو کھانا دیں اور ترکے کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم پر شفقت کرنے اور اس کے اجر و ثواب کے بارے میں فرمایا کہ:

"جس نے خدا کی مرضی کے لئے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس یتیم کے سر کے ہر بال کے بدلے اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھی جائے گی۔" (ترمذی)

آپؐ نے فرمایا کہ:

"یتیم کی پرورش کرنے والا اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے (آپؐ نے دو اُنگلیاں ملا کر دکھائیں)" (بخاری)

آپؐ نے فرمایا — "جو شخص یتیم کو اپنے کھانے میں شریک کر لے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت واجب کر دے گا۔"

آپؐ نے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کو بھلائی کا معیار اور اُن کے ساتھ بدسلوکی کو بُرائی کا معیار بتایا:

خَيْرُ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ۔ (ابن ماجہ)

مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر مسلمانوں کا وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔

ان ہدایات کے بعد یہ کہنا کہ اسلامی قانون پوتے کو دادا کے ترکے سے محروم کر کے انصاف نہیں کرتا بالکل بے معنی ہے۔ پوتا اپنے باپ کے ترکے سے کسی حال میں محروم نہیں ہے، دادا کے ترکے سے براہ راست حصہ نہ پانے کے باوجود، یتیم ہونے کی صورت میں اس کو ایسی مراعات دی گئی ہیں جو اُسے محرومی کا احساس بھی نہیں ہونے دیتیں۔ مسلم معاشرہ جن اخلاقی قدروں پر استوار ہے وہ معاشرے کے کسی فرد کو بھی بے یار و مددگار نہیں رکھے گا۔

کم عمری اور بیوگی حق وراثت کیلئے مانع نہیں

۱۔ اگر میت کا ایک لڑکا بالغ اور ایک نابالغ ہے تو ترکے سے حصہ دونوں کو برابر ملے گا۔

۲۔ کوئی عورت بیوہ ہو جائے تو شوہر کے ترکہ سے حسب دستور حصہ پائے گی خواہ اُس نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا ہو۔ دوسرا نکاح اُسے ترکے سے محروم نہیں کرتا۔

نافرمان اولاد اور حق وراثت

بدکردار اور نافرمان لڑکا جسے عام طور پر لوگ عاق کر دیتے ہیں، وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا اُس کو اپنے مورث کی وفات کے بعد شرعی حصہ ملے گا البتہ اگر جائداد متروکہ کے برباد ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے وارث کے لئے حجر کا قانون نافذ کر کے جائداد اور مال پر تصرف کرنے سے عارضی طور پر روکا جاسکتا ہے، بالکل محروم نہیں کیا جاسکتا۔

میت کے رشتہ دار جو وارث نہیں ہوتے

۱۔ سوتیلے لڑکے اپنے سوتیلے باپ کے اور باپ اپنی سوتیلی اولاد کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک عورت نے یکے بعد دیگرے دو شوہروں سے نکاح کیا، مثلاً افضل سے پھر خالد سے، اور دونوں کی اولادیں ہیں تو افضل کے لڑکے خالد کی جائداد سے کوئی ترکہ نہیں پائیں گے اور نہ افضل کے لڑکوں کی جائداد سے خالد کو کوئی ترکہ ملے گا۔

۲۔ اسی طرح ایک مرد کی اولاد دو بیویوں سے ہو تو اولاد اپنے باپ کے ترکے سے تو حصہ پائے گی لیکن ایک بیوی کے لڑکے دوسری بیوی کے ترکے سے حصہ نہیں پائیں گے اسی طرح دونوں مائیں اپنی سوتیلی اولاد کی میراث سے ترکہ نہیں پائیں گی۔

شوہر اور بیوی کے قرابت داروں کا ترکہ

شوہر کے باپ دادا، ماں اور بھائی بہن کے اور بیوی کے باپ دادا، ماں اور بھائی بہن کے درمیان اگر کوئی خونی رشتہ نہ ہو تو نہ تو بیوی اپنے ساس، سسر، دیور اور نند کی میراث سے حصہ پاسکتی ہے اور نہ شوہر اپنے سسر، سالے، ساس اور سالیوں کی میراث سے حصہ پاسکتا ہے۔

میراث کی بنیاد خدمت واحسان نہیں ہے

ایک شخص اپنے دوست کی خدمت کرتا رہا اور اُس کی ضروریات پوری کرتا رہا تو اس خدمت واحسان کے بدلے وہ اپنے دوست کی میراث کا حقدار نہیں ہوگا۔ میراث اُس کے قانونی وارثوں کو ہی ملے گی۔ اسلامی معاشرہ اپنے افراد کے درمیان کاروباری تعلقات کو قرابت کے تعلق کا درجہ نہیں دیتا، البتہ بے غرض خدمت واحسان کا اجر اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی قرار دیتا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں حاصل ہوگی۔

اگر کسی مورث کے دو وارث ہوں ایک فرماں بردار اور خدمت گزار ہو اور دوسرا نافرمان اور سرکش ہو تو بھی ترکے کی تقسیم دونوں میں قانون کے مطابق ہوگی۔ فرماں برداری کا اجر اور اور نافرمانی کی سزا آخرت میں ملے گی۔

متبنّٰی کا میراث میں حق نہیں میراث صرف مستحق رشتہ داروں کے لئے ہے، اب اگر کسی نے کوئی لڑکا یا کوئی لڑکی پال لی تو اُس کے ساتھ جو سلوک چاہے اپنی زندگی میں کر سکتا ہے لیکن اُس کا حق اُس کے ترکے پر نہیں ہے جو اس کی موت کے بعد رہ جانے والا ہے۔ مستحق وارثوں کو محروم کرنا سخت گناہ ہے۔

ناجائز اولاد وارث نہیں زنا سے جو لڑکا لڑکی پیدا ہوں وہ زانی کے ترکے سے حصہ نہیں پا سکتے اور نہ زانیہ کا اُس مرد کی میراث میں کوئی حصہ ہے، البتہ یہ لڑکے لڑکیاں اپنی ماں کے ترکے سے حصہ پائیں گے۔

وہ میت جس کا وارث نہ ہو اگر کوئی شخص بعد وفات ترکہ چھوڑے لیکن قانونی حقِ وراثت کسی کو نہ پہنچتا ہو تو اگر اسلامی حکومت ہے تو وہ مال اُس کے قبضے میں چلا جائے گا اور جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں مسلمانوں کی جماعت کے امانت دار دیندار لوگ اُسے یا تو فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیں یا کسی کارِ خیر میں لگا دیں جس سے عوام الناس کو فائدہ پہنچتا رہے، فقراء و مساکین میں وہ لوگ مقدم ہوں گے جو میت کے عزیز و اقارب ہوں مگر ترکے میں شرعی حق نہ ہو۔

ترکے کی تقسیم کے مسائل

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ تمہید تھی یہ سمجھنے کے لئے کہ وراثت کے حقدار کون لوگ ہوتے ہیں اور جن کو حق نہیں پہنچتا وہ کون کون لوگ ہیں۔ اسی میں محروم اور محجوب کا بھی ذکر آگیا ہے، اب ترکے کی تقسیم کے طریقے اور وارثوں کی تعداد کے لحاظ سے ترکے میں حصے لگانے

کے مسائل اور حصّوں کے مقدار کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

جیسا کہ شروع میں بتایا جا چکا ہے ورثہ پانے والے رشتہ دار تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ (۱) ذوی الفروض (۲) عصبہ (۳) ذوی الارحام۔ ہر ایک کے حصّے کی الگ الگ تفصیل ہے۔

ذوی الفروض

ذوی الفروض ان وارثوں کو کہتے ہیں جن کے حصّے کی مقدار قرآن وحدیث میں مقرر کر دی گئی ہے، جب تک ان لوگوں کو ترکے سے حصّہ نہ مل جائے، دوسرے قسم کے وارث کو کچھ نہیں ملے گا۔ سورۂ نساء کے دوسرے رکوع میں ان تمام ذوی الفروض کا ذکر ہے، یہ کل تیرہ آدمی ہیں (۱) باپ (۲) دادا (۳) ماں (۴) بیٹی (۵) پوتی (۶) شوہر (۷) بیوی (۸) حقیقی بہن (۹) اخیافی بھائی (۱۰) اخیافی بہن (۱۱) علاتی بہن (۱۲) جدۂ صحیحہ (دادی) (۱۳) جدۂ فاسدہ (نانی) ان آیات کی ابتدا "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ" سے ہوئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو یہ وصیت کرتا ہے، ان الفاظ سے کہی جانے والی باتوں کی اہمیت کو پہلے سے واضح فرمایا ہے اور آخر میں ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ "یہ اللہ کی مقرر کردہ حدبندیاں ہیں وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ جو کوئی اللہ اور رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا اور ان حدبندیوں سے باہر جائے گا اُسے ہمیشہ کے لئے آگ میں ڈالا جائے گا اور ذلّت کا عذاب دیا جائے گا۔

۱۔ باپ کی حیثیت اور اس کا حصّہ

باپ ذوی الفروض میں ہے اور اُس کی اصل حیثیت یہی ہے لیکن بعض وارثوں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ عصبہ بھی ہو جاتا ہے اور اُس کا حصّہ بڑھ جاتا ہے۔ ذوی الفروض کی حیثیت سے اُس کا حصّہ ۱/۶ سے کبھی کم نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ جب وہ عصبہ بھی ہوتا ہے تو کبھی ۱/۶ اور کبھی اس سے زیادہ حصّہ ہو جاتا ہے۔

باپ کو بیٹے کی میراث سے ترکہ ملنے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں، ذیل میں اُن کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

(۱) مرنے والے نے کوئی نرینہ اولاد چھوڑی تو باپ کا حصّہ ۱/۶ ہوگا۔ مثلاً خالد نے وفات

پائی اور اُس کی بیوی، ایک لڑکا اور والد ذوی الفروض میں ہیں تو بیوی کو آٹھواں اور باپ کو چھٹا اور باقی لڑکے کا حصہ ہوگا۔ ۸ اور ۶ کا ذو اضعاف اقل ۲۴ ہوتا ہے لہذا کل جائداد کو ۲۴ حصوں میں تقسیم کر کے ۱/۸ یعنی ۳ حصے بیوی کو اور ۱/۶ یعنی ۴ حصے باپ کو اور باقی ۱۷ حصے لڑکے کو ملیں گے۔ گویا جب میت کی کوئی نرینہ اولاد ہوگی تو باپ کو ۱/۶ ہی ملے گا اس سے زیادہ نہیں مل سکتا۔

(۲) مرنے والے نے کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی لیکن بیٹی (یا پوتی) چھوڑی تو اس صورت میں بھی ذوی الفروض کی حیثیت سے باپ کا حصہ تو ۱/۶ ہی رہے گا لیکن لڑکی کی موجودگی میں وہ ذوی الفروض کے ساتھ عصبہ بھی ہو گیا اس لئے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی رہ جائے گا وہ بھی باپ کو ملے گا مثلاً اوپر دی ہوئی مثال میں اگر لڑکے کی جگہ لڑکی ہوتی تو تقسیم یوں ہوتی ۲۴ حصوں میں سے ۱/۸ یعنی تین حصے بیوی کو اور ۱/۲ یعنی ۱۲ حصے لڑکی کو اور ۱/۶ یعنی ۴ حصے باپ کو ملنے کے بعد جو حصے باقی بچے وہ باپ کو بحیثیت عصبہ ملیں گے۔ اس طرح باپ کو ۹ حصے ملیں گے اور اگر بیٹی نہ ہوتی تو وہ ۱۲ حصے بھی باپ کو مل جاتے۔

۳۔ میت نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو اس صورت میں باپ کا کوئی خاص حصہ مقرر نہیں ہے۔ دوسرے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچ جائے گا وہ سب باپ کو ملے گا مثلاً خالد نے تین وارث چھوڑے ماں، باپ اور بیوی تو ماں کو ۱/۶ اور بیوی کو ۱/۴ دے کر جو کچھ باقی رہے گا وہ سب باپ کو ملے گا۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ میت کا باپ کبھی ذوی الفروض رہتا ہے جیسے پہلی مثال میں۔ کبھی ذوی الفروض بھی رہتا ہے اور عصبہ بھی۔ جیسے دوسری مثال میں ہے اور کبھی صرف عصبہ ہی رہتا ہے جیسے تیسری مثال میں ہے۔

قرآن میں ان تینوں صورتوں کا ذکر ہے پوری آیت "ماں" کے ذکر کے سلسلے میں نقل کی جائے گی۔

۲۔ دادا کی حیثیت اور اس کا حصہ

ذوی الفروض میں دوسرا دادا ہے، قرآن میں لفظ آبار کی تفسیر اس طرح فرمائی گئی ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے باپ کی غیر موجودگی میں دادا کو وراثت میں باپ کا درجہ دیا ہے جس طرح باپ ذوی الفروض میں ہے اسی طرح دادا بھی ہے اور جس طرح باپ بعض ورثہ کے نہ ہونے کی صورت میں عصبہ بھی ہوجاتا ہے اسی طرح دادا بھی عصبہ ہوجاتا ہے گویا دادا کی وہی تین حیثیتیں ہیں جو باپ کی ہیں مگر یہ اُسی وقت جب باپ زندہ نہ ہو۔ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کے ترکے میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ مرنے والے کی ماں کی موجودگی میں باپ کا حصہ کم نہیں ہوتا مگر دادا کا حصہ ماں کی موجودگی میں کم ہوجاتا ہے۔

۳۔ ماں کی حیثیت اور اس کا حصہ

ذوی الفروض میں تیسری حیثیت ماں کی ہے۔ باپ کی طرح ماں بھی کبھی ترکے سے محروم نہیں ہوتی ہے اور جس طرح باپ کا حصہ $\frac{1}{6}$ سے کم نہیں ہوتا اسی طرح ماں کا بھی $\frac{1}{6}$ سے کم نہیں ہوتا۔ حصے کے اعتبار سے اُس کی تین حیثیتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ (۱) اگر مرنے والے کا لڑکا لڑکی (یا پوتا پوتی) موجود ہوں تو ماں کو ترکے کا $\frac{1}{6}$ ملے گا۔

(۲) اگر مذکورہ وارثین نہ ہوں مگر دو بھائی یا دو بھائی بہن یا صرف دو بہنیں ہوں (خواہ حقیقی یا اخیافی یا علاتی) تو بھی صرف $\frac{1}{6}$ ملے گا۔

دوسری یہ کہ مرنے والا اگر مرد ہے اور اس نے ماں کے ساتھ بیوی اور باپ دونوں چھوڑے ہیں تو بیوی کا حصہ نکال کر جو باقی رہے گا اس میں ماں کو تہائی ($\frac{1}{3}$) ملے گا۔ اور اگر مرنے والی عورت ہے تو اُس کے شوہر کا حصہ نکال کر باقی میں سے $\frac{1}{3}$ ماں کو ملے گا۔

تیسری یہ کہ اگر مذکورہ بالا وارثوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر میت کے کُل ترکے کا $\frac{1}{3}$ اُس کی ماں پائے گی۔ مختصراً یہ کہ میت کی ماں کو پورے ترکے کا تہائی حصہ اُس وقت ملے گا جب (۱) میت کی کوئی اولاد نہ ہو (۲) اُس کے دو یا دو سے زیادہ بھائی بہن نہ ہوں (۳) میت کی بیوی یا میت کا شوہر اور میت کا باپ ساتھ ساتھ موجود نہ ہوں۔

قرآن میں والدین کے حصے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (نساء — ۱۱)

اگر میت کی اولاد موجود ہے تو ماں، باپ کے لئے ترکے میں چھٹا چھٹا حصّہ ہے۔ اور اگر کوئی اولاد نہ ہو (یعنی صرف ماں باپ ہی وارث ہوں) تو ماں کا حصہ ایک تہائی ہے۔

اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ باقی جو دو تہائی رہا وہ باپ کو ملے گا۔

۴۔ بیٹی کی حیثیت اور اس کا حصّہ

ذوی الفروض میں چوتھا نمبر بیٹی کا ہے جس طرح ماں باپ ترکے سے محروم نہیں ہوتے اسی طرح بیٹی بھی کبھی محروم نہیں ہوتی، البتہ اگر اس کا بھائی (یعنی میت کا بیٹا) موجود ہو تو وہ عصبہ بن جاتی ہے، اس کے حصّے پانے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں صورتوں میں اس کا حصہ کم وبیش ہوجاتا ہے۔

(۱) اگر میت نے صرف ایک لڑکی چھوڑی ہو اور لڑکا نہ ہو تو لڑکی کو ترکے کا نصف ($\frac{1}{2}$) ملے گا۔ اگر اس کے علاوہ دوسرے وارث ہوں تو باقی $\frac{1}{2}$ اُن میں تقسیم ہوگا۔ اور اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو پھر وہ نصف بھی لڑکی ہی کو ملے گا۔

(۲) اگر وارثوں میں دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہیں اور لڑکا نہیں ہے تو پھر ان لڑکیوں کو کل ترکے کا دو تہائی ($\frac{2}{3}$) ملے گا اور یہی تمام لڑکیاں برابر تقسیم کرلیں گی، اب اگر کوئی اور وارث موجود نہ ہو تو باقی $\frac{1}{3}$ بھی اِن لڑکیوں کو مل جائے گا۔

(۳) اگر وارث لڑکا اور لڑکی دو ہیں تو بھائی بہن دونوں عصبہ ہوجائیں گے، کوئی حصّہ مقرر نہیں رہے گا بلکہ دوسرے ذوی الفروض کو دے کر جو باقی بچے گا وہ ان دونوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ کل باقیماندہ مال کے تین حصّے کئے جائیں گے دو حصّے لڑکے کو اور ایک حصّہ لڑکی کو ملے گا۔ قرآن میں بیٹی کا حصّہ ان الفاظ میں مذکور ہوا ہے:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء — ۱۱)

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصّہ کے برابر دینے کا حکم دیتا ہے اگر سب لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو اُن سب کے لئے ترکے کا دو تہائی حصّہ ہے (جو سب میں برابر تقسیم ہوگا) اور اگر صرف ایک

لڑکی ہی ہو تو اُس کے لئے آدھا۔

یہاں لڑکی کا ترکے میں حق بیان کیا گیا ہے، لڑکے کے بارے میں شروع میں بتا دیا کہ اس کو لڑکی کے حصہ کا دُہرا ملے گا۔ تو اس سے خود لڑکے کا حکم بھی معلوم ہو گیا (تفصیل آگے آتی ہے) باپ سے ورثہ پانے والے لڑکے اور لڑکیاں آپس میں حقیقی یا علاتی بھائی بہن ہوں گے، اسی طرح ماں سے ورثہ پانے والے لڑکے اور لڑکیاں آپس میں حقیقی یا اخیافی بھائی بہن ہوں گے، اوپر کا حکم سب طرح کے لڑکے اور لڑکیوں کا ہے جو میت کا ورثہ پانے والے ہو سکتے ہیں۔

۵۔ پوتی اور پرپوتی کا ترکے میں حصہ

ذوی الفروض میں پانچویں حقدار پوتی ہے۔ اگر میت کی لڑکیاں اور لڑکے بقید حیات نہ ہوں اور ایک یا کئی پوتیاں ہوں تو وہ اپنے دادا کی میراث پائیں گی، پوتی سے مراد صرف بیٹے کی لڑکی ہی نہیں بلکہ پوتے کی لڑکی اور پوتی بھی مراد ہے ان کے میراث پانے کی کئی صورتیں ہیں اور ہر صورت کے لحاظ سے حصہ کم و بیش ہو جاتا ہے۔

(۱) اگر میت کی لڑکی یا لڑکا زندہ نہ ہو صرف ایک پوتی ہو تو بیٹی کی طرح اس کو ترکے کا نصف (½) ملے گا اور پھر اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو باقی نصف (½) بھی اُسی کو مل جائے گا۔

(۲) اگر صرف دو پوتیاں ہوں تو جس طرح دو بیٹیاں دو ثُلث (⅔) کی وارث ہوتی ہیں اسی طرح یہ دونوں بھی وارث ہوں گی اور یہ ورثہ دونوں میں برابر تقسیم کر لیا جائے گا۔

(۳) اگر میت کی ایک پوتی اور ایک پوتا موجود ہو (بیٹی یا بیٹا زندہ نہ ہو) تو جو حکم بیٹی کے لئے تیسری صورت میں بیان کیا جا چکا ہے وہی نافذ ہو گا یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچے گا پوتے اور پوتی پر تقسیم ہو جائے گا مگر پوتی کو پوتے سے آدھا حصہ ملے گا۔ اس تیسری صورت میں پرپوتی پوتے کی موجودگی میں محجوب ہو جائے گی۔ جس طرح بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں محجوب ہو جاتی ہیں۔

(۴) اگر میت کی صرف ایک بیٹی اور پوتیاں ہوں (بیٹا یا پوتا زندہ نہ ہو) تو پوتیوں کو صرف ⅙ ملے گا خواہ ایک ہو یا کئی ہوں۔ لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو پھر پوتیاں

کچھ نہ پائیں گی۔

استدراک پوتیوں کو میراث سے حصہ ملنے کا جو بیان کیا گیا ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی بیٹے کی اولاد ہوں، اگر میت کے کئی بیٹوں کی اولاد ہوں گی جب بھی سب کو برابر حصہ ملے گا، یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر ایک بیٹے کی ایک لڑکی اور دوسرے بیٹے کی دو لڑکیاں ہوں تو ایک لڑکی کو ایک ثلث اور دو لڑکیوں کو ایک ثلث میں سے آدھا آدھا دیا جائے بلکہ تینوں کو برابر حصہ ملے گا۔

حق وراثت باپ کا دادا کو منتقل ہو جاتا ہے اگر باپ موجود نہ ہو اسی طرح پوتی بیٹی کی قائم مقام ہو جاتی ہے۔

۶۔ شوہر کی حیثیت اور اس کا حصہ

ذوی الفروض میں چھٹا وارث شوہر ہے۔ بیوی وفات پا جائے اور ترکہ چھوڑا ہو تو اس میں شوہر کو بھی حصہ ملے گا۔ ماں، باپ، بیٹا، بیٹی کی طرح یہ بھی کبھی محروم نہیں ہوتا۔ میراث پانے کے تعلق سے اس کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں یا تو وفات پانے والی بیوی اولاد والی ہوگی یا بے اولاد۔

(۱) اگر زاہدہ نے وفات کے بعد شوہر، ماں اور باپ چھوڑے تو اس کے ترکے کے چھ حصے کر کے تین حصے یعنی آدھا شوہر کو اور باقی آدھا ماں باپ کو اس طور پر ملے گا ۱/۳ ماں کو ۲/۳ باپ کو۔

(۲) اگر زاہدہ کے کوئی لڑکا لڑکی بھی ہے تو اس کے شوہر کو آدھے کے بجائے چوتھائی حصہ ترکے سے ملے گا (خواہ یہ لڑکا پہلے شوہر کا ہو یا اسی شوہر کا) قرآن میں شوہر کے حصے کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

(نساء۔ ۱۲)

تمہارے لئے بیوی کے چھوڑے ہوئے مال میں آدھے کا حق ہے اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔ تو اگر ان کی اولاد موجود ہو تب تمہیں چوتھائی حصہ ملے گا۔

۷۔ بیوی کی حیثیت اور اس کا حصہ

ذوی الفروض میں ساتویں وارث بیوی ہے جس طرح شوہر اپنی بیوی کے ترکے سے محروم نہیں ہوتا اسی طرح بیوی بھی شوہر کے ترکے سے کبھی محروم نہیں ہو سکتی۔ ترکہ پانے کے لحاظ سے بیوی کی بھی دو حیثیتیں ہیں:

(۱) اگر شوہر نے بعد وفات اپنا بیٹا، بیٹی یا پوتا پوتی نہیں چھوڑے ہیں تو بیوی کو اُس کے کُل ترکے کا چوتھائی ملے گا۔

(۲) اگر شوہر نے مذکورہ اولاد میں سے کوئی چھوڑا ہے (خواہ سابقہ بیوی کے بطن سے ہو) تو بیوی کو چوتھائی کے بجائے آٹھواں حصہ ملے گا، قرآن میں ان دونوں صورتوں کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ (نساء - ۱۲)

بیویوں کے لئے تمہارے ترکے سے چوتھائی حصہ ہے جب تمہاری کوئی اولاد موجود نہ ہو اگر کوئی اولاد ہے تو پھر اُن کا حصہ آٹھواں ہے۔

طلاق یافتہ بیوی بھی میراث پائے گی اگر شوہر کا انتقال عدت کے دن گزرنے سے پہلے ہوا۔ بعد میں انتقال ہوا تو پھر میراث کا حق نہیں رہے گا لیکن جس عورت نے طلاق لی ہو یا خلع و تفریق کرائی ہو تو پھر وہ میراث کی بالکل مستحق نہ ہو گی۔

۸۔ اخیافی بھائی

ماں جایا بھائی جس کا باپ دوسرا ہو ذوی الفروض میں آٹھواں وارث ہے۔ ایسے بھائی کبھی حصہ پاتے ہیں اور کبھی محروم بھی ہو جاتے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے:۔

میت کے اصول و فروع میں سے کوئی بھی موجود ہو گا تو اخیافی بھائی ترکے سے محروم رہیں گے، اصول میں باپ دادا، پردادا اور فروع میں بیٹا بیٹی پوتا پرپوتا ہیں لیکن اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو یہ محروم نہیں ہوں گے۔

۱۔ اب اگر صرف ایک اخیافی بھائی ہو تو اُس کو صرف چھٹا حصہ یعنی ترکے کا $\frac{1}{6}$ ملے گا۔

۲۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ترکے کا ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) ملے گا جو آپس میں برابر تقسیم ہو جائے

گا۔ قرآن میں یہ دونوں صورتیں بیان کی گئی ہیں جو آگے نقل کی جارہی ہیں۔

۹۔ **اخیافی بہن** ذوی الفروض میں نویں وارث ماں جائی بہن ہے جس طرح اخیافی بھائی کے حصہ پانے یا نہ پانے کی صورتیں بیان کی گئی ہیں وہی صورتیں اخیافی بہن کے حصہ پانے یا نہ پانے کی ہیں، قرآنی آیت میں بھائی کے ساتھ ہی بہن کا ذکر ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (نساء۔ ۱۲)

اگر کوئی میت (خواہ مرد ہو یا عورت) ایسی ہے جس کے اصول و فرع میں کوئی زندہ نہیں ہے اور اُس کے ایک اخیافی بھائی یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کو اُس کے ترکے سے چھٹا حصہ ملے گا۔

یہ تو ایک بھائی یا بہن کے لئے حکم ہے لیکن اگر دو یا دو سے زیادہ بھائی یا بہن بھائی مل کر ہوں تو:

فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ (نساء۔ ۱۲)

اگر یہ ایک سے زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) میں سب برابر کے شریک رہیں گے۔

یعنی ترکے کا ایک تہائی حصہ ملے گا جس کو یہ سب آپس میں برابر تقسیم کرلیں گے یہاں وہ قاعدہ جو پہلے ذکر کیا گیا اور آئندہ بھی ملے گا کہ بھائی کو بہن سے دوگنا حصہ دیا جائے نافذ نہیں فرمایا گیا ہے یہ صرف اخیافی بھائی بہنوں کی خصوصیت ہے کہ دونوں کا حصہ برابر ہوگا۔

۱۰۔ **حقیقی بہنیں** ذوی الفروض میں دسویں وارث حقیقی بہنیں ہیں۔ ان کا حصہ ترکے میں بعض حالات میں ہوتا ہے اور بعض حالات میں نہیں ہوتا اور پھر حصے کی مقدار بھی حالات کے اعتبار سے بدل جاتی ہے، اس معاملے میں ان کا حال اخیافی بھائی بہنوں کی طرح ہے۔ جس طرح میت کے باپ دادا یا بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں وہ محجوب ہوجاتے ہیں، اسی طرح حقیقی بہنیں بھی ترکہ نہیں پائیں۔ مگر جب مذکورہ بالا وارثوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو حقیقی بہنوں کو ترکہ میں سے حصہ پانے کی چار صورتیں ہیں:

۱۔ میت کی اگر تنہا ایک حقیقی بہن موجود ہو تو اس کو کل ترکے کا نصف یعنی ½ ملے گا۔

۲۔ دو حقیقی بہنیں یا زیادہ ہوں تو ترکے کا دو ثلث یعنی ⅔ سب میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

۳۔ اگر میت کی بیٹی، پوتی یا پرپوتی میں سے کوئی موجود ہو تو پھر حقیقی بہن عصبہ ہو جائے گی یعنی تمام ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ حقیقی بہن کو ملے گا مثلاً اگر کسی نے بعد وفات بیوی، بیٹی اور حقیقی بہن چھوڑی تو ترکہ آٹھ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا، نصف (چار حصے) بیٹی کو اور ⅛ (یعنی ایک حصہ) بیوی کو ملے گا اور باقی (یعنی ۳ حصے) حقیقی بہن کو ملیں گے۔

۴۔ اگر میت کی بہن کے ساتھ ایک یا دو بھائی بھی ہوں تو بہن بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائے گی، یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ ان بھائی اور بہن کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا مثلاً سلمیٰ نے اپنے پس ماندگان میں شوہر، والدہ اور ایک بیٹی چھوڑی اس کی ایک بہن اور ایک بھائی بھی ہے تو اس کے ترکے کو ۳۶ حصوں میں بانٹ کر شوہر کو ¼ (یعنی ۹ حصے) والدہ کو ⅙ (یعنی ۶ حصے) لڑکی کو نصف (یعنی ۱۸ حصے) دئے جائیں گے۔ تین حصے باقی بچیں گے وہ بہن اور بھائی کو اس طرح تقسیم ہوں گے کہ بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ۔ اگر حقیقی بھائی زندہ نہ ہوں اور علاتی بھائی زندہ ہوں تو حقیقی بہن کی موجودگی میں انھیں کچھ نہیں ملے گا اور تینوں حصے بہن کو مل جائیں گے۔ قرآن کریم میں یہ چاروں صورتیں بیان فرمادی گئی ہیں۔

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (النساء۔ ۱۷۶)

اگر ایک مرد جس کے کوئی اولاد نہیں فوت ہو جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکے کا آدھا اسے ملے گا، اور بھائی اس بہن کا وارث ہے اگر اس کا بیٹا نہ ہو۔ پھر اگر بہنیں دو ہوں تو ان دونوں کو ترکے کا دو تہائی ملے گا اور اگر کئی بھائی بہنیں ہیں

تو مرد کا حصّہ دو عورتوں کے حصّے کے برابر ہو گا۔

۱۱۔ **علاتی بہنیں** گیارھویں ذوی الفروض حقیقی بہن کی عدم موجودگی میں علاتی بہنیں ہیں۔ جو حقیقی بہن کی قائم مقام ہوں گی اور ان کا حصہ ترکہ میں بھی وہی ہو گا جو حقیقی بہن کا ہوتا البتہ جس طرح حقیقی بہن حقیقی بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے علاتی بہن عصبہ نہیں ہو گی بلکہ محروم ہو جائے گی۔ اور حقیقی بہن کے ساتھ محروم نہیں ہو گی مگر حصہ کم ہو جائے گا۔

۱۔ یہ بات تو پہلے بتائی جا چکی کہ وفات پانے والے کے اصول و فروع میں جب کوئی نہ ہو تب ہی بھائی بہنوں کو ترکے کا حصہ پہنچتا ہے ورنہ نہیں پہنچتا۔ البتہ بیٹی، پوتی یا پرپوتی کی موجودگی میں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بہنوں کو ملے گا۔

۲۔ اگر بیٹی پوتی وغیرہ میں سے کوئی موجود نہ ہو لیکن حقیقی بہنیں زندہ ہوں تو علاتی بہن کو چھٹا حصّہ ملے گا۔ ایک سے زیادہ علاتی بہنیں اگر ہوں گی تو یہی حصّہ سب پر برابر تقسیم ہو جائے گا۔

۳۔ اگر حقیقی بہن کوئی نہ ہو اور صرف ایک علاتی بہن ہو تو حقیقی بہن کی طرح اس کو ترکے کا نصف ملے گا۔

۴۔ اگر علاتی بہن ایک سے زیادہ ہوں (اور میت کی بیٹی پوتی اور حقیقی بہن میں سے کوئی نہ ہو) تو اس صورت میں ترکے کا دو ثلث ($\frac{2}{3}$) ان کو ملے گا جسے آپس میں برابر بانٹ لیا جائے گا۔

لیکن اگر علاتی بہنوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی ہو تو علاتی بہنیں بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اور ذوی الفروض کو اُن کا شرعی حصّہ دے چکنے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ علاتی بھائی بہنوں میں تقسیم ہو جائے گا، بھائی کا حصّہ بہن سے دوگنا ہو گا۔ متذکرہ بالا صورتوں میں کچھ نہ کچھ حصہ ترکے سے علاتی بہن کو مل جاتا ہے لیکن جن صورتوں میں وہ محروم رہتی ہیں یہ ہیں:

۱۔ اگر میت کا ایک حقیقی بھائی یا کئی حقیقی بھائی بہن موجود ہوں تو علاتی بہن ترکے سے محروم رہے گی۔

۲۔ میت کی بیٹی موجود نہ ہو اور نہ حقیقی یا علاتی بھائی ہوں مگر دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں موجود ہوں تو علاتی بہن ترکے سے محروم رہے گی۔ البتہ اگر کوئی علاتی بھائی زندہ ہو تو

تو وہ عصبہ ہو کر حصہ پائیں۔ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں علاتی بہن کو $\frac{1}{6}$ ملے گا مگر یہ اُسی وقت ہو گا جب میت کے کوئی لڑکی یا پوتی وغیرہ نہ ہو۔ اگر حقیقی بہن کے ساتھ بیٹی یا پوتی بھی ہو گی تو علاتی بہن بالکل محروم ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں حقیقی بہن عصبہ ہو کر پورے حصے کی حقدار ہو جاتی ہے۔ حقیقی بہن کے سلسلے میں جو قرآن کی آیت نقل کی گئی ہے اس میں علاتی بہن کا حکم موجود ہے۔

۱۲۔ جدہ اُم الاب (دادی) / ۱۳۔ جدہ اُم الام (نانی) کا ترکے میں حصہ

ذوی الفروض میں بارھواں نام جدہ کا ہے۔ جدہ دو ہوتی ہیں۔ دادی اور نانی۔ ترکے کے سلسلے میں دونوں کے مسائل قریب قریب یکساں ہیں مگر ان مسائل کو سمجھنے سے پہلے چند مقدمات کو سمجھ لینا چاہیے۔ پہلی بات یہ کہ دادی صرف باپ کی ماں ہی نہیں بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں بھی ہے۔ اسی طرح نانی صرف ماں کی ماں ہی نہیں بلکہ نانی کی ماں اور اُس کی ماں کو بھی جدہ ہی کہتے ہیں اور ان سب دادیوں اور نانیوں کو میت کی طرف سے ترکہ پہنچ سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان دادیوں نانیوں میں جو قریبی ہیں اُنھیں جدۂ صحیحہ اور جو دور کی ہیں اُنھیں جدۂ فاسدہ کہا جائے گا اور اُن کا شمار ذوی الفروض میں نہیں بلکہ ذوی الارحام میں ہو گا، اُن کے حصوں کا بیان بھی وہاں آئے گا۔ نانیوں میں وہ نانی دور کی کہی جائے گی جس کے رشتے میں کوئی مرد درمیان میں آئے مثلاً ماں کے باپ کی ماں دور کی نانی ہے بخلاف ماں کی ماں اور نانی کی ماں کے، یہ سب قریب کی نانی ہیں کیونکہ درمیان میں مرد کا رشتہ نہیں ہے۔

جدۂ صحیحہ کا حکم

۱۔ جدۂ صحیحہ یعنی قریب کی دادی اور نانی کی موجودگی میں جدۂ فاسدہ یعنی دور کی دادیوں نانیوں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا وہ محروم رہیں گی۔

۲۔ اگر میت کے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہو تو پھر باپ کی موجودگی میں دادیاں اور ماں کی موجودگی میں نانیاں حصہ نہیں پائیں گی۔

۳۔ اگر میت کا دادا زندہ ہو تو دوسری تمام دادیاں محروم رہیں گی، البتہ اگر باپ کی ماں زندہ ہے تو وہ حصہ پائے گی۔

۴۔ مذکورہ بالا وارثوں کی غیر موجودگی میں دادی اور نانی کو ترکے کا ⅙ حصہ ملے گا۔ اگر قریب کی دادی اور قریب کی نانی دونوں موجود ہوں تو یہ ⅙ میں شریک ہوں گی اور سب کو برابر ملے گا۔

۵۔ اگر قریب کی نانی اور دور کی دادی موجود ہوں یا قریب کی دادی اور دور کی نانی موجود ہوں تو دونوں حالتوں میں دور کی دادی اور نانی محروم ہو جائیں گی۔

۶۔ دادی محجوب ہو گی اگر باپ یا دادا موجود ہوں لیکن نانی اُن کی وجہ سے محروم نہیں ہو گی۔ نانی صرف میت کی ماں یعنی اپنی بیٹی کی وجہ سے محروم ہو جائے گی۔

عصبات کا بیان

میراث کی تقسیم میں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات کو ملے گا۔ عصبات دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ عصبہ بنفسہٖ۔ وہ ورثہ ہیں جو یا تو خود مرد ہوں یا کسی دوسرے مرد کے واسطے سے میت سے رشتہ رکھتے ہوں جیسے بیٹا، باپ، دادا، پوتا، چچا، بھتیجا۔

۲۔ عصبہ بالغیر۔ وہ ورثہ ہیں جو یا تو خود عورت ہوں یا کسی عورت کے واسطے سے میت سے رشتہ رکھتے ہوں۔ مثلاً بیٹی بیٹے کے ساتھ اور بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ بالغیر ہیں۔

تقسیم ترکہ میں عصبات کی درجہ بندی

ترکے میں حصہ پانے کے لحاظ سے عصبات کے چار درجے ہیں جن کے اعتبار سے یکے بعد دیگرے ان کو حصہ ملتا ہے یعنی اگر پہلے درجے کے عصبات موجود ہوں گے تو دوسرے درجے والوں کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح جب دوسرے درجے کے عصبات کو (پہلے درجے کے عصبات کی عدم موجودگی میں) حصہ ملے گا تو تیسرے اور چوتھے درجے کی عصبات محروم رہیں گے۔ محرومی کا مطلب یہ ہے کہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے ترکے میں حصہ نہیں ہو گا لیکن اگر ان میں کوئی ذوی الفروض میں بھی ہے تو اُس کو اُس حیثیت سے حصہ ملے گا مثلاً بیٹے کی موجودگی میں باپ کو ذوی الفروض میں ہونے کی وجہ سے ⅙ ملتا ہے اب اگر بیٹا موجود نہیں ہے تو باپ بحیثیت ذوی الفروض تو حصہ پائے گا لیکن بہ حیثیت عصبہ بھی اُس کو وہ حصہ مل جائے گا جو ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی رہ جائے۔

پہلے درجے کے عصبات پہلے درجے میں میت کے فروع (یعنی جو اُس کی نسل سے ہوں) آتے ہیں جن میں سب سے مقدم لڑکا ہے پھر پوتا پھر اس کے نیچے کے لوگ، ان کی موجودگی میں دوسرے درجے کے وارثوں کو عصبہ کی حیثیت سے کچھ نہ ملے گا لیکن ذوی الفروض کی حیثیت سے جو حصہ ہوتا ہے وہ ملے گا۔

دوسرے درجے کے عصبات دوسرے درجے میں میت کے اصول (یعنی جن کی نسل سے وہ خود ہو) آتے ہیں جن میں سب سے مقدم باپ ہے پھر دادا پھر پردادا وغیرہ۔ ان کی موجودگی میں تیسرے درجے کے عصبات کو کچھ نہ ملے گا۔

تیسرے درجے کے عصبات تیسرے درجے کے عصبات میں وہ وارث ہیں جو میت کے علاوہ اُس کے باپ کی نسل سے ہوں مثلاً میت کے بھائی اور بھتیجے اور بھائی کے پوتے وغیرہ۔

چوتھے درجے کے عصبات چوتھے درجے کے عصبات میں وہ لوگ ہیں جو میت کے باپ کے علاوہ اُس کے دادا کی نسل سے ہوں مثلاً میت کے چچا، چچازاد بھائی اور چچا کے پوتے وغیرہ۔

عصبات میں تقسیم ترکہ کے اصول ۱۔ اول درجے کے عصبات کے ہوتے ہوئے دوسرے درجے کے عصبات کو اور دوسرے درجے کے عصبات کے ہوتے ہوئے تیسرے اور اسی طرح چوتھے درجے کے عصبات کو حصہ نہیں ملتا۔

۲۔ ہر درجے کے وارثوں میں میت سے قریب تر کو فوقیت ہوگی مثلاً پہلے درجے کے عصبات میں بیٹا اور پوتا دونوں موجود ہوں تو پوتے کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ بیٹا میت سے قریب تر ہے، یہ اصول کہ قریب کی موجودگی میں بعید کو نہیں ملے گا سب جگہ نافذ ہوگا کیونکہ بغیر اس کے تقسیم وراثت میں کوئی نظم قائم ہی نہیں رہ سکتا، اسی اصول کی بنا پر یتیم پوتوں کو بھی محروم ہونا پڑتا ہے گو اس کی تلافی کے لئے شریعت نے دوسری صورتیں پیدا کی ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ البتہ اگر پہلے درجے کے عصبات میں کئی وارث ایک ہی درجے کے ہوں مثلاً پوتے

ہی پوتے ہوں تو پھر سب کو برابر کا حصہ ملے گا، کیونکہ حق کے اعتبار سے سب لڑکے ایک ہی درجے کے ہیں۔ یہی حال دوسرے درجے کے عصبات کا ہے مثلاً باپ کی موجودگی میں دادا کو اور دادا کی موجودگی میں پردادا کو حصہ نہیں ملے گا کیونکہ باپ بہ نسبت دادا کے میت سے قریب تر ہے اور دادا بہ نسبت پردادا کے۔

پہلے درجے کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں

چونکہ پہلے درجے کے عصبات کئی طریقے سے حصہ پاتے ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک کے حصہ پانے کی کیفیت تفصیل سے بیان کی جاتی ہے:

بیٹے کا حصہ

عصبات میں سب سے مقدم میت کے بیٹے ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی عصبہ وارث حصہ نہیں پا سکتا، بجز میت کی بیٹیوں کے جو عصبہ بالغیر ہو کر حصہ پاتی ہیں۔ بیٹوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے، اسی لئے ان کا شمار ذوی الفروض میں نہیں ہوتا لیکن ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ بیٹوں اور اُن کے ساتھ بیٹیوں کو مل جائے گا۔ اسی لئے ان کا حصہ کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اگر ذوی الفروض وارثوں میں کوئی نہ ہو اور صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو لڑکے کا دو تہائی ⅔ لڑکے کو اور ایک تہائی لڑکی کو مل جائے گا اگر لڑکی بھی نہ ہو تو کُل لڑکے کو مل جائے گا۔ جس قدر ذوی الفروض زیادہ ہوں گے لڑکے کا حصہ اتنا ہی کم ہوتا جائے گا مگر کبھی ایسا موقع نہیں آسکتا کہ وہ بالکل محروم ہو جائے بلکہ اُس کی موجودگی میں ذوی الفروض کا حصہ کم ہو جاتا ہے اس لئے لامحالہ اُس کو حصہ ملتا ہی ہے۔

۲۔ اگر میت کے کئی بیٹے ہوں تو وہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

۳۔ اگر بیٹوں کے ساتھ بیٹیاں بھی ہوں تو وہ عصبہ بالغیر ہو کر اپنے بھائیوں کا آدھا پائیں گی، مثال کے طور پر ایک شخص نے وفات پائی اور اُس کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں تو ترکے کو سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا (کیونکہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دُگنا ہوتا ہے۔ اس لئے دو لڑکوں کو چار لڑکیوں کے برابر سمجھا جائے گا، ان سات حصّوں کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا۔

لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	کل
دو حصہ	دو حصہ	ایک حصہ	ایک حصہ	ایک حصہ	۷ حصے

جیسا کہ اوپر نمبر ۲ میں کہا گیا ہے کہ کئی بیٹے ہوں تو باپ کا ترکہ اُن پر برابر تقسیم ہوجائے گا اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ اگر باپ کی دو بیویاں رہی ہوں، ایک سے ایک لڑکا اور دوسری سے دو لڑکے ہوں تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ تین برابر کے حصّوں میں تقسیم ہو کر تینوں لڑکوں کو دیا جائے گا، اسی طرح اگر ماں یکے بعد دیگرے دو شوہروں کے نکاح میں رہی اور دونوں سے اُس کی اولاد ہے تو ماں کا ترکہ دونوں شوہروں کی اولاد کو برابر برابر حصّوں میں دیا جائے گا خواہ ایک شوہر سے ایک ہی لڑکا ہو اور دوسرے شوہر سے کئی ہوں، یہ نہیں ہوگا کہ آدھا ایک شوہر کی اولاد کو اور آدھا دوسرے شوہر کی اولاد کو دیا جائے۔

پوتے کا حصّہ بیٹے کے بعد عصبات میں دوسرا درجہ پوتے کا ہے یعنی اگر میت کے کوئی بیٹا زندہ نہ ہو مگر پوتے موجود ہوں تو وہ باپ کے قائم مقام ہوں گے یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ سب پوتے کا ہوگا، اور اگر کوئی ذوی الفروض وارثوں میں سے نہ ہو تو کُل ترکہ پوتے کو مل جائے گا، اور اگر کئی پوتے ہوں گے تو وہ سب برابر تقسیم ہوجائے گا خواہ وہ سب ایک بیٹے کی صلب سے ہوں یا دو تین بیٹوں کی صُلب سے۔

۲۔ اگر اِن پوتوں کے ساتھ پوتیاں بھی ہوں تو پوتوں کے ساتھ عصبہ بالغیر بن کر وہ بھی حصہ پائیں گی جس طرح بیٹے کے ساتھ بیٹی حصہ پاتی ہے۔

پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ پوتے بیٹوں کے سامنے محروم ہوجاتے ہیں، وہ اس صورت میں جب اُن کے چچا زندہ ہوں لیکن اگر اُن کے باپ نے کوئی جائداد چھوڑی ہے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچے گا اُس میں پھر چچا کا حصہ نہیں ہوگا، اُس کے وہی مالک ہوں گے۔ دادا کا ترکہ باپ یا چچا کی موجودگی میں بالکل نہیں ملے گا۔ ایسے پوتے جو دادا کے سامنے یتیم ہوجائیں اور اُن کے باپ نے کوئی جائداد اُن کے لئے نہ چھوڑی ہو تو دادا پر اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال اور جائداد سے کچھ اُن کو دینے کی وصیت کرجائے یا اپنی زندگی میں اُن کو دے جائے، اگر ایسا نہ کرے گا تو اُن وعیدوں کا جو یتیم پر قہر کرنے اور اِس کا اِکرام نہ کرنے پر آئی ہیں مستحق ٹھہرے گا۔

اوپر نمبر (۱) میں کہا گیا ہے کہ پوتے باپ کے قائم مقام ہوں گے، یہ اُس صورت میں جب

باپ اور چچا نہ ہوں تو وہ دادا سے وہی ترکہ پائیں گے جو باپ اور چچا پاتے صرف دو باتوں میں بیٹے اور پوتے میں فرق ہے۔

(الف) ایک یہ کہ میت کے بیٹوں کی موجودگی میں بیٹیاں ذوی الفروض نہیں رہتیں بلکہ عصبہ بالغیر ہو کر بیٹوں کا آدھا حصہ پاتی ہیں۔ لیکن پوتوں کے ساتھ وہ ذوی الفروض ہی رہتی ہیں یعنی میت کی بیٹی کو آدھا ترکہ ملے گا باقی دوسرے ذوی الفروض اور پوتوں کے لئے ہوگا۔ اگر میت کی کئی بیٹیاں ہوں گی تو دو ثلث ⅔ اُن سب کا نکالنے کے بعد باقی میں دوسرے ذوی الفروض اور پوتوں کا حصہ ہوگا۔

(ب) دوسرے یہ کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں محروم رہتی ہیں لیکن پوتے کے ساتھ پوتیاں عصبہ ہو جاتی ہیں اور جس قدر پوتے کو ملتا ہے اُس کا آدھا پوتی کو ملتا ہے۔

پرپوتے کا حصہ

جس طرح بیٹے کی موجودگی میں پوتا اور پوتیاں مجوب رہتی ہیں اسی طرح پوتے کی موجودگی میں پرپوتیاں اور پرپوتے مجوب ہوتے ہیں اور جس طرح بیٹے کے زندہ نہ ہونے کی صورت میں پوتا وارث ہوتا ہے اسی طرح پوتے کے نہ ہونے کی صورت میں پرپوتے وارث ہوتے ہیں اور وراثت کے معاملے میں جو مسائل پوتے کے سلسلے میں بیان ہوئے ہیں وہی پرپوتوں کے لئے بھی ہیں۔

دوسرے درجے کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں

دوسرے درجے کے عصبات کی حیثیت دوہری ہو جاتی ہے جب درجہ اوّل کے عصبات میں سے کوئی نہ ہو۔ ان کی ایک حیثیت تو ذوی الفروض کی ہے اور دوسری حیثیت عصبہ کی کیونکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ دوسرے درجہ کے عصبات پر تقسیم ہوگا۔

باپ کا حصہ

باپ اپنے بیٹے کے ترکے سے بحیثیت ذوی الفروض جو حصہ پائے گا اس کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ باپ اُس وقت عصبہ بھی ہو جاتا ہے جب درجہ اوّل کے عصبات موجود نہ ہوں اور نہ میت کی کوئی بیٹی یا پوتی موجود ہو تو ذوی الفروض وارثوں کے حصے نکالنے کے بعد جو باقی بچے گا وہ باپ کو بحیثیت عصبہ (مزید) مل جائے گا۔

۲۔ اگر میت کی کوئی بیٹی یا پوتی ہو تو پہلے تو باپ کو ذوی الفروض کی حیثیت سے ترکے کا چھٹا حصہ (۱/۶) ملے گا پھر تمام ذوی الفروض وارثوں کو دینے کے بعد جو کچھ بچ جائے گا وہ بھی بحیثیت عصبہ باپ کو ملے گا۔

۳۔ درجہ اوّل کے عصبات کی موجودگی میں باپ عصبہ نہیں ہوگا۔ بحیثیت ذوی الفروض ترکے کا ۱/۶ حصہ ہی پائے گا۔

دادا کا حصّہ ذوی الفروض کے بیان میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا محروم ہے اور اُس کی عدم موجودگی میں اُس کا قائم مقام ہے بالکل یہی حیثیت عصبہ ہونے کی ہے یعنی باپ کی موجودگی میں دادا کو بحیثیت عصبہ کچھ نہ ملے گا لیکن اگر میت کا باپ بقیدِ حیات نہیں اور دادا موجود ہے تو وہ اسی طرح حصّہ پائے گا جس طرح باپ کے حصّے کی تفصیل اوپر کی گئی ہے، یہی حال پردادا کا بھی ہے:

باپ اور دادا کی وراثت کے سلسلہ میں دو فرق ہیں ایک یہ کہ اگر میت کی بیوی اور دادا دونوں موجود ہوں گے تو ماں کا حصّہ کم نہ ہوگا یعنی کل ترکے میں ۱/۳ ملے گا جبکہ باپ اور بیوی کی موجودگی میں ماں کا حصّہ کم ہو جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں دادی محروم نہیں ہوگی جبکہ باپ کی موجودگی میں دادی محروم رہتی ہے۔

تیسرے درجے کے عصبات کو ترکہ ملنے کی صورتیں اگر پہلے اور دوسرے درجے کے عصبات موجود نہ ہوں تو پھر ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ تیسرے درجے کے عصبات باہم تقسیم کر لیں گے۔ اِس درجے میں بھائی، بھتیجے اور بھتیجے کے بیٹے پوتے شامل ہیں۔ تیسرے درجے کے عصبات میں سب سے مقدم بھائی ہے اور اس کے بعد بھتیجے وغیرہ ہیں۔

حقیقی بھائی جیسا کہ شروع میں کہا گیا ہے پہلے اور دوسرے درجے کے عصبات اگر نہ ہوں گے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ کُل حقیقی بھائی کو مل جائے گا۔

۱۔ اگر کئی حقیقی بھائی ہوں تو سب میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔

۳۔ اگر بھائی کے ساتھ حقیقی بہنیں موجود ہیں تو وہ بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اور بھائی کے حصّے کا نصف پائیں گی۔

۴۔ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی اور علاتی بہنیں محروم رہیں گی۔

علاتی بھائی پہلے اور دوسرے درجے کے عصبات بھی نہ ہوں اور حقیقی بھائی بھی نہ ہو تو علاتی بھائی میت کا وارث ہوگا۔ یہ بھی اگر کئی ہوں گے (تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی رہے گا) اُسے برابر تقسیم کر لیں گے۔ اگر علاتی بھائی کے ساتھ علاتی بہنیں بھی ہوں تو سب بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اور بھائی کا آدھا حصّہ لیں گی۔

علاتی بھائی بہن اُس وقت محروم رہیں گے جب میت کی حقیقی لڑکی موجود ہو۔

حقیقی بھتیجا ۱۔ جب میت کا حقیقی یا علاتی کوئی بھائی نہ ہو تو پھر بھتیجا وارث ہوگا۔

۲۔ اگر میت کی حقیقی یا علاتی بہنوں میں سے کوئی ہے تو وہ بھائی کے ساتھ تو عصبہ ہو جاتی ہیں مگر بھتیجوں کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتیں بلکہ اصلی حالت ہی میں رہتی ہیں یعنی ذوی الفروض۔

۳۔ بھتیجیاں خواہ سگے بھائی کی بیٹیاں ہوں یا سوتیلے بھائی کی، وہ نہ عصبات میں ہیں نہ ذوی الفروض میں بلکہ اُن کا شمار ذوی ارحام کی تیسری قسم میں ہے۔

۴۔ حقیقی بھتیجے کے ہوتے ہوئے میت کے علاتی بھائی کے لڑکے محروم رہیں گے۔

علاتی بھتیجا اگر حقیقی بھائی کا لڑکا نہ ہو اور علاتی بھائی کا لڑکا موجود ہو تو وہ حقیقی بھتیجے کی جگہ میت کا وارث ہوگا اور اس کا حال بھی قریب قریب وہی ہے جو حقیقی بھتیجے کا بیان کیا جا چکا ہے۔

حقیقی اور علاتی بھائیوں کے پوتے اگر میت کے بھائی حقیقی یا علاتی زندہ نہ ہوں اور نہ اُن کے لڑکوں میں کوئی زندہ ہو تو پھر حقیقی بھائی کے پوتے اور وہ بھی نہ ہوں تو علاتی بھائی کے پوتوں پر میت کی وراثت تقسیم ہوگی۔

میت کی حقیقی یا علاتی بہنیں اگر ہیں تو وہ بھائی کے پوتوں کے ساتھ بھی عصبہ نہ ہوں گی اور بدستور ذوی الفروض رہیں گی۔

چوتھے درجے کے عصبات کا ترکہ میں حصہ

پہلے، دوسرے اور تیسرے درجے کے عصبات کو دیکھا جائے گا جن میں سب سے مقدم چچا ہے۔ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ چچا کو ملے گا پھر چچا کے بیٹے پھر چچا کے پوتے پھر میت کے باپ کے چچا پھر اُن کے لڑکے پھر اُن کے پوتے۔

چچا کا حصہ

میت کے باپ کا بھائی خواہ وہ چھوٹا بھائی ہو یا بڑا بھائی ہو، عَمّ کہلاتا ہے اگر تینوں درجے کے عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو چوتھے درجات کے عصبات میں سب سے مقدم چچا ہے یعنی اگر ذوی الفروض میں اتفاق سے کوئی نہ ہو تو میت کے تمام ترکے کا مستحق چچا ہو گا۔ اگر کئی چچا ہوں گے تو جو ترکہ ملے گا سب کے آپس میں برابر تقسیم کرنا ہو گا۔

۲۔ میت کی پھوپھی یعنی باپ کی بہن چچا کی موجودگی میں حصہ نہیں پائے گی۔

۳۔ چچا کی بیوی یعنی میت کی چچی کو اس حیثیت سے کوئی حصہ میراث سے نہیں ملے گا کہ وہ چچی ہے البتہ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا نسبی رشتہ ہو تو میراث میں سے حصہ پا سکتی ہے۔

۴۔ بحیثیت عصبہ چچا کی بیٹیوں کو بھی کوئی حصہ نہیں ملے گا اُن کا شمار ذوی الارحام میں ہے۔

علاتی چچا

اگر میت کے باپ کا سگا بھائی موجود نہ ہو بلکہ علاتی بھائی موجود ہو تو حقیقی چچا کی عدم موجودگی میں علاتی چچا کو وہی حصہ ملے گا اور حقیقی چچا کے لڑکے حصہ نہیں پائیں گے جس طرح بھائی کی موجودگی میں بھائی کے لڑکے حصہ نہیں پاتے۔

حقیقی اور علاتی چچا کے لڑکے

۱۔ چچا (حقیقی یا علاتی) کی موجودگی میں ان کے لڑکے میت کے ترکے سے حصہ نہیں پائیں گے۔ البتہ اگر میت کے چچا کوئی بھی موجود نہ ہوں تو پہلے حقیقی چچا کے لڑکوں کو اگر وہ نہ ہوں تو پھر علاتی چچا کے لڑکوں کو ترکہ ملے گا اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر حقیقی چچا کے پوتوں کو اور وہ بھی نہ ہوں تو علاتی چچا کے پوتوں کو حصہ ملے گا۔

باپ کے حقیقی اور علاتی چچا

اگر میت کا مذکورہ بالا عصبات میں کوئی وارث موجود نہ ہو تو پھر باپ کے چچا یعنی میت کے دادا کے حقیقی بھائی کو ترکہ ملے گا اگر وہ نہ ہوں تو پھر میت کے دادا کے علاتی بھائی کو اگر وہ بھی نہ ہوں تو اس کے حقیقی

لڑکوں کو اور پھر اگر وہ بھی نہ ہوں تو اُن کے پوتوں کو ملے گا۔

ذوی الارحام اور میت کے ترکے میں اُن کے حصّے

وراثت کا بیان شروع کرتے وقت یہ بتایا جا چکا ہے کہ ترکہ کی تقسیم میں سب سے پہلے ذوی الفروض کو حصہ دیا جائے گا اس کے بعد عصبہ کو لیکن اگر عصبات میں کوئی نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو دیا جائے گا یہ تیسرے درجے کے وارثین کہلاتے ہیں۔

ذوی الارحام میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو عورت کے واسطے سے نسبی تعلق رکھتے ہوں یا خود عورت ہوں مثلاً خالہ، پھوپھی اور ان کی لڑکیاں وغیرہ نواسیاں اور نواسے۔ صرف ماں اور نانی ذوی الارحام میں اس لئے شامل نہیں ہیں کہ ماں اور ماں کی ماں کا حصہ ذوی الفروض میں مقرر ہو چکا ہے حالانکہ یہ دونوں بھی عورتیں ہیں۔ اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ذوی الفروض اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور مشکل ہی سے کوئی وفات پانے والا ایسا نکلتا ہو جس کا کوئی نہ کوئی عصبہ (قریب یا دور کا) نکل نہ آئے اس لئے ترکے کی تقسیم کی نوبت ذوی الارحام تک پہنچنے کا امکان بھی بہت شاذ و نادر ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امام مالک، امام شافعی اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہم وارثوں کی دو ہی قسمیں تسلیم کرتے ہیں یعنی ذوی الفروض اور عصبہ۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی وارث نہ پایا جائے تو پھر سارا ترکہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں دیدینے کا حکم دیتے ہیں اُن کے نزدیک ذوی الارحام کا شمار وارثوں میں نہیں ہے۔ صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میت کا پورا ترکہ بیت المال میں داخل کرنے سے پہلے ذوی الارحام کو بھی دیکھنے کا حکم دیتے ہیں اور عام طور پر اسلامی ملکوں میں اُن کے مسلک ہی کو اختیار کیا گیا ہے پھر اگر ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو متروکہ مال بیت المال میں جائے گا اور اگر اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں غریبوں میں تقسیم ہو گا۔

ذوی الارحام کی حیثیت

ذوی الفروض اور عصبات کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام کو میت کی میراث میں سے کچھ پانے کا حق نہیں ہے ——

ذوی الفروض کے حقوق مقرر ہیں ان مقررہ حقوق کو دے چکنے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ دوسرے وارثوں کو جو عصبات میں ہیں تقسیم ہو جاتا ہے اور اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو ذوی الفروض مقررہ

حصہ لینے کے بعد بقیہ ترکہ بھی وہی پاتے ہیں۔ اس طرح ذوی الفروض کی موجودگی میں ذوی الارحام کے حصہ پانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا مگر تیرہ ذوی الفروض میں سے صرف دو وارث ایسے ہیں کہ اگر تنہا وہی ہوں اور کوئی دوسرا عصبات یا ذوی الفروض میں سے نہ ہو تو ذوی الارحام کو اُن کے ساتھ حصہ مل سکتا ہے، وہ دو ذوی الفروض شوہر اور بیوی ہیں یعنی اگر مرد میت نے اپنے ذوی الفروض میں صرف بیوی کو یا عورت میت نے صرف شوہر کو چھوڑا تو اُن کو شرعی حصہ دینے کے بعد باقی ذوی الارحام کو دیا جائے گا یہ اس لئے کہ بیوی اور شوہر کو فرائض مقررہ سے زیادہ نہیں ملتا ہے جبکہ دوسرے ذوی الفروض بقیہ ترکہ بھی پاتے ہیں اگر کوئی دوسرا وارث نہ ہو۔

ذوی الارحام کی درجہ بندی

ذوی الارحام کو چار قسموں میں بانٹا گیا ہے جب تک پہلی قسم کے لوگ موجود ہوں گے اُس سے نیچے درجے کی اقسام والوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہر ایک قسم کے ذوی الارحام اور انھیں ترکہ ملنے کا تناسب بیان کیا جاتا ہے۔ ذوی الفروض سے صرف گیارہ وہ لوگ مراد ہیں جو ذوی الارحارم کا حصّہ روک سکتے ہیں (یعنی شوہر اور بیوی کے علاوہ)

پہلی قسم کے ذوی الارحام

سب سے مقدم نواسے اور نواسیاں ہیں جنھیں اپنے نانا کا ترکہ اُسی وقت ملے گا جب اُن کے رشتہ داروں (ذوی الفروض وعصبات) میں سے کوئی زندہ نہ ہو۔ اگر ایک نواسہ یا ایک ہی نواسی ہوگی تو کُل مال اُس کو مل جائے گا اور اگر دونوں ہوں گے یا کئی ہوں گے تو نواسے کو دو۲ اور نواسی کو ایک حصّے کے حساب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔

نواسے اور نواسی نہ ہوں تو پوتی کی اولاد وارث ہوگی اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو پھر نواسے اور نواسی کی اولاد کو حصہ ملے گا۔ پھر اگر نواسے اور نواسی کی اولاد نہ ہو تو پوتے کے نواسے نواسی اگر وہ بھی نہ ہوں تو پوتی کے پوتے پوتیاں وارث ہوں گے۔

دوسری قسم کے ذوی الارحام

ذوی الفروض میں دادا، دادی اور نانی کے مقررہ حصّوں کا ذکر کیا جا چکا ہے، وہاں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ قریبی دادا، دادی اور نانی کی موجودگی میں دور کے دادا، دادی اور نانی کو نہیں ملے گا کیونکہ وہ ذوی الارحام

میں شمار ہوتے ہیں اور نانا تو نہ ذوی الفروض میں ہے اور نہ عصبات میں اس لئے وہ مستقل ذوی الارحام ہی میں شمار ہوتا ہے۔ نانا کو میت کے ترکے سے کچھ نہیں ملے گا اگر ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام کی پہلی قسم میں سے کوئی موجود ہو گا۔ جب اُن میں سے کوئی نہ ہو اور نانا زندہ ہو تو وہ میت کے ترکے کا مستحق ہو گا۔ دوسری قسم کے ذوی الارحام کے لوگ سب محروم ہوں گے۔ اگر میت کے نانا نہ ہوں تو پھر میت کے باپ کے نانا اگر وہ بھی نہ ہوں تو ماں کے دادا۔ اُن کی عدم موجودگی میں ماں کے نانا اور ماں کی دادی ترکے کی مستحق ہوں گی۔ پھر اگر ان میں سے بھی کوئی نہ رہا ہو تو میت کے دادا کے سلسلے کے ذوی الارحام کو حصہ ملے گا۔

تیسری قسم کے ذوی الارحام اس قسم میں میت کی بہن کی تمام اولاد اور بھائی کی غیر عصبہ اولاد شامل ہے۔ بہن کی اولاد سے مراد میت کے ہر طرح کے بھانجے اور بھانجیاں ہیں اور بھائی کی وہ اولاد جو عصبہ نہیں ہے ان سے مراد میت کی بھتیجیاں وغیرہ ہیں ان کی تعداد دس ہوتی ہے۔ حقیقی بہن کے لڑکے لڑکیاں۔ حقیقی بھائی کی لڑکی، علاتی بھائی کی لڑکی، اخیافی بھائی کے لڑکے اور لڑکی۔ ان میں کوئی مقدم اور مؤخر نہیں ہے، اگر ایک ساتھ سب موجود ہوں تب بھی سب کو حصہ ملے گا بس فرق یہ ہو گا کہ مرد کو جتنا ملے گا عورت کو اس کا آدھا ملے گا۔ اور اگر صرف ایک ہی ہو اور اوپر کے ورثہ میں سے کوئی نہ ہو تو پورا ترکہ اس ایک ہی کو مل جائے گا۔ بھانجے بھانجیوں اور بھتیجیوں کے نہ ہونے کی صورت میں اُن کی اولاد حصہ پائے گی۔

اگر کوئی بھتیجا زندہ ہو تو اُس کے سامنے تمام بھانجیاں اور بھتیجیاں محروم رہیں گی کیونکہ بھتیجا عصبہ ہے اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا۔

بھانجے بھانجیوں اور بھتیجیوں میں ترکہ تقسیم کرنے کی ایک صورت اوپر بیان ہوئی دوسری صورت یہ ہے کہ انھیں ترکہ اُن کے والدین (یعنی میت کے بھائی اور بہن) کے لحاظ سے ملے یعنی جس طرح بھائی کو بہن کے مقابلے میں دوگنا ملتا اسی طرح بھتیجوں کو وہی دُوگنا ملے گا اور بہن کی اولاد کو اُس کا آدھا۔ البتہ بھانجیوں کے ساتھ بھانجے بھی ہوں تو انھیں بھانجیوں کا دُہرا ملے گا۔

چوتھی قسم کے ذوی الارحام اس قسم میں میت کی پھوپھیاں، خالائیں، ماموں اور اخیافی چچا ہیں۔ اور جب یہ نہ ہوں تو اُن کی اولاد اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو حقیقی اور علاتی چچا کی اولاد پھر اگر یہ بھی نہ ہوں تو ماں یا باپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور ماموں وغیرہ مستحق ہوں گے۔

ذوی الفروض کے حصوں کا مختصر نقشہ

تمام وارثوں کے حصوں کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے اور یہ بھی کہ ذوی الفروض کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں مگر عصبہ اور ذوی الارحام کا کوئی مقرر حصہ نہیں ہے بلکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ عصبہ کو دیا جائے گا۔ لیکن عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو پھر بقیہ ذوی الارحام کو دیا جاتا ہے۔

ذوی الفروض کے مقررہ حصوں کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے:

(۱) **نصف (آدھا) حصہ** پانچ وارث مخصوص حالات میں پائیں گے۔

الف۔ میت کا شوہر جب میت کی اولاد نہ ہو۔

ب۔ میت کی بیٹی جب وہی تنہا ہو اُس کا بھائی موجود نہ ہو۔

ج۔ میت کی پوتی جب میت کا بیٹا بیٹی اور پوتا موجود نہ ہو۔

د۔ میت کی بہن جب اکیلی ہو اور میت کے بیٹا یا بیٹی یا باپ موجود نہ ہو۔

ہ۔ میت کی علاتی بہن جب حقیقی بہن نہ ہو اور بیٹا بیٹی اور باپ بھی نہ ہو۔

(۲) **ثُلثان (دو تہائی) حصہ** چار وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے:

(الف) میت کی دو یا دو سے زیادہ لڑکیوں کو جب اُس کی نرینہ اولاد نہ ہو۔

(ب) میت کی دو یا دو سے زیادہ پوتیوں کو جب بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہوں۔

(ج) میت کی دو یا دو سے زیادہ بہنوں کو جب بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہوں۔

(د) میت کی دو یا زیادہ علاتی بہنوں کو جب حقیقی بہنیں، بیٹا، بیٹی اور پوتا نہ ہوں۔

(۳) **ثُلُث (ایک تہائی)** حصہ دو وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے۔

الف۔ میت کی والدہ کو جب میت کی اولاد نہ ہو اور بھائی بہن بھی نہ ہوں۔

ب۔ میت کے اخیافی بھائی بہن کو جب وہ ایک سے زیادہ ہوں۔

(۴) **رُبع (چوتھائی)** حصہ دو وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے:

الف۔ میت کی بیوی کو جب اُس کے کوئی اولاد نہ ہو۔

ب۔ میت کے شوہر کو جب اُس کی اولاد ہو۔

(۵) **سُدُس (چھٹا)** حصہ چار وارثوں کو مخصوص حالات میں ملتا ہے:

الف۔ میت کے باپ کو جب میت کی اولاد ہو۔

ب۔ میت کی ماں کو جب میت کی اولاد ہو یا بھائی بہن ہوں۔

ج۔ اخیافی بھائی کو جب تنہا ہو۔

د۔ اخیافی بہن کو جب تنہا ہو۔

(۶) **ثُمن (آٹھواں)** حصہ صرف ایک وارث یعنی بیوی کو ملتا ہے جب بیٹا، بیٹی یا پوتی بھی ہو۔

غرض ذوی الفروض کے حصوں کی مقدار (مذکورہ) چھ طرح سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ ترکے کا پانچواں، ساتواں نواں اور دسواں حصہ کوئی ذوی الفروض نہیں پا سکتا ہے البتہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض وارث موجود نہیں ہوتے تو ان کا حصہ دوسرے ذوی الفروض کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے مل جاتا ہے، اس طریقے کو شریعت میں رَد (لوٹانا) کہتے ہیں جس کا بیان آگے آرہا ہے، اس طرح بعض ذوی الفروض عصبہ ہو جانے کی وجہ سے کچھ مزید پا لیتے ہیں۔ مگر اس کا حصوں کی تقسیم پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی یہ نہیں ہوتا کہ چھٹا حصہ پانے والے کو پانچواں اور چوتھائی حصہ پانے والے کو تیسرا حصہ مل جائے۔

میراث کے حصے لگانے کا طریقہ شریعت نے حصہ تقسیم کرنے کا ڈھنگ وہ مقرر کیا ہے کہ کوئی حصہ ٹوٹنے نہ پائے یعنی آدھا پون اور پاؤ بھی پورے پورے حصوں کی شکل میں ہو اس کے لئے عَول کا طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

عول کے معنے لغت میں عول کے معنے سیدھی چیز کو ایک طرف جھکانے کے بھی ہیں اور زیادتی کرنے کے بھی۔ شریعت کی اصطلاح میں عول اس اضافے کو کہتے ہیں جو ترکے کی تقسیم میں اگر تنگی محسوس ہو تو اسے دور کرنے کے لئے کیا جائے۔ درِ مختار میں عَول کی تعبیر یہ کی گئی ہے:

هُوَ زِيَادَةُ السِّهَامِ اِذَا كَثُرَتِ	اگر مخرجِ فرض (یعنی وہ عدد جس سے وارثوں کے
الفُرُوضُ عَلىٰ مَخْرَجِ الْفَرِيْضَةِ	حصے نکل رہے ہیں) سے حصوں کے تعداد زیادہ
لِيَدْخُلَ النَّقْصُ عَلىٰ كُلِّ	ہو جائے تو اُس عدد کو بڑھالیا جاتا ہے اس کا نتیجہ
مِنْهُمْ بِقَدْرِ فَرِيْضَةٍ	یہ ہوتا ہے کہ تمام وارثوں کے حصوں میں بقدر

ان کے حقوق کے قدرے کمی ہو جاتی ہے۔ یہ عمل عول کہلاتا ہے

عول کی ضرورت اُس وقت ضرورت پڑتی ہے جب حصے پورے تقسیم میں نہ آتے ہوں یعنی کسی کا حصہ کم ہوتا نظر آتا ہو اور حصوں کو توڑنا یا اُن کی کسر کرنا پڑتی ہو تو مخرجِ فرض میں اضافہ کر لیا جائے تاکہ حصوں میں کسر نہ کرنا پڑے اور حصے میں اس طرح جو کمی آئے وہ سب حصوں میں برابر سے آجائے۔ مثلاً ایک عورت نے بعد وفات شوہر اور دو حقیقی بہنوں کو وارث چھوڑا، ذوی الفروض میں شوہر کا حصہ نصف یعنی ½ اور بہنوں کا حصہ دو تہائی یعنی ⅔ ہے۔ ترکہ کی تقسیم کے لئے سب سے چھوٹا عدد چھ ہے (یعنی ۲ اور ۳ کا ذو اضعاف اقل) اب اگر ترکے کے چھ حصے کر کے تین حصے شوہر کو دیدیئے گئے تو باقی رہے تین جبکہ ۶ کا ⅔ چار ہوتا ہے، ایسے موقع پر عول کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، بجائے چھ کے سات کر کے ۳ حصے شوہر کو اور چار حصے دونوں بہنوں کو دیئے جائیں گے۔ ایک عدد کا اضافہ کرنے سے جو تھوڑی کمی حصوں میں آئی اُس کا اثر سب حصوں پر برابر پڑ گیا اور کسر نہیں پڑی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا عدد جس سے شروع میں تقسیم کیا تھا لکھا جائے پھر عول کی ع بنا کر بڑھا ہوا عدد لکھ دیا جائے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اضافہ عول کی وجہ سے ہے۔

عول کا طریقہ بیان کردہ صورت میں عول کا طریقہ اس مثال سے سمجھ میں آجائے گا۔

حصے بنانے کے لئے چھوٹا عدد		عول کے بعد
۶	ع	۷
شوہر کو		حقیقی بہنوں کو
۳ حصے		۴ حصے
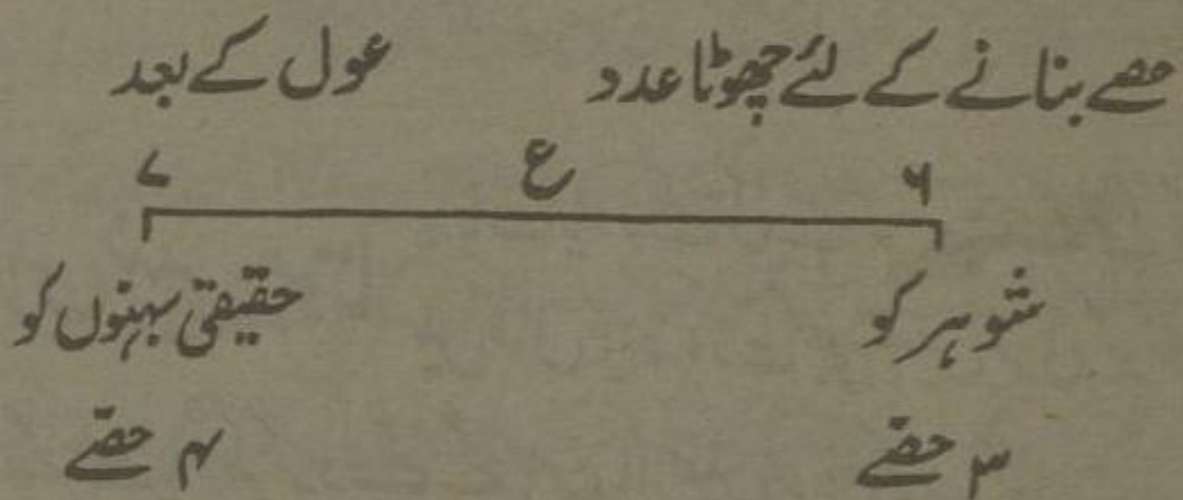
طریقہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا عدد تلاش کیا جائے جس سے پہلے وارث (شوہر) کو ٹھیک ٹھیک حصہ مل جائے اور پھر باقی وارثوں کو بھی حصہ مل سکے تو یہاں وہ چھوٹا عدد چھ ہے لیکن جب ۶ کا آدھا یعنی ۳ شوہر کو دیدیا گیا تو باقی ۳ بچے جو کُل (۶) کے $\frac{2}{3}$ سے کم رہے اس لئے عول کرنے کی ضرورت پڑی لہذا ۶ کے بجائے ۷ کر کے ۴ دوسرے وارثوں کو دیدیئے گئے، مطلب یہ ہوا کہ پہلے جو ۶ حصے تھے اُنھیں میں تھوڑی کمی کر کے اُن کو ۷ بنالیا گیا اور تمام وارثوں کے حصے پورے کر دیئے گئے۔ اس کمی کا اثر کسی ایک وارث پر نہیں پڑا بلکہ سب کے حصوں میں مساوی طور پر کچھ کمی آگئی۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ شروع ہی سے کیوں نہ کل ترکے کے سات حصے بنا لئے گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس لئے نہیں کرتے کہ اس صورت میں حصوں کے اعداد کو توڑنا پڑے گا اور پھر بھی وارثوں کا حصہ پورا نہیں ہوگا، مثلاً اگر کل ترکہ ۷ مانا جائے تو آدھا $3\frac{1}{2}$ شوہر کو دیکر بہنوں کا حصہ (۲ ثلث) کیسے پورا کریں گے۔ شریعت کا مقصد تو یہ ہے کہ کوئی حصہ ٹوٹنے نہ پائے یعنی آدھا پونا نہ ہونے پائے، اسی لئے عول کا طریقہ رائج کیا گیا، مذکورہ بالا صورت میں حصے تو چھ کئے گئے بعد میں اُنھیں کو بڑھا کر ۷ کر دیا گیا جس سے حساب ٹھیک ہو گیا اور اس طرح کرنے سے جو حصوں کے حجم میں کمی واقع ہوئی وہ بہت معمولی ہوئی۔

عول کا نتیجہ عول کرنے سے حصوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوتا ہے اُس اضافے کی نسبت سے تمام وارثوں کے حصوں میں ذرا ذرا سی کمی ہو جاتی ہے، اوپر کی مثال میں شوہر کو تین دیئے گئے اُس کے بعد بہنوں کو ۴ حصے دیئے تو حساب میں شوہر لے حصے سے $\frac{1}{2}$ کی کمی

ہوگئی، اسی طرح بہنوں کے حصے سے بھی ۱/۷ کی کمی ہوگئی، دونوں کی کمیوں کی وجہ سے حصوں کی تقسیم آسانی سے پوری پوری ہوگئی اور کسر نہیں کرنا پڑی اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ایک تو اپنا پورا حصہ پالیتا اور دوسرا کم پاتا یا محروم رہ جاتا۔ کمی تو ضرور ہوئی مگر بہت کم اور کسی کو نقصان نہیں پہنچا نہ کسی کو حق سے زیادہ ملا۔

عول کس صورت میں نہیں ہوتا یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ میت کے لڑکے کی موجودگی میں عول کی ضرورت کبھی نہیں پڑتی کیونکہ لڑکے کے ساتھ دوسرے وارثوں کے حصے یا تو کم کر دیئے گئے ہیں یا انھیں محروم کر دیا گیا ہے۔

رد کا بیان رد کے معنے لوٹا دینے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ایک یا کئی ذوی الفروض کو وراثت کا مقررہ حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے اُسے پھر انھیں لوٹا دینا رد کہلاتا ہے، یہ اُس وقت ہوتا ہے جب کوئی عصبہ موجود نہ ہو۔ شریعت نے ذوی الفروض کے مقررہ حصوں کو دینے کے بعد باقی ترکہ عصبات میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا ہے لیکن اگر اتفاق سے کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر باقی ترکہ بھی اُن ذوی الفروض پر ہی تقسیم کر دیا جائے گا اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما کا ہے جب کہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عصبات کی عدم موجودگی میں میراث کا باقیماندہ بیت المال میں داخل کر دینا چاہئیے البتہ اگر بیت المال کا نظام نہ ہو تو پھر ذوی الفروض پر تقسیم کر دیا جائے۔

جس طرح عول کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ نے صحابہ کے مشورے سے رائج فرمایا اور تمام صحابہ نے جو فقہائے امت بھی تھے اس کو مانا اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہوا۔ اسی طرح رد کا طریقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صحابہ کے مشورے سے منظور اور نافذ کیا۔ مگر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور یہی رائے امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کی بھی ہے، گویا ان بزرگوں نے اجتماعی مفاد کو شخصی مفاد کے مقابلے میں قابلِ ترجیح جانا اسی لئے بیت المال میں میت کے باقی مال کو جمع کرا دینا اولیٰ قرار دیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اجتہاد کو قرین صوا ب

جانتے ہیں کیونکہ وراثت کا تعلق رشتہ اور نسبی قرابت سے ہے جب تک وہ تعلق موجود ہے اُس کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ قرآن میں بھی یہی ارشاد ہے:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (سورۂ انفال آیت ۷۵)

اللہ کی کتاب میں رشتہ داروں کو آپس میں ایک دوسرے کا زیادہ حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔

یہ آیت سورۂ انفال کی ہے اور اُن مہاجر مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بعد میں اسلام لائے اور پھر مدینے کی طرف ہجرت کی، قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ اس تاخیر کی وجہ سے اُن کا وہ حق ختم نہیں ہو گیا جو رشتے کی وجہ سے اُن کو پہنچتا ہے تو رشتہ دار کا حق بہر حال فائق ہے عام مسلمانوں کے حق سے۔

وہ ذوی الفروض جن پر رد نہیں ہو سکتا

اگر ذوی الفروض وارثوں میں صرف بیوی یا شوہر ہو تو ان دونوں کو میراث کا وہی حصّہ ملے گا جو مقرر ہے اس سے زیادہ نہیں ملے گا۔ اگر عصبہ موجود ہیں تو باقی ترکہ وہی پائیں گے ورنہ ذوی الارحام پائیں گے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان رشتہ نسبی و خونی نہیں ہوتا اس لئے وہ ایک دوسرے کے عصبہ نہیں ہوتے البتہ اگر کوئی رشتہ پہلے سے ایسا ہو جس سے ترکہ مل سکتا ہو مثلاً دونوں ایک دادا کے پوتا اور پوتی یا پر پوتی ہوں جس سے ترکہ مل سکتا ہو تو اُس حیثیت سے بقیہ میراث سے حصّہ مل سکتا ہے، رشتہ، زوجیت کی وجہ سے نہیں۔

رُد کی صورت میں تقسیم

رُد میں باقی ترکہ اسی اعتبار سے دوبارہ تقسیم کیا جائے گا جس اعتبار سے اُنھوں نے مقررہ حصّہ پایا تھا یعنی وہی تناسب ملحوظ رہے گا، جس کو پہلے زیادہ ملا تھا، رُد کی صورت میں بھی زیادہ ملے گا اور جس کو پہلے کم ملا تھا، رُد کی صورت میں بھی کم ملے گا۔

معاملات

- تجارت
- مضاربت
- شراکت
- قرض
- رہن
- امانت
- عاریت
- اجارہ
- زراعت
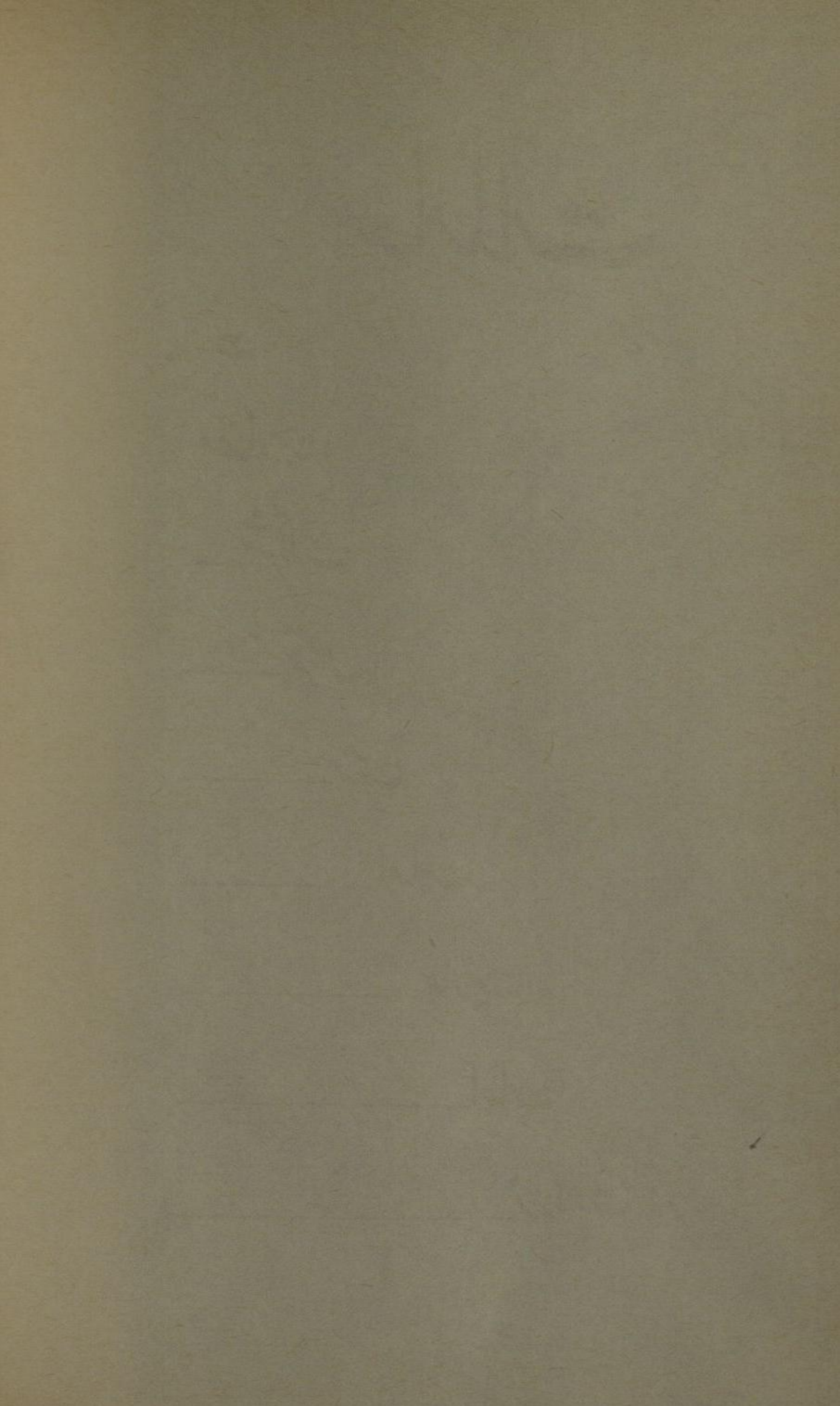
معاملات

انسان کو دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے روزی کمانے اور سامان رزق مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام نے جہاں روح کو اخلاقی غذائیں فراہم کرنے کی ہدایات دی ہیں وہاں جسم کو مادی غذا پہنچانے کے ذرائع اور وسائل استعمال کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔

عام طور پر جن ذریعوں اور وسیلوں سے انسان رزق حاصل کرتا ہے اور ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) **تجارت** : یعنی آپس میں لین دین اور خرید و فروخت۔ (۲) **مضاربت** : یعنی ایک شخص کا روپیہ اور دوسرے کی محنت (۳) **شراکت** یعنی کئی شخصوں کا مل کر خریدنا یا بیچنا یا کوئی کاروبار چلانا۔ (۴) **قرض** : یعنی کسی دوسرے شخص سے مال یا رقم اُدھار لے کر کام کرنا (۵) **رہن** : یعنی اپنی کوئی چیز ضمانت میں دے کر مال یا روپیہ حاصل کرنا (۶) **اجارہ** : یعنی اپنی چیز کرایہ پر دے کر یا دوسرے کی چیز کرایہ پر لے کر کام کرنا یا اپنی محنت کی اُجرت لینا اور دوسروں کی محنت کا معاوضہ دینا (۷) **زراعت** : یعنی اپنی زمین پر خود کھیتی کرنا یا دوسروں کی مدد سے کھیتی کرانا۔

وسائل معاش کے ان طریقوں کو برتنے میں کبھی اپنا مال کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھنے یا دوسروں سے مال عاریت لینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

اسلام نے ان سب طریقوں سے کام لینے کے اصول اور ضابطے مقرر کر دیئے ہیں، انھیں کو اصطلاح میں "معاملات" کہا جاتا ہے۔ معاملہ کے معنی باہم عمل کرنے کے ہیں ان

میں کم ازکم دو آدمیوں یا چیزوں کی شرکت ہوتی ہے مثلاً تجارت میں خریدنے والے اور بیچنے والے کی۔ زراعت میں مالک زمین، کاشتکار، بیج، پانی اور آلات زراعت کی۔ مضاربت میں صاحب مال اور کارکن کی، یہی حال اجارہ کا ہے جس میں اجیر ومستاجر یا مالک ومزدور کی شرکت ہوتی ہے۔

اسلامی ہدایات مذکورہ بالا معاملات میں شریعت اسلامی کی ہدایات موجود ہیں یعنی صحیح کام کا حکم اور غلط کاموں کی ممانعت۔ اوّلین بنیادی ہدایت یہ ہے کہ جو معاملہ بھی کیا جائے اس میں تراضی یعنی فریقین کی رضامندی ہونا پہلی شرط ہے۔ اگر فریقین میں کوئی ایک راضی نہ ہوگا تو اسلام میں وہ معاملہ باطل اور ناجائز قرار پائے گا۔ ممانعت یہ کی گئی ہے کہ رضامندی کسی حرام چیز جیسے سود لینے یا دینے، دھوکہ کرنے، جھوٹ بولنے وغیرہ میں نہ ہو تو اگر کوئی تجارت یا زراعت کا معاملہ ایسا کیا جائے جس میں ان ممنوعہ باتوں کی آمیزش ہو تو اسلامی شریعت میں وہ حرام سمجھا جائے گا، خواہ معاملہ کرنے والے آپس میں راضی ہی کیوں نہ ہوں۔ شراب بنانے کا کارخانہ یا ایسے سامان تیار کرنے کا کاروبار جس سے اخلاق بگڑتے ہوں یا دولت بے کار ضائع ہوتی ہو، اسلامی شریعت میں ممنوع ہوگا بلکہ مزدوروں کو بھی ایسے کارخانوں میں کام کرنے سے روکا جائے گا خواہ صنّاع اور خریدار، مالک ومزدور آپس میں راضی ہی کیوں نہ ہوں۔ حرام پر رضامندی کی اجازت تو صرف شدید معاشی مجبوری یا جان ومال اور عزت وآبرو کے سخت خطرے کی حالت ہی میں دی جاسکتی ہے۔

اسلامی شرعی ہدایات پر عمل کرنے کا فائدہ

دُنیا میں یہ ہے کہ نہ معاملہ کرنے والوں میں کوئی اختلاف ہوگا نہ ایک فریق دوسرے پر ظلم کرسکے گا۔ معاشی وسائل وذرائع چند لوگوں کے لئے سامان عشرت مہیا کرکے باقی لوگوں کے لئے باعث مصیبت نہ بن سکیں گے۔ آج کل پوری دنیا اور خاص طور پر برصغیر میں ضروریات زندگی کی قلت اور گرانی کے سبب جو بے چینی پائی جاتی ہے اُس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اُن حکموں (اوامر) اور ممانعتوں (نواہی) کی صحیح طور پر پابندی

نہیں کی جاتی۔

آخرت میں
جس طرح باہمی رضامندی کے بغیر یا باطل اور حرام شرائط پر معاملہ کرنے سے کسی نہ کسی کی حق تلفی اور نقصان ہوتا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ایسا معاملہ کرنے والوں کو ناکامی اور خسران سے سابقہ کرنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں حرام طریقوں اور تراضی کے بغیر روزی کمانے والوں کے عمل کو قتل اور ظلم قرار دیا ہے اور آخرت میں دوزخ کی سزا اُن کے لئے طے فرمادی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (نساء، آیت۔ ۲۹-۳۰)

اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ رضامندی کے ساتھ کوئی تجارت ہو (تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ اور باطل معاملہ کر کے) ایک دوسرے کو (معاشی طور پر) قتل نہ کرو، اللہ تم پر رحم فرماتا رہا ہے (تو تم بھی رحم کے خلاف کام نہ کرو) اور جو شخص ظلم و زیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اُس کو ہم عنقریب آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

رشوت اور جھوٹے مقدمات کے ذریعے روپیہ کمانے والوں کو یہ کہہ کر اس کام سے منع کیا گیا ہے کہ "ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ حالانکہ تم اس گناہ کو جانتے ہو" اسی طرح یتیموں کا مال ہڑپ کر جانے والوں کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ "اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔"

ایسے حرام طریقوں سے اور آپس کی رضامندی کے بغیر روزی کمانے کا معاملہ کرنا کچھ دنوں کیلئے کسی کسی کو دنیا میں فائدہ پہنچا بھی دے لیکن دوسروں کو نقصان ہی پہنچائے گا اور خود اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ تباہی کا سبب ہوگا۔ قرآن نے باطل طریقے پر مال کھانے والوں کو "اکالون للسحت" کہا ہے۔ سحت کے معنی نیست و نابود کر دینے کے ہیں یعنی رزق کا یہ ذریعہ انجام کار خود کو بھی نیست و نابود کرتا ہے اور دوسروں کو بھی۔

حلال کمائی کی ترغیب قرآن میں دی گئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی تفصیل سے موجود ہے، آپؐ نے سب سے زیادہ اپنے ہاتھ کی کمائی پر زور دیا کیونکہ اس میں باطل اور سُحت کا شائبہ کم ہوتا ہے، آپؐ نے فرمایا:

مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا خَیْرًا مِنْ اَنْ یَاکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ۔ — کوئی روزی اس روزی سے بہتر نہیں ہے جو محنت مزدوری کر کے حاصل کی گئی ہو۔

آپؐ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں قریش کی بکریاں ایک قیراط روزانہ اُجرت پر چراتا تھا۔ حضرت داؤدؑ، حضرت ادریسؑ اور بعض دوسرے انبیا کی نسبت حدیث میں ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے عمل سے کماتے تھے۔ صحابۂ کرامؓ اور بہت سے بزرگان قوم کا ذریعۂ معاش اُن کے ہاتھ کی کمائی رہا ہے۔

حرام مال عبادت کو غیر مقبول بنا دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں سے چند یہ ہیں:

حرام مال سے پلا ہوا جسم جنت میں نہیں جاتا۔ اُس کی دُعا مقبول نہیں ہوتی جس نے کسی کی ایک بالشت زمین ظلم سے دبالی قیامت میں اُسے لعنت کا طوق پہنایا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ حلال روزی طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور حلال مال حاصل کرنے کی کوشش کا اجر جہاد کے برابر ہے۔

یہ تو تھیں معاملات کے باب میں قرآن و سنّت کی بنیادی ہدایات۔ رہیں ہر معاملے پر ان ہدایات کی روشنی میں مجتہدین کی رائیں تو اُن کی تفصیل بھی جاننا ضروری ہے مگر پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ حرام چیزیں ہیں کیا کیا؟

معاملات کے مسائل بیان کرنے سے پہلے فقہ کی کتابوں میں باب الحظر والاباحۃ یعنی حلال و حرام چیزوں کا بیان ہوتا ہے۔

حلال اور حرام چیزیں جو جانور حرام قرار دیے گئے ہیں اُن کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، اِلّا یہ کہ کوئی شدید ضرورت لاحق ہو جائے۔ ہاں اگر

اُن کے سینگ اور چمڑے کو دَباغت (پکانے) کے بعد استعمال کیا جائے یا خرید و فروخت کی جائے یا اُن سے کوئی سامان تیار کر کے بیچا جائے تو جائز ہے لیکن سور کا چمڑا یا اُس کی کوئی چیز کسی حال میں جائز نہیں۔

۲۔ مردار۔ مرے ہوئے جانور کا گوشت (بڑی جانور کا) بیچنا حرام ہے۔ اُس کے چمڑے کا وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا۔

۳۔ نشہ آور چیزیں مثلاً ہر قسم کی شراب، تاڑی، افیون، بھنگ، گانجا، چرس وغیرہ حرام ہیں۔

۴۔ تمام زہریلی چیزیں مثلاً سنکھیا وغیرہ حرام ہیں۔

۵۔ سونے چاندی کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے مگر اُسی حد تک کہ مناسب زینت ہو جائے۔ مردوں کے لئے اُن کا استعمال حرام ہے اور اُن سے بنے ہوئے برتن، چمچے، خاص دان، گھڑی اور آئینے کا استعمال جائز نہیں ہے۔

۶۔ مردوں کو ریشمی کپڑوں کا استعمال جائز نہیں یعنی خالص ریشم سے بنے ہوئے کپڑوں کا۔

۷۔ سُود اور اُس کی جتنی بھی قسمیں ہیں سب حرام ہیں۔

۸۔ جُوا اور اُس کی جتنی بھی قسمیں ہیں مثلاً لاٹری، سٹہ بازی، گھڑ دوڑ پر شرط لگانا، غائب مال کی خرید و فروخت، دھوکہ اور فریب دے کر تجارت کرنا۔ یہ سب اعمال ناجائز اور حرام ہیں۔

۹۔ ناچ گانا اور سامانِ رقص و سرود بنانا۔

۱۰۔ جاندار کی مصوری یا فوٹو گرافی۔ ایسی تصویریں اور فلمیں بنانا جن میں ناچ گانے اور عورتوں کی نمائش ہو۔

حلال اور حرام جانور

پرندوں اور چوپایہ جانوروں کی تفصیل جن کا کھانا حرام ہے ذیل میں دی جاتی ہے (۱) ایسے تمام پرندوں کا گوشت حرام ہے جو پنجوں سے شکار کرتے ہوں مثلاً شکرا۔ باز۔ شاہین، گدھ، عقاب، چیل وغیرہ۔ وہ پرندے جن کے پنجے تو ہیں لیکن اُن سے شکار نہیں کرتے جیسے کبوتر، فاختہ وغیرہ وہ حلال

ہیں۔ ہُدہُد، لٹورا جو چڑیوں کا شکار کرتا ہے (جس کی مخصوص غذا گوشت ہے) اُلو، چمگادڑ، جنگلی ابابیل، چیتکبرا کوا جو مردار کے سوا کچھ نہیں کھاتا، یہ سب حرام ہیں، البتہ کھیت کا کوا جس کا رنگ کالا ہوتا ہے اور چونچ پاؤں سرخ ہوتے ہیں حلال ہے۔ پرندوں میں سے ہر قسم کے چڑے، بٹیر، چنڈول، بھٹ تیتر، چکور، بلبل، طوطا، شتر مرغ، مور، سارس، بطخ، مرغابی دوسرے مشہور پرندے اور ٹڈی حلال ہیں۔

۲۔ وہ تمام درندہ جانور جو کچلیوں سے دوسروں پر حملہ کرتے ہیں حرام ہیں جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ، ہاتھی، بندر، تیندوا، گیدڑ، بلی۔ ان میں وہ کچلی کے دانت والے جانور داخل نہیں ہیں جن کی کچلیاں تو ہوں لیکن اُن سے حملہ نہ کرتے ہوں جیسے اونٹ کہ وہ حلال ہے۔ پالتو گدھا، گھوڑا اور خچر حرام ہیں۔ مالکی فقہاء کے نزدیک خچر اور گدھا مکروہ اور گھوڑے کا گوشت کراہت کے ساتھ روا ہے، فقہائے احناف کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ ہرن، نیل گائے کی تمام قسمیں، بھینس، بیل، گائے بکری، بھیڑ اور دنبہ حلال ہیں، نیولا، گوہ، بجو، لومڑی، سنجاب، سموربھی اور فنک (لومڑی جیسا جانور جس کی کھال نہایت نرم ہوتی ہے) حلال نہیں ہیں۔

۳۔ حشرات الارض (زمین کے کیڑے مکوڑے) کھانا حرام ہے جیسے بچھو، سانپ، چوہا مینڈک، چیونٹی وغیرہ۔

۴۔ دریائی جانور جو پانی میں رہتے ہیں حلال ہیں اگرچہ اُن کی شکل مچھلی جیسی نہ ہو جیسے بام مچھلی جس کی شکل سانپ جیسی ہوتی ہے، غرض سوائے مگرمچھ کے تمام اقسام کی مچھلیاں حلال ہیں، فقہائے احناف کے نزدیک وہ دریائی جانور جو مچھلی سے مشابہ نہ ہو حلال نہیں ہے، اور مچھلیوں میں طافی کا کھانا جائز نہیں، طافی وہ مچھلی ہے جو پانی میں طبعی موت مر کر پلٹ گئی ہو، پیٹ اوپر اور پیٹھ نیچے ہو گئی ہو۔

۵۔ کچھوا حرام ہے خشکی کا ہو یا دریائی ہو جو ترسہ کے نام سے مشہور ہے یہ خشکی میں بھی رہتا ہے اور تری میں بھی۔

۶۔ سور اور کتا اور مرا ہوا ہر جانور (جو شریعت کے مطابق ذبح کئے بغیر مر جائے) حرام

ہے۔ خون حرام ہے (جگر اور تلی خون میں شامل نہیں اس لئے وہ حلال ہیں) وہ حلال جانور جو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو (منخنقہ) یا کسی آلے سے ضرب لگا کر مارا گیا ہو (موقوذہ) یا بلندی سے گر کر ہلاک ہوا ہو (متردّیہ) یا کسی دوسرے جانور نے سینگ وغیرہ مار کر ہلاک کر دیا ہو (نطیحہ) ان سب کا گوشت کھانا حرام ہے، سوائے اس کے کہ مرنے سے پہلے انھیں ذبح کر لیا جائے اور وقتِ ذبح اُن میں زندگی کے آثار پوری طرح پائے جاتے ہوں۔

دوسری حلال و حرام اشیاء

اوپر حرام جانوروں کی تفصیل بیان کی گئی تو جو جانور حرام ہیں اُن کی خرید و فروخت بھی بغیر کسی عذر شرعی کے حرام ہے۔ اگر ان کے سینگ کھال اور چمڑے کو دباغت کر کے یعنی پکا کر استعمال کیا جائے یا ان کی خرید و فروخت کی جائے یا اُن سے سامان بنوا کر بیچا جائے تو جائز ہے لیکن سور کا چمڑا یا اُس کی اور کوئی چیز کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ ہر مُردار جانور کا گوشت یا چمڑا بیچنا حرام ہے، البتہ مدبوغ (پکایا ہوا) چمڑا اگر کوئی بیچے تو جائز ہے۔

۲۔ ہر ایسی چیز جو انسان کے بدن یا اس کی عقل کے لئے نقصان دہ ہو اس کا باہمی لین دین حرام ہے مثلاً افیون، بھنگ، گانجا، چرس، کوکین اور ایسی ہی وہ تمام اشیا جو نشہ آور نقصان رساں یا زہریلی ہوں۔

پینے کی اشیا جو حرام ہیں

شریعت اسلامی میں شراب کا پینا سخت حرام ہے، کبیرہ گناہ اور بدترین جرم ہے کیونکہ اس میں اخلاقی جسمانی اور اجتماعی نقصانات ہیں، اس کا حرام ہونا کتاب اللہ، سنت نبوی اور اجماع امت سے ثابت ہے، قرآنِ کریم میں ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝ (سورۂ مائدہ۔ ۹۰-۹۱)

اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور یہ بت اور پانسے گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔ امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور

جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟

اس آیت میں شراب کے حرام ہونے کی دس دلیلیں ہیں (۱) شراب کو جوئے، بُت اور پانسوں کے تیروں کی طرح بُرا قرار دیا گیا (۲) رجس یعنی گندگی جیسی مکروہ چیز (۳) شیطانی عمل ہونا (۴) پرہیز کے قابل چیز (۵) نجات اس کے ترک پر منحصر ہونا (۶) شیطان اسے باہمی عداوت پیدا کرنے میں استعمال کرتا ہے (۷) اُسے کینے کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے (۸) اللہ کی یاد سے باز رکھنا چاہتا ہے (۹) نماز سے روک دینا چاہتا ہے (۱۰) اس سے باز نہ آنے والوں کو سخت تہدید ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن" شراب پینے والا پیتے وقت مومن نہیں رہتا۔

تمام اُمت اور ائمہ مسلمین کا اجماع ہے کہ شراب حرام ہے اُس کا پینا بدترین گناہ اور شدید ترین جرم ہے۔

خَمر کے معنی ہیں عقل پر پردہ ڈالنے والی چیز، تو جو چیز عقل کو خبط کر دینے والی ہو وہ خمر ہے خواہ وہ انگور سے بنائی جائے یا کھجور یا شہد یا گیہوں یا جَو یا کسی اور چیز سے تیار کی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح بھی فرمادی ہے کہ "ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام" (جو زیادہ مقدار میں نشہ آور ہو وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے) خواہ نشہ نہ لائے۔ انگور سے بنی ہر قسم کی شراب خواہ وہ خمر ہو (جو شیرہ انگور کا خمر اُٹھا کر اور جوش دے کر بنائی جاتی ہے) یا باذق (بادہ) ہو جو شیرہ انگور کو دو تہائی تحلیل کر کے بنتی ہے یا مُنصَّف (یعنی دو آتشہ) یا مُثلَّث یعنی سہ آتشہ ہو۔ سب حرام ہیں اسی طرح سکر (تازہ کھجوروں کو بھگو کر بنائی گئی) اور فضیخ (خشک کھجور کو پانی میں بھگو کر بنائی گئی) اور نبیذ التمر (کھجوروں کا پانی جوش دے کر بنائی ہوئی) یہ سب جب نشہ آور ہو جائیں حرام ہیں خواہ زیادہ ہوں یا ایک ہی قطرہ ہو۔ یہی حکم کشمش، منقیٰ وغیرہ کا ہے جب اُنھیں جوش دے کر نشہ آور بنا لیا جائے۔ کھجور اور انگور کا مرکب مشروب یا شہد، زیتون اور جَو وغیرہ سے تیار شدہ ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو جائے حرام ہے۔ ان شرابوں کی تھوڑی مقدار کا حکم بھی وہی ہے جو کثیر مقدار کا ہے۔ ہر مکلّف عاقل (جس پر شریعت کے احکام عائد ہوتے ہیں) شراب حرام ہے۔ مجبور و ناچار پر نہیں۔

جس طرح پینا حرام ہے، اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، ارشاد نبوی ؐ ہے:

ان الذی حرم شربہا حرم بیعھا۔	جس ذات پاک نے اس کا پینا حرام کیا ہے اُسی نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کردی ہے۔

حضرت انس ؓ بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے متعلق دس شخصوں پر لعنت کی ہے (۱) اس کا نچوڑنے والا (۲) اس کا نچڑوانے والا (۳) پینے والا (۴) اُٹھاکر لانے والا (۵) جس کیلئے لائی جائے (۶) اس کا پلانے والا (۷) بیچنے والا (۸) اس کی قیمت کھانے والا (۹) اس کا خریدنے والا اور (۱۰) وہ شخص جس کے لئے خریدی جائے (ابن ماجہ و ترمذی) شراب کو بطور دوا استعمال کرنا بقول معتمد حرام ہے، اُس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا کہ "شراب دوا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لیست بدواء انماھی داء" (یہ دوا نہیں۔ یہ مرض ہے) (مسلم) نبی کریم ؐ نے فرمایا:

ان اللہ عزّ وجلّ انزل الداء والدواء وجعل لکل داءٍ دواءً ولا تداووا بحرام۔	اللہ نے مرض اور علاج دونوں نازل فرمائے اور ہر مرض کی دوا پیدا کی۔ تم حرام چیز کے ساتھ علاج نہ کیا کرو۔

انگور کا رس تازہ نچوڑ کر پینا حلال ہے، فقاع جو گیہوں اور کھجور سے اور بعض کے نزدیک دوسرے میووں کے رس سے بنایا جاتا ہے جائز ہے۔ تمام وہ مشروبات جن میں نشے کا اندیشہ نہ ہو مباح ہیں لیکن اگر تُندی و نشاط ہو جھاگ اور پھین آجائے تو حرام ہوگا اور نجس قرار دیا جائے گا اور نشہ آنے پر حد ماری جائے گی۔ تاڑی، افیون، بھنگ، گانجا، چرس وغیرہ نشہ آور چیزیں ہیں لہذا یہ سب حرام ہیں۔

زہریلی چیزیں حرام ہونا ہر وہ چیز جو ضرر رساں ہو اور سمیت پیدا کرنے والی ہو خواہ وہ سریع التاثیر ہو جیسے سنکھیا وغیرہ یا جس کے بُرے اثرات بعد میں ظاہر ہوتے ہوں حرام ہیں۔

حرام وحلال لباس ایسا لباس جو مال حرام سے یا دھوکے اور بد دیانتی سے حاصل کیا گیا ہو پہننا حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اللہ

تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا اور نہ روزہ جس نے چادر یا کرتا حرام کمائی کا پہن رکھا ہو جب تک اُسے ہٹا نہ دے۔" اسی طرح فخر اور تکبر کے بطور لباس پہننا حرام ہے، مردوں کو ریشم کا لباس پہننا حرام ہے، اُن کو زعفرانی رنگ والا اور سرخ رنگ والا لباس پہننا مکروہ ہے عورتوں کو ریشم کا لباس اور ہر طرح سے اس کا استعمال حلال ہے اور ہر رنگ کا لباس پہننا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

ریشم کی بنی ہوئی جانماز پر نماز پڑھنا مردوں کو جائز ہے تسبیح کا ریشمی ڈورا، قرآن شریف کا ریشمی غلاف بنانا جائز ہے۔ کعبے پر ریشم کا غلاف چڑھانا بالکل جائز ہے۔ ایسا لباس مرد کے لئے حلال ہے جس میں ریشم کے ساتھ روئی یا کتان یا اون ملا ہوا ہو مگر ضروری ہے کہ ریشم برابر کا ہو یا کم ہو اگر ریشم کا حصہ زیادہ ہوا تو ناجائز ہے، ریشم کا حاشیہ یا گوٹ اور بیل بھی جائز ہے بشرطیکہ چار انگل سے زیادہ چوڑی نہ ہو۔

سونے چاندی کا استعمال

سونے چاندی کا استعمال بجز ان صورتوں کے جو انھیں استعمال کرنے کی متقاضی ہوں، حرام ہے۔ حرمت کا سبب یہ ہے کہ نقدی جس سے عام لوگ کاروبار کرتے ہیں کمیاب ہو جاتی ہے اور نادار لوگوں پر معیشت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے۔ صرف عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ سونے چاندی سے خود کو آراستہ کریں کیونکہ عورت کے لئے زیب و زینت ضروریات میں سے ہے لہٰذا وہ سونے چاندی کے زیورات پہن سکتی ہے، اسی طرح مرد کو بھی چاندی کی انگوٹھی پہننا روا ہے کیونکہ بعض اوقات اس کو نگینے پر نام نقش کرانے کی ضرورت پڑتی ہے جیسے قاضی اور حاکم کو بطور مُہر کے اور یہ سنت بھی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی انگوٹھی دو درہم کے برابر تھی اس سے زیادہ وزن کی انگوٹھی نہ ہونا چاہئیے اور ایک سے زیادہ انگوٹھیاں پہننا بھی مرد کے لئے جائز نہیں۔ سونے چاندی کے برتن رکھنا اور ان میں کھانا پینا حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تشربوا فی آنیۃ الذھب	سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو نہ
والفضۃ ولا تاکلوا فی صحافھا	ان کے بنے ہوئے پیالوں میں کھاؤ یہ دنیا
فانھا لھم فی الدنیا ولکم	میں ان کے لئے اور آخرت میں تمہارے

فی الآخرۃ۔ لئے ہیں۔

جس طرح ان کا استعمال حرام ہے اسی طرح اُن کا رکھنا بھی حرام ہے' اس سے بنے ہوئے چمچے، آئینہ، عطردان، پاندان، خاصدان اور گھڑی وغیرہ چائے اور قہوے کی پیالی سگریٹ کیس' حقہ کی مُنہنال' یہ سب ناجائز ہیں۔

شکار اور ذبیحے اور ان میں حلال وحرام

جن جانوروں کا کھانا حلال ہے اُن میں سے جو جانور شکار کرنے کے قابل ہوں اُن کا شکار کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس سے کسی کو بے آرامی یا نقصان نہ ہو اور شکار کی غرض محض لہو و لعب (کھیل) نہ ہو کیونکہ ایسی صورتوں میں شکار کرنا حرام ہے۔

شکار کی اجازت:۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:۔

يَسْئَلُونَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ (مائدہ۔ ۴)

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ اُن کے واسطے کیا کیا حلال گیا ہے تو اُنھیں بتا دو کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ وہ شکاری جانور جنھیں تم نے سدھایا ہے اور اُنھیں وہ کچھ سکھا رکھا ہے جو تمہیں اللہ نے سکھایا تو اگر وہ (سدھے ہوئے جانور تمہارے لئے شکار کو دبوچ رکھیں تو وہ کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو۔

اسی طرح یہ ارشاد فرمایا ہے' اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (جب حج سے فارغ ہو چکو تو شکار کر سکتے ہو) ان آیات سے شکار شدہ جانور کا حلال ہونا ثابت ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابو ثعلبہؓ سے روایت موجود ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں ایسی سرزمین میں ہوں جہاں شکار دستیاب ہیں' میں اپنی کمان سے اور سدھائے ہوئے کتے سے اور بے سدھائے کتے سے شکار کیا کرتا ہوں کیا یہ باتیں ٹھیک ہیں' آپؐ نے فرمایا' جو تم نے تیر سے شکار کیا اور اللہ کا نام لے کر تیر چلایا تو اُسے کھاؤ' اور جو سدھائے ہوئے کتے سے شکار کیا اور اللہ کا نام لے لیا تو وہ بھی کھاؤ اور بے سدھائے کتے سے جو شکار کیا تو اگر اُسے ذبح کر سکے تو کھاؤ۔

امام مسلم نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رمیت بسھمك فاذکر اسم اللہ فاذا وجدتہٗ میتا فکل الا ان تجدہ قد وقع فی الماء فمات فانك لا تدری آلماء قتلہ او سھمك۔	یعنی تیر چلانا ہو تو اللہ کا نام لے کر چلاؤ اب اگر شکار مر جائے تب بھی کھا سکتے ہو لیکن اگر وہ پانی میں جا پڑا اور مر گیا تو تمہیں کیا معلوم کہ اُس کی موت پانی سے ہوئی یا تمہارے تیر سے (یعنی پانی میں مر جانے والا جانور کا کھانا جائز نہیں)

عدی بن حاتمؓ نے دریافت کیا تھا کہ معراض سے شکار کرنے کا کیا حکم ہے، معراض ایسا تیر ہے جس کے دونوں پہلو دھار دار ہوتے ہیں اور بیچ سے موٹا ہوتا ہے، زخم پہلوؤں سے لگتا ہے نوک سے نہیں لگتا تو آپؐ نے فرمایا:

اذا اَصَبْتَ بِحَدِّہٖ فکل و اذا اَصَبْتَ بِعَرْضِہ فلا تاکل فانہ وقیذ۔ (بخاری ومسلم)	یعنی اگر شکار تیر کے پہلو سے زخمی ہوا ہے تو کھاؤ اور اگر درمیان سے ہوا تو نہ کھاؤ کیونکہ وہ وقیذ (چوٹ سے مارا ہوا) ہو جائے گا جو حرام ہے۔

ان احادیث میں شکار کے متعلق اہم احکام ہیں:

اس بات میں سب کا اجماع ہے کہ شکار حلال ہے بشرطیکہ مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:۔

۱۔ جن جانوروں کا شکار حلال ہے اُن میں ایک تو وہ ہیں جن کا کھانا حلال ہے دوسرے وہ جانور ہیں جن کا کھانا حلال نہیں جیسے درندے تو اُن کا شکار کرنا اُن کے ضرر سے محفوظ رہنے کے لئے حلال ہے، اسی طرح دانت اور بال یا کھال سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے بھی شکار کرنا حلال ہے۔

۲۔ جو جانور فطری طور پر انسان سے غیر مانوس ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، جنگلی خرگوش وغیرہ ایسے جانوروں کا شکار جائز ہے لیکن جو جانور انسان سے فطری طور پر یا مستقل طور پر مانوس ہو جائیں تو ایسے حلال جانور بغیر ذبح کئے حلال نہیں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی جانور بے قابو

ہو جائے اور قابو میں لانا دشوار ہو تو عقر کر کے کھایا جا سکتا ہے، عقر کے معنی یہ ہیں کہ تیر یا نیزے وغیرہ سے بدن کے کسی حصّے کو زخمی کر دیا جائے کہ خون اس کے جسم سے بہہ جائے اور اُسی زخم سے ہلاک ہوا ہو اور عقر کرتے وقت تذکیہ (ذبح کرنے) کی نیت رہی ہو۔ ایسے جانور جو پکڑے جا سکتے ہیں وہ شکار کے ذریعے حلال نہ ہوں گے جیسے مرغی، پالتو بط، ہنس اور کبوتر بخلاف جنگلی کبوتر کے کہ ان میں وحشت ہوتی ہے اور گرفت میں نہیں آتے لہذا ان کا شکار حلال ہے۔

۳۔ ایک شرط یہ ہے کہ اس جانور کا کوئی دوسرا شخص مالک نہ ہو۔ اُس کا کوئی دوسرا مالک ہو تو شکار حرام ہے۔

۴۔ اگر شکار شدہ جانور زندہ ہاتھ آیا ہو تو بغیر ذبح کئے حلال نہ ہوگا

شکاری سے متعلق شرائط

۱۔ مسلمان یا اہل کتاب کا مارا ہوا شکار حلال ہے۔ مجوسی، بت پرست، اسلام سے مرتد ہو جانے والا، دہریہ اور وہ شخص جو الہامی کتابوں میں سے کسی کا پیرو نہ ہو اُس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں ہے۔ اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی یہ کہ اس جانور پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ پکارا گیا ہو، دوسری یہ کہ وہ جانور اُس کا اپنا مال ہو کسی دوسرے کا نہ ہو، تیسری شرط یہ کہ وہ جانور ایسا ہو جو اہلِ کتاب کی شریعت میں بھی حلال ہو اور ہماری شریعت میں بھی۔ اگر وہ جانور ہماری شریعت میں حلال اور شکار کرنے والے اہل کتاب کے یہاں حرام ہو تو وہ شکار بھی حرام ہوگا جس طرح دوسرے حرام جانوروں کا شکار ہمارے لئے حرام ہے۔

۲۔ جن لوگوں کا ذبیحہ حلال نہیں اُن کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار بھی حلال نہیں مثلاً نابالغ جو باشعور نہ ہو، پاگل جو حالت جنون میں ہو، بدمست جو مدہوش ہو، ہیجڑا اور عورت اور بدکار انسان

۳۔ ذبح یا شکار کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو کسی اور کے نام لینے سے شکاری کا مارا ہوا شکار حلال نہ ہوگا، اگر تیر چلانے اور شکاری جانور کو چھوڑنے کے وقت بسم اللہ کہہ لیا تو اب اس سے جو شکار بھی ہوگا وہ حلال ہوگا، اگر کوئی تیر اُٹھا کر شکار کے لئے اللہ کا نام لیا لیکن اُس تیر کو چھوڑ کر کوئی اور تیر بغیر اللہ کا نام لئے چلا دیا تو شکار حلال نہ ہوگا، بخلاف اس کے اگر ہاتھ میں چھری لیکر

ذبح کرنے کے لئے بسم اللہ کہا لیکن اُس چھری کو چھوڑ کر کسی اور چھری سے دوسری بار بسم اللہ کہے بغیر ذبح کیا تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا کیونکہ ذبح کے وقت اللہ کا نام جانور پر لیا جاتا ہے اور شکار کے وقت اُس آلہ پر جس سے شکار کیا جاتا ہے۔

۴۔ شکاری کتے یا شکاری جانور کو شکار کے لئے چھوڑا گیا ہو خواہ شکاری نے خود چھوڑا ہو یا خادم کو چھوڑنے کا حکم دیا ہو، شکار کا حکم دینے والے کی نیت اور اللہ کا نام لینا کافی ہے لیکن اگر شکار کرنے والے یا ذبح کرنے والے نے جانور کو حلال کرنے کی نیت نہ کی مثلاً کسی جانور کو کسی آلہ سے ضرب لگائی جس سے اُس کا گلا زخمی ہوگیا اور وہ مر گیا تو وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ اس ضرب سے جانور کو حلال کرنے کی نیت نہ تھی۔ بعض فقہاء کے نزدیک شکار کرنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس نے کسی معین جانور کو شکار کرنے کا ارادہ کیا ہو، اب اگر نشانہ ٹھیک بیٹھے تو اُس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اگر نشانہ خطا ہوگیا اور جس پر نشانہ لگایا اُس کے بجائے اُس کے کسی ہم جنس کو لگ گیا تو اُس کا کھانا جائز ہے مثلاً ہرن کی ڈار پر تیر چلایا اور اُس سے کوئی بھی ہرن گھائل ہوگیا تو اُس کا کھانا حلال ہے کیونکہ ارادہ ہرن کو شکار کرنے کا تھا، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کسی خاص جانور کا ارادہ کیا اور کوئی دوسرا شکار ہوگیا۔ لیکن اگر نہ تو کسی متعین جانور کا ارادہ کیا اور نہ کسی جنس کا بلکہ دھار دار ہتھیار کسی جانور کے لگ گیا جس سے خون بہہ گیا یا ذبح ہوگیا تو حلال نہ ہوگا کیونکہ ذبح کرنے کی نیت ہی سرے سے نہ تھی۔

آلات شکار کے شرائط

شکار دو قسم کے آلات سے کیا جاتا ہے، پہلی قسم بے جان آلات کی ہے جیسے تیر، نیزہ، بلم، تلوار اور خنجر، دوسری قسم جاندار آلات کی ہے جس کی مثال شکاری جانور ہیں، کتا جسے شکار کرنے کے لئے سدھایا گیا ہو یا شیر، تیندوا اور چیتا جس کو تربیت دیکر سدھایا گیا ہو، اسی طرح شکرا، باز، عقاب و شاہین۔

پہلی قسم کے آلات سے حلال شکار ہونے کی شرط یہ ہے کہ جانور آلے کی دھار یا نوک کے زخم سے مرا ہو لیکن اگر دھار یا نوک کے بجائے ان آلات کے دوسرے حصوں کی ضرب سے مرا اور اُسے زندہ پاکر ذبح نہیں کیا گیا تو وہ مُردار ہے جیسے لکڑی لاٹھی یا پتھر کی چوٹ کھاکر مر جائے تو وہ حلال نہ ہوگا۔

گولی یا چھرے کا زخم کھاکر اگر زندگی باقی رہ گئی اور اُسے ذبح کرلیا تو وہ حلال ہو گیا۔ متاخرین فقہانے گولی سے مارا ہوا جانور حلال قرار دیا ہے کیونکہ گولی لگنے سے خون بہتا ہے۔ زخم کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ پھاڑنے والا ہو اگر سوراخ والا زخم ہو تب بھی صحیح ہے، گولی سے شکار کرنے میں یہ شبہ رہتا ہے کہ شکار کی موت زخم سے ہوئی ہے یا چوٹ سے، اگر یہ یقین ہو جائے کہ زخم کھا کر خون بہنے کے بعد موت ہوئی ہے تو حلال ہوگا ورنہ جب تک وہ فی الواقع زندہ ہاتھ نہ آئے اور اُسے حلال نہ کرلیا جائے اُس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔ چھرے سے شکار کئے ہوئے جانور کا حکم بھی گولی سے شکار کئے گئے جانور کی طرح ہے۔

شکار کے حلال ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ شکار کے ہتھیار سے جانور کا کوئی عضو بدن زخمی ہو جائے اور وہاں سے خون بہے اور ایک شرط یہ ہے کہ اس شکار کا اُسی تیر یا کسی آلۂ شکار سے مرنا ثابت ہو اور اس کی موت میں کسی اور سبب کو دخل نہ ہو مثلاً کسی شکار پر تیر چلایا اور وہ زخمی ہو گیا لیکن کہیں ایسے پانی میں جا پڑا جہاں ڈوب کر مر جانے کا احتمال ہے، اب اگر وہ وہاں مردہ پایا گیا تو وہ حلال نہ ہوگا، کیونکہ مرنے کے بعد دو سبب ہو گئے، ایک ایسا تھا کہ اُس کا کھانا حلال ہے یعنی تیر کا زخم اور دوسرا سبب ایسا تھا جو حلت سے مانع ہے یعنی پانی میں ڈوب کر مرنا اب احتیاطاً اس سبب کو ترجیح دی جائے گی جو اس کے حلال ہونے سے مانع ہے۔

اگر شکار آلۂ شکار سے ایسا زخمی ہوا کہ دو ٹکڑے ہو گیا تو اس کے تمام اجزا حلال ہیں لیکن اگر ایسا عضو کٹا کہ اس کے بغیر اس جانور کے زندہ رہنے کا امکان ہے مثلاً ہاتھ پیر یا ران۔ پھر اُسے ذبح کرلیا جائے تو اُس کا کھانا حلال ہے لیکن وہ عضو جو کٹ کر الگ ہو گیا ہے حرام ہوگا کیونکہ زندہ جانور سے جو حصہ جُدا ہو جائے مردار ہوتا ہے۔ اگر کٹا ہوا حصہ بالکل علیحدہ نہ ہوا ہو اور گوشت کے ساتھ لٹکا ہوا ہو تو یہ وابستہ حصہ ذبیحہ کے حکم میں ہے۔

شکاری جانوروں کے ذریعے شکار کرنے کے شرائط یہ ہیں کہ شکاری جانور خواہ وہ منہ سے بھنبھوڑ کر شکار کرتا ہو جیسے کتا چیتا وغیرہ یا پنجوں سے شکار کرتا ہو جیسے باز، شاہین وغیرہ وہ سدھا لیا گیا ہو، قرآن میں تُعَلِّمُوْهُنَّ کا لفظ ہے (جنھیں تم نے سکھالیا ہو) اور ایسا سدھایا گیا ہو کہ وہ شکار کو دبوچ رکھے، قرآن میں ہے فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (پس کھاؤ جس کو تمہارے لئے پکڑ رکھا

ہے جانور کا سدھا ہونا چار باتوں پر موقوف ہے (۱) اُسے شکار پر چھوڑتے وقت اگر روکا جائے تو رُک جائے (۲) جب شکار پر چھوڑا جائے تو شکار کرنے کے لئے تیار ہو جائے یعنی مالک کا اشارہ پاتے ہی جھپٹ پڑے (۳) شکار کو پکڑ کر مالک کے لئے روک رکھے۔ چھوڑے نہیں (۴) اس میں سے خود کچھ نہ کھائے۔

پنجوں سے شکار کرنے والے جانور کا سدھا ہوا ہونے کی پہچان یہ ہے کہ جس وقت اس کو شکار پر چھوڑا جائے تو وہ مالک کی اطاعت کرے اور جب واپس بلایا جائے تو واپس آجائے' رہا شکار نہ کھانا تو یہ شرط شکاری پرندوں کے لئے لازم نہیں ہے لہذا شکاری پرندوں کا مارا ہوا شکار حلال ہے گو اس میں سے کچھ کھایا ہو اور شکار زخمی ہو لیکن گلا دبوچ کر مارا ہوا شکار مباح نہیں ہے۔

اگر شرائط مندرجہ بالا میں سے کوئی شرط شکاری جانور کے تربیت یافتہ ہونے کی نہ پائی گئی تو شکار حلال نہ ہوگا' البتہ اگر زندہ ہاتھ آجائے اور اُس کو ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہو جائے گا۔

حرام جانور جن کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو خواہ ہاتھ سے یا مشین سے' جو کسی چیز سے ٹکرا کر یا کسی ضرب سے مرا ہو، جو اوپر سے گر کر مرا ہو' جو کسی دوسرے جانور سے لڑ کر یا اُس کے سینگ مار دینے سے مرا ہو، جس کو کسی درندے نے مار ڈالا ہو اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

چند اور حرام چیزیں وہ تمام معاملے جن میں سود کی آمیزش ہو حرام ہیں' اس کی تفصیل الگ سے بیان ہوگی' اسی طرح جُوا اور اُس کی تمام قسمیں حرام ہیں مثلاً لاٹری، سٹہ بازی، پانسہ پھینکنا، شرط لگا کر مقابلہ کرنا، خرید و فروخت کا معاملہ ایسے وقت کرنا جب کہ مال موجود نہ ہو وہ تجارت جس میں دھوکہ یا فریب کو دخل ہو' یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ ناچ گانا اور ناچنے گانے کا سامان، فلم سازی اور تصویر سازی جس میں رقص و سرود اور عورتوں کی نمائش ہو شریعت اسلامی میں منع ہے۔

وہ چیزیں جن کا استعمال حرام ہے لیکن خرید و فروخت حرام نہیں ریشمی کپڑوں اور سونے چاندی کا استعمال مردوں پر حرام ہے لیکن وہ عورتوں کے لئے ریشمی کپڑوں اور سونے چاندی کے زیوروں

کو خرید اور بیچ سکتے ہیں، حرام جانوروں اور مردار کا گوشت اور چربی حرام ہے مگر ہڈی، سینگ وبال کی خرید وفروخت جائز ہے کیونکہ ان سے ایسی چیزیں بنائی جاتی ہیں جن کو سب استعمال کر سکتے ہیں، اسی طرح مردار کی کھال کو پکانے یعنی دباغت کرنے سے پہلے استعمال کرنا اور بیچنا ناجائز ہے لیکن اگر اُسے پکا لیا جائے اور اُس کے بعد فروخت کر دیا جائے تاکہ اس کے جوتے یا بکس وغیرہ بنائے جائیں تو جائز ہے مگر سور کی کوئی چیز کسی حال میں حلال نہیں ہے، اسی طرح مردار جانور کی چربی اگر کسی چیز پر لگانے کے کام میں لائی جائے تو بعض فقہاء کے نزدیک مباح ہے۔

اسپ دوانی اور تیر اندازی کے مقابلے

گھوڑ دوڑ یا شتر دوانی یا تیر اندازی کے مقابلے جب جہاد اور علاقائی تحفظ کے لئے کرائے جائیں وائمۂ فقہ کے نزدیک یہ سنت طریقہ ہے، حدیث صحیح میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمرۃ (چھریرے بدن کے) گھوڑوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ اسی طرح تمام ایسے مقابلے جن سے مقصد جسمانی ورزش اور قوت جہاد حاصل کرنا ہو رَوا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ یعنی دشمنان دین سے مقابلے کی تیاری کے لئے جہاں تک ہو سکے اپنی طاقت بڑھاؤ۔

فقہاء کے نزدیک ایسے تمام مقابلے جو جنگی کارروائیوں میں کارآمد ہوں اور جن کی غرض مشق وطاقت کو بڑھانا ہو اور پھر نہ کسی کے لئے مضرت رساں ہوں اور نہ معاوضہ کی شرط ہو تو سب حلال ہیں اور اگر دل بہلانے اور کھیل کے لئے ہوں جیسے پانسہ پھینکنا اور شطرنج کھیلنا تو حرام ہیں۔

گھوڑ دوڑ شتر دوانی یا تیر اندازی پر انعام کی شرط لگانا اس صورت میں جائز ہے جب فریقین مقابلہ میں سے صرف ایک فریق یہ کہے کہ اگر تم سبقت لے گئے تو یہ انعام تم کو دوں گا اور اگر میں جیت گیا تو تم سے کچھ نہ لوں گا یا کوئی تیسرا شخص یوں کہے کہ مقابلہ کرنے والوں میں جو بازی لے جائے گا میں اُس کو اس قدر انعام عطا کروں گا اگر مقابلہ کرنے والوں میں ہر ایک کی طرف سے مال شرط پر لگایا جائے تو حلال نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں جُوا ہو جائے گا۔ گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کرنے والوں کے لئے یہ شرط ہے کہ ہر ایک اپنے ساتھی کے گھوڑے کی رفتار سے بے خبر ہو اور یہ کہ معاوضہ یا انعام کوئی دیانت دار شخص مقرر کرے جو خود مقابلے میں حصہ لینے والا نہ ہو پھر اگر کسی شخص نے

جیتنے والے کے لئے کوئی انعام پیش کیا تو سبقت لے جانے والے کو اُس کا لینا حلال ہے۔ اسی طرح اگر مقابلہ کرنے والوں میں سے ایک نے یہ شرط لگائی کہ اگر فریق مقابل بازی لے جائے تو وہ اس قدر مال یا رقم اُسے دے گا لیکن دوسرے نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی اور وہی مقابلہ جیت گیا تو معاوضہ لینا حلال ہوگا اور اگر معاوضہ دینے والا سبقت لے گیا تو اُسے کسی سے کچھ لینے کا حق نہیں ہے بلکہ اُسے رقم حاضرین میں تقسیم کر دینا ہوگی لیکن اگر دونوں میں سے ہر ایک نے معاوضہ دینے کی شرط کی کہ جو جیتے وہ لے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جوئے کی شکل ہے البتہ اگر دو نے شرط لگائی اور ایک تیسرا شخص اور شامل ہوگیا جس نے معاوضہ کی کوئی شرط نہیں کی تو یہ طریقہ جائز ہے بشرطیکہ یہ تیسرا شامل ہونے والا شخص اپنے ساتھیوں کے گھوڑوں کی رفتار سے بے خبر ہو لیکن اگر اُسے اُن کی رفتار کا علم ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کا اپنا گھوڑا اُن دونوں گھوڑوں سے آگے جائے گا جنھوں نے شرط لگا رکھی ہے تو مسابقت کا عمل جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے "من ادخل فرسًا بین فرسین وھو یعلم انه یسبقھما فھو قمار" (اگر کوئی دو مقابلے میں شریک ہونے والے گھوڑوں میں اپنا گھوڑا مقابلے کے لئے شامل کرے اور جانتا ہو کہ اُس کا گھوڑا اُن دونوں سے آگے جائے گا تو یہ جوا ہے)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں دوڑ کے مقابلے کے لئے معاوضہ یا انعام مقرر کرنا درست ہے اور مقابلے کے فریقوں میں سے ہر ایک کو معاہدہ توڑ دینا روا ہے مگر دوڑ شروع ہوجانے کے بعد جب ایک کی برتری دوسرے پر نظر آنے لگے تو ہارتے ہوئے فریق کو معاہدہ توڑنا جائز نہ ہوگا البتہ برتری حاصل کرنے والا معاہدہ فسخ کر سکتا ہے۔ معاہدے کی صحت پانچ شرطوں پر موقوف ہے۔

۱۔ گھوڑ سواروں کا تعین ایک دوسرے کے سامنے کیا گیا ہو اور شروع سے آخر تک کوئی ردوبدل نہ ہو، یہی بات تیر اندازوں کے لئے ضروری ہے۔

۲۔ گھوڑے باہم ایک نوع کے ہوں، اصیل (عربی) گھوڑے کا مقابلہ ہجین (دوغلے) گھوڑے کے ساتھ صحیح نہیں، اسی طرح عربی کمان (قوس نبل) کا مقابلہ فارسی کمان (قوس نشاب) سے صحیح نہیں۔

۳۔ مسافت اور منزل کی حد مقرر ہو یعنی دوڑ شروع ہونے اور ختم ہونے کے مقامات متعین ہوں اور دوڑ کی ابتدا ایک متعین لمحے سے کی جائے، اسی طرح تیر اندازی کے لئے فاصلہ

اور نشانہ متعین ہو۔

۴۔ معاوضہ جو مقرر کیا جائے وہ سب کو معلوم ہو یا آنکھوں کے سامنے ہو، اور ایک متعین شے ہو اور کوئی حرام شے نہ ہو جیسے سور یا شراب۔

۵۔ جوئے سے مشابہت نہ ہو یعنی تمام شرکا کی طرف سے مال کی پیش کش شرط نہ ہو۔

وہ چیزیں جو حالات کی تبدیلی سے جائز یا ناجائز ہو جاتی ہیں

خالص ریشمی کپڑے پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں عورتوں کے لئے جائز ہے۔ چاندی سونے کی بنی ہوئی چیزوں کا استعمال صرف عورتوں کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ زیور کی شکل میں ہوں ورنہ نہیں۔ اس لئے ان چیزوں کی خرید و فروخت حرام نہیں ہے۔ حرام جانوروں اور مردار کا گوشت اور اُس کی چربی ہر حال میں حرام ہے لیکن اگر اُن کی ہڈی، سینگ اور بالوں کا استعمال کیا جائے تو جائز ہے اسی طرح مردار کی کھال کو پکانے (دباغت کرنے) سے پہلے استعمال کرنا ناجائز ہے لیکن دباغت کے بعد استعمال کرنا جائز ہے اور ان سے بنی ہوئی چیزوں کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ مگر سور کی کوئی چیز کسی حال میں حلال نہیں ہے مردار کی چربی کھانے کے علاوہ کسی دوسرے استعمال میں ضرورۃً لائی جا سکتی ہے۔

چند اصطلاحیں

خرید و فروخت کے سلسلے میں جن الفاظ کا ذکر بار بار آئے گا اُن کا مفہوم ذہن میں حاضر رہنا چاہئے مثلاً بیع، شراء، ایجاب و قبول، مَبیع اور ثمن۔

(۱) بیع کے معنی بیچنے کے ہیں اور بیچنے والے کو بائع کہتے ہیں۔

(۲) شراء کے معنی خریدنے کے ہیں اور خریدنے والے کو مشتری کہتے ہیں۔

(۳) ایجاب و قبول۔ بیچنے اور خریدنے والے کے وہ الفاظ ہیں جن سے معاملہ طے پاتا ہے مثلاً جب بائع نے کہا کہ یہ چیز میں نے اتنے میں بیچ دی تو یہ ہوا "ایجاب" اور مشتری نے کہا کہ میں نے خرید لی تو یہ ہوا "قبول" دوسری صورت اس کی یہ ہے کہ خریدنے والے نے بیچنے والے سے کہا کہ اس چیز کی اتنی قیمت لے لیجئے اور اُس نے قیمت لے لی تو مشتری کا کہنا ایجاب ہوا اور بائع کا لے لینا قبول ہوا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بائع نے کوئی چیز دکھا کر قیمت بتائی اور مشتری نے کہا مجھے منظور ہے تو ایجاب و قبول ہو گیا۔ لیکن اگر ایجاب و قبول کے الفاظ صیغۂ مستقبل میں بولے جائیں گے یعنی خریدوں گا یا بیچوں گا تو بیع صحیح نہ ہوگی۔

۴۔ مبیع۔ وہ چیز ہے جو بیچی جائے۔
۵۔ ثمن وہ رقم ہے جو مبیع کے بدلے میں دی جائے۔ ثمن اور قیمت میں تھوڑا فرق ہے۔ فریقین میں جو دام طے ہو جائیں وہ ثمن اور جو اُس کی اصلی قیمت ہو وہ قیمت کہلاتی ہے۔

تجارت

روزی کمانے کا سب سے اہم اور بڑا ذریعہ تجارت ہے، زراعت، صنعت اور دوسرے تمام ذریعے اس کے بعد ہیں، تجارت اگر صحیح طریقے سے ہو یعنی ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی، خود غرضی اور بددیانتی وغیرہ سے پاک ہو تو زراعت وصنعت کی پیداوار بھی ملک کی خوش حالی میں اضافہ کرتی ہے۔ لیکن اگر تجارت صحیح طریقے پر نہ ہو تو اُس کا اثر کمائی کے دوسرے ذریعوں پر بھی پڑتا ہے۔ چیزوں کی کمی اور گرانی ملک کی معیشت کو تباہ کرتی ہے اور عام بدحالی پھیل جاتی ہے۔ تجارت کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ انسانوں کے ذرائع رزق کا $\frac{9}{10}$ حصہ تجارت میں ہے، باقی $\frac{1}{10}$ حصہ تجارت کے علاوہ دوسرے کمائی کے طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلام نے تاجروں کی اصلاح کے لئے جو ہدایات دی ہیں وہ اخلاقی اور قانونی دونوں قسم کی ہیں جو بات ایمان، عقیدے اور عام انسانی قدروں کے خلاف ہوگی وہ اخلاقاً بھی ناپسندیدہ ہوگی اور آخرت میں قابلِ سزا ہوگی اور جو بات مقررہ قانون کے خلاف کی جائے گی اُس کی سزا دُنیا میں مل جائے گی۔ اس کتاب میں قانونی احکام بیان کئے جا رہے ہیں لیکن چونکہ اُن کا تعلق ایمان وعقیدے سے جُڑا ہوا ہے اس لئے اخلاقی ہدایات کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے قرآن نے باطل اور سُحت کھانے کمانے والوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے اور ایسے لوگوں کو ظالم کہا ہے۔ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی ارشادات موجود ہیں جن میں سے چند ذیل میں لکھے جاتے ہیں:

"تاجر اپنی اور عام انسانوں کی عزت وآبرو کے محافظ اور زمین میں اللہ کے امانت دار ہیں۔"

"سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوگا"

"اللہ اُس شخص پر رحم کرے گا جو بیچنے خریدنے اور تقاضا کرنے میں نرم دل اور رحیم ہو"

"تمام تاجر قیامت کے دن بجز اُن کے جو خدا سے ڈرتے اور لوگوں کے ساتھ نیکی و نرمی سے پیش آتے رہے، گنہگار اُٹھیں گے"۔ یعنی جنھوں نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا کہ وہ لوگوں کے لئے تکلیف و زحمت کا سبب بنے، گناہ گار قرار پائیں گے۔

• جھوٹ بول کر یا دھوکہ دے کر جو تجارت کی جاتی ہے وہ بظاہر تو فائدہ بخش نظر آتی ہے مگر نتیجہ میں نقصان کا سبب ہوتی ہے"۔

"تجارت آپس کی رضامندی سے ہی صحیح ہو سکتی ہے"۔

اسلام نے ان ہی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر تجارت کی پوری عمارت کھڑی کی ہے۔ یہی وہ صاف ستھرا طریقہ ہے جو انسانوں کی بھلائی اور خوش حالی کا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد امام محمدؒ سے کسی نے کہا کہ آپ زہد و تقویٰ کے بارے میں کوئی کتاب کیوں نہیں تصنیف کر دیتے؟ اس پر انھوں نے جواب دیا "صنفت کتاب البیوع" (میں نے خرید و فروخت پر ایک کتاب تصنیف کر دی ہے) جس میں حلال ذریعے حصول رزق کے اختیار کرنے اور حرام طریقوں سے پرہیز کرنے کا ذکر ہے۔ زہد و تقویٰ اسی کو کہتے ہیں۔

تجارت یا بیع کی تعریف

بیع۔ یا بیع و شراء خرید و فروخت کے لئے بولا جاتا ہے، اسی کے لئے اسلامی شریعت میں تجارت کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں فائدے کے لئے ایک چیز دوسری چیز کے مقابلے میں دینا یا لینا۔ لیکن اسلامی شریعت میں ایسی پسندیدہ چیزوں کو جو باطل اور حرام نہ ہوں باہمی رضامندی کے ساتھ آپس میں تبادلہ کرنے یا بیچنے اور خریدنے کا نام تجارت ہے۔ جو تجارت باطل اور حرام چیزوں میں یا ایسے ذرائع سے جو حلال نہ ہوں کی جائے گی باطل اور فاسد قرار پائے گی خواہ اُس میں بہ ظاہر فائدہ ہی کیوں نہ نظر آتا ہو۔ حلال چیزوں اور حلال ذرائع سے کی گئی تجارت بھی باطل سمجھی جائے گی اگر تراضی ثابت نہ ہو، لہٰذا تجارت کا باطل و فاسد نہ ہونا اور باہمی رضامندی سے ہونا لازم ہے۔

باطل اور فاسد کی تعریفیں جو چیزیں اسلام نے قطعاً حرام قرار دی ہیں مثلاً شراب، سُور، کُتا، مردار کا گوشت اور اُس کی چربی، رقص وسرود کا سامان وغیرہ اور جن ذرائع سے کمائی کرنا حرام ٹھہرایا ہے۔ مثلاً سود اور جوئے کی تمام شکلیں۔ تو ایسی چیزوں کی اور ایسے ذریعوں سے ہر تجارت باطل ہوگی۔ یہی حال اُن چیزوں کی خرید وفروخت کا ہے جو نہ کسی کے قبضے میں آئی ہوں اور نہ ابھی اُن کا وجود ہوا ہو جیسے غلّہ جو درختوں کی بالیوں میں ہو۔ فاسد تجارت کی مثال یہ ہے کہ مال بازار میں آیا نہ ہو اور تاجر اُس کا غائبانہ لین دین شروع کردیں۔

تراضی کی تعریف بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کی رضامندی کو تراضی کہتے ہیں۔ اس قید لگانے کا مقصد یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں کوئی اختلاف نہ ہو۔ نہ کسی پر ظلم ہو نہ کسی کا مال ناحق لیا جائے، ایسی تجارت جس میں کچھ لوگوں کا نفع متعین ہو اور کچھ کا غیر متعین صحیح نہ ہوگی۔ وہ تجارت بھی ممنوع ہوگی جس میں عام آدمی حالات اور ضروریات سے مجبور ہو کر ناپسندیدگی کے ساتھ چیز خریدے، مثلاً ذخیرہ اندوزی اور سٹہ بازی کی وجہ سے اشیاء کی قلت اور گرانی ہو جائے۔ اسی طرح اگر کوئی تاجر جھوٹ بول کر زیادہ دام لے لے تو بظاہر خریدار رضامندی سے خرید رہا ہے مگر حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ یہ علم ہونے پر کہ جھوٹ بول کر دام لئے گئے وہ انتہائی ناراض ہوگا، غرض یہ کہ دھوکہ، فریب، جھوٹ اور بے جا دباؤ کے جتنے کاروبار ہیں سب عدمِ تراضی کی فہرست میں آتے ہیں۔

تجارت کی حیثیت تجارت ایک معاہدہ ہے جو خریدنے والے اور بیچنے والے کے درمیان طے پاتا ہے اور دونوں اُس کے پابند ہوتے ہیں جس طرح کوئی معاہدہ دھوکہ فریب کے ساتھ اور فریقین کی رضامندی کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا اسی طرح خرید وفروخت کے معاہدے میں بھی اگر دھوکہ فریب ہو یا رضامندی نہ ہو تو وہ بھی مکمل اور صحیح نہ ہوگا۔

خرید، فروخت کوئی چیز بھی بیچی یا مول لی جائے چھ باتیں اس کام کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں: (۱) بیچنے والا (۲) خریدنے والا (۳) چیز جو بیچی جارہی ہے (۴) رقم یا مال جو چیز کے عوض دی جائے (۵) ایجاب اور (۶) قبول۔ ان ہی کو ارکانِ بیع کہتے ہیں۔ طریقہ

خرید و فروخت کا یہ ہے کہ خریدار اُس چیز کو اچھی طرح دیکھ لے جسے وہ خرید رہا ہے اور بیچنے والا قیمت کو اچھی طرح طے کر لے اور پھر زبان سے اقرار کیا جائے یعنی بیچنے والا اپنی چیز کی قیمت بتا دے اور خریدنے والا اُسے دیکھ کر ہاتھ میں لے کر کہہ دے کہ مجھے منظور ہے۔ یا خریدار کسی چیز کی قیمت خود لگا دے اور کہے کہ میں یہ چیز اس قیمت میں لوں گا اور بیچنے والا کہے کہ اچھا قیمت لائیے، دونوں صورتوں میں بیع درست ہوگی اور اس ایجاب وقبول کے بعد خریدار کو اس چیز کا خریدنا اور دکاندار کو بیچنا ضروری ہے، اگر ان میں کوئی انکار کرے گا تو قانوناً انھیں اپنا قول وقرار پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس قول وقرار کو شریعت میں ایجاب وقبول کہتے ہیں، اس کی شرط یہ ہے کہ ایجاب، قبول کے موافق ہو یعنی چیز کی مقدار اس کا وصف قیمت کی شکل (نقد یا جنس) کا یکساں اظہار ہو اور حالت اور وقت بھی ایک ہو۔ لہٰذا جب بائع نے کہا کہ میں نے ایک گھر ایک ہزار میں بیچا اور مشتری نے کہا کہ میں نے یہ گھر پانچ سو میں لیا تو بیع نہیں ہوئی، اسی طرح اگر اُس نے کہا کہ میں نے ایک ہزار چاندی کے روپوں میں بیچا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے ایک ہزار نوٹوں کے بدلے میں لیا تب بھی بیع نہیں ہوگی تاوقتیکہ ایک ہزار کے نوٹ ایک ہزار چاندی کے روپوں کے برابر نہ ہوں۔ یہ بھی شرط ہے کہ یہ بات چیت ایک نشست میں طے پا جائے جب تک خرید وفروخت کی بات چیت کا سلسلہ جاری ہو اُس وقت تک دونوں کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہے لیکن اگر معاملہ طے ہو گیا تو پھر کسی کو اختیار نہیں ہے، ہاں بات چیت کے دوران دوسرا فریق اُس جگہ سے اُٹھ گیا یا کسی دوسرے کام میں اس طرح لگ گیا جس سے ظاہر ہو سودا کرنا نہیں چاہتا تو معاملہ ختم سمجھا جائے گا۔ حنفی اور مالکی فقہاء کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ جہاں گفتگو ہو رہی ہو جب تک وہاں سے چلے نہ جائیں اُس وقت تک ایجاب وقبول کا اختیار باقی رہے گا خواہ گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ کیوں نہ گیا ہو۔ صرف اُٹھ کھڑے ہونے سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ سودا کرنا نہیں چاہتے۔ اسے شریعت کی اصطلاح میں خیار مجلس اور خیار قبول کہتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ جب بات چیت سے سودا ہو جائے تو اُسے اُسی وقت طے کر دیا جائے۔

جس طرح زبان سے رضامندی کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح تحریر سے بھی ہوتا ہے اگر وہ ایسی قابل اطمینان شکل میں لکھی جائے کہ پھر جانبین میں اختلاف نہ ہو۔

بیعِ تعاطی

زبان سے قول و قرار کی جگہ اگر عمل سے بائع و مشتری کی رضامندی ظاہر ہوتی ہو مثلاً، جن چیزوں کی قیمت بازار میں معین ہے جیسے بعض قسم کے صابون یا پالش کی ڈبیا تو صرف اُس کی قیمت دے دینا ہی کافی ہے۔ کسی چیز کی قیمت کا تعین ہونا اور خریدار کا اس کو دے دینا اقرار اور رضامندی سمجھا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی چیز کسی دکان سے لے کر یہ کہا کہ اس کی اتنی قیمت لے لیجئے اور دکاندار نے وہ لے لی تو یہ بھی رضامندی ہوئی اور بیع ہو جائے گی یا دکاندار نے کسی ترکاری کی ڈھیریاں بنا رکھی ہوں اور ایک ڈھیری دس پیسے میں بک رہی ہو کوئی شخص دس پیسے دے کر ایک ڈھیری اٹھالے تو اگرچہ زبان سے دونوں نے کچھ نہ کہا پھر بھی بیع ہو جائے گی۔

سودے اور قیمت کا بیان

بکنے والی چیز کو مبیع اور اُس کی قیمت کو ثمن کہتے ہیں۔ مبیع کے لئے چند باتوں کا ہونا اور چند باتوں کا نہ ہونا ضروری ہے:

مبیع : (وہ چیز جو بیچی جائے) سامنے موجود ہونا چاہیئے اگر موجود نہ ہوگی تو اُس کا بیچنا صحیح نہ ہوگا۔ مثلاً کسی نے ہندوستان میں بیٹھے ہوئے امریکہ میں خریدے گئے کپڑے کا سودا کیا تو صحیح نہ ہوگا البتہ اگر اُسے اس شرط پر بیچا جائے کہ خریدار دیکھنے کے بعد آخری فیصلہ کرے گا تو اس کی اجازت ہے یا اُس مال کا نمونہ سامنے ہو اور اُس کے مطابق مال دینے کی شرط کر لی جائے تو معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جو چیز ابھی وجود میں نہ آئی ہو مثلاً وہ باغ جس میں ابھی پھل نہیں آیا یا جانور کا بچہ جو ابھی پیٹ میں ہے تو ایسے پھل اور بچے کی خرید و فروخت ناجائز ہوگی، اسی طرح وہ چیز جو موجود تھی مگر کہیں کھو گئی تو اُسے نہیں بیچا جا سکتا۔

مبیع یا تو بیچنے والے کی مِلک ہو یا مالک نے اس کو بیچنے کی اجازت دی ہو، تب ہی اُسے فروخت کیا جا سکے گا۔ تالاب یا دریا کا پانی یا اُس کی مچھلیاں، فضا میں اُڑتے ہوئے کبوتر جنگل کی لکڑیاں یا اُس میں رہنے والے جانور اور میدان کی گھاس، یہ ایسی چیزیں ہیں جو اسلام میں کسی کی مِلک نہیں ہیں لہٰذا ان کو بیچنے کا حق کسی کو نہیں ہے چاہے وہ بظاہر کسی کی ملکیت سمجھی جاتی رہی ہوں۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ پانی گھاس اور آگ تمام انسانوں کا مشترک سرمایہ ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی جانور گم ہو گیا اور اُسے فروخت کر دیا گیا یا جنگل کے جانوروں کو فروخت کر دیا گیا تو بیع باطل ہوگی۔

ناپاک چیز یا ناپاک کرنے والی چیز کی بیع صحیح نہیں جیسے شراب اور سور۔ اسی طرح اُن چیزوں کی بیع بھی صحیح نہیں جن سے شرعی طور پر کوئی نفع نہیں اُٹھایا جا سکتا جیسے وہ حشرات الارض جن سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

دریا کی مچھلی اور گھاس وغیرہ کی خرید و فروخت

جنگل کی لکڑی، گھاس اور دریا کی مچھلی اور ان جیسی تمام چیزیں اُس وقت تک بک سکتی ہیں جب ان پر محنت یا روپیہ صرف کیا گیا ہو، مثلاً کوئی شخص محنت کرکے جنگل سے لکڑی کاٹ کر لایا یا پیسہ خرچ کرکے اور محنت کرکے گھاس لگائی یا دریا سے مچھلی پکڑی یا پکڑنے کے لئے کوئی تدبیر کی تو ان صورتوں میں وہ ان چیزوں کو بیچ سکتا ہے۔

اگر کسی شخص یا حکومت نے دریا پر بند باندھا یا تالاب کا پانی باقی رکھنے کے لئے کوئی تدبیر کی یا دریا سے نہر نکال کر یا کسی مشین کے ذریعے اُس کا پانی باہر نکالا تو اس شخص یا حکومت کے لئے پانی کا بیچنا یا بیچنے کی اجازت دینا جائز ہے، اسی طرح زمین کے اندر کی معدنی اشیاء جب تک اُنھیں نکال نہ لیا جائے بیچی نہیں جا سکتیں مثلاً لوہا، تانبا، سونا، چاندی، گندھک ابرک، کوئلہ، پٹرول، مٹی کا تیل وغیرہ لیکن جب ان چیزوں کے دریافت کرنے اور اُنھیں نکالنے پر محنت اور دولت خرچ کی گئی ہو تو محنت کرنے والے اور روپیہ خرچ کرنے والے کی ملکیت تسلیم کی جا سکتی ہے۔

ملکیت کی تعریف

کسی شے کا مِلک میں آنا مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ ابن ہمام نے فتح القدیر (جلدہ ص۴۵۶) میں اس کی یہ تعریف کی ہے " الملك هو قدرة يثبتها الشرع ابتداءً على التصرف" ملکیت اُس تصرف پر قابو ہونے اور قدرت رکھنے کا نام ہے جس کا حق ابتداءً شریعت نے دیا۔ فقہائے اس کی اور بھی تعریفیں کی ہیں۔ ان سب کی روشنی میں شیخ مصطفیٰ زرقاء نے اپنی کتاب "المدخل الفقهي" میں یہ جامع تعریف کی ہے، تصرف کی وہ خصوصیت جو کسی شخص کو شریعت کی اجازت سے اس وقت تک حاصل رہتی ہے جب تک کوئی دوسرا مانع نہ ہو (المدخل الفقہی جلد ۱ ص۲۲۰) حاجز سے مُراد یہ ہے کہ اُس کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص اُس سے منتفع نہ ہو سکے۔ مانع کا مطلب ہے

تصرف سے روکنے والا۔ یعنی وہ تصرف کے لائق اور استعمال کے قابل ہوکوئی دوسرا شخص اس کو تصرف اور استعمال سے روکنے والا نہ ہو۔

ملکیت کی دو قسمیں ہیں (۱) مِلک عین یعنی اصل شے پر تصرف کا اختیار (۲) مِلک منفعت یعنی اصل چیز سے حاصل ہونے والے منافع پر تصرف کا اختیار۔ فقہائے احناف مِلک اور مال میں بھی فرق کرتے ہیں۔ مِلک کی تعریف یہ ہے کہ وہ چیز جس کا آدمی مالک ہو خواہ اُس متعین چیز کا یا اُس سے حاصل ہونے والی منفعت کا، اور مال کی تعریف ہے وہ چیز جس کا وقت ضرورت کے لئے ذخیرہ کیا جا سکے خواہ اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکے یا نہ لے جایا جا سکے۔ گویا مال کا اطلاق صرف مادی چیز پر ہوتا ہے اور مِلک میں مادّی اور غیر مادّی (یعنی نفع اندوزی) دونوں شامل ہیں۔

ملکیت میں آنے کی صورتیں

کسی چیز کا مالک ہونے کی چار صورتیں ہیں اور ان چار ذریعوں سے ہی کوئی شخص مالک بنتا ہے۔

(۱) **عقود**: یعنی دو آدمی باہم معاہدہ کرکے ایک دوسرے کو اپنی اپنی چیز کا مالک بنا دیں اسی کی ایک قسم عقود جبریہ ہے یعنی حکومت کسی شخص کو دوسرے شخص کی چیز کا مالک بنا دے، مثال کے طور پر مقروض کا مال قرض دینے والے کو دلا دینا یا ناجائز طور پر ذخیرہ کیا ہوا مال احتکار کرنے والے (ذخیرہ اندوز) سے لے کر بازار کے بھاؤ فروخت کرا دینا۔ شُفعہ کی صورت میں بھی ہمسایہ کو حق دلانے کے لئے یہی ہوتا ہے، اسی طرح عام رعایا کی بہبود کے لئے کسی کی مِلک کو حکومت اپنے قبضے میں لے کر لگا دے جیسے اسکول یا مسجد یا راستے کے لئے کوئی زمین کسی کی مِلک سے نکال لی جائے۔

(۲) **احراز المباحات**: یعنی وہ چیزیں جو پوری نسل انسانی کا مشترکہ سرمایہ ہوں اور کسی شخص واحد کی ملکیت نہ ہوں اُن پر اگر کوئی اپنی محنت اور پیسہ لگا کر اُسے حاصل کرلے تو وہ چیز اُس کی مِلک ہو جائے گی مثلاً سمندر کا پانی، مچھلیاں اور دوسری چیزیں جو سمندر میں ہوتی ہیں۔ جنگل کی گھاس، فضا میں اڑنے والے پرندے، ان چیزوں پر کسی کا مستقل اقتدار اور تسلط صحیح نہیں ہے لیکن جب محنت کرکے یا پیسہ خرچ کرکے کوئی شخص انھیں حاصل کرلے تو یہی چیزیں اُس

کی ملک ہوجائیں گی۔

(۳) خلیفت یعنی جانشینی۔ (۱) جانشین اور وارث بن کر مالک ہوجانا (۲) نقصان کا معاوضہ اور جرمانہ پاکر مالک ہوجانا۔ مقتول کے وارثوں کو دیت میں کوئی مال ملے تو وہ بھی اس کے مالک ہوں گے۔

(۴) اوپر لکھی تین صورتوں کا ذکر عام طور پر کیا جاتا ہے چوتھی صورت ملکیت کی جس کو فقہائے الگ سے بیان نہیں کیا ہے یہ ہے کہ جو چیز ملکیت سے طبعی طور پر پیدا ہو جیسے درخت سے پھل، جانوروں کے بچے، بکری کا دودھ، بھیڑ کے بال یہ بھی ملکیت اُسی کی رہیں گی جو درختوں یا جانوروں کا مالک ہوگا۔

نمبر ۲ میں جو صورت ملکیت کی بیان کی گئی اس کے سوا وہ چیزیں کسی کی ملک نہ ہوں گی جن پر سب انسان قابو حاصل نہ کرسکیں لہٰذا سمندر پر، فضا پر یا فضا کی چیزوں پر ملکیت کا دعویٰ کرنے والا انسان کے مشترکہ سرمایہ کا غاصب سمجھا جائے گا۔ مبیع کے بارے میں باقی ضروری باتیں یہ ہیں:

مبیع کے تمام اوصاف خریدار کو بتادینا ضروری ہے مثلاً گیہوں اگر بیچا جارہا ہے تو اُس کی تفصیل۔ سفید یا لال۔ موٹا یا پتلا اور اگر چاول ہے تو نیا یا پرانا۔ موٹا یا باریک۔ اسی طرح مکان اگر ہے تو اُس کی پوری کیفیت، عیوب اور خوبیاں، زمین اگر ہے تو اُس کی زرخیزی کی حیثیت، جانور کے محاسن و معائب۔ کپڑا ہے تو اُس کی نوعیت اور کٹا پھٹا ہونے کی صورت میں اس کی وضاحت کردینا چاہیئے تاکہ خریدار کو شکایت نہ پیدا ہو، مثال کے طور پر اگر مکان ٹپکتا ہے۔ زمین شور یا بنجر ہے۔ جانور مارتا ہے۔ کپڑا دنوں سے رکھے رکھے کمزور ہوگیا ہے یا تھان کے اندر کوئی حصہ کٹا پھٹا ہے، اگر یہ باتیں خریدار کو نہیں بتائی گئیں تو بیع فاسد ہوجائے گی اور خریدار کو حق ہوگا کہ مال واپس کردے۔

اسی طرح جو صفت بتائی گئی ہو اگر چیز اُس کے خلاف نکلی تو بھی بیع فاسد ہوگی مثلاً: کپڑے کا رنگ پختہ بتایا لیکن کچا نکلا۔ موتی سچے بتائے گئے لیکن جھوٹے نکلے۔ زیور سونے کا بتایا گیا لیکن ملمع نکلا، ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں جن چیزوں کا مالک ہوں وہ سب بیچتا ہوں تو بھی بیع صحیح

نہ ہوگی، ملکیت کی وضاحت ہونا ضروری ہے، مجہول چیز کی بیع فاسد ہے۔

ناپاک چیز یا ناپاک کرنے والی چیز کی بیع صحیح نہ ہونے کا ذکر ہم کرچکے ہیں اسی طرح جو چیزیں اسلامی شریعت میں حرام ہیں وہ شرعاً مال قرار نہیں دی جائیں گی اُن کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے، اگر وہ کسی مخصوص انسانی صنف کے لئے جائز قرار دی گئی ہوں تب ہی اُن کا کاروبار جائز ہوگا مثلاً سونا، چاندی اور ریشمی کپڑے جو عورتوں کے لئے جائز مگر مردوں کے لئے حرام ہیں۔

وہ چیزیں جو بلا صراحت بیع میں داخل ہوجاتی ہیں اور جو نہیں ہوتیں اگر کوئی شخص مکان بیچے تو اُس کے دروازے، کھڑکیاں اور اُس میں جانے کا راستہ بھی بک گیا۔ اسی طرح باورچیخانے اور پاخانے وغیرہ کو بھی مکان کا جزو ہی مانا جائے گا۔ گائے یا بھینس جو دودھ دینے والی ہو یا اُس کے ساتھ دودھ پیتا بچہ ہو تو دودھ اور بچہ دونوں اُس کے ساتھ بک جائیں گے ہاں اگر بچہ دودھ نہ پیتا ہو تو وہ اُس میں داخل نہ ہوگا۔ قفل بیچے گا تو کنجی بھی اُس کے ساتھ بک جائے گی۔ اگر زمین بیچے گا تو اُس پر اُگے ہوئے پیڑ بھی بیع میں داخل سمجھے جائیں گے۔

خرید وفروخت کا معاہدہ ہوجانے کے بعد اور چیز خریدار کے قبضے میں آنے سے پہلے اگر اُس میں کچھ اضافہ ہوگیا تو وہ خریدار کا حق ہے مثلاً کسی نے باغ خرید لیا لیکن ابھی قبضہ نہیں کیا تھا کہ پھل نمودار ہوگیا یا گابھن جانور خریدا اور ابھی اُسے لے نہیں گیا تھا کہ اُس نے بچہ دیدیا تو یہ سب خریدار کا حق ہے۔ بیچنے والا کا نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنا باغ بالکل بیچ دیا اور درختوں پر پھل تھا یا اپنا کھیت بیچ ڈالا جبکہ اُس پر فصل کھڑی تھی تو پھل اور فصل بائع کے ہیں، مشتری کو کوئی حق نہیں ہوگا، جب تک معاملہ کرتے وقت یہ صراحت نہ کردی گئی ہو کہ پھل اور لگی ہوئی فصل بھی بیع میں شامل ہے۔ اسی طرح اگر مکان فروخت کیا تو وہ چیزیں جو مکان کا جزو نہیں ہیں مثلاً تخت، پلنگ، کرسی، میز اور گھر کا دوسرا سامان اُن پر خریدار کا کوئی حق نہیں ہے۔

خرید وفروخت میں جن باتوں کی آزادی ہے بازاروں میں عام طور پر تول کر، ناپ کر یا گن کر چیزیں فروخت

ہوتی ہیں، بیچنے والے کو یہ اختیار ہے کہ چاہے ان کو تول کر، ناپ کر بیچے یا اُن کے ڈھیر کو (اگر غلہ اور پھل ہو) اندازے سے فروخت کر دے، گن کر بیچے یا ٹوکری میں رکھ کر پوری ٹوکری بیچ دے لیکن اگر کوئی ٹوکری یہ کہہ کر بیچی گئی کہ اس میں اس قدر پھل ہیں اور اس کی یہ قیمت ہے تو اگر گننے سے تعداد کم نکلی تو خریدار کو اختیار ہوگا چاہے خریدے یا نہ خریدے لیکن اگر بتائی ہوئی تعداد سے زیادہ ہوئے تو وہ بیچنے والے کے ہوں گے۔

مبیع اگر سامنے ہو جیسے غلے، ترکاری یا پھل کا ڈھیر اور بیچنے والے نے اُس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ڈھیر میں اتنے روپوں میں بیچتا ہوں تو یہ جائز ہے۔

درخت اور پودے دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جن میں پھول اور پھل آنے کا کوئی موسم متعین نہیں ہے، مثلاً: امرود، پپیتا، بعض ترکاریاں اور پھولوں کے پودے۔ دوسرے وہ جن کے پھلنے کا وقت معلوم ہے مثلاً: آم، بیر، غلے کے پودے وغیرہ۔ اوّل الذکر قسم کے درختوں میں جب کچھ پھل آجائیں تو اُنھیں بیچا جا سکتا ہے لیکن دوسرے قسم کے درختوں میں جب آنے والے سب پھل ظاہر ہو جائیں چاہے وہ کھانے کے لائق نہ ہوں تو اُن کو فروخت کیا جا سکتا ہے مثال کے طور پر جب بیر درختوں میں چمکنے لگیں، آم میں کیریاں آجائیں، گیہوں میں بالیاں ظاہر ہو جائیں تو اُنھیں فروخت کیا جا سکتا ہے۔

مشترک زمین یا جائداد میں ہر حصہ دار کو اپنا حصہ فروخت کر دینے کا حق ہے خواہ وہ تقسیم ہو گئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ دوسرے شریکوں سے اجازت لی گئی ہو یا نہ لی گئی ہو۔

ثمن کا بیان

ثمن وہ چیز کہلاتی ہے جو کسی مال کو خریدنے کے بدلے میں دی جائے، یہ کبھی نقد رقم ہوتی ہے اور کبھی چیز کے بدلے میں دوسری چیز۔ جیسے ایک جانور کے بدلے میں دوسرا جانور یا ایک کپڑے کے بدلے میں دوسرا کپڑا۔ اس کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں ذرا سی بے احتیاطی سے خرید و فروخت کے معاملے میں سود کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ مفصل بیان سود کے ضمن میں آئے گا۔ یہاں چند باتیں اس بارے میں لکھی جا رہی ہیں:

۱۔ ثمن یعنی چیز کی قیمت فروخت کھُل کر بتائی جائے، اگر کسی نے مجمل بتائی تو بیع فاسد ہوگی۔ مثال کے طور پر کوئی کہے کہ اس بیگ میں یا اس ہاتھ میں جتنا روپیہ ہے اس کے بدلے میں فلاں

چیز مول لیتا ہوں تو یہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دکاندار جس سے چیز خریدی جارہی ہے اگر کہے "چیز لے جائیے جو مناسب دام ہوں گے آپ سے لے لئے جائیں گے" یا "دام میں بعد کو بتاؤں گا" یا "جتنا فلاں دے وہی آپ بھی دے دیجئے گا یا "آپ جو مناسب سمجھیں دیدیجئے" یا فلاں صاحب جو دام لگادیں گے وہی آپ کو بھی دینا ہوں گے۔ ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔ البتہ قیمت بتانے اور طے کرنے کے بعد اگر کہے کہ لے جائیے سوچ کر لینے یا نہ لینے کا فیصلہ کیجئے گا پھر اگر سوچ کر خریدار نے قیمت بھجوادی تو بیع ہوگئی۔

۲۔ مقدار یا تعداد کی صراحت اُس وقت ضروری نہیں جب خریدی جانے والی چیز اور اُس کی قیمت سامنے موجود ہو۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ سامنے رکھی ہوئی رقم یا موجود غلے کے بدلے ہم یہ چیز بیچتے ہیں۔

۳۔ اگر خریدتے وقت قیمت نہ دی جائے مگر بائع کو بتادیا جائے کہ ہم اتنے روپے میں یہ چیز خریدتے ہیں اور روپے بعد میں ادا کریں گے۔ تو یہ جائز ہے۔

۴۔ کوئی چیز خریدی لیکن قیمت ادا کرنے کے لئے جو مدت بتائی وہ مبہم تھی مثلاً "بارش ہونے تک" تو بیع فاسد ہوگی۔

۵۔ اگر خریدار کوئی چیز اُدھار خریدے اور ادائگی کی کوئی مدت نہ بتائے تو مدت ایک ماہ شمار ہوگی، ایک مہینہ ہوتے ہی قیمت ادا کر دینا چاہیئے۔

۶۔ اگر کسی دکاندار کے یہاں سے سامان آتا رہتا ہے اور مہینے میں حساب ہوجاتا ہے تو یہ صورت اسی وقت جائز ہے اگر قیمت مقرر کرنے میں کسی اختلاف کا اندیشہ نہ ہو۔ لیکن اگر اختلاف کا خوف ہو تو ناجائز ہے۔

۷۔ جس ملک میں جو سکہ رائج ہو۔ قیمت اُسی سکے میں ادا کی جائے گی۔ مثلاً روپیہ خواہ نوٹ کی شکل ہو خواہ بندھے ایک روپے کی خواہ ایک روپیہ کی ریزگاری ہو البتہ اگر پہلے سے طے کرلیا گیا ہو کہ ریزگاری نہیں لی جائے گی تو اُس کے لینے سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی ملک میں کئی طرح کے سکے رائج ہوں مثلاً ریال، ڈالر، پونڈ جن کی قیمتوں میں فرق ہے تو بیع کرتے وقت اس کی تصریح ضروری ہے۔

۸۔ جو مال اُدھار بیچا جائے اُس میں مدت مقرر کر کے اکٹھا قیمت لینا اور قسط مقرر کر کے لینا دونوں درست ہے مگر مدت کا تعین ضرور ہونا چاہیئے۔

بیع کا واقع ہونا جب بائع اور مشتری۔ ایجاب وقبول کے بعد چیز اور اُس کی قیمت طے کرلیں جیسا کہ اوپر بتایا گیا تو پھر دونوں میں سے کسی کو اس سے انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔ بائع کو بیچنا اور مشتری کو خریدنا ہی پڑے گا۔

معاملہ ہو چکنے کے بعد بائع نے کہا کہ مبیع کل لے لیجیئے گا یا مشتری نے کہا کہ میں کل قیمت ادا کروں گا اور چیز لے جاؤں گا تو یہ درست ہے۔ طے شدہ معاہدہ کی پابندی دونوں کریں گے۔ اگر کوئی انکار کرے گا تو وہ گناہ گار ہوگا یعنی دوسرے دن اگر چیز کا نرخ بڑھ یا گھٹ گیا ہو تو بھی یہ دونوں اُسی معاہدے کے پابند رہیں گے جو طے ہو چکا ہے اور اسلامی حکومت قانوناً اُسی کو نافذ کرے گی۔

بیع کا فسخ کرنا خریدار مال خریدنے کے بعد اُسے پھیرنا چاہے۔ یا دُکاندار کسی وجہ سے وہ مال نہ دینا چاہے۔ ایسی صورتوں میں دونوں کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ دونوں اس پر راضی ہوں۔ رضامندی کی صورت میں خریدار مال واپس کر سکتا ہے اور دُکاندار قیمت۔ شریعت میں اس کو اِقالہ کہتے ہیں۔

اگر خریدار نے مال کا کچھ حصہ استعمال کر لیا ہو یا دوکاندار نے قیمت کا کوئی جُز خرچ کر دیا ہو تو بھی استعمال شدہ حصے کی قیمت وضع کر لینے کے بعد پھیرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ بقیہ قیمت واپس لینے پر خریدار راضی ہو، اور باقی ماندہ مال واپس کر لینے پر دکاندار راضی ہو لیکن اگر اس پر وہ راضی نہ ہوں تو کوئی ایک دوسرے کو مال یا قیمت واپس لینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

اگر خریدار نے پوری چیز استعمال کر لی تو اب اُس کی واپسی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا خواہ چیز پسند آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ اچھی رہی ہو یا خراب ہوگئی کیونکہ جب وہ چیز ہی نہیں ہے تو واپسی بھی نہیں ہو سکتی۔

قیمت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اگر وہ خرچ کر دی گئی ہے تو روپیہ کے بدلے دوسرا روپیہ دیا جا سکتا ہے اس لئے اگر بائع چیز کو واپس لینے پر راضی ہو تو قیمت کے خرچ ہو جانے کا عذر صحیح نہیں ہے البتہ یہ اختیار ہے کہ خریدار کی رضامندی سے قیمت بعد میں ادا کرے۔

اِقالہ یعنی واپسی کی شرطیں

(۱) مبیع کی واپسی اصل قیمت سے زیادہ پر نہ ہونی چاہیئے۔ (۲) اگر دکاندار نے بازار کے بھاؤ سے قیمت زیادہ لی ہے تو اُس کو واپس کرنا ضروری ہے (۳) اگر مشتری نے اُس میں کوئی اضافہ یا عیب پیدا کر دیا ہے تو اقالہ نہیں ہو سکتا۔

مبیع یا ثمن واپس کرنے کی دوسری صورتیں

معاملہ طے ہونے سے پہلے جو اختیار ردو قبول کا فریقین کو رہتا ہے اُسے خیار مجلس اور خیار قبول کہتے ہیں۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد مال کو واپس کر کے قیمت پھیر لینے کی سات صورتیں ہیں: خیار شرط، خیار وصف، خیار نقد، خیار تعین، خیار رویت، خیار عیب، خیار غبن ان سب کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

خیار شرط

خرید و فروخت کا معاملہ طے کرنے کے بعد خریدار یہ شرط لگا دے کہ میں دو یا تین دن میں بتاؤں گا کہ میں اس کو لیتا ہوں یا نہیں یا یہ کہ میں اس چیز کو گھر میں دکھانے کے بعد بتاؤں گا، یا بائع یہ شرط لگا دے کہ میں خریدار کی پسندیدہ چیز کو بیچ ڈالنے کا فیصلہ دو یا تین دن کے بعد کروں گا تو دونوں کو معاملہ طے ہو جانے کے بعد واپسی کا اختیار ہے' اس کو خیار شرط کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند باتیں ملحوظ رکھنا چاہئیں:

(۱) خیار شرط کی مدت کی تعیین ضروری ہے کہ کتنے دن میں لینے یا نہ لینے کا جواب دے گا اگر وہ مدت گزر جائے گی تو واپسی کا اختیار نہیں رہے گا ہاں اگر بائع خوشی سے واپس کرلے تو جائز ہے۔ (۲) اگر خریدار نے گھر لے جا کر وہ چیز استعمال کرلی تو اُس کی واپسی کا اختیار باقی نہیں رہے گا الّا یہ کہ وہ چیز ایسی ہو جس کو استعمال کرنے کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہو مثلاً: گھڑی جس سے صحیح وقت دینے کا اندازہ استعمال کر کے لگایا جا سکتا ہے۔ موٹر، سائیکل یا گھوڑا جس کی رفتار کا اندازہ استعمال کر کے ہی کیا جا سکتا ہے یا دودھ کا جانور جس کے دودھ کا اندازہ دوہنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے تو ان صورتوں میں مقررہ مدت کے اندر ان چیزوں کا استعمال کرنے کا حق ہے کیونکہ ان چیزوں کی اچھائی بُرائی بغیر استعمال کے نہیں معلوم کی جا سکتی۔ لیکن اگر استعمال کرنے سے کوئی خرابی اس چیز میں واقع ہو جائے تو پھر واپسی کا حق نہ ہوگا اور خریدار کو

قیمت ادا کرنا پڑے گی۔

خیار شرط کی مدت کے دوران بائع یا مشتری میں سے اگر کسی کی موت واقع ہو جائے تو ان کے وارثوں کو اُس شرط کے توڑنے کا اختیار نہیں رہے گا۔ بائع کی موت ہو جائے تو مشتری کو وہ چیز لینا ہی پڑے گی اگر مشتری وفات پا جائے تو بائع کو اُس کی قیمت لینے کا حق ہوگا۔ مشتری کے وارثوں کو چیز واپس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ (ہدایہ باب خیار الشرط)

اگر خیار شرط بائع کی طرف سے ہے تو مال اسی کی ملکیت سمجھا جائے گا اگر اس مدت میں وہ مال مشتری سے ضائع ہو گیا تو اُسے اُس کی اصل قیمت ادا کرنا ہوگی۔ اگر خیار مشتری کی طرف سے ہے اور قبضہ کے بعد اس مدت میں مال ضائع ہو گیا تو مشتری کو ثمن یعنی طے شدہ رقم دینا ہوگی۔

خیار وصف

مبیع کی جو تعریف یا اس کے جو اوصاف بوقت خریداری بتائے گئے ہوں اگر وہ اُس کے مطابق نہیں پائی گئی تو خریدار کو اُس کی واپسی کا حق ہے بشرطیکہ اُس نے اُس چیز کو استعمال نہ کیا ہو، استعمال کر لینے کی تفصیل جو خیار شرط میں بیان کی گئی ہے وہی یہاں بھی معتبر ہوگی۔ اسی پر قیاس کیا جائے گا ایجنٹ کے ذریعے خریدی ہوئی چیزوں کو اگر وہ اُس نمونے کے مطابق نہ ہوں جو ایجنٹ نے دکھایا تھا۔ لیکن اگر وہ چیز دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دی تو اُس کا حکم وہی ہے جو استعمال کر لیے جانے کا ہے۔ خیار وصف کی صورت میں اگر خریدار کا انتقال ہو جائے تو اُس کے وارثوں کو واپسی کا حق باقی رہے گا۔

خیار رویت

بے دیکھے اگر کوئی شخص چیز خرید لے تو دیکھنے کے بعد اُسے خریدنے یا نہ خریدنے کا حق باقی رہے گا۔ خیار رویت کا حق بیچنے والے کو نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی شخص نے مالیت کی کوئی چیز یا جائداد کسی دوسرے شہر میں حاصل کی یا ورثہ میں پائی اور اُسے دیکھنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اب اُس کو دیکھنے کے بعد واپسی کا حق نہیں، چاہے اُس میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو، یہ اس لئے کہ چیز اُس کی ملکیت میں تھی اور وہ اُسے دیکھ سکتا تھا بخلاف خریدار کے جس کو خریدنے کے بعد دیکھنے کا اختیار ملا۔ خریدار اگر کسی دوسرے ملک سے کوئی مال منگا لے اور دیکھنے کے بعد پسند نہ آئے تو اُسے لینے یا نہ لینے کا حق حاصل ہوگا اور یہی حق اُسے کسی دوسری جگہ مکان خریدنے کی صورت میں رہے گا۔

خیار رویت کے سلسلے میں چند باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

۱۔ کسی چیز کا نمونہ دیکھ لینے کے بعد بیع کا معاملہ طے پا گیا تو واپسی کا حق نہیں ہے الا یہ کہ مال نمونے کے مطابق نہ ہو تو اسی صورت میں واپسی ہو سکتی ہے۔

۲۔ جہاں کسی چیز کا نمونہ دیکھ کر اُسی جیسی چیزوں کا اندازہ نہ ہو سکے مثلاً ایک بکری دکھا کر سو بکریوں کا معاملہ کرنا، ایک بیل دِکھا کر چار بیلوں کا معاملہ کرنا یا ایک پھل دکھا کر پوری ایک گاڑی پھلوں کا معاملہ کرنا تو ان سب میں خریدار کو خیار رویت کا حق رہے گا کیونکہ اُن چیزوں میں یکسانی نہیں ہوتی۔

۳۔ کھانے پینے والی چیزوں کے خریدنے میں دیکھنے کے ساتھ ساتھ چکھنے کا بھی اختیار ہے بشرطیکہ چیز خراب نہ ہو جائے اور بائع کو اطلاع ہو کہ چیز چکھی جائے گی اگر بائع راضی ہو تو چکھنے کے بعد خریدار اُسے واپس کر سکتا ہے لیکن اگر راضی نہیں ہو تو چکھنے کا حق بھی نہیں ہے اور نہ اُس کو خریدار مجبور کر سکتا ہے۔ بعض چیزیں سربند ڈبوں میں ہوتی ہیں مثلاً جیلی وغیرہ جن کے کھل جانے کے بعد قیمت گھٹ جاتی ہے اور خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے، لیکن معمولی پھل وغیرہ چکھنے میں یہ بات نہیں ہے۔ اس لئے اُسے چکھنے کی اجازت ہے۔ اگر گیہوں یا آٹا خریدا اور پکانے پر وہ خراب نکلا تو اُسے واپس کرنے کا حق خریدار کو ہے اور استعمال شدہ کی قیمت وضع کر لینے کا حق بائع کو ہے۔

۴۔ اگر چیز کو دیکھنے کے بعد خریدار نے معاملہ کیا تو پھر خیار رویت کا حق باقی نہیں رہتا البتہ اگر دیکھنے اور معاملہ کرنے کی درمیانی مدت میں کوئی خرابی آ گئی مثلاً بارش آ گئی یا دفعتاً کوئی حادثہ ایسا پیش آ گیا جس سے مال خراب ہو گیا تو اس کو واپس کرنے کا حق ہے۔

۵۔ اگر مال کو خریدنے والا کسی دوسرے شخص کو اپنا نمائندہ بنا کر خریداری کے لئے بھیجے اور وہ مال کو دیکھ کر خرید لائے تو اصل خریدار کو واپسی کا حق نہیں ہے لیکن اگر اس نے یہ صراحت کر دی ہو کہ میں اس نمائندے کو محض مال کو اُٹھوانے یا بحفاظت پیک کرا دینے کے لئے بھیج رہا ہوں تو اصل خریدار کو دیکھنے کے بعد واپس کرنے کا اختیار باقی رہے گا۔

۶۔ اگر زیادہ مقدار میں خریدی ہوئی چیز خریدار استعمال کرنا یا فروخت کرنا شروع کر دے تو

پھر واپسی کا حق نہیں ہے البتہ اگر شروع میں ہی اُس کی خرابی معلوم ہو گئی یا اُس کا تھوڑا سا حصہ فروخت کرتے ہی اُس کے خریدنے والے نے خرابی کی شکایت کی تو پھر اُسے مال واپس کر دینے کا حق ہے۔

۷۔ اگر کوئی اندھا ہو اور وہ اپنے ہاتھ سے چھو کر، چکھ کر، سونگھ کر یا دوسرے سے پوچھ کر کوئی چیز خریدے تو اُسے خیار رویت کا حق باقی نہیں رہے گا۔

ان تمام صورتوں میں جن میں خریدار کو خیار رویت کا حق ہوتا ہے اگر مدتِ خیار میں مشتری کا انتقال ہو جائے تو اُس کے وارثین کو وہ حق نہیں پہنچتا۔ معاملہ طے شدہ ہی سمجھا جائے گا۔

خیارِ عیب

عیب ایسی خامی، کمی یا نقصان کو کہتے ہیں جس سے چیز کی قیمت گر جاتی ہے۔

عیب دار چیز کو بغیر اُس کا عیب ظاہر کئے بیچنا ایسا ہی حرام ہے جیسے خراب نوٹ یا کھوٹا روپیہ قیمت میں دینا اور ایسا کرنے والا سخت گناہ گار ہوگا اور ایسی خرید و فروخت باطل ہو گی۔ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلہ بیچنے والے کے پاس تشریف لائے اور غلہ کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو کچھ نمی محسوس ہوئی۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ اُس نے کہا بارش سے یہ غلہ بھیگ گیا تھا، آپؐ نے فرمایا بھیگے ہوئے غلے کو اوپر کر دو تاکہ لوگ دھوکہ نہ کھائیں پھر فرمایا جس نے دھوکے سے کوئی چیز فروخت کی وہ میری اُمت سے نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں چند ضروری باتیں یاد رکھنے کی ہیں:

۱۔ بائع نے کوئی چیز اُسی قیمت پر بیچی جس پر وہ صحیح حالت میں بک سکتی تھی۔ اب اگر اُس میں عیب نکلا تو خریدار کو واپس کر دینے کا حق ہے۔ البتہ اگر بائع اپنی خوشی سے قیمت کم کر دے اور خریدار اُس عیب دار چیز کو لینے پر راضی ہو جائے تو اس کا اختیار ہے۔

۲۔ اگر بائع نے عیب خود بتا دیا اور اس کے باوجود خریدار نے اُسے خرید لیا تو اب اُس کو واپسی کا حق نہیں رہا۔

۳۔ عیب اور نقص جو بائع کے گھر یا دُکان پر پیدا ہوا ہو اُسی چیز کو واپس کرنے کا حق خریدار کو ہوگا لیکن اگر عیب خریدار کے پاس آکر واقع ہوا تو اب واپسی کا حق نہیں ہے، اسی طرح ایک چیز جس میں بائع کے یہاں عیب پیدا ہو چکا تھا، خریدار کے یہاں پہنچ کر دوسرا

عیب پیدا ہوگیا تو اس صورت میں بھی اُس کو واپسی کا حق نہیں ہے۔ مثلاً کپڑا خریدا وہ کچھ کٹا ہوا تھا، گھر میں آنے کے بعد اُس پر پان کا رنگ پڑ گیا، روشنائی گر گئی یا چوہے نے کاٹ لیا تو یہ دوسرا عیب پیدا ہو جانے کی وجہ سے واپسی کا حق نہیں رہا، البتہ پہلے عیب کے بعد قیمت کم کرانے کا حق ہے، قیمت کا تعین اس پیشے کے ماہر یا خرید و فروخت کرنے والوں سے کرانا چاہیئے۔ اگر بائع دوسرے عیب کے باوجود واپس لے لے تو اُس کی شرافت ہے مگر خریدار کو ایسی شرافت اور مروت سے فائدہ نہ اُٹھانا چاہیئے جس میں نقصان پہنچ رہا ہو۔

۴۔ بائع نے کوئی چیز یہ کہہ کر فروخت کی کہ ظاہری طور پر اس میں کوئی عیب نہیں ہے اور خریدار نے بھی اُسے دیکھ بھال کر لیا تو اب خیار عیب کا حق باقی نہیں۔ لیکن اگر خریدار نے دیکھ بھال کر نہیں لیا تو اُسے واپسی کا حق باقی ہے۔

۵۔ عیب پر خبر ہوتے ہی چیز کو واپس کر دینا چاہیئے اور استعمال نہیں کرنا چاہیئے لیکن اگر اس کے بعد بھی اُسے استعمال کر لیا تو پھر واپسی کا حق نہیں رہا۔ البتہ جن چیزوں کا عیب تھوڑا استعمال کرنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے، مثلاً جوتے کو پیر میں ڈال کر، سوئٹر کو پہن کر، گھڑی اور فاؤنٹین پن کو چلا کر سائیکل۔ موٹر کار یا سواری کے جانور پر سواری لیکر ہی حسن و قبح کا پتہ چل سکتا ہے تو ان چیزوں کے مختصر استعمال کے بعد اگر عیب پایا جائے تو واپسی کا حق ہے لیکن اگر کئی دن استعمال کر لیا تو یہ حق جاتا رہا اور جن چیزوں کا سقم بغیر استعمال کے ہی معلوم ہو سکتا ہے اگر اُن کو استعمال کر لیا، کپڑے کو رنگ لیا، زمین میں درخت بو دیا تو یہ سب باتیں خیار عیب کے حق کو ختم کر دیتی ہیں۔

۶۔ کوئی چیز بڑی مقدار یا تعداد میں خرید کی مثلاً غلہ یا پھل۔ پھر دیکھا کہ اُس میں کچھ خراب ہے اور کچھ اچھا ہے تو خریدار کو یہ حق نہیں ہے کہ اچھا رکھ لے اور خراب واپس کر دے۔ بلکہ یا تو پورا لے لے یا پورا واپس کر دے، چھانٹ کر لینے کا حق اس وقت ہے جب بیچنے والا ہنسی خوشی اس پر راضی ہو۔

۷۔ غلّے میں اگر تھوڑا گرد و غبار ہو یا کسی دوسرے غلّے کی بہت معمولی سی ملاوٹ ہو یا کچھ کنکری نکل آئے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، عرفِ عام میں جتنا گرد و غبار غلوں میں رہا کرتا ہے یا دوسرے اناج کی ملاوٹ رہتی ہے تو وہ عیب شمار نہیں ہوگا لیکن اگر ایک من میں تین چار سیر گرد و غبار یا ملاوٹ نکلے تو یہ عیب ہے اور واپسی کا حق ہے۔

اسی طرح ایک سیر بادام یا چار درجن انڈوں میں دو چار خراب نکل جائیں تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، البتہ اگر زیادہ خراب نکلیں تو اُن کی قیمت خریدار کو واپس لینے کا حق ہے۔

۸۔ ایسی ترکاریاں یا پھل جن کے اچھے یا خراب ہونے کا پتہ کاٹنے کے بعد ہی چل سکتا ہے اگر سب بیکار اور پھینک دینے کے قابل نکلیں تو خریدار کو قیمت واپس لینے کا حق ہے، اگر کھانے کے قابل نہ ہوں مگر کسی دوسرے کام میں آجائیں تو اُن کی قیمت کم کرانے کا حق ہے، مثال کے طور پر خربوزہ یا لوکی یا ککڑی خریدی جب کاٹ کر دیکھا تو کھانے کے قابل نہ پایا، ایسی صورت میں واپس کرنے اور قیمت لوٹانے کا حق ہے، اگر خود نہیں کھایا اور کسی جانور کو کھلا دیا تو قیمت کم کرانے کا حق ہے یا اگر دودھ صاف ستھرے برتن میں لیا اور پھٹ گیا پھر اگر وہ استعمال کے قابل تھا تو قیمت کم کرائی جا سکتی ہے اور اگر پھینک دینے کے قابل تھا تو پوری قیمت واپس لینے کا حق ہے۔

خیارِ تعین بائع نے کئی قسم کا مال قیمت بتا کر دیدیا کہ جو اس میں سے پسند ہو لے لیجئے تو بیع صحیح ہوگی اور مقررہ مدت کے اندر مشتری کو پسندیدہ چیز کا تعین کر لینا ضروری ہوگا۔

خیارِ غبن بائع اور مشتری دونوں میں سے کسی کو شدید قسم کا دھوکا دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں دونوں کو مال یا قیمت واپس کر دینے کا حق ہے مثلاً کسی نے سونے کے زیور خریدے لیکن وہ سونے کے نہ تھے اُن پر سونے کا ملمع تھا یا جو روپے کسی مال کے معاوضے میں دیئے گئے وہ کھوٹے تھے یا جعلی۔ دونوں صورتوں میں بیع فسخ کرنے کا حق فریقین کو ہے۔

خیارِ نقد خرید و فروخت کا معاملہ طے ہو جائے لیکن قیمت ادا نہیں کی گئی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) اگر قیمت فوراً دینے کا وعدہ تھا تو جب تک خریدار قیمت ادا

نہ کردے بائع کو اپنی چیز اپنے پاس روکے رکھنے کا حق ہے (۲) اگر معاملہ اُدھار طے ہوا تھا اور خریدار مال اپنے گھر لے گیا تو بائع کو اپنی چیز واپس لینے کا حق نہیں ہے، اگر خریدار خود واپس کردے تو اور بات ہے ورنہ اُس کی حیثیت مقروض کی ہوگی اور بائع قرض خواہ کی حیثیت میں ہوگا، اور جس طرح مقروض سے روپیہ وصول کیا جاتا ہے اُسی طرح وصول کیا جائے گا۔

بائع اور مشتری کے لئے شرائط

بائع اور مشتری دونوں کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی ایک اُن دونوں میں سے بچہ ہے تو بیع صحیح نہیں ہوگی۔ اسی طرح مجنون اور فاترالعقل کی بیع بھی معتبر نہ ہوگی البتہ اگر بچہ سمجھ دار ہے اور فاترالعقل خرید و فروخت کو سمجھتا ہے اور دونوں اس قابل ہیں کہ گفتگو سمجھ سکتے اور صحیح جواب دے سکتے ہیں تو خرید و فروخت تو صحیح ہو جائے گی مگر اُس پر عمل ولی کی اجازت سے ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بائع یا مشتری خود مختار ہوں اُن پر کوئی جبر یا دباؤ نہ ڈالا گیا ہو۔ کیونکہ جبر کی صورت میں تراضی باقی نہیں رہتی اس لئے خرید و فروخت کا معاملہ ہو ہی نہیں سکتا۔

خریدار قیمت ادا کرنے سے پہلے مبیع پر قبضہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ قیمت دیدینے کے بعد ہی مال کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

اگر کوئی زمین فروخت کی جس میں فصل کھڑی ہے یا باغ بیچا جس میں پھل لگا ہوا ہے تو زمین کو خالی کر دینا اور پھلوں کو توڑ لینا ضروری ہے ورنہ بیع صحیح نہ ہوگی الا یہ کہ مشتری فصل کٹ جانے یا پھل پک جانے تک کی اجازت دیدے مگر بیع کے وقت یہ شرط نہ ہونا چاہیئے ورنہ بیع فاسد ہوگی۔ بائع مشتری کو مبیع پر قبضہ دلا سکتا ہو۔ یعنی چیز نہ تو کہیں رہن ہو نہ اُس میں کوئی دوسرا شریک ہو۔ رہن ہونا یا کسی دوسرے کی شرکت ہونا دونوں قبضہ دلانے میں مانع اور مزاحم ہیں۔ بیچی ہوئی چیز خریدار کے حوالے اس طرح کی جائے کہ قبضہ کرنے میں کوئی مانع نہ ہو۔

کسی ہندوستانی تاجر نے مصر یا امریکہ میں اپنا کوئی مال بیچا اور خریدار کے حوالے کر دیا تو بیع ہوگئی اب اگر خریدار ہندوستان کا رہنے والا ہو یا چین و جاپان کا تو بائع پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ مال کو چین، جاپان یا ہندوستان میں لاکر اس کے پاس پہنچائے۔ یہ خریدار کی ذمہ داری ہے کہ جب اُس نے رضامندی سے خرید لیا ہے تو وہ جہاں چاہے لے جائے لیکن

اگر خریدار نے یہ شرط لگادی تھی کہ یہ مال ہم فلاں جگہ لیں گے تو بائع کو شرط کے مطابق عمل کرنا لازم ہو جائے گا۔

اگر بائع نے ایسا مال بیچا جو سامنے نہ تھا اور یہ بھی نہیں بتایا کہ مال کہاں رکھا ہے۔ معاملہ طے ہو جانے کے بعد خریدار کو معلوم ہوا کہ مال ایسی جگہ ہے جہاں سے لانا خطرے کا سبب ہے یا بہت خرچ آئے گا تو وہ عقدِ بیع کو ختم کر سکتا ہے۔

اگر معاملہ طے ہو گیا لیکن قیمت خریدار نے ابھی ادا نہیں کی تو جب تک بائع اجازت نہ دے اُس کو چیز اُٹھانے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر اُٹھا لیا اور چیز میں کوئی خرابی آگئی تو اب اس کا قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا اور اس کو قیمت دینا پڑے گی لیکن اگر خریدار کے ہاتھ میں آنے سے پہلے چیز میں خرابی آگئی تو اس کا نقصان بائع کو برداشت کرنا ہوگا مثلاً شیشے یا چینی کے برتن خریدنے کے بعد قیمت ادا کرنے سے پہلے اگر کوئی برتن ٹوٹ جائے تو خریدار پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر اُس نے پسند کر کے اُٹھا لیا یا اپنے سامنے رکھ لیا اور پھر وہ کسی طرح گر کر ٹوٹ گیا تو خریدار پر قیمت ادا کرنا ضروری ہو گیا۔

معاملہ طے ہو جانے کے بعد اگر قیمت ادا کرنے سے پہلے مشتری کو یا چیز حوالہ کرنے سے پہلے بائع کو موت آگئی تو بائع کو قیمت لینے کا اور مشتری کو مبیع لے لینے کا حق ہوگا۔ مثلاً خریدار نے کسی دکان سے دو سو روپے کا غلّہ خرید لیا لیکن قیمت ادا کرنے سے پہلے اجل آگئی تو بائع کو قیمت لینے کا حق ہے، متوفی کے قرض خواہ قیمت کی ادائگی کو روک نہیں سکتے، اسی طرح اگر بائع نے قیمت تو لے لی تھی مگر غلہ حوالہ نہیں کیا تھا کہ اُس کا انتقال ہو گیا تو خریدار کو غلہ اُٹھا لینے کا حق ہے، اگر کوئی قرض خواہ اس غلّے کو اپنے قرض میں لینا چاہے تو اُسے حق نہیں کہ وہ مشتری کو غلہ اُٹھانے سے روک دے۔

اگر بائع نے کوئی چیز مشتری کو بخوشی زیادہ دیدی یا مشتری نے قیمت کچھ زیادہ دے دی تو معاملہ طے ہو جانے کے بعد کسی کو واپسی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً ایک دکاندار چار آنے میں دو درجن بٹن بیچتا ہے اور اُس نے کسی کو اپنی خوشی یا رعایت سے ڈھائی درجن چار آنے میں دیدیے تو اب اُس کو واپس لینے کا حق نہیں ہے اسی طرح اگر خریدار نے بخوشی چار آنے سے

بڑھا کر ساڑھے چار آنے قیمت دے دی تو اُس کو بھی واپسی کا حق نہیں ہے البتہ اگر غلطی سے دونوں نے زیادہ دے دیا تو واپسی کا حق باقی رہے گا۔

قیمت کی ادائگی اور مبیع کے اخراجات

دست بدست خرید و فروخت میں آنے والی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں کچھ خرچ نہیں ہوتا لیکن کوئی بڑی یا زیادہ چیز خریدی جائے یا کوئی بھی چیز باہر سے منگائی جائے یا تبادلہ کیا جائے تو ڈاک یا بار برداری کا بھی خرچ ہوتا ہے ان کے اخراجات کے بارے میں اسلامی شریعت نے یہ ہدایات دی ہیں:

۱۔ قیمت کی ادائگی کے سلسلے میں جو اخراجات ہوں گے وہ خریدار کے ذمّے ہوں گے مثلاً منی آرڈر اور بیمہ وغیرہ کا خرچ۔

۲۔ بیع نامہ لکھنے اور دستاویز کی رجسٹری وغیرہ کے اخراجات خریدار کو دینا پڑیں گے۔

۳۔ مبیع یعنی بیچی ہوئی چیز خریدار کے حوالے کرنے میں جو خرچ تولنے ناپنے وغیرہ پر آئے گا وہ بائع کے ذمّے ہوگا۔ جائداد بیچنے کی صورت میں اُس کے کاغذ کی تکمیل وتحصیل کا خرچ بھی بائع کے ذمّہ ہوگا۔

۴۔ اگر کوئی چیز اندازے سے بیچ دی گئی جیسے کھڑی فصل یا باغ کی پیداوار تو کھیت کاٹنے یا باغ کے پھل تڑوانے کی ذمہ داری بائع پر نہیں مشتری پر ہوگی۔

۵۔ جو چیز ڈاک خانے یا ریل یا کسی دوسری سواری یا مزدور کے ذریعے بھیجی جائے تو اس کے تمام اخراجات خریدار کو برداشت کرنا پڑیں گے۔ اگر بائع خود بخوشی برداشت کرے تو یہ اُس کا احسان ہوگا۔ خریدار کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے اگر وہ ایسی شرط لگائے گا تو بیع فاسد ہوگی۔

۶۔ اشیاء کا اشیاء سے تبادلہ ہو جیسے ہندوستان کی حکومت یا اُس کا کوئی تاجر امریکہ سے غلّہ منگائے اور اُس کے بدلے میں پٹ سن، چمڑا یا کوئی اور جنس دے تو دونوں کو اپنی اپنی چیزیں منگانے اور بار برداری اخراجات برداشت کرنا پڑیں گے، البتہ اگر دونوں میں طے ہو جائے کہ فلاں مقام تک پہنچا دیں گے تو دونوں کو اپنی اپنی چیز پہنچانے کا خرچ

برداشت کرنا پڑے گا۔

بیع کے جائز طریقے

عام طور پر تین طریقوں سے فروخت ہوتی ہے اور اسلامی شریعت نے تینوں طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔

۱۔ مبیع اور اُس کی قیمت کا تبادلہ دست بدست ہو، بائع کو قیمت مل جائے اور مشتری کو مال۔ یہ طریقہ سب سے بہتر ہے اور زیادہ تر اسی طریقے کو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ مبیع یعنی بیچی جانے والی چیز فوراً دیدی جائے اور قیمت اُدھار کرلی جائے۔ اس بیع کو بیع نسیہ کہا جاتا ہے جس کی اجازت خریدار کی سہولت کے پیش نظر دی گئی ہے۔

۳۔ قیمت پیشگی وصول کرلی جائے مگر چیز بعد میں دی جائے، اس بیع کو بیع سلم یا بیع سلف کہتے ہیں، اس میں بائع کی سہولت کو اور خریدار کے فائدے کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ان تینوں طریقوں سے دست بدست لین دین کا ذکر اوپر کی تفصیلات میں آچکا ہے۔ بیع نسیہ اور بیع سلم کے بارے میں بھی کچھ کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے کچھ باتیں اور بیان کی جاتی ہیں۔

بیع نسیہ

یعنی بیچی گئی چیز خریدار کے حوالے کردی جائے اور قیمت اُس کے کچھ دن بعد لی جائے۔ قیمت کے بیان میں کچھ باتیں کہی جاچکی ہیں۔ مزید باتیں اس طریقے سے متعلق یہ ہیں۔

۱۔ اُدھار معاملہ کرنے کی صورت میں بائع کی رضامندی لازمی ہے۔ بغیر رضامندی کے قیمت اُدھار لگانا جائز نہیں ہے۔

۲۔ ادائے قیمت کی مدت مقرر ہونا چاہیئے یعنی یہ کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ یا دن کو قیمت دی جائے گی جیسے عید کے دن یا عیدالاضحیٰ کے دن تو بھی جائز ہے مگر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ موسم سرما یا موسم گرما یا بارش تک کیونکہ ان میں اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ "پھر دیں گے"، یا جب پیسہ آئے گا تو دیں گے۔

۳۔ اُدھار بیچ دینے کے بعد بائع کو وہ فروخت شدہ چیز واپس لینے کا حق نہ ہوگا۔

۴۔ اُدھار کی مدت بڑھانے کا اختیار بائع کو ہے۔

۵۔ اگر اُدھار کی مدت مقرر نہیں کی تو یہ مدت زیادہ سے زیادہ ایک ماہ سمجھی جائے گی، ایک ماہ کے بعد خریدار یا تو فوراً قیمت دے یا بائع سے کچھ اور مہلت مانگے۔

اگر مہلت نہ دی تو لامحالہ خریدار کو قیمت اس مدت کے ختم تک دے دینا ہوگی۔

۶۔ اُدھار کی مدت اُس وقت سے شمار ہوگی جس وقت بائع نے چیز خریدار کے حوالے کر دی اگر بائع نے معاملہ طے کرنے کے ایک ماہ بعد یا دس دن بعد چیز دی تو یہ مدت بھی ایک ماہ یا دس دن بعد سے شروع ہوگی۔ اور اگر بائع نے چیز حوالے کر دی مگر مشتری اُس وقت اس کے پاس سے نہیں لے گیا تو جس وقت بائع نے حوالے کیا اُسی وقت سے اُدھار کی مدت شمار ہوگی، خریدار کے لے جانے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ اگر بائع قیمت کی ادائگی کی قسط مقرر کر دے تو پھر پوری قیمت اکٹھا مانگنے کا حق اُس کو نہیں ہے۔

۸۔ بائع کو اختیار ہے کہ نقد بیچنے کی صورت میں چیز کی قیمت کچھ سستی اور اُدھار کی صورت میں کچھ گراں کر دے مگر خریدار کو یہ معلوم ہونا اور اُس کا منظور کر لینا بھی ضروری ہے۔

اُدھار خرید و فروخت کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایتیں خریدار اور بائع کو دی ہیں ان کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

خریدار کو ہدایت ہے کہ جب قیمت اُس کے پاس ہو جائے تو ٹالنا اور بائع کو پریشان کرنا حرام ہے، اسلامی حکومت ایسے شخص کو سزا دے گی جو استطاعت کے باوجود بقایا رقم ادا نہ کرے، آپؐ نے فرمایا "مطل الغَنِیِّ ظُلم" (دینے کی قدرت رکھنے والے کا ٹال مٹول ظلم ہے) آپؐ نے فرمایا "سب سے اچھا وہ شخص ہے جو کسی کا بقایا اچھے طریقے پر ادا کرے۔

بائع کے بارے میں ہدایت ہے کہ مدت پوری ہو جانے کے بعد تقاضے اور سختی کے ساتھ قیمت وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ایک بار خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے کسی کی کوئی رقم باقی تھی اس نے کچھ سختی کی، بعض صحابہؓ کو یہ بہت ناگوار ہوا، اور اُنھوں نے اُسے سختی سے جھڑکنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا "اِنَّ لِصَاحِبِ الحَقِّ مَقَالًا" (حق دار کو کہنے سننے کی آزادی ہے) لیکن اس قانونی حق کے استعمال میں اس بات کا خیال بھی رہنا چاہیئے کہ ممکن ہے کچھ ایسی مجبوری ہو کہ یہ شخص نہ دے سکتا ہو، اسی بنا پر آپؐ نے فرمایا جو شخص کسی تنگ دست کو ادائگی کی مہلت دے یا اس کو معاف کر دے تو خدا تعالیٰ قیامت کی دشواریوں سے اُس کو نجات دے گا۔

بیع سَلَم یعنی بائع مشتری سے قیمت پہلے لے یا مشتری خود قیمت پہلے دے دے اور چیز بعد میں دینے کا وعدہ ہو تو اس طریقے سے خرید و فروخت جائز ہے۔
یہ اجازت بائع اور مشتری دونوں کی سہولت کے لئے دی گئی ہے کیونکہ اس کی ضرورت کبھی بیچنے والے کو اور کبھی خریدنے والے کو پڑتی رہتی ہے۔ ہر اُس چیز کی بیع سلم جائز ہے جس کی صفت زبان سے بیان کی جا سکے یا تحریر میں لائی جا سکے اور اُس کی مقدار کا اندازہ کیا جا سکے تاکہ بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں پیدا ہو۔ بیع سلم کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ اگر کوئی شرط ان میں سے نہ پائی جائے تو بیع باطل ہو جائے گی۔

پہلی شرط چیز کی پوری تفصیل معلوم ہونا ہے مثلاً اگر غلّہ لینا ہے تو اُس کی نوعیت اور قسم اُس میں گرد و غبار نہ ہونا، دوسرے غلّوں کی ملاوٹ سے پاک ہونا، خشک ہونا وغیرہ یا اگر کپڑا لینا ہے تو اُس کا نام، سوتی یا ریشمی، رنگ اور عرض وغیرہ، اسی طرح گھڑی، فاؤنٹین پین یا سائیکل وغیرہ صنعتی چیزوں کے لئے کارخانہ اور ماڈل کی تفصیل معلوم ہونا ضروری ہے، بہتر یہ ہے کہ نمونہ دکھا دیا جائے۔ یہ کہنا کہ چیز کیسی بھی ہو، صحیح نہیں ہے، اس میں اختلاف کا خدشہ ہے جس کی وجہ سے بیع درست نہ ہوگی۔

دوسری شرط بھاؤ اور قیمت کا طے ہونا ہے: مثلاً غلّے کی صورت میں یہ بات پہلے سے واضح ہونا چاہئیے کہ کس بھاؤ سے کتنے روپے کا لینا ہے۔ یہ کہنا کہ فصل کے وقت جو بھاؤ ہوگا لے لینا صحیح نہیں ہوگا۔ یا کسی کارخانے میں تیار ہونے والی چیز کو منگا کر دینے کے لئے اُس کی قیمت کا علم ہونا ضروری ہے تب ہی پیشگی رقم دینا جائز ہوگا۔ یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ جتنے میں پڑے گی لے لیجئے گا، نرخ اور قیمت دونوں کی بات چیت ہو جانا چاہئیے تاکہ اختلاف نہ ہو، ہاں منگانے کے اخراجات کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ جتنا خرچ ہو وہ دے دیجئے گا کیونکہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں اور یہ خریدار کے ذمّے ہے۔

تیسری شرط خرید و فروخت کی تکمیل کے لئے مدت کا تعین ہے یعنی یہ طے ہو جانا چاہئیے کہ فلاں مہینے میں یا فلاں تاریخ کو بیع مکمل ہو جائے گی۔

چوتھی شرط جگہ کا تعین جہاں خریدار چیز کو وصول کرے گا۔ یہ شرط اُن چیزوں میں ہے

جو آسانی سے منتقل نہ ہو سکتی ہوں اور بڑی مقدار میں ہوں۔ اگر ایسی چیزیں ہیں جو بہ آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی جا سکتی ہیں مثلاً گھڑی، فاؤنٹن پین، دس بیس گز کپڑا یا دس بیس سیر غلہ تو ان میں یہ شرط مطلوب نہیں ہے۔

پانچویں شرط معاملہ کرتے وقت قیمت ادا کر دینا ہے۔ اگر بات چیت آج ہوئی اور روپیہ کل دیا تو بائع کو حق ہے کہ وہ یا تو از سر نو معاملہ کرے یا انکار کر دے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہونے کی جو مدت مقرر کی گئی ہو اُس دوران وہ چیز بازار میں موجود ہو۔ اگر وہ بازار سے غائب ہو جائے تو بائع روپیہ واپس کر سکتا ہے۔ یہ قید فقہائے احناف نے لگائی ہے، باقی تینوں ائمہ کے نزدیک چیز اُس وقت موجود ہونا چاہیئے جب اُس کو دینا ہے، پوری مدت میں موجود رہنا ضروری نہیں ہے۔ عام حالات میں فقہائے احناف کی رائے پر عمل مناسب تر ہے۔ شدید ضرورت مثلاً اشیاء کی قلت ہو جانے کے باعث ائمہ ثلثہ کی رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

بیع سلم اُن چیزوں میں صحیح نہیں ہے جن کی تعیین نہ کی جا سکے مثلاً جانور۔ مگر امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ان میں بھی تعیین ممکن خیال کرتے ہیں۔ اگر عرف عام میں تعیین ہو جائے تو بیع سلم ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

مقررہ مدت گزر جانے پر اگر بائع نے چیز نہیں دی تو اس روپے سے خریدار کو دوسری چیز لینے کا حق نہیں ہے اُسے روپیہ واپس لے لینا چاہیئے یا کچھ اور مہلت دے دینا چاہیئے۔

اسی طرح اگر خریدار کو وہ چیز خریدنے کی ضرورت نہیں رہی جس کے لئے اُس نے روپیہ دیا تھا تو وہ معاملہ ختم کر سکتا ہے مگر اس کے بجائے دوسری چیز نہیں لے سکتا۔ پہلے وہ اپنا روپیہ واپس لے پھر دوسری چیز خریدنے کا دوسرا معاملہ کرے۔

یہ حکم اہم وجوہ کے ماتحت ہے: پہلی وجہ یہ کہ اگر بائع کسی وجہ سے مال نہ دے سکا تو جب وہ دوسری چیز خریدار کو دے گا تو اس میں کچھ نہ کچھ رعایت ضرور ملحوظ رکھے گا۔ رعایت کے نتیجے میں اُسے کچھ ملے گا نہیں بلکہ نقصان ہوگا اور اسی کا نام سود ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ روپیہ بطور قرض دیا گیا تھا اور قرض کے بدلے میں نفع اُٹھانا منع ہے، اور یہ رعایت ایک طرح کا

نفع ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

بیع استصناع استصناع کے معنی بنوانے کے ہیں یعنی وہ بیع جو کسی چیز کے بنوانے کے لئے کی جائے۔ یہ بیع سلم ہی کی ایک قسم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بیع سلم میں قیمت معاملہ کرتے ہی ادا کی جاتی ہے اور بیع استصناع میں قیمت فوراً ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ جب مال مل جائے تب قیمت ادا کرنا ہوگی۔ باقی تمام باتیں بیع سلم کی طرح پہلے ہی طے ہوجانا چاہئیں۔

مثلاً ایک جوڑ جوتا بنوانے کا آرڈر دیا تو یا تو نمونہ دکھا کر معاملہ طے کرنا چاہیئے یا پھر پوری تفصیل طے ہوجانی چاہیے کہ وضع کیا ہوگی اور رنگ کیا ہوگا۔ فیتے دار ہوگا یا نیوکٹ وغیرہ۔

یا اگر کسی فرم کو سائیکل یا موٹر کا آرڈر دیا تو اس کے ماڈل اور پرزوں کے متعلق بھی صراحت کرنا ہوگی کہ امریکن ہوں گے یا جرمن یا برطانیہ کے بنے ہوئے قیمت کس سکے میں ادا ہوگی اور کیا ہوگی، سامان کتنی مدت میں اور کس جگہ سپلائی کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ، غرض کہ وہ تمام باتیں طے ہوجانا چاہئیں جن سے بعد میں کوئی اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

بیع کے ناجائز طریقے بیع کے وہ طریقے جن سے وہ ناجائز قرار پاتی ہے عموماً اُن کی تین قسمیں ہیں: باطل، فاسد اور مکروہ۔

بیع باطل یہ ہے کہ خرید و فروخت سودی طریقے پر ہو یا جوئے کے ذریعے سے ہو۔ یا حرام چیزوں مثلاً شراب وغیرہ کی تجارت ہو تو یہ سارا کاروبار حرام اور باطل ہوگا۔

بیع فاسد وہ ہے جس میں مبیع بک تو سکتی ہے لیکن جس صورت میں بیچی جارہی ہے، وہ صحیح نہیں ہے مثلاً گھاس کا بیچنا ناجائز نہیں۔ لیکن اگر وہ میدان کی خودرو گھاس جس کا مالک وہ نہیں ہے بیچ رہا ہے تو بیع فاسد ہوگی۔ اگر غلطی سے ایسی خرید و فروخت ہوگئی تو اِس معاملے کو فسخ کردینا چاہیئے۔ اگر نہیں کرے گا تو اسلامی حکومت فسخ کرادے گی۔

بیع مکروہ یہ ہے کہ مال حلال تو ہو اور بیچنے والے کی ملک بھی ہو مگر خرید و فروخت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا مقصود ہو مثلاً کسی چیز کی قیمت دس روپے طے ہوگئی اور بیچنے وال

اس پر راضی بھی ہو چکا تھا کہ ایک تیسرا شخص اسی چیز کو گیارہ یا بارہ روپے دے کر لیتا ہے تو بیع مکروہ ہوگی یا کبھی دام بڑھانے سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ بائع کا فائدہ ہو جائے، چونکہ خریدار کو ضرورت ہے اس لئے وہ زیادہ پیسے لگائے گا یہ زیادہ قیمت محض اس دوسرے شخص کی وجہ سے دینا پڑتی ہے اس لئے اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کر دیا جائے مگر اسلامی حکومت زبردستی فسخ نہیں کرائے گی البتہ اگر بطور پیشہ یہ عمل اختیار کیا جائے یا بائع خود اس طرح کے دلال مقرر کرے تو یہ بیع فاسد قرار دی جائے گی اور اس کا حکم وہی ہوگا جو بیع فاسد کا بیان ہو چکا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے بھاؤ کے اوپر بھاؤ لگانے سے منع فرمایا ہے۔ نیلام کا حکم اس سے جدا ہے۔

سودی کاروبار

اسلامی شریعت نے سود کو قطعی حرام ٹھہرایا ہے۔ صرف قرض دیئے ہوئے روپیہ کے بدلے میں ایک ماہ یا ایک سال بعد کچھ زیادہ رقم وصول کرنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی سود ہے کہ تجارت میں لگانے کے لئے روپیہ اس شرط پر لیا جائے کہ اس کو بڑھا کر لوٹایا جائے گا۔ یا قرض تو بلا سودی دیا مگر روپے دینے کے عوض قرضدار سے روپے لینے کے علاوہ کچھ اور فائدہ اٹھایا مثلاً اپنی خدمت لی یا کوئی چیز قرض دینے کی رعایت میں سستی خریدی تو یہ سب سود میں داخل ہے اسی طرح جو چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں ان کی خرید و فروخت اور تبادلہ میں بھی بعض اوقات سود ہو جاتا ہے، اس لئے ہر طرح کے سودی کاروبار کی اسلام میں ممانعت ہے، قرآن میں سود کو نجس کہا گیا ہے، سود لینے والوں کو شیطان کے ہاتھوں کا کھلونا کہا گیا ہے جو لوگ مسلمان ہوں اور سود لیں اُن کے لئے ارشاد ہے کہ خدا سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ یعنی اُسے اللہ سے بغاوت قرار دیا گیا ہے، وہ شخص خدا کا باغی اور نافرمان سمجھا جائے گا اور اس کو وہی سزا ملے گی جو باغیوں اور سرکشوں کو ملتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے، سودی کاروبار لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے سب پر لعنت کی ہے، حضرت عمرؓ نے اس کی حرمت کی شدت کے پیش نظر فرمایا کہ ربوٰ (سود) اور رِیبہ (شبہ) دونوں چھوڑ دو یعنی سود اور جس میں سود کا ذرا بھی شائبہ پایا جائے اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔

ان سخت احکام کے پیشِ نظر ایسی تمام خرید و فروخت کے معاملے جن میں سود کی آمیزش کا شبہ بھی ہو جائے ممنوع قرار دئے گئے ہیں۔

سود اخلاقی حیثیت سے ناپسندیدہ

ہمدردی اور بہی خواہی انسانیت کا جوہر ہے اور قرآن و حدیث میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔ سود اس جوہر انسانیت کی نفی کرتا ہے اور اس کی جگہ خود غرضی اور منفعت پرستی سکھاتا ہے۔ اپنے نفع کی خاطر دوسروں کی عزت و آبرو بلکہ جان و مال سے کھیلنے کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔ اگر کسی لاوارث کی تجہیز و تکفین کے لئے چند روپے دے گا تو اس کی خواہش یہ ہوگی کہ اس روپیہ کا سود اگر نہ ملے تو کم از کم اصل روپیہ ہی لوگ چندہ کر کے اُسے واپس کر دیں، غرض یہ کہ انسانیت کا یہ جوہر اُس سے چھن جاتا ہے، حالانکہ اسلام اسی کو پیدا کرنے کا داعی ہے۔ قرآن میں بغیر احسان جتائے دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا سبق دیا گیا ہے، دکھاوے کے لئے یا کسی غرض سے مالی اعانت کرنے کی مذمت کی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے اور فرمایا کہ بہتر شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ ظاہر ہے کہ جو اخلاق و کردار اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے وہ سود خورانہ ذہنیت کے ساتھ ممکن نہیں۔

بینک اور ڈاک خانے سے ملنے والا سود

چونکہ ڈاک خانہ اور بینک اپنی جمع کردہ رقوم پر سود دیتا ہے۔ اس لئے وہ بھی حرام ہے اور ان دونوں اداروں سے سود پر روپیہ لے کر تجارت کرنا بھی حرام ہے۔ یہی حکم نیشنل سیونگز سرٹیفکیٹ پر ملنے والے سود کا بھی ہے، رہا زمینداری بانڈ میں سود کے نام سے جو رقم درج کی گئی ہے بعض فقہا اس کو سود نہیں گردانتے کیونکہ جس چیز کے معاوضے میں یہ رقوم دی جا رہی ہیں، اُس چیز کی اصل قیمت اُن رقوم سے کہیں زیادہ ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ، بیکاری فنڈ یا کسی اور فنڈ میں جو رقم ملازم کی تنخواہ سے کٹ کر ہر مہینے جمع ہوتی رہتی ہے اُس پر حکومت کی طرف سے جو سود ملتا ہے وہ سود ہی ہے اس لئے وہ بھی جائز نہیں اگرچہ بعض فقہاء نے اُس کو حکومت کی طرف سے انعام تصور کرتے ہوئے اُسے جائز قرار دیا ہے مگر پھر بھی اس میں سود کا شبہ موجود ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا اولیٰ ہے۔

سودی کاروبار کی برائی معاشی حیثیت سے

سنہ ۱۹۵۶ء میں جب غلّے کا بھاؤ بڑھنا شروع ہوا تو تاجروں نے زیادہ سے زیادہ روپیہ غلّے کی تجارت میں لگانے کے لئے بینکوں سے سود پر لے کر پیشگی غلّے کی خریداری کے لئے تقسیم کیا اور بینکوں نے جی کھول کر روپیہ قرض دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گیہوں جو بازار میں بارہ روپے من بکتا تھا وہ بیس بائیس روپے من ہوگیا اور پھر گراں ہوتے ہوتے ساٹھ ستر روپے من ہوگیا، کیونکہ جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اُس کی مانگ بھی زیادہ ہوتی ہے اور لوگ اُسے ہر قیمت پر خریدنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں، بڑے تاجر ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ غلہ جمع کرکے غریبوں اور کم آمدنی والے لوگوں سے وہی دام وصول کرتے ہیں جو دولت مندوں اور امیروں سے لیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب عوام تکلیف اور تنگ حالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں گویا چند بینکوں کے مالکوں اور غلّے کے بڑے بڑے تاجروں کو سودی کاروبار سے فائدہ پہنچتا ہے اور باقی دنیا کو خسارہ۔

اُدھار خریدنے اور بیچنے اور چیزوں میں کمی بیشی کرنے کی وجہ سے سود

جن چیزوں کو ہم استعمال کرتے ہیں اور اُن میں کمی بیشی کرکے یا اُدھار بیچتے ہیں وہ عموماً پانچ طرح کی ہوتی ہیں (۱) سونا چاندی یا ان سے بنی ہوئی چیزیں (۲) تول کر بیچی جانے والی چیزیں جیسے لوہا، تانبا، پیتل، غلہ، ترکاری، میوے، مسالے، روٹی اور گھی وغیرہ۔
(۳) پیمانے سے ناپ کر بیچی جانے والی چیزیں (۴) میٹر، گز یا فٹ سے ناپ کر بیچی جانے والی چیزیں اور (۵) وہ چیزیں جو گن کر بکتی ہیں، ان میں سے ہر ایک کا بیان الگ الگ کیا جاتا ہے۔

۱۔ چاندی اور سونے کا حکم

سونے اور چاندی سے بنی ہوئی چیزیں اگر سونے یا چاندی کے سکّوں سے خریدی یا بدلی جائیں تو دو باتیں ضروری ہیں، ایک یہ کہ دونوں کا وزن برابر ہو، دوسری یہ کہ دست بدست خرید فروخت ہو اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہوگی تو سود کا معاملہ ہو جائے گا مثلاً کسی کے پاس چاندی ہے اور وہ چاندی سے بنا ہوا زیور لینا چاہتا ہے، یا سونا ہے اور وہ سونے سے بنا ہوا زیور لینا چاہے تو یہ ضروری ہے کہ معاملہ دست بہ دست کرے اور دونوں کا وزن برابر ہو۔ اگر اُدھار معاملہ کیا یا وزن میں کمی

بیشی کی تو سود ہو جائے گا۔ اگر زیور کی بنوائی دینا ہو تو الگ سے دینا چاہیئے، جس چاندی یا سونے کے بدلے میں نئی چاندی و سونا یا اس سے بنا ہوا زیور لیا جا رہا ہے اُس میں کمی یا بیشی نہ ہونا چاہیئے۔

جن ملکوں میں چاندی یا سونے کے سکّے چلتے ہیں مثلاً حجاز میں دینار اور امریکہ میں ڈالر تو ان سکوں کے بدلے میں اگر وہ سونے کے ہیں تو سونا اور اگر چاندی ہو تو اتنی ہی چاندی لینا چاہیئے۔ سونے اور چاندی کے سکوں کا تبادلہ بھی برابر کی بنیاد پر ہونا چاہیئے، دو حکومتوں کے درمیان یہ تبادلہ اگر بٹہ کاٹ کر کیا جائے تو یہ بھی اسلام میں سود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دینار کو دو دینار کے بدلے یا ایک درہم کو دو درہم کے بدلے نہ بیچو، آپؐ کے اس حکم پر عمل کرنے کے لئے موجودہ زرمبادلہ کے طریقے کو سمجھنا ضروری ہے۔ سکوں کی بلیک مارکٹنگ بھی حرام ہے۔

سونے کو چاندی سے یا چاندی کو سونے سے بدلنا ہو یا سونے سے چاندی کے سکے اور چاندی سے سونے کے سکے خریدنا ہوں تو وزن کی شرط باقی نہیں رہے گی لیکن یہ شرط ضرور رہے گی کہ معاملہ دست بدست ہو اُدھار نہ ہو، یعنی جائز طریقہ یہ رہا کہ اگر سونے یا چاندی کو یا اُن سے بنی ہوئی چیزوں کو ایک ہی جنس سے بدلنا ہے تو اس میں دونوں شرطوں کا لحاظ ہوگا، وزن کی برابری اور دست بدست خرید و فروخت لیکن اگر جنس بدل جائے تو پھر وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں، دست بدست خرید و فروخت ہونا ضروری ہے۔

اگر کسی نے دس تولے چاندی اس طرح خریدی کہ ۵ تولے چاندی یا چاندی کا زیور اور باقی پانچ تولے کی قیمت ریزگاری یا نوٹ کی شکل میں ادا کر دی جائے تو یہ جائز ہے، اسی طرح اگر سونے کا نیا زیور جو زیادہ وزن کا ہو پرانے کم وزن کے سونے کے زیور اور اُس کے ساتھ نوٹ یا ریزگاری ملا کر خریدا جائے تو یہ صورت بھی جائز ہے لیکن معاملہ دست بدست ہونا بھی ضروری ہے۔ خلاصہ یہ کہ اُس سونے یا چاندی یا اُن سے بنی ہوئی چیزوں کا وزن اگر اُن چیزوں کے وزن سے کم ہو جنھیں خریدا جا رہا ہے تو نوٹ یا ریزگاری ملا کر اس سے زیادہ وزن کی قیمت ادا کر دینا جائز ہے لیکن یہ کمی اگر چاندی سونے یا اُن کے سکوں سے پوری کی تو جائز نہیں، کیونکہ ایک ہی جنس کی چیزوں کا ہم وزن ہونا ضروری ہے۔ سچے گوٹے، ٹھپے، انگوٹھی، برتن وغیرہ

چاندی کی چیزوں کا یہی حکم ہے۔ ہاں اگر ان چیزوں میں نصف سے زیادہ ملاوٹ ہو اور پھر اُن سے چاندی یا چاندی کے زیور یا سونے کو خرید اجائے تو پھر وزن کا برابر ہونا ضروری نہیں لیکن معاملہ دست بدست ہونا چاہیئے۔ اگر ملاوٹ کم تر ہے تو اُس کا حکم سونے یا چاندی کی طرح ہے جیسا کہ عام طور پر زیور میں ذرا سا تانبا ملا دیتے ہیں تو اس سے حکم نہیں بدلتا۔

۲۔ تُل کر بکنے والی چیزوں کا بیان

غلہ، ترکاری، خشک میوے، شکر، نمک، گوشت لوہا، تانبا، پیتل، المونیم وغیرہ روپے پیسے سے بھاؤ اور قیمت طے کر کے خریدی اور بیچی جا سکتی ہیں لیکن اگر یہی چیزیں یا اُن کی بنی ہوئی چیزیں ایک دوسرے سے بدلی جائیں مثلاً: تانبے کا لوٹا دے کر تانبے کی پتیلی لیں۔ ایلومنیم دے کر ایلومنیم، شکر دے کر شکر، گیہوں دے کر گیہوں کا تبادلہ کریں تو وزن کی برابری اور دست بدست کا معاملہ ہونا دونوں شرطیں پوری ہونا ضروری ہیں مثلاً کوئی شخص خراب گیہوں دے کر اچھا گیہوں لینا چاہتا ہے یا آٹے سے بدلنا چاہتا ہے تو دونوں کا وزن برابر ہونا چاہیئے اور دست بدست خرید و فروخت ہونا چاہیئے البتہ اگر اُس نے گیہوں قیمت دے کر خرید لیا تو اُس قیمت سے وہ جس بھاؤ بھی دوسرا گیہوں خریدنا چاہے خرید سکتا ہے، غرض کہ تول سے بکنے والی چیزوں میں بھی اگر ایک جنس کا تبادلہ اُسی جنس کی دوسری چیز سے کرنا ہو تو وزن میں برابری اور دست بدست ہونا ضروری ہے۔

اگر چیزیں مختلف جنس کی ہوں مثلاً گیہوں دے کر جَو لیے جائیں یا جو دے کر دھان لئے جائیں یا غلّے کے بدلے میں ترکاری لی جائے یا تانبے کی چیز دے کر لوہے یا پیتل کی چیز لی جائے تو اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے مگر معاملہ آمنے سامنے ہونا چاہیئے اُدھار یا وعدہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُدھار معاملہ کرنے میں چیز بدل بھی سکتی ہے اور وزن بھی گھٹ بڑھ سکتا ہے جو جھگڑے کا سبب ہوگا۔

۳۔ پیمانے سے بکنے والی چیزیں

پیمانے سے ناپ کر بیچی جانے والی چیزوں کا بھی وہی حکم ہے جو تول کر بیچی جانے والی چیزوں کا بیان ہو چکا۔ مثلاً ایک سیمنٹ کی بوری کے بدلے میں دوسری سمنٹ کی بوری یا سوفٹ چونا

دے کر دوسرا سوفٹ چونا لینا ہے تو دونوں کے پیمانوں کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور دست بدست ہونا بھی۔ لیکن ایک بوری سیمنٹ دے کر چونا یا چونا دے کر سیمنٹ لینا ہو تو پیمانہ کم و بیش ہو سکتا ہے مگر معاملہ ہاتھ کے ہاتھ ہونا چاہیئے۔

۴۔ گز یا فٹ سے ناپ کر اور
۵۔ گنتی سے بکنے والی چیزیں

کپڑا، فیتہ، ٹاٹ وغیرہ فٹ گز یا میٹر سے ناپ کر بیچی جاتی ہیں اور آم انڈے وغیرہ گن کر بیچے جاتے ہیں۔

اگر دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے تو شرط یہ ہوگی کہ معاملہ ہاتھ کے ہاتھ ہو یعنی دینے والی چیز فوراً دے دی جائے اور لینے والی چیز فوراً لے لی جائے۔

لیکن اگر دونوں طرف مختلف چیزیں ہوں تو ان صورتوں میں ناپ، تول اور گنتی کے برابر ہونے کی ضرورت نہیں اور اُدھار میں بھی لین دین ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر چیز تو ایک طرح کی ہو مگر اس کی صورت یا نوعیت بدلی ہوئی ہو مثلاً بھالٹین کے بدلے ململ، یا دودھ کے بدلے میں کھویا یا کاپی کے بدلے میں کاغذ خریدنا ہو تو برابر ہونا اور دست بدست ہونا ضروری نہیں ہے۔

غرضکہ وزن اور پیمانے سے بکنے والی چیزیں اگر دونوں طرف ایک ہی جنس کی ہوں تو دو شرطیں ہیں؛ وزن اور پیمانے میں مساوات اور ہاتھ کے ہاتھ لین دین۔ مگر ناپ کر اور گن کر بیچی جانے والی چیزیں اگر اُن کی جنس الگ الگ ہو مثلاً گیہوں اور جَو، دھان اور چنا تو وزن، پیمانے اور تعداد کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف دست بدست ہونا ضروری ہے اور جو چیزیں پیمانے یا تول سے نہیں بکتیں یا دونوں طرف دو الگ الگ قسم کی چیزیں ہیں تو ان میں نہ تو وزن و پیمانہ اور تعداد کی برابری ضروری ہے اور نہ دست بدست کی مثلاً تانبے کی پتیلی دے کر ایک درجن پلیٹیں چینی یا تام چینی کی خریدی جائیں یا ایک تھان کپڑے کے عوض ایک من شکر خریدی جائے تو دونوں میں سے کوئی شرط موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔

جُوے اور شرط لگانے کی حُرمت

سودی کاروبار کی طرح جوئے کا کاروبار بھی حرام ہے جوا خواہ بازی لگا کر ہو یا کوئی شرط لگا کر یا بخت و اتفاق کی بنا پر فائدہ اُٹھانے کی شکل ہو اسلام نے ان سب طریقوں سے کمائی کو ناجائز قرار دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں مَیسر کو حرام کہا گیا ہے۔ میسر صرف یہی نہیں ہے کہ چند روپے یا چند

پیسوں کی بازی لگاکر فائدہ یا نقصان اُٹھایا جائے بلکہ جوئے اور قمار ہی کی ایک شکل یہ بھی ہے جس میں ایک آدمی کا پیسہ دوسرے آدمی کو بخت واتفاق سے مل جائے۔ لاٹری، ریس اور معموں وغیرہ کے ذریعے جو فائدہ حاصل کیا جاتا ہے وہ جوئے میں داخل ہے کیونکہ فائدہ اور نقصان اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔

میسر یعنی جوئے کی تعریف

علماء نے میسر کی تعریف یہ کی ہے "تعلیق الملک علی الخطر" (اپنی ملکیت کو خطرے میں ڈالنا) یعنی جس کا فائدہ محض اتفاق پر منحصر ہو اسی لئے بیع الغَرَر کی ممانعت ہے، غرر کے معنی ہیں دھوکہ یہ ایک جامع لفظ ہے اس میں ہر وہ کاروبار داخل ہے جس میں دھوکے کی صفت پائی جائے۔ بیع غرر کی چند قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

بیعِ مُنابذہ

ایک طرف متعین رقم یا جنس ہو اور دوسری طرف غیر متعین رقم یا جنس ہو مثلاً کسی نے کہا کہ اس باغ کے پھل میں نے اس شرط پر بیچے کہ اس میں پانچ ہزار پھل سے زیادہ جتنے پھل ہوں گے وہ سب میرے ہوں گے اور اگر کم ہوں گے تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہوگی۔ یا کوئی کہے کہ اس چار من گیہوں کے بدلے اس مٹر کے کھیت کی فصل میں نے خرید لی یا فلاں ویگن میں جتنا سامان ہے وہ سب اتنی قیمت میں بیچا جاتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں بیع صحیح نہ ہوگی کیونکہ جو چیز بیچی یا خریدی جا رہی ہے وہ متعین نہیں ہے اگر معاملہ اس طرح طے ہو جائے اور بائع یا مشتری کو نقصان اٹھانا پڑے تو جھگڑے اور اختلاف کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ اگرچہ نقصان اور فائدے کا امکان ہر تجارت میں ہوتا ہے مگر اُس کی وجہ دوسری ہوتی ہے، اصل معاملہ اتفاق پر مبنی نہیں ہوتا چونکہ ایسے واقعات جن میں ایک آدمی نے کسی جہاز میں لدے ہوئے مال کو بغیر دیکھے خرید لیا اور پھر وہ سخت خسارے میں پڑ گیا ظہور میں آچکے ہیں، اس لئے بیع منابذہ ناجائز ہے۔

بیعُ المُلامَسہ اور بیعُ الحَصَاۃ

مُلامسہ کے معنے چھونا اور حصاۃ کے معنی کنکری کے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بہت سے رکھی ہوئی چیزوں میں سے جس پر مشتری کا ہاتھ پڑ جائے وہ اُس کی ہو جائے یا وہ ایک کنکری پھینکے

اور جس چیز پر وہ پہنچ جائے وہ اُس کی ہو جائے، یہ سب طریقے ناجائز ہیں، ریس اور لاٹری میں بھی ہوتا ہے کہ لاکھوں روپے کا مال صرف پانسہ پھینک کر اور بازی بدکر بک جاتا ہے۔

معمہ بازی میں یہ ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کا فائدہ تو متعین ہوتا ہے، ایک معمہ جاری کرنے والے کا اور دوسرا اُس شخص کا جس نے بازی جیتی یا انعام پایا مگر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی جیب سے پیسہ نکال کر صرف دو آدمیوں کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ صریحاً ظالمانہ ہے کہ ہزاروں آدمی صرف ایک موہوم امید پر اپنا پیسہ لگائیں اور نقصان اُٹھائیں اگر وہ جان پاتے کہ اُن کے حصّہ میں کچھ نہیں آئے گا تو روپیہ اور محنت معمہ حل کرنے میں ضائع نہ کرتے۔

معمہ کا حل اگر فیس کے ساتھ نہ بھی لیا جاتا ہو تو رسالے کی کوپن کے ساتھ تو بھیجنا ہی پڑتا ہے اس لئے ہر معمہ بھیجنے والے کو رسالہ خریدنا لازم ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح خرچ کرنا ایک موہوم امید پر مصارف کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

بیمہ

خواہ مال کا بیمہ ہو یا جان کا دونوں ناجائز ہیں، اس میں سود بھی ہے جُوا بھی اور رشوت بھی۔ مال کے بیمہ میں جو معاوضہ بیمہ کمپنی دیتی ہے وہ مال کا معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ اُس رقم کا ہوتا ہے جو بیمہ کرانے والے اُسے سالانہ ادا کرتے رہتے ہیں ورنہ بیمہ شدہ مال سے تو کمپنی کو کوئی فائدہ ہوتا ہی نہیں، ظاہر ہے کہ معاوضہ کی ادائی بخت و اتفاق پر مبنی ہے، اسی کا نام میسر (جُوا) ہے۔ یہ سود اس طرح ہے کہ نقصان کا جو معاوضہ کمپنی دیتی ہے وہ یا تو اُس رقم سے زیادہ ہوگا جو بیمہ کرانے والوں سے ملی ہے یا کم ہوگا، دونوں صورتوں میں ایک فریق کا نقصان ہوگا اور دوسرے کا فائدہ اسی کا نام سود ہے۔ جان کا بیمہ سود ہونے کے ساتھ رشوت بھی ہے، اسلام میں جان ایسا مال نہیں جو خرید و فروخت کے بدلے میں استعمال ہو سکے اور معاملات میں دونوں طرف ایسی چیزیں ہونا ضروری ہیں جو عوض بن سکیں اور رشوت کی تعریف بھی یہی ہے کہ وہ کسی مال کے عوض میں نہ ہو۔

رشوت

سود اور جوئے کی طرح رشوت بھی حرام ہے، قرآن میں اس کی ممانعت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنم میں جائیں گے۔ رشوت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کام پر مقرر ہو اُس کا معاوضہ حکومت سے یا کسی

ادارے یا شخص سے بطور تنخواہ پاتا ہو اور پھر بھی اسی کام کے کرنے کا معاوضہ کچھ اور لے لے مثلاً:

ایک دفتر کا کلرک اس لئے مقرر ہے کہ وہ لوگوں کے پاسپورٹ بنا دیا کرے، اب اگر پاسپورٹ بنانے میں تنخواہ کے علاوہ پاسپورٹ بنوانے والے سے اس نے کچھ لیا تو رشوت ہوگی کیونکہ اس کو اس کام کا معاوضہ مل رہا ہے، اب یہ معاوضہ وہ کس چیز کے بدلے میں لے رہا ہے۔ کسی اہل کار کو اُس کے کار منصبی کی وجہ سے کوئی تحفہ یا ہدیہ ملے تو وہ بھی رشوت ہے۔ ایک بار ایک شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا جب وہ واپس ہوا تو اُس نے کہا اتنا مال زکوٰۃ کا ہے اور اتنا مجھے ہدیہ ملا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ وہ اپنے گھر بیٹھ کے دیکھے کہ کوئی اُس کو ہدیہ دیتا ہے یعنی یہ ہدیہ عُہدے کی وجہ سے ملا۔

مستقبل کے سودے ایک شخص جانور کے ایک یا کئی حمل کو بیچ دے، اس کو حبل الحبلہ کہتے ہیں، ایک شخص اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل دو تین سال کے لئے بیچ دے، اس کو بیع معاومہ کہتے ہیں، حدیث میں ان دونوں سے منع کیا گیا ہے مثلاً: کسی کے کھیت میں ایک سال دس من غلہ پیدا ہوا یا باغ کا پھل سو روپے میں بکا تو اسی پر قیاس کر کے یا اندازے سے آئندہ دو تین سال کے لئے معاملہ کر لیا۔ یا جانور نے ابھی بچہ نہیں دیا ہے مگر ہونے والے بچے کو فروخت کر دیا۔ اس قسم کے تمام کاروبار سے روکا گیا ہے کیونکہ یہ بھی میسر کی ایک قسم ہے۔

مستقبل کے سودے کا طریقہ دو پہلوؤں سے ناجائز ہے ایک تو یہ کہ جو چیز بیچی جاتی ہے وہ سامنے اور قبضے میں نہیں ہوتی، دوسرے فائدہ محض بخت و اتفاق پر مبنی ہوتا ہے یہ خصوصیات جس کاروبار میں پائی جائیں گی وہ ناجائز ہوگا۔ مستقبل کے سودوں میں بیشتر چھوٹے تاجروں کو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے اور بڑے تاجروں کو اس بات کا موقع ملتا ہے کہ وہ چیزوں کا اسٹاک کر کے گرانی پیدا کریں اور خوب فائدہ اُٹھائیں۔

بیع الحبلہ کی بعض اور صورتیں بیع الحبلہ صرف حمل کے بیچنے کو ہی نہیں کہتے بلکہ ہر مجہول چیز کے بیچنے کو کہتے ہیں مثلاً: کسی نے کہا کہ گائے کے تھن میں جو دودھ ہے وہ میں بیچتا ہوں یا بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہیں وہ سب

بیچنا ہوں یہ سب بیع الحبلہ میں داخل اور ناجائز ہے، دودھ کو نکال کر بیچنا اور بال کو کاٹ کر بیچنا صحیح ہے، اسی طرح مکان میں لگے ہوئے بانس یا کڑیوں کو بیچنا بھی باطل ہے۔ ان کو نکال کر بیچنا چاہیئے۔

کاروبار میں دھوکہ یا فریب

غَرَر، نَجَش، غِش اور مُصَرَّات جیسے دھوکے کے کاروبار اسلام میں حرام ہیں، غَرَر کے معنی خطرہ برداشت کرنے کے ہیں، ایسا معاملہ جس میں کسی فریق کا فائدہ خطرے میں پڑتا ہے یا ایسی چیز فروخت کی جائے جو قبضے میں نہ ہو جیسے دریا کی مچھلیاں جو دریا میں ہی ہوں ان کا ٹھیکہ دینا بھی فاسد ہے، نجش یہ ہے کہ خراب مال کی اس لئے تعریف کی جائے کہ اس کے دام بڑھیں۔ غش کے معنی کھوٹ کے ہیں، کھوٹی چیز کو کھرا کہنا بھی دھوکہ دینا ہے، مصراۃ تھن پر تھیلی چڑھانے کو کہتے ہیں تاکہ دودھ روک کر یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ بڑی دودھاری گائے یا بکری ہے۔ غرض کہ وہ تمام کاروبار جو غلط پروپیگنڈے خراب اور عیب دار چیز کو عمدہ دکھا کر نقلی کو اصلی بنا کر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے کئے جاتے ہیں اسلام میں ناجائز ہیں۔

غیر موجود مال یا قیمت پر اُدھار کاروبار

مال اور قیمت دونوں موجود نہ ہوں اور اُدھار خرید و فروخت کر لی جائے اُس کو حدیث میں الکالی بالکالی کہا گیا ہے، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، بعض ساحلی شہروں میں لاکھوں روپے کا کاروبار صرف چند منٹ بات کر کے ہو جاتا ہے بس صرف یہ معلومات فراہم کرنا پڑتی ہے کہ مال کہاں ہے اور کہاں سے آرہا ہے، اپنی جیب سے پیسہ خرچ کئے اور مال کے موجود ہوئے بغیر لاکھوں روپے کا فائدہ یا نقصان لوگ اس کاروبار سے اُٹھاتے ہیں جس کو عام خریداروں کی جیب سے حاصل کیا جاتا ہے۔

ایک اُدھار معاملے پر دوسرا اُدھار معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے مثلاً کسی نے ایک مکان خریدا اور قیمت اُدھار کر لی پھر کچھ دن بعد اُس نے مکان بیچنے والے سے کہا کہ اس مکان کی اگر تم اتنی قیمت دیدو تو پھر تم کو واپس کر دوں یا اتنا روپیہ دے کر اپنا مکان واپس لے لو تو یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

کوئی مال امریکہ یا روس سے چلا ہے، ابھی وہ راستہ ہی میں ہے کہ مال کے ایجنٹوں سے بمبئی یا کلکتے کا ایک تاجر معاملہ طے کر لیتا ہے اور پھر وہ تاجر کسی دوسرے تاجر سے منافع لے کر اسی مال کو بیچ دیتا ہے یہ ناجائز ہے کیونکہ اس الٹ پھیر کی وجہ سے وہ چیز جو چار آنے میں بکتی اب پانچ یا چھ آنے میں بکتی ہے۔

بیچ سے فائدہ اُچک لینا

بائع اور خریدار کے درمیان واسطہ بن کر کچھ بیچ کے لوگ اس فائدے کو اچک لیتے ہیں جو بائع اور خریدار کو ہوتا مثلاً دلال یا وہ تاجر جو مال بازار میں آنے سے پہلے ذخیرہ کر لیتے ہیں تاکہ جو فائدہ صارفین کو ہوتا ہے اُسے خود مار لیں، ایسے تمام لوگ اسلامی شریعت میں ناپسندیدہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَلَقَّى الْجَلَبَ فَإِنْ تَلَقَّاهُ إِنْسَانٌ فَابْتَاعَهُ فَصَاحِبُ السِّلْعَةِ فِيهَا بِالْخِيَارِ.	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فائدہ اچک لینے سے منع فرمایا۔ اگر کوئی ایسا کرے تو بیچنے والے کو اختیار ہوگا کہ اپنا مال واپس لے لے۔

ایک روایت میں ہے" نَهَى عَنْ تَلَقِّي الْبُيُوعِ" (خرید و فروخت کو اُچک لینے سے منع فرمایا) دوسری روایت میں اور زیادہ واضح الفاظ میں "نَهَى عَنْ تَلَقِّي السِّلَعِ حتى تهبط الاسواق" (مال بازار میں آنے سے پہلے بیچ سے اُچک لینے کو آپؐ نے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح شہری دلالوں کو دیہاتیوں کا مال خریدنے سے منع فرمایا ہے۔

کسی چیز کے بازار میں آنے سے پہلے جتنے زیادہ واسطے ہوں گے وہ چیز اُتنی ہی زیادہ گراں ہوگی کیونکہ سب کچھ نہ کچھ فائدہ کمانے کی فکر میں رہیں گے، اس طرح وہ چیز بازار میں آتے آتے گراں ہو جائے گی، عام خریداروں پر بوجھ بڑھے گا۔ اسلامی شریعت نے ان تمام لوگوں پر پابندی عائد کی ہے جن کے بیچ میں آنے کی وجہ سے عام خریداروں کو مال گراں پڑتا ہے کیونکہ دو چار آدمیوں کو فائدہ اور عوام الناس کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔

عام ائمۂ فقہ و حدیث اس کو بالکل ناجائز قرار دیتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ

طریقۂ بیع ناجائز نہیں اگر اس کی وجہ سے عوام کو دقت نہ ہو لیکن اگر وہ دقت میں پڑ جائیں اور سامان گراں ہو جائے تو پھر یہ ناجائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکیمانہ الفاظ یہ ہیں: شہری دیہاتی کی خرید و فروخت کا واسطہ نہ بنے، لوگوں کو چھوڑ دو، وہ خود اپنا معاملہ کریں، اللہ تعالیٰ بعض کے ذریعے بعض کو روزی دیتا ہے" یعنی ایک ہی واسطہ ہونا زیادہ اچھا ہے بہ نسبت کئی واسطوں کے۔

بیع میں ناجائز شرائط

(۱) اگر کسی نے خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت یہ شرط لگائی کہ تم اپنا مکان میرے ہاتھ بیچ دو تو میں اپنا فلاں کھیت تمہارے ہاتھ بیچ دوں تو معاملہ ناجائز ہو جائے گا اس کو حدیث میں ایک بیع کے اندر دو بیع کہا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنا کھیت یا مکان یا جانور بیچا مگر شرط لگائی کہ کھیت میں ایک فصل بوؤں گا تب اس کو تمہارے حوالے کروں گا۔ یا مکان میں ایک مہینہ رہ کر چھوڑوں گا یا جانور کو چار مہینے استعمال کرنے کے بعد دوں گا تو ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔

(۳) اسی طرح کپڑا خریدتے وقت یہ شرط کہ اسے کاٹ کر اور سی کر دیا جائے اور غلہ یا پھل خریدا اس شرط کے ساتھ کہ اسے گھر تک پہنچایا جائے تو ان شرطوں کی وجہ سے بیع ناجائز ہوگی۔

(۴) بھینس یا گائے کی خریداری اس شرط کے ساتھ کرنا کہ اگر چار سیر دودھ روز دے گی تو لوں گا۔ یا بیچنے والے کا یہ کہنا کہ یہ چار سیر دودھ دے گی، دونوں شرطیں باطل ہیں۔ کیونکہ جانوروں کا دودھ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ البتہ یہ کہنے میں کوئی ہرج نہیں کہ یہ گائے دودھاری ہے۔

۵۔ بیع کرتے وقت یہ شرط لگانا کہ اُسے کسی کے ہاتھ فروخت نہ کیا جائے یا مکان میں فلاں تصرف نہ کیا جائے، باطل ہے، اس شرط پر دھیان نہیں دیا جائے گا۔

شرط لگانے کا قاعدۂ کلیہ

ایسی شرط جو نفس معاملہ سے متعلق ہو اور اُس سے کوئی مزید مالی منفعت حاصل کی جا رہی ہو تو وہ ناجائز ہے اور بیع باطل ہے۔ جو شرط نفس معاملہ سے متعلق نہ ہو بلکہ زائد ہو تو اگر وہ یک طرفہ مالی منفعت کے لئے ہو تو بیع فاسد ہوگی اور اگر اُس سے کوئی فائدہ مطلوب نہیں تو شرط لغو ہوگی، اصل

معاملے پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

معاملہ خواہ خرید وفروخت کا ہو یا عقد نکاح کا یا مضاربت کا (یعنی ایک سرمایہ دے دوسرا محنت کرے) یا شرکت کا، ان سب میں اگر کوئی فریق شرط لگاتا ہے تو اگر وہ شریعت اسلامی سے متصادم نہیں ہے تو شرعاً قابلِ قبول ہوگی، حدیث میں ہے " المسلمون علیٰ شروطھم " (مسلمان اپنی شرط کے پابند ہیں) لیکن اگر وہ شرط کسی شرعی حکم سے ٹکراتی ہے یا اس سے کوئی زائد مالی منفعت کسی ایک فریق کو ہوتی ہے تو فقہا کے نزدیک ناجائز ہے۔ مالی معاملات میں ایسی کوئی شرط جس کا تعلق مال سے نہ ہو اصل معاملے پر اثر انداز نہ ہوگی۔ فقہائے احناف تین طرح کی شرطوں کو اگر وہ نفس معاملہ سے متعلق بھی ہوں، اس اصول سے مستثنیٰ کرتے ہیں:

۱۔ وہ شرط جس کی اجازت شریعت نے دیدی ہے مثلاً قیمت تاخیر سے ادا کرنا، کسی کو خیارِ شرط دینا علیٰ ہذا القیاس خیار نقد وتعین۔ گو یہ شرط نفس معاملہ میں ہے۔

۲۔ وہ شرط جو اصل معاملے کے مناسب ہو۔ مثلاً اُدھار معاملے میں یہ شرط کہ مشتری تا ادائے قیمت کوئی چیز رہن رکھ دے یا کوئی ضامن دے کیونکہ بائع نے یہ شرط بغرضِ تحفظ مناسب سمجھتے ہوئے لگائی ہے۔

۳۔ وہ شرط جو عرف عام میں مروج ہو مثلاً بعض چیزیں ایک سال کی گارنٹی پر فروخت ہوتی ہیں، بظاہر یہ تینوں شرطیں اصل معاملے میں بطور منفعتِ زائدہ کے ہیں جس سے بیع فاسد ہو جانا چاہیئے مگر عرف عام کی بنا پر یا تراضی طرفین کی بنا پر کسی ایک کی منفعت یا کسی ایک کا نقصان اس میں نہیں ہے اس لئے انھیں صحیح قرار دیا ہے۔

ممنوعاتِ بیع خریدار کے لئے یہ منع ہے کہ روپیہ قرض لینے یا کوئی چیز عاریتہً حاصل کرنے کی بنیاد پر خرید وفروخت کرے یا قرض اس شرط پر دے کہ اگر تم میری فلاں چیز خرید لو یا اپنی فلاں چیز میرے ہاتھ بیچ دو تو میں قرض دے سکتا ہوں۔ وجہ ممانعت یہ ہے کہ قرض دے کر اس سے کوئی فائدہ حاصل کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی شخص اپنا مکان بیچتے وقت کہے کہ اس کا ایک کمرہ نہیں دوں گا یا باغ کے پھل فروخت کرتے وقت کہے کہ پانچسو پھل میرے ہوں گے تو یہ بھی منع ہے، وجہ ممانعت کرے

اور پھلوں کی قسم کا مجہول ہونا ہے۔ اگر تعین کر دیا جائے تو جائز ہے۔

تصویر کی بیع

جاندار کی تصویر بنا کر بیچنا حرام ہے خواہ وہ بچوں کے کھلونے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کو کوئی توڑ دے یا خراب کر دے تو اُس سے کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا کیونکہ اسلامی شریعت میں یہ مال ہی نہیں ہیں۔

یہ بھی حرام ہے کہ اپنے مال کو بیچنے کے لئے عورت کی تصویر بنا کر لوگوں کو راغب کیا جائے بلکہ اس میں دوہرا تہرا گناہ ہے، ایک تصویر بنوانے کا، دوسرے عورت کو ترغیب کا ذریعہ بنانے کا، تیسرے غلط ترغیب دے کر مال بیچنے کا۔

ایسے سامان کا بیچنا جن سے جرائم کو بڑھاوا ملے

فحش ناولیں، عریاں تصویریں، اخلاق سوز گانوں کے ریکارڈ، ٹیپ، ایسی فلمیں جس سے چوری، ڈاکے یا کسی اور جرم کرنے کی ترغیب ہوتی ہو، ایسی کتابیں یا اشتہار جو زنا، شراب اور سود لینے کی طرف راغب کریں، ان سب کا بیچنا اور خریدنا حرام ہے۔

بیع عینہ

ایک شخص نے کوئی چیز خریدی مگر قیمت ابھی ادا نہیں کی ہے کہ بائع نے کہا کہ کچھ قیمت کم لے کر اُسے پھر میرے ہاتھ فروخت کر دو، اسے شریعت میں بیع عینہ کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسرا معاملہ بیع عینہ کا ہے لیکن پہلا بیع نسیہ ہے جو درست ہے اور اپنی جگہ باقی رہے گا۔ امام مالک اور امام حنبلؒ فرماتے ہیں کہ دونوں باطل ہو جائیں گے۔

بیع نجش (دام پر دام لگانا)

کسی خریدار نے ایک چیز کی قیمت لگائی اور بائع اُسے دینے پر تیار ہو گیا، اس درمیان میں ایک اور شخص اُسی چیز کی قیمت بڑھا دیتا ہے تاکہ وہ نہ خرید سکے یا زیادہ قیمت دے کر خریدے یا دام بڑھانے والا خود اُس کو خرید لے۔

اسی طرح ایک دُکاندار کسی چیز کی قیمت بتائے اور خریدار لینے کے لئے تیار ہو کہ ایک دوسرا دکاندار اُسی چیز کا نمونہ دکھا کر کہے کہ میں اسے کم دام پر دے سکتا ہوں، یہ تمام صورتیں ناپسندیدہ یعنی مکروہ ہیں۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ بیع باطل ہے، دوسرے ائمہ اسے کالعدم

نہیں قرار دیتے بلکہ مکروہ کہتے ہیں۔

بیعانہ یا ایڈوانس

خریدار نے کسی چیز کا سودا کیا اور کچھ رقم پیشگی دکاندار کے اطمینان کیلئے دیدی اب اگر دکاندار یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر آپ چیز نہ لے جائیں گے تو میں یہ پیشگی لی ہوئی رقم واپس نہیں کروں گا، تو یہ باطل ہے۔ یا کسی نے موچی سے کہا ایک جوڑا جوتا تیار کر دو، موچی نے کہا کچھ بیعانہ دیجئے اگر آپ نے جوتا نہ لیا تو بیعانہ واپس نہ ہوگا تو اُسے یہ شرط لگانے کا حق نہیں ہے۔ اگر بغیر شرط کے پیشگی یا بیعانہ کے نام سے کوئی رقم لے لے تو اس میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر سودا نہ لینے کی صورت میں وہ بیعانہ ضبط نہیں کر سکتا اِس کو بیع عربون کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے امام احمد بن حنبل کے نزدیک پیشگی رقم ادا کرنے والے نے اگر بطیب خاطر یہ شرط قبول کر لی ہو تو جائز ہے۔

دام کے دام یا نفع لے کر بیچنا

دام کے دام چیز بیچ دینے کو بیع تولیہ کہتے ہیں اور نفع لے کر بیچنے کو بیع مرابحہ کہتے ہیں۔ نفع لینے پر اسلامی شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی ہے۔ مگر بازار بھاؤ سے زیادہ پر بیچنا بُرا ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک ایسے شخص کو بازار میں بیچنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ حضرت عمرؓ ایسے شخص کو بازار سے اُٹھا دیا کرتے تھے اس سلسلہ میں چند مسائل ذہن میں رہنا چاہئیں:

(۱) تاجر پر ضروری نہیں کہ اپنی خریداری کے دام بتائے لیکن اگر کوئی تاجر کہدے کہ میں نے یہ مال اتنے میں خریدا ہے اور ایک آنہ فی روپیہ نفع لے کر فروخت کرتا ہوں تو پھر اس سے زیادہ لینے کا حق نہیں ہے، اگر خریدار کو معلوم ہو جائے کہ اس نے دھوکہ دیا ہے تو اسے واپس کر دینے کا اختیار ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دام کم کرا کے پھر لینا جائز نہیں۔ مگر اُن کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسفؒ اس کی اجازت دیتے ہیں جبکہ امام محمدؒ خریدار کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں کہ چاہے تو واپس کر دے یا چاہے تو دام کم کرا کے خرید لے، یہ تو وہ صورت تھی جب اُس نے کہا تھا کہ نفع لے کر بیچتا ہوں لیکن

(۲) اگر اُس نے کہا کہ میں دام کے دام یہ چیز دیتا ہوں اور پھر دھوکہ ثابت ہو جائے تو سب کے نزدیک خریدار کو قیمت کم کرانے کا حق ہے۔

مال منگانے کے مصارف کو یا مال خریدنے کے بعد دکاندار نے جو کچھ خرچ کیا اس کو اصل قیمت میں شامل کرنے کا حق ہے مثلاً ریل کا اور چونگی کا خرچ، پیک کرانے، خرید شدہ کاغذ کی کاپیاں بنوانے، خرید شدہ کتابوں کی جلدیں بنوانے پر جو خرچ ہوا اُسے اصل قیمت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے مگر وہ یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے بلکہ یہ کہے کہ اتنے میں پڑا ہے۔ تاکہ جھوٹ نہ ہو، کیونکہ جھوٹ بول کر بیچنا حرام ہے۔

کمیشن پر یا اجرت پر ایجنٹ مقرر کرنا

ایجنٹوں سے ضمانت لی جاسکتی ہے مگر یہ شرط لگانا کہ اگر اتنا مال فروخت نہ کیا یا اتنے دن کام نہ کیا تو ضمانت کا روپیہ ضبط کرلیا جائے گا۔ جائز نہیں۔ البتہ اگر ہدایت کے خلاف عمل کرے اور نقصان ہوجائے، یا وہ کوئی چیز لے کر غائب ہوجائے تو اس خسارے کو پورا کرنے کے لئے ضمانت کا روپیہ لیا جاسکتا ہے۔

۲۔ ایجنٹ کو مال دیا اور ہدایت کی کہ ایک روپیہ فی درجن یا بیس روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کرو۔ اُس نے وہ چیز سوا روپے فی درجن یا بائیس روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کردی تو یہ چار آنے یا دو روپے ایجنٹ کے نہیں مالک کے ہوں گے۔ ایجنٹ اُنھیں نہیں لے سکتا۔ مالک اگر اپنی خوشی سے دیدے تو جائز ہے۔

۳۔ باغ کا پھل فروخت کیا تو خریدار کو اُسی وقت توڑ لینا چاہئیے مگر عرف عام میں پھل پکنے تک درخت پر ہی رہتا ہے جس کی اجازت بائع کی طرف سے ہوتی ہے لیکن اگر بائع اس پر راضی نہ ہو تو وہ پھل توڑ لینے پر مجبور کرسکتا ہے۔

۴۔ کسی چیز کو نیلام کر کے بیچنا جائز ہے، یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۵۔ ہنڈی میں بٹہ کاٹنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ ریلوے اسٹیشن سے مال اٹھا لینے کی ایک مدت مقرر ہوتی ہے جس کے بعد ڈیمرج لگنا شروع ہوجاتا ہے۔ لیکن مال کو فروخت کر کے اُس کی قیمت ریلوے کو لے لینے کا حق نہیں ہے، قیمت مال والے کو ہی ملنا چاہئیے۔

۷۔ یہ اشتہار دے کر فروخت کرنا جائز ہے کہ جو صاحب فلاں وقت تک قیمت یا چندہ

بھیج دیں گے، اُن کو یہ کتاب یا رسالہ یا مال اتنے روپے میں ملے گا اور اس کے بعد قیمت بڑھ جائے گی۔

۸۔ لیکن بیع کا یہ طریقہ کہ جو شخص اتنا روپیہ یا اتنی فیس ممبری ادا کر دے اُسے زندگی بھر ادارہ کا رسالہ یا اُس کی مطبوعات دی جائیں گی کئی وجوہ سے ناجائز ہے کیونکہ یہ بیع معاوضہ مستقبل کا سودا) ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ یا بیع الحبلہ ہے یعنی چیز وجود میں نہیں آئی ہے اس کا ذکر بھی کیا جا چکا ہے یا یہ ایک طرح کا جوا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ادارہ آئندہ نہ چل سکے۔ زندگی بھر کسی رعایت کا لالچ دے کر روپیہ وصول کرنا ایک دھوکہ ہے۔

۹۔ بیع کا ہر وہ معاملہ جس میں سود کا شائبہ ہو فاسد ہے۔ بیع باطل اور فاسد دونوں حرام ہیں۔

۱۰۔ خریدار کو مال والے سے یہ پوچھنا ضروری نہیں ہے کہ تم نے یہ چیز حلال ذریعے سے کمائی ہے یا حرام ذریعے سے لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ چوری یا دھوکے فریب سے چیزیں حاصل کرتا ہے تو احتیاطاً دریافت کر لینا چاہیے اور انھیں خریدنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۱۱۔ جو مال بطور وراثت یا ہدیہ ملے اور یہ معلوم ہو کہ اسے حرام طریقے سے حاصل کیا گیا تھا یا کسی کا حق مار کر لیا گیا تھا تو مال جس کا ہے اُسے واپس کر دینا چاہیے اور اگر وہ نہ ملے تو صدقہ کر دینا چاہیے۔ اگر استعمال کر لیا تو اگرچہ حکومت اُس کو اس لئے سزا نہیں دے گی کہ اُس نے حرام طریقے سے کمانے کا جرم خود نہیں کیا مگر دیانتہً گنہگار ضرور ہوگا کہ اس نے حرام طریقے سے کمائے ہوئے مال کو رغبت سے کھایا۔ بہت زیادہ تنگدستی اور معذوری کی حالت میں بقدر کفاف اگر اُس میں سے کھائے تو گناہ نہ ہوگا۔

۱۲۔ اگر ناپاک چیز بیچ دی گئی اور خریدار کو اس کا علم ہو گیا تو وہ اُسے واپس کر سکتا ہے۔

۱۳۔ تیل یا گھی وغیرہ ناپاک ہو جائے تو اُسے خریدار کو بتا کر بیچ دینا جائز ہے تاکہ وہ اُسے کھانے میں استعمال نہ کرے اور دوسرے کام میں لائے۔

۱۴۔ عورت کا دودھ بیچنا ناجائز ہے۔

۱۵۔ جانور اس شرط کے ساتھ دینا کہ اُسے کھلانے پلانے اور چرانے کے بعد جب بچے

ہوں گے تو دونوں بانٹ لیں گے اسے دیہات میں اَدھیا کہتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے۔ بچے مالک کے ہی رہیں گے اور چرواہا کھلانے اور چَرانے کی اُجرت کا حقدار ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنی زمین درخت لگانے کے لئے اس لئے دی کہ پھلوں اور درختوں میں آدھا آدھا حصّہ دونوں کا ہوگا تو یہ بھی ناجائز ہے، لگانے والا صرف پودوں اور اپنی محنت کا معاوضہ لے سکتا ہے، درختوں اور پھلوں میں اس کا کوئی حصّہ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر لگے ہوئے باغ میں پھلوں کی نگرانی کرنے کی اُجرت میں کچھ پھل دیئے جائیں تو یہ جائز ہے۔

۱۶۔ غیر جاندار چیزوں کے بنے ہوئے کھلونوں کا بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔

۱۷۔ کتّا پالنا شوق و تفریح کے لئے حرام ہے، البتہ اگر کھیتی، مکان یا جانوروں کی حفاظت یا شکار کے لئے پالا جائے تو اس کی اجازت دی گئی ہے مگر حتی الامکان گھر کے اندر نہ جانے دینا چاہیئے۔ کتّے کی خرید و فروخت کی اجازت امام ابوحنیفہؒ نے اس لئے دی کہ ضرورت کے لئے اُس کا پالنا جائز ہے۔ دوسرے ائمہ جو اُس کی خرید و فروخت کو فاسد کہتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں کتّے کی قیمت کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۸۔ خریدار خریدا ہوا مال اگر واپس کرے تو باربرداری کی مزدوری بھی اُسی کو دینا ہوگی۔

۱۹۔ اگر کسی نے ایسا مرغ خرید لیا جو ناوقت بولتا ہے یا ایسا جانور خریدا جو غلیظ کھاتا ہے تو یہ عیب ہے جس کی بنا پر واپسی کی جاسکتی ہے۔

۲۰۔ اگر جانور دو تین دفعہ بھاگ جائے تو عیب نہیں ہے لیکن اگر برابر بھاگ جاتا ہو تو عیب ہے، خریدار اُسے واپس کرسکتا ہے۔

۲۱۔ اگر ایسا مکان خریدا جسے لوگ منحوس کہا کرتے تھے اگرچہ اسلام میں نحوست کا کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن چونکہ اس شہرت کے سبب کوئی کرایہ دار نہیں آئے گا اور بیچتے وقت قیمت گھٹ جائے گی اس لئے مشتری اُس کو واپس کرسکتا ہے۔

۲۲۔ بعض صنعتی اور تجارتی ادارے یہ اعلان کرتے ہیں کہ جو اتنے ٹکٹ فروخت کردے گا اس کو فلاں چیز ادارہ بطور انعام دے گا۔ اس طریقے سے حاصل شدہ چیز جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں یہ شرط چھپی ہوتی ہے کہ اتنے ٹکٹ نہ بکے تو روپیہ ضبط ہوجائے گا گویا یہ بخت و اتفاق پر موقوف

ہے، اسی کا نام جوا ہے، پھر یہ شرط بھی فاسد ہے کہ اتنے ٹکٹ بیچ کر خریدار پیدا کئے جائیں، فاسد شرط کا حکم سود کا سا ہے۔

۲۳۔ مال جب تک مشتری کو نہ مل جائے، ریل یا راستے یا جہاز میں اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس کی ذمہ داری بائع پر ہوگی مگر جب مال وہاں پہنچا دیا گیا جہاں مشتری نے منگایا ہے اور مشتری نے دیکھ لیا کہ مال پورا ہے تو بائع کی ذمہ داری ختم ہوگئی، اب اگر مال کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو مشتری کو برداشت کرنا ہوگا، اگر ریلوے اسٹیشن پر نقصان پہنچا تو تاوان ریلوے سے وصول کیا جائے گا۔

اِحتِکار (ذخیرہ اندوزی)

ضرورت کی چیزیں کچھ خود غرض لوگ اس لئے ذخیرہ کر لیتے ہیں کہ جب بازار میں اُن کی قلت واقع ہو اور ان کی مانگ زیادہ ہو تو وہ غرضمندوں کے ہاتھ من مانے داموں پر بیچ کر دولت کمائیں۔ اس فعل کو شریعت میں احتکار کہتے ہیں جو اسلام میں سخت ناپسندیدہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذخیرہ اندوز کو ملعون فرمایا ہے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے کیونکہ یہ عام انسان کے لئے تکلیف اور زحمت کا سبب ہوتا ہے جس زمانے میں ذرائع آمدورفت اور حمل ونقل محدود تھے تو تکلیف اُٹھانے والا طبقہ محدود تھا لیکن جب سے یہ ذرائع عام ہوئے تو ذخیرہ اندوزی کے اثرات پورے ملک کو تکلیفوں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور جہاں سیلاب یا خشک سالی سے غلے کی پیداوار گھٹتی ہے اُس کا پتہ ان خود غرض تاجروں کو ہو جاتا ہے اور وہ غلے کا اسٹاک کرنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ گرانی ملک گیر پیمانے پر بڑھے، اگرچہ ملکی قانون بھی ذخیرہ اندوزی کی اجازت نہیں دیتا لیکن اس پر پابندی بھی نہیں لگائی گئی ہے جبکہ اسلامی شریعت اس پر پابندی لگاتی ہے اور چاروں ائمہ مجتہدین احتکار کی کراہت پر متفق ہیں کیونکہ اس سے ذخیرہ اندوزوں کے سوا سب کو مضرت پہنچتی ہے۔

البتہ اگر ذخیرہ اندوزی کسی مضرت کا سبب نہ ہو تو یہ ممانعت باقی نہیں رہے گی، امام ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں لکھا ہے کہ:

فان المحتکر الذی یعمد — جو ذخیرہ اندوز ضرورت کی چیزیں خرید کر

الی شراء مایحتاج الیہ الناس من الطعام فیحبسہ عنھم ویرید اغلائہ وھوظالم لعموم الناس وحینئذ لوَلیِّ الامران یکرہ المحتکرین علی بیع ماعندھم بقیمۃ المثل عند ضرورۃ الناس الیہ۔

اُن کا اسٹاک کرتا ہے اور ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو گراں بیچ کر فائدہ اٹھائے تو عوام کے لئے وہ ظالم ہے، اس لئے حکومت کو چاہئیے کہ اس کو زبردستی مجبور کرے کہ اس مال کی جو مناسب قیمت ہو اس پر فروخت کرکے لوگوں کی ضرورت پوری کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں بازار کی نگرانی خود کرتے تھے اور عجمی تاجروں کو بازار میں غلہ فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، بظاہر اس کی وجہ تو یہ تھی کہ وہ تجارت کے اسلامی طریقوں کا لحاظ نہ رکھیں گے اور دوسری وجہ یہ کہ اُن کی ذہنیت کا اثر مسلمان تاجر قبول نہ کرلیں۔

اپنی پیداوار کو اپنی ضرورت کے لئے روکنا احتکار نہیں ہے، بلکہ دوسروں کے ہاتھ بیچنے کے لئے گرانی کے انتظار میں روکنا احتکار ہے اور حکومت اس کو اپنے مقرر کردہ بھاؤ پر بیچنے کے لئے مجبور کرسکتی ہے۔ (ردالمحتار)

تسعیر (بھاؤ مقرر کرنا)

اسلامی شریعت نے کسی شخص یا حکومت کو کسی چیز کا بھاؤ مقرر کرنے کی اجازت عام حالات میں نہیں دی ہے تمام ائمہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں جو اسوۂ رسول اللہؐ کے مطابق ہے، ایک بار مدینے کے بازار میں غلہ بہت گراں ہوگیا تو صحابہؓ نے آپ سے غلے کا بھاؤ مقرر کردینے کی خواہش کی جس پر آپ نے فرمایا کہ یہ حق صرف خدا کو ہے، وہی رزق دینے والا ہے اور تنگی و فراخی لانے والا ہے، میں خدا کے سامنے اس حال میں جانا نہیں چاہتا کہ میرا دامن کسی کی جان و مال پر ظلم سے داغدار ہو۔ مقصد یہ ہے کہ گرانی کو روکنے کا یہ غیر فطری طریقہ ہے کہ کوئی ایک شخص چیز کا بھاؤ اپنی صوابدید سے بنائے، بہتر اور فطری طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کی ذہنیت ایسی بن جائے کہ لوگ اپنے فائدے کے لئے دوسروں پر ظلم نہ کریں۔ لیکن اگر پھر بھی گرانی بڑھ جائے، لوگ فاقے

کرنے لگیں اور اس گرانی کی وجہ تاجروں کی خود غرضی ہو تو حکومت بھاؤ مقرر کر کے تمام تاجروں کو پابند کر سکتی ہے کہ وہ اسی قیمت پر اپنا مال فروخت کریں مگر یہ اضطراری حالت دور ہوتے ہی قیمت کی تعیین ختم ہو جائے گی۔

قیمت متعین کرنے کی یہ اجازت فقہاء نے محض ہنگامی اصلاح کے لئے دی ہے یعنی اُس وقت جب عوام کو سخت تکلیف ہو رہی ہو اور لوگ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے ہوں، زمانہ حال میں بعض ملکوں میں جو کنٹرول ریٹ قائم کر دیئے جاتے ہیں اور حکومت خود تاجر بن کر فروخت کرنے لگتی ہے، اسلامی شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس سے بلیک مارکٹنگ کو ہی فروغ ہوتا ہے جو بہت بڑی لعنت ہے۔

مُضَارَبَتْ

یعنی ایک شخص کا روپیہ اور دوسرے کی محنت

اسلامی شریعت نے انفرادی کاروبار کے علاوہ جن کا ذکر کیا جاچکا ہے دوسرے طریقے کاروبار کے مہیا کئے ہیں بعض لوگوں کے پاس پیسہ ہوتا ہے مگر محنت کر کے روزی کمانے کی صلاحیت کم ہوتی ہے یا ایک غریب آدمی جس کے پاس پیسہ تو نہیں ہوتا لیکن محنت کر کے روزی کا سامان حاصل کر سکتا ہے، اسلام نے اس بات کی اجازت اور ترغیب دی ہے کہ لوگ اپنا پیسہ غریبوں کو دے کر اُن سے محنت کرائیں اور دونوں مل کر فائدہ اُٹھائیں اسی سے مُضارَبت اور شرکت کے اصولِ تجارت شریعت اسلامی نے وضع کئے۔

ساہوکار سے سود پر قرض لے کر کاروبار کرنے کا طریقہ جو جاہلیت کے زمانے میں رائج تھا اسلام نے اُسے قطعی حرام ٹھہرایا، موجودہ دور میں بینکنگ سسٹم اُسی نمونے پر چل رہا ہے یعنی بینک سود پر قرض دیتے ہیں، قرض لینے والے پر سود کا بار اتنا پڑتا ہے کہ اگر وہ صحیح طور پر کاروبار کرے تو نہ تو سود ادا کر سکے اور نہ اپنا گھر چلا سکے۔ مجبوراً وہ ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جن سے یہ دونوں باتیں پوری ہوں، نتیجہ میں عوام الناس پر تمام بوجھ پڑتا ہے اور

اور وہی مصیبت اٹھاتے ہیں، اگر مضاربت کی بنیاد پر بینک روپیہ دینے لگیں تو یہ تمام مصائب دور ہو سکتے ہیں۔

مضاربت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح

لغت میں ضرب کے معنی مارنے یا چلنے پھرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں رزق کی تلاش میں دوڑ دھوپ اور چلنے پھرنے کے ہیں، چونکہ اس میں ایک آدمی پیسہ لگاتا اور دوسرا اپنی محنت اور دوڑ دھوپ سے اُس سے کمانے اور فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اس معاملے کو مضاربت کہتے ہیں، قرآن میں ارشاد ہے:

یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

زمین میں دوڑ دھوپ کر کے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں

نبی کریم علیہ السلام نے حضرت خدیجہؓ کا روپیہ لے کر اسی طریقے سے تجارت کی تھی۔ عام صحابہؓ بھی لوگوں سے روپیہ لے کر یا دوسروں کو روپیہ دے کر خود بھی فائدہ اُٹھاتے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے تھے۔ (ہدایہ)

روپیہ دینے والا ربّ المال، محنت کرنے والا مُضارِب اور جو سرمایہ کاروبار کے لئے دیا جاتا ہے وہ رأس المال کہلاتا ہے۔

مضاربت کا معاہدہ

ربّ المال اور مضارب دونوں معاہدہ کرتے ہیں کہ ایک کے روپے اور دوسرے کی محنت سے جو کچھ فائدہ ہوگا اُس میں آدھا ($\frac{1}{2}$) یا چوتھائی ($\frac{1}{4}$) سرمایہ لگانے والا پائے گا اور آدھا $\frac{1}{2}$، یا تین چوتھائی ($\frac{3}{4}$) محنت کرنے والے کو ملے گا۔ یا ایک تہائی $\frac{1}{3}$ سرمایہ لگانے والے کو اور دو تہائی $\frac{2}{3}$ محنت کرنے والے کو ملے گا۔

مضاربت کی قسمیں

دو قسموں کی مضاربت ہوتی ہے (۱) مقید اور (۲) مطلق۔

مقید وہ مضاربت کہلاتی ہے جس میں رب المال کسی خاص جگہ، خاص مدت، یا خاص کاروبار کی قید لگا دے مثلاً اس روپیہ سے تم صرف لکھنو یا کانپور ہی میں کام کر سکتے ہو دوسری جگہ نہیں۔ یا یہ کہ محض ایک سال کے لئے روپیہ تم کو دیا جا رہا ہے یا یہ کہ یہ روپیہ صرف کپڑے کے کاروبار ہی میں لگایا جائے دوسرا کام نہ کیا جائے مطلق وہ

مضاربت کہلاتی ہے جس میں کوئی قید نہ لگائی گئی ہو بلکہ مضارب کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہو۔

معاہدہ توڑنے کا اختیار

معاہدہ طے ہو گیا لیکن مضارب نے ابھی کام شروع نہیں کیا تو دونوں میں ہر ایک کو معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ اس میں تمام ائمہ متفق ہیں۔ کام شروع کر دینے کے بعد معاہدہ فسخ کرنے کا حق رہتا ہے یا نہیں اس میں ائمہ کی رائیں یہ ہیں :۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب کسی کو معاہدہ فسخ کرنے کا حق نہیں اگر مضارب فوت ہو جائے تو اس کے وارثوں کو حق ہوگا کہ وہ اس روپے سے کام کریں اور فائدہ اٹھائیں کیونکہ کام شروع کرنے کے بعد فسخ کرنا مضارب کے لئے باعث تکلیف ہو سکتا ہے اور اُس کی محنت اور وقت کا ضیاع بھی۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ جب چاہیں معاملہ فسخ کر دیں، ایسی صورت میں مضارب نے جتنا کام کیا ہے اُس کی اُجرت دستور کے مطابق اُسے دی جائے گی۔ "دستور کے مطابق" سے وہ اُجرت مراد ہے جو عام طور پر اس قدر کام کی ملا کرتی ہے، ان دونوں امام صاحبان کے نزدیک کسی ایک فریق کی موت سے بھی یہ معاہدہ فسخ ہو جائے گا مگر فسخ کی اطلاع دینا فریقین یا اُن کے وَرَثہ کو ضروری ہے، اسی طرح وقت کی قید کی صورت میں۔ مدت متعینہ ختم ہوتے ہی دونوں میں سے ہر ایک کو معاملہ ختم کرنے کا اختیار ہے۔

مضاربت کے شرائط

۱۔ ربُّ المال اور مضارب دونوں کا عاقل ہونا ضروری ہے، بالغ ہونا لازم نہیں۔ عاقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں معاملات اور نفع نقصان کو سمجھتے ہوں۔

۲۔ جو رقم مضاربت کے لئے طے ہوئی ہو وہ فوراً مضارب کے حوالے کر دی جائے۔ صرف وعدہ کر لینے سے مضاربت مکمل نہیں ہوتی۔

۳۔ جتنی رقم سے کام شروع کرنا ہے وہ اُسی وقت بتا دی جائے اگر مجمل رکھا تو مضاربت صحیح نہ ہوگی۔ یعنی یہ واضح کر دیا جائے کہ کام سو، دو سو یا پانچ یا دس ہزار سے شروع ہوگا۔

۴۔ یہ طے ہونا چاہیئے کہ منافع میں کتنا حصہ رب المال کا ہوگا اور کتنا مضارب کا، اگر رب المال نے صرف یہ کہا کہ ہم دونوں فائدے میں شریک رہیں گے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ نصف منافع رب المال کا اور نصف مضارب کا ہوگا لیکن اگر یہ کہا کہ جو منافع ہوگا مناسب طور پر تقسیم کر لیا جائے گا تو مضاربت فاسد ہوگی کیونکہ اختلاف کا اندیشہ ہے۔

۵۔ دونوں تحریری طور پر معاملے کے شرائط لکھ کر اپنے اپنے پاس رکھ لیں تو بہتر ہے تاکہ بعد کو اختلاف نہ ہو اگر بغیر تحریر کے کوئی صورت اطمینان کی ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

۶۔ مطلق مضاربت میں رب المال اور مضارب یہ بھی طے کر لیں کہ کتنے دن بعد حساب کر کے منافع تقسیم ہوگا۔

مضاربت فاسد ہو جانے کی صورتیں

۱۔ اگر رب المال یا مضارب دونوں میں سے کوئی یہ شرط لگائے کہ نفع میں ایک متعین رقم میری ہوگی اور جو باقی بچے وہ تمہاری ہوگی۔ یا یہ طے کرے کہ سو یا دو سو روپے پہلے میں لوں گا اور باقی منافع میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے تو دو صورتوں میں مضاربت فاسد ہوگی۔

اِس طرح ایسے کارخانہ داروں کا کاروبار ناجائز ہوگا جو دوسروں کے روپے سے مضاربت کے طور پر کوئی کارخانہ لگائیں اور حق محنت کے طور پر انتظامی دیکھ بھال کے نام سے اپنے لئے کچھ منافع خاص کر لیں پھر باقی منافع اپنے اور حصہ داروں کے درمیان تقسیم کر دیں۔ اگر مضارب کارخانہ دار نے کوئی باتنخواہ مینجر یا کلرک رکھا تو اُس کی تنخواہ وہ منافع کی رقم سے دے سکتا ہے یہ حکم اُس صورت میں ہے جب کارخانہ دار نے اپنا روپیہ کاروبار میں نہ لگایا ہو لیکن اگر اپنا روپیہ بھی لگایا ہو تو یہ مضاربت نہیں بلکہ شراکت ہوگی جس کا بیان آگے آتا ہے۔

۲۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صرف روپے پیسے میں مضاربت صحیح سمجھتے ہیں۔ مگر امام مالکؒ

کے نزدیک سامان میں بھی مضاربت صحیح ہے۔ یعنی کسی نے سامان دیا اور کہا کہ اسے بیچو، جو فائدہ ہوگا ہم لوگ نصف نصف بانٹ لیں گے، امام مالکؒ کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اس لئے صحیح نہیں سمجھتے کہ اس صورت میں اختلاف کی گنجائش نکل سکتی ہے لیکن اگر یہ کہا کہ اس سامان کو بیچ کر جو روپیہ ملے اس سے مضاربت کرو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی مضاربت جائز ہو جائے گی۔

۳۔ رب المال نے روپیہ نقد نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ ہمارا اتنا روپیہ فلاں کے پاس ہے اُس سے وصول کر کے کاروبار کرو، نفع میں دونوں شریک ہوں گے تو یہ مضاربت صحیح ہوگی۔ لیکن اگر یہ کہا کہ تمہارے ذمہ جو روپیہ ہے اس سے تجارت کرو تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ قرض سے فائدہ اُٹھانا ہوا جو ناجائز ہے، اسی طرح اگر مضارب نے پورا روپیہ وصول کرنے سے پہلے ہی کام شروع کر دیا تو یہ بھی ناجائز ہے۔

۴۔ مضاربت میں روپیہ لگانے والا (رب المال) صرف روپیہ دیگا، کام میں شرکت کی شرط صحیح نہیں ہے، اگر اس نے مضارب سے یہ شرط کی کہ میں خود یا میرا کوئی آدمی تمہارے ساتھ شریکِ کار رہے گا تو یہ شرط مضاربت کو فاسد کر دے گی کیونکہ یہ مضارب کے حق محنت میں مداخلت ہوگی۔ اگر مضارب چاہے تو خود کسی کو رکھ سکتا ہے۔

رب المال اور مضارب کے حقوق و اختیارات

۱۔ رب المال یعنی سرمایہ لگانے والے کو یہ حق ہے کہ وہ کسی خاص کاروبار میں روپیہ لگانے کی شرط رکھے، اگر مضارب اس کے خلاف کرے اور اس میں نقصان ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی۔

۲۔ رب المال یہ شرط بھی لگا سکتا ہے کہ کاروبار فلاں جگہ پر کیا جائے جیسے دہلی، بمبئی یا لکھنؤ وغیرہ۔

۳۔ رب المال یہ شرط بھی لگا سکتا ہے کہ روپیہ فلاں وقت تک کے لئے دیتا ہوں مثلاً چھ مہینے یا ایک سال۔

۴۔ رب المال نے ایک ہزار روپیہ دیا، مضارب نے اُس میں سے سو روپے کاروبار کے

انتظام میں خرچ کر دیئے پھر ایک سال یا چھ مہینے میں دو سو روپے کمائے تو ایک سو روپیہ اصل سرمایہ میں سے نکل جائے گا اور باقی ایک سو اصل نفع شمار ہو کر دونوں کے درمیان معاہدے کے مطابق تقسیم ہوں گے۔

۵۔ رب المال اور مضارب کی موجودگی تقسیم کے وقت ضروری ہے۔

۶۔ رب المال اگر یہ شرط لگائے کہ خسارہ دونوں میں مشترک رہے گا تو مضاربت فاسد ہوگی۔

اُس کو اِس کا حق نہیں ہے

۱۔ مضارب نے جو سرمایہ کاروبار کرنے کے لئے لیا اُس کا وہ امین بھی ہے اور وکیل (نمائندہ) بھی۔ جس طرح ایک امین امانت کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح اس کو اس سرمایہ کی حفاظت کرنا چاہیئے، اگر اتفاق سے سرمایہ میں کوئی نقصان آجائے یا وہ ضائع ہوجائے تو اُس پر اُس کی ذمہ داری عائد نہ ہوگی یعنی اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا لیکن اگر یہ ثبوت مل جائے کہ اس نے قصداً مال کو ضائع کیا ہے تو اس پر ذمہ داری ہوگی، اگر اُس نے سرمایہ لگانے والے کے شرائط کے خلاف کام کیا اور گھاٹا ہوا تب بھی اس پر ذمہ داری ہوگی۔

۲۔ مضارب کو وکیل ہونے کی حیثیت سے پورا اختیار ہے کہ طے شدہ شرائط کے تحت جس طرح کاروبار کرنا چاہے کرے، اگر کسی مخصوص کاروبار کرنے یا کسی خاص جگہ پر کاروبار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے تو اس سے تجاوز کرنا صحیح نہیں، مثلاً اگر یہ شرط لگا دی ہے کہ لکھنؤ میں رہ کر کپڑے کی خرید و فروخت کیجئے تو مضارب پر اس کی پابندی ضروری ہوگی۔

۳۔ مضارب کو حق ہے کہ نقد یا اُدھار مال خریدے اور بیچے یا اپنی مدد کے لئے کسی کو تنخواہ پر یا روزانہ اجرت پر رکھ لے، رب المال کوئی مداخلت نہیں کر سکتا، اگر اُس نے کسی خاص اور محدود کاروبار کی قید نہ لگائی ہو اور مضارب کی صوابدید پر کاروبار کرنے کا اختیار دیا ہو تو وہ جو کاروبار چاہے اور جہاں چاہے کر سکتا ہے لیکن اگر اس نے خرید فروخت میں غیر معمولی دھوکہ کھایا تو اُس کی ذمہ داری اس پر ہوگی۔ مضارب کو یہ حق نہ ہوگا کہ مضاربت کے مال میں سے کسی کو قرض دے یا ہبہ کرے، اس کے لئے رب المال کی اجازت ضروری ہے، اگر اجازت کے بغیر مضاربت کا روپیہ قرض دیدیا اور وہ مارا گیا یا

نقصان ہو گیا تو اُس کی ذمہ داری اُس پر ہو گی۔

۴۔ مضارب کو جو سرمایہ رب المال نے سونپا ہے اُس میں سے مضارب کو بوقت ضرورت رہن یا امانت رکھنے اور حوالہ کرنے کا اختیار ہو گا، ان تینوں صورتوں میں اگر اتفاقاً کوئی نقصان ہو جائے تو اُس کا تاوان مضارب پر نہیں ڈالا جائے گا۔ (امانت اور حوالہ کا بیان آگے آتا ہے)

۵۔ مضارب "کاروبار" اگر اپنے وطن ہی میں کرے تو اپنے خورد و نوش وغیرہ کے مصارف مضاربت کے مال سے نہیں لے سکتا۔ سواری خرچ صرف اس صورت میں لے سکتا ہے جب بڑا شہر ہو جہاں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے سواری کی ضرورت پڑتی ہو یا اسٹیشن دور ہو اور مال سواری پر ہی لایا جا سکتا ہو۔ البتہ اگر مال خریدنے یا بیچنے کے لئے وطن سے باہر جانے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ کھانے پینے، سواری اور کپڑوں کی دُھلائی کا خرچ مضاربت کے مال سے لے سکتا ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوا کا خرچ بھی لے سکتا ہے اگر صحت قائم رہنے کے لئے دوا ناگزیر ہو۔ تنہا کام نہ کر سکتا ہو تو کوئی دوسرا آدمی اُجرت پر رکھ سکتا ہے۔ لیکن ان اخراجات کو لیتے وقت یہ لحاظ رکھنا ہو گا کہ جس حیثیت کا وہ خود ہے اُس سے زیادہ خرچ نہ کرے مثلاً: وہ دوسرے درجے میں سفر کرنے اور دال روٹی اپنے گھر میں کھانے کا عادی ہے تو مضارب کی حیثیت سے بھی اُسے اونچے درجے میں سفر کرنا اور زیادہ قیمتی کھانا کھانا جائز نہیں۔

۶۔ مضاربت کے مال میں کوئی نقصان ہو جائے بشرطیکہ اس میں مضارب کی غفلت کو دخل نہ ہو تو اُسے نفع کی رقم سے پورا کیا جائے گا، مضارب سے اُس کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔ اگر نقصان فائدے سے زیادہ کا ہو تو رب المال برداشت کرے گا۔ مضارب صرف اس صورت میں نقصان کا ذمہ دار ہو گا جب اُس کی غفلت سے یا مال خریدنے میں کوئی بڑا دھوکہ کھا جانے کے سبب نقصان ہوا ہو، مثال کے طور پر کوئی مال دس روپے فی من کے حساب سے خرید ا اور بازار میں اُس کا بھاؤ یہی تھا لیکن دوسرے دن ایک دم بھاؤ گر گیا تو جو نقصان اس صورت میں ہو گا اُس کی ذمہ داری مضارب پر نہیں ہو گی لیکن اگر

اُس چیز کا عام بھاؤ آٹھ روپے فی من تھا اور اُس نے بجانے بوجھے نو یا دس روپے کے بھاؤ سے خرید لیا تو اس نقصان کا ذمہ دار وہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اُس نے مال کی حفاظت نہیں کی اور وہ خراب ہوگیا یا اُس نے رب المال کی ہدایت کے خلاف عمل کیا اور نقصان ہوگیا تو ایسے نقصانات کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی اور تاوان دینا ہوگا جس کا اندازہ وہ لوگ لگائیں گے جو اُس کاروبار کے کرنے والے ہوں۔

۷۔ منافع کی تقسیم اخراجات وضع کرنے کے بعد کی جائے گی مثلاً: اصل سرمایہ ایک ہزار روپے ہے۔ سفر اور دوسری کاروباری ضرورتوں میں دو سو روپے خرچ کئے۔ منافع چار سو روپیہ ہوا تو دو سو جو اصل سرمایہ سے خرچ ہوئے وضع کرکے باقی دو سو معاہدے کے مطابق دونوں میں تقسیم ہوں گے۔

مقصد یہ ہے کہ فائدے کی صورت میں اصل سرمایہ محفوظ رکھا جائے اور نقصان کی صورت میں مضارب پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر اُس نے غفلت نہ برتی ہو نہ معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو۔

۸۔ مضاربت کا معاملہ کسی وجہ سے فسخ ہوجائے تو مضارب نے جتنا کام کیا ہو اُس کی اُجرت اُسے ملے گی لیکن وہ اُس منافع کی مقدار سے زیادہ نہ ہوگی جو اُس نے اب تک کمایا ہے۔ یہ اُس صورت میں ہے جب کچھ فائدہ ہوا ہو لیکن اگر فائدہ ہونے سے پہلے معاملہ ختم ہوجائے تو اُسے کچھ نہ ملے گا۔ مثلاً ایک ہزار روپے سے کاروبار شروع کیا گیا، دو سو روپے کا فائدہ ہوا کہ مضاربت فسخ ہوگئی تو جتنے دن اُس نے کام کیا جوڑ کر اُجرت کا حساب ہوگا لیکن اگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور معاملہ ختم ہوگیا تو مضارب کو کچھ بھی نہیں ملے گا اور اگر فائدہ ہوا ہے مگر وہ اتنا کم ہے کہ اُجرت فائدے سے زیادہ ہوتی ہے تو منافع کی رقم سے زیادہ اُجرت نہیں دی جائے گی۔

مضاربت سے بینک قائم کرنا مضاربت کی شرائط پر روپیہ فراہم کرکے بینک قائم کیا جاسکتا ہے، اس کی تفصیل امانت کے بیان میں آئے گی۔

شرکت

مضاربت کی طرح اسلامی شریعت نے کاروبار کی بعض اور صورتیں بھی جائز قرار دی ہیں تاکہ وہ لوگ جو سرمایہ کم رکھتے ہیں یا بالکل نہیں رکھتے وہ بھی اپنی روزی کا سامان کر سکیں اور صنعتی و تجارتی کاروبار میں ترقی کا سبب بنیں، ان میں سے ایک شرکت سے کاروبار کرنا ہے خواہ وہ تجارت میں ہو یا صنعت میں یا زراعت میں یا کسی دوسرے پیشے اور علمی کام میں، ان کاموں میں کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ جتنے آدمی چاہیں شرکت کر سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں اس طرح سے بڑے بڑے تجارتی اور صنعتی کاروبار چل رہے ہیں جن لوگوں نے زیادہ پیسہ لگایا ہے انھیں زیادہ فائدہ ہو رہا ہے جبکہ کم پیسہ لگانے والوں کو فائدہ بہت کم ہوتا ہے، عام طور پر شرکتی کاروبار کرنے والے لاکھوں آدمیوں کو حصہ دار بناتے، اُن سے روپیہ حاصل کر کے سرمایہ جمع کرتے ہیں پھر اُس میں سے کچھ رقم انتظامی امور پر، کارخانے کی عمارت اور مشینوں کی خریداری پر صرف کرتے ہیں، کارکنوں کو تنخواہیں دیتے ہیں اور جب کاروبار چلنے لگتا ہے تو سالانہ آمدنی میں سے مذکورہ مصارف وضع کرنے کے بعد جو رقم بچتی ہے وہ حصہ داروں کو بقدر حصہ تقسیم کرتے ہیں، اب اگر کوئی حصہ دار فائدہ نہ دیکھ کر علیحدہ ہونا چاہے تو اُسے وہی چند روپے مل پاتے ہیں جو بحیثیت حصہ دار دیے تھے یعنی اُس کا حصہ اصل قیمت واپس کر کے خرید لیا جاتا ہے، اس طرح سارے کاروبار پر آہستہ آہستہ وہی لوگ قابض ہو جاتے ہیں جنھوں نے اسے شروع کیا تھا۔

اسلامی شریعت نے شرکت میں کام کرنے والوں کے لئے جو اصول اور ضوابط مقرر کئے ہیں اگر انھیں ملحوظ رکھا جائے تو بڑے سے بڑا کاروبار شرکت میں چلایا جا سکتا ہے۔ سارے حصہ دار فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، ملک کی صنعت و تجارت کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے اور ہزاروں بے وسیلہ لوگ روزی کما سکتے ہیں، وہ ساری بے انصافی، زیادتی اور بددیانتی ختم کی جا سکتی ہے جو اس طرح کے کاروبار میں ہو رہی ہے، اسلام بے انصافوں اور زیادتی

اور بد دیانتی کرنے والوں کو مجرم قرار دیتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جب دو شریک مل کر کوئی کام کرتے ہیں تو جب تک وہ آپس میں خیانت و بد دیانتی نہیں کرتے، میں اُن کے ساتھ ہوتا ہوں (مدد کرتا اور برکت دیتا ہوں) لیکن جب وہ بد دیانتی شروع کر دیتے ہیں تو میں اُن کی مدد کرنا چھوڑ دیتا ہوں" (مشکوٰۃ)

شرکار کی حیثیت

اپنی غرض اور اپنے مادی فائدوں کے پیش نظر ہی موجودہ زمانے میں لوگ اشتراک کرتے ہیں ان میں کوئی اخلاقی قدر مشترک نہیں ہوتی لیکن اسلامی شریعت نے مادی فائدے کے ساتھ شرکار کی اصل حیثیت یہ قرار دی ہے کہ ہر شریک مال کا اور اُس سے کئے جانے والے کاموں کا امین بھی ہے اور وکیل بھی۔ یعنی جس طرح امانت کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح شرکت کے مال کی حفاظت ہر شریک کرے اسی لئے اگر غلطی سے کوئی نقصان ہو جائے تو شریعت تاوان عائد نہیں کرتی۔ وکیل کی حیثیت سے کوئی شریک مال کو یا مشترک کاروبار کو اپنے فائدے کے لئے استعمال نہ کرے بلکہ منفعت میں ہر شریک کے حقوق کا خیال رکھے، کسی کو یہ شکایت نہ ہو کہ فلاں نے سارا فائدہ سمیٹ لیا اور باقی شرکار نقصان میں رہے۔ صحابہ کرامؓ نے اُسوۂ نبوی کی روشنی میں جب شرکت کا کوئی کاروبار کیا تو مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں تک سے ایسا انصاف کیا ہے جو تاریخ میں یادگار رہ گیا ہے، خیبر کے یہودیوں سے طے تھا کہ وہ مسلمانوں کی زمین میں کاشت کریں جو کچھ پیدا ہوگا اُسے دونوں فریق نصف نصف بانٹ لیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو آنحضرتؐ نے غلہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو انھوں نے یہودی مزارعین سے کہا کہ یا تم لوگ خود تقسیم کر دو یا کہو تو میں کروں، اُن لوگوں نے ان ہی سے بانٹ دینے کو کہا۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے دو برابر کے حصے الگ الگ لگا دیئے اور کہا ان میں سے جو چاہو لے لو، یہ انصاف دیکھ کر یہودی پکار اُٹھے "بِهٖ قَامَتِ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ" یعنی اسی انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

شرکت کی قسمیں

شرکت دو طرح کی ہوتی ہے ایک شرکتِ املاک، دوسری شرکت عقود

(۱) شرکت املاک یعنی ملکیت میں شرکت۔ جیسے چند آدمیوں کو وراثت میں یا بطور ہبہ ایک جائداد یا ایک مجموعی نقد رقم ملی۔ دو یا دو سے زیادہ لوگوں نے مل کر

کوئی چیز خریدی تو یہ سب صورتیں شرکت املاک کی ہیں یعنی ایک چیز کی ملکیت میں دو یا کئی آدمی شریک ہیں۔

۲۔ شرکت عقود۔ یعنی دو یا چند آدمیوں کا آپس میں معاہدہ کرکے کسی کاروبار میں شریک ہونا' عقد کے معنے بندھنے یا باندھنے کے ہیں۔ اس میں شرکار معاہدہ کرکے اُس کی شرائط کے پابند ہوجاتے ہیں۔

شرکت املاک کا حکم

جتنے لوگ شریک ہوں اُن میں سے کسی شریک کو تمام شرکار کی اجازت کے بغیر مشترک جائداد یا روپیہ میں تصرف کا حق نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ یا چند قطعے مکانات ترکے میں چھوڑے تو اس میں جتنے حصہ دار ہیں خواہ کسی کا حصہ کم ہو یا زیادہ اُن میں سے کسی ایک کو بغیر سب کی مرضی کے روپیہ کام میں لانے مکانوں کو بیچنے یا کرایہ پر دینے کا حق نہیں ہے اور نہ تقسیم کرنے کا۔ اسی طرح اگر دو یا کئی آدمیوں نے مل کر غلہ، کپڑا، باغ یا اُس کے پھل خریدے تو (۱) اگر وہ چیزیں ایسی ہیں جن میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوتا مثلاً جَو، گیہوں وغیرہ یا ایک ہی قسم کے کپڑے کے بہت سے تھان تو دوسرے شرکار کی موجودگی کے بغیر بھی اس کی تقسیم کی جا سکتی ہے، ایک شریک اپنا حصہ لے لے اور باقیوں کے حصے الگ کرکے رکھ دے تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن دوسرے شریکوں کے پہنچنے سے پہلے اگر اس کا حصہ ضائع ہوگیا تو دوسرے شرکار کے حصوں میں سے اتنا حصہ لینے کا حق ہے کہ اُس کا حصہ سب حصوں کے برابر ہوجائے (اگر دو شریک ہوں تو ½ اور تین ہوں تو ⅓ اور چار ہوں تو ¼) (۲) اگر وہ چیزیں ایسی ہیں جن میں کچھ فرق ہوتا ہے مثلاً مختلف کپڑوں کے دس بیس تھان یا پھل یا جانور خریدے تو چونکہ کوئی تھان اچھا کوئی خراب' کوئی پھل بڑا کوئی چھوٹا، کوئی جانور تیز کوئی سست ہوسکتا ہے اس لئے سب شریکوں کی موجودگی کے بغیر ان کو تقسیم نہیں کرنا چاہیئے اور نہ کام میں لانا چاہیئے کیونکہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

شرکتِ عقود کی کیفیت

باہم معاہدہ اور اقرار سے شرکت قائم ہوتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ دو یا کئی آدمی تھوڑا تھوڑا سرمایہ فراہم کرکے آپس میں طے کرتے ہیں کہ ہم سب مل کر اس روپے سے فلاں کام کریں گے اور جو نفع ہوگا وہ

آپس میں اتنے فی صدی تقسیم کرلیں گے یا کسی کام کے بارے میں یہ طے کرلیں کہ سب مل کر اس کو انجام دیں گے اور جو فائدہ ہوگا بانٹ لیں گے، یہ اقرار زبانی بھی ہوسکتا ہے اور تحریری بھی، امام سرخسیؒ نے تحریری معاہدے پر زور دیا ہے (مبسوط) معاہدے کے شرکاء میں سے ہر فرد کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنے معاہدے کو فسخ کردے اور علیحدہ ہوجائے اس کا اثر دوسرے شرکاء پر نہیں پڑے گا۔ شرکاء میں سے اگر کسی کی موت واقع ہوجائے تو اُس کا معاہدہ خود بخود فسخ ہوجائے گا لیکن اگر ورثا چاہیں تو اس کی تجدید کرسکتے ہیں۔

شرکت عقود کی قسمیں شرکت عقود کی کئی قسمیں ہیں اور اُن کے جُدا جُدا احکام ہیں مگر چند باتیں سب میں مشترک ہیں:

۱۔ شرکت کا قول و قرار باقاعدہ ہونا۔ خواہ زبانی ہو یا تحریری۔

۲۔ منافع کی تقسیم کا تناسب صاف صاف بیان ہونا کہ کتنا کتنا کس کس کو ملے گا۔

۳۔ ہر شریک مشترکہ مال کا امین بھی ہوگا اور وکیل بھی۔ امین کی حیثیت سے مال کی حفاظت کا اور وکیل کی حیثیت سے کاروبار کے نظم و تصرف میں برابر کا ذمہ دار ہوگا۔

۴۔ اگر تمام شرکاء کا حصۂ سرمایہ اور کام میں برابر کا ہو تو بھی آپس کی رضامندی سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم منافع دینا طے کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

۵۔ ہر شریک کو خود یا اپنے کسی نمائندے کے ذریعے کام میں حصہ لینا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے شریک نہ ہوسکتا ہو تب بھی نفع میں شریک رہے گا کیونکہ گھاٹا ہوجانے کی صورت میں اُس کو بھی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

۶۔ لیکن اگر معاملہ کرتے وقت کسی شریک نے یہ کہہ دیا کہ میں اس کام میں شریک نہیں رہوں گا تو شرکت اُس کے حق میں فاسد ہوگی۔

مجلسِ انتظام شرکت کا کاروبار بڑے پیمانے پر چلانے اور اس کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے شریکوں میں سے کسی ایک یا کئی آدمیوں کو ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے یا اُن کے علاوہ کسی آدمی کو یہ کام سپرد کیا جاسکتا ہے، ایسے شریک کے منافع کا حصہ اُس کا وقت زیادہ صرف ہونے یا انتظامی صلاحیت ہونے کی بنا پر کچھ بڑھا کر مقرر کیا جاسکتا

ہے۔ باہر کا آدمی اگر کام کرنے کے لئے بحیثیت شریک کاروبار میں شامل ہو تو منافع کا کچھ مناسب حصہ اُس کا مقرر کر کے اُسے مُضارِب تصور کیا جائے گا، اور اگر وہ اجرت لینا پسند کرے تو تنخواہ مقرر کر دی جائے گی اور اس صورت میں وہ منافع میں شریک نہیں ہو سکتا، کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ متعین تنخواہ بھی لے اور منافع میں بھی شریک ہو۔

شرکت کی قسمیں اور اس کے احکام و شرائط

۱۔ شرکتِ مُفاوَضہ ۔ مفاوضہ کے معنی ایک دوسرے کے سپرد کرنے کے ہیں، اس کو شرکتِ مفاوضہ اس لئے کہتے ہیں کہ ایک شریک دوسرے کو اپنا مال سپرد کر دیتا ہے، اس میں شرط یہ ہے کہ تجارت کے منافع میں ہر ایک کا حصہ سرمایہ کے مطابق بغیر کسی فرق کے ہوگا اور شرکا میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مال میں تصرف (یعنی خرید و فروخت کرنے، کمایہ پر لینے اور دینے) کا حق ہوگا۔ اس شرکت کے لئے حسب ذیل باتیں ضروری ہیں:

۱۔ شرکا کا سرمایہ تجارت میں برابر ہو۔

۲۔ شرکا منافع میں برابر کے حصہ دار ہوں۔

۳۔ ہر شریک کو مال خریدنے، بیچنے، تصرف کرنے اور قرض دینے کا اختیار ہو۔

۴۔ اگر کوئی شریک اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کوئی چیز خریدے تو دوسرے شریک کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے، لیکن اگر اُدھار لی ہیں تو جس سے اُدھار لی ہیں اُس کو دوسرے شرکا سے بھی تقاضے کا حق ہے۔

۵۔ یہ شرکت صرف مسلمان بالغوں کے درمیان ہو سکتی ہے کیونکہ غیر مسلم یا نابالغ ان امور کی پابندی نہیں کر سکتا جو ضروری ہیں۔

(۲) شرکتِ عنان: یہ شرکت عقود کی سب سے مشہور قسم ہے، عام طور پر یہی طریقہ شرکت کا رائج ہے۔

۱۔ اس میں نہ تو سرمایہ کا برابر ہونا ضروری ہے اور نہ نفع میں برابری شرط ہے۔ اس میں ہر شخص شریک ہو سکتا ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس میں شرکت مفاوضہ کی طرح

سرمایہ اور نفع کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ شرکار کا سرمایہ کم یا زیادہ بھی ہوسکتا ہے اور اُس کے مطابق نفع میں بھی حصہ کم وبیش ہوسکتا ہے۔

۲۔ کاروبار میں ایک شریک نے ایک ہزار روپیہ لگایا اور دوسرے شریک نے پانچسو روپیہ اور دونوں نے بخوشی طے کیا کہ منافع دونوں کا برابر ہوگا تو یہ جائز ہے کیونکہ منافع کا تعلق محض سرمایہ سے نہیں ہوتا۔ اس میں ذہنی صلاحیت اور سوجھ بوجھ، عملی محنت اور دوڑ دھوپ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کا سرمایہ زیادہ ہو لیکن عملی اور ذہنی صلاحیت کم ہو۔ دوسرا شخص کم سرمایہ رکھتا ہو لیکن عملی اور ذہنی صلاحیتوں میں اُس سے بڑھا ہوا ہو۔ تو یہ شخص سرمایہ کی کمی کی تلافی اپنی ذہنی اور عملی صلاحیتوں سے کرسکتا ہے، بہرحال اس کا تعلق آپس کی رضامندی سے ہے، جبر اور دباؤ سے نہیں ہے۔

۳۔ تمام شرکار کا سرمایہ برابر ہو لیکن نفع میں کمی اور زیادتی طے ہوئی ہو۔ عام شرکار عملی محنت کرنے کو تیار نہ ہوں بلکہ پورے کاروبار کی ذمہ داری کسی ایک یا دو کے سپرد کریں تو جس کے سپرد کام کیا گیا ہو اگر یہ وہ شخص ہے جس کا نفع زیادہ مقرر ہوا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اگر کام کرنے کی ذمہ داری اُس شخص کو سونپی گئی ہے جس کا نفع کم رکھا گیا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے سرمایہ برابر کا لگایا اور محنت بھی کی اور پھر بھی منافع کم ملا تو وہ نقصان میں رہے گا جس کو شریعت روا نہیں رکھتی۔

۴۔ نفع تقسیم کرنے کی مقدار کا تعین ہوجانا چاہئیے یعنی $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{4}$ یا دس فیصد فلاں کو اور بیس فی صد فلاں کو یا سب کو برابر۔ اگر یوں طے کیا گیا کہ ایک ہزار روپے تو فلاں آدمی کے متعین ہیں باقی جو بچے اس میں باقی شرکار کا حصہ ہوجائے یہ صحیح نہیں (ہدایہ)

۵۔ نقصان اگر ہوجائے تو وہ اصل سرمایہ سے پورا کیا جائے گا۔ نفع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بشرطیکہ نقصان قصداً نہ کیا گیا ہو بلکہ اچانک ہوگیا ہو، اگر کسی شریک نے جان بوجھ کر نقصان پہنچایا تو وہ اُس کے نفع یا اصل سے پورا کیا جائے گا، جیسا کہ مضاربت کے بیان میں گزرا۔

۶۔ تمام شرکار نفع اور نقصان دونوں میں شریک سمجھے جائیں گے، اگر کسی نے یہ شرط لگائی کہ نقصان اُس کے ذمّے اور نفع میں سب لوگ شریک رہیں گے تو یہ شرکت ناجائز ہوگی۔

(۷) شرکت اگر فاسد ہوجائے یا معاہدہ فسخ کردیا جائے تو منافع سرمایہ کے مطابق تقسیم کرنا ہوگا، مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے اور کسی نے دو ہزار روپے لگائے تھے تو ایک ہزار روپے والے کو ⅓ اور دو ہزار والے کو ⅔ ملے گا خواہ شرکت کرتے وقت زیادہ اور کم منافع لینے کی شرط ہی کیوں نہ کی گئی ہو وہ شرط شرکت فاسد یا منسوخ ہونے کی صورت میں کالعدم سمجھی جائے گی۔

۸۔ جس غرض کے لئے شرکت کی گئی ہو اُس میں ہر شریک کو مال خرچ کرنے اور دوسرے تصرفات کا برابر حق ہے۔ مال منگانے چھڑانے، اُدھار بیچنے یا اُدھار لگانے کا ہر شریک کو حق ہے۔ اگر کسی سے نقصان ہوگا تو سب کی ذمہ داری سمجھی جائے گی، البتہ اگر ایک شریک نے دوسرے کو کسی چیز کے خریدنے سے منع کیا اور اُس نے اُسے پھر بھی خرید لیا اور اُس میں نقصان ہوا تو اُس کی ذمہ داری تنہا اس پر ہوگی، اسی طرح اگر اُس نے خریدنے یا بیچنے میں شدید قسم کا دھوکہ کھایا تو بھی اسی پر اس کی ذمہ داری ہوگی دوسرے شریکوں کا سرمایہ محفوظ سمجھا جائے گا۔

۹۔ شرکت کے مال میں ذاتی مال ملانا یا دونوں کا کاروبار یکجائی کرنا جائز نہیں جب تک کہ دوسرے شریک اس کی اجازت نہ دیں، اسی طرح تمام شرکار کی اجازت کے بغیر کسی نئے آدمی کو شریک بنانا بھی جائز نہیں ہے۔

۱۰۔ مشترک کاروبار جس میں کئی شریکوں کا سرمایہ لگا ہے اور کوئی شریک اسی طرح کا کاروبار اپنے ذاتی روپے سے الگ شروع کردے تو اُسے بھی مشترک سمجھا جائے گا اگرچہ وہ یہ ثبوت ہی کیوں نہ دے کہ یہ اُس کا ذاتی کاروبار ہے، البتہ اگر وہ اس مشترک کاروبار سے مختلف کوئی دوسرا کام اپنے ذاتی روپے سے کرے مثلاً مشترک کاروبار کپڑے کا ہے اور وہ اپنی ذاتی دُکان جوتے کی کھولے تو اس کی اجازت ہے، یہ قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ مشترک کاروبار کو اس کے ذاتی کاروبار سے نقصان نہ پہنچے یا مشترک سرمایہ کو ذاتی منفعت کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

۱۱۔ تمام شرکار کی اجازت کے بغیر کوئی ایک شریک کسی کو مشترک سرمایہ سے قرض نہیں دے سکتا۔

۱۲۔ اگر سرمایہ قرض لے کر چند آدمی مشترک کاروبار کریں تو جائز ہے بشرطیکہ قرض سودی نہ ہو۔

۱۳۔ مشترک کاروبار کے سلسلہ میں اگر سفر کرنا پڑے، مزدوری یا دکان کا کرایہ دینا پڑے یا کارخانہ اور مشین لگانے میں خرچ کرنا پڑ جائے تو اس سب کا بار مشترک سرمایہ پر ہوگا۔

۱۴۔ اگر کسی ایک شریک نے دوسرے شریک کو یا چند شرکاء نے ایک شریک کو مشترک سرمایہ سپرد کر کے کہا کہ تجارت یا صنعت میں سے جو کام چاہو کرو تو اس کو اختیار ہوگا کہ جو کام چاہے اور جس طرح چاہے کرے، لیکن اگر قصداً سرمایہ برباد کرے گا (مثلاً فضول کاموں پر یا اپنے تعیشات پر خرچ کرنا وغیرہ) تو نقصان اُس کے سرمایہ سے پورا کیا جائے گا۔

۱۵۔ اگر کسی شریک یا چند شرکاء نے کسی خاص شہر یا مقام پر کام کرنے کی رائے دی لیکن دوسرے شرکاء نے سرمایہ اُن کی رائے کے خلاف دوسری جگہ لگایا اور اس میں نقصان ہو گیا تو اس کی ذمہ داری ان ہی شریکوں پر ہوگی جنھوں نے ایسا کیا ہے۔ وہ شرکاء جنھوں نے پہلے رائے دی تھی اُس معاہدے کے مطابق منافع پائیں گے جیسا کہ طے ہوا تھا۔

۳۔ شرکتِ اعمال یا شرکتِ صنائع

یہ شرکت عقود کی تیسری قسم ہے، اس سے مراد وہ شرکت ہے جس میں سرمایہ کے بغیر دو ہم پیشہ باہم مل کر یہ طے کریں کہ ہمارے عمل سے جو یافت ہوگی اُسے آپس میں معاہدے کے مطابق بانٹ لیں گے۔ مثلاً اسٹیشن پر سامان ڈھونے یا ایک دیوار تعمیر کرنے کا معاہدہ یا دو سناروں کے درمیان زیور بنانے کا معاہدہ یا دو موچیوں کے درمیان یہ معاہدہ کہ جو کام ملے گا اُسے مل کر یا علیحدہ علیحدہ کریں گے اور فائدے میں برابر کے شریک رہیں گے تو یہ سب شرکتیں جائز ہیں، ان میں سرمایہ مشترک نہیں ہوتا لیکن عمل یا صنعت مشترک ہوتی ہے، اسے شرکت تقبل بھی کہتے ہیں یعنی دو آدمیوں کا ایک کام کو قبول کر لینا۔ عہد رسالت میں صحابہ اس قسم کی شرکت کرتے تھے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ حضرت سعد اور حضرت عمار نے غزوۂ بدر میں معاہدہ کیا کہ جو کچھ مال غنیمت ملے گا وہ سب کا مشترک حصہ ہوگا خواہ ایک ہی کیوں نہ پائے، اس شرکت کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی شرائط ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو یہ ہیں:۔

۱۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کام برابر کرے اور کام کا معاوضہ سب کو یکساں ملے۔ ایک

جوان بوڑھے سے زیادہ کام کرے گا اور اپنی محنت کے مطابق معاوضہ کا حقدار ہوگا یا ایک درزی سلائی میں زیادہ محنت کر سکتا ہے اور دوسرا درزی تراش (کٹنگ) میں ماہر ہے یا ایک باریک کام کر سکتا ہے اور دوسرا صرف موٹا کام کر سکتا ہے تو دونوں کی اجرت میں تفاوت ہو سکتا ہے لیکن یہ رضامندی سے ہونا چاہئیے۔

۲۔ کام دینے والے کو ہر شریک سے تقاضے کا حق ہے خواہ کسی کا معاوضہ کم ہو یا زیادہ۔

۳۔ ایک شریک آرڈر قبول کر لیتا ہے تو یہ قبولیت سب ہی شرکار کی قبولیت مانی جائے گی۔

۴۔ کام پورا ہو جانے کے بعد ہر شریک اُس کام کا پورا معاوضہ لے سکتا ہے، آرڈر دینے والا کسی ایک شریک کو معاوضہ پورا ادا کر دے تو دوسرے کسی شریک کو کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ اگر آرڈر دینے والے سے یہ کہہ دیا گیا ہو کہ ادائگی فلاں کو کی جائے تو پھر کسی اور شریک کو معاوضہ ادا نہیں کرنا چاہئیے۔

۵۔ اگر کسی شریک نے کام کیا اور کسی نے نہیں کیا تو کام دینے والے کو اعتراض کا حق نہیں ہے البتہ اگر یہ شرط لگا دی گئی ہو کہ فلاں شخص کے ہاتھوں سے یہ کام ہو تو اس کی پابندی ضروری ہوگی یا مثلاً دو کاریگروں کو مکان کی تعمیر کا ٹھیکہ اس شرط پر دیا کہ دونوں عملاً شریک کار بھی رہیں گے تو اس کی پابندی کرنا ہوگی۔

۶۔ اگر شرکار میں سے ایک کسی مجبوری کی وجہ سے (بیماری یا کسی دوسری مصروفیت کے سبب) کام نہ کر سکا تو بھی وہ فائدے یا اُجرت میں شریک سمجھا جائے گا۔

۷۔ اگر نقصان ہوگا تو تمام شرکار اس کا تاوان ادا کریں گے مثلاً چند آدمیوں نے مل کر ایک پُل بنانے کا ٹھیکہ لیا اور اس میں نقصان ہو گیا تو تمام شرکار اپنے حصے کے مطابق اس کو برداشت کریں گے مثلاً جس کا حصہ فائدے میں ½ تھا وہ خسارے کا ½ اور جس کا حصہ ⅔ تھا وہ خسارے کا ⅔ برداشت کرے گا۔

۸۔ اگر دو پیشہ ور اس طرح شرکت کریں کہ دُکان ایک کی ہو اوزار یا محنت دوسرے کی تو یہ بھی جائز ہے۔

۹۔ اگر دو ٹرک والے یہ معاہدہ کر لیں کہ حمل و نقل کا جو کام ملے گا اُسے دونوں میں سے کوئی

اپنے ٹرک سے پہنچا دیا کرے گا اور اس طرح کرایہ کی آمدنی دونوں تقسیم کرلیا کریں گے تو یہ جائز ہے لیکن اگر شرکت اس طرح ہو کہ دونوں جو کچھ اپنے اپنے طور پر کمائیں گے اُسے بانٹ لیا کریں گے تو جائز نہیں ہے، مطلب یہ کہ کام اور اُجرت دونوں میں شرکت ہونا شرط ہے، محض اجرت میں نہیں۔

۱۰۔ اگر ایک گھر کے سربراہ نے کسی کام کو کرنے کا معاہدہ کیا اور پھر وہ کام گھر میں بیٹھ کر کرلیا اگر کام میں اُس کے گھر کے لوگ بھی شریک ہو گئے تو وہ قانونی شریک نہیں ہوں گے بلکہ مددگار شریک ہوں گے، اُنھیں الگ سے معاوضے کا حصہ نہیں دیا جائے گا۔

۴۔ **شرکتُ الوجوہ** یہ شرکت عقود کی چوتھی قسم ہے، دو یا دو سے زیادہ نہ تو سرمایہ میں شریک ہوں اور نہ عمل وصنعت میں بلکہ اپنی ساکھ اور وجاہت کی بنا پر یہ معاہدہ کرلیں کہ تاجروں سے مال اُدھار لے کر فروخت کریں گے اور مال کی اصل قیمت ادا کرنے کے بعد جو فائدہ ہوگا اُسے آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

۱۔ اس شرکت کے لئے وہی شرائط ہیں جو شرکتہ الصنائع کے ہیں یعنی منافع طے شدہ تناسب سے ہر شریک کو ملے گا اور گھاٹا ہر شریک اُسی تناسب سے برداشت کرے گا۔ البتہ ایک شرط زیادہ ہے وہ یہ کہ جو اپنی ساکھ اور وجاہت سے جتنا زیادہ حاصل کرے گا اور جتنے زیادہ مال کی ذمہ داری (ضمانت) لے گا اُتنا ہی زیادہ نفع کا مستحق ہوگا، اگر شرط یہ کی گئی کہ مال خواہ برابر حاصل کریں یا کم یا زیادہ مگر فائدے میں برابر کی شرکت رہے گی تو یہ شرط لغو سمجھی جائے گی۔ جس نے جتنا زیادہ مال لیا ہے اُسی اعتبار سے نفع میں حصہ ملے گا اگر کوئی فریق یہ شرط کرے کہ کر نصف مال کا وہ ذمہ دار ہے مگر فائدہ زیادہ لے گا تو بھی شرط لغو ہے دونوں پر آدھا آدھا منافع تقسیم ہوگا۔

۲۔ خسارے کی صورت میں بھی اُسی تناسب سے نقصان برداشت کرنا ہوگا جتنا مال لیا ہے اور جس کی ذمہ داری لی ہے مثلاً کسی نے دو حصے مال حاصل کیا اور اُس کی ذمہ داری لی اور دوسرے نے ایک حصہ مال حاصل کیا اور اُس کی ذمہ داری لی تو خسارے کی صورت میں اسی تناسب سے نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ (المجلہ)

ذمہ دار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے مال کا ضامن ہے اگر وہ ضائع ہوگیا یا اُس میں نقصان آگیا تو تاوان اُسی اعتبار سے عائد ہوگا۔ منافع بھی اسی ضمانت اور ذمہ داری کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔

قرض

روپیہ اُدھار لینے کی ضرورت اکثر اور بیشتر لوگوں کو ہو جایا کرتی ہے۔ بے سہارا یا غریب افراد ہی نہیں بلکہ دولتمند لوگ اور بڑی حکومتیں بھی بعض اوقات قرض لینے پر مجبور ہو جاتی ہیں، مثال کے طور پر ایک شخص جو لاکھوں روپے کا مالک ہے سفر میں کبھی وہ تھوڑے پیسے قرض لینے کا حاجتمند ہو جاتا ہے، یا ایک کمانے والا آدمی جو ہزاروں روپے ماہوار کماتا ہوتا ہے بکایک فوت ہو جاتا ہے اور اس کے گھر والے اپنی ضرورتیں پوری کرنے سے مجبور ہو جاتے ہیں — حکومتیں جنگ کے زمانے میں عام افراد سے قرض لینے کی اپیل کرتی ہیں غرض یہ کہ انفرادی، اجتماعی، معاشی ضرورتوں کے علاوہ سیاسی ضرورتیں بھی قرض کے سہارے پوری کرنا پڑ جاتی ہیں، یہ سہارا شدید ضرورت کے وقت عزت و آبرو یا جان بچانے کی خاطر تلاش کرنا چاہیئے، ورنہ عام حالت میں یہ ایک ناپسندیدہ بلکہ تباہ کن آفت ہے جو افراد اور حکومتوں کو بھی پنپنے نہیں دیتی، اس کی مضرت اور بڑھ جاتی ہے اگر سود اور منفعت پرستی کا دخل ہو جائے، قرض دینا انسانی ہمدردی اور خیر و برکت کی نیت سے ہو تو باعث فلاح ہے لیکن اگر مادی نفع حاصل کرنے اور خود غرضی کے لئے ہو تو تباہی کا سبب ہے۔ "خود غرضی" سود لینے پر آمادہ کرتی ہے، خود غرض یہ نہیں سوچتا کہ جو اصل رقم واپس کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ سود کہاں سے دے گا، وہ قرض دار سے اظہار ممنونیت کا طالب رہتا ہے اور سود میں کمی یا اس کے مارے جانے کا خطرہ ہو تو اصل کی طرح اُسے بچانے کی فکر کرتا ہے اور بسا اوقات قرضدار کی عزت اور آبرو سے بھی کھیلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اُسے یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ خود اُس پر ایسا وقت پڑ سکتا ہے کہ دوسروں سے قرض لینے پر مجبور ہو جائے۔ یہی مجرمانہ ذہنیت قرض دینے والی حکومتوں کی ہوتی ہے، دس بیس

سال تک اصل رقم کے ساتھ اُس کا سود بھی وصول کرتی رہتی ہیں اس طرح قرض لینے والے کو اصل رقم سے ڈیڑھ گنا یا کم از کم سوائی رقم یعنی ۱ کے مقابلے میں ۱½ دینا پڑ جاتی ہے۔ مقروض حکومتیں سود کے ساتھ ساتھ کچھ سیاسی اور تجارتی حقوق بھی قرض خواہ حکومتوں کو دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ امریکہ اور اُس جیسی بڑی حکومتیں قرض دے کر دوسرے ممالک کو پابہ زنجیر کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن کے دلوں میں انسانی ہمدردی اور احساس مروّت ہو وہ سود لینے سے گریز کرتے ہیں اور قرض دینے سے بھی گھبراتے ہیں کہ کہیں اُن کا روپیہ مارا نہ جائے۔

شریعتِ اسلامی کی ہدایات

چونکہ قرض لینے کی اجازت ناگزیر انسانی ضرورت کو پورا کرنے یا سخت حالات سے نکالنے کے لئے دی گئی ہے، ساتھ ہی ایسی اخلاقی پابندیاں قرض دینے والے اور قرض لینے والے پر عائد کر دی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے ضرورت بہ آسانی رفع ہو جائے اور سود کی لعنت اور قرض خواہ کی ممنونیت سے بھی بچیں اور اُن نقصانات سے بھی محفوظ رہیں جو مادی وغیر مادی دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں۔

قرض کے بیان میں قرآن میں کہا گیا ہے "لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ" یعنی نہ تم کسی پر ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اور حدیث میں ہے "لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ" یعنی نہ خود نقصان اٹھاؤ، نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ۔ آسودہ حال لوگوں کو ضرورت مندوں غریبوں اور مسکینوں (بے سہارا لوگوں) کی ضرورت و حاجت کا خیال رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے، یہاں تک کہ اگر وہ سوال کریں تو اُسے رد نہ کیا جائے اور بغیر معاوضہ لئے مدد کی جائے اور اگر وہ شرم و حیا سے سوال نہ کر سکیں تو خود اُن کی ضرورت معلوم کر کے اسے پورا کریں۔ اگر اس طرح کی مدد نہیں کر سکتے تو بطور قرض کے تو دے ہی دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُقْرِضُ مُسْلِمًا قَرْضًا مَرَّتَيْنِ إِلَّا كَانَ كَصَدَقَتِهَا مَرَّةً۔	کوئی مسلمان کسی مسلمان کو دو بار قرض دیتا ہے تو اس کا ثواب وہی ہوتا ہے جو ایک بار صدقہ دینے کا ہوتا ہے۔

صدقہ اسی کو کہتے ہیں کہ ایک آسودہ حال مسلمان دوسرے ضرورت مند مسلمان کی ضرورت اس طرح پوری کرے کہ اُسے اپنا مال واپس لینے یا معاوضہ وصول کرنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔ لیکن اگر وہ اتنا فراخ دل نہیں ہے تو بطور قرض ہی دیدے اور سود یا نفع اندوزی کا خیال بھی دل میں نہ لائے اس اعتبار سے وہ مستحق اجر ہوگا اور دوبار ایسا کرکے وہ اُس ثواب کا مستحق بن جائے گا جو ایک بار صدقہ کرکے اُسے ملتا۔ قرض دے کر اُس کی ادائگی میں مہلت دینا اور غریب ہو تو معاف کر دینا ایسا نیک کام ہے جو آخرت میں مغفرت کا سبب ہوگا، قرآن میں ہے،

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ (البقرہ ۴۰)

(یعنی اگر قرضدار تنگ دست ہے تو کشادگی تک مہلت دو اور اگر بالکل معاف کر دو تو تمہارے لئے بہ (صدقہ کر دینا) عملِ خیر ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو ایک نیک آدمی کا واقعہ نقل کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ رَجُلاً كَانَ فِيمَن كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوحَهُ فَقِيلَ لَهُ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ قَالَ مَا أَعْلَمُ قِيلَ لَهُ أُنْظُرْ قَالَ مَا أَعْلَمُ غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيهِمْ فَأُنْظِرُ الْمُوسِرَ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ۔

(تم سے پہلے جو لوگ گزرے اُن میں ایک آدمی تھا، جب موت کے فرشتے نے اُس کی روح قبض کی تو اُس سے پوچھا کیا تم نے کوئی نیک کام کیا ہے اُس نے کہا مجھے ایسا کوئی کام نظر نہیں آتا۔ پھر کہا گیا غور کرو اُس نے کہا مجھے اس کے علاوہ اپنا کوئی نیک کام نظر نہیں آتا کہ میں لوگوں سے اُدھار لین دین کرتا تھا اور اُنھیں مال اٹھا لے جانے کی اجازت دیدیتا تھا پھر اگر وہ خوش حال ہے تو اس کو قیمت ادا کرنے کے لئے مہلت دیتا تھا اور اگر تنگ حال ہے تو اُسے معاف کر دیتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیکی

کے بدلے میں اس کو جنت میں داخل فرمایا

ایک دوسری روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُّنَجِّيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ يَضَعْ عَنْهُ۔ (مسلم)

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اُسے قیامت کی سختیوں سے اللہ نجات دیدے تو تو اسے چاہیئے کہ تنگدست مقروض کو مہلت دے یا اسے معاف کر دے۔

بے ضرورت قرض لینا شریعت اسلامی میں مذموم ہے' صرف عزت و آبرو کی حفاظت اور شدید معاشی ضرورت کے لئے اجازت ہے بالکل اس طرح جیسے مرتے ہوئے کو مردار کھانے کی (وہ بھی اگر سدِّ رمق سے زیادہ کھائے گا تو فعل حرام ہوگا اور قانوناً سزا کا مستحق ہوگا) یہی حال قرض لینے کا ہے کہ بدرجہ مجبوری اجازت ہے۔ اگر کوئی شخص عیش کوشی، اپنی عرفی ساکھ یا مصنوعی معیار زندگی کو قائم رکھنے کے لئے قرض لے یا ضرورت واقعی کے لئے قرض لے کر اُس کی ادائگی سے بے خبر ہو جائے یا استطاعت کے باوجود ادا کرنے میں لیت و لعل کرے تو وہ اخلاقاً بھی مجرم ہے اور قانوناً بھی۔ دنیا میں بھی مستحق سزا ہے اور آخرت میں سخت پکڑ کے قابل۔

قرض ادا نہ کرنا کس قدر ناپسندیدہ ہے؟ اس کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ سے کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ اُس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو قرض چھوڑ کر وفات پا جاتا اور ادائے دَین کے لئے کوئی ترکہ بھی نہ چھوڑ گیا ہوتا، ایک بار ایک صحابی کا جنازہ لایا گیا، آپؐ نے دریافت کیا "هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ" (ان پر کوئی قرض تو نہیں) معلوم ہوا دو دینار کے مقروض تھے آپؐ نے فرمایا اُن کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ ایک صحابی حضرت ابوقتادہؓ نے عرض کیا کہ دونوں دینار کی ادائگی کا میں ذمہ دار ہوں۔ تب آپؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

سوتے وقت اور پنج وقتہ نمازوں کے بعد جو دُعائیں مانگتے اُن میں گناہوں کے ساتھ قرض سے بھی پناہ مانگتے ہوئے فرماتے "اعوذ من الماثم والمغرم" (میں گناہ اور قرض کے بوجھ سے پناہ مانگتا ہوں)

ایک بار آپؐ کفر و قرض دونوں سے پناہ مانگ رہے تھے۔ ایک صحابی نے پوچھا یارسول اللہؐ!

کیا آپؐ قرض کو کفر کے برابر قرار دیتے ہیں؟ فرمایا، ہاں! (نسائی، حاکم)

اسلام کسی مومن کو ذلّت میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا۔ ارشاد نبوی ہے جب خدائے تعالیٰ کسی بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اُس کی گردن پر قرض کا بار رکھ دیتا ہے۔ (حاکم)

بلندی، عزّت اور آزادی کے بجائے کمتری، ذلّت اور غلامی کا احساس پیدا ہونا مومن کی شان کے خلاف ہے، ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو کچھ نصیحت فرما رہے تھے اُس میں یہ بھی فرمایا کہ قرض کم لیا کرو، آزاد ہو کر زندہ رہو گے۔ (بیہقی)

آپؐ صحابہ کو قرض سے سبکدوش ہونے کی دعا تلقین فرمایا کرتے تھے، حضرت علیؓ کو ایک بار یہ دُعا سکھائی:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ	اے اللہ! اپنے حلال رزق کے ذریعے
حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ	حرام سے بچا اور اپنے فضل سے مجھے
عَمَّنْ سِوَاكَ۔	اُن سے بے نیاز کر دے جو تیرے سوا ہیں۔

قرض سے پناہ مانگنے اور اُس کی ادائگی کی تعلیم فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ مقروض کے ذہن میں ہر وقت یہ بات تازہ رہے کہ اُسے قرض ادا کرنا ہے، دوسرے یہ کہ وہ خدا سے اس کی توفیق بھی طلب کرتا رہے ورنہ ممکن ہے کہ وہ ادا کرنے کی کوشش کرے اور کامیاب نہ ہو۔

قرض کے سلسلے میں اسلامی حکومت کی ذمہ داری

اسلامی حکومت پر بھی یہ ذمہ داری ہے کہ اہل حاجت کو بیت المال سے غیر سودی قرضے دے اور اگر وہ ادا نہ کر سکیں تو قرضہ معاف بھی کر دے، ابتدائے اسلام میں جب تک مہاجرین اور انصار تنگدست تھے اور بیت المال اسلامی حکومت کا قائم نہیں ہوا تھا اُس وقت قرضدار میّت کا جنازہ پڑھانے میں آپؐ اس لئے توقف فرماتے کہ اعزہ اقارب یا معاشرے کے خوش حال افراد اُس کا قرض ادا کرنے کو آگے بڑھیں لیکن جب بیت المال قائم ہو گیا اور اُس میں رقم جمع ہونے لگی تو تنگ دست مقروض کا قرض آپؐ بحیثیت نبی اور سربراہ حکومت خود ادا فرمانے لگے اور نماز جنازہ میں توقف کرنے کا سبب بھی یہی تھا کہ کوئی قرض ادا کر دے، حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں،

فلما فتح اللہ علی رسولہ قال انا اولی بکل مومن من نفسہ فمن ترك دیناً فعلیّ ومن ترك مالاً فلورثتہ۔

جب اللہ نے اپنے رسولؐ کو کشادگی عطا کی تو انھوں نے فرمایا کہ میں (سربراہ حکومت) ہر مومن کا اُس کی اپنی جان سے زیادہ ہمدرد و سرپرست ہوں تو جو شخص قرض چھوڑ گیا تو اُس کی ذمہ داری مجھ پر (یعنی اسلامی حکومت پر) ہے اور جو مال چھوڑ کر رخصت ہوا وہ اُس کے وارثوں کا حق ہے۔

اسلامی حکومت ان لوگوں سے بجبر قرض وصول کرنے کی مجاز ہے جو ادائگی کی قدرت رکھتے ہوئے ٹال مٹول کریں، حکومت کسی کا حق ضائع نہ خود کرے گی اور نہ کسی کو ایسا کرنے دے گی۔ عہد مبارک کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے میں اور پھر جہاں جہاں اسلامی حکومت رہی اسی پر عمل کیا گیا چنانچہ آج بھی مسلم معاشرے میں بلا سودی قرض کا جتنا رواج ہے کسی دوسرے معاشرے میں نہیں ہے۔

قرض کے معنے اور تعریف

اُدھار لینے کے لئے عربی میں دو لفظ ہیں" قرض اور دَین" دَین کے معنے بَدَل کے ہیں، اِس لفظ میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ اُدھار دینے والا صرف اُس کا پورا پورا بَدَل ہی لے سکتا ہے نہ کم نہ زیادہ۔ قرض کے معنے کاٹ دینے کے ہیں، چنانچہ قینچی کو مقراض کہتے ہیں، جو شخص کسی کو اُدھار دیتا ہے وہ گویا اپنے مال کا ایک حصّہ کاٹ کر دیتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی اس میں پوشیدہ ہے کہ اگر اس معاملے میں شرعی حدود کی پابندی لوگ نہ کریں تو قرض دونوں کے تعلقات کو کاٹ دینے کا سبب بن جاتا ہے، اسی سے یہ ضرب المثل مشہور ہے۔ القرض مقراض المحبۃ (قرض محبّت کے لئے قینچی ہے) دَین اور قرض میں عام وخاص کا فرق ہے، ہر قرض کو دَین کہہ سکتے ہیں مگر ہر دَین کو قرض نہیں کہہ سکتے، قرض وہ نقد وجنس کہلاتا ہے جو کسی کو واپسی کی شرط کے ساتھ دیا جائے اور اگر کوئی چیز خرید لی مگر قیمت باقی ہے تو اُسے قرض نہیں کہا جائے گا بلکہ دَین کہا جائے گا اسی طرح اگر قیمت پیشگی وصول کر لی لیکن مال ابھی نہیں دیا تو یہ مال بائع کے ذمہ دَین کہلائے گا قرض نہ ہوگا، قرض دینے والے اور قرض لینے والے کو اُن اخلاقی ذمہ داریوں اور ہدایتوں پر عمل کرنا

چاہیئے جو اِس سلسلہ میں اسلامی شریعت نے مقرر کی ہیں، قرآن اور حدیث میں تاکید آئی ہے کہ:

قرض اور اُدھار کا معاملہ لکھ لینا چاہیئے

یہ قانوناً مناسب ہے۔ نہ لکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں، اگر دونوں فریق ایک دوسرے پر بھروسہ رکھتے ہوں۔

قرض دینے والے کو ہدایات

قرض دینا کسی فرد کی طرف سے ایک تبرّع اور انعام ہے اگر استطاعت کے باوجود کسی ضرورت مند کی حاجت پوری نہیں کرتا تو اخلاق و دیانت کے اعتبار سے وہ مجرم قرار پائے گا مگر اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قرض ضرور ہی دے البتہ حکومت پر یہ فرض ہے کہ وہ بے سہارا لوگوں کی مدد کرے خواہ صدقہ دے کر یا قرض دے کر۔

۲۔ قرض دینے والوں کو، خواہ حکومت ہو یا افراد، یہ ہدایت ہے کہ وہ قرض پر سود نہ لیں یعنی کسی مال یا چیز کے بدلے میں بغیر کسی عوض کے کوئی متعین رقم لینا یا دینا دونوں ناجائز ہے۔ قرض دینے کے عوض میں مہاجنی سود، یا قرض دیئے ہوئے روپے سے منفعت اٹھانے کی وجہ سے بینک و ڈاک خانے کا سود یہ سب ناجائز ہے، اسلامی شریعت کا اصول یہ ہے:

كلُّ قرضٍ جَرَّ نفعًا فهو ربًا۔ جو قرض نفع کھینچ لائے وہ سود ہے۔

۳۔ اوپر بیان کی گئی صورت کے علاوہ نفع اُٹھانے کی اور بھی بے شمار شکلیں ہیں، مادی بھی اور غیر مادی بھی جیسے اپنی نیاز مندی کرانا، تحفوں کا طالب ہونا، تجارت یا کسی دوسرے معاملے میں رعایت مانگنا یہ سب باتیں ناجائز ہیں یا حرام ہیں، ایسی تجارت یا خرید و فروخت بھی مکروہ ہے جس میں مقروض سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ قرآن میں قرض حسنہ کا ذکر آیا ہے جس سے مراد وہ قرض ہے جس میں سود نہ ہو، مدت کی تعیین نہ ہو اور احسان دھرنے کی بات نہ ہو، احسان جتانے والوں کے مال کو اُس مٹی سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی چٹان پر ہو اور ایک ہلکی سی بارش سے بہہ جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا اقرض احدكم قرضا فاهدى اليه او حمله

یعنی جب کوئی کسی کو قرض دے تو مقروض اگر اُس کے پاس کوئی ہدیہ بھیجے یا اُسے

علی الدابة فلا یرکبه ولا یقبلها الا ان یکون جری بینه و بینه مثل ذالك۔

اپنی سواری پر سوار کرے تو اُس کو نہ تو سواری استعمال کرنا چاہیئے نہ ہدیہ قبول کرنا چاہیئے البتہ اگر قرض دینے سے پہلے اس کے تعلقات ہوں اور تحفہ تحائف دینے کا معمول رہا ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قرض کے بیان میں نہیں بلکہ سود کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ گویا مقروض کا ہدیہ بھی ایک طرح کا سود ہے۔

۴۔ قرض دینے والا اگر ادائے قرض کے لئے کوئی مدت مقرر کر دے اور مدت گزرنے سے پہلے اُس کو شدید ضرورت پیش آجائے تو وہ تقاضا اپنی قرض کا کر سکتا ہے گو اخلاقاً ایسا نہ کرنا چاہیئے مگر قانوناً اس کو اس کا حق ہے۔ اخلاق کا تقاضا تو یہی ہے کہ جو شخص قرض کو واپس کرنے کے قابل نہ ہوا ہو اُس کو مزید مہلت دینا چاہیئے۔ مگر قانون اُسے مجبور نہیں کرتا کہ وہ مہلت دے ہی دے، ایک بار خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی جانور قرض لیا تھا، مدت گزرنے پر اس نے سختی سے تقاضا کیا، صحابہؓ کو اُس کا یہ عمل بُرا معلوم ہوا مگر آپؐ نے فرمایا،

دَعُوْہُ ان لصاحب الحق مَقالاً۔ اسے کچھ نہ کہو صاحب حق کو کہنے کا حق ہے ۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ایک جانور اُس سے اچھا خرید کر اس کو دے دو چنانچہ ایسا کیا گیا۔

(بخاری و مسلم)

۵۔ اگر مقروض ادائے قرض کی قدرت رکھتے ہوئے ادا نہیں کرتا تو اُس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

مَطْلُ الغَنِیِّ ظُلْمٌ۔ قدرت رکھنے والے کا ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

لَیُّ الْوَاجِدِ یُحِلُّ عِرضَهٗ وَعُقُوْبَتَهٗ ۔ ہاتھ میں پیسہ ہوتے ہوئے دیر لگانا اس کی آبرو کو غیر محفوظ اور سزا کا مستحق کر دیتا ہے۔

یعنی قرضخواہ اس کو بُرا کہہ کے بدنام کر سکتا ہے اور اس کے خلاف دعویٰ کر کے سزا دلوا سکتا ہے۔ فقہاء کے نزدیک ایسے شخص کو قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں

خوش حال اور بدحال دونوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے گا، دوسرے ائمہ صرف صاحب قدرت کو ہی سزا کے لائق قرار دیتے ہیں لیکن اگر نادار شخص قرض لے کر کھا جانا ہی اپنا پیشہ بنالے تو وہ سزا سے بری نہیں ہوگا۔

قرض لینے والے کو ہدایات

۱۔ کسی ہنگامی ضرورت یا شدید معاشی ضرورت کے وقت ہی قرض لینا چاہیئے، تعیش یا تفریح کے لئے قرض لینا منع ہے اس طرح سے قرض لینے والا مشکل ہی سے ادا کر سکتا ہے، لوگوں کا حق اور روپیہ مارا جاتا ہے۔

۲۔ قرض دار کو ادا کرنے کے قابل ہوتے ہی فوراً ادا کر دینا چاہیئے ورنہ وہ ظالم شمار ہوگا اور بے آبرو بھی ہوگا۔

۳۔ اگر قرض دینے والا خود ضرورت مند ہو جائے تو قرضدار کو اپنی جائداد اور گھر کا سامان بیچ کر بھی قرض ادا کرنا چاہیئے ایک بار حضرت معاذؓ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کا کل اثاثہ فروخت کر کے قرض ادا کروایا (منتقیٰ)

۴۔ ضرورت ہو تو معاشرے کے افراد سے چندہ لے کر قرض خواہ کی رقم واپس کی جاسکتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا قرض دوسرے صحابہ کی مدد سے ادا کرایا تھا ایسا ان حالات میں ہوا جب اسلامی بیت المال نہ تھا اور قرضخواہ کو شدید ضرورت تھی۔

۵۔ معاشرے کے آسودہ حال افراد کسی تنگ دست شخص کے ضامن اور ذمہ دار بن کر اُس کو قرض دلانے میں معاونت کریں۔

قرض دی جانے والی چیزیں

ہر وہ چیز جس کے مثل دوسری چیز، تول کر، ناپ کر یا شمار ہو کر واپس ہو سکتی ہو قرض میں دی جاسکتی ہے مثلاً سکۂ رائج الوقت جو اسی قدر بہ آسانی دیا جاسکتا ہے، گھی تیل آٹا تول کر یا ناپ کر واپس کیا جاسکتا ہے، خرچ ہو جانے کے بعد بازار سے منگا کر دیا جاسکتا ہے اور اُس کی قیمت بھی ادا کی سکتی ہے، لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہے جس کا مثل بازار میں نہیں ملتا یا بہت مشکل سے ملتا ہے تو ایسی چیز قرض میں نہیں لی جاسکتی۔

ہدایات

۱۔ چیز جو قرض لی گئی۔ اگر اُس کی قیمت بازار میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے تو اس کا اثر قرض پر نہیں پڑے گا۔ چیز جتنی تول یا ناپ کر لی گئی تھی اتنی ہی ادا کرنا ہو گی البتہ اگر وہ قیمت لینے پر راضی ہو جائے تو قیمت بھی لے سکتا ہے۔

۲۔ اگر کسی نے ایک ایک روپے کے سو نوٹ یا ریزگاری قرض لی تو یہ ضروری نہیں کہ واپسی بھی ایک ایک کے نوٹ یا ریزگاری میں ہو بلکہ مجموعی رقم نوٹوں یا سکّوں میں ادا ہونا چاہیئے۔

۳۔ جو چیزیں جس طرح بکتی یا لی اور دی جاسکتی ہیں اُسی طرح لینا اور دینا ہوں گی۔ شمار کر کے یا تول کر یا ناپ کر۔

۴۔ کوئی چیز اگر دو طرح سے بکتی ہے تو جس طرح قرض لی ہے اسی طرح واپس کرنا چاہیئے۔

۵۔ روپیہ پیسہ قرض لینے کی صورت میں واپسی کے لئے جگہ کی قید نہیں ہے کہ وہیں ادا ہو جہاں قرض لیا تھا بلکہ دوسری جگہ بھی ادا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر قرض جنس کی شکل میں لیا ہے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ وہی جنس دوسری جگہ بھی دی جائے بلکہ وہاں اُس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے اور اگر قرضخواہ لینا چاہے تو قیمت لے لے کیونکہ غیر جگہ جنس کا ادا کرنا دشوار ہوتا ہے لیکن اگر وہی جنس دینا چاہتا ہے لیکن اُسی جگہ جہاں اُس نے چیز قرض لی تھی تو اُس کو ضمانت دینا پڑے گی کہ وہاں جا کر ضرور دے دے گا۔ قیمت دینے کی صورت میں اُسی جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جہاں چیز کو قرض لیا تھا۔ دوسری جگہ جو بھی اس جنس کی قیمت یا بھاؤ ہو اُس کا لحاظ نہیں جائے گا۔

۶۔ اگر وہ چیز یا جنس بازار میں فی الوقت نہیں ہے تو پھر قرض خواہ وقت کا انتظار کرے یا قیمت لینے اور دینے پر دونوں پر راضی ہو جائیں۔

۷۔ قرض لینے والا شئی مقروض کا مالک ہوتا ہے اور اس میں تصرفات کر سکتا ہے یہاں تک کہ اُسے بیچ بھی سکتا ہے لیکن اگر قرض دینے والا اُسی چیز کو (جو وہ قرض دے چکا) بیچنا چاہے تو نہیں بیچ سکتا کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے ہاں وہ اُس چیز کو قرضدار سے خرید سکتا ہے۔

۸۔ کسی شرط کی قید قرض میں لگانا قرض کے معنی کے خلاف ہے اور قرضدار اُس کا پابند نہیں۔

۹۔ قرض لی ہوئی چیز سے بہتر کی واپسی درست ہے لیکن اگر کمتر ہے تو قرضخواہ کو اختیار ہے

لے یا نہ لے۔

۱۰۔ اگر ادا کرنے کی قدرت کے باوجود قرض ادا نہ کرے تو قرض دہندہ اُسی طرح کی اُس کی کوئی چیز اگر چاہے تو بے اجازت لے سکتا ہے مثلاً گیہوں یا روپیہ قرض لیا تھا اور یہ چیزیں اُس کے پاس میسر ہوں پھر بھی، ادا نہ کرے تو قرض خواہ کو اُس کا گیہوں یا روپیہ اگر ہاتھ لگ جائے اور اپنے قرض میں لے لے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر جنس مختلف ہو یا اُس سے بہتر ہو تو جائز نہیں۔

کفالت

قرض لینے کی ضرورت یا اُدھار خریدنے کی حاجت بسا اوقات پیش آتی ہے لیکن قرض دینے والا یا اُدھار بیچنے والا یہ اطمینان چاہتا ہے کہ اُس کی چیز واپس مل جائے گی یا قیمت ادا کر دی جائے گی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ادائے قرض یا ادائگی قیمت کا تقاضا ہونے لگتا ہے اور ابھی اس کو ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہوتی۔ ایسی تمام صورتوں میں کسی دوسرے شخص کو بطور ضمانت پیش کیا جا سکتا ہے جو یہ ذمہ داری لے سکے کہ اگر اس نے نہ دیا تو میں دوں گا۔ بالکل اسی طرح ایک مُجرم جس کو عدالت تحقیقِ جُرم ہو جانے تک قید میں رکھنا چاہتی ہو وہ ایک آدمی کو بطور ضمانت پیش کر دے کہ جب ضرورت ہو گی ضامن اُسے حاضر عدالت کر دے گا، تو عدالت ضمانت مان کر اُسے چھوڑ دیتی ہے، اس طرح کی ضمانت کو شریعت میں کفالت کہا جاتا ہے لہذا کفالت کی تعریف یہ ہوئی:

"کسی مال کی ادائگی یا کسی شخص کو وقت پر حاضر کر دینے کی ذمہ داری لینا۔"

اصطلاحات

۱۔ ضمانت لینے والے اور ذمہ داری قبول کرنے والے شخص کو کفیل کہتے ہیں۔

۲۔ اصل ذمہ دار شخص جو کسی کو اپنا ضامن بنائے اصیل یا مکفول عنہ کہلاتا ہے۔

۳۔ جس کا مطالبہ اصیل پر ہو اُسے مکفول لہٗ کہا جاتا ہے۔

۴۔ وہ مال یا وہ شخص جس کو ادا کرنے یا پیش کرنے کی ضمانت دی جائے مکفول بہ کہا جاتا ہے۔

کفالت کا طریقہ

کفیل مکفول لہ سے کہے کہ آپ کی جو رقم یا مال فلاں (مکفول عنہ) پر باقی اور واجب الادا ہے اُسے ادا کرنے کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ اب اگر اصیل اس کو ادا نہ کرے تو ذمہ داری کفیل پر ہوگی۔ یہ تین طریقوں سے ہوتی ہے:

۱۔ کفیل مطلقاً ذمہ داری لے کہ میں اس کو ادا کروں گا تو مکفول لہٗ کو اصیل و کفیل دونوں سے مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

۲۔ کفیل یہ ذمہ داری لے کہ اگر اصیل نے ادا نہ کیا تو میں ادا کردوں گا تو مکفول لہ پہلے اصیل سے مطالبہ کرے اگر وہ نہ دے تو پھر کفیل سے مانگے۔

۳۔ اگر مکفول لہٗ نے کوئی مہلت دیدی ہے تو اُس مدت کے گزر جانے کے بعد وہ کفیل سے مطالبہ کر سکتا ہے۔

کفالت صحیح ہونے کی شرطیں

۱۔ کفالت اسی وقت صحیح ہوگی جب اصیل اور کفیل دونوں عاقل و بالغ ہوں۔

۲۔ مکفولہ بہ یعنی جس چیز یا شخص کی کفالت کی جا رہی ہے اُس کا نام اور پتہ کفیل کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے، مال کی مقدار بتانا ضروری نہیں بلکہ یہ کہہ دینا کافی ہے کہ فلاں کے قرض کا یا فلاں مال کا میں ذمہ دار ہوں۔

۳۔ رہن رکھی ہوئی چیز یا عاریۃً لی ہوئی چیزیں کفالت صحیح نہیں ہے کیونکہ مرتہن اور مستعیر پر اُس کے تلف ہو جانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اسی طرح امانت اور ودیعت میں بھی کفالت صحیح نہیں ہے۔ حدود (قصاص و سزا) میں کفالت نہیں۔ سزا دوسرا آدمی نہیں پا سکتا۔

کفیل کی ذمہ داریاں

۱۔ اگر کفیل نے کسی شخص کو حاضر کرنے کی ذمہ داری لی ہے اور وقت پر وہ حاضر نہ کیا گیا تو کفیل کو قید کر لیا جائے گا اُس وقت تک کے لئے کہ وہ اس کو حاضر کرا دے، یہ رائے امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہا اللہ

کی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حاضر نہ کرنے کی صورت میں بطور تاوان مال لیا جائے گا سزا نہیں دی جائے گی۔

۲۔ کفیل یا اصیل دونوں میں سے کوئی مرجائے تو کفالت کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔

۳۔ اگر مکفول لہ مرجائے تو کفالت ختم نہیں ہوگی۔

۴۔ اصیل اگر مکفول بہ کو ادا نہیں کرے تو کفیل کو دینا پڑے گا۔

۵۔ مکفول لہٗ اصیل اور کفیل دونوں سے مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

۶۔ چند آدمیوں نے مل کر قرض لیا اور ان میں سے ایک کو سب کی طرف سے ذمہ دار ٹھہرا لیا تو پورا مطالبہ ہر ایک سے کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ اگر کسی آدمی کے کئی آدمی کفیل ہوں تو یا تو ہر ایک نے الگ الگ ذمہ داری قبول کی ہوگی یا اکھٹا۔ پہلی صورت میں ہر کفیل سے پوری رقم یا مال کا مطالبہ ہو سکتا ہے، دوسری صورت میں کل مطالبہ کفیلوں پر تقسیم کر کے جس کے حصے میں جتنا آئے گا اتنا ہی وصول کرنے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ اگر کفیل کے پاس اصیل کا روپیہ یا مال امانت رکھا ہوا ہے اور کفیل اس صراحت کے ساتھ ذمہ داری لیتا ہے کہ اگر اصیل ادا نہ کرے گا تو میں اس کی امانت سے دیدوں گا، تو وہ امانت سے مکفول لہٗ کو ادا کرنے پر مجبور ہے۔ اب اگر یہ امانت چوری ہوگئی یا کسی اور طرح ضائع ہوگئی تو ذمہ داری باقی نہیں رہے گی لیکن اگر کفالت کرنے کے بعد وہ امانت لوٹا دی تو پھر کفیل کو اپنے پاس سے ادائگی کرنی ہوگی۔

۹۔ اگر کسی شخص نے زید کو عدالت میں حاضر کرنے کی ضمانت لی اور زید کے ذمے عدالت کا کوئی مطالبہ ہے تو حاضر نہ کرنے کی صورت میں کفیل کو مطالبہ ادا کرنا ہوگا اگر عندالطلب ادا کرنے کی شرط ہے تو فوراً، اور اگر کوئی مدت مقرر ہے تو اُس وقت پر کفیل ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا غرض جن قیود کے ساتھ قرض یا لقایا ہے اُسی قید کے ساتھ کفیل کی ذمہ داری ہے۔

۱۰۔ مکفول لہٗ کی طرف سے ادائگی کی مدت مقرر کر دی گئی اور اصیل کہیں باہر جانا چاہتا ہو

جس کی واپسی کا وقت مقرر نہ ہو تو اُس کا کفیل اُسے قانونی طور پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ادائگی کر کے باہر جائے یہ اُسی وقت ضروری ہے جب مکفول لہ حکومت سے درخواست کرے کہ اُس کا قرض واپس دلایا جائے۔

۱۱۔ کفیل نے مکفول لہ کے مطالبہ پر چیز اُس کو دیدی تو اب وہ اصیل سے اُسی طرح کی چیز واپس لے سکتا ہے جس کی کفالت اُس نے کی تھی مثلاً ایک من لال گیہوں کی ضمانت لی تھی لیکن اس نے ایک من سفید گیہوں مکفول لہ، کو دیدیا تو اب کفیل اصیل سے لال گیہوں ہی لے گا جس کی کفالت اُس نے کی تھی۔ مطلب یہ کہ اگر کفیل اپنی مرضی سے بہتر چیز مکفول لہ کو پہنچا دے تو اس کی ذمہ داری اصیل پر نہیں۔

۱۲۔ مال کی کفالت بہر حال کفیل کو نبھانا پڑے گی، اگر وہ یا اصیل فوت بھی ہو جائے تو جو ذمہ داری لی ہے وہ ساقط نہیں ہو جائے گی اُس کے ترکے سے وصول کر لی جائے گی۔

کن چیزوں میں کفالت ہو سکتی ہے

۱۔ نقل و حمل کی کفالت بھی صحیح ہے جس طرح کسی کو حاضر کرنے کی ضمانت۔

۲۔ ریل سے سفر کرنے والے نے جہاں تک کا ٹکٹ لیا ہے یا اپنا مال جہاں تک لے جانے کے لئے بک کرایا ہے ریلوے کا محکمہ اس مقام تک پہنچانے کا ذمہ دار یعنی کفیل ہے، اگر گاڑی کسی وجہ سے رُک جائے یا گر جائے اور مسافروں کی جان و مال کا نقصان ہو جائے یا ریل کے حادثے میں ٹکٹ گم ہو جائے تو نقصان کی تلافی اور مقام مقصود تک پہنچانے کی ذمہ داری محکمہ نقل و حمل کی ہے، اگر وہ تلافی نہ کرے تو قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے ہاں اگر وہ شخص بے ٹکٹ تھا تو پھر پہنچانے کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۳۔ جو مال تاجر لوگ ریل کے راستے منگاتے یا بھیجتے ہیں اگر وہ گم ہو جائے یا ٹوٹ پھوٹ جائے تو نقصان محکمہ ریل کو دینا ہوگا اور بھیجنے والا قانون کے ذریعہ لے سکتا ہے کیونکہ شریعت میں اس کو "الکفالۃ بالتسلیم" کہتے ہیں۔

اسی طرح ڈاک خانہ تمام خطوط، رجسٹری، منی آرڈر، بیمہ اور پارسل کو مکتوب الیہ تک پہنچانے

کا ذمہ دار اور کفیل ہے، اگر اُن کے گم ہو جانے کا ثبوت مل جائے تو ڈاک خانے کو ان پر ہرجانہ ادا کرنا ہوگا اس کو "الکفالۃ بالدرک" کہتے ہیں۔

چیز کو پہنچانے کا بیمہ

جہاز راں کمپنیاں بعض صورتوں میں اجیرِ مشترک اور بعض صورتوں میں امین بالاُجرت ہوتی ہیں اگر ایسی کمپنی ذمہ داری لیتی ہو کہ یہ مال فلاں جگہ پہنچا دے گی اور اتنی فیس لے گی اور اگر مال ضائع ہوگیا تو اس کا تاوان اس کے ذمے ہوگا، اصطلاح میں اسے بیمہ کرنا کہتے ہیں تو یہ بیمہ جائز ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں ملحوظ رہنی چاہئیں:

۱۔ جتنا مال ہو۔ صحیح صحیح اتنا ہی درج کرایا جائے اگر غلط طور پر کوئی شخص زیادہ مال لکھائے گا تو گنہگار ہوگا۔

۲۔ اس پر جان و مال کے اس بیمہ کو قیاس نہ کیا جائے جو آج کل عام طور پر رائج ہے جس کی تفصیل سود کے بیان میں آچکی ہے۔

مُردے کی طرف سے کفالت

اگر کوئی شخص مقروض فوت ہو جائے اور اس کے قرض کی ذمہ داری دوسرا آدمی لے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہ کفالت اُسی وقت صحیح ہوگی جب وہ ترکے میں کچھ چھوڑ گیا ہو ورنہ صحیح نہیں ہے، یعنی کفیل پر ادائگی لازم نہیں ہوگی۔ مگر دوسرے ائمہ متوفی کی طرف سے کفالت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے ایسے مقروض کی ذمہ داری لی اور آپؐ نے اُن سے ادا کرایا۔ حالانکہ متوفی نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب تک مرنے والے کا قرض نہیں اُتر جاتا وہ ایک قیدی کے مانند رہتا ہے، اگر کفیل اُس کو قید سے نجات دلاتا ہے تو اُس کے حق میں کارِ خیر کرتا ہے اور خود بھی ثواب کماتا ہے۔

حوالہ

جس طرح قرض اور کفالت کو کسی غریب اور ضرورتمند آدمی کی حاجت روائی کے لئے شریعت نے جائز کر دیا ہے، اسی طرح قرض میں پھنسے ہوئے آدمی کو ایک اور سہولت عطا کی ہے جسے حوالہ کہتے ہیں۔

لفظ "حوالہ" کے معنی اور شرعی تعریف

حوالہ کے معنی ہیں " اپنی ذمہ داری دوسرے پر ڈالنا " شریعت میں اس کی تعریف "نَقْلُ الدَّین مِنْ ذِمَّةٍ اِلٰی ذِمَّةٍ" (قرض کی ذمہ داری دوسرے کی طرف منتقل کرنا) ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے آسودہ حال لوگوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اگر کوئی نادار مسلمان اپنے قرض کی ذمہ داری ان پر ڈالے تو انھیں یہ ذمہ داری قبول کر لینا چاہیے، آپؐ نے فرمایا:

مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ وَ اِذَا اُتْبِعَ اَحَدُکُمْ عَلٰی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ۔ (ابوداؤد)	مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے جب کوئی نادار کسی آسودہ حال کے ذمہ اپنا قرض ڈالنا چاہے تو آسودہ حال کو ذمہ داری لے لینا چاہیے۔

حوالہ ایک اخلاقی ذمہ داری

کوئی قانونی کارروائی حوالہ قبول نہ کرنے والے کے خلاف نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ایک اخلاقی فرض ہے اور یہی سمجھ کر اسے قبول کرنا چاہیے خواہ اِس میں مالی نقصان ہی کیوں نہ اُٹھانا پڑے، قبول کر لینے کے بعد اس کو ادا کرنا ضروری ہے۔

حوالہ سے متعلق بعض اصطلاحیں

۱۔ مُحیل یا مَدیون وہ شخص جس پر اصل بار ہے اور وہ کسی دوسرے کو اپنی ذمہ داری حوالہ کرنا چاہتا ہے۔

۲۔ محتال یا محال لہٗ یا دائن وہ شخص جس کی بقایا مُحیل پر ہے۔

۳۔ محتال علیہ یا محال علیہ وہ شخص جس نے بقایا ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔

۴۔ محتال بہ یا محال بہ وہ بقایا جس کا حوالہ کیا گیا ہو۔

مثال کے طور پر خالد کے ذمہ احمد کے ایک ہزار باقی ہیں، خالد نے طارق سے کہا کہ آپ احمد کے روپیوں کی ذمہ داری لے لیجئے اور طارق نے قبول کر لیا تو خالد کو محیل، احمد کو محتال یا محال لہ، طارق کو محتال علیہ یا محال علیہ اور ایک ہزار روپیوں کو محتال بہ یا محال بہ کہیں گے اور پورے معاملہ کو حوالہ کہیں گے۔

کفالۃ اور حوالہ میں فرق

کفالت میں اصیل اور کفیل دونوں سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے اور حوالہ میں صرف محتال علیہ سے۔ اگر کفالت میں یہ شرط لگا دی کہ اصیل سے کوئی مطالبہ نہیں ہوگا تو کفالت نہیں رہے گی، حوالہ ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر حوالہ میں یہ شرط لگا دی کہ محال علیہ کے ساتھ محیل سے بھی مطالبہ ہو سکتا ہے تو یہ "حوالہ" نہیں رہا بلکہ اسے کفالت کہا جائے گا۔

حوالہ کی قسمیں

اس کی دو قسم ہیں (۱) حوالہ مقیدہ اور حوالہ مطلقہ۔

حوالہ مقیدہ یہ ہے کہ محیل کا روپیہ جو ایک شخص کے ذمے ہے وہ اپنے قرض میں محتال کو دلوا دے مثلاً خالد پر احمد کے ایک ہزار روپے ہیں اور احمد طارق کا ایک ہزار روپے کا مقروض ہے، احمد نے خالد سے تقاضا کیا۔ خالد نے اُس سے کہا کہ میرے اتنے روپے طارق کے ذمے ہیں تم اُن سے لے لو، اگر احمد اور طارق دونوں نے منظور کر لیا تو یہ حوالہ ہو گیا اب احمد خالد سے نہیں بلکہ طارق سے مطالبہ کرے گا، اسی طرح اگر خالد نے احمد کو طارق سے جو روپیہ دلوایا اگر وہ اسی قدر ہے جتنا احمد کا اس کے ذمہ ہے تو اب احمد خالد سے کچھ نہیں مانگ سکتا لیکن اگر کم ہے تو اتنا وضع کرنے کے بعد باقی رقم کا مطالبہ احمد خالد سے کرے گا۔ اگر خالد کا روپیہ احمد کے مطالبہ سے زیادہ ہے تو باقی روپیہ خالد طارق سے طلب کرے گا۔

حوالہ مطلقہ یعنی محیل کا کسی کے ذمہ کچھ باقی نہ ہو، بلکہ وہ اپنی ادائگی قرض کا بار کسی دوسرے کے حوالے کر دے مثلاً خالد احمد کا مقروض ہے اُس نے طارق سے کہا کہ "تم میری طرف سے احمد کا روپیہ ادا کر دو میرے پاس جب ہوگا دیدوں گا" اگر طارق نے اسے قبول کر لیا تو ادائگی اس پر ضروری ہو گی۔

"حوالہ" کے ارکان

(۱) دونوں کا اچھی طرح باخبر ہونا یعنی محتال (جس کو رقم دلوانا ہے) اور محتال علیہ (جس سے دِلانا ہے) دونوں کو خبر ہو کہ لینا کِسے ہے اور دینا کِسے، اور وہ راضی ہوں اگر ان میں سے کوئی فریق بھی بے خبر رہا تو حوالہ صحیح نہ ہوگا۔

۲۔ محیل اور محتال کی موجودگی۔ اگر محتال علیہ موجود نہ ہو تو حرج نہیں ہے بشرطیکہ اُس کی اجازت پہلے سے حاصل ہو ورنہ وہ جب تک اجازت نہ دے دے حوالہ معلّق رہے گا (قاضی خان)

حوالہ صحیح ہونے کی شرطیں

پہلی شرط تینوں (محیل، محتال اور محتال علیہ) کا عاقل اور بالغ ہونا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی پاگل ہو یا بچہ جسے مجور (اپنی ملکیت میں تصرف کے ناقابل) قرار دیا گیا ہو تو ان سب کا حوالہ باطل ہوگا۔

دوسری شرط: حوالہ والی چیز کا قابلِ کفالت ہونا ہے مثلاً اپنی رکھی ہوئی چیز کی نہ تو کفالت صحیح ہے نہ حوالہ

تیسری شرط: حوالہ میں رقم معلوم ہونا ضروری ہے جبکہ کفالت میں یہ ضروری نہیں۔ مثلاً اگر کسی نے کہا کہ یہ جو کچھ خریدیں گے اگر اُس کی قیمت یہ ادا نہ کریں گے تو میں ادا کروں گا اس صورت میں کفالت ہو جائے گی لیکن اگر محیل محتال سے کہے کہ جو میں خریدوں یا قرض لوں اُس کی ذمہ داری آپ لے لیجئے تو حوالہ صحیح نہیں ہے، اُسے بتانا ضروری ہے کہ کس چیز کی کتنی رقم کا حوالہ کر رہا ہے۔

چوتھی شرط: اپنی ذات کے لئے قرض لی ہوئی چیز کا حوالہ جائز ہے، اسی طرح اگر وہ کسی کا کفیل یا محتال علیہ ہے اور وہ اُسے ادا نہیں کر پاتا ہے، تو وہ بھی اُس کو کسی کے حوالہ کر سکتا ہے۔

حوالہ کے اَحکام

۱۔ حوالہ ہو جانے کے بعد صرف محتال علیہ سے مطالبہ کیا جائے گا، محیل سے نہ ہوگا اور اگر محیل کا کوئی کفیل ہے تو حوالہ کے بعد وہ بھی بری ہو جائے گا۔

۲۔ محتال علیہ محیل کی رقم ادا کرنے کے بعد اپنی رقم محیل سے وصول کر سکتا ہے اور محیل ادائیگی سے پہلے فوت ہو جائے تو اُس کے ترکہ سے وصولی ہوگی۔ اگر اس کے کچھ اور دائن یا حقدار نکلیں تو محتال علیہ کو دیدینے کے بعد اُنھیں بھی دیا جائے گا۔

۳۔ اگر محیل کا روپیہ کسی کے یہاں امانت رکھا ہے اور اسی کو محتال علیہ بنایا تو وہ محیل کا روپیہ ادا کر کے امانت کے روپے سے اپنا روپیہ وصول کر سکتا ہے۔ اس اثنا میں اگر امانت کے روپیہ محتال علیہ سے ضائع ہو گئے تو حوالہ باطل ہو جائے گا محتال محیل سے طلب

کرے گا لیکن امانت باضمانت ہونے کی صورت میں حوالہ باطل نہ ہوگا۔

۴۔ زید احمد کا مقروض ہے، زید کا کچھ مال خالد کے پاس رکھا ہے، زید اپنے قرض کو خالد کے حوالہ کرتا ہے کہ وہ اُس کا مال بیچ کر احمد کا قرض ادا کردے، خالد نے منظور کرلیا تو اب وہ محتال علیہ ہوگیا اب اُسے محتال (احمد) کا روپیہ ادا کرنا ضروری ہوگا اور قانوناً اُسے ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

۵۔ محتال علیہ حوالہ کی گئی رقم کو ادا کرنے سے پہلے محیل سے اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

۶۔ محیل نے جو چیز دینے کے لئے محتال علیہ کو بتائی ہو وہی چیز وہ محیل سے واپس لینے کا حقدار ہے۔ اگر محتال علیہ نے اپنی طبیعت سے کوئی چیز دیدی تو وہ چیز محیل سے نہیں لے سکتا، مثلاً محیل نے محتال علیہ سے چار تولہ چاندی کسی شخص کو دینے کے لئے کہا لیکن محتال علیہ نے اُسی قیمت کا سونا اُس شخص کو دیدیا۔ اب اگر محتال علیہ محیل سے چار تولہ چاندی کے بجائے اُس قیمت کا سونا مانگے تو یہ جائز نہیں۔ وہ چار تولہ چاندی یا اُس کی قیمت ہی لے سکتا ہے۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جائے۔

۷۔ اگر حوالہ کرنے کے بعد خود محیل نے ادائگی کردی تو محتال کو محتال علیہ سے مانگنے کا حق نہیں رہا۔

۸۔ محتال یا محتال علیہ کے مرنے سے حوالہ ساقط نہیں ہوگا، محتال علیہ کے ترکہ سے حوالہ شدہ رقم محتال یا اُس کے وارث کو دی جائے گی۔

غیر ملکی تجارت میں حوالہ اور کفالت

غیر ملکی تجارتوں میں تبادلۂ زر اور تبادلۂ جنس کے لئے حوالہ اور کفالت دونوں جائز ہیں لیکن بٹہ کاٹنا اسلامی شریعت میں جائز نہیں کیونکہ یہ سود کی شکل ہے۔ بغیر بٹہ کاٹے ہوئے کوئی رقم یا چیز دوسرے ملک میں حوالہ کی جائے تو صحیح ہے۔ محتال علیہ کی موجودگی ضروری نہیں، اُس کی اجازت لے لینا کافی ہے۔

رہن

اگر سفر میں کسی کو روپے کی ضرورت پیش آگئی یا اپنے وطن میں ہی اس قدر روپیہ کی ضرورت پڑ گئی کہ اسے بہ آسانی قرض لینا ممکن نہ ہو، تو وہ اپنی چیز کسی کے پاس رہن (گروی) رکھ کر روپیہ لے سکتا ہے۔ اس طرح قرض دینے والے کو اطمینان ہو جائے گا کہ اس کا روپیہ مارا نہیں جائے گا اور قرض لینے والے کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔

رہن ایک اخلاقی ذمہ داری ہے۔ کسی شخص کو مال قرض دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن، اسلامی معاشرہ آسودہ حال افراد پر اپنے ضرورت مند بھائی کی مدد کرنا اخلاقاً ضروری قرار دیتا ہے۔ اب اگر وہ بغیر کسی ضمانت کے مدد نہیں کرتا ہے تو وہ اس کی کوئی چیز رہن رکھ لے اور مدد کر دے۔

چنانچہ قرآنِ پاک میں متقی مسلمانوں سے کہا گیا ہے:-

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ (بقرہ - ۲۸۳)

"اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن بالقبض پر معاملہ کرو اور اگر کوئی شخص دوسرے کا اعتبار (بھروسہ) کر کے معاملہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے، اُسے چاہئے کہ امانت ادا کرے اور اللہ اپنے رب سے ڈرے۔"

سفر کی حالت میں رہن کا ذکر اس لئے ہے کہ عموماً سفر میں ایسی ناگہانی ضرورت پیش آتی ہے، ورنہ یہ صورت اگر حضر میں پیش آجائے تو بھی رہن جائز ہے۔

اس آیت میں دائن (قرض دینے والے) کے لئے یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر بغیر رہن

کے اس کو اطمینان ہو جائے تو قرض دیدینا چاہئے مگر تنبیہ مدیون (قرضدار) کو بھی کی گئی ہے کہ جس طرح اس نے اعتبار کر کے روپیہ دیدیا تو تمھاری ذمہ داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس روپیہ کو ایک امانت سمجھ کر جب بھی روپیہ آجائے تو فوراً واپس کردو۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے ضرورت کے وقت رہن رکھ کر قرض لیا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار آپؐ کو کچھ غلّے کی ضرورت ہوئی تو آپؐ نے ایک یہودی سے تیس صاع (ڈھائی من) غلہ ادھار لیا اور اس کے اطمینان کے لئے اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھ دی چنانچہ آپؐ کی وفات ہوئی تو وہ زرہ یہودی کے یہاں رہن تھی۔ (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ رہن رکھ دینے سے راہن (جو اپنی چیز گروی رکھتا ہے) اس فائدے سے محروم نہیں کیا جا سکتا جو اس چیز سے حاصل ہو۔" یہ ارشاد مبارک ایک قانونی دفعہ بھی ہے اور اخلاقی ہدایت بھی۔ قانونی پہلو یہ ہے کہ مرتہن کو رہن سے کوئی فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ اگر وہ فائدہ اٹھائے گا تو اس کا تاوان دینا ہوگا۔ اس کی تائید آپؐ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ قرض سے جو فائدہ اٹھایا جائے وہ سود ہے، اخلاقی پہلو یہ ہے کہ مرتہن منفعت کی غرض سے قرض دیکر کوئی چیز رہن نہ لے بلکہ خالص انسانی ہمدردی کی بنا پر قرض دے کیونکہ ممکن ہے کوئی وقت ایسا بھی آجائے کہ اُسے دوسروں سے قرض لینا پڑ جائے۔ رہن کی چیز سے اس لئے بھی فائدہ نہ اٹھانا چاہئے کہ چیز رہن رکھ لینے کے بعد اس کو نقصان کا اندیشہ نہیں رہا۔

رہن کے معنی اور شرعی تعریف:۔ کسی چیز کو کسی سبب کی بنا پر روک رکھنا یا پابند کردینا رہن کے لفظی معنی ہیں۔ شریعت میں کسی کو کوئی چیز کسی مطالبے یا قرض کے بدلے اس لئے روک لینے کو کہتے ہیں کہ وہ مطالبہ یا قرض وصول ہو جائے، مارا نہ جائے۔ (ہدایہ۔ جلد)

اصطلاحیں (۱) ارتہان۔ رہن لینا (۲) راہن:۔ رہن کرنے والا (مقروض یا مدیون) (۳) مرتہن:۔ رہن لینے والا (دائن یا حقدار) (۴) مرہون:۔ وہ چیز جو رہن رکھی جائے۔ (۵) عدل:۔ وہ شخص جس کے یہاں چیز امانت رکھی جائے۔

رہن کے ارکان و شرائط:۔ ۱۔ رہن ایک طرح کا معاہدہ ہے جس میں راہن و مرتہن دونوں کا رہن رکھنے کے لئے راضی ہونا ضروری ہے یعنی راہن یہ کہے کہ میں نے فلاں قرض کے بدلے،

میں یہ چیز رہن رکھی اور مرتہن اپنی قبولیت کا اظہار کرے۔ اس ایجاب وقبول میں لفظِ رہن کا استعمال ضروری نہیں۔

۲۔ رہن کا دوسرا ضروری رکن قبضہ ہے یعنی جو چیز راہن نے مرتہن کو دی، اس پر قبضہ بھی دے مثلاً: کوئی کیمت رہن رکھا مگر اس پر قبضہ دوسرے کا ہے تو یہ رہن صحیح نہ ہوگا۔

۳۔ تیسری شرط راہن اور مرتہن دونوں کا عاقل ہونا ہے، بالغ ہونا ضروری نہیں۔ ہوشیار بچے جو سمجھ رکھتے ہوں، کوئی چیز رہن رکھ سکتے ہیں۔

۴۔ چوتھی شرط مرہون (یعنی چیز) کا اس قابل ہونا کہ اس سے قیمت وصول کی جا سکے مثلاً تالاب کی مچھلی یا باغ کے پھل جو ابھی آئے نہیں ہیں یا کسی دوسرے ملک میں کوئی مال ہے جو ابھی آیا نہیں ہے، ان سب چیزوں کو رہن میں دینا صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں فی الوقت نہ موجود ہیں، نہ ان پر قبضہ ہے۔

مرہون کی حیثیت :۔ جو چیز رہن رکھی جائے وہ مرتہن کے ہاتھ میں امانت یا ضمانت متصور ہوگی۔ وہ اس کی اسی طرح حفاظت کرے گا جس طرح امانت کی جاتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ امانت گم ہوجانے پر امین پر ذمہ داری نہیں ہوتی لیکن مرہون چیز ضائع ہوجائے تو اس کی ذمہ داری مرتہن پر ہوگی۔ اس کی کئی صورتیں ہیں:۔

۱۔ اگر ضائع شدہ مرہون شے اسی قیمت کی تھی جتنی قرض کی رقم ہے تو راہن مرتہن سے اپنے روپیہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ حساب برابر سرابر سمجھ لیا جائے گا۔

۲۔ اگر گمشدہ مرہون چیز کی قیمت اصل رقم سے کم ہے تو قیمت محسوب کرنے کے بعد باقی روپیہ کا مطالبہ مرتہن راہن سے کرسکتا ہے۔

۳۔ اگر ضائع شدہ مرہون شئ کی قیمت اصل روپے سے زیادہ ہو تو پھر قرض کی رقم محسوب کرلی جائے گی اور نقصان راہن کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ مرہون چیز کے بقدر نقصان کا ذمہ دار مرتہن تھا اور جو رقم زیادہ بچی وہ اس کے پاس امانت (بے ضمانت) تھی اور امین سے ایسی امانت کا تاوان نہیں لیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر:۔

ایک شخص نے سو روپے قرض لئے اور ایک زیور مرتہن کے پاس رہن رکھ دیا اور وہ چوری ہوگیا تو اگر یہ سو ہی روپے کی قیمت کا تھا تو دونوں کا حساب برابر ہوگیا، کوئی کسی سے مطالبہ

نہیں کر سکتا لیکن اگر یہ نوّے روپے کا تھا تو سمجھا جائے گا کہ نوّے روپے مرتہن کو مل گئے۔ اب صرف دس روپے کا مطالبہ راہن کر سکتا ہے اور اگر وہ زیور ایک سو پچیس روپے کا تھا تو سو روپے قرض میں محسوب متصور کئے جائیں گے اور ۲۵ روپے راہن کے ضائع ہوں گے۔ مرتہن سے مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ مرتہن بقدر سو روپے کے ضامن اور پچیس روپے کا امین تھا۔ امانت اگر قصداً یا غفلت سے ضائع نہ ہوئی ہو تو اس کی ذمہ داری امین پر نہیں آتی۔

راہن کی ذمہ داریاں اور حقوق

۱۔ راہن کو جو چیز رہن رکھنا ہے اُسے مرتہن کے حوالے کر دے۔

۲۔ مرہون چیز جب تک مرتہن کے قبضہ میں نہیں دی ہے وہ معاہدۂ رہن فسخ کر سکتا ہے۔

۳۔ مرہون چیز کو مرتہن کے قبضے میں دینے کے بعد راہن معاہدۂ رہن کو بغیر مرتہن کی رضامندی کے فسخ نہیں کر سکتا۔

۴۔ مکفول عنہ کفیل کو اس کے اطمینان کے لئے کوئی چیز بطورِ رہن دے سکتا ہے اور خود کفیل بھی رہن کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

۵۔ اگر دو آدمیوں نے مشترک طور پر ایک آدمی کو قرض دیا یعنی ایک آدمی دو آدمیوں کا مقروض ہوا تو وہ مقروض ایک ہی چیز دونوں قرضوں کے بدلے رہن رکھ سکتا ہے اگر وہ دونوں اس چیز کو مشترک طور پر رہن رکھ لیں۔ اسی طرح اگر مقروض دو ہوں اور ایک قرض دینے والا تو وہ دونوں مقروض بھی ایک مشترک چیز کو رہن میں دے سکتے ہیں اور قرض دینے والا اُسے قبول کر سکتا ہے۔

۶۔ راہن کو شئی مرہونہ تبدیل کرنے کا اختیار ہے۔ اگر اُسے ضرورت پڑ جائے تو وہ اس چیز کو واپس لے کر اس کے بدلے دوسری چیز مرتہن کی رضامندی سے اس کے حوالے کر سکتا ہے۔

۷۔ دورانِ مدت رہن چیز میں کوئی اضافہ ہوا یا منافع دیا تو وہ راہن کا ہوگا مثلاً باغ میں پھل آئے یا کھیت میں پیداوار ہوئی اور باغ یا کھیت رہن تھا، یا کوئی جانور رہن رکھا تھا اور اس نے بچہ دیا، یا مکان رہن رکھا تھا اس کا کرایہ وصول ہوا تو یہ سب اضافے راہن کے ہوں گے۔ مگر مرتہن کے پاس امانت رہیں گے جب مرہونہ چیز واپس ہوگی تو اس کے ساتھ یہ چیزیں بھی واپس

ہوں گی، جو چیزان میں جلد خراب ہوجانے والی ہو مثلاً پھل اُن کو راہن فروخت کرکے قیمت اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

۸۔ مرہونہ چیز پر حاصل ہونے والا نفع چونکہ راہن کا حق ہوتا ہے اس لئے اُس کے بقا اور تحفظ پر جو کچھ خرچ کرنا پڑے وہ بھی راہن کے ذمّے ہوگا۔ مثلاً جانور کے چارے کا خرچ یا چرواہے کی اُجرت، اگر کھیت ہے تو اس کی بوائی، جتائی اور سینچائی پر ہونے والا خرچ راہن کے ذمہ ہوگا۔ پیداوار کا منافع مرتہن کے پاس رہے گا، جب روپیہ ادا کرکے مرہونہ چیز چھڑائی جائے، تو یہ منافع بھی اس کو ملے گا۔ یہی حکم باغ اور مکان کے منافع کا ہے۔

۹۔ راہن مرتہن کی رضامندی کے بغیر مرہونہ چیز کو بیچ نہیں سکتا، اگر ایسا کیا تو بیع مرتہن کی رضامندی پر موقوف رہے گی۔

۱۰۔ راہن کی موت واقع ہوجائے تو رہن کا معاملہ فسخ سمجھا جائے گا۔ اس کے ورثہ اگر بالغ ہیں تو ان پر ضروری ہے کہ وہ اس کے ترکے سے قرض ادا کرکے مرہونہ چیز واپس لے لیں یا مرہونہ چیز کو بیچنے کی اجازت دیدیں۔

اگر ورثہ نابالغ ہیں یا دور دراز مقام پر ہیں تو جو شخص اس کے ترکہ کا ذمّہ دار ہو اس کو چاہئے کہ مرہونہ چیز کو بیچے اور اس سے اپنا قرض وصول کرلینے کی اجازت مرتہن کو دیدے۔ دوسری صورت میں مرتہن قانونی چارہ جوئی سے مرہونہ چیز کو بیچ کر اپنا قرض وصول کرنے کی اجازت حاصل کرسکتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ ولی، وارث یا عدالت کی اجازت کے بغیر اُسے بیچنے کا حق نہیں ہے۔

مرتہن کی ذمہ داریاں اور اسکے حقوق

۱۔ مرتہن تنہا اپنی مرضی سے رہن کا معاملہ فسخ کرسکتا ہے۔

۲۔ مرتہن مرہونہ چیز کا امین بھی ہے اور محافظ بھی، اس پر اور اُس کے گھر کے افراد پر شئی مرہونہ کی حفاظت ضروری ہے۔

۳۔ اس دیکھ بھال اور حفاظت کے سلسلے میں اگر کچھ خرچ کرنا ہو تو اسے بھی مرتہن برداشت کرے گا، مثلاً سو من غلّہ رہن رکھا تو اس کے لئے مکان کی ضرورت ہوگی یا جانور رہن رکھے تو علاج اور دیکھ بھال میں ہونے والا خرچ، لیکن اگر یہ خرچ مرہونہ چیز کی بقا یا منافع سے متعلق ہو تو وہ راہن کے ذمّہ ہوگا مثلاً مرہونہ جانوروں کا چارہ۔ مرہونہ کھیت کی سینچائی، مرہونہ پھلوں کی نگرانی اس قسم کا خرچ راہن کے ذمہ ہوگا۔ مرتہن یا تو راہن سے لیتا ہے یا اپنے پاس سے خرچ کے بعد میں راہن سے وصول کرلے۔

۴. مرتہن مرہونہ چیز سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا مثلاً اگر مکان ہے تو اس میں نہ رہ سکتا ہے نہ اس کا کرایہ وصول کر سکتا ہے۔ مرہون کھیت کی پیداوار نہیں کھا سکتا۔ مرہون جانور اگر دودھ کا ہے تو اس کا دودھ نہیں پی سکتا ہے۔ اگر سواری کا ہے تو اس پر سوار نہیں ہو سکتا اگر بار برداری کا ہے تو اس پر سامان نہیں لاد سکتا۔ نقد روپیہ یا سونا چاندی رہن ہے تو اُس سے تجارت یا کاروبار نہیں کر سکتا، ہاں اگر راہن سے کسی چیز کے استعمال کی اجازت لے لی ہو اور بخوشی دے دی ہو تو استعمال کرنے کی اجازت ہوگی لیکن رہن لیتے وقت اس قسم کی کوئی، شرط لگانا مکروہ اور بلا اجازت استعمال حرام ہے۔ نقصان کی صورت میں تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

۵. راہن اگر شئی مرہونہ کی بقا اور نگہداشت کا خرچ مرتہن کو نہیں دیتا، تو مرتہن ایسا کیا ہوا خرچ نفع سے محسوب کرے گا۔

مرہونہ چیز سے فائدہ اٹھانا عام ذہنیت یہ ہے کہ شئی مرہون جس کے پاس رہن ہوگی وہ اُس سے فائدہ اٹھائے گا۔ درحقیقت کوئی بھی فائدہ اٹھایا گیا تو وہ سراسر سود ہوگا۔ سود کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز سے اس کا عوض دئے بغیر فائدہ اٹھایا جائے۔ مرہون چیز سے فائدہ اٹھانا مرتہن کے لئے سود ہے۔ رہن کے کھیت کا غلہ یا رہن کے باغ کا پھل اگر مرتہن استعمال کرے گا تو راہن کو اس کے عوض میں کچھ نہیں ملتا بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے جس طرح سود خوار ایک سو روپے کا سود ایک ہزار تک وصول کر لیتا ہے اسی طرح یہ مرتہن ایک سو قرض دے کر مرہون چیز سے کئی سو کا فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ استعمال کی اجازت اگر راہن مرتہن کو دیتا ہے تو یہ محض مجبوری کی اجازت ہے جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

۷. رہن کے زمانے میں شئی مرہونہ پر جو فائدہ حاصل ہوگا یا اس میں بیشی ہوگی وہ ملکیت راہن کی ہوگی مگر اس پر قبضہ مرتہن کا رہے گا یعنی اسے بھی مرہون تصور کیا جائے گا اور جب مرہون چیز کی واپسی کا وقت آئے گا تو یہ زیادہ حاصل شدہ چیز بھی واپس کر دی جائے گی۔

۸. اگر راہن کچھ روپیہ ادا کر دے اور کچھ باقی رکھے تو جب تک پورا روپیہ ادا نہ ہو جائے — مرتہن کو چیز واپس نہ کرنے کا اختیار ہے۔

۹. شئے مرہونہ میں دورانِ رہن اگر کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مرتہن پر ہوگی۔

اور راہن کو اختیار ہوگا کہ قرض ادا کرتے وقت بقدرِ نقصان روپیہ وضع کرے۔

۱۰۔ راہن اگر شی مرہونہ کو مرتہن کی اجازت سے کسی دوسرے کے یہاں رہن رکھنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ اِس صورت میں پہلا رہن باطل ہوجائے گا۔

۱۱۔ مرتہن شی مرہونہ کو راہن کی اجازت اور مرضی کے بغیر فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر بغیر اجازت ایسا واقعہ ہوگیا تو اسے دو باتوں میں سے ایک بات کرنا ہوگی۔ یا تو بیع کو منسوخ کرے یا راہن سے بیع کی اجازت حاصل کرے۔

۱۲۔ اگر رہن کی مدت ختم ہوجائے اور راہن رقم ادا کرکے اپنی چیز واپس نہ لے تو مرتہن کو اُسے بیچ کر اپنی قیمت وصول کرنے کا حق ہوگا اور جہاں اسلامی عدالت ہو، وہاں قاضی سے اجازت لے کر فروخت کرے گا۔

۱۳۔ اگر راہن موجود نہ ہو تو مرتہن کو حکومت کی اجازت لینا پڑے گی بغیر اس کے وہ بیع نہیں سکتا۔

۱۴۔ مرتہن کی موت واقع ہوجائے تو اُس کے ورثہ قائم مقام مرتہن ہوں گے۔

رہن سے متعلق متفرق مسائل

(۱) مشترک چیز کو رہن نہیں رکھا جا سکتا جب تک اس کی تقسیم نہ ہوجائے۔

۲۔ باغ کا پھل جو درخت پر موجود ہے یا کھیتی جو کھیت میں لگی ہے، ان کا رہن کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح محض درخت کا رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر درخت رہن کرنا ہے تو اس کی زمین بھی رہن ہونا چاہئے۔

۳۔ اسی طرح درخت کو بغیر پھل کے اور زمین کو بغیر کھیتی کے رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ یہ چیزیں خود بخود رہن میں داخل ہوں گی۔ اس لئے ان کا علیحدہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

۴۔ امانت، عاریت، مضاربت اور شرکت کی چیزوں کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح درک یعنی استحقاق کے خوف سے رہن رکھنا جائز نہیں مثلاً: فروخت کرنے والے نے کوئی چیز فروخت کی اور خریدنے والے نے قیمت ادا کرکے اس کو خرید لیا، پھر اُسے یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے، اس چیز کا مستحق کوئی اور نہ ہوجائے اور اس بنا پر وہ بائع سے کوئی چیز رہن رکھنے کو کہتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت اس سے قیمت وصول کی جاسکے۔ یہ درک ہے، درک کی بنا پر کفالت تو ہوسکتی

ہے لیکن رہن ناجائز ہے۔

امانت

انسان کو کبھی نہ کبھی ایسا موقع پیش آجاتا ہے کہ اسے اپنی چیز یا روپے پیسے کی حفاظت کے لئے دوسروں کی مدد درکار ہوتی ہے۔ انسان کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ جب اس سے مدد مانگی جائے تو وہ دریغ نہ کرے بلکہ خندہ پیشانی سے اس تکلیف کو گوارا کرلے کیونکہ ایسی ضرورت کبھی اس کو بھی پڑ سکتی ہے۔ شریعت میں اسے امانت اور ودیعت کہتے ہیں۔ دونوں میں تھوڑا اصطلاحی فرق ہے۔ ودیعت میں قصد وارادہ کا ہونا ضروری ہے جبکہ امانت قصد وارادے کے ساتھ بھی ہوتی ہے اور بغیر قصد وارادے کے بھی ———— مثلاً آپ راستے میں کوئی چیز پڑی پائیں تو یہ چیز آپ کے ہاتھ میں امانت ہوگی، اس کو ودیعت نہیں کہیں گے لیکن اگر ایسی ہی چیز کوئی آپ کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھوائے تو اسے ودیعت بھی کہہ سکتے ہیں، اور امانت بھی۔

غرض یہ کہ ہر ودیعت کو امانت کہہ سکتے ہیں مگر ہر امانت کو ودیعت نہیں کہہ سکتے ہیں۔ قرآن میں ودیعت اور امانت دونوں کے لئے امانت ہی کا جامع لفظ استعمال ہوا ہے۔ حدیث میں دونوں لفظ ایک دوسرے کے مفہوم میں مستعمل ہوئے ہیں۔ فقہائے دونوں لفظوں کو عام طور پر علیحدہ علیحدہ مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

امانت کے بارے میں قرآن وحدیث کے ارشادات

جیسا کہ ذکر ہوچکا کسی کی چیز اگر بغیر قصد وارادہ بھی ہاتھ میں آجائے تو وہ امانت ہوگی۔ اسی طرح اگر آپ کوئی چیز مستعار لائیں، کرائے پر لیں، بطور رہن رکھیں یا اس چیز کا آپ کو ذمہ دار یا ولی بنادیا جائے تو ان تمام صورتوں میں آپ اس چیز یا رقم کے امین ہی کہے جائیں گے۔ آپ کو اس کی حفاظت اسی طرح کرنا ہے جس طرح اپنی چیز کی کرتے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ اپنی چیز کی حفاظت تو الماری یا صندوق میں بند کرکے کریں اور دوسری کی چیز کھلی جگہ رکھ دیں، یہ امانت میں خیانت ہوگی۔ امانت کے معنی ہیں، مامون و محفوظ ہونا۔ اگر محفوظ نہ ہوں تو یہ خیانت ہوگی۔

کسی یتیم کی جائداد یا لاوارث کا مال آپ کی ذمہ داری میں رکھا جائے تو ٹھیک ٹھیک اس کی دیکھ بھال

کرنا آپ پر لازم ہے تاکہ جس کا جو حق ہے وہ اُسے پہنچ سکے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو خیانت کے مرتکب متصور ہوں گے۔ اللہ کا حکم ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا (نساء-۵۸)

"اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں اور حق داروں تک پہنچا دو۔"

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (مومنوں) مومن وہ ہیں جو اپنے ذمے لی ہوئی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف خیانت کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ فرمایا:۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ـــــــ خدا تعالیٰ خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

یہودیوں کے بارے میں فرمایا کہ ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ اگر ایک خزانہ ان کے پاس امانت رکھ دیا تو وہ واپس کر دیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ ایک دینار بھی ان کے پاس رکھ دو تو جب تک سر پر سوار نہ ہو وہ واپس نہیں کریں گے۔ قرآن پاک نے امانت داری مومن کی خصوصیت بتائی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهٗ" جس میں امانت داری نہیں اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ آپؐ نے خیانت کو منافق کی نشانی فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ منافق کی پہچان تین باتوں سے ہوتی ہے، ایک یہ کہ "إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ" جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، آپؐ نے ہدایت فرمادی ہے کہ "أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ" جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کر دو اور اگر تمہاری خیانت کوئی کر بھی لے تو تم اس کی خیانت نہ کرنے لگو۔ یعنی اگر خائن آدمی بھی تمہارے پاس کوئی امانت رکھے تو تم اُس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو، اگر اس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی تو اس کی یہ بات تمہیں اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے نہ روکے۔

امانت کا حکم امانت ایک اخلاقی فرض ہے، خلوص، ہمدردی اور حسنِ سلوک کا نام ہے۔ قانوناً کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امانت رکھے۔ اگر کسی اتفاقی حادثے سے امانت ضائع ہو جائے تو امین پر اس کا تاوان عائد نہیں ہوگا، تاوان اسی صورت میں دینا پڑے گا، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ قصداً اُس سے غفلت برتی گئی اور اسے ضائع ہونے دیا گیا۔ مثال کے

طور پر راستے میں پڑی چیز اس خیال سے اٹھائی کہ اس کے مالک کو پہنچائی جائے تو یہ چیز امانت ہوگی۔ اگر وہ جانتا تھا کہ یہ فلاں شخص کی ہے، اب اگر وہ اتفاقی حادثے میں ضائع ہو جائے، تو اس پر کوئی ، ذمہ داری نہ ہوگی، لیکن اگر وہ یہ نہ جانتا ہو کہ یہ چیز فلاں شخص کی ہے تو یہ چیز لُقطہ کہلائے گی۔

لُقطہ کا حکم

کسی نے کوئی پڑی ہوئی چیز پائی جس کے مالک کا علم نہیں تو وہ لُقطہ ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اسے اپنے پاس امانت رکھ کر اعلان کرے کہ فلاں جگہ پائی ہے جس کی ہو وہ لے جائے۔ یہ اعلان برابر کرتا رہے۔ اگر ایک سال تک کوئی مالک نہ ملے تو بیت المال میں جمع کر دے۔ اگر مالک مل جائے تو فوراً اس کے حوالے کر دے اگر ضائع کر دیا تو تاوان دینا پڑے گا الّا یہ کہ وہ قسم کھالے کہ میں نے قصداً ضائع نہیں کیا ہے۔ قسم لینے کے بعد تاوان نہیں لگایا جائے گا۔

اگر اسلامی بیت المال نہ ہو جس میں جمع کیا جا سکے تو صدقہ کر دینا چاہئے، اپنے استعمال میں نہ لانا چاہئے، اگر وہ خود مفلس و حاجت مند ہے تو استعمال کر سکتا ہے۔

امانت کا دائرہ کتنا وسیع ہے

اگر ایک شخص کسی ادارے یا دفتر میں کسی کام پر مامور ہے تو جتنی چیزیں اس کے چارج (قبضہ) میں دی گئی ہوں مثلاً فرنیچر، کاغذ، قلم، دوات، چپراسی وغیرہ سب اس کے ہاتھ میں امانت ہیں، انھیں اپنے ذاتی استعمال میں لانا نہیں چاہئے۔ اسی طرح جس وقت کی وہ تنخواہ پاتا ہے اس وقت میں اپنا ذاتی کام نہ کرنا چاہئے۔ جو وقت کام کے لئے مقرر ہے وہ ایک امانت ہے، اگر اپنا ذاتی کام کرے گا تو یہ خیانت ہوگی جس کا تاوان بھی لیا جا سکتا ہے۔ مفوضہ کام کرنے کے بجائے گپ لڑانا، تفریح کرنا یا وقت گذاری کرنا یہ سب وقت کی امانت میں خیانت ہے، اگر امانت کی اس ذمہ داری کو حکومت یا کسی ادارے کے کارکن اور ملازمین محسوس کر لیا کریں تو کم وقت میں زیادہ کام ہو۔ ہزاروں روپے کی بچت ہو مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب اخلاقی تصورات کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

ودیعت کی تعریف

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ امانت اور ودیعت دونوں لفظ ہم معنی بھی ہیں اور الگ الگ مفہوم و حکم بھی رکھتے ہیں۔ ودیعت کی تعریف شریعت میں یہ کی گئی ہے:۔ "اِحَالَةُ الْمَالِكِ مُحَافَظَةَ مَالِهٖ لِآخَرَ" (اپنی کسی چیز یا مال کو حفاظت کی غرض سے دوسرے کے حوالے کرنا) مقصد یہ ہے کہ جو چیز ودیعت رکھی جائے، وہ ودیعت رکھنے

والے کی ملک بھی ہو اور اپنے قصد وارادے سے وہ کسی کے سپرد کر دے تب ودیعت کا رکھنا صحیح ہوگا۔

ودیعت کا حکم جس کے پاس امانت و ودیعت رکھی جا رہی ہے، اگر وہ اس کو منظور کر لے تو گویا دونوں میں معاہدہ ہو گیا کہ جب تک بھی وہ چیز اس کے پاس رکھی ہے، اس کی حفاظت اپنے مال کی طرح واجب ہوگی، اگر حفاظت میں کوتاہی کی اور وہ چیز ضائع ہو گئی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

معاہدہ ودیعت ختم ہونے کی مدت جتنے دن کے لئے وہ چیز امانت رکھوائی تھی اگر وہ دن گزر جائیں یا امین اور مودَع (ودیعت رکھنے والے) میں سے کوئی معاہدہ فسخ کر دے تو معاہدۂ ودیعت باقی نہیں رہے گا۔ دونوں کو معاہدہ فسخ کر دینے کا ہر وقت اختیار ہے۔

چند شرعی اصطلاحیں ودیعت یا امانت رکھنے کے عمل کو ایداع۔ ودیعت رکھنے والے کو **مُودِع یا مُستَودِع** اور جو امانت رکھ لے اسے **امین** یا **مستودَع** کہتے ہیں۔ (دال کو زبر اور زیر کے ساتھ پڑھنے سے معنی بدلتے ہیں)

ودیعت رکھنے کے طریقے ایک طریقہ یہ ہے کہ مودع صراحۃً کسی سے کہے کہ میرا یہ مال امانت رکھ لیجئے اور دوسرا ہاں کہدے، تو وہ امین بن گیا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے کسی کی دکان پر اپنی کوئی چیز رکھ دی، دکان دار نے رکھتے ہوئے دیکھا مگر کچھ بولا نہیں یا ایک شخص دوسرے شخص کے پاس پلیٹ فارم پر یا ریل اور بس میں اپنا سامان رکھ کر یہ کہتے ہوئے چلا گیا کہ ذرا میرا سامان دیکھتے رہیئے گا اور دوسرا شخص کچھ بولا نہیں تو وہ چیز اس کی امانت میں آ گئی جس کی نگرانی اس پر لازم ہوگی، اگر اس نے نگرانی چھوڑ دی اور چیز چوری ہو گئی تو مودع (سپرد کرنے والا) تاوان لینے کا حق رکھتا ہے۔ البتہ اگر دکاندار نے دکان پر سامان رکھنے سے منع کر دیا تھا یا "میرا سامان دیکھتے رہئے گا" کے جواب میں اسی وقت یہ کہہ دیا تھا، کہ میں دیکھ نہیں سکتا۔" تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

ودیعت کیلئے شرطیں ۱۔ وہی چیز بطور امانت رکھی جا سکے گی جس پر امین کا قبضہ ہو سکے، ہوا کے پرندے، تالاب کی مچھلیاں یا کسی دوسرے شخص کے قبضے میں موجود شئے کو

امانت میں رکھنا صحیح نہیں ہے خواہ امین خاموش ہوجائے یا قبول کرلے۔

۲۔ مودع اور امین دونوں کا عاقل (یعنی سمجھ دار) ہونا ضروری ہے۔ ناسمجھ بچے اور پاگل نہ کوئی چیز امانت رکھ سکتے ہیں نہ رکھوا سکتے ہیں۔

۳۔ ودیعت کی مدت میں اگر چیز سے کوئی فائدہ حاصل ہو تو وہ مودع کا ہوگا، مثلاً جانور ودیعت میں رکھا، اگر اس نے بچہ دیا یا اس کا اون کاٹا گیا یا دودھ دیا تو یہ سب مودع کا ہوگا، امین اگر بغیر اجازت ان میں سے کوئی چیز استعمال کرے گا تو خیانت کا گناہ گار ہوگا اور تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

امین کی ذمہ داریاں

۱۔ امانت کی چیز کی حفاظت اپنی ذاتی چیز کی حفاظت کی طرح کرنا چاہئے۔

۲۔ یہ حفاظت یا تو وہ خود کرے یا گھر کے ان افراد سے کرائے جن سے خونی یا دائمی رشتہ ہے اور وہ خائن بھی نہیں ہیں، گھر میں آنے جانے والے نوکر کو بھی حفاظت کا ذمہ دار کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ خیانت کا اندیشہ نہ ہو، اگر امانت ضائع ہو جائے گی تو تاوان دینا پڑے گا۔

۳۔ امین اگر امانت کو کسی غیر شخص کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے تو ایسا کرنا دو صورتوں میں جائز ہے، (۱) امین نے مودع سے دوسرے شخص کی حفاظت میں دینے کی اجازت لے لی ہو یا (۲) وہ ایسا آدمی ہو جس کے یہاں خود اپنی چیزیں رکھ دیا کرتا ہو، ان دو صورتوں کے علاوہ اگر کسی دوسرے کے پاس چیز رکھی اور وہ ضائع ہو گئی، تو امینِ اوّل کو ہی تاوان دینا پڑے گا جبکہ ان دو صورتوں میں تاوان نہیں دینا پڑے گا۔

۴۔ امانت رکھی ہوئی چیز کو امین نہ اپنے استعمال میں لا سکتا ہے اور نہ اسے اپنی چیز میں ملا سکتا ہے۔ ایسا کرنا اسی وقت جائز ہوگا، اگر مودع اس کی اجازت دیدے۔ مثال کے طور پر اگر کسی نے ۱۰۰ روپے امانت رکھوائے تو امین پر لازم ہے کہ بوقتِ واپسی وہی روپے لوٹا دے۔ اگر امین نے اس روپے کو اس خیال سے خرچ کر دیا یا تجارت میں لگا دیا کہ جب واپسی کا وقت آئے گا، اپنے روپوں میں سے سو روپے دے دے گا۔ تو یہ امانت میں خیانت ہوگی۔ امین گنہ گار ہوگا۔ اسی طرح اگر کپڑا، زیور یا جوتا امانت رکھا تو اس کا پہننا گناہ ہے۔ امانت رکھوائی کرسی، میز، پلنگ یا برتن کو استعمال کرنے کا حق نہیں ہے لیکن اگر مودع اجازت دیدے تو ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے:

۵۔ جہاں امین کو امانت سپرد کی گئی ہو اس کی واپسی اسی جگہ ہونا ضروری ہے، مودع اس کو دوسری جگہ کیلئے

مجبور نہیں کر سکتا۔ کسی نے کوئی چیز امانت میں رکھنے کے لئے اگر لکھنؤ میں دی ہے تو دلی میں اس کو مانگنے کا حق نہیں ہے، البتہ اگر امین نے کہہ دیا ہو کہ میں اسے دلی میں رکھوں گا، تو پھر لکھنؤ میں مانگنے کا حق نہیں ہے۔

۶۔ چند آدمیوں کو ایک چیز کا امین بنانا بھی صحیح ہے اگر سب نے اقرار کر لیا تو سب اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور باری باری یا جس طرح بھی ممکن ہو امانت کی حفاظت کرنا ہوگی۔

امانت کی نگرانی کی اُجرت

امین کو اگر ماموں شی کی دیکھ بھال کے لئے وقت یا محنت صرف کرنا پڑے تو کیا وہ اس کی اجرت لے سکتا ہے؟ ائمہ فقہ کی رائے میں اختلاف ہے کیونکہ بعض اجازت نہیں دیتے اور بعض کچھ شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں، مثلاً ایسا مال جسے چوروں سے بچانے کے لئے چوکیدار رکھنا پڑے یا اُسے رکھنے کے لئے بڑی جگہ کی ضرورت ہو، ان حالات میں امانت رکھنے والا اُجرت لے سکتا ہے۔ بڑے گوداموں یا کولڈ اسٹوریج میں مال رکھوانا عام ہے۔ اس لئے حفاظتِ مال کی اجرت دینا بھی ضروری ہے اور شریعت کے اعتبار سے صحیح ہے ۔ مجلۃ الاحکام کی یہ دفعہ اس رائے کی تائید کرتی ہے۔

إِذَا أَوْدَعَ رَجُلاً مَالَهُ عِنْدَ آخَرَ أَعْطَاهُ أُجْرَةً عَلَىٰ حِفْظِهِ فَضَاعَ الْمَالُ بِسَبَبٍ يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ مِنْهُ كَالسَّرِقَةِ يَلْزَمُ الْمُسْتَوْدَعَ الضَّمَانَ

(اگر کسی نے اپنا مال کسی کے پاس امانۃً رکھا اور اس امانت کی دیکھ بھال کی اجرت بھی ادا کی ایسی حالت میں اگر وہ مال کسی ایسے سبب سے ضائع ہوگیا جس سے بچنا ممکن تھا، مثلاً چوری ہوگیا تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔)

بینک اور ڈاک خانے میں امانت رکھنا

آج کل بینک اور ڈاکخانے میں روپیہ، زیور اور دوسری قیمتی چیزیں امانت رکھنے کا رواج ہے، ایسا کرنا جائز ہے مگر خود اس سے سود لے کر روپیہ وغیرہ جمع کرنا حرام ہے، جس کی صراحت پہلے کی جا چکی ہے۔

امانت کے مال سے تجارت

حنفی فقہاء کی تصریحات اس بارے میں نہیں ملیں لیکن صحابہؓ کے دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ امانت کے روپے سے تجارت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ یتیموں کے والیوں کو ان کے مال سے تجارت کرنے کی ترغیب

اس لئے دیا کرتے تھے، کہ زکوٰۃ دیتے دیتے اُن کا مال ختم نہ ہو جائے[1]۔ ہدایہ میں ہے کہ "یقرض القاضی اموال الیتامیٰ" (قاضی کو چاہئے کہ وہ یتیموں کے مال کو قرض میں لگا دیا کرے تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا امانت کے روپے سے تجارت کرنے کا عمل تھا۔

یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئیے کہ مودِع کی اجازت کے بغیر امانت کا روپیہ تجارت میں لگانا صحیح نہیں ہے اجازت ہونی چاہئے۔ اس صورت میں روپیہ امین کے ہاتھ میں امانت تو ہو گا ہی مگر اس کی ایک حیثیت مضارب کی بھی ہو جائے گی اور اس روپے سے تجارت کرنے میں جو نفع حاصل ہو گا، اس میں مودِع شریک سمجھا جائے گا، اگر کسی یتیم کا ولی ہے تو اس کو بھی چاہئے کہ وہ سارا نفع خود نہ سمیٹ لے بلکہ اس میں یتیم کا حصہ بھی لگائے۔

تاوان کے واجب ہونے یا نہ ہونے کی صورتیں

۱۔ امانت ضائع ہو جانے میں اگر امین کی غفلت یا تساہل کو دخل نہ ہو تو امین پر ضائع ہونے کی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اُس نے اگر تفریط یا تعدی کی، یعنی حفاظت میں تساہل کیا یا مودِع کی ہدایت کے خلاف قدم اٹھایا یا مودِع کی اجازت کے بغیر استعمال کر لیا تو ان تمام صورتوں میں اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ اسی طرح جب اس نے امانت کو رکھنے کی اجرت لے لی تو اب اس پر تاوان واجب ہو گیا۔ تاوان واجب ہونے اور نہ ہونے کی چند صورتیں لکھی جاتی ہیں:۔

۱۔ امانت کے روپے یا چیز کو استعمال کیا، پھر وہ چیز خراب ہو گئی یا ٹوٹ گئی یا روپیہ چوری ہو گیا تو تاوان دینا پڑے گا کیوں کہ استعمال کرنے کے نتیجے میں جو نقص بھی آئے گا، اس کا تاوان دینا ہی پڑے گا۔ ہاں اگر اتفاق سے یا نادانستہ استعمال کر لیا لیکن پھر ندامت ہوئی اور اس کو حفاظت سے رکھ لیا، پھر نقصان ہوا تو اس پر تاوان نہیں ہو گا، کیونکہ نہ تعدی ہوئی، نہ تفریط۔

۲۔ جو چیز بکس یا تجوری میں رکھنے کی ہے، اُسے بے احتیاطی سے باہر رکھ دیا اور وہ ضائع یا خراب ہو گئی تو تاوان دینا ہو گا لیکن اگر گھر میں کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے اور اپنی قیمتی چیزیں بھی یوں ہی رہتی ہیں،

---

[1] امام شافعیؒ یتیم کے مال میں زکوٰۃ کے قائل ہیں، بخلاف امام ابوحنیفہؒ کے جن کے نزدیک یتیم کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

توپھر نقصان کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

۳۔ اگر غلطی سے قفل کھلا رہ گیا اور اس وجہ سے امانت کا مال صندوق کے اندر سے چوری ہوگیا یا اس کو چوہے نے کتر دیا یا کوئی اور نقصان پہنچ گیا تو سب صورتوں میں تاوان دینا پڑے گا۔

۴۔ لیکن اگر خریدار دکان دار کی اجازت سے شیشے کا گلاس اٹھا کر دیکھے اور اس دوران وہ ٹوٹ جائے تو اس کو تاوان نہیں دینا پڑے گا لیکن اگر بغیر اجازت کوئی چیز اٹھا کر دیکھے گا اور وہ ٹوٹ گئی، یا خراب ہوگئی تو تاوان دینا پڑے گا۔

۵۔ اگر مودِع نے ایسی شرط لگائی جس کا پورا کرنا ممکن تھا لیکن امین نے اس کے خلاف کیا تو تاوان دینا ہوگا، ہاں اگر اس شرط کا پورا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہوا تو پھر تاوان نہیں دینا پڑے گا۔ مثلاً اس نے کہا کہ تمہارے علاوہ گھر کا دوسرا کوئی آدمی امانت کی نگرانی نہ کرے تو یہ شرط لغو ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ہی شخص ہر وقت چیز کی نگرانی کرتا رہے۔

۶۔ ناگہانی حادثے کے نتیجے میں اگر امانت کی چیز ضائع ہوجائے تو امین پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے مثلاً: گھر میں آگ لگ گئی۔ ڈاکہ پڑ گیا یا سیلاب میں مکان گر گیا۔

۷۔ مودِع کو یہ شرط لگانے کا حق ہے کہ میری امانت اپنے گھر والوں کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہ رکھی جائے، اس صورت میں اگر خلاف ورزی کی اور نقصان ہوگیا تو اس کی ذمہ داری امین پر ہوگی لیکن اگر ناگہانی حادثے میں دوسری جگہ امانت منتقل کردی تاکہ وہ محفوظ رہے اور پھر ضائع ہوگئی، تو اس پر تاوان نہیں ہے۔

ودیعت کی واپسی کا اختیار

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا، امین اور مودِع دونوں میں سے ہر ایک کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ امانت کا معاہدہ جب چاہیں فسخ کردیں۔ اسی طرح جب امانت کی مدت ختم ہو تو معاہدہ خود بخود فسخ ہوجائے گا۔ دونوں صورتوں میں امین کو امانت فوراً مودِع کے حوالے کردینا چاہئے۔

دونوں میں سے اگر کسی کا انتقال ہوجائے، اس صورت میں بھی معاہدہ فسخ ہوجائے گا۔ پھر مودِع کے ورثہ کو امانت واپس لے لینا یا امین کے ورثہ کو واپس کردینا چاہئے۔ اگر انھیں پھر امانت رکھنا ہے تو دوسرا معاہدہ کرنا ہوگا۔

ودیعت کی واپسی سے انکار مودَع کسی وقت اپنی امانت واپس مانگے یا امانت رکھنے کی مدت ختم ہوجانے پر اس کی واپسی کا مطالبہ کرے تو فوراً واپس کر دینا چاہئے لیکن اگر اس نے کہا "کل لے جانا" اور کل تک وہ چیز ضائع ہوگئی، تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر مودع خوشی سے واپس چلا گیا تھا یعنی ایک دن کے لئے مزید اس کو امین بنا کر لوٹ گیا تھا تو چیز کے ضائع ہوجانے پر تاوان نہیں ہے لیکن دوسری صورت میں اگر مودع امین کے ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے ناراض ہوکر امانت کو ناخوشی سے اس کے پاس چھوڑ کر لوٹ گیا تھا تو گویا امانت کی ذمہ داری سے معزول ہونے کے بعد بھی امین نے امانت کو قبضہ میں رکھا جس کی اسے اجازت نہ تھی تو اُسے تاوان دینا پڑے گا۔

اگر مودع نے کسی دوسرے آدمی کو بھیجا کہ فلاں امانت فلاں شخص سے لے آؤ تو امین کو اختیار ہے کہ وہ اسے دے یا نہ دے۔ دینے کی صورت میں اگر وہ دوسرا آدمی خیانت کر جائے تو ذمہ داری امین پر ہوگی۔

امانت رکھتے اور لیتے وقت گواہ کی ضرورت بہتر ہے کہ امانت دیتے اور لیتے وقت دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا جائے۔ ایسے مواقع پر شاہد بنانے کی تاکید قرآن میں آئی ہے، چنانچہ ناسمجھوں اور یتیموں کے مال کی حوالگی کے وقت یہ حکم دیا گیا ہے،

فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَیۡهِمۡ۔ (النساء۔ ۶) یعنی جب ان کا مال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ بنالو۔"

تحریر اگر متوفی نے کوئی تحریر یا بہی کھاتہ ایسا چھوڑا جس میں لکھا ہے کہ فلاں شخص کا اتنا روپیہ یا فلاں چیز میرے یہاں امانت ہے تو اس کے ورثہ کو تحقیق کے بعد وہ مال یا چیز واپس کر دینا چاہئے اگر ورثہ کو خود علم ہو تو تحقیق کرنا ضروری نہیں ہے۔

تاوان ادا کرنا امین پر تاوان واجب ہونے کی صورت میں ان امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اگر امانت نقد رقم نہیں بلکہ کوئی جنس ہے، جیسے گھڑی، برتن، میز کرسی وغیرہ تو اسی طرح کی چیز تاوان میں ادا کرنا ہوگی۔ اگر نقد رقم یا سونا، چاندی یا ان سے بنے ہوئے زیور ہوں تو اتنی ہی نقد رقم یا اتنی ہی قیمت کا زیور یا اس کی قیمت دینا ہوگی، اسی طرح اگر جنس میں کوئی ایسی چیز ہے

جس کا ملنا دشوار ہے تو پھر قیمت بھی دی جاسکتی ہے مثلاً ویسٹرن گھڑی امانت تھی اور وہ ضائع ہوگئی، تو ویسی ہی گھڑی منگا کر دینا چاہئے، اگر وہ بازار میں نہ ملے تو پھر اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔ قیمت وہی دی جائے گی جو تاوان واجب ہونے کے دن تھی، خواہ وہ دیتے وقت سستی ہوجائے یا مہنگی۔

عاریت

کم لوگ ایسے ہیں جن کو ضروریاتِ زندگی کی ہر چیز ہر وقت حاصل ہو۔ بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جنھیں چیزیں وقتی طور پر دوسروں سے مانگنا پڑتی ہیں، اس مانگنے کو شریعت میں عاریت کہتے ہیں۔

جس طرح کفالت کرنا، قرض دینا، امانت رکھنا اسلامی معاشرہ کا اخلاقی فرض ہے، اسی طرح اگر کوئی حاجت مند وقتی ضرورت پوری کرنے کے لئے کوئی چیز مانگے تو معاشرہ کے افراد کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ چیز بغیر کسی عذر اور معاوضے کے فراہم کردیں (اگرچہ قانوناً کسی کو عاریت دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا) معمولی اور روزمرہ استعمال کی چیز تو بے تامل دیدینا چاہیے۔ قرآن نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ماعون کو دینے میں بخل کرتے ہیں، چنانچہ ایک سورہ کا نام ہی الماعون ہے۔ اس سورت میں جن باتوں پر تہدید کی گئی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (الماعون، آیت ۴ تا ۷)

خرابی ہو ان لوگوں کی جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں، یہ لوگ صرف دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور روزمرہ کی برتنے والی معمولی چیزیں دینے میں تامل کرتے ہیں۔

مقصد یہ کہ ایسی دکھاوے کی نماز سے کیا فائدہ جس سے نہ تو دل میں خالق کی محبت پیدا ہوا اور نہ مخلوق کی جس کو خالق سے محبت ہوگی وہ اس کی مخلوق سے بھی محبت کرے گا۔ اس محبت کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کی مخلوق کی ضرورت بے تامل پوری کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے چیز عاریتہً لی بھی ہے اور دی بھی ہے۔

ماعون: ماعون میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے دینے میں کوئی بڑا نقصان یا حرج نہ ہو، مثلاً

کسی کے یہاں مہمان آگئے. آپ سے چارپائی یا بستر یا کھانا کھلانے کے لئے برتن مانگے، اسی طرح نمک دیاسلائی، چھری یا صابن، پڑھنے کے لئے کتاب، پانی نکالنے کیلئے رسّی اگر مانگی تو بے تکلف دیدینا چاہیئے. صحابہ کرامؓ جن کی زندگی نہایت سادہ تھی، ان کا طرزِ عمل یہی تھا، ان کے درمیان ماعون میں، جو چیزیں لی یا دی جاتی تھیں ان میں سوئی تاگا، ڈول رسی وغیرہ سب شامل تھے۔

عاریت کی تعریف

کسی کو اپنی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت بغیر معاوضہ دیدینا شریعت میں عاریت کہلاتا ہے۔ اس فعل کو اعارہ، عاریت مانگنے کو استعارہ، عاریت دینے والے کو مُعیر، عاریت لینے والے کو مستعیر اور جو چیز عاریت لی جاتے اسے مستعار کہتے ہیں۔

عاریت کا حکم

۱۔ پڑوسی یا دوسرے کسی آدمی سے کہا گیا کہ آپ دو دن کے لئے مجھے ایک پلنگ یا کرسی دے دیجئے اور اس نے وہ چیز دے دی تو یہ عاریت ہوگی۔

۲۔ یہ مستعار چیز جب تک مستعیر کے یہاں رہے گی وہ امانت بے ضمانت ہوگی یعنی اس کی حفاظت مستعیر پر اسی طرح لازم ہوگی جس طرح امانت کی. لیکن اگر اتفاق سے ٹوٹ پھوٹ گئی تو اس پر تاوان عائد نہ ہوگا۔ یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر ایسی چیزیں ہیں جن کا نقصان ہر شخص دیکھ سکتا ہے مثلاً جانور اور بڑی بڑی چیزیں تو مستعیر پر ضمانت ہوگی۔ امام شافعیؒ کے رائے میں قبضہ کے بعد مستعار چیز میں کسی طرح کا بھی نقصان ہوگا تو مستعیر ضامن قرار دیا جائے گا خواہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ کیونکہ حدیث نبویؐ ہے۔ عاریۃ مضمونۃ۔

۳۔ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اگر قصداً چیز کو خراب کر دیا یا توڑ دیا یا غلط طریقے سے استعمال کیا اور وہ چیز خراب ہوگئی تو مستعیر کو تاوان دینا پڑے گا۔ مثال کے طور پر مستعار لی گئی چارپائی پر اتنے زیادہ آدمی بٹھا دیئے کہ وہ ٹوٹ گئی۔ مستعار سائیکل کو ایسے خراب راستے پر چلایا کہ ٹائر پھٹ گیا۔ مستعار چینی کی پلیٹ چھوٹے بچے کے ہاتھ میں دیدی اور وہ ٹوٹ گئی۔ فرش یا دری پر دیاسلائی کی جلتی ہوئی تیلی یا سگریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا ڈال دیا اور فرش جل گیا تو اس کا تاوان نقصان کے بقدر دینا پڑے گا۔ لیکن اگر اتفاقاً فرش پر اگالدان لوٹ گیا یا گلاس ہاتھ سے اتفاق سے یا پیر پھسل جانے سے گر پڑا اور ٹوٹ گیا، ایسی صورت میں تاوان نہیں ہے۔ غرض یہ کہ غلط استعمال سے یا قصد و ارادے سے جو چیز خراب کی جائے گی تو اس کا تاوان لیا جائے گا۔

۴۔ جتنے دن یا وقت کے لئے عاریت لی ہے اس کے بعد فوراً واپس کر دینا چاہئے، اگر دیر کی اور وہ چیز غائب ہو گئی یا ٹوٹ پھوٹ گئی تو نقصان کی قیمت دینا ہو گی۔

۵۔ مستعار چیز کو اپنے ہی استعمال میں لانا چاہیئے۔ مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کو نہ دینا چاہیئے، اگر مالک کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے کو دی تو یہ گناہ بھی ہے اور نقصان ہو جانے کی صورت میں، معاوضہ بھی دینا ہو گا۔

۶۔ اگر معیر نے اپنے طور پر کوئی قید نہ لگائی ہو کہ عاریت دی گئی چیز کو کس وقت تک، کس جگہ پر اور کس طریقے پر استعمال کیا جائے تو مستعیر کو اختیار ہو گا کہ وہ جس وقت تک چاہے جس جگہ چاہے اور جس طرح چاہے پوری احتیاط کے ساتھ استعمال کرے، اب اگر اچانک کوئی نقصان اس چیز کو ہو جائے تو مستعیر سے اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا لیکن اگر بے احتیاطی سے یا جس طرح وہ چیز عام طور پر استعمال کی جاتی ہے اس کے خلاف استعمال کرنے سے نقصان پہنچا تو اجازت کے باوجود تاوان دینا پڑے گا۔ مثلاً سائیکل یا موٹر عاریت لی اور اُسے بے احتیاطی سے چلایا کہ وہ ٹکرا گئی اور نقصان ہو گیا یا کسی دوسرے کو چوٹ لگ گئی، یا کوئی مالی نقصان پہنچ گیا تو نقصان کا تاوان مستعیر کو دینا ہو گا۔ یا چادر کو پلنگ پر بچھانے کے بجائے بطور دسترخوان استعمال کیا اور اس پر ایسا دھبہ لگا کر اس کی قیمت گھٹ گئی تو اس کی ذمہ داری مستعیر پر ہو گی اور تاوان دینا پڑے گا۔

اسی طرح مستعار چیز کسی دوسرے کو برتنے اور استعمال کرنے کو دینا۔ اگر معیر نے اس سے منع نہ کیا ہو تو ایسی چیزیں دے دینے میں ہرج نہیں ہے جنھیں اگر دوسرے استعمال کریں تو چیزوں میں کوئی فرق نہ آسکے جیسے مکان، برتن، گلاس، چمچے، تخت وغیرہ، لیکن ایسی چیز جس میں دوسرے کے استعمال سے فرق آسکتا ہو، دینا جائز نہیں، مثلاً، گھڑی، فاؤنٹن پین، موٹر، سائیکل یا کوئی بھی سواری۔ کپڑا، جوتا، چھتری وغیرہ، یہ چیزیں دوسروں کے پاس جاکر خراب ہو سکتی ہیں، اس لیے نہ دینا چاہئے۔ بلکہ خود ہی استعمال کرنا چاہئے، اگر دینے کے بعد خراب ہو گئی یا گم ہو گئی تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۷۔ معیر کی ہدایت کے خلاف استعمال کرے گا تو مستعیر کو نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔

۸۔ کبھی عورت سے ایسی چیز مستعار مانگی جو اس کے شوہر کی ہے اور عورت نے شوہر سے پوچھے بغیر دیدی تو اگر وہ ایسی چیز ہے جو عموماً عورت ہی کے قبضے میں رہتی ہے جیسے گھی، تیل، نمک، شکر، برتن

زیور یا غلہ وغیرہ اور وہ دی ہوئی چیز اتفاقاً ضائع ہو گئی تو نہ مستعیر پر اور نہ عورت پر اس کا تاوان ڈالا جائے گا لیکن اگر ایسی چیز جس کا عورت سے تعلق نہیں ہوتا مثلاً جانور، مردانہ مکان کا فرنیچر یا سواری کی چیز تو ان کے ضائع ہونے کی صورت میں شوہر یعنی مالک کو اختیار ہو گا کہ وہ تاوان لے مستعیر سے یا عورت سے۔

معیر و مستعیر کیلئے ضروری ہدایات

اکثر باتیں مذکور ہو چکی ہیں۔ ہدایت کے ضمن میں ان کا بھی اعادہ کیا جاتا ہے:۔

۱۔ معیر جب چاہے اپنی دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔ مستعیر کو بلا عذر واپس کر دینا چاہئے اگر عذر کیا اور وہ چیز ضائع یا خراب ہو گئی تو مستعیر کو تاوان دینا ہو گا۔

۲۔ معیر نے دو دن میں چیز واپس کرنے کو کہا لیکن مستعیر نے کہا کہ چار دن میں واپس کروں گا۔ معیر خاموش ہو گیا تو یہ رضامندی کی دلیل نہیں ہے۔ دو ہی دن میں واپس کرنا چاہئے۔

۳۔ معیر یا مستعیر کی موت سے عاریت کا معاملہ ختم سمجھا جائے گا۔

۴۔ معیر اور مستعیر کا عاقل اور سمجھ دار ہونا ضروری ہے۔ ناسمجھ بچوں یا پاگلوں سے عاریت لینا یا اُن کو دینا صحیح نہیں ہے۔

۵۔ مستعار چیز پر مستعیر کا قبضہ ہونا ضروری ہے۔

۶۔ کوئی متعین چیز ہی مستعار دی جا سکتی ہے، چند سائیکلیں ایک جگہ ہوں تو یہ نہ کہے کہ ان میں سے ایک لے لو بلکہ متعین کر کے کہے کہ فلاں سائیکل لے لو یا اجازت دے کہ جو چاہو لے لو۔

۷۔ معیر مستعیر سے چیز کی اُجرت یا اس کا کوئی بدل نہیں لے سکتا۔

۸۔ عاریت لینے کے وقت سے واپسی کے وقت تک اگر کوئی خرچ مستعار چیز پر کرنا پڑے تو مستعیر کو برداشت کرنا ہو گا مثلاً سائیکل میں ہوا بھروانے یا پنکچر درست کرانے کا خرچ، جانور کے چارے کا خرچ، مکان کی مرمت کا خرچ۔

۹۔ مستعار کو نہ تو مستعیر بیچ سکتا ہے نہ رہن رکھ سکتا ہے، نہ کرایہ پر دے سکتا ہے، البتہ کسی دوسرے کے پاس امانت رکھ سکتا ہے۔ اب اگر چیز اتفاقاً ضائع ہو جائے تو تاوان عائد نہ ہو گا لیکن اگر مستعیر کی یا اس کے امین کی غلطی سے ضائع ہوئی تو تاوان دینا ہو گا۔

۱۔ عاریت کی مدت ختم ہوتے ہی چیز واپس کر دینا چاہئے، اگر مدت گذرنے کے بعد نقصان ہوا

تو مستعیر پر ذمہ داری ہے۔

۱۱۔ عاریت کی چیز مستعیر کو بذات خود اپنے یا معتبر آدمی کے ذریعے واپس کرنا چاہئے۔ اگر کسی غیر آدمی کے ہاتھ بھیجی اور ضائع ہوگئی یا خراب ہوگئی تو مستعیر کو تاوان دینا ہوگا۔

۱۲۔ عاریت کی چیز لے جانے اور واپس کرنے میں اگر بار برداری کے مصارف ہوئے تو مستعیر کو برداشت کرنا ہوں گے۔

۱۳۔ اگر باغ لگانے یا مکان بنانے کے لئے کوئی زمین عاریتہ لی تو معیر جب چاہے خالی کرا سکتا ہے البتہ اگر کوئی مدت متعین کر دی ہے تب بھی خالی کرانے کا اختیار ہے مگر قبل از وقت خالی کرانے سے جو نقصان مستعیر کو ہوگا اس کا معاوضہ معیر ادا کرے گا۔ مثلاً باغ لگانے کے لئے زمین دس برس کے واسطے دی لیکن معیر کو پانچ ہی برس میں زمین کو خالی کرانے کی ضرورت پیش آگئی تو مستعیر کو اپنے درخت کاٹ کر زمین خالی کر دینا چاہئے۔ اب رہا نقصان کا معاوضہ تو اگر دس برس باغ رہتا تو درختوں کی قیمت پانچ سو روپے ہوتی اور جس وقت خالی کر رہا ہے تو درختوں کی قیمت دو سو روپے ہے، اس طرح تین سو روپے نقصان کے معیر مستعیر کو دے گا، اگر معیر درخت بھی لینا چاہے اور مستعیر راضی ہو تو درختوں کی جو قیمت ہو وہ پوری ادا کرنا ہوگی۔

۱۴۔ اگر کسی کو کھیت جوتنے کے لئے دیا تو مدت مقرر ہو یا نہ ہو، جب تک فصل پک نہ جائے، زمین کو خالی نہیں کرا سکتا۔

ہبہ اور ہدیہ

صدقہ، ہدیہ اور ہبہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کے طریقے ہیں، جن کی ترغیب کتاب و سنت میں دلائی گئی ہے۔ صدقہ کا بیان زکوٰۃ کے ضمن میں آچکا ہے۔ ہدیہ اور عطیہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "آپس میں ہدیے اور عطیے بھیجا کرو، اس سے محبت بڑھتی اور دلوں کی کدورت دور ہوتی ہے (ترمذی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہدیہ خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، اس کو قبول کر لینا چاہئے اسی طرح معمولی عطیہ دینے میں بھی شرم نہ کرنا چاہئے، آپ نے فرمایا کہ "اگر کوئی مجھے گوشت کا ایک ٹکڑا یا کھر بھی بھیجے تو میں بخوشی قبول کر دوں گا (مسند احمد و ترمذی)

ہدیہ کا بدلہ ایک شخص جب کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ بھیجے یا ہبہ کرے یا صدقہ دے تو زبان سے کوئی بات ایسی نہ کہنا چاہیئے، نہ ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے جس سے احسان جتانا یا اس کا اظہار محسوس ہو۔ قرآن اور حدیث میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ قرآن میں ہے "کہ احسان دھرنے والے یا دکھاوا کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان جس پر مٹی جمی ہو اور ہلکی سی بارش سے دھل جاتے، ایسا شخص نہ تو خدا پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر۔ حدیث میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن جو لوگ رحمتِ الٰہی کے سایہ سے دور ہوں گے، ان میں احسان جتانے والا بھی شامل ہے۔ غرض کہ صدقہ اور ہدیہ دیتے وقت نمود و نمائش یا احسان کرنے کا اظہار قطعاً نہ ہونا چاہیئے۔ البتہ جس کو صدقہ یا ہدیہ دیا گیا اگر وہ بھی اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق اس کے بدلے کوئی تحفہ یا ہدیہ دے تو مستحسن ہے لیکن اگر وہ اس کی قدرت نہیں رکھتا تو کم سے کم اس کی تعریف اور اس کا شکریہ تو ادا کرنا چاہئے، اگر یہ بھی نہیں کیا تو احسان ناشناسی اور کفرانِ نعمت کیا (ابو داؤد و ترمذی)

غیر مسلم کو ہدیہ دینا اور لینا جس طرح معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں ہے جب تک کہ حلال و حرام کے حدود سے تجاوز نہ ہو، اسی طرح ہدیہ دینے اور لینے میں بھی مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کا ہدیہ قبول فرمایا ہے قرآن میں ارشاد ہے :۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۝ (ممتحنہ آیت ۔ ۸)

"اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں نہ تو لڑائی کی، نہ تم کو گھر سے نکالا۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

ہبہ، ہدیہ اور عاریت میں فرق عاریت میں دی گئی کوئی چیز نقد ہو یا جنس مشروط بہ واپسی ہوتی ہے، مستعیر ایک متعین مدت کے لئے اس کا امین ہوتا ہے لیکن بطور ہدیہ، ہبہ یا صدقہ جو چیز دی جاتی ہے، اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوتا، اس کی ملکیت منتقل ہو جاتی ہے، اب اس کا واپس لینا گناہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

جو شخص ہبہ کرکے یا ہدیہ یا صدقہ دیکر واپس لے، اس کی مثال اس کتے کی ہے جو کھانے کے بعد قے کرکے اور دوبارہ اس کو نگل لے"۔ اس لئے آدمی کو خوب سوچ سمجھ کر دینا چاہئے کہ نہ تو بعد میں ندامت ہو اور نہ واپسی کی ضرورت لیکن اگر واقعی واپسی کی ضرورت پیش ہی آجائے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے یعنی ہبہ فسخ کیا جاسکتا ہے، قانونی تفصیل آگے بیان کی جاتے گی۔

ہبہ، ہدیہ اور صدقہ میں فرق اس اعتبار سے کہ آدمی اپنی کسی چیز کا مالک دوسرے آدمی کو ہبہ، ہدیہ اور صدقہ کے ذریعہ بنا دیتا ہے اور پھر اس کی واپسی کا اختیار اس کو نہیں رہتا یہ حکم تینوں صورتوں میں یکساں ہے لیکن چونکہ ہر ایک میں دینے کا جذبہ الگ الگ ہوتا ہے، اس لئے تھوڑا سا فرق ہے گو نتیجے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

ہدیہ کی تعریف کسی کی ہمت افزائی اور محبت کے جذبے سے کوئی چیز دینا۔

صدقہ کی تعریف کسی کو محض ثواب کی خاطر کوئی چیز دینا۔

ہبہ کی تعریف بغیر کسی معاوضے کے اپنا کوئی مال دوسرے کی ملکیت میں دیدینا۔ لغت میں ہبہ کے معنے، دینے کے ہیں۔

صدقہ اور ہدیہ، ہبہ کی ہی دو قسمیں ہیں؛ صدقہ میں محض ثواب کی نیت ہوتی ہے اور دوسرا کوئی جذبہ نہیں ہوتا اگر ثواب کی نیت نہ ہو تو وہ صدقہ نہیں کہلائے گا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہبہ اور ہدیہ میں کوئی ثواب نہیں ملتا۔ اجر ہر نیکی کا ملتا ہے، ہبہ اور ہدیہ خالصتہً للہ ہو تو ان کا ثواب بھی ملے گا۔

ہبہ کی اصطلاحات ہبہ کرنے والے کو واہب اور جس کو ہبہ کیا جائے اس کو موہوب لہٗ اور جو چیز ہبہ کی جائے اُسے موہوب کہتے ہیں۔

ہبہ کے ارکان و شرائط ۱۔ ہبہ کے لئے ایجاب و قبول اور قبضے کا ہونا ضروری ہے یعنی واہب بہ رضا و رغبت کوئی چیز دے اور موہوب لہٗ خوشی سے قبول کرکے اُسے اپنے تصرف میں لے لے تو ہبہ ہوگیا اور وہ چیز واہب کی ملکیت کے بجائے موہوب کی ملکیت ہوگئی۔

۲۔ ایجاب و قبول میں ہبہ کا لفظ صراحتہً کہنا ضروری نہیں بلکہ جس لفظ یا جس طرز عمل سے دی ہوئی چیز لینے والے کی ملکیت ہو جاتی ہے وہ ایجاب و قبول سمجھا جائے گا مثلاً کسی نے کہا کہ میں اپنی یہ کتاب آپ کو ہدیہ کرتا ہوں اور آپ نے شکریہ ادا کرکے لے لی تو کتاب ہبہ ہوگئی یا آپ نے خاموشی سے لے لی تو بھی دو

آپ کی ملکیت میں آگئی یا آپ نے اپنے کسی دوست سے کوئی چیز بطور ہبہ یا ہدیہ مانگی اور اس نے بخوشی دیدی تو وہ چیز ہبہ ہو گئی مگر حتی الامکان اس طرح مانگنا نہیں چاہئے۔ عاریۃً مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۔ کسی نے کپڑا خریدا اور بیوی سے کہا کہ اس میں سے اپنے لئے ایک جوڑا بنوا لو، یا زیور بنوایا اور بیوی سے کہا، اسے پہن لو، یہ ہبہ ہو گیا اور چیز عورت کی ملک ہو گئی، اب کسی ناراضگی کے وقت واپس لے لینا گناہ ہے۔

۴۔ واہب کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے، کوئی نابالغ بچہ اگر کوئی چیز ہبہ کر دے تو والدین یا مربی واپس لے سکتے ہیں۔

۵۔ ہبہ میں واہب کی رضا اور رغبت ضروری ہے اور رضامندی کے بغیر زبردستی ہبہ کرانا اور دباؤ ڈال کر یا اصرار کر کے ہدیہ لینا صحیح نہیں، بلکہ گناہ ہے۔

۶۔ واہب نے کسی چیز کو واضح الفاظ میں ہبہ کیا، مثلاً: "یہ گھڑی میں آپ کو دیتا ہوں، آپ اسے لے لیجئے" اب موہوب لہٗ اسی وقت لے لے یا بعد میں لے دونوں جائز ہیں لیکن اگر مبہم الفاظ میں کہا کہ: "میں یہ گھڑی آپ کو دینا چاہتا ہوں یا دوں گا" یہ نہیں کہا کہ لے لیجئے تو اگر موہوب لہٗ اسی وقت گھڑی قبضہ میں لے تو وہ اس کی ہو گئی، لیکن اگر اس وقت نہ لے اور پھر کسی وقت لینا چاہے تو درست نہ ہو گا، جب تک دوبارہ واہب سے اجازت نہ لی گئی ہو۔

۷۔ خریدار اپنے مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو ہبہ کر دینے کا حق رکھتا ہے۔

۸۔ ہبہ یا ہدیہ کی ہوئی چیز کو قبضے میں دیدینا ضروری ہے، اگر وہ چیز دوسرے کے قبضے میں ہے تو واہب کو اس کے قبضے سے نکال کر موہوب لہٗ کے حوالے کرنا چاہئے۔

۹۔ مال جس کے قبضے میں تھا اسی کو وہ ہبہ کر دیا، تو ہبہ ہو گیا، واہب پر لازم نہیں کہ دوبارہ قبضہ دلائے۔

۱۰۔ کسی نے اپنا قرض یا مطالبہ ہبہ کر دیا اور مقروض یا مدیون نے اسے قبول کر لیا تو اب مطالبہ کا حق واہب کو نہیں رہا۔

۱۱۔ موہوب یعنی جو چیز ہبہ کی گئی اس پر قبضہ سے پہلے واہب یا موہوب لہٗ کا انتقال ہو جائے تو ہبہ باطل ہو جائے گا کیونکہ ہبہ قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ یعنی موہوب لہٗ کے قبضے سے پیشتر وہ واہب ہی کی ملکیت رہے گی اور اس کی موت کے بعد ورثہ مالک ہو جائیں گے۔ اسی طرح موہوب لہٗ اگر فوت ہو گیا تو اب قبضہ

کون کرے گا۔

۱۲۔ نابالغ بچے ہبہ نہیں کر سکتے، مگر ان کو ہبہ کیا جاسکتا ہے۔

بچوں کو ہبہ اگر باپ دادا اپنے لڑکے یا پوتے کو کوئی چیز دیں اور کہیں کہ یہ میں نے تم کو دی تو دے دینے سے وہ چیز اس کی ملک ہوگئی، اب واپس لینا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی بھائی یا بہن اپنے چھوٹے بھائی بہن کو کوئی چیز دے دے تو وہ اس کی ملک ہوگئی۔ مثلاً اس کا کپڑا بنوایا، اس کے لئے کتاب اور قلم خریدا تو یہ چیزیں اس کی ہوگئیں لیکن اگر خاص بچے کو نہیں دیں یا یہ کہہ دیا کہ سب لوگ استعمال کریں تو پھر وہ کسی کی ملک نہیں ہوں گی۔

۱۳۔ چھوٹے نا سمجھ بچوں کو جو کچھ عیدی یا انعام کے نام سے لوگ دیا کرتے ہیں تو مقصود ان کے ماں باپ کو دینا ہوتا ہے، چونکہ حقیر رقم ہوتی ہے اس لئے بچے کے بہانے سے دی جاتی ہے، تو ایسی چیزیں بچوں کے والدین کی ملک سمجھی جائیں گی لیکن اگر کسی نے صراحت کے ساتھ یہ کہا کہ میں اس بچے کو ہی دے رہا ہوں تو اگر بچہ سمجھدار ہے، اور اس نے اسے لے لیا تو چیز اس کی ملک ہوگئی اور اگر نا سمجھ ہے تو اس کے باپ دادا یا مربی کا قبضہ کافی ہے لیکن انھیں یہ حق نہیں ہے کہ اس چیز کو اپنے استعمال میں لائیں یا اُسے کسی دوسرے بچے کو دیں۔

۱۴۔ اگر اپنی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کرنا ہو تو سب کو برابر دینا چاہئے یعنی لڑکے اور لڑکیوں کو یکساں، یہ مسلک تینوں اماموں (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ) رحمہم اللہ کا ہے۔ البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کی رائے میں ہبہ بھی وراثت کی طرح ہونا چاہئے، یعنی لڑکیوں کا ایک ایک اور لڑکوں کے دو دو حصے۔

۱۵۔ ہبہ میں مدت کا تعین صحیح نہیں مثلاً یہ کہ ایک ماہ یا ایک سال کے لئے ہبہ کرنا ناجائز ہے۔

۱۶۔ واہب اگر ہبہ کرتے وقت کسی عوض یا فائدے کی شرط لگا دے تو یہ صحیح ہے، مثلاً یہ کہا کہ "یہ مکان تمہیں دیتا ہوں، اس شرط کے ساتھ کہ میں بھی اس میں رہوں گا، یا اس کے بدلے میں تم میرا فلاں قرض ادا کر دو یا "فلاں زمین اس شرط پر ہبہ کرتا ہوں کہ تم میرے کھانے کپڑے کے کفیل رہو" تو یہ ہبہ درست ہے۔ اب اگر واہب اس مشروط ہبہ سے رجوع کرنا چاہے تو اس کا حق نہیں ہے جب تک وہ شرط پوری ہوتی رہے، البتہ اگر شرط پوری نہ ہو تو رجوع کر سکتا ہے۔

۱۷۔ ہبہ کی جانے والی چیز کا موجود ہونا ضروری ہے یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ "اس کھیت میں جو کچھ پیدا ہوگا وہ ہبہ کرتا ہوں" یا باغ میں جو پھل آئیں گے یا اس جانور سے جو بچے پیدا ہوں گے انھیں ہبہ کرتا ہوں۔"

۱۸- واہب جو چیز ہبہ کرے وہ اس کی اپنی ملکیت ہونا ضروری ہے' دوسرے کی چیز کسی کو دیدینا ناجائز ہے
۱۹- موہوب یعنی جو چیز ہبہ کی جائے اس کی تعیین ضروری ہے، چند گھڑیاں، چند سائیکلیں یا چند جانور ہیں، ان میں سے ایک گھڑی یا ایک سائیکل یا ایک جانور ہبہ کرنا ہو تو اسے متعین کر کے ہبہ کرنا چاہئے' یہ کہنا کہ ایک لے لیجئے" یہ صحیح نہیں ہے،' البتہ یہ کہنا کہ ان میں سے جو پسند ہو لے لیجئے اور موہوب لہ نے اسی وقت پسند کر کے لے لیا تو ہبہ صحیح ہو گا لیکن اگر اس وقت نہیں لیا تو پھر اجازت کے بغیر جائز نہیں ہو گا۔

ہبہ اور ہدیہ کی واپسی

ہبہ کر چکنے کے بعد اس چیز کا واپس لینا گناہ ہے اور دیانت و اخلاق کے خلاف بھی۔ لیکن اگر موہوب لہ نے ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ واہب کو اسی چیز کی شدید ضرورت پڑ جائے اور وہ موہوب لہ سے کہدے کہ آپ اس کو بھی نہ لیجئے تو گویا واہب نے ہبہ سے رجوع کر لیا مگر قبضہ کے بعد ہبہ سے واپسی کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو موہوب لہ خوشی سے واپس کر دے یا اسلامی عدالت اس ہبہ کو فسخ قرار دے بشرطیکہ کوئی دوسرا قانونی مانع موجود نہ ہو۔

کن صورتوں میں ہبہ کی واپسی نہیں ہو سکتی

اگر ایسے شخص کو ہبہ کیا ہے جس سے خونی رشتہ ہے اور نکاح حرام ہے تو واپسی کا حق نہیں ہے مثلاً
ماں باپ، پھوپھا، پھوپھی، چچا، بھائی، بہن، بھانجے، بیٹے، پوتے، نواسے یا بیٹی پوتی نواسی دادا اور دادی وغیرہ اب اگر کسی نے اپنے رضاعی بھائی بہن اور ساس سسر کو ہبہ کیا ہے تو اخلاقاً واپس لینا معیوب ہے، مگر قانوناً واپس کرا سکتا ہے' کیونکہ ان سے نکاح تو حرام ہے مگر خون کا رشتہ نہیں ہے۔
۲- اگر بیوی نے شوہر کو یا شوہر نے بیوی کو کوئی چیز ہبہ کی تو قبضے کے بعد پھر واپسی کا حق نہیں ہے۔
۳- اگر ہبہ کی ہوئی چیز میں موہوب لہ نے ایسا اضافہ کر دیا جو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا مثلاً زمین ہبہ کی تھی اس پر عمارت بنوالی یا درخت لگا دیئے، جانور ہبہ کیا تھا' اس کو کھلا پلا کر خوب فربہ کر دیا، گیہوں دئے تھے انھیں پسوا لیا تو یہ تمام اضافے اصل چیز سے جدا نہیں کئے جا سکتے' لہٰذا واپسی کا حق جاتا رہا۔
لیکن اگر ایسی زیادتی ہے جو اصل سے جدا ہے تو اصل چیز کی واپسی ہو سکتی ہے اور زیادتی موہوب لہ کی ہو گی مثلاً بکری یا گائے ہبہ کی تھی اس نے بچے دیدئے تو واہب اگر اپنی دی ہوئی چیز واپس لینا چاہے تو گائے یا بکری واپس لے گا' بچے موہوب لہ کے ہوں گے۔
(۴) اگر موہوب لہ نے موہوب کو فروخت کر دیا تو اب واپسی کا سوال نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) اسی طرح اگر ہبہ کی ہوئی چیز موہوب لہٗ کے پاس ضائع ہو گئی تو بھی واہب واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

(۶) اگر واہب یا موہوب لہٗ مر جائے تو کسی کے ورثہ نہ واپس لے سکتے ہیں، نہ دے سکتے ہیں۔

ہدیہ و صدقہ کی واپسی جو احکام ہبہ کی واپسی کے ہیں وہی صدقہ اور ہدیہ کے ہیں۔

ضروری ہدایت پہلے یہ بات کہی جا چکی ہے کہ ہبہ، ہدیہ یا صدقہ دے کر واپس لینا اخلاقاً مذموم اور گناہ ہے اگر موہوب لہٗ خوشی واپس کر دے تب ہی جائز ہو گا لیکن اگر موہوب لہٗ راضی نہ ہو تو کسی غیر قانونی یا غیر اخلاقی طریقے سے واپس لینے کی کوشش کرنا دوہرے گناہ کا سبب ہو گا۔ ایک موہوب لہٗ کی ناراضگی کا، دوسرے غلط طریقے پر واپسی کی کوشش کا، الّا یہ کہ کسی شدید نقصان سے تحفظ کے پیش نظر اسلامی عدالت معاہدہ کو فسخ کر دے۔

اِجارہ

فقہ کی کتابوں میں کتاب الاجارہ کے نام سے تین قسم کی اجرتوں کا ذکر اور اس کے مسائل بیان ہوئے ہیں:

۱۔ وہ اجرت جو کرایہ کی صورت میں دی جائے یا لی جائے۔

۲۔ وہ اجرت جو پیشہ ور لوگوں۔ جیسے سنار، لوہار، درزی، بڑھئی، دھوبی وغیرہ کو دی جائے۔

۳۔ وہ اجرت جو ملازم یا مزدور کی حیثیت سے کسی کو دی جائے یا کسی سے لی جائے۔

تینوں قسم کے مسائل ایک ہی باب سے متعلق ہیں لیکن چونکہ ان کی ہیئت میں معمولی فرق ہے، اس لئے ہر قسم کی اجرتوں کو الگ الگ بیان کیا جا رہا ہے۔

کرایہ پر لینا یا دینا اپنی چیز کو کرایہ پر دینا یا دوسرے آدمی کی چیز کو کرایہ پر لینا جائز ہے۔

(۱) یہ دو باتیں طے ہو جانے کے بعد کہ اس چیز کا کرایہ کتنا ہو گا اور وہ کتنے عرصے یا کس کام کے لئے کرایہ پر لی جا رہی ہے، کرایہ کا انعقاد عمل میں آسکے گا۔ کسی سواری کو کرایہ پر لیتے وقت یہ صراحت بھی کرنا ہو گی کہ سوار ہونے کے لئے لی جا رہی ہے، یا سامان ڈھونے کے لئے اور یہ کہ اُسے کہاں تک یا کتنے میل لے جانے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

(۲) اگر کرایہ اور مدّت وغیرہ طے نہیں کی تو معاملہ کرایہ کا نہیں ہوا عاریت کا ہوا اس لئے عاریت کی شرطوں

کے مطابق معاملہ کرنا چاہئے۔

(۳) اگر کسی کمرے یا مکان کا کرایہ دس روپیہ ماہوار طے ہوا اور مدت نہیں طے کی گئی تو معاملہ صرف ایک مہینے کے لئے سمجھا جائے گا، دوسرے مہینے پھر سے معاملہ کرنا چاہئے اور مالک مکان ایک ماہ کے کرایہ دار سے مکان خالی کرا سکتا ہے اور اگر مالک مکان نے دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ کو کوئی اعتراض نہیں کیا تو دوسرے مہینے بھی اسی کرایہ پر رہ سکتا ہے گویا ہر ماہ مالک مکان کرایہ بھی بڑھا سکتا ہے اور اسے خالی بھی کرا سکتا ہے لیکن اگر کرایہ دار نے سال دو سال یا اس سے زیادہ مدت مقرر کر کے مکان کو کرایہ پر لیا ہے تو پھر اس مدت تک مالک مکان کو نہ تو کرایہ بڑھانے کا حق ہے اور نہ اُسے نکالنے کا۔

(۴) اگر مکان یا دکان کرایہ پر لینے کے بعد اُسے استعمال نہیں کیا، پھر بھی قبضے کے دن سے کرایہ دینا پڑے گا اور جتنے دن قبضے میں رکھے گا اتنے دن کا کرایہ دینا ہوگا۔

(۵) اگر موٹر، بس، سائیکل یا رکشا کرایہ پر لی تو اس پر اتنے ہی آدمی سوار ہو سکتے ہیں جتنے عام طور پر سوار ہوتے ہیں، مثلاً رکشا پر دو آدمی، لیکن اگر خود مالک زیادہ آدمیوں کو بٹھائے تو اُسے حق ہے۔

(۶) مشترک چیز خواہ وہ مکان ہو یا دکان یا کچھ اور۔ وہ کرایہ پر نہیں دی جا سکتی۔

(۷) مکان کی آرائش و زیبائش کے لئے کوئی چیز کرایہ پر لینا ناجائز ہے، البتہ اگر کسی کام کے لئے چیز کرایہ پر لی گئی ہو اور ضمناً اس سے آرائش و زیبائش بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۸۔ کتاب کرایہ پر لینا یا دینا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عدم جواز کے قائل ہیں کیونکہ یہ عام افادے کی چیز ہے اس لئے اسے کرایہ پر لینا صحیح نہیں ہے۔ حفاظت کے خیال سے صرف ضمانت لی جا سکتی ہے۔ باقی تینوں امام کرایہ پر دینے اور لینے کی اجازت دیتے ہیں۔ موقع و محل کے لحاظ سے کسی ایک رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ گائے، بھینس یا بکری کو اس لئے کرایہ پر دینا کہ ان کا دودھ کرایہ دار استعمال کرے، درست نہیں ہے اسی طرح درخت کرایہ پر دینا کہ جب پھل آئیں تو کرایہ دار کھائے، درست نہیں ہے۔ ادھیا پر جانور کرائے پر دینا کہ جب بچے ہوں گے تو آدھے آدھے بانٹ لیں گے یا انڈے برابر برابر تقسیم کر لیں گے۔ یہ سب صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ وجود میں آنے سے پہلے کسی چیز کی نہ تو خرید و فروخت جائز ہے اور نہ کرائے پر دینا، البتہ گائے بکری وغیرہ کی چرائی طے کر کے اُجرت پر دیا جا سکتا ہے۔

کرایہ کا معاملہ ختم کر دینا کسی چیز کو کرایہ پر لینے یا دینے کا معاملہ معاہدے سے طے پاتا ہے۔ اس لئے اُسے بغیر کسی مجبوری یا عذر کے توڑنا نہ چاہئے مثلاً: کرایہ پر دینے کے بعد کوئی دوسرا شخص زیادہ کرایہ پر لینے کے لئے آمادہ ہو جائے تو اصل کرایہ دار کو پریشان کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے۔

۲۔ کہیں جانے کے لئے کرایہ پر رکشا یا موٹر منگائی۔ پھر ارادہ بدل گیا۔ ایسی صورت میں اُسے واپس کر سکتے ہیں لیکن اگر رکشا والے کا وقت ضائع ہوا ہے یا موٹر کئی میل سے چل کر آئی ہے تو وقت کی اُجرت اور پیٹرول کی قیمت دینا چاہئے۔

۳۔ کرایہ دار یا مالک میں سے کوئی مر جائے تو کرایہ کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ وارثوں کو نیا معاہدہ کرنا ہوگا۔

۴ پیشگی کرایہ اس شرط پر لینا جائز نہیں کہ اگر کرایہ پر نہ لیا تو وہ پیشگی رقم ضبط کر لی جائے گی۔ یہ مالک کی طرف سے زیادتی ہے۔ اسلامی حکومت میں یہ بھی جائز نہیں ہوگا کہ ریل کا ٹکٹ خرید لینے کے بعد اگر اُس کی واپسی کی جائے تو اس کی قیمت کم لوٹائی جائے۔

کرایہ کے بعض ضروری مسائل (۱) مدت کرایہ داری ختم ہونے کے بعد مالک کو خود اس چیز کو قبضے میں لے لینا چاہئے جو کرایہ پر دی تھی۔ کرایہ دار پر حوالگی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ (۲) واپس لیتے وقت جو کچھ اُس پر خرچ ہوگا وہ مالک کو دینا ہوگا، برخلاف کرایہ پر دیتے وقت پہنچانے کا خرچ جس کا بار لینے والے پر ہے۔

۳۔ مکان یا دکان کرایہ پر لی لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس میں کون رہے گا، تو یہ جائز ہے۔

۴۔ جو مکان یا دکان کرایہ پر دینا طے ہو جائے، اُسے فوراً کرایہ دار کے حوالے کر دینا چاہئے۔

۵۔ مکان یا دکان میں ایسا کوئی کام نہ کیا جائے گا جس سے اس میں خرابی یا کمزوری آنے کا احتمال ہو مثلاً اگر کرایہ دار نے مکان میں آٹا پیسنے کی چکی لگائی یا دکان میں بھٹی لگائی۔ دونوں کاموں سے مکان اور دکان کے خراب اور کمزور ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے ایسے کاموں کے لئے دوبارہ اجازت لینا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر مکان میں جانور رکھنا ضروری ہو تو اگر وہاں عام رواج ہو تو رکھا جا سکتا ہے، ورنہ اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۶۔ کرائے کی مکان کی درستی، مرمت، راستے کی آسانی وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن کی ذمہ داری مالکِ مکان پر آتی تھی، انھیں پورا کرنا ضروری ہے لیکن اگر کرایہ دار نے مکان کو مرمت طلب اور نادرست حالت میں پایا

پھر بھی وہ اس میں رہنے پر راضی ہو گیا تو وہ مالک کو مرمت کرانے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا لیکن اگر کرائے پر لیتے وقت اچھی حالت میں تھا، اب خراب ہو گیا یا مالک نے کرایہ پر دیتے وقت کہا تھا کہ میں مرمت کرادوں گا تو دونوں صورتوں میں اسے مرمت کرانا ہوگی۔

۷۔ اگر کرایہ دار مکان میں اپنی آسانی کے لئے کوئی چیز بنوائے تو اگر مالک مکان کی اجازت سے وہ یہ کام کرتا ہے تو اس کا خرچ مالکِ مکان سے لے سکتا ہے ورنہ اس کے تمام مصارف کرایہ دار کو برداشت کرنا پڑیں گے۔

۸۔ اگر کرایہ دار کرائے کی زمین میں کوئی درخت لگائے یا کوئی چیز اپنے خرچ سے بنوائے تو مکان کو چھوڑتے وقت مالک درخت کو کٹوا اور بنی ہوئی چیز کو ڈھوا سکتا ہے اور اس کو قیمت دیکر خرید بھی سکتا ہے مگر کرایہ دار مالک کو قیمت دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

۹۔ مکان کرایہ پر لینے کے بعد اس کی صفائی اور کوڑا کرکٹ پھینکنے کی ذمہ داری مالک مکان پر نہیں رہے گی۔

۱۰۔ اگر کرایہ دار مکان کو خراب یا بہت گندہ کر دے تو مالک مکان کو اسے الگ کر دینے کا اختیار ہے۔

۱۱۔ اگر ایسی چیز جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے مثلاً فرنیچر، برتن یا کپڑا وغیرہ کرایہ پر لائی جائے لیکن استعمال نہ کی جائے تو جتنے دنوں وہ کرایہ دار کے پاس رہے گی اس کا کرایہ دینا ہوگا لیکن اگر کرایہ کا معاملہ طے ہو گیا اور چیز لائی نہیں گئی تھی کہ اس کی ضرورت ختم ہو گئی۔ اس صورت میں کرایہ تو نہیں دینا پڑیگا، لیکن فوراً اطلاع دینا ضروری ہے۔

(۱۲) اگر کرایہ دار نے خاص اپنے استعمال کے لئے چیز کرایہ پر لی ہے تو کسی دوسرے کو کرایہ پر یا عاریتہً دینا صحیح نہیں۔

۱۳۔ اگر کوئی سواری اس شرط پر طے کی کہ فلاں مقام تک پہنچادے۔ اب اگر راستے میں وہ خراب ہو جائے یا بگڑ جائے تو مالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مقام تک پہنچائے جس کا وعدہ کر لیا ہے۔ اگر اس کی درستی میں دیر ہو رہی ہے اور سوار ہونے والے انتظار نہیں کر سکتے ہوں تو جتنی مسافت وہ طے کر چکے ہوں، اس کا کرایہ ادا کرنے کے بعد دوسری سواری سے جا سکتے ہیں اور اگر پورا کرایہ وہ ادا کر چکے ہیں تو باقی ماندہ مسافت کا کرایہ واپس لے کر دوسری سواری سے جا سکتے ہیں۔ اسلامی شریعت کی رو سے یہی طریقہ صحیح ہے۔

۱۴۔ جس جگہ کا ٹکٹ لیا ہے یا جس جگہ کے لئے سواری طے کی ہے، اگر اس سے زیادہ جائے گا تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۱۵۔ اگر کسی شہر میں دو یا دو سے زیادہ اسٹیشن ہوں تو ایک کی تعیین ضروری ہے کیونکہ اگر پہلے اسٹیشن کا ٹکٹ لیا ہے اور بعد والے اسٹیشن پر اترا تو تاوان اس کرایہ کے بقدر دینا ہوگا جو پہلے اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن تک کا ہے۔ مزید جرمانہ ازروئے شریعت غلط ہے۔

ریل اور دوسری سواریوں کے احکام

کفالت کے بیان میں ذکر آچکا ہے کہ ریلوے اور جہاز راں کمپنیاں جس کو جہاں تک کا ٹکٹ دے دیتی ہیں وہ اُسے بحفاظت وہاں تک پہنچانے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی سامان بک کرایا ہے تو اُسے لے جانے اور جب تک وہ اس اسٹیشن تک نہیں پہنچ جاتا، اس کے ٹوٹ پھوٹ اور نقصان کی بھی ذمہ دار ہوتی ہیں کیونکہ ان کی حیثیت کفیل باجرت کی ہوتی ہے، اس لئے جن شرائط پر اجرت دی جاتی ہے وہ پوری کرنا پڑتی ہیں، بعض، باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر کیا جاتے یا نہ کیا جاتے محکمہ پر ذمہ داری ہوتی ہے۔ ریلوے سے مال جہاں بھیجا جاتا ہے وہاں کے ریلوے اسٹیشن پر مال اتارنے کی ذمہ داری محکمہ ریل کی ہوگی۔ اسی طرح بعض ذمہ داریاں مال کے مالک کی ہوا کرتی ہیں خواہ ان کا ذکر کیا جائے یا نہ کیا جائے مثلاً جانور (گائے، بھینس، بکری اور مرغی وغیرہ) کو کھلانے پلانے کی ذمہ داری جب وہ ریل یا جہاز پر ہوں یا مچھلی اور انڈوں کو سرد رکھنے کا انتظام مالک کی ذمہ داری ہے اور ریلوے یا جہاز راں کمپنی پر نہیں ہے۔ غرض مال کو حفاظت و سلامتی کے ساتھ پہنچانا محکمۂ ریل کا فرض ہے اور مال کی بقا کی ذمہ داری مالک پر ہے۔

۲۔ جس قسم کا اور جس قدر سامان لے جانے کی اجازت محکمہ ریل نے دی ہو، اس کے خلاف یا اس مقدار سے زیادہ لے جانا درست نہیں ہے۔ چوری سے مال زیادہ لادنا خواہ وہ مال گاڑی کا ڈبہ ہو، یا ٹرک یا ٹھیلا ناجائز ہے

اجیروں کی قسمیں

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا، اجرت تین طرح سے ادا کی جاتی ہے یا لی جاتی ہے، ایک کرایہ کے ذریعے جس کا بیان ہوچکا، اب باقی دو قسموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دوسروں کا کام کرکے روزی کمانے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنا کام تلاش کرتے

دوسروں کے پاس جاتے ہیں۔ مثلاً مزدور، گھریلو ملازم، دفتر یا کارخانے کے کلرک، جب انھیں کام ملتا ہے تو اُسے پورا کر کے کام لینے والے سے اپنی محنت کی مزدوری وصول کرتے ہیں۔ دوسرے وہ پیشہ ور لوگ جو کوئی ہنر جانتے ہیں، ایسے لوگ خود کسی کے پاس نہیں جاتے اور نہ کسی خاص آدمی کے ملازم ہوتے ہیں بلکہ دوسرے لوگ ان کے پاس اپنی ضرورت پوری کرانے کے لئے آتے ہیں۔ جیسے گھڑی ساز، موچی، درزی، لوہار، سنار رنگریز یا انھیں بلا کر اپنی ضرورت پوری کراتے ہیں۔ مثلاً بجلی، حجام، بھشتی، دھوبی، مہتر وغیرہ پہلی قسم کے لوگوں کو اجیر خاص اور دوسری قسم کے لوگوں کو اجیر مشترک کہا جاتا ہے۔

اجیر مشترک

۱۔ اجیر مشترک کی حیثیت امین کی ہوتی ہے۔ یعنی جو چیزیں بنانے، درست کرنے، دھونے یا رنگنے کے لئے دی جاتی ہیں وہ بطور امانت اجیر کے پاس ہوتی ہیں اور یہ امانت "امانت باضمانت" ہوتی ہے۔ یعنی وہ امانت کی حفاظت کے لئے اجرت لیتا ہے۔ اس کی ذمہ داری اس حیثیت سے بھی اہم ہے کہ وہ کسی ایک آدمی کی چیزوں کا امین نہیں ہوتا بلکہ بہت سے لوگوں کی چیزیں اس کے قبضے میں ہوتی ہیں، اگر اُسے ذمہ دار قرار نہ دیا جائے تو پھر بددیانتی کر کے بہت سے لوگوں کی چیزیں ہڑپ کر سکتا ہے۔

(۲) چونکہ وہ امین ہونے کے ساتھ ضامن بھی ہوتا ہے، اس لئے اگر اس کی غفلت سے کوئی چیز گم ہوگئی یا خراب ہوگئی تو اس کا تاوان لیا جائے گا، مثلاً دھوبی نے کپڑا گم کر دیا یا کپڑا پھاڑ لایا، یا گدھے نے چبا ڈالا۔ سنار نے زیور گم کر دیا یا جو چیز مرمت کے لئے دی گئی اس میں زیادہ خرابی پیدا کر دی۔ درزی کو کپڑا سینے کے لئے دیا گیا، اس نے اتنا چھوٹا سی دیا کہ پہننے میں تکلیف ہوئی، رنگریز نے سبز کے بجائے زرد رنگ دیا تو ان تمام صورتوں میں تاوان لیا جا سکتا ہے، جس کی چیز خراب ہوئی ہے اسے قانونی طور پر تاوان لینے کا حق ہے، اب اگر وہ تاوان نہ لے تو یہ اس کا احسان ہوگا البتہ اگر کوئی ناگہانی آفت آگئی اور کوئی چیز اجیر مشترک کے پاس سے گم یا ضائع ہوگئی، تو تاوان لینا درست نہیں ہے مثلاً گھر گر پڑا یا آگ لگ گئی یا چوری ہوگئی تو ان صورتوں میں تاوان لینا درست نہ ہوگا، لیکن اگر یہ ثبوت مل جائے کہ وہ چیز گم یا ضائع نہیں ہوئی ہے تو پھر چیز کا مالک مطالبہ کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر دھوبی کے گھر سے کپڑے کی ایک لادی چوری ہوگئی تو نہیں سمجھا جائے گا کہ ہر گاہک کا کپڑا چوری ہوگیا۔ دھوبی کو یہ ثبوت دینا ہوگا کہ کس گاہک کا کیا کیا کپڑا

چوری ہوا ہے ورنہ تاوان لیا جائے گا البتہ اگر گھر کا پورا اثاثہ چوری ہونا ثابت ہو جائے تو کوئی گاہک تاوان نہیں لے سکتا۔

بعض اور شرطیں

۱۔ کام دینے والے اور کام لینے والے دونوں کا عاقل اور سمجھ دار ہونا ضروری ہے، ناسمجھ بچّے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ اجیر اور مستاجر دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔

۳۔ جو کام کرانا ہے اُس کی پوری تفصیل بتانا ضروری ہے مثلاً کوئی زیور بنوانا ہے تو وضع اور وزن کے بارے میں پوری تفصیل سنار کو بتا دی جائے۔ جوتا بنوانا ہے تو پیر کی ناپ اور اُس کی بناوٹ (شو، پمپ یا نیوکٹ وغیرہ) بتا دی جائے۔

۴۔ چیز کی قیمت اور یہ کہ وہ نقد ادا ہوگی یا اُدھار پہلے سے طے کر لینا چاہیئے۔

اجیر مشترک کی اُجرت اور دوسرے مسائل

۱۔ اجیر مشترک اپنا کام پورا کر لینے پر اجرت کا مستحق ہوتا ہے اس سے پہلے نہیں۔ جب تک گھڑی ساز گھڑی کو ٹھیک نہ کر دے، موچی جوتہ تیار نہ کر دے، درزی کپڑا سی نہ دے اور دھوبی کپڑا دھو نہ دے وہ قانوناً اُجرت نہیں مانگ سکتا لیکن اگر آپ دیدیں تو آپ کو اس کی اجازت ہے۔

۲۔ ماہوار تنخواہ پر کام کرنے والا اجیر مہینہ پورا ہونے سے پہلے اُجرت نہیں مانگ سکتا۔

۳۔ پیشہ ور اجیر کچھ رقم پیشگی اس شرط پر لے لیتے ہیں کہ اگر آپ وہ چیز نہ لیں گے تو وہ رقم واپس نہ ہوگی۔ یہ ناجائز ہے (صرف امام احمد بن حنبلؒ اس کو جائز کہتے ہیں)

۴۔ اجیر مشترک اگر کوئی وقت مقرر کر دے کہ میں یہ چیز فلاں وقت دوں گا تو اخلاقاً اسے اپنے وعدے کو ایفا کرنا چاہیئے لیکن قانوناً وہ کام کا پابند ہے وقت کا نہیں۔ البتہ اگر اس نے جلدی دینے کے وعدے پر کچھ اُجرت زیادہ لی ہے تو اُسے وقت پر دینا ضروری ہوگا۔

۵۔ اجیر مشترک کو جب تک اپنے کام کی مزدوری یا اُجرت نہ مل جائے وہ اُس چیز کو اپنے پاس روک سکتا ہے، اس روکنے کی مدت میں اگر مال ضایع یا خراب ہو جائے تو اس کی ذمہ داری اجیر پر نہیں ہے، کیونکہ یہ مستاجر کی غلطی ہے کہ اُس نے اُجرت نہیں دی اور اس لئے اجیر مال کو روکنے پر

مجبور ہوا۔ یہ مسلک امام مالکؒ کا ہے مگر امام ابوحنیفہؒ اس کی دو قسمیں کرتے ہیں: ایک وہ پیشہ ور جن کا کام اصل چیز میں تبدیلی کرنا ہے جیسے درزی جو کپڑے کو کاٹ کر سیتا ہے، رنگریز جو کپڑے کو رنگ کر اُس کی صورت بدل دیتا ہے اور دھوبی جو میلے کپڑے کو اُجلا کر دیتا ہے تو ایسے لوگوں کو یہ حق ہے کہ جب تک اُجرت نہ مل جائے وہ چیز مالک کے حوالے نہ کریں، دوسری قسم اُن پیشہ وروں کی ہے جن کے کام سے اصل چیز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جیسے سامان ڈھونے والے قلی، ملاح، ریل اور جہاز چلانے والی کمپنیاں۔ موٹر، تانگے اور رکشا چلانے والے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کو یہ حق نہیں ہے کہ اُجرت ملنے تک اُس مال کو روک لیں جسے انھوں نے پہنچایا ہے۔ موجودہ زمانے میں اگر یہ حکم دیا جائے کہ اجرت ادا ہونے تک مال کو روک نہ رکھا جائے تو لوگ قلیوں اور سامان لے جانے والی دوسری سواریوں کی مزدوری قصداً ہڑپ کرنے لگیں گے اور خود غرض تاجروں کو بھی یہ خطرہ نہیں ہوگا کہ اُن کا مال اجرت ادا نہ ہونے کی وجہ سے روک لیا جائے گا لہٰذا وہ اپنا مال لے کر نکل جانے کے بعد اُجرت ادا کرنے کی فکر بھی نہیں کریں گے، اس لئے امام مالک اور دوسرے ائمہ کا مسلک ہی زیادہ مناسب ہے، صاحبین نے بھی اسی کو اختیار ہے۔

اجیرِ مشترک اجیرِ خاص بھی ہو جاتا ہے

اجیرِ مشترک اُسی کو کہتے ہیں جو کسی ایک آدمی کا کام نہیں کرتا لیکن اگر اس کو کوئی ایک شخص کچھ دیر یا کچھ دن کے لئے اپنے کام پر لگا لے کہ اس عرصے میں دوسرا کوئی کام نہ کرو تو وہ اجیرِ خاص ہو جائے گا، اب اس پورے وقت میں وہ دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتا۔ مثلاً کسی بڑھئی کو دن بھر کے لئے اپنے یہاں رکھا یا کسی سنار، درزی یا کسی اور پیشہ ور کو کچھ دن گھر پر بلا کر کام لیا تو وہ اُس پورے وقت میں اجیرِ خاص ہوگا، اسی طرح ایک یا دو گھنٹے کے لئے رکشا یا موٹر کسی متعین جگہ تک جانے اور آنے کے لئے مخصوص کر لی یا ریل کی کوئی سیٹ ریزرو کرا لی تو آپ کو حق ہے کہ اتنی دیر تک کسی اور کو سوار نہ ہونے دیں۔ (المجلہ ص ۶۲)

چند اصطلاحیں

فقہ کی کتابوں میں جو اصطلاحیں کتاب الاجارہ میں استعمال ہوئی ہیں اُن کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ اُجرت کے بارے میں اسلامی شریعت

کی ہدایات اور اُجرت پر کام کرنے والوں کے مسائل کو بخوبی سمجھا جا سکے۔

۱۔ اُجرت ۔ جو چیز محنت کے بدلے میں دی جائے (۲) اجیر۔ محنت کرنے والا (۳) مستاجر یا آجر۔ کام لینے والا (۴) اُجرت مثل۔ وہ اُجرت جو حکومت کسی کام کی مقرر کرے۔ ان اصطلاحوں کو ہم اپنی روزمرہ کی زبان میں جس طرح ادا کرتے ہیں اُنھیں بھی دھیان میں رکھنا چاہیئے۔

(۱) اُجرت کے لئے لفظ مزدوری اور (۲) اجیر کے لئے لفظ مزدور عام طور پر بولا جاتا ہے۔

(۳) مستاجر یا آجر کے لئے اُن کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے نام لئے جاتے ہیں مثلاً کارخانہ دار، فیکٹری کا مالک، ٹھیکیدار اور اگر حکومت خود اپنے کسی افسر کے ذریعہ اجیروں سے کام لے تو اُسے سرکار کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے (۴) "اجرت مثل" کے لئے وہ مزدوری جو ملک کے عام کارخانوں میں مزدوروں کو کسی کام کے بدلے دی جاتی ہو سمجھی جاتی ہے۔

اسلامی شریعت کی ہدایات جب شروع شروع میں مدوّن ہوئیں تو اُس وقت ایک طبقہ غلاموں کا بھی موجود تھا جس سے ذاتی ملازمت اور محنت مزدوری کا کام لیا جاتا تھا اس لئے اُن کے سلسلے میں جو احکام اسلامی شریعت نے دیئے ہیں اُن احکام کا موجودہ زمانے کے ذاتی ملازموں، اجیروں، مزدوروں اور تمام محنت کش افراد پر اطلاق ہوگا۔

یہ اسلامی ہدایات کی برکت ہی تھی جس پر عمل کرنے سے غلاموں کی تعداد بہ تدریج گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ اب اِس بدترین پسماندہ طبقے کا وجود ہی باقی نہ رہا۔ گو اب غلاموں کے مسائل نہیں ہیں لیکن دنیا کی آبادی اگر ڈھائی ارب ہے تو اس میں ایک ارب آبادی مزدوروں اور محنت کشوں کی ہے۔ ہندوستان میں ایک طبقہ ہریجنوں کا ہے جن کو اونچے طبقے کے ہندوستانی اپنا غلام سمجھتے اور معاشی و معاشرتی حقوق میں بھی اپنے برابر لانا گوارا نہیں کرتے ہیں لہٰذا آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ایک طبقہ موجود ہے جس کو معاشی و معاشرتی حیثیت سے اطمینان حاصل نہیں ہے، کہیں وہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں پس رہا ہے کہیں حکومت اور اونچے طبقے کی اجارہ داری نے اُسے اپنے چنگل میں لے رکھا ہے۔

مزدوروں کے مسائل اور اسلامی شریعت

محنت کش طبقے کی معاشی اور معاشرتی الجھنوں کا حل اسلامی شریعت کی

اخلاقی ہدایتوں اور قانونی بندشوں میں موجود ہے اگر ان پر عمل کیا جائے تو نہ معاشی مشکلات باقی رہیں گی اور نہ کوئی معاشرہ ظلم و تشدد کی راہ اختیار کر سکے گا۔

اُجرت کے معاملے میں اسلامی شریعت نے اخلاقی اور قانونی دونوں طرح کی ہدایتیں دی ہیں۔

اُجرت کے بارے میں قرآنی ہدایات

قرآن میں دودھ پلانے والی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر تم کسی غیر عورت سے اپنے بچے کو دودھ پلواتے ہو تو چونکہ وہ اپنے جسم کا خون صرف کر کے تمہارے بچے کو دودھ پلاتی اور اُس کی پرورش کرتی ہے اس لئے تمہارا بھی فرض ہے کہ اپنی کمائی میں سے اُس کی ضروریات زندگی پر خرچ کرو۔ دونوں کو ایک دوسرے کی تکلیف کا خیال ہونا چاہئیے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا

(بقرہ- آیت ۲۳۳)

جس کا بچہ ہے اُس کے اوپر معروف (یعنی زمانے کے دستور) کے مطابق دودھ پلانے والیوں کا کھانا کپڑا ہے کسی شخص پر اُس کی بساط سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔

لفظ معروف اور تکلیف کی تشریح آگے آرہی ہے جہاں اجرت کو معاہدہ قرار دینے کا فائدہ بتایا گیا ہے، قرآن نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کا واقعہ بیان کیا ہے جس میں حضرت شعیبؑ مستاجر اور حضرت موسیٰ اجیر ہیں۔ حضرت موسیٰ نبوت سے پہلے مدین کی طرف گزرے تو راستے میں ایک کنویں پر چرواہوں کی بھیڑ نظر آئی، اُنھوں نے دیکھا کہ وہاں دو لڑکیاں اپنے جانور لئے الگ کھڑی ہیں، حضرت موسیٰ کو ان پر رحم آیا اور حال دریافت کیا، انھوں نے بتایا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہو چکے ہیں وہ یہاں نہیں آسکتے، یہ چرواہے جب اپنے جانوروں کو پانی پلا چکیں گے تب ہم پانی بھریں گے اور اپنے جانوروں کو پلائیں گے۔ حضرت موسیٰؑ آگے بڑھے اور ڈول کھینچ کر اُن کے جانوروں کو پانی پلایا، یہ لڑکیاں حضرت شعیبؑ کی تھیں، جانور لے کر جب گھر آئیں تب اس واقعہ کا ذکر اپنے والد سے کیا۔ حضرت شعیبؑ نبی تھے وہ کسی کی محنت خواہ وہ رضاکارانہ ہی کیوں نہ ہو ضائع کرنا گوارا نہ کر سکے اس لئے اُن کو بلوانے کے لئے ایک لڑکی کو بھیجا تاکہ احسان کا

بدلہ احسان سے دیں، چنانچہ حضرت موسیٰؑ آئے اور حضرت شعیبؑ نے نہایت شفقت سے اُن کا حال سنا۔ اثنائے گفتگو میں لڑکیوں نے کہا: اباجان! ان سے زیادہ قوی اور امین آدمی نہیں مل سکتا، اس لئے آپ ان کو مستقل طور پر اجیر رکھ لیجئے۔ امین کا لفظ خاص طور پر حضرت موسیٰ کی عفت و پاکبازی پر دلالت کرتا ہے جسے ان لڑکیوں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا دونوں صفتیں وہ ہیں جن کی بنا پر اجیر کی اُجرت بڑھائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت شعیبؑ نے بحیثیت مستاجر حضرت موسیٰ سے اُجرت کا معاملہ طے کیا جسے انھوں نے منظور کر لیا۔ حضرت شعیبؑ نے معاملہ کرتے وقت یہ بات واضح کر دی کہ:

وَمَآ أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِىٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٢٧﴾ (القصص ۲۷)

میں تم پر کوئی زیادتی کرنا نہیں چاہتا انشاء اللہ تم مجھے خوش معاملہ پاؤ گے۔

چونکہ معاہدے میں دونوں فریق اپنی رضامندی اور شرائط پیش کرنے کا حق رکھتے ہیں اس لئے حضرت موسیٰؑ نے جواب میں کہا کہ:

قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِى وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا ٱلْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَٰنَ عَلَىَّ ۖ وَٱللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٢٨﴾

(القصص ۲۸)

یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی ہے کہ دونوں مدتوں میں سے جسے بھی میں پورا کر لوں گا اس کے بعد مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور جو کچھ ہم طے کر رہے اس پر خدا گواہ ہے۔

آخری فقرے کا مقصد یہ ہے کہ ظلم و زیادتی سے باز رہنے اور معاہدہ پر قائم رہنے کے لئے محض منفعت ہی مدنظر نہ ہو بلکہ یہ تصور بھی ہو کہ یہ معاملہ خدا کے سامنے طے ہو رہا ہے جو ہر ڈھکی کھلی بات کا جاننے والا ہے۔

اس سیاق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی ملاحظہ ہوں۔ سب سے پہلے آپؐ نے یہ بتانے کے لئے کہ محنت مزدوری کوئی گری پڑی چیز نہیں۔ فرمایا کہ تمام انبیاءؑ نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا "یارسول اللہ! آپ نے بھی؟" فرمایا "ہاں میں بھی چند قیراط پر اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا" (بخاری)

مزدوروں کو اُجرت دینے کا حکم آپؐ نے ان الفاظ میں دیا ہے" اَعْطُوا الْاَجِيْرَ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ" (اجیر کو اُس کا پسینہ خشک سے پہلے اجرت دیدو) (ابن ماجہ)

اگر کسی نے مزدوری نہ دی یا کم دی یا ٹال مٹول کی اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جن تین آدمیوں کے خلاف میں مدعی ہوں گا ان میں سے

رَجُلٌ اِسْتَاْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهٖ اَجْرَهٗ (بخاری) — ایک وہ شخص ہے جو کسی کو مزدوری پر رکھے اور اس سے پورا کام لے مگر مزدوری پوری نہ دے۔

مزدوری پوری نہ دینے کا مطلب صرف مزدوری کا نہ دینا نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ جتنی مزدوری اس کام کی اُسے ملنا چاہیئے وہ نہ دی جائے اور اُس کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر کم اُجرت پر کام کرالیا جائے، شارحین حدیث اس کی تشریح میں فرماتے ہیں "ولم یعطہ اجرہ وافیاً" (اور اس کو پوری اجرت نہ دی) غلاموں کے تعلق سے جو حدیثیں ہیں اور اُن میں جو احکام مذکور ہیں اُن کا اطلاق موجودہ زمانے کے ذاتی ملازموں، اجیروں اور محنت کش مزدوروں پر ہوتا ہے، ایک بار حضرت ابوذرؓ نے کسی غلام پر سختی کی، آپؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا "هُمْ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اَخَاهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفُهٗ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهٗ فَاِنْ كَلَّفَهٗ مَا يَغْلِبُهٗ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ" (یہ تمہارے بھائی ہیں جن کو خدا نے تمہارا ماتحت بنایا ہے تو جس کا بھائی اُس کے ماتحت ہو جائے اُس کو اُسے وہی کھلانا چاہیئے جو خود کھاتا ہے، وہی پہنانا چاہیئے جو خود پہنتا ہے اور اُس سے ایسا کام نہ لینا چاہیئے کہ وہ تھک کر چور ہو جائے، اگر زیادہ محنت کا کام لینا پڑ جائے تو اُس کام میں اس کی اعانت کرنا چاہیئے) (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے کئی باتوں کا حکم ملتا ہے:

۱۔ یہ کہ ملازموں اور مزدوروں کو اپنا بھائی سمجھو۔

۲۔ اُس کو اتنی مزدوری دو کہ جو معیار زندگی تمہارا ہے وہی وہ بھی قائم رکھ سکے۔

۳۔ ان پر طاقت سے زیادہ کام کرنے کا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ تھک کر چور ہو جائیں اور صحت خراب

ہو جائے۔

ائمۂ حدیث نے حکم نمبر ۲ کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر مالک اپنے بخل کی وجہ سے خود موٹا جھوٹا کھاتا اور پہنتا ہے تو اُسے یہ حق نہیں کہ اپنے ملازموں اور اجیروں کو ایسا کرنے پر مجبور کرے۔ (مرقاۃ) اور حکم نمبر ۳ میں خود یہ صراحت موجود ہے کہ اگر کبھی زیادہ کام لینے کی ضرورت پیش آجائے تو عملاً اُس کا ہاتھ بٹایا جائے۔

آپؐ نے فرمایا "آدمی کے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ جس کی روزی اُس کے ذمہ ہو وہ اُسے روک لے یا ضائع کردے" (مسلم) ظاہر ہے کہ مزدور کی زندگی کا مدار اس کی پیشہ ورانہ کمائی پر ہوتا ہے اس لئے اگر اُس کو اُس کی ضرورت سے کم مزدوری دی گئی تو گویا اس کی مزدوری روک لی یا ضائع کردی۔

آپؐ نے فرمایا "اپنے ماتحتوں سے بدخلقی سے پیش آنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا" (ترمذی) آپؐ نے فرمایا "وَ اَکْرِمُوْھُمْ کَکَرَامَۃِ اَوْلَادِکُمْ وَ اَطْعِمُوْھُمْ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ" (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ) یعنی "اُن کی دیکھ بھال اس طرح کرو جیسے اپنی اولاد کی کرتے ہو اور جو تم کھاؤ اسی میں سے اُن کو بھی کھلاؤ"

ایک صحابی نے پوچھا "اگر ملازم غلطی کرتا رہے تو کتنی بار اُس کو معاف کیا جائے؟" آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُنھوں نے دوبارہ پوچھا پھر بھی آپؐ خاموش رہے۔ جب تیسری بار پوچھا تو فرمایا "کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً" (ابوداؤد) یعنی اگر روزانہ ستر بار بھی غلطی کرے تو معاف کردو۔

آپؐ کو اِس مظلوم طبقے کا اتنا خیال تھا کہ مرض وفات میں جو آخری نصیحتیں فرمائیں اُن میں سے ایک یہ تھی "اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" (ابوداؤد، مسند احمد) (یعنی نماز اور اپنے ماتحتوں کا خیال ضرور رکھنا) ان ارشادات نبوی کے تحت ائمۂ حدیث نے صرف غلاموں ملازموں اور مزدوروں کو ہی نہیں بلکہ محنت کش جانوروں کو بھی شمار کیا ہے جن کے قانونی حقوق کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اجرت کا معاملہ مستاجر اور اجیر کے حقوق

قرآن وحدیث کی ہدایات کی روشنی میں فقہاء نے مسئلۂ اجرت کی قانونی حیثیت اور مستاجر اور اجیر کے اختیارات وحقوق کی تعیین کر دی ہے جس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

اُجرت ایک معاہدہ کام لینے اور اُس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے جو معاملہ اجیر ومستاجر یا مزدور اور مالک کے درمیان طے پاتا ہے اُسے شریعت اسلامی معاہدہ قرار دیتی ہے جس طرح خرید وفروخت کا معاملہ بھی ایک معاہدے کی صورت میں طے پاتا ہے۔ یہاں اجیر اپنی محنت پیش کرتا ہے اور آجر اس کا معاوضہ، اُجرت یا مزدوری کے نام سے دینے کا وعدہ کرتا ہے، دونوں اُس پر رضامندی ظاہر کرتے ہیں جس طرح بیع وشراء میں بائع مال دیتا ہے اور مشتری اُس کی قیمت ادا کرتا ہے۔ کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا۔ دونوں کی حیثیت برابر ہوتی ہے بالکل اسی طرح اجیر ومستاجر کی حیثیت بھی برابر کی ہوتی ہے کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا ہے اس لئے نہ تو اجیر یا مزدور کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی محنت ہی کو اصل چیز سمجھ کر مستاجر کو پریشان کرے اور نہ مستاجر کو یہ حق ہے کہ وہ سرمایہ کو اصل چیز سمجھ کر اجیر کو پریشان کرے یا حق تلفی کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور وہی معاملہ کریں جو ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ کرتا ہے۔

معاہدے کا فائدہ اُجرت کے معاملے کو معاہدہ قرار دینے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ معاشی اعتبار سے دونوں کا درجہ مساوی کر کے معاشرے میں مزدور پیشہ طبقے کو اوپر اُٹھایا جاسکے اور معاشرتی اعتبار سے اجیر کا مرتبہ وہی ہوجائے جو ایک مستاجر کا ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دونوں فریق معاملہ کرتے وقت ایک دوسرے کی ضرورت اور معاشی حالت کا پورا خیال رکھیں صرف اپنی غرض کے بندے نہ بنیں، اگر کوئی فریق زیادتی کریگا

تو حکومت مداخلت کرے گی، قرآن میں اُجرت کو ایک بنیادی شرط "معروف" کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، معروف کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو اجرت اتنی زیادہ ہو کہ اُجرت دینے والے کی قدرت سے باہر ہو اور نہ اتنی کم ہو کہ اُجرت پانے والے کی ضروریات پوری نہ ہو سکیں۔ یہ آیت ہم قرآنی ہدایات کے ذکر میں پہلے بیان کر چکے ہیں،

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ۔ ۲۳۳)

اور بچے والے پر قاعدے اور دستور کے مطابق اُن کا کھانا کپڑا ہے۔ کسی جان پر اُس کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔

حدیث میں "ھُمْ اخوانکم" (یہ تمہارے بھائی ہیں) اور "اکرموھم کرامۃ اولادکم" (ان سے تم اپنے لڑکوں کی طرح سلوک کرو) کے الفاظ نقل کئے جا چکے جس سے واضح ہے کہ اجیروں پر طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ وہ عمل ہونا چاہئے جو ایک بھائی کا بھائی سے اور باپ کا اولاد سے ہوتا ہے اور یہی جذبہ اُجرت طلب کرنے میں اجیر کا ہونا چاہئے۔ محض فائدہ اور خود غرضی دونوں میں رابطہ رکھنے اور اس کے ختم ہونے کا سبب نہ ہو۔

قرآن میں جو لفظِ معروف آیا ہے اس کی تشریح امام ابوبکر جصاص نے اس طرح کی ہے، کھانے، کپڑے کی تعیین مرد کی حالت کے پیشِ نظر ہو گی، اگر وہ خوش حال ہے تو حیثیت کے مطابق دودھ پلانے والی کو کھانا کپڑا دینا چاہیے اور اگر غریب ہے تو اسی اعتبار سے اجرت ادا کرنا چاہیئے۔ "لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا" کی تشریح یوں کی ہے۔ کہ اگر عورت زیادہ اُجرت مانگے تو اجرتِ مثل (یعنی جس اجرت پر عام طور پر دوسری عورتیں دودھ پلایا کرتی ہیں، اس) سے زیادہ نہیں دی جائے گی اور اگر بچے کا باپ اجرتِ مثل، سے کم اجرت دے تو اُسے پوری اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُجرت کے معاملے میں حکومت کو دخل دینے کا پورا حق ہے، اگر ایسا نہ ہو تو اجرتِ مثل یا معروف اجرت کی تعیین کون کرے گا اور تعیین کے بعد اگر کوئی زیادتی ہو تو اُسے دور کرنے کا اختیار کس کو ہو گا۔

معروف یا اجرتِ مثل کا تعین کرتے وقت حکومت مزدوروں کی ضرورت کے ساتھ متاجروں کے مالی فائدوں کو بھی دیکھ سکتی ہے، اگر ایک مِل مالک کو سال میں ایک لاکھ کا فائدہ ہوتا ہے، اور وہ پچاس ہزار اُجرت میں تقسیم کرتا ہے، اگر مزدور مطمئن نہیں ہوتے یا ان کی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں تو مزدور مزید اُجرت

کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور اگر وہ نہ دے تو حکومت مداخلت کرکے اجرتیں بڑھوا سکتی ہے کیونکہ جو اُجرت وہ دے رہا ہے وہ معروف سے کم ہے اور بھائی چارے کی اسپرٹ کے خلاف ہے کہ ایک بھائی عیش و آرام کرے اور اس کے دوسرے بھائی جن کی محنت سے اس کو عیش و آرام حاصل ہوا، وہ اپنی بنیادی ضرورتوں کو بھی پورا نہ کر سکیں۔ ارشادِ نبوی میں دونوں کو بھائی قرار دیا گیا ہے۔

(۳) معاہدے کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جس طرح خریدار کو یہ حق ہوتا ہے کہ چیز کو اچھی طرح دیکھ بھال اور غور و فکر کرکے لے اور بائع بھی سوچ سمجھ کر قیمت کا فیصلہ کرے، اسی طرح اجیر و مستاجر کو حق ہے کہ دونوں اجرت اور محنت کا اندازہ کرکے فیصلہ کریں۔ مثلاً آجر نے اجیر سے کہا کہ اتنے فٹ مٹی فلاں جگہ سے ڈھو کر میرے گھر پہنچانا ہوگی یا میرے کارخانے میں روزانہ آٹھ گھنٹے مشین چلانا ہوگی اور اس قدر اُجرت ملے گی۔ اجیر نے منظور کر لیا۔ مگر جب مٹی کاٹنی شروع کی تو وہ بہت سخت نکلی اور محنت کے اعتبار سے اُجرت کم مقرر ہوئی یا آٹھ گھنٹے روزانہ مشین چلانا طاقت سے زیادہ نکلا اور معلوم ہوا کہ صرف چھ گھنٹے روزانہ ہی مشین چلائی جا سکتی ہے اور اجرت جو مقرر ہوئی تھی وہ چھ گھنٹے کی محنت ہی کی تھی تو اجیر کو مزید اُجرت طلب کرنے کا حق ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس صورت میں اجرتِ معروف یا اجرِ مثل کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

(۴) چوتھا فائدہ معاہدہ کا یہ ہے کہ آجر کو جب معلوم ہو جائے کہ یہ کام اجیر سے نہ ہو سکے گا تو وہ اس سے دوسرا ہلکا کام لے اور اگر کوئی دوسرا کام نہیں ہے تو اس کو علیحدہ کر سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اگر کوئی فریق یہ سمجھے کہ دوسرے فریق کی طرف سے زیادتی ہو رہی ہے تو وہ حکومت سے رجوع کر سکتا ہے۔

(۵) معاہدہ کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ انسانی حیثیت سے آجر اور اجیر بھائی ہیں اس لئے آجر اجیر کو اپنے سے کم درجہ کا انسان تصور نہ کرے یہی بھائی چارے کی ذہنیت اجرت کی ادائگی میں ہونا چاہئے، ارشادِ نبوی بھی یہی ہے کہ تم ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ معاشرتی حیثیت سے بھی سوسائٹی میں برابر کا درجہ دیا جائے گا اپنی قوتِ بازو سے معیشت حاصل کرنے کی بنا پر وہ معاشرتی حقوق سے محروم نہیں ہوگا جن کا ذکر احادیثِ رسول میں کیا گیا ہے مثلاً ان کے ساتھ کھانے میں عار نہ سمجھو، ان کو سلام کرنے میں سبقت کرو، ان کی خوشی و غم میں اسی طرح شریک رہو جس طرح وہ تمہاری خوشی اور غم میں شریک ہوتے ہیں۔

ایک معاہدے کے بعد دوسرا معاہدہ

یہ بتایا جا چکا کہ اجیر و مستاجر معاہدہ کرتے وقت کام اور اجرت کی تعیین سوچ سمجھ کر کرنے کے حق میں برابر ہیں اور یہ حق استعمال کرنے کے بعد ہی معاہدہ کی تکمیل ہوگی لیکن اگر معاہدہ پہلی بار ہو چکنے کے بعد بھی کام یا اُجرت کے بارے میں کوئی اعتراض ہو اور دوسرا

معاہدہ کرنا چاہتے ہوں تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں پہلا معاہدہ فسخ ہو جائے گا۔

معاہدہ کب فسخ ہو سکتا ہے فسخ کرنے کا حق اس وقت پیدا ہو گا جب دونوں میں سے کسی کو ایسا عذر پیش آجائے جس میں مستاجر کام لینے سے اور مزدور کام کرنے سے معذور ہو جاتے

ہدایہ میں ہے:-

وتفسخ الاجارة بالاعذار۔

(اُجرت کا معاملہ عذرات کی بنا پر فسخ کیا جا سکتا ہے)

اسٹرائک ور کارخانہ بندی عذر کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مزدور جب چاہیں کسی بہانے کام کرنا چھوڑ دیں۔ یعنی، اسٹرائک کر دیں۔ یا مالک اور کارخانہ دار جب چاہے اپنا پھاٹک مزدوروں پر بند کر دے۔ عذر کا مطلب یہ ہے کہ معاہدہ کرنے والا، معاہدہ کو ایسا نقصان برداشت کرنے کے بعد ہی پورا کر سکے، جو معاہدے کی اسپرٹ (روح) کے منافی ہو (هو عجز العاقد عن المضی فی موجبه الا بتحمل ضرر لم يستحق به) آگے لکھا ہے، هذا هو معنى العذر (یعنی عذر کے یہی معنی ہیں)

معاہدہ کیسے فسخ ہو؟ اس سوال کا جواب بغیر تفصیل میں گئے ہوئے نہیں دیا جا سکتا۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ معاہدہ کی تنسیخ بغیر قانونی چارہ جوئی کے ممکن نہیں ہے۔ بعض ائمہ کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ بغیر قانونی چارہ جوئی کے ممکن ہے۔ ان دونوں رایوں کے درمیان ایک تیسری راہ بعض فقہاء نے یہ نکالی ہے کہ اگر عذر اس قدر واضح ہو کہ ہر شخص اُسے محسوس کر سکے تو قانونی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر عذر ایسا ہے جسے صرف اجیر اور مستاجر ہی سمجھ سکتے ہیں تو پھر قانونی چارہ جوئی کے بغیر معاہدہ فسخ نہیں کیا جا سکتا مثلاً کوئی آسمانی یا زمینی آفت آ پڑی یا کارخانے میں آگ لگ گئی تو حکومت کو اطلاع دیئے بغیر بھی کارخانہ دار کام بند کر سکتا ہے اور مزدوروں کو جواب دے سکتا ہے لیکن اگر کاروبار یا صنعت میں خسارہ ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے تو اس کا ثبوت حکومت کے سامنے رکھا جائے گا اگر وہ اُسے معقول سمجھے گی تو فسخ کرا دے گی ورنہ نہیں۔

اسی طرح مزدور اگر بیمار پڑ گیا یا کسی حادثے کا شکار ہو کر کام کرنے سے معذور ہو گیا تو وہ کام چھوڑ سکتا ہے لیکن اگر وہ کسی دوسری جگہ جانے یا کوئی دوسرا کام کرنے کا عزم کر چکا ہو یا اسے اجرت کم اور کام زیادہ ہو تو اس صورت میں نہ تو اسٹرائک اور نہ کوئی غیر قانونی حرکت کرنا چاہئے بلکہ مستاجر کو فسخ معاہدہ پر راضی کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اگر وہ راضی نہ ہو سکے تو حکومت کو اپنی معذوریاں اور مطالبات پیش کر کے مناسب فیصلہ کرنے کی درخواست

کرنا چاہئے، وہ حالات کا جائزہ لے کر مناسب فیصلہ کرے گی۔ مقصد یہ ہے کہ معاہدہ حقیقت پسندی کے ساتھ ہونا چاہئے اور صرف اپنی خود غرضی اور منفعت کوشی کو پیش نظر نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ دوسرے کے فائدے اور نقصان کو بھی دیکھ لینا چاہئے، پھر اگر کسی طرف سے کوئی زیادتی ہوگی تو حکومت مداخلت کرے گی۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ حکومت کی طرف رجوع کرنے کا مطلب دیوانی میں دعویٰ دائر کرنا نہیں ہے جہاں مہینوں کچہری کی خاک چھاننا پڑے بلکہ صنعتی اداروں کی نگرانی ایک مخصوص اور مستقل محکمہ کرے گا جو ملک بھر کے متاجروں اور اجیروں کے حقوق کا نگہبان ہوگا۔ آجر اور اجیر کے مابین جو اختلاف رونما ہوگا وہ چند گھنٹے یا چند دن میں طے کیا کریگا۔

معاہدۂ اجرت کے صحیح ہونے کی قانونی شرطیں

سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ اجیر و متاجر دونوں عقل و ہوش رکھتے ہوں۔ نادان بچوں یا پاگل اور بے عقل بالغوں کے درمیان اُجرت کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ بالغ ہونا ضروری نہیں لیکن عاقل ہونا لازم ہے۔ نادان بچوں کے ولی اگر چاہیں تو ان کو اپنے کام میں شریک کر سکتے ہیں مگر وہ خود نہ اجیر ہو سکتے ہیں نہ متاجر۔

۲۔ اجیر اور متاجر دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ ایسی رضامندی جس میں کسی دباؤ کا دخل نہ ہو، مثلاً: آجر کی طرف سے اپنے سرمایہ کا دباؤ ڈال کر کم اُجرت پر کام لینے کی کوشش یا اجیر کی جانب سے مظاہرہ یا اسٹرائک کی دھمکی دیکر زیادہ اجرت حاصل کرنے کی کوشش۔

۳۔ اجرت کا متعین و معلوم ہونا ضروری ہے یا روزانہ یا ماہانہ کیا اجرت دی جائے گی البتہ اگر اس کام کی اجرت عام طور پر متعین ہو یا جتنا کام آجر لے رہا ہے اس کی قیمت پہلے سے مقرر ہے تو بغیر طے کئے ہوئے بھی معاملہ ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں آجر کو اتنی ہی اجرت دینا اور اجیر کو لینا ہوگی جو اس کام کے لئے عام مزدوروں کو دی جاتی ہے۔ اس میں مقام کا لحاظ بھی رکھا جائے گا، کیونکہ ایک کام کی مزدوری بڑے شہروں میں زیادہ اور چھوٹے شہروں میں کم بھی ہو سکتی ہے۔

۴۔ اجرت کے ساتھ کام کی نوعیت، کام کرنے کی جگہ، کام کی مقدار یا اوقاتِ کار بھی بتا دینا چاہئے کیونکہ مقام اور کام کی نوعیت کی وجہ سے اجرت میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔

کام کی مقدار بتا کر بھی اجرت طے کی جا سکتی ہے یعنی یہ کہ اتنا کام کرو گے تو اتنی اجرت ملے گی جیسا کہ عام طور پر ٹھیکے میں ہوتا ہے لیکن اگر اجرت کے مقابلے میں کام زیادہ یا سخت ہوگا تو اتنے کام کی جو اجرت عام طور پر دی جاتی ہے، وہ دینا پڑے گی۔ اسی کو اُجرت مثل کہا جاتا ہے۔ ماہوار تنخواہ پر بھی اجیر رکھا جا سکتا

ہے مگر اس میں بھی کام کی نوعیت اور مقام بتانا ضروری ہے۔

معاہدۂ اُجرت کا فاسد ہونا

جو شرطیں بیان کی گئیں اگر اُن میں سے کوئی نہ پائی جائے گی تو معاہدہ فاسد سمجھا جائے گا اور فسخ ہو جانے کی صورت میں جتنے دن اجیر نے کام کیا ہے ان کی اجرت ملے گی۔

اسلامی قانونِ اُجرت

عام طور پر اجیر کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ مستاجر سے اُسے زیادہ سے زیادہ اجرت وصول ہونا چاہئے خواہ اُسے فائدہ ہو یا نقصان، اسی طرح مستاجر یہ سوچتا ہے کہ اجیر سے جب ہی تک اُسے سروکار ہے جب تک اُس کی محنت سے وہ فائدہ کماتا رہے لیکن جب اس کی محنت سے فائدہ اٹھانے کا وقت گذر جائے، پھر اس سے کوئی تعلق نہیں، جیسے ایک مشین بیکار ہونے کے بعد پھینک دی جاتی ہے، اسی طرح اجیر بھی پھینک دینے کے قابل ہے۔ مستاجر اپنے سرمایہ کو اصل بنیاد بنا کر محنت کو اس کا تابع قرار دے لیتا ہے اور فائدے کا اصل حقدار بھی وہ اپنے کو سمجھتا ہے، اجیر کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ اصل فائدہ محنت اور تنظیم سے حاصل ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو سرمایہ بیکار ہو جائے۔

اسلامی قانون میں دونوں کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں متعین کر دی گئی ہیں۔

مستاجر کے حقوق اور ذمہ داریاں

مستاجر کو یہ حق ہے کہ کسی صنعتی، تجارتی، زراعتی یا اپنے خانگی اور ذاتی کام کے لئے روزانہ اجرت پر یا ماہانہ معاوضے پر اجیر سے ان شرائط پر کام لے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اجیر خواہ ایک ہو یا دو، یا لاکھ دو لاکھ ہوں۔ ان شرائط کے خلاف اگر کام کرے گا سزا کا مستحق ہوگا۔ اگر کوئی قانونی طاقت سزا دینے والی نہ ہو تو آخرت میں مؤاخذہ ضرور ہوگا قرآن میں صاف مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُجرت کے شرائط طے ہوتے وقت فرمایا:۔
وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ (ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کا نگراں خدا تعالیٰ ہے)

حدیث میں ارشاد ہوا ہے:۔

كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته

(تم میں سے ہر ایک دوسروں کا رکھوالا ہے اور ہر ایک سے اپنی نگرانی میں آتے ہوئے لوگوں

کے بارے میں پوچھا جائے گا۔")

۲۔ اجیر کی بے روزگاری اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاکر کم اجرت پر زیادہ کام لینے کی کوشش نہ اخلاقاً درست ہے نہ قانوناً۔ اسلامی حکومت اس میں مداخلت کرنے کی مجاز ہوگی، خواہ وہ خود تحقیقات کرکے جان لے کہ متاجر مزدوروں پر ظلم اور زیادتی کر رہا ہے۔ خواہ مزدوروں کے توجہ دلانے پر اُسے معلوم ہو۔

۳۔ متاجر کسی اجیر کو کام بگاڑنے یا دل لگاکر کام نہ کرنے کی وجہ سے الگ کردے تو یہ حق اُسے ہے مگر الگ کرنے سے پہلے دو باتیں کرنا ہوں گی (۱) اُسے کوئی جسمانی عذر تو نہیں ہے، اگر ایسی بات ہے تو اس پر کوئی گرفت نہیں کی جانا چاہیئے (۲) اس کی عدم دلچسپی کا سبب اجرت کی کمی تو نہیں ہے۔ اس حالت میں اجرت مثل کے مطابق اس کو اجرت ملنا چاہیئے لیکن اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو متاجر قانوناً اس سے پورا کام لینے کا حق رکھتا ہے اور قصداً کام بگاڑنے پر اس سے تاوان لے سکتا ہے۔

۴۔ اجیر سے کسی دن کام نہ لینے پر اُس دن کی اُجرت نہیں دی جائے گی، اگر اُسے روزانہ کی مزدوری پر رکھا گیا ہے لیکن اگر ماہوار تنخواہ پر ہے تو کام نہ لینے یا چھٹی کے دن کی تنخواہ اُسے ملے گی۔

۵۔ اجرت دینے کے لئے متاجر کو وقت مقرر کرنا اور وقت پر اجرت ادا کردینا ضروری ہے۔ اتفاقاً دیر ہوجائے تو قابلِ گرفت نہیں لیکن اگر عادۃً ایسا کرتا ہے تو قانون اور اخلاق دونوں لحاظ سے جرم کا مرتکب ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مزدور کو مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو۔

۶۔ متاجر کی حیثیت راعی کی اور مزدوروں کی حیثیت رعیت کی سی ہوتی ہے۔ اوپر حدیث نقل کی جاچکی ہے کہ ہر راعی سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا لہٰذا اگر رعیت میں سے کوئی بیمار پڑجائے تو اخلاقاً راعی اُس کے معالجے کا ذمہ دار ہوگا۔ قانوناً بھی یہ ذمہ داری اس پر ڈالی جاسکتی ہے۔ جس طرح ایک مضارب کام کے اخراجات کے علاوہ علاج کا خرچ بھی مضاربت کے روپے سے لے سکتا ہے یعنی روپیہ لگانے والے کے سرمایہ سے۔ اسی طرح ایک مزدور جس کی حیثیت عملاً ایک مضارب کی سی ہے، اس کے علاج کی ذمہ داری بھی سرمایہ لگانے والے پر ہونا چاہیئے اور شرائطِ اُجرت میں اس کی صراحت کردینا بہت مناسب ہے۔

۷۔ مزدوروں سے عام طور پر جتنا کام لیا جاتا ہے اُس سے زیادہ نہ لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے، حتیٰ کہ جانوروں کے بارے میں بھی یہ حکم دیا ہے

اسلامی حکومت نے بار برداری کی حد بھی مقرر کی ہے۔ اسی طرح مزدوروں پر کام کا بار ڈالنے کی بھی حد مقرر ہونا چاہیے۔

۔۔ مستاجر مزدوروں اور اجیروں کو کام پورا نہ کرنے پر ان کو وارننگ (آگاہی) تو دے سکتا ہے مگر اس سے زیادہ اُن کے ساتھ بدزبانی کرنے یا زدوکوب کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اگر ایسا کرے گا تو حکومت اُسے سزا بھی دے سکتی ہے اور جرمانہ بھی کر سکتی ہے۔

مزدوروں اور اجیروں کے حقوق اور ذمہ داریاں جو معاہدہ اجیر و مستاجر کے مابین ہوا اجیر پر اُس کی پابندی لازم ہے۔ اس میں کوتاہی کرنا یا کام کو بگاڑنا اخلاقی جرم بھی ہے صرف قانونی ہی نہیں، اگر قانونی گرفت سے بچ بھی جائے تو قیامت کے مواخذے سے نہیں بچ سکتا۔ "ذٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ" کے ساتھ "وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ" اجیر کی جانب سے اس بات کا اقرار ہے کہ خدا جس طرح مستاجر کے کھلے اور چھپے ظلم کو دیکھتا ہے اسی طرح اس کی کھلی ڈھکی کوتاہیوں اور غلطیوں کا بھی نگراں ہے۔

۲۔ اجیر مشترک (یعنی پیشہ ور) بڑھئی لوہار، سنار، درزی وغیرہ کی حیثیت امین با ضمانت کی ہوتی ہے جبکہ اجیر خاص امین بے ضمانت ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی کہ جس طرح ایک امین امانت کی چیز کا ذمہ دار محافظ ہوتا ہے اور اگر حفاظت کے باوجود اتفاق سے ضمانت میں آئی ہوئی چیز ضائع یا خراب ہو جائے تو امین سے تاوان نہیں لیا جائے گا لیکن اگر قصداً وہ چیز ضائع یا خراب کی جائے گی تو اس سے تاوان بھی لیا جائے گا۔ اسی طرح ہر اجیر و مزدور بھی مستاجر کی طرف سے کام کا اور ان چیزوں کا جو اس کے چارج میں دی جائیں امین ہوتا ہے لہٰذا کسی اتفاقی عذر کی وجہ سے کوئی کوتاہی کام میں ہو گئی یا کوئی چیز جو اُس کے چارج میں تھی اتفاق سے ٹوٹ گئی یا اس میں نقص آگیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر قصداً اُس نے کام میں کوتاہی کی یا جان بوجھ کر نقصان کیا تو اس کا تاوان لیا جائے گا۔ مثال کے طور پر مشین چلاتے ہوتے اس کا کوئی پرزہ خراب ہو گیا یا ٹوٹ گیا یا اتفاقاً کوئی چیز ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ٹوٹ گئی تو اس کا کوئی تاوان نہیں لیا جائیگا، لیکن اگر قصداً مشین سیدھی چلانے کے بجائے الٹی چلادی یا دیا سلائی جلائی اور تیل نے آگ پکڑلی یا قصداً گلاس یا چینی کا برتن توڑ دیا تو تاوان لیا جائے گا کیونکہ اجیر نے خود وہ صورت پیدا کر دی جس کی وجہ سے نقصان ہوا۔ اسی طرح اگر کسی دن اتفاق سے کوئی رنج و غم پیش آگیا، طبیعت سست ہو گئی اور کام مقررہ

مقدار سے کم کیا تو اس سے باز پرس نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر عادۃً کام میں کمی کرتا ہے تو اس سے باز پرس کرنے کا اور اخراج کا حق بھی مستاجر کو ہے۔ اگر مستاجر کی ہدایت کے خلاف کوئی کام کیا اور نقصان پہنچ گیا تو بھی تاوان دینا ہوگا۔

۳۔ اجیر کو مقررہ وقت سے پہلے اُجرت مانگنے کا حق نہیں ہے لیکن اگر آجر خود دیدے تو وہ اس کا حق رکھتا ہے لیکن اس صورت میں اجیر پر ذمہ داری ہوگی کہ جس مدت تک کی اجرت وہ لے چکا ہے اس مدت تک کام کرے البتہ اگر اُجرت اجر مثل سے کم ہو تو جتنے دن کی اجرت (اجر مثل کے اعتبار سے) باقی ہو اس مدت تک کام کرنے کا ہی وہ پابند ہے۔ اور اسی کی اجرت اجیر کو ادا کرنا ہوگی۔

۴۔ جتنے دن یا جس قدر کام کے لئے اجرت کا معاہدہ کیا گیا ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے اجیر کو بغیر کسی عذر کے کام چھوڑنے کا حق نہیں ہے۔ عذر کی تفصیل پہلے بیان کی جاچکی ہے۔ البتہ اگر مستاجر ظلم کر رہا ہو تو وہ عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

اسٹرائک

اگر مستاجر اجرت روک لے تو اجیر کو کام بند کر دینے اور مطالبہ کرنے کا حق ہے یا نہیں ہے ان کو ان احکام کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے جو اجیر کو اجرت نہ ملنے کی صورت میں آجر کا مال، یا چیز روک لینے کی اجازت کے بارے میں ائمۂ فقہ نے دیئے ہیں (ملاحظہ ہو "اجیر مشترک کی اجرت اور دوسرے مسائل" نمبر ۵) کام بند کر دینے یا اسٹرائک کرنے کا طریقہ پہلے رائج نہ تھا، اس لئے بالصراحت اس کا ذکر فقہ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ جس طرح اجرت نہ ملنے یا کم ملنے کی صورت میں اجیر کو یہ حق ہے کہ وہ مال کو روک لے (تینوں ائمہ علاوہ امام ابوحنیفہؒ کے اس باب میں متفق ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق صنعتی مزدوروں کو جن کے کام سے اصل چیز میں تبدیلی آجاتی ہے یہ حق پہنچتا ہے) تو اسی پر اسٹرائک کو قیاس کرنا چاہیئے کیونکہ اس کا مقصد بھی مال کی تیاری کو روکنا ہے جو اجرت نہ ملنے یا صحیح اجرت نہ دی جانے کی پاداش میں کی جاتی ہے۔

۵۔ اگر مستاجر نے کسی کام کے بارے میں یہ قید نہیں لگائی کہ تم کو یہ کام کرنا ہے تو اجیر اپنے عوض دوسرے مزدور سے وہ کام کروا سکتا ہے لیکن اگر قید لگادی ہے تو اسی اجیر کو کرنا چاہیئے۔ دوسرے سے اگر کام لے گا تو وہ ضامن ہوگا۔ نقصان ہوجانے یا کام خراب ہوجانے پر اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ خواہ اتفاقاً ہی نقصان واقع ہوا ہو۔

کونسی اُجرتیں جائز ہیں اور کون ناجائز

تعلیم یا ٹریننگ دینے کی اجرت ۔ اگر کسی تعلیمی ادارے یا صنعتی کارخانے میں کام سکھانے کی مدت اور اجرت مقرر ہے، تو متعلم کو داخل کرنے کے بعد مقررہ اجرت دینا پڑے گی۔ خواہ وہ متعلم لڑکا کام سیکھے یا نہ سیکھے۔ مثلاً اسکول میں ماہانہ فیس لی جاتی ہے وہ اس کو دینا پڑے گی۔ خواہ لڑکا اسکول جاتے یا نہ جائے۔ اگر اجرت متعین ہو مگر مدت مقرر نہ ہو تو معاہدۂ اجارہ صحیح نہ ہوگا۔ لڑکا جتنے دن کام سیکھے گا اتنے دن کی اجرت تعلیمی ادارے یا کارخانے دار کو دی جائے گی، ان دنوں کی کوئی اجرت نہیں ملے گی جن میں تعلیم نہیں حاصل کی۔ اگر تعلیم یا ٹریننگ کی مدت مقرر کردی گئی ہو، مگر اجرت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہو تو اجرت دینے یا نہ دینے کا فیصلہ عرفِ عام کے مطابق کیا جائے گا۔ اجرت کا مطالبہ جب ہی ہوسکتا ہے اگر عام طور پر اس کام کے سکھانے کی اجرت لی جاتی ہو ورنہ مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ وہ ادارے یا محکمے جن میں حکومت یا پبلک کی طرف سے کسی ایک شخص کو ذمہ دار بنادیا گیا ہو جیسے مدارس اور تصنیف یا تحقیق کے ادارے۔ ان میں چھٹی یا بیماری کے زمانے کی اجرت بھی دی جاسکتی ہے بشرطیکہ حکومت یا پبلک نے اس کی اجازت دے رکھی ہو۔

۳۔ کارخانہ دار یا مستاجر کی طرف سے جو رقم اجیروں کو بطورِ انعام، عطیہ، بونس اور پراویڈنٹ فنڈ ملتی ہے، اُسے اجرت میں کسی وقت بھی محسوب نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ اجرت میں نقد رقم کو معیار بنایا جاتے نہ کہ جنس کو۔ اسی طرح کھانے کپڑے پر کسی کو ملازم نہ رکھا جائے کیونکہ ان کی تعیین میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اگر کسی ملک میں اس کا رواج ہو تو کوئی ہرج نہیں لیکن اس صورت میں وہی کھانا کپڑا اجیر کو دیا جائے گا جیسا عام طور پر مستاجر خود کھاتا پہنتا ہے۔ مکاتب میں طالب علموں سے مٹھائی تقسیم کرانے کا رواج صحیح نہیں ہے البتہ اگر بطورِ اجرت استاد ہو تو صرف استاد کے لئے جائز ہے۔ تقسیم کرنے کے لئے درست نہیں ہے۔

۵۔ کسی سفارش پر اجرت لینا جائز نہیں، ہے۔

۶۔ اجرت دے کر کسی حافظ سے تراویح پڑھوانا بھی غلط عمل ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کے نماز تراویح ادا کی جائے۔

۷۔ لہو و لعب یا غیر حلال اور ناجائز چیزوں کی تیاری یا مرمت کی اجرت لینا ناجائز ہے، جس طرح ہر غیر اسلامی کام پر اجرت لینا حرام ہے۔

یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اجیر و مستاجر کے حقوق کا تعین کر کے ان پر عملدر آمد کرائے اور پھر اجیروں کے بیکار یا معذور ہو جانے پر ان کے ضروریاتِ زندگی پورے کئے جانے کا انتظام کرے۔

محنت کش جانوروں کے حقوق محنت مزدوری کے سلسلہ میں مختلف قسم کے جانوروں سے کام لیا جاتا ہے اور انسان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسلامی شریعت نے جہاں محنت کش انسانوں کے حقوق مقرر کئے ہیں وہاں ان بے زبان جانوروں کے حقوق بھی رکھے ہیں۔

قرآن کریم نے جانوروں کو بھی انسانوں کی طرح ایک امت کہا ہے :۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ (پ ۷)

"زمین پر چلنے والا ہر جاندار اور ہوا میں اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا ہر پرندہ تمہاری طرح امت ہے۔"

خدا کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے انسان اور یہ جاندار دونوں برابر ہیں. خدا نے جانوروں کو انسان کا تابعدار بنا دیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کی تکلیف و آرام کا خیال رکھے بغیر جس طرح اور جتنا چاہے کام لیتا چلا جائے۔ یہ محض اخلاقی ہدایت ہی نہیں بلکہ قانونی دفعہ بھی ہے اس کی تائید اس واقعے سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جنید اللہؒ نے حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے سوال کیا کہ ایک شخص گھوڑے پر سواری کرتا ہے اور بلاوجہ اس کے کوڑے بھی مارتا ہے، اس کے بارے میں نبی علیہ السلام کا کوئی ارشاد آپ کو معلوم ہے، وہ بولے مجھے معلوم نہیں۔ اندر سے ایک خاتون بولیں :۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ تمہاری جیسی ایک مخلوق ہے۔ پھر وہ آیت تلاوت کی جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں. ان کا مقصد یہ تھا کہ خدا کی کسی مخلوق کو تکلیف پہنچانا جرم ہے۔ سواری پر بیٹھتے وقت یہ پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے :۔

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ

(پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا تابعدار بنایا۔ ہم اس کو قبضے میں نہیں لا سکتے تھے)

یہ بات ذہن میں رہنا چاہیئے کہ یہ جانور جن پر ہمیں قابو بخشا گیا ہے، محض اللہ کا فضل ہے ورنہ ان کو قابو میں لانا انسانی بس سے باہر تھا۔ ان ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر ان جانوروں کے حقوق مقرر فرمائے ہیں جن سے ہم کام لیتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۱۔ جانوروں سے وہی کام لیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک تمثیل دے کر اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ ایک شخص بیل پر سوار ہو کر اس کو مارنے لگا تو بیل نے مڑ کر کہا کہ میں سواری کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں (بخاری باب استعمال البقر للحراثۃ)

آپؐ نے فرمایا کہ سواری کے جانور کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ۔ خدا نے اسے صرف اس لئے تمہارا فرماں بردار بنایا ہے کہ جن مقامات تک تم مشقت سے پہنچ سکتے ہو، وہ آسانی سے پہنچا دے۔ منبر نہ بنانے کے دو مفہوم ہیں۔ (۱) جانور کی پیٹھ کو لکڑی یا پتھر سے بنا ہوا منبر نہ سمجھو کہ جتنی دیر چاہو بیٹھے رہو (۲) ایک جاندار کو آرام کرنے اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس سے کام لینے کے بعد اس کی غذا کا اور آرام کا سامان کرو۔

۲۔ جانوروں سے کام لینے سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ بھوکے پیاسے اور نڈھال تو نہیں ہیں۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو ایسے اونٹ پر بیٹھا دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے بیٹھ گیا تھا۔ فرمایا: بے زبان جانوروں کے معاملے میں خدا سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو اچھی حالت میں سوار ہو "فارکبوھا صالحۃ" (ابوداؤد کتاب الجہاد) مطلب یہ کہ سوار ہونے سے پہلے اچھی طرح کھلا پلا لیا کرو اور یہ بھی دیکھ لیا کرو کہ بیمار تو نہیں ہیں۔ ایک انصاری اپنے اونٹ سے زیادہ کام لیتے اور چارے کا خیال کم رکھتے تھے۔ آپؐ نے ان کو بلا کر یہ تنبیہ فرمائی:۔

افلا تتقی اللہ فی ھذہ البھیمۃ التی ملک اللہ ایاہ انک تجیعہ و تدئبہ

"کیا اس جانور کے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتے جس نے تم کو اس کا مالک بنایا اور تم اُسے بھوکا رکھتے ہو اور مشقت لیتے ہو۔"

حضرت انسؓ بن مالک عام صحابہ کا اسوہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔ ہم لوگ جب منزل پر اترتے تھے تو نماز پڑھنے سے پہلے اونٹوں کے کجاوے کھول دیتے تھے۔ اس اسوے کی روشنی میں علمائے حدیث نے لکھا ہے کہ اپنے کھانے پینے اور آرام سے پہلے جانوروں کے کھانے پینے اور آرام کا سامان کرنا چاہئے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے منہ پر مارنے اور انہیں داغنے کی ممانعت فرمائی ہے اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے۔

۴۔ جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے۔

۵۔ جانوروں کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا بھی آپؐ کو اسی طرح مبغوض تھا جس طرح انسان کو گالی دینا اور عادۃً لعون یا مردود کہہ دینا۔

جانوروں سے سلوک کی قانونی حیثیت

مذکورہ ہدایات کی حیثیت محض اخلاقی ہی نہیں قانونی بھی ہے یعنی ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ حکومت کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ جانوروں کے مالکوں کو چارے کا اچھا انتظام کرنے اور جانوروں کو آرام پہنچانے کی ہدایات جاری کرے مگر ان پر کوئی جبر نہ کرے۔ مگر امام مالک امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ اگر مالک نے جانور کو ٹھیک طرح سے چارہ نہیں دیا تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اُسے مجبور کرے کہ وہ یا تو ٹھیک سے چارہ دے یا جانور کو بیچ ڈالے (له ان تجبر علی نفقتها او بیعها) امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہما یہ بھی فرماتے ہیں کہ کوئی شخص جانور سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لیتا یا بوجھ لادتا ہے تو حاکم اس کو اس فعل سے روک دینے کا حق رکھتا ہے۔

(انه یمنع من حملها ما لا تطیق)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنے جانور پر سوار جا رہا ہو اور وہ جانور کسی دوسرے کی چیز کا نقصان کر دے تو مالک کو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

مثلاً کسی کا کھیت کھا لیا یا راستے میں کسی چیز کو توڑ ڈالا یا خراب کر دیا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب جانور کے جسم اور اعضاء سے ہونے والے نقصان کی ذمہ داری مالک پر ہے تو پھر خود جانور پر جو زیادتی یا ظلم ہوگا جس سے اس کے جسم و جان کو نقصان پہنچے گا، اس کا ذمہ دار وہ کیوں نہ قرار دیا جائے۔

✣ ✣ ✣

زراعت

ذرائع معاش میں اہم اور بڑے ذریعے دو ہیں، ایک تجارت دوسرا زراعت، یہ دونوں مبارک پیشے ہیں اور قرآن وحدیث میں دونوں کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

زراعت زیادہ بہتر ہے یا تجارت

امام سرخسیؒ مشہور حنفی عالم نے اس سوال پر بحث کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "خَيْرُ النَّاسِ مَنْ هُوَ اَنْفَعُ النَّاسِ" (بہتر آدمی وہ ہے جو عام لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچائے) کی روشنی میں فیصلہ کیا ہے کہ:

فَالْاِشْتِغَالُ بِمَا يَكُوْنُ نَفْعُهٗ اَعَمَّ يَكُوْنُ اَفْضَلَ۔	وہ کام جس کا فائدہ زیادہ عام ہو وہی افضل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ملک میں غلہ وافر ہو لیکن تجارت کا نظام درست نہ ہو تو تجارت کے کام کو صحیح نہج پر کرنا بہتر اور مقدم ہے لیکن اگر غلے کی کمی ہو تو سب سے ضروری کام زراعت کو فروغ دینا ہوگا۔

خداوند تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ (سورۂ رحمٰن۔ ۱۲)

خدا نے زمین مخلوق کے فائدے کے لئے بنائی۔ اس میں میوے اور کھجور کے درخت جن پر غلاف ہوتا ہے اور بھوسے دار غلہ اور خوشبودار پودے پیدا ہوتے ہیں۔

قرآن میں اس طرح کی آیتیں بہت ہیں جن میں انسان کو خطاب کرکے یہ بات کہی گئی ہے کہ خدا نے زمین کو تمہاری روزی اور معاش کا ذریعہ بنایا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (سورۂ ملک۔ ۱۵)

وہ اللہ جس نے زمین تمہارے لئے ایسی پست کر دی کہ تم اس کے اوپر چلو اور

اس کا اُگایا ہوا رزق کھاؤ۔

ان آیات میں انسان کو زمین سے فائدہ اٹھانے اور اُس سے سامان رزق حاصل کرنے کی ترغیب بھی ہے۔ زمین سے استفادہ کے اس عمل کو فقہاء نے مزارعت، مساقات اور مخابرت کے اصطلاحی الفاظ میں بیان کیا ہے۔

زراعت کی لغوی تعریف اس کا مصدر "زرع" ہے جو دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے (۱) زُرعہ (یعنی بیج) ڈالنا۔ جس کا مطلب زمین میں بیج بونا ہے (۲) اِنبات (یعنی اُگانا) اس معنی میں اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہی کی جاسکتی ہے، چنانچہ اس معنے میں کسی شخص کو "زَرَعتُ" کہنا حدیث میں منع فرمایا گیا ہے بلکہ "حَرَثتُ" کہنا چاہیے جس کے معنی ہیں "میں نے جوتا بویا" قرآن میں کہا گیا ہے:

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝ (واقعہ، آیت ۶۴)

تمہارا کیا خیال ہے جو کھیتی تم کرتے ہو کیا تم اُسے اُگاتے ہو یا اُگانے والے ہم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کھیتی کے کام یعنی بیج بونے کو بندوں کی طرف منسوب فرمایا ہے رہا اُس کا اُگانا تو بندے اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے وہ صرف بیج ڈالتے ہیں، اُگانا ہرگز اُن کے بس میں نہیں۔ اگر اُگ بھی آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا (یعنی ہم چاہیں تو اُسے برباد کر کے رکھ دیں گے)

تاہم "زرع" کی نسبت انسان کی طرف ان معنوں میں جائز ہے کہ وہ زمین کو جوتے، اُس میں بیج ڈالے اور عام ذرائع کے مطابق اُس کی دیکھ بھال کرے، رہا اُس کا اُگانا تو آج سائنس کا ایک معمولی طالب علم جانتا ہے کہ بظاہر دو آدمی زمین میں محنت کرتے جوتتے بوتے کھاد دیتے اور پانی پہنچاتے نظر آتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ اپنی ایک خفیہ فوج یعنی چھوٹے چھوٹے کیڑوں (بیکٹیریاز) کے ذریعے کئی آدمیوں کی طاقت پہنچاتا ہے تب پودے اُگ پاتے ہیں اور ہم غلہ اور پھل حاصل کرتے ہیں، اگر یہ خفیہ فوج کام چھوڑ دے تو انسان کی ساری محنت اکارت جائے پھر یہ زمینی معدنیات کو لیئے ہوئے سمندر کا کھاری پانی بھاپ میں تبدیل ہو کر کھیتی پر نہ برسے تو خشک زمین پر کچھ نہ اُگے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنفُسُهُمْ

أَفَلَا يُبْصِرُوْنَ۝ (سجدہ۔ آیت ۲۷)

ہم خشک زمین پر پانی برساتے پھر اس سے کھیتی اُگاتے ہیں۔ جس کو تمہارے جانور بھی کھاتے ہیں اور تم بھی کھاتے ہو کیا وہ یہ دیکھتے نہیں رہتے ہیں۔

جب یہ سب کچھ خدا کی قوت تخلیق کا نتیجہ ہے تو ان تمام حدود کی پابندی انسان پر لازم ہو جاتی ہے جو خالق کی طرف سے عائد کی جائے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۝ (کہف، آیت ۔ ۷)

ہم نے زمین پر پیدا ہونے والی چیزوں کو اُس کے لئے رونق کا سامان بنا دیا تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔

قرآن نے اُن چیزوں کا ذکر کر کے جن کا وارث انسان بن جاتا ہے کہا ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا (نساء، آیت ۔ ۱۴)

جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور اُس کے مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اُسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

زمین کی پیداوار کو کاٹتے وقت یہ حکم ہے کہ:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۝ (انعام، آیت ۔ ۱۴۱)

اس کا حق کٹائی کے دن دے دو اور اسراف نہ کرو، اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

"حق" میں ہر طرح کا وہ انسانی حق آگیا جو خدا نے انسان پر مقرر کر دیا ہے اور اسراف سے ممانعت میں وہ تمام زیادتیاں، حق تلفیاں بے احتیاطیاں آگئیں جو زمین کے سلسلہ میں آدمی کرتا ہے۔

ارشادات رسول میں حقوق کی پوری تفصیل اور وہ ہدایات ملتی ہیں جن سے زمین کو جائز طریقے سے استعمال میں لانے کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ	جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلم سے
ظُلْمًا فَإِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ	دبائی اللہ قیامت کے دن اس کے گلے میں
الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ	ذلت کا طوق ڈالے گا جو اس زمین سے سات گنا بوجھل ہوگا۔

ظلم سے کوئی زمین حاصل کرنے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ زبردستی کسی کی زمین کا مالک بن جانا، دھوکہ دے کر یا جھوٹے مقدمہ کے ذریعہ زمین کو اپنے نام کرا لینا، مقروض پر دباؤ ڈال کر اُس کی زمین کم قیمت پر اپنے نام لکھوا لینا وغیرہ غرض حق تلفیوں کی تمام شکلیں ظلم میں داخل ہیں۔

زراعت کرنے کے طریقے

کھیتی کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جو جائز طریقے سے زمین اُس نے حاصل کی ہے یا وراثت میں ملی ہے اُس کو اپنے ہاتھ سے جوتے بوئے، دوسری یہ کہ وہ کسی معذوری یا مشغولیت کے سبب خود یہ کام نہ کر سکے تو دوسروں سے مدد لے، اس کی تین صورتیں ہیں (۱) اپنا کھیت کسی کو بٹائی پر دے یعنی زمین اور بیج وغیرہ اس کا ہو اور محنت ہل بیل دوسرے شخص کے اور اس اشتراک سے جو کچھ پیدا ہو دونوں بانٹ لیں (۲) نقد لگان طے کر کے زمین کسی کو دی جائے۔ زمین کا مالک مقررہ لگان وصول کرتا رہے اور لگان ادا کرنے والا پیداوار سے فائدہ اٹھاتا رہے (۳) زمین، بیج، ہل بیل سب ایک آدمی کے ہوں۔ اور وہ آدمی دوسروں سے مزدوری پر کام لے۔ مزدوروں کو مزدوری دیتا رہے اور جو کچھ پیداوار ہو وہ خود لے۔

اپنے ہاتھ سے کھیتی کرنے کے فائدے

غذا انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس لئے جو لوگ اپنے ہاتھ سے کھیتی کر کے اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے ہیں اور ان کی ضرورت سے جو بچ جاتا ہے اُسے دوسرے بندگانِ خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، وہ انسانی زندگی کے لئے بڑی خدمت انجام دیتے ہیں تو جو شخص اپنی زمین پر جملہ حدود کی پابندی کرتے ہوئے کھیتی کرتا ہے یا باغ لگاتا ہے تو اپنے لئے حلال روزی کماتا ہے اور دوسری مخلوق اگر اُس میں سے کچھ کھالے تو اس شخص کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا ہے:

مَامِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا	کوئی مسلمان جو درخت لگائے یا کھیتی کرے
اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاكُلُ مِنْهُ	اگر اُس میں سے کوئی پرندہ یا انسان یا چوپایہ
طَيْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ	کچھ کھا پی لیتا ہے تو اس کے لئے یہ صدقہ
اِلَّا كَانَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ۔	ہو جائے گا۔

اجارۂ ارض اگر آدمی کسی وجہ سے خود کھیتی باڑی نہیں کرتا یا اس میں یہ کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اُسے حق ہے کہ وہ نقد لگان مقرر کر کے اپنی زمین دوسروں کو دیدے، اس صورت میں مالک لگان پائے گا اور مزارع (کاشتکار) پوری پیداوار کا مالک ہوگا اس کو شریعت میں اجارۂ ارض کہتے ہیں، یہ صورت تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

مُزارعت اگر وہ لگان پر نہیں دیتا یا دوسرے لوگ زمین کو لگان پر نہیں لیتے تو دوسری صورت یہ ہے کہ بٹائی پر کھیتی کرنے کے لئے دیدے یعنی غلہ کی پیداوار میں آدھا حصہ مالک زمین کا اور آدھا کاشتکار کا یا کم و بیش، اس کو مزارعت کہتے ہیں۔ ایک دوسری اصطلاح میں مُخابَرہ بھی اسی معنی میں ہے یعنی کھیتی باڑی کا معاہدہ جو پیداوار کے ایک حصے کی اُجرت پر کیا جائے۔ مزارعت کا معاملہ اجرت اور کرایہ جیسا ہوتا ہے مگر نتیجے کے اعتبار سے یہ شرکت کا معاملہ ہے، جس طرح اجرت اور کرایہ کے معاملہ میں کسی چیز کا فائدہ کچھ معاوضہ دے کر حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح مزارعت میں ایک مزارع (کاشتکار) کو مالک زمین کسی متوقع فائدے کے پیشِ نظر اپنی زمین حوالے کرتا ہے لیکن اس معاملے کے نتیجے میں جو پیداوار ہوتی ہے اس کی تقسیم ان ہی اصولوں پر ہوتی ہے جن پر شراکتی کاروبار کے فائدے کی تقسیم ہوتی ہے اس لئے مزارعت کے معاملے میں اُجرت اور شرکت دونوں کے شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے

مزارعت کا خاص حکم جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ مزارعت ابتداءً اجرت اور کرایہ کا معاملہ لیکن نتیجۃً شرکت کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس کا خاص اور امتیازی حکم یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم حصے کے اعتبار سے ہو یعنی پیداوار کا چوتھائی ($\frac{1}{4}$) یا نصف ($\frac{1}{2}$) یا دو تہائی ($\frac{2}{3}$) فلاں کو ملے گا اور باقی فلاں کو۔ اس طرح نہ ہو کہ اتنے من پیداوار یا زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار میری ہوگی اور باقی جو کچھ بچے وہ تمہاری ہوگی، دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے، مقدار مقرر کر دینے کی صورت میں اگر بالفرض اتنا ہی غلہ پیدا ہوا، جو مالک زمین نے اپنے لئے طے کیا تھا تو وہ سراسر فائدے میں رہے گا اور کاشتکار بالکل خسارے میں لیکن اگر حصے کے اعتبار سے پیداوار تقسیم کی جائے گی تو کم یا بیش جتنا بھی پیدا ہوگا دونوں کو اپنے حصے کے مطابق ملے گا اگر فائدہ ہوگا تو دونوں کو اور نقصان ہوگا تو دونوں کو ہوگا۔ اس

حکم کے صحیح ہونے کی بنیاد احادیث صحیحہ پر ہے، بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت موجود ہے، وہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی سے حاصل شدہ نصف پھل یا پیداوار کے معاوضہ پر معاملہ کیا تھا۔

مزارعت کے ارکان وشرائط

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کے ارکان وہ امور ہیں جن سے مالک اور کاشتکار کے درمیان معاہدے کی تکمیل ہوتی ہے، یہ ارکان ہیں ایجاب وقبول۔ اگر زمین کا مالک کاشتکار سے کہے کہ میں یہ زمین تم کو دیتا ہوں اور تم پیداوار کے نصف یا تہائی پر کام کرو اور کاشتکار کہے کہ مجھے منظور ہے تو معاہدے کی تکمیل ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ الفاظ میں یہ امور شامل ہیں: کاشتکار کی محنت، قابل زراعت زمین، آلات کشاورزی اور وہ بیج جو زمین میں ڈالا جائے۔ اسی لئے بعض اصحاب نے مزارعت کے ارکان کی تعداد چار بتائی ہے۔ زمین۔ کاشت کاری، بیج اور آلات کشاورزی۔

شرائط میں سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ معاملہ کرنے والے دونوں عاقل ہوں اپنی مرضی سے معاملہ کر سکنے کے قابل ہوں یعنی نفع نقصان کا شعور رکھتے ہوں، فاتر العقل اور بے شعور نہ ہوں۔ بالغ ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جو زمین دی جائے وہ قابلِ کاشت ہو، اوسر یا بنجر زمین جس میں کاشت نہیں کی جا سکتی اُس میں عقد مزارعت درست نہیں اور

(۲) جس رقبۂ زمین کے بارے میں کھیتی کا معاہدہ ہوا ہے وہ معلوم ہو یعنی اُس کے حدود اربعہ بتا دیئے گئے ہوں ورنہ معاملہ درست نہ ہوگا، اسی طرح ایک خطۂ زمین پر کاشتکار سے معاہدہ کرتے وقت اگر یہ کہا کہ اس قدر رقبہ پر گیہوں بونا اور اس قدر رقبے پر چنا یا کوئی اور چیز تب بھی معاملہ درست نہ ہوگا جب تک زمین کی حد بندی نہ کر دی جائے۔

تیسری شرط مالک اور کاشت کار دونوں کو یہ طے کرنا کہ کس کو پیداوار کا کتنا حصہ ملے گا، اگر دونوں کے حصہ کا تذکرہ نہ ہو تو ایک حصہ کا ضرور ذکر کر دیا جائے۔ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے لئے ایک خطہ اراضی میں سے کوئی حصہ مخصوص کر کے یہ کہے کہ اس کی پیداوار میری ہوگی۔ اور نہ وزن و پیمانے کی مقدار مقرر کرنا جائز ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ زمین۔ ہل بیل اور بیج کے بارے میں طے ہونا چاہیئے کہ کس کی کون سی چیز ہوگی۔

یعنی آیا (۱) مالک صرف زمین دے گا اور باقی تمام چیزیں ہل بیل، بیج اور محنت کاشتکار کی ہوگی۔

یا (۲) زمین، ہل بیل اور بیج سب چیزیں ایک شخص کی ہوں اور صرف محنت کاشتکار کی ہو۔

یا (۳) زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور ہل بیل اور محنت دوسرے آدمی کی۔ یہ تینوں صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔

یا (۴) زمین اور ہل بیل ایک آدمی کے ہوں اور بیج اور محنت دوسرے کی۔

یا (۵) بیج اور ہل بیل ایک کا ہو اور محنت اور زمین دوسرے کی۔

یا (۶) بیج ایک آدمی کا ہو اور تمام چیزیں دوسرے کی ہوں، آخری دونوں صورتیں متفقہ طور پر ناجائز ہیں جبکہ چوتھی صورت کو امام ابویوسفؒ جائز کہتے ہیں، اُن کی رائے اس لئے بھی وزنی ہے کہ قاضی ہونے کی وجہ سے اس قسم کے معاملات اُن کے سامنے آتے رہتے تھے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ زمین پر کاشت کرنے کی مدت کاشتکار کو بتادی جائے کہ اتنے مہینوں یا سال کے لئے ہے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ جو چیز بونے کے لئے زمین دی جارہی ہے وہ بتادی جائے یا مزارع یہ بتادے کہ گیہوں بوئے گا یا ترکاری یا تمباکو۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زمین کا مالک کسی چیز کو بونا اپنی زمین میں پسند نہ کرتا ہو اور بعد میں اختلاف واقع ہو، پھر حصے کی تعیین میں بھی جنس کی صراحت کردینے سے مدد ملتی ہے۔ البتہ اگر مالک زمین یہ اجازت دیدے کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو تو مزارع کو اختیار ہے جو چیز چاہے بوئے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ زمین کو خالی کرکے کاشتکار کے حوالے کردیا جائے۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ بٹائی پر دینے کے بعد طے شدہ حصہ کے مطابق پیداوار میں شریک رہنا ہے۔

فصل کٹنے کے بعد اگر کوئی فریق اس میں ترمیم کرنا چاہے گا تو قابل قبول نہ ہوگی۔

اجارۂ ارض کی شرائط

نقد لگان پر کھیت دینے کے لئے وہ تمام شرائط ملحوظ رہیں گے جو کسی چیز کے کرایہ پر دینے کے ہیں، اس کے علاوہ مزارعت کی پانچویں اور آٹھویں شرط کے علاوہ تمام شرطیں پائی جانی چاہئیں۔ مزارعت کی تیسری شرط مالک و مزارع کے پیداوار میں حصے سے متعلق ہے۔ اجارۂ ارض میں حصے کے بجائے لگان طے ہوگا۔ لگان کا تعین زمین اور بوئی جانے والی چیز کی نوعیت پر منحصر ہے، اس لئے ان دونوں کا وضاحت سے ذکر ہونا چاہیئے کہ کونسی زمین کس چیز کو بونے کے لئے کاشتکار کو لگان پر دی جا رہی ہے۔ مکئی۔ باجرہ۔ تمباکو اور آلو کی کاشت میں فائدے کے لحاظ سے کافی فرق ہوتا ہے اس لئے بوئے جانے والی چیز کی صراحت ضروری ہے تاکہ بعد میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ اگر مالک زمین مطلقاً اجازت دیدے کہ جو چاہو بوؤ تو کاشتکار کو اختیار ہے چاہے آلو بوئے چاہے تمباکو یا زعفران۔ اسی طرح زمین یا کھیت کی صراحت بھی ضروری ہے تاکہ لگان قائم کرنے میں دھوکہ نہ ہو جو بعد کو اختلاف کا سبب بنے۔

۲۔ لگان پر زمین لینے والے کو یہ اختیار ہے کہ سال میں جتنی فصلیں چاہے بوئے اور کاٹے۔ البتہ اگر مالک زمین نے یہ قید لگا دی ہو کہ صرف ایک فصل بونے کے لئے زمین دی جا رہی ہے تو اسی صورت میں قانونی طور پر ایک سے زیادہ فصل کی کاشت کو روکنے کا حق حاصل ہے مگر اخلاقاً ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔

مُساقات

کھجور کے درختوں، انگور کی بیلوں وغیرہ کی بہتری اور دیکھ بھال کے لئے اُس کی پیداوار کے مقررہ حصے کے معاوضہ میں کام کرنے کو مساقات کہتے ہیں۔

مساقات کے معنی اور تعریف

"سقی" کے معنی پانی دینے کے ہیں۔ مساقات میں نخل و شجر وغیرہ میں پانی دینے کے علاوہ اور دو باتیں بھی شامل ہیں مثلاً درختوں کی صفائی، اُن کی کاٹ چھانٹ اور دیکھ بھال۔ ان کاموں میں پانی دینا سب سے اہم کام ہے، اس لئے اس کی وجہ تسمیہ میں دوسری باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنا باغ یا درخت کسی شخص کو اس شرط پر دے کہ تم اس باغ یا درختوں کی پوری طرح خدمت کرو، انھیں پانی دو اور ہر طرح کے نقصان پہنچانے والے جانوروں

اور کیڑوں وغیرہ سے محفوظ رکھو۔ پھر جو پھل ہوگا اُسے دونوں بانٹ لیں گے تو اس کو شریعت میں مساقات کہتے ہیں۔

مساقات کے شرائط

مساقات کے شرائط اور مزارعت کے شرائط میں دو تین باتوں کی وجہ سے فرق واقع ہو جاتا ہے ان کے علاوہ شرائط یکساں ہیں۔

۱۔ پہلی بات یہ کہ مزارعت میں بونے اور غلہ پیدا ہونے کی شرط پر زمین دینا جائز ہے جبکہ مساقات کا معاملہ لگے لگائے باغ یا درختوں میں جائز ہے۔ باغ یا درخت لگانے کی شرط پر مساقات کا معاملہ جائز نہیں۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ مساقات کا معاملہ ہو جانے کے بعد بغیر عذر شدید کے کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ علیحدہ ہو جائے اگر کوئی فریق علیحدہ ہوگا تو قانوناً اُسے معاہدے کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا۔ بخلاف مزارعت کے جس میں صرف وہ فریق معاہدے سے الگ ہو سکتا ہے جس نے بیج دیا ہے لیکن دوسرا فریق اگر الگ ہوگا تو اس کو قانوناً معاہدے کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا۔ بیج دینے والے فریق کو اس لئے اجازت ہے کہ علیحدہ ہونے سے خود اُس کے بیج کا نقصان ہوگا اس لئے قانون کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے لیکن دوسرا شخص اگر علیحدہ ہوتا ہے تو بیج والے کا نقصان ہے اس لئے نقصان کی تلافی کے لئے قانون کا سہارا لینا پڑے گا۔ یہی صورت مساقات میں ہے کہ ایک کے علیحدہ ہونے میں دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے یعنی ایک کی محنت ضائع ہوتی ہے اور دوسرے کا مال اس لئے دونوں کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ بلاوجہ کسی کو نقصان پہنچائے۔

مزارعت، مساقات اور اجارۂ ارض کے بعض ضروری مسائل

۱۔ کاشت کے لئے اگر جنس کی وضاحت نہیں کی گئی اور نہ مالک زمین نے مزارع کو یہ اجازت دی کہ جس چیز کی چاہو کاشت کرو تو یہ مزارعت یا اجارۂ ارض کا معاملہ کالعدم سمجھا جائے گا ۔ لیکن اگر معاملہ فسخ کرنے سے پہلے اس کی وضاحت ہو گئی تو معاملہ صحیح ہو جائے گا۔

۲۔ اگر لگان پر زمین دی تو جس مدت کے لئے دی ہے اُس کے اندر لگان بڑھانے کا اختیار نہ ہوگا خواہ کاشتکار کئی فصلیں بوئے اور کاٹے۔ مدت ختم ہونے کے بعد اگر چاہے تو

لگان بڑھا سکتا ہے۔

۳۔ جس مدت کے لئے زمین دی گئی ہے اگر اس مدت میں فصل تیار نہ ہو پائے تو فصل کٹنے تک مالک کو زمین خالی کرانے کا حق نہ ہوگا مگر جتنی مدت زیادہ کاشتکار کے پاس زمین رہے گی اُس کا لگان مزید دینا ہوگا جس کا اندازہ طے شدہ لگان کے مطابق کیا جائے گا۔

۴۔ مزارعت، مساقات یا اجارۂ ارض میں اگر مالک زمین پر بھی کام کرنے کی شرط لگادی تو معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ محنت کاشتکار کی ہوگی وہ مالک زمین سے محنت نہیں لے سکتا ہاں اگر وہ خود کرے تو اُس کو اختیار ہے۔

۵۔ فصل کی کٹائی، ڈھلائی اور دانوں سے بھوسا الگ کرنے کی ذمہ داری مالک زمین پر ڈالنا صحیح نہیں ہے۔ کاشتکار سے اس کا تعلق ہے اس لئے اس کا ذکر کاشتکار کی ذمہ داریوں میں کرنا درست ہے۔

۶۔ غلہ تقسیم ہو جانے کے بعد ہر فریق اپنے حصہ کو خود اُٹھالے جانے کا ذمہ دار ہے اگر مالک زمین دوسرے فریق سے یہ کام لے گا تو مزدوری دینا پڑے گی۔

۷۔ یہ شرط کہ بیج کے بقدر غلہ لے لینے کے بعد باقی غلہ تقسیم کیا جائے گا فاسد ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ غلہ اتنا ہی پیدا ہو جتنا بیج ڈالا گیا ہے اس لئے دوسرا بالکل محروم رہ جائے گا یہ بات شرکت کے اصول کے خلاف ہے۔

۸۔ مزارعت کے معاہدے میں دی گئی زمین کا کوئی حصہ، کھیت کا مالک اپنے لئے مخصوص نہیں کر سکتا مثلاً یہ کہنا کہ کھیت کے فلاں ٹکڑے میں جو پیدا ہوگا وہ میرا اور دوسرے ٹکڑے میں جو پیدا ہو وہ تمہارا۔ یا گیہوں ہمارا اور جَو تمہارے یا بوئی ہوئی ترکاریوں میں لوکی ہماری اور باقی ترکاریاں تمہاری یہ سب صورتیں ناجائز ہیں۔

اسی طرح مساقات کے معاملے میں یہ کہنا کہ باغ کے فلاں درخت مثلاً ثمر بہشت یا دسہری کا پھل ہمارا ہوگا یا فلاں چیز کی فصل ہماری ہوگی باقی سب چیزوں کی فصل تمہاری تو یہ شرط لگادینے سے معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔

۹۔ غلے کا بھوسا بھی دونوں فریقوں میں تقسیم ہوگا۔ اگر کسی نے یہ شرط لگائی کہ کل بھوسا ہم

لیں گے یا غلہ ایک کا اور بھوسا دوسرے کا تو یہ معاہدہ صحیح نہیں ہوگا اور باطل قرار پائے گا، البتہ اگر وہ شخص جس نے بیج دیا ہے بھوسہ لینے کی شرط لگا دے تو شرط صحیح ہوگی کیونکہ بھوسا ضمنی نتیجہ ہے بیج کا، اس لئے فقہائ نے اجازت دی ہے کہ وہ یہ شرط لگا سکتا ہے لیکن اگر معاملہ کرتے وقت اس شرط کو پیش نہیں کیا گیا تھا تو پھر غلے کی تقسیم کے مطابق بھوسے کی تقسیم بھی ہوگی۔

۱۰۔ بفرض محال مزارعت کا معاملہ ہو چکنے کے بعد کچھ پیداوار نہیں ہوئی تو مزارع کو کچھ نہ ملے گا لیکن اگر مالک نے زمین، بیج اور بل بیں دے کر بطور اجیر کاشتکار سے کام لیا اور شرط یہ رکھی کہ جو پیداوار ہوگی اس میں اتنا حصہ تم کو دیں گے تو کچھ پیدا نہ ہونے کی صورت میں اتنے دن کی مزدوری مالک کو دینا پڑے گی۔

۱۱۔ مزارعت کا معاہدہ ہو جانے کے بعد کاشتکار نے زمین پر محنت کی یعنی دو ایک بار بل چلا چکا گھاس وغیرہ صاف کر کے زمین کو کماد دے چکا مگر ابھی تک اس نے بویا نہیں ہے تو مالک کو معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے، اگر بالفرض وہ معاملہ فسخ کرتا ہے تو اتنے دن کی محنت کی مزدوری اس کو دینا پڑے گی اور اگر کاشتکار نے اس پر کچھ خرچ کیا ہے تو وہ واپس کرنا پڑے گا۔ (ہدایہ)

۱۲۔ اگر مالک زمین نے اپنا کھیت جوت اور بو کر کسی کے سپرد کر دیا کہ وہ اس میں پانی چلائے اور نگرانی کرے جو کچھ پیدا ہوگا اس کا چوتھائی یا چھٹا حصہ اسے ملے گا تو یہ صحیح ہے، اسی طرح اگر کاشتکار کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنا چاہے تو اگر بیج مالک زمین کا ہے تو اس کی اجازت اس سے لینا ضروری ہے لیکن اگر بیج کاشتکار کا ہے یا وہ اس شرط پر شریک کر رہا ہے کہ اپنے حصے سے اتنا غلہ اسے دیگا تو ان دونوں صورتوں میں دوسرے کو شریک کر لینے کا حق ہے۔

۱۳۔ یہ قانون کہ اگر کاشتکار اتنے سال تک کسی زمین میں کام کرتا رہے تو زمین پر اس کا حق ہو جاتا ہے صحیح نہیں ہے۔ کسی کا کھیت یا باغ وغیرہ کاشتکار کے پاس کرایہ، لگان یا بٹائی پر کتنے دن بھی رہے اسلامی شریعت کی رو سے اس پر اس کا حق ملکیت تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی ایسا کرے تو یہ عمل حرام ہوگا اور ظلم و غصب قرار دیا جائے گا۔

۱۴۔ جب کھیتی پک کر تیار ہو گئی ہو، باغ کے پھلوں کا بڑھنا رک گیا ہو اور پکنے لگے ہوں اس وقت مزارعت یا مساقات پر دینا صحیح نہیں ہے۔ شدید ضرورت کے بغیر بٹائی پر نہ دینا چاہیئے۔

جب تک بالیاں ہری ہوں۔ پھل کی گٹھلیاں سخت نہ ہوئی ہوں، نرم ہوں اُس وقت مزارعت یا مساقات پر کھیت یا باغ کو دینا صحیح ہوگا۔

مزارعت کا معاملہ فسخ ہوجانا

۱۔ جو شرطیں اجارۂ ارض، مزارعت اور مساقات کے صحیح ہونے کی بیان کی جاچکی ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ پائی جائے گی تو معاملہ فاسد اور فسخ سمجھا جائے گا۔

۲۔ اگر زمین کے مالک اور کاشت کرنے والے میں سے کسی کی وفات ہوجائے تو مزارعت یا مساقات وغیرہ کا معاملہ خود بخود فسخ ہوجائے گا۔ البتہ کھیتی تیار نہ ہوئی ہو یا باغ کے پھل پکے نہ ہوں اور مالک زمین کا انتقال ہوجائے تو کاشت کار کو یہ حق ہوگا کہ تیار ہونے تک وہ فصل کی دیکھ بھال کرے اور کٹنے کے بعد اپنا حصہ اس میں سے لے لے۔ مالک زمین کے وارثین کو روکنے کا حق نہ ہوگا۔ اسی طرح کاشتکار کے وارثوں کو یہ حق ہوگا کہ کاشتکار کی وفات پر کھیتی یا پھل تیار ہونے تک اس میں محنت کریں اور جو حصہ کاشتکار کا مقرر تھا وہ لیں انھیں اس حق سے محروم کرنے کا حق مالک زمین کو نہیں ہے البتہ اگر کاشتکار یا اس کے وارث کام کرنا چھوڑ دیں تو پھر اُن کا استحقاق ختم ہوجائے گا۔

مالک یا مزارع معاملے کو فسخ کرسکتے ہیں

مزارعت، مساقات اور اجارۂ ارض تینوں معاملات ایسے ہیں کہ جب ایک دفعہ طے پاجائیں تو مزارع یا مالک کسی کو معاملہ فسخ نہ کرنا چاہیے جب تک کوئی شدید عذر نہ پیش آجائے جس کی چند ہی صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ مثال کے طور پر مالک زمین مقروض تھا۔ فوری قرض ادا کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔ وہ اپنی زمین کو بٹائی پر یا باغ کو نگرانی کے لئے دے چکا ہے لیکن ابھی کھیت میں بیج نہیں پڑا اور باغ میں پھل نہیں آیا تھا کہ زمین کو بیچ کر قرض ادا کرنے کی ضرورت پیش آگئی تو وہ معاملہ کو فسخ کرکے اپنی زمین بیچ سکتا ہے لیکن اگر مزارع نے بیج ڈال دیا ہے یا باغ میں پھل آچکے ہیں تو اب دو صورتیں ہیں، اگر کھیتی یا پھل تیار ہوچکے ہوں تو کھیتی کاٹ کر اور پھل توڑ کر زمین کو یا باغ کو بیچ سکتا ہے لیکن اگر کھیتی پکی نہیں ہے یا پھل زیادہ کچے ہیں تو اُس وقت تک

معاملہ فسخ کرنے اور بیچنے کا حق نہیں جب تک دونوں چیزیں پک نہ جائیں، قرض خواہوں کو کھیتی کٹنے اور پھل پک جانے کا انتظار کرنا پڑے گا، وہ نہ کریں گے تو قانوناً انھیں اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اگر مزارع اتنا شدید بیمار پڑ جائے کہ کھیتی کا کام نہ کر سکے یا باغ کی نگرانی نہ کر سکے تو اس کو حق ہوگا کہ وہ معاملہ فسخ کردے، اور اگر دوسرے شخص کے ذریعے کام لے کر معاملہ کو فسخ نہ کرے تو اس کا بھی اس کو حق ہے۔

۳۔ اگر مزارع کو کوئی زیادہ اچھا ذریعہ معاش مل رہا ہے جس کو اختیار کرنے کے لئے کھیتی باڑی چھوڑنا چاہتا ہے تو اس کو معاملہ فسخ کرنے کا حق ہے بشرطیکہ یہ صورت اختیار کرنے پر وہ معاشی حیثیت سے مجبور ہو یعنی اُس کی گزر بسر کھیتی باڑی سے نہ ہو پاتی ہو تو وہ ایسا کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ (بدائع الصنائع)

فسخ ہونے کی صورت میں کس کو کیا ملے گا

مزارعت ومساقات صحیح نہ ہونے کی جتنی صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے گی تو معاملہ فسخ سمجھا جائے گا۔ اب اگر معاملہ فسخ اُس وقت ہوا جب مزارعت کا کام شروع ہو چکا تھا یعنی غلہ بویا جا چکا تھا یا درخت میں سینچائی کرنے کے بعد پھول یا بور آنا شروع ہوگیا تھا تو محنت کرنے والے کو دستور کے مطابق اتنے دن کی مزدوری ملے گی اور اگر بیج کاشتکار نے دیا ہے تو مالک زمین کو دستور کے مطابق لگان دینا پڑے گا لیکن اگر ابھی کام شروع ہی نہیں ہوا تھا تو کسی کو کچھ نہ ملے گا۔

ملکیت

کسی چیز کا مالک ہونے کی حیثیت

کسی زمین جائداد یا مال پر کسی آدمی کا مالکانہ حق تین طریقوں سے ثابت ہوتا ہے جب ان میں سے کسی ذریعے سے کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہوجائے تو پھر اس حق کو اُس کی مرضی کے بغیر نہ تو

کوئی شخص یا حکومت سلب کر سکتی ہے نہ اُس کی مرضی کے خلاف تصرف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حکومت اُس وقت دخل دے سکتی ہے جب وہ جائداد اور مال کو فضول خرچی میں ضائع کرے یا اُس میں سلیقے سے رکھنے اور برتنے کی صلاحیت نہ ہو یا اس کے ہاتھوں کسی دوسرے شخص یا معاشرے کو نقصان پہنچ رہا ہو۔

کن صورتوں سے ملکیت قائم ہوتی ہے

۱. عام طور پر تین صورتیں ہیں کوئی چیز کسی کی ملکیت میں آنے کی:

۱۔ کوئی شخص اپنی ملکیت کو بہ رضا و رغبت دوسرے آدمی کی طرف منتقل کر دے یا معاوضہ لے کر یعنی بطور ہبہ و انعام دیدے یا قیمت لے کر فروخت کر دے تو وہ دوسرا شخص اس چیز کا مالک ہو جائے گا اور اب پہلا شخص اُس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔

۲۔ آدمی کوئی چیز وراثت میں پائے اس سے ملکیت بذریعہ وراثت قائم ہو جاتی ہے۔

۳۔ آدمی اپنی محنت اور کوشش سے کوئی مباح چیز جس کا کوئی مالک نہ ہو حاصل کر لے تو اُس پر بھی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔

پہلی صورت کا بیان ہو چکا ہے اور دوسری صورت کا بیان وراثت کے ضمن میں آیا ہے، تیسری صورت کی تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے۔

مباح چیزیں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو بے شمار چیزیں پیدا کی ہیں اُن میں سے جن چیزوں پر انسان نے محنت مشقت کر کے دسترس حاصل کر لیا ہے وہ بجا طور پر اُس کی مِلک ہیں مگر اب بھی خدا کی بنائی ہوئی لاتعداد چیزیں ایسی ہیں جو پوری آبادی کا مشترک سرمایہ ہیں اور اُن کا استعمال ہر فرد کے لئے اس وقت مباح ہے جب تک کوئی اُن پر محنت یا سرمایہ صرف کر کے اُن کو اپنے قبضے میں نہ لے لے مثلاً پانی، ہوا، آگ، روشنی خود رُو گھاس، جنگلات اور زمین کے پوشیدہ خزانے جنھیں رکاز کہا جاتا ہے، آبادی سے دور بیکار بنجر زمینیں جنھیں مَوات کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ان چیزوں پر کیسے اور کب ملکیت قائم ہوتی ہے

ان میں بعض چیزیں تو وہ ہیں جن پر اسلام کسی کی ملکیت تسلیم نہیں

کرتا مثلاً سمندر، دریا، ہوا، فضا اور روشنی انھیں ہر انسان استعمال کر سکتا ہے اگر یہ استعمال دوسروں کے نقصان کا سبب نہ ہو۔ لیکن اگر اس کا استعمال دوسروں کے لئے نقصان دہ ہوگا تو پھر اس سے روکا جائے گا مثلاً سمندر میں ہر حکومت اپنا تجارتی بھیج سکتی ہے۔ بحری بیڑا رکھ سکتی ہے، فضا میں بھی ہر حکومت اپنا جہاز اُڑا سکتی ہے۔

ہر شخص سورج اور چاند کی روشنی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ خواہ وہ فائدہ شمسی چولہا بنا کر اٹھائے یا کسی اور طرح سے، لیکن سمندر میں جہاز رکھنے کا مقصد یا فضا میں ہوائی جہاز اڑانے کا مقصد اگر کسی ملک پر حملہ کرنا ہو تو اسلامی شریعت کے مطابق اُسے ظلم اور غصب قرار دیا جائے گا اور اس عمل کو دوسرے انسانوں کے لئے مصیبت نہ بننے دیا جائے گا" اسی طرح اگر کوئی شخص سورج کی کرنوں سے دھوپ چولھا تیار کرتا ہے تو اُسے اس کا حق ہے لیکن اگر وہ کوئی ایسی چیز تیار کرتا ہے جو انسانی زندگی کے لئے مہلک ہو تو اُسے ضرور روکا جائے گا۔ موجودہ زمانے میں بھی اگر اسلامی اقتدار قائم اور غالب ہوتا تو ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے تجربوں پر ضرور پابندی عائد کرتا۔

لیکن اگر اپنی محنت سے یا سرمایہ لگا کر کوئی شخص دریا کے پانی یا سورج کی روشنی کو اپنے قبضہ میں کر کے کوئی نہر نکال دے یا روشنی کو سیلوں میں محفوظ کرے تو اس کی ملکیت ان چیزوں پر قائم ہو جائے گی کیونکہ، اس نے محنت کر کے اور سرمایہ لگا کر انھیں بنایا ہے۔ اب وہ نہر سے آبپاشی کرنے پر آبیانہ لے سکتا ہے۔ سیلیں کو فروخت کر سکتا ہے۔ اسی طرح کی مباح چیزیں محنت و سرمایہ لگانے کے بعد ملکیت میں آجاتی ہیں۔ کچھ چیزوں کا الگ الگ ذکر کیا جا رہا ہے:۔

پانی پانی کے ذخائر کو چار درجات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(الف) سمندر اور بڑے بڑے دریا۔ دریاؤں کا پانی۔ اس کا ذکر اوپر کیا گیا۔

(ب) جھیلیں، بڑے تالاب، ندی اور نالے۔ یہ بھی کسی کی ملکیت نہیں۔ اس لئے اس پانی کا بھی وہی حکم ہے جو بڑے دریاؤں کے پانی کا۔

(ج) وہ تالاب۔ حوض، پوکھرے۔ نہریں، کنوئیں جن کو حکومت نے یا کسی شخص نے سرمایہ لگا کر بنوایا ہے ان کے پانی کا حکم یہ ہے کہ سرمایہ لگانے والے کی ملکیت تو مسلّم ہے لیکن مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ لوگوں کو پانی پینے اور جانوروں کو پانی پلانے سے روک دے یا پانی پلانے کا کوئی کرایہ وصول کرے۔ نبی اکرم صلعم نے

اس کی ممانعت فرماتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو ایسے لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے۔
(بدائع ج ۶ صفحہ ۱۸۹) البتہ اگر جانوروں کی کثرت آمدورفت سے تالاب یا حوض کے کنارے ٹوٹنے لگیں اور اندیشہ ہو کہ وہ خراب ہو جائیں گے تو پابندی عائد کی جاسکتی ہے کہ لوگ باری باری سے احتیاط کے ساتھ جانوروں کو پانی پلانے کو لائیں۔ خلاف ورزی کی صورت میں بالکل روک دینے کا بھی حق ہے ــــ جو لوگ ایسے آبی ذخیروں سے کھیتوں کی آبپاشی کرنا چاہیں تو مالک کو حق ہے کہ یا تو وہ منع کر دے یا کرایہ لے کر انھیں پانی دے۔

اسی طرح ٹیوب ویلز، کنوئیں یا نہرے آبپاشی کے لئے جو چھوٹی نالیاں بنائی جاتی ہیں، ان کا پانی بھی انسانوں اور جانوروں کے پینے کے لئے مباح ہے۔ کسی حکومت کے لئے یہ زیادہ مناسب نہیں کہ عوام کے پیسوں سے بنائی ہوئی نہروں یا ٹیوب ویلوں کا پانی کا کرایہ لے۔ اسلامی حکومت زراعتی ٹیکس تو لیتی تھی مگر آبیانہ لینے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

(د) وہ پانی جو آدمی اپنے گھڑے میں یا بہشتی مشک میں بھر لیتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ وہ اس پانی کو بیچ بھی سکتا ہے۔ دوسروں کو پینے سے منع بھی کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے بیتاب ہے اور پانی رکھنے والا نہ دے تو اس سے زبردستی لیا جاسکتا ہے۔

پانی میں شکار دریا اور تالاب کی مچھلیاں کسی کی ملکیت نہیں ہیں جس کا جی چاہے انھیں پکڑ سکتا ہے۔ اگر کسی نے دریا سے مچھلیاں پکڑنے کے لئے کسی سے اجرت کا معاملہ کیا تو صحیح نہیں ہوگا۔ مچھلیاں جو، وہ مزدور شکار کرے گا اسی کی ملکیت ہوں گی، متاجر کی نہیں ہوں گی۔ اگر اس نے مچھلیاں پکڑنے کا جال اپنے پاس سے دیا ہے تو اس کا کرایہ لے سکتا ہے مگر خدا کی اس نعمت پر اپنی ملکیت قائم نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ اسے اپنی محنت سے حاصل نہ کرے۔ البتہ اگر کسی نے اپنے ذاتی تالاب یا حوض میں مچھلیاں پالی ہوں یا کسی تالاب میں مچھلیاں لاکر ڈالی ہوں اور ان کی پرورش اور افزائش پر کچھ خرچ کیا ہو تو اگر اس تالاب یا حوض میں مچھلیاں اتنی زیادہ ہیں کہ بغیر کسی محنت کے انھیں پکڑا جاسکتا ہے تو وہ بلا شبہ اس کی ملکیت ہیں، وہ انھیں تالاب یا حوض میں رہتے ہوتے بھی بیچ سکتا ہے لیکن اگر انھیں پکڑنے کیلئے شست لگانا پڑتی ہے، یا جال ڈالنا پڑتا ہے تو چونکہ مچھلیاں اسی کی ملکیت ہیں، اس لئے انھیں پکڑنے سے دوسروں کو منع کر سکتا ہے اگر خود بیچنا چاہتا ہے تو پہلے ان کا شکار کرے پھر انھیں فروخت کرے۔

(۲) خودرو گھاس خواہ وہ کسی شخص کی اپنی زمین پر ہی کیوں نہ ہو، وہ کسی کو اس کے کاٹنے یا جانوروں کو

چرنے یا چرانے سے روک نہیں سکتا اور نہ اسے بیچ سکتا ہے۔ اس کو بہر حال یہ حق ہے کہ اپنی زمین کے احاطے میں کسی کو نہ آنے دے لیکن اگر اس نے گھاس اگانے پر خرچ کیا ہے یا محنت کی ہے تو پھر اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ دوسروں کو کاٹنے یا چرانے سے روک دے اور یہ بھی حق ہے کہ خود کاٹ کر یا مزدوری پر کٹوا کر یا بغیر کاٹے ہوئے بیچ دے۔

(۳) **خود رو جنگلات**:۔ بھی کسی کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ ان سے ہر انسان کو لکڑی کاٹنے اور لیجانے کا حق ہے، البتہ اگر وہ جنگل کسی نے لگایا ہے یا کسی کی زمین پر اگا ہے تو وہ اسی شخص کی ملکیت متصور ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایسے خود رو جنگل سے جو نہ کسی نے اگایا ہو، نہ کسی شخص کی زمین پر ہو لکڑی کاٹے یا مزدوری دے کر کٹوائے تو وہ لکڑی اسی کی ہوگی، کوئی دوسرا انہیں لے سکتا۔

رکاز اور کنز زمین میں پائی جانی والی وہ چیزیں جو کھدائی کے بعد ہی معلوم کی جا سکتی ہیں، رکاز کہلاتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خود بخود زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں جیسے کوئلہ، پیٹرول، ابرک، گندھک، سونا، چاندی، لوہا، تانبا، پیتل اور نمک وغیرہ ان کو معدنیات کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم وہ چیزیں جن کو کسی انسان نے زمین میں دفن کر دیا ہو انھیں کنز (خزانہ) کہتے ہیں۔ معدنیات میں ایک تو وہ منجمد چیزیں شمار ہوتی ہیں جو آگ سے نرم کی جا سکتی ہیں، جیسے لوہا، چاندی، سونا، تانبا وغیرہ دوسرے وہ چیزیں جو قطرتاً سیال ہوں جیسے پیٹرول اور تیل وغیرہ یا وہ جو سیال تو نہیں مگر آگ سے سیال بنائی جا سکتی ہیں، تو اگر کوئی شخص پہلی قسم کا معدن پا جائے یا دریافت کرے تو اگر وہ ایسی زمین میں ہو جو اس کی ملک ہے تو اس معدن کا پانچواں (۱/۵) حصہ اسلامی حکومت لے لے گی اور باقی (۴/۵) حصہ اس کا ہوگا لیکن اگر وہ زمین اس کی ملک نہ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں، یا تو اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہوگی تو اس صورت میں بھی ۱/۵ بیت المال کا اور باقی ۴/۵ دریافت کرنے والے کا حصہ ہوگا لیکن اگر وہ زمین عام لوگوں کی ملکیت ہو یعنی سب کا مفاد اس زمین سے وابستہ ہو تو پھر وہ پورا معدن اسلامی حکومت کا ہوگا۔ اسی طرح اگر حکومت کسی ماہر طبقات الارض کے ذریعے کوئی معدن دریافت کرائے تو وہ اسلامی حکومت کی ملکیت ہوگا۔

کنز:۔ کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اسے کسی شخص نے دفن کیا تھا تو اس کا حکم "لقطہ" کا ہوگا، اور اگر نہ معلوم ہو تو پھر ۱/۵ حکومت کا اور باقی ۴/۵ پانے والے کا حصہ ہے۔

موات موات کے لفظی معنیٰ مری ہوئی یا بیکار چیز کے ہیں اور شریعت میں اس زمین کو کہتے ہیں جو اب تک

مردہ پڑی ہوئی ہے یعنی وہ آباد نہیں ہوئی۔ یا کبھی آباد کی گئی تھی مگر اب اُس کا کوئی مالک باقی نہیں ہے۔ وہ پرتی، پڑی ہوتی ہے۔ ایسی زمین کو جو آباد کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ اَحیا اَرْضاً میتۃً فھی لہ یعنی جس نے کسی بے کار اور غیر آباد زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہوگی (ترمذی) ایک دوسرا ارشاد ہے: من عمّر ارضاً لیست لِاَحدٍ فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (یعنی جس زمین کا کوئی مالک نہ ہو، اسے جس نے آباد کیا وہی اُس کا حق دار ہے۔) (بخاری)

موات کا مالک بننے کی شرطیں

۱۔ وہ بیکار، بنجر اور اوسر زمین موات قرار دی جائے گی۔ جو آبادی کے اندر نہ ہو اور نہ آبادی کے آس پاس ہو بلکہ آبادی سے تین چار فرلانگ دور ہو۔ آبادی کے اندر کی بیکار زمینیں مکان بنانے یا کسی اجتماعی کام کے لئے یا بطور چراگاہ استعمال کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ ان پر کوئی بے اجازت قبضہ نہیں کر سکتا۔ آبادی سے قریب خالی زمینیں جو زراعت کے علاوہ اور کسی کام میں نہ آ سکتی ہوں ان پر حکومت کی اجازت سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ وہ بیکار پڑی ہوئی زمین جس کا کوئی مالک نہ پہلے تھا نہ اب ہے، یا کوئی مالک رہا ہو لیکن تین برس تک اس نے اُسے غیر مزروعہ چھوڑ رکھا ہو تو حکومت اُسے حجر قرار دے کر کسی دوسرے کو دے دے گی۔ (حجر کی تعریف آگے بیان کی گئی ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لیس لمحتجر بعد ثلث سنین حق (یعنی تین سال تک زمین بیکار چھوڑ دینے والے کا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے۔

۳۔ حکومت سے اجازت لے کر ہی کسی بیکار زمین کو آباد کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی شخص حکومت کی اجازت کے بغیر ایسا کرے گا تو وہ مالک نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: لاحِمیٰ الا للہ ورسولہ یعنی کسی بیکار زمین کو اپنانے کا حق صرف اللہ اور اس کے رسول کو ہے، یعنی حکومت کو۔ زمانۂ جاہلیت کے اس طریقے کو کہ جہاں بیکار زمین کو دیکھتے کہ اس میں زرخیزی کے آثار پائے جاتے ہیں تو اُسے اپنے اور اپنے جانوروں کے لئے مخصوص کر لیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت میں اس طریقے کو منسوخ فرمایا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں کوئی آدمی امام (یعنی حکومت) کی اجازت کے بغیر کسی بے کار زمین کا مالک نہیں ہو سکتا مگر امام مالک ؒ کے نزدیک صحرائی اور بیابانی زمینیں یا آبادی سے بہت دور کی زمینوں کو اگر حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اپنے تصرف میں لے آئے تو اس کا قبضہ تسلیم کیا جائے گا کیونکہ ایک عام آدمی کیلئے حکومت سے اجازت حاصل کرنے میں کافی دشواری ہے۔ امام شافعی ؒ

امام احمد حنبلؒ اور حنفی مسلک کے دو امام (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) بھی اسی رائے کی تائید کرتے ہیں۔

عام تمدنی اور انتظامی اعتبار سے امام ابو حنیفہؒ کی رائے مرجح ہے لیکن ملک میں غلہ کی شدید ضرورت کے وقت ملک کی بیکار زمینوں کو قابلِ کاشت بنانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے تمدنی اور انتظامی حالات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بیکار زمینوں پر کاشت کرنے کی عام اجازت حکومت کی طرف سے دی جایا کرے کہ جو جتنی زمین آباد کر کے غلہ پیدا کرے گا۔ اس زمین پر اس کا حق تسلیم کر لیا جائے گا۔

۴۔ بیکار پڑی ہوئی زمین کا مالک بننے کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ جس زمین کو آباد کرنا وہ چاہتا ہو، اس کی جتائی اور زمین توڑنے کا کام شروع کر دے، پانی دینے کی نالیاں وغیرہ بنا دے۔ یہ چار شرطیں اگر پائی جائیں گی تو غیر آباد زمین کو آباد کرنے والا اُس کا مالک ہوگا، ورنہ نہیں۔

بعض دوسرے ضروری مسائل

(۱) اگر کسی بیکار پڑی ہوئی زمین کے بارے میں حکومت کسی کو صرف یہ اجازت دے کہ اس سے فائدہ اٹھاؤ مگر حقِ ملکیت قائم نہیں ہوگا تو اُسے اس کا حق ہے (مجلہ صفحہ ۲۵) لیکن ملکیت میں دیدینے کے بعد پھر حکومت بغیر کسی وجہ کے واپس نہیں لے سکتی۔

۲۔ حکومت سے دس ایکڑ زمین کاشت کرنے کے لئے کسی نے لی، اس میں سے ۵ ایکڑ زمین جوت بولی اور ۵ ایکڑ چھوڑ دی تو اگر معذوری کے سبب ایسا کیا ہے تو خیر، ورنہ تین برس کے بعد حکومت وہ پانچ ایکڑ کسی دوسرے کو دے سکتی ہے۔ اگر تمام زمین آباد کر دی اور بیچ میں تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی ہے تو اس سے کوئی حرج نہیں، وہ اس کی ملکیت میں رہے گی، حکومت دوسرے کو نہیں دے گی۔

۳۔ اگر کسی کی آباد کردہ زمین کے گرد دوسرے لوگوں نے زمینیں آباد کر لیں تو انھیں ضرور اتنا راستہ چھوڑنا پڑے گا جس سے پہلا آدمی اور اُس کے جانور گزر سکیں۔

۴۔ اگر کسی نے زمین کے گرد چہار دیواری بنا دی یا کھائی کھود لی یا لوہے کے تار سے گھیر لیا لیکن زمین کو جوتا بویا نہیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے زمین کو آباد کر لیا۔ خواہ کھیتی کرے یا نہ کرے لیکن اگر اس نے صرف کانٹے دار گھاس یا چند پتھر اِدھر اُدھر لگا دیے یا رکھ دیے یا اس کی گھاس وغیرہ صاف کر دی یا کنواں کھود لیا اور تین برس تک کھیتی نہیں کی تو اس پر آباد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ حکومت وہ زمین کسی دوسرے شخص کو دے سکتی ہے یا اگر وہ پھر لینا چاہے اور حکومت کو یہ باور کرائے کہ وہ کسی معذوری کی وجہ سے آباد

نہ کر سکا تھا تو اسی کو دے سکتی ہے۔

۵۔ جو کنواں اس نے غیر آباد زمین میں کھودا ہے وہ اسی کی ملکیت ہوگا، خواہ زمین اسی کی ملکیت نہ رہے۔

غیر مسلم کا حکم

جس طرح مسلمان کسی زمین کو آباد کر کے اس کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح اگر غیر مسلم بھی کوئی زمین آباد کرے گا تو وہ اس کی ملکیت ہوگی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

آب رسانی کا انتظام

۱۔ کھیتی کو پانی دینے کے لئے کنواں کھودنا یا ندی یا تالاب سے پانی لینے کے لئے انتظام کرنا ہر شخص کا حق ہے۔ ندی یا تالاب سے پانی لینے کے لئے ایک ہی گھاٹ ہو اور چند کھیت والوں میں پہلے یا بعد میں آب پاشی کرنے پر اختلاف واقع ہو جائے تو جس کا نقصان زیادہ ہو رہا ہو وہ پہلے آب پاشی کرے گا۔ ندی یا تالاب میں مشین لگا کر بھی پانی لینے کا حق ہے بشرطیکہ اس سے دوسروں کا نقصان نہ ہوتا ہو، اگر پانی ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو، غریب اور کم آمدنی والے لوگوں کے لئے آبپاشی کا کوئی دوسرا انتظام نہ ہو۔ یا اس سے دوسری اجتماعی ضرورتیں یا جانوروں کو پانی پلانے کی سہولت متاثر ہوتی ہو تو مشین لگا کر پانی نکالنے سے روکا جائے گا۔

۲۔ جہاں آب پاشی کا انتظام نہ ہو یا ہو تو ناکافی ہو تو حکومت پر اس کا انتظام کرنے کی ذمہ داری ہے۔ اگر حکومت کے خزانے میں گنجائش نہ نکلے تو عام پبلک سے رضا کارانہ اس کام کو کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے لیکن اس صورت میں حکومت اُن سے پانی کا کرایہ نہیں لے سکتی۔

۳۔ تالاب، نہریں، کنویں جن سے آب پاشی کی جاتی ہے، اگر پٹ جائیں یا خراب ہونا شروع ہو جائیں تو ان سے فائدہ اٹھانے والوں پر ذمہ داری ہے کہ سب مل کر انھیں درست کرائیں۔ حکومت بھی ان کو اس پر مجبور کر سکتی ہے۔ اگر حکومت خود مرمت کرائے گی تو وہ عام ملکیت ہو جائیں گے۔ پھر اُن سے فائدہ اٹھانے والوں کو یہ حق نہ ہوگا کہ کسی دوسرے کو فائدہ اٹھانے سے روک سکیں۔

کنویں کے اطراف کی زمین

جس کی زمین میں کنواں کھودا گیا ہو اور کھودنے سے پہلے اس کی اجازت لی جا چکی ہو اور اس نے اس سے منع نہ کیا ہو تو اس کے گرد اتنی زمین کنویں کی ملکیت سمجھی جائے گی جتنی اس سے کام لینے والوں کو ضرورت ہوتی ہے مثلاً آدمیوں یا جانوروں کے پانی پینے کے لئے تقریباً دس گز زمین کنویں کی سمجھی جائے گی اور اگر اس سے کھیتوں کو بھی پانی دیا جاتا ہو تو حسب ضرورت اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

حجر

لغت میں حجر کے معنی روک دینے یا بیکار کر دینے کے ہیں لیکن اسلامی شریعت میں یہ اصطلاح ملکیت میں تصرف کا حق روک دینے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ جس کی اجازت قرآن اور حدیث سے ملتی ہے جن کو ملکیت میں تصرف کرنے سے روکا جا سکتا ہے، ان کے اصطلاحی نام یہ ہیں:۔

صبی (نابالغ بچہ)، **مجنون** (پاگل جس کے حواس نہ ہوں)، **معتوہ** (جو اتنا کم فہم ہو کہ اپنے نفع نقصان کو نہ سمجھ سکے)، **سفیہ** (دولت کو بے سوچے سمجھے صرف کرنے والا، عیاش، بدچلن، غفلت اور حماقت سے نقصان اٹھانے والا)

تصرف سے روکنے کا سبب حجر دو سببوں سے کیا جا سکتا ہے (۱) تصرف کی صلاحیت نہ ہو یا (۲) صلاحیت ہو مگر استعمال غلط طریقے سے کیا جائے جس کی وجہ سے کوئی تمدنی بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کو تصرف سے روک دیا جائے گا۔

مثلاً کوئی نابالغ بچہ ہو، یا کوئی پاگل ہو گیا ہو یا عقل کی اتنی کمی ہو کہ معاملات کی اچھائی برائی کو سمجھ نہ پاتا ہو، ایسے تمام لوگوں کو جائداد اور مال میں تصرف سے روکا جائے گا۔

اسی طرح جو عاقل بالغ اور سمجھ دار ہونے کے باوجود دولت کو بے جا صرف کرتا ہو یا غفلت و حماقت کی وجہ سے ہمیشہ معاملات میں نقصان اٹھاتا ہو اُسے بھی تصرف سے روکا جائے گا۔

حجر کا حق کس کو ہے ا۔ صبی اور مجنون کو اس کے مال اور جائداد میں تصرف سے روکنے کا حق سب سے پہلے اس کے ولی کو ہے، اس کے بعد جس کو مربی اور وصی بنا دیں، وہ مال اور جائداد کی نگرانی کرے جب تک صبی بالغ نہ ہو جائے اور مجنون صحیح الحواس نہ ہو جائے۔ جب وہ محسوس کریں کہ لڑکا بالغ ہو گیا ہے اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو گیا ہے تو اس کا مال اور جائداد اس کے حوالے کر دیں۔ اسی طرح مجنون کا پاگل پن دور ہو جائے تو اس کے مال اور جائداد کو بھی اس کے سپرد کر دیں۔ اگر کوئی ولی یا مربی اور وصی نہ ہو تو پھر حکومت اپنی نگرانی میں جائداد اور مال و دولت کو لے گی اور ولی کی طرح نگرانی کرے گی اور ایسا انتظام کرے گی کہ ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔

۲۔ سفیہ (جو اپنی دولت کو بے جا صرف کرتا ہے) کو اپنی جائداد اور مال میں تصرف سے روکنے کا حق قانونی

طور پر ولی یا وصی کو نہیں ہے خواہ وہ والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کا قانونی حق صرف حکومت کو ہے۔ ان دو قسموں کے علاوہ ایک اور قسم جن کا ذکر حدیثِ نبویؐ میں ہے، وہ مقروض کے مال و جائداد کو حجر کرنا (روکنا) ہے۔ اگر کوئی مقروض صاحب مال و جائداد ہوتے ہوئے قرض خواہ کا قرض ادا نہیں کرتا تو قرض خواہ کی درخواست پر حکومت اس کی جائداد (ڈاک خانے یا بینک کا روپیہ) یا اسباب خانہ داری کو قرق کرکے اس کو مجبور کرے گی کہ وہ قرض ادا کردے، اگر وہ ادا نہیں کرے گا تو حکومت اس کی جائداد یا سامان کو فروخت کرکے دائن (قرض خواہ) کا قرض ادا کردے گی۔

سفیہ و مُسرف اور نابالغ بچوں کے بارے میں قرآن میں تفصیلی احکام موجود ہیں، ان کے ولی اور مربی لوگوں کو یہ ہدایات دی گئی ہیں:۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا (النساء، آیت۔۵)

اور وہ مال جس کو اللہ نے تمہاری زندگی کا سہارا بنایا ہے کم عقلوں کو نہ دو کہ وہ اسے ضائع کریں، ان کو کھانا کپڑا دیتے رہو اور ان سے اچھائی اور بھلائی کی باتیں کہتے رہو۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا (النساء، آیت۔۶)

اور نابالغ یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ جب نکاح کی عمر کو پہنچیں اور تم ان کو اہل اور نیک چلن محسوس کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کردو اور تم اپنی نگرانی کے دوران ان کے مال کو جلدی جلدی بے جا طریقے سے نہ کھاؤ کہ مبادا وہ بڑے ہو جائیں گے۔"

ان آیات میں حسب ذیل باتوں کا حکم ملتا ہے:۔

۱۔ کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق اسی وقت تک ہے، جب تک، وہ اس کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کرے، لیکن جب وہ جائز حدود سے تجاوز کرنے لگے تو اس کے حقوق جو اس کی اپنی ملکیت پر تھے سلب کرلئے جائیں گے۔ مال اگرچہ ایک آدمی کا ہوتا ہو مگر خدا نے اُسے بہت سے آدمیوں کی زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، فضول خرچ کرنے والا اپنا مال ہی نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کا مفاد بھی تباہ کر رہا ہے لہٰذا یہ بات سب کے مفاد میں ہے کہ اُسے تصرف کے حق سے معزول کردیا جائے البتہ اس کی بنیادی ضرورتیں ہر حال میں پوری کی جائیں۔

۲۔ یتیم نابالغ بچے جو اپنے نفع اور نقصان کو سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، ان کا مال ان کے ہاتھ میں نہ دینا چاہیے بلکہ ان کے ولی اور مربی کی نگرانی میں رہے اور جب ان میں رُشد یعنی اچھے برے کی سمجھ اور تصرف کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو ان کا مال ان کے حوالے کر دیا جائے تاکہ اللہ کی بخشی ہوئی دولت برباد نہ ہو۔

۳۔ ولی اور مربی کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ ایک امین کی حیثیت سے مال و جائداد کا تحفظ اور اس کی نگرانی کریں اور اس سلسلہ میں انہیں جو خدمت سرانجام دینا پڑے اس کا مناسب معاوضہ بھی اس مال و جائداد سے لیں لیکن انہیں یہ ہرگز زیبا نہیں کہ یتیم کا سرمایہ جس کے وہ امین اور محافظ بنائے گئے ہیں اس میں سے جلد سے جلد بیجا مصارف کرتے رہیں اور جب وہ سنِ رشد کو پہنچے تو اس کا سرمایہ تقریباً ختم ہو چکا ہو۔ اگر خدا نے ان کو خوشحالی عطا کی ہے تو انہیں چاہیئے کہ یتیم کے مال سے کچھ بھی نہ لیں۔

حجر کی کچھ اور صورتیں کوئی مدرس بچوں کو غلط پڑھاتا ہو۔ کوئی معلم اخلاق اپنے شاگردوں کے اخلاق سدھارنے کے بجائے بگاڑتا ہو۔ کوئی دار الاشاعت فحش مواد شائع کرتا ہو۔ کوئی مفتی غلط فتوے دیتا ہو، کوئی غیر سند یافتہ ڈاکٹر یا نیم حکیم مطب کھول کر لوگوں کی صحت برباد کرتا ہو یا کوئی پیشہ ور دھوکے کا کاروبار کرتا ہو تو ایسے تمام لوگوں کو ان کے پیشے سے روک دیا جائے گا جس کا حق صرف اسلامی حکومت ہی کو ہے۔ عام لوگ حکومت تک شکایت پہنچا سکتے ہیں مگر قانون ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔ حکومت بھی صرف پیشہ یا پریکٹس کو روک دے گی، باقی معاملات پر پابندی نہیں لگائے گی۔

حجر کا حکم دیتے وقت محجور کی موجودگی جس کسی کو تصرف سے روکا جاتے اس وقت اس کی موجودگی ضروری نہیں۔ مال اور جائداد کو صاحبِ مال کی عدم موجودگی میں بھی حجر کیا جا سکتا ہے البتہ اس کو اس کی اطلاع ضرور دی جائے گی۔

حجر کے متعلق بعض ضروری مسائل ۱۔ اگر کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہے تو حکومت اس کو قوانین شرعی کے مطابق سزا دے گی لیکن جائداد اور دوسرے اموال کو حجر نہیں کریگی۔ یہ اسی وقت ہوگا جب وہ اپنے مال کو غلط یا بیجا طریقوں سے ضائع کرنے لگے۔

۲۔ ناسمجھ لڑکے کا ولی مال پر تصرف کرنے کی اجازت اس کو نہیں دیگا اور اگر وہ کوئی تصرف کرتا ہے تو وہ باطل قرار پائے گا اور اس کے تصرف کرنے سے اگر کوئی نقصان پہنچ گیا تو اس کا گناہ ولی پر ہوگا۔ اس کی بیع و شراء (فروخت اور خرید) کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگر ولی نے اجازت بھی دے دی ہو تو وہ قانوناً معتبر نہ ہوگی۔

۳۔ نابالغ لڑکا اگر سمجھ دار ہو اور وہ ایسا معاملہ کرے جس میں نقصان کا اندیشہ بھی نہ ہو بلکہ فائدہ ہی متوقع ہو، تو ایسا معاملہ ولی کی اجازت کے بغیر کیا جا سکتا ہے مثلاً کسی نے اس کو تحفۃً کوئی چیز دی یا ہبہ کی اور اس نے اسے قبول کر لیا تو وہ چیز اس کی ملک ہو جائے گی لیکن اگر اس نے ایسا معاملہ کیا جس میں فائدے کی کوئی توقع ہی نہ تھی بلکہ نقصان ہی کا اندیشہ تھا تو اگر ولی نے معاملہ کرنے کی اجازت دے دی ہو تو بھی معاملہ باطل قرار پائے گا، حتیٰ کہ اس کا ہبہ کرنا اور ہدیہ دینا بھی نامعتبر ہے۔ وہ چیز قانوناً واپس لی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی سمجھ والا لڑکا جسیں نفع اور نقصان کی تمیز ہے کوئی چیز ولی کی اجازت سے بیچے یا خریدے تو صحیح ہے لیکن اگر ولی اجازت نہ دے تو باطل ہے۔

۴۔ بالغ ہو جانے کے بعد جب ولی اس کی جائداد یا مال اس کے حوالے کرنا چاہے تو پہلے تھوڑا مال دے کر اس کی اہلیت کی جانچ کرے، جب یہ تجربہ اور جانچ ہو جائے کہ وہ کام کو بخوبی سنبھالنے کے قابل ہو گیا ہے تب ہی وہ اس کی ساری جائداد اور مال اس کے حوالے کرے۔

۵۔ سمجھ دار نابالغ کو اس کی دولت و جائداد سپرد کر دینے کے بعد اگر ولی محسوس کرے کہ تصرف ٹھیک ڈھنگ سے نہیں کر رہا ہے تو وہ دوبارہ حجر کر سکتا ہے لیکن بالغ ہو جانے کے بعد حکومت حجر کر سکتی ہے۔ ولی کو یہ حق نہیں رہتا۔

۶۔ اجازت صراحتاً الفاظ سے دی جاتی ہے لیکن کبھی طرزِ عمل سے بھی اجازت مفہوم ہوتی ہے۔ ایک ہوشیار نابالغ لڑکے کو اس کا ولی خرید و فروخت کرتے دیکھے اور کوئی روک ٹوک نہ کرے تو یہ اجازت سمجھی جائے گی اور لڑکے کا تصرف کرنا صحیح مانا جائے گا۔

بالغ ہونے کی عمر

لڑکے ۱۲ بارہ برس کی عمر سے ۱۴ برس کی عمر تک بالغ ہو جاتے ہیں اور لڑکیاں ۹ برس سے تیرہ برس کی عمر تک بالغ ہو جاتی ہیں، علامات بلوغ ظاہر ہوں یا نہ ہوں۔ پندرہ برس کی عمر ہونے پر لازمی بالغ قرار دیا جائے گا۔

حجر کے سلسلے میں ولی کس کو قرار دیا جائے گا

سب سے پہلے ولایت کا حق دار باپ ہے اس کے بعد وہ جسے باپ نے اپنی زندگی میں وصی مقرر کر دیا ہو (یعنی لڑکے کا مربی اور نگراں) اگر باپ کی وفات ہو گئی ہو لیکن اس کا مقرر کردہ وصی موجود ہو تو وہ جس کو لڑکے کا مربی مقرر کر دے

قضیٰ بِالشُّفْعَۃِ فِیْ کُلِّ شِرْکَۃٍ لَمْ تُقْسَمْ رَبعۃ اوحائط لا یحلّ لہ ان یبیع حتی یوذن شریکہ فان شاء اخذ و ان شاء ترك فان باعہ ولم یوذنہ فھو احق بہ (مشکوٰۃ)

ہر مشترک جائداد میں خواہ مکان ہو یا باغ اور زمین ہو آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے کہ اُسے بیچ دے تاوقتیکہ دوسرے شریک سے اجازت نہ لے۔ اگر شریک چاہے تو خود خرید لے ورنہ چھوڑ دے اگر شریک کی اجازت کے بغیر فروخت کردیا تو شریک زیادہ حقدار ہے۔

شفعہ کے اسباب

۱۔ وہ شخص جو فروخت ہونے والی جائداد میں حصہ دار ہو۔ ۲۔ وہ شخص جس کی زمین یا مکان اور فروخت ہونے والی زمین یا مکان میں کسی نوع کی شرکت ہو مثلاً دونوں اشخاص کی زمینوں کو ایک ہی کنویں سے پانی دیا جاتا ہو یا دونوں کے مکانوں کا ایک ہی راستہ ہو۔ (۳) وہ پڑوسی جس کی زمین فروخت کرنے والے کی زمین سے یا جس کا مکان فروخت کرنے والے کے مکان سے ملا ہوا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سب کو شفعہ کی اجازت ہے مگر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پہلے دو شخصوں کو اجازت ہے، تیسرے شخص یعنی پڑوسی کو نہیں ہے۔

حق شفعہ میں ترتیب

پہلا حقدار شفعہ کرنے کا وہ شخص ہے جو فروخت ہونے والی جائداد میں حصہ دار ہو۔ دوسرا حقدار وہ شخص ہے جو جائداد سے نفع اُٹھانے میں اشتراک رکھتا ہو تیسرا حقدار وہ پڑوسی ہے جس کا مکان یا زمین ملی ہوئی ہے یعنی پڑوسی۔ اُس پڑوسی کو فوقیت حاصل ہوگی جو نفع اُٹھانے میں مشترک ہو جیسے دونوں کے مکانوں کا راستہ ایک ہو یا دونوں زمینوں کو ایک ہی ذریعے سے پانی پہنچتا ہو۔

(نوٹ) دومنزلہ مکان جس میں اوپر کی منزل کسی ایک شخص کی ہو اور دوسری منزل کسی دوسرے کی تو دونوں ایک دوسرے کے جار مُلاصق ہیں۔

۲۔ اگر دو پڑوسیوں کے مکانوں کی ایک دیوار مشترک ہو تو دونوں مکان میں شریک سمجھے جائیں گے یعنی پہلے ان ہی کو شفعہ کا حق ہوگا لیکن اگر کسی پڑوسی نے پڑوسی کی دیوار پر بلی یا کڑی

رکھ لی یا اُس پر سلیب لگالیا اور پڑوسی نے اعتراض نہیں کیا تو اس سے وہ شریک نہیں بلکہ پڑوسی ہی سمجھا جائے گا۔

۳۔ اگر کسی زمین یا مکان کے دو یا زیادہ شفیع ہوں اور سب کے حصّے برابر نہ ہوں تو بھی حق شفعہ کے لئے سب برابر ہوں گے۔ مثلاً تین شریک ہوں جن میں ایک کا آدھا حصّہ ہو اور باقی آدھے میں دو آدمی ہوں جن میں سے ایک کا تیسرا اور ایک کا چھٹا حصّہ ہو تو اگر آدھے حصّے والا اپنا حصّہ بیچتا ہے تو ان دونوں کو برابر کے شفعہ کا حق ہوگا اور دونوں اُسے حق شفعہ سے لے کر برابر تقسیم کرلیں گے قیمت بھی دونوں کو برابر دینا ہوگی۔ حصّے کی کمی بیشی کا کوئی اثر حق شفعہ پر نہیں پڑے گا۔

شفعہ کے شرائط اور ضروری مسائل

جیسے ہی شفیع کو اطلاع ملے کہ شرکت کی یا جوار کی زمین بیچی یا ہبہ کی گئی ہے اُسی وقت اُسے اعلان کردینا چاہیئے کہ میں شفعہ کا حق استعمال کروں گا یا ایسا طرزِ عمل جس سے اُس کی ناراضگی یا شفعہ میں لینے کا رجحان واضح ہو اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر وہ یہ سُن کر خاموش رہا تو پھر شفعہ کا حق نہیں رہے گا۔

۲۔ جائداد فروخت کرنے یا ہبہ کرنے سے پہلے محض ارادہ معلوم ہونے پر شفعہ کا حق قائم نہیں ہوتا۔

۳۔ جس جائداد کے بیچنے یا ہبہ کرنے میں شفیع کی رضامندی شامل ہو اُس میں اُس کو شفعہ کا حق نہیں ہے مثلاً اُس نے خود بیچنے کا مشورہ دیا یا بیع کا علم ہونے پر کہا کہ "اچھا ہوا" تو پھر اُس کو شفعہ کا حق نہیں رہا۔

۴۔ صرف غیر منقولہ جائداد مثلاً باغ، زمین اور مکان وغیرہ میں ہی شفعہ ہوسکتا ہے۔ منقولہ اموال یا وقف اور حکومت کی جائداد میں شفعہ کا حق نہ ہوگا۔

۵۔ اگر جائداد خریدنے والے سے شفیع نے یہ کہا کہ تم اتنی رقم دو تو میں حق شفعہ سے باز آجاؤں تو اس کہنے سے شفعہ کا حق باقی نہیں رہے گا۔ اور حق کا دباؤ ڈال کر روپیہ لینا رشوت کی طرح حرام ہے۔

۶۔ کسی مکان کا خریدنے والا شفیع کو گمراہ کرنے کے لئے کہے کہ میں نے یہ مکان دس ہزار

اب وہ ولی ہو جائے گا۔ باپ یا باپ کے مقرر کردہ وصی دونوں کے انتقال کی صورت میں دادا (اگر زندہ ہے) ولی ہوگا۔ اور اسے بھی باپ کی طرح اپنی زندگی میں دوسرے کو ولی مقرر کر دینے کا حق ہے۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو پھر حکومت اس کی ولی ہوگی۔ رہے دوسرے اعزہ و اقربا، تو جبر میں وہ ولی نہیں ہو سکتے۔ البتہ باپ دادا یا حکومت ان میں سے کسی کو نگراں بنا دیں تو انھیں ولی کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔

سفیہ اور مدیون کی حیثیت

جب سفیہ اور مدیون کو اپنی جائداد اور مال میں تصرف سے روکا جائے گا تو ان کا معاملہ نابالغ کے ساتھ معاملے سے مختلف نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ ان کی ولایت کا حق بجز حکومت کے اور کسی کو نہ ہوگا۔

۲۔ حکومت ان کا اور ان کے بال بچوں کا خرچ ان کی جائداد یا مال سے پورا کرے گی۔

۳۔ جن دوسرے لوگوں کے حقوق ان پر ہوں گے وہ بھی ان کی جائداد یا مال سے پورے کئے جائیں گے۔"

۴۔ مدیون کا وہی مال یا جائداد قرق کی جائے گی جو حجر کے وقت موجود ہوگی۔ اس کے بعد وہ جو کچھ کمائے گا اس میں حکومت کو مداخلت کا حق نہیں ہے۔

۵۔ مدیون کی جائداد اور مال جس پر تصرف روک دیا گیا ہے اگر اس کے علاوہ مدیون کے پاس کوئی ذریعہ معاش اور نہیں ہے تو اسی سے اس کے بال بچوں کا خرچ پورا کیا جائیگا۔"

۶۔ سفیہ جسے اپنی جائداد میں تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے، اگر کوئی قرض لے لے تو وہ بھی اسی کی جائداد سے ادا کیا جائے گا" البتہ اگر کسی فضول خرچ کے واسطے قرض لیا ہو تو حکومت اس کی ذمہ دار نہیں ہوگی۔

شُفعہ

شفعہ کے معنے اور تعریف

شفعہ کے معنے ملانے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں کسی شخص کی خریدی ہوئی جائداد کو اپنی جائداد سے مِلانے کو کہتے ہیں جس کا حق پڑوسی کو ہوتا ہے۔

متعلقہ اصطلاحیں

۱۔ شفیع (شفعہ کرنے والا) (۲) مشفوع (جس زمین یا مکان کا شفعہ کیا جائے) (۳) مشفوع بہ (شفیع کی اپنی زمین یا مکان یا اُن کا حصہ جو مشفوع سے ملحق ہو) (۴) جار (پڑوسی) (۵) جارِ مُلاصق (وہ پڑوسی جس کا مکان بالکل ملا ہوا ہو۔)

شفعہ کا حق

کوئی شخص اپنی جائداد جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کی جاسکتی مثلاً: زمین یا مکان بیچنا چاہتا ہے تو اُس کی زمین یا مکان تو کسی بڑی زمین اور مکان کا حصہ ہوگا یا اُس کے ملحق دوسروں کی زمین اور مکان ہوں گے۔ دونوں صورتوں میں اُس کے تعلقات دوسرے حصہ داروں اور پڑوسیوں سے ہوں گے یعنی آپس میں ایک دوسرے کے نفع نقصان اور تکلیف و آرام کا خیال رکھتے ہوں گے جیسا کہ ایک صالح معاشرے میں ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی اجنبی شخص اُس بیچنے والے شخص کے حصۂ زمین یا مکان کو خریدتا ہے تو ہوسکتا ہے اُس سے پڑوسیوں کے تعلقات استوار نہ رہیں یا اُس کا مزاج اُن لوگوں سے مختلف ہو جس سے دونوں کو تکلیف ہو یا معاشرے میں کسی قسم کا بگاڑ رونما ہو اُسی مصلحت کے پیشِ نظر شریعت نے شُفعہ کا قانون نافذ کرنے کی اجازت دی ہے یعنی یہ بائع جتنی قیمت میں یہ جائداد بیچ رہا ہے اگر شفیع چاہے تو اتنی ہی قیمت پر وہ جائداد لے سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے مشترک جائدادوں میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے:

اس کی سات گنی زمین کا بوجھل طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے کھیتی کرلے تو اُس کو اُس کھیتی کا حاصل نہیں دیا جائے البتہ اُس کی محنت کی مزدوری دیدی جائے۔ اسلامی قانون میں اسی پر عمل ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت میں کسی کا حق مارنے والے سے کہا جائے گا کہ وہ غصب کی ہوئی چیز واپس کرے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسا نہیں کرسکے گا لہذا اس کی نیکی کا کچھ حصہ اس شخص کو دے دیا جائے گا جس کی چیز غصب کی گئی ہوگی۔ اگر اُس کے اعمال نامے میں کوئی نیکی نہ ہوگی تو حقداروں کے گناہوں کا کچھ بوجھ اس پر ڈال دیا جائے گا اور جس کے ساتھ زیادتی کی گئی تھی اس کو اجر ملے گا بشرطیکہ اس نے بھی ظلم کے بدلے میں ظلم اور غصب کے جواب میں غصب نہ کیا ہو۔ یہ تو تھا آخرت کا عذاب، دنیا میں غصب اور ظلم کی سزا کی تفصیل آگے ذکر کی جارہی ہے۔

اصطلاحات

۱۔ غاصب۔ غصب کرنے والا (۲) مغصوب۔ وہ چیز جو غاصب نے غصب کی۔
۳۔ مغصوب منہ۔ وہ شخص جس کا مال غصب کیا گیا۔

غصب کی شرعی تعریف کسی حلال مال کو اُس کے جائز مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح لینا کہ وہ مغصوب منہ (یعنی اصل مالک کے قبضہ سے نکل کر غاصب کے قبضہ میں آجائے۔

غصب کا حکم جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کسی کی چیز اُس کی اجازت کے بغیر لے لینا سخت گناہ ہے، اگر لینے والے نے قصداً ایسا کیا ہے، اور اگر غلطی سے یا دھوکہ کھا کر اپنی چیز تصور کرتے ہوئے کسی کی کوئی چیز لے لی تو گناہ تو نہیں ہوگا صرف وہ چیز واپس کرنا ہوگی۔ غلطی اور چوک کو اللہ تعالیٰ معاف کردیتا ہے اگر صدق دل سے استغفار کیا جائے۔ شریعت کے مطابق دونوں صورتوں میں مغصوب چیز مغصوب منہ کو واپس کرنا ہوگی یا اُس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۲۔ غاصب کے پاس مغصوب جوں کا توں موجود ہو تو بعینہ وہی اُس سے واپس لیا جائے گا لیکن اگر اُسے خرچ کردیا یا ضائع کردیا تو اگر وہ چیز ایسی تھی جس کے مثل مل سکتی ہے تو خرید کر واپس کرنا ہوگی لیکن اگر نہیں مل سکتی یا بالکل اسی طرح کی نہیں ملتی تو پھر اس کی قیمت دینا پڑے گی۔

۳۔ مغصوب مال کی قیمت غاصب واپس کر دے اور مغصوب منہ قبول نہ کرے تو حکومت اس کو لینے پر مجبور کرے گی۔

۴۔ مغصوب چیز میں خرابی یا کمی آنے کی وجہ سے اگر معمولی خرابی ہے تو وہ چیز واپس کرنے کے ساتھ خرابی کے بقدر تاوان بھی دینا پڑے گا لیکن اگر زیادہ خرابی آئی ہے تو مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ چیز واپس لے اور نقصان کے بقدر اس کا تاوان لے لے۔ یا چیز واپس نہ لے بلکہ پوری قیمت وصول کر لے۔

۵۔ اگر غاصب نے مغصوب چیز میں ایسی تبدیلی کر دی کہ اُس کی نوعیت یا نام بدل گیا جیسے گیہوں غصب کر کے اُس کا آٹا بنا دیا یا بکری غصب کر کے ذبح کر ڈالا تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز غاصب کی ملکیت بن گئی تو اس کو چیز کی پوری قیمت دینا پڑے گی اور جب تک قیمت ادا نہیں کر دے گا اُس کو استعمال کا حق نہ ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے کپڑا غصب کیا اور اُسے رنگوا لیا تو مالک کو کپڑا لینے یا پوری قیمت لینے یعنی دونوں باتوں کا حق ہوگا، کپڑا لینے کی صورت میں رنگائی کی قیمت مالک کو دینا پڑے گی، اسی طرح اگر کسی نے سونا یا چاندی غصب کر کے اس کا زیور بنوا لیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہی چیز مالک کو واپس کر دینے کا حکم دیتے ہیں مگر صاحبین کے نزدیک زیور نہیں بلکہ سونے یا چاندی کی قیمت دلائی جائے گی۔

۶۔ مغصوب چیز میں جو خود بخود زیادتی ہوگی وہ سب مالک (یعنی مغصوب منہ) کی ہوگی مثلاً: جانور نے بچہ دیا باغ میں پھل آ گیا تو یہ سب مالک کا حق ہے، اگر غاصب اُسے فروخت یا ضائع کرے گا تو تاوان دینا پڑے گا۔

۷۔ اگر غاصب نے غصب کرنے کے بعد اُس میں خود کچھ اضافہ کر دیا مثلاً زمین کو غصب کر کے مکان بنا لیا یا اُس میں درخت لگا لیے تو اُسے حکم دیا جائے گا کہ اپنی تعمیر کو ڈھا دے۔ درختوں کو کاٹ لے جائے لیکن اگر مکان کو گرانے یا درختوں کو کاٹنے سے زمین کو کوئی نقصان ہوتا ہو تو مالک اگر اس کی قیمت دے کر خود لے لے تو یہ بات اخلاقاً زیادہ مستحسن ہے بہ نسبت اس کے کہ قانوناً غاصب پر زیادتی کی جائے۔

میں خریدا ہے۔ شفیع نے رقم کی زیادتی کی وجہ سے شفعہ نہیں کیا لیکن بعد میں اُسے معلوم ہوا کہ وہ مکان کم قیمت میں بکا ہے تو اُسے دوبارہ شفعہ کرنے کا حق ہوگا۔

۷۔ لیکن اگر اس عرصے میں خریدار نے مبیع میں کوئی اضافہ کر دیا مثلاً زمین میں کوئی عمارت بنالی یا بنی ہوئی عمارت میں توسیع کر دی یا درخت لگا لیے تو شفیع یا تو تمام کی قیمت دے کر اس جائداد کو لے لے یا اپنے حق سے باز آجائے۔

۸۔ شفیع نے جس مکان یا باغ کا شفعہ کیا ہے اس کی پوری قیمت ادا کرنا ہوگی خواہ مکان شفعہ کرنے کے بعد گر گیا ہو یا باغ کے درخت سوکھ گئے ہوں بشرطیکہ خریدنے والے نے قصداً مکان گرایا نہ ہو اور باغ کے درختوں کو جان بوجھ کر نقصان نہ پہنچایا ہو۔

۹۔ اگر شفعہ کا دعویٰ کرنے کے بعد فیصلہ ہونے سے پہلے شفیع کا انتقال ہو جائے تو شفعہ کا حق ختم ہو جائے گا، وارثوں کو یہ حق منتقل نہ ہوگا۔

۱۰۔ شفیع نے شفعہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے لیکن اس کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے تو اس تاخیر سے اُس کا حق متاثر نہیں ہوگا۔ شفیع مشفوع کو دو طرح سے حاصل کر سکتا ہے:

۱۔ اسلامی حکومت کے سامنے اپنا دعوی پیش کرکے۔

۲۔ خریدار کو قیمت ادا کرکے اگر وہ اس پر راضی ہو جائے۔

مسلم اور غیر مسلم کا حق برابر ہے

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ شفعہ کا حق دفع ضرر کے لئے ہے اس میں مسلم، غیر مسلم، باغی، عادل سب برابر ہیں۔ اس لئے شفعہ کا استحقاق بھی برابر سب کو حاصل ہے۔

غصب

کسی کی کوئی چیز اُس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر اور بلا استحقاق زبردستی لے لینا غصب کہلاتا ہے اور یہ بڑا گناہ ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی سخت مذمت فرمائی گئی ہے یہاں تک کہ بیوی کو شوہر کی چیز اور شوہر کو بیوی کی چیز، باپ کو بیٹے کی چیز اور بیٹے کو باپ کی چیز

بھی بے اجازت لینا اور استعمال کرنا صحیح نہیں ہے ایسا کرنے والے کو غاصب کہا جائے گا۔
اس کی سزا اس کو دنیا میں بھی دی جا سکتی ہے اور آخرت میں اس کو عذاب کی وعید ہے "غصب"
ظلم کی بدترین قسم ہے، قرآن میں ناحق اور بلا ضرورت کسی کا مال کھانے والوں کے بارے میں فرمایا
ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں یعنی اپنا ٹھکانا جہنم کو بنا رہے ہیں۔ قرآن نے یہاں ظلم
کا لفظ استعمال کیا ہے جو ہر طرح کی زیادتی، زبردستی حق تلفی اور غصب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ غصب تو
ظلم اس حیثیت سے بھی ہے کہ غاصب یا تو کسی کمزور کا یا کسی نابالغ یتیم کا مال ناروا طریقے سے کھاتا
ہے اگر کمزور کو طاقت حاصل ہوتی اور یتیم اگر بالغ ہوتا تو اپنی دولت کو اس طرح ہرگز برباد کرنے
کی اجازت نہ دیتا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات میں اس کی مذمت کی گئی ہے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ غصب ایک بدترین ظلم ہے، آپ نے تاکید اور تنبیہ کے انداز میں فرمایا (بحوالہ بیہقی و دار قطنی)

اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا یَحِلُّ	ہوشیار! خبردار کسی پر ظلم نہ کرنا۔ ہوشیار! خبردار کسی
مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسِہٖ۔	آدمی کا مال اُس کی مرضی کے بغیر لینا حرام ہے

آپ نے فرمایا کہ بلا اجازت کسی کی چیز نہ تو سنجیدگی سے لینا درست ہے نہ مذاق اور تفریح
کے انداز سے۔

لَا یَاْخُذَنَّ اَحَدُکُمْ مَتَاعَ	تم میں سے ہرگز کوئی اپنے بھائی کا مال نہ تو
اَخِیْہِ جَادًّا وَّلَا لَاعِبًا۔	سنجیدگی سے لے اور نہ ہنسی میں۔

آپ نے فرمایا کسی کی چھڑی بھی بغیر اجازت نہ اُٹھانا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ کسی کو یہ حق نہیں
ہے کہ وہ کسی کا دودھ دینے والا جانور پا جائے اور بغیر اجازت اس کا دودھ دوہ لے آپ نے
ایک تمثیل دے کر فرمایا کہ تمہارے کھانے پینے کی کوئی چیز کسی برتن میں ہو کیا تم پسند کرو گے کہ
اس کو توڑ دیا جائے اور وہ چیز گر جائے تو جس طرح تم یہ گوارا نہیں کرو گے کہ تمہارے کھانے پینے
کی چیز کوئی اس طرح برباد کر دے۔ جانور بھی غذا کے برتن کی طرح ہیں، ان کو مالک کی اجازت
بغیر خالی کر لینا درست نہیں ہے۔ (مسلم)

آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک بالشت زمین بھی کسی کی ناحق دبا لے تو قیامت کے دن

پہنچے پاس کا مکان گرادیں اور پیٹ پیٹ کر آگ کو دبادیں تو مکان گرانے یا آگ بجھانے میں کوئی چیز ٹوٹ گئی تو اس کا تاوان ان لوگوں کو دینا پڑے گا جن لوگوں نے نقصان کیا ہے۔ البتہ اگر حکومت کے ذمہ داروں کے حکم سے مکان گرایا گیا یا اُس کو نقصان پہنچایا گیا ہے تو گرانے والوں سے کوئی تاوان نہیں لیا جا سکتا اُس کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

نقصان کے بدلے میں نقصان کرنا جائز نہیں

۸۔ اگر زید نے عمرو کی کسی چیز یا مال کا نقصان کیا ہے تو عمرو اُس سے تاوان لے سکتا ہے لیکن شریعت نے یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ زید کی کسی چیز یا مال کا نقصان کرے اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا اور زید کی چیز کے نقصان کا معاوضہ بھی دینا پڑے گا۔ نقصان کے بدلے میں نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ صرف تاوان ہی بدلہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ دونوں کو ایک دوسرے کے نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔

نقصان کرنے پر تاوان ہے محض حکم دینے پر نہیں ہے

۹۔ اگر خان نے طارق سے کہا کہ زید کی فلاں چیز توڑ دو یا پھینک دو یا کسی اور طرح کا نقصان پہنچاؤ تو سزا اور تاوان نقصان کرنے والے پر ہے حکم دینے والے پر نہیں۔ البتہ اگر یہ حکم اسلامی حکومت کا ذمہ دار دے یا ایسا کرنے پر اُسے مجبور کر دیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں کرنے والے پر ذمہ داری نہیں ہے۔

نقصان کا سبب بننا

"اَلْمُسَبِّبُ لَا يُضْمَنُ اِلَّا بِالتَّعَمُّدِ" کسی نقصان کا سبب بننے والا قصد و ارادے سے ہی ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ تشریحات یہ ہیں۔

۱۔ کسی نے کسی شخص کے کمرے یا بکس کا قفل کھول دیا اور اس سبب سے کوئی چیز چوری ہوگئی تو اس کا تاوان کمرے یا بکس کا قفل کھولنے والے پر ہوگا۔ اسی طرح کسی نے کسی کی کھیتی یا باغ میں پانی جانے نہیں دیا جس سے کھیتی یا پھلوں کو نقصان ہو گیا یا اپنے کھیت کا زیادہ پانی دوسرے کے کھیت میں کاٹ دیا جس سے اُس کی زراعت ضائع ہوگئی تو پانی کے روکنے والے اور کاٹ دینے والے سے اُس کا تاوان لیا جائے کیونکہ ان تمام صورتوں میں

قصداً نقصان پہنچایا گیا۔

۲۔ کوئی شخص راستے میں جا رہا ہے کوئی جانور اُسے دیکھ کے بھڑکا اور رسی تڑا کر بھاگ گیا اور وہ گم ہو گیا تو اس شخص پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے البتہ اگر اُس نے بھڑکا دیا تھا یا چھتری دکھا کر ڈرایا تھا تو اُسے اُس کی قیمت دینا پڑے گی۔ کسی نے شکار کرنے کے لئے بندوق چلائی اور آواز سے ڈر کر کوئی بچہ گر پڑا اور اُسے موت آگئی یا کوئی جانور رسی تڑا کر بھاگا اور گم ہو گیا تو بندوق چلانے والے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اگر اُس نے قصداً ڈرانے ہی کے لئے بندوق چھوڑی تھی تو وہ ذمہ دار ہو گا۔

۳۔ اگر کسی نے عام راستے پر کوئی کنواں حکومت کے حکم سے کھودا اور کوئی گر گیا تو اس پر اس کا خوں بہا نہیں ہے بلکہ حکومت پر ہے لیکن اگر خود اُس نے اپنی طبیعت سے ایسا کیا ہے تو اُس کو خوں بہا دینا پڑے گا۔ اگر اُس نے اپنی ذاتی زمین میں کوئی کنواں کھودا اور کوئی آدمی گر کر مر گیا تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

مزدوروں اور پیشہ وروں کے نقصان کرنے اور تاوان لئے جانے کا بیان اجارہ کے باب میں آچکا ہے۔

جانوروں سے نقصان ہو جانے کا تاوان

۱۔ اگر کسی کا جانور رات میں یا دن میں اتفاق سے کھل گیا اور اُس نے کسی کا کھیت کھا لیا تو اس نقصان کا تاوان جانور کے مالک سے نہیں لیا جا سکتا؛ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے:

اَلعَجمَاءُ جُرحھا جُبَارٌ۔ جانور کے نقصان کا کوئی تاوان نہیں ہے۔

لیکن اگر قصداً اُس نے کھول دیا یا کھل جانے کا علم ہوا اور اُس نے باندھنے کی کوشش نہیں کی، یا چرواہا ساتھ تھا مگر اس کے باوجود کھیت میں جانور پڑ گیا تو ان تمام صورتوں میں خواہ رات ہو یا دن تاوان لیا جائے گا۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنے جانور عام راستے سے لے جا رہا ہے اور جانوروں نے کسی کا کھیت چر لیا یا کچل دیا یا اُس میں گھس گئے اور بہت سے پودے ضائع ہو گئے تو اُس کو تاوان دینا پڑے گا۔ البتہ اگر جانور نے پیر جھاڑا، دولتی چلائی یا دم ہلائی اور اس سے کوئی نقصان

اتلافِ مال

کسی کا نقصان کر دینا یا قصداً کسی نقصان کا سبب بننا بھی بڑا گناہ ہے۔ جان کا تلف کرنا تو سب سے عظیم گناہ ہے، اُس کے احکام بھی بہت سخت ہیں یہاں صرف مال کو تلف کرنے کے بارے میں احکام کا ذکر مقصود ہے۔

ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کا برتن توڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تاوان دلوا دیا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کی چیز قصداً یا بغیر قصد کے ضائع کرتا ہے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔ قصداً میں گناہ بھی ہوگا اور تاوان بھی دینا پڑے گا جبکہ بلا قصد ضائع کرنے میں گناہ تو نہیں ہوگا مگر تاوان لیا جائے گا۔

کسی چیز کو ضائع کرنے یا نقصان پہنچانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ براہ راست کوئی چیز ضائع کر دی یا اُس کو نقصان پہنچا دیا، دوسرے یہ کہ کوئی فعل نقصان کا یا ضائع کرنے کا سبب بنا مثلاً کسی نے ایک چیز زمین پر پٹک دی اور وہ ٹوٹ گئی یا قصداً ایسی جگہ رکھ دی یا کسی ناسمجھ بچے کے ہاتھ دے دی کہ گر کر ٹوٹ گئی۔ تو پہلی صورت براہِ راست نقصان کی ہوئی جبکہ دوسری صورت میں وہ نقصان کا سبب بنا۔ دونوں صورتوں میں تاوان دینا لازم ہوگا۔ پہلی صورت میں تو نقصان پہنچانے والا اول و آخر ایک ہی شخص ہے لیکن دوسری صورت میں ایک دوسرا شخص بھی نقصان رسانی کا مرتکب ہوا تو پہلے شخص پر اُس کی ذمہ داری نہیں رہے گی مثلاً کسی نے راستے میں کنواں کھود دیا اب اگر کوئی آدمی اس میں خود گر گیا تو اس کا خون بہا کنواں کھودنے والے کو دینا پڑے گا لیکن اگر کوئی دوسرا آدمی کسی آدمی یا جانور کو کنویں میں گرا دے تو اس کی ذمہ داری گرانے والے پر ہوگی، کنواں کھودنے والے پر نہیں ہوگی۔

براہِ راست نقصان کرنا براہ راست نقصان کرنے والے کو تاوان دینا پڑے گا خواہ قصداً کیا ہو یا بغیر قصد کے۔ مثلاً کسی نے کوئی چیز مستعار لی یا بطور کرایہ لی یا بطور امانت رکھی اور اُس نے اُس کو قصداً توڑ دیا یا غلط طریقے پر استعمال کیا اور

اس کی خاطر خواہ حفاظت نہیں کی تو اس کو نقصان کا جرمانہ دینا پڑے گا جیسے کسی نے سائیکل لی اور خراب راستے پر یا مجمع میں تیز چلائی اور کوئی پرزہ ٹوٹ گیا یا کسی سے لڑ گئی تو اس کو اس کا جرمانہ دینا پڑے گا یا کسی سے کتاب عاریۃً لی اور اُسے ایسی جگہ رکھ دیا کہ چوہے نے اُس کا کچھ حصہ کاٹ دیا یا کسی بچے نے اُسے پھاڑ دیا تو اُس کو نقصان کے بقدر تاوان دینا پڑے گا اور اگر وہ بالکل بیکار ہو گئی تو پوری قیمت دینا پڑے گی۔

۲۔ کوئی پھسل کر گر پڑا اور ہاتھ میں دوسرے کی کوئی چیز تھی جو ٹوٹ گئی یا کسی چیز کے اوپر گر پڑا اور وہ چیز ٹوٹ گئی تو دونوں صورتوں میں تاوان دینا پڑے گا۔

۳۔ کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز اپنی سمجھ کر توڑ دی یا ضائع کر دی یا خرچ ہونے والی چیز کو خرچ کر دیا تو اس کا بھی تاوان دینا پڑے گا۔

۴۔ ایک شخص نے کسی کا کپڑا پکڑ کر کھینچا اور وہ پھٹ گیا تو پوری قیمت دینا پڑے گی۔ لیکن اگر اُس نے دوسرے آدمی کا دامن پکڑا اور دوسرے نے جھٹکا دیکر چھڑایا اور کپڑا پھٹ گیا تو نصف قیمت دینا پڑے گی کیونکہ دونوں کے فعل سے کپڑا پھٹا اس لئے ذمہ داری آدھی آدھی ڈالی جائے گی۔

۵۔ اگر کسی کا بچہ کسی شخص کی چیز کا نقصان کر دے تو تاوان اُس کے وارث سے نہیں لیا جا سکتا البتہ اس بچے کے نام کوئی مال یا جائداد ہے تو اس سے اس کی قیمت ادا کی جائے گی یا اس وقت تک انتظار کیا جائے گا جب وہ ادائگی کے قابل ہو جائے۔ یہ قانونی حکم ہے۔ لیکن اخلاقاً بچے کا باپ جو اس کے تمام مصارف کا کفیل ہے قیمت ادا کر سکتا ہے۔

۶۔ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کے مکان کا کوئی حصہ گرا دیا یا کوئی درخت کاٹ دیا یا درخت کا پھل توڑ کر گرا دیا تو نقصان کرنے والے کو تاوان دینا پڑے گا۔ مکان جو گرا دیا اُس کے ملبے کی قیمت (اگر اُس کی کوئی قیمت ہے) وضع کر کے بقیہ کا تاوان مالک مکان کو ادا کیا جائے گا۔ مالک مکان کو اختیار ہے کہ ملبہ مکان ڈھانے والے کو دیدے اور پورے نقصان کا معاوضہ لے لے۔ اسی طرح درخت کی لکڑی اور پھل کی قیمت وضع کر کے تاوان لے یا پوری قیمت لے دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

۷۔ اگر گاؤں یا محلہ میں آگ لگ جائے اور لوگ اس خیال سے کہ دوسرے مکانوں تک نہ

خرید کر لائے اور آپؐ نے حضرت ابورافع کو ام المومنین حضرت میمونہؓ سے نکاح کے لئے اپنا وکیل بنا کر بھیجا۔ اُس وقت آپؐ مدینہ میں تھے اور حضرت میمونہؓ بنت حارث مکہ میں تھیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ خرید فروخت، مضاربت، شرکت، رہن، صلح، اپنے دعوے کی پیروی نکاح وغیرہ کاموں میں اپنا وکیل بنانے کی شریعت اسلامی میں اجازت ہے۔

وکالت کی فقہی تعریف اور وکیل کی حیثیت

وکالت کا لفظ عموماً ہماری زبان میں اس پیشے کے لئے بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ حق یا ناحق، سچ یا جھوٹ اپنا دعویٰ منوانے کی کوشش کی جاتی ہے اور وکیل وہ کہلاتا ہے جو غیر اسلامی قانون کے ذریعے غیر اسلامی عدالت کے سامنے ایسے مقدمات کی پیروی اور نمائندگی کرتا ہے لیکن اسلامی شریعت میں وکالت کا مفہوم اس سے بہت بلند ہے۔ وکیل حق وناحق کی تمیز کے بغیر پیسہ کمانے والے کو نہیں کہتے۔ جو جائز ذمہ داری کسی انسان کے سپرد کی جاتی ہے اس کے لئے شریعت میں امانت کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی وہ اس ذمہ داری کو اسی طرح ادا کرے جس طرح ایک امین اپنی امانت کو ادا کرتا ہے۔ وکالت بھی ایک ذمہ داری ہے اور اسے اسی طریقے سے پورا کرنا ہے جس طرح ایک امین امانت کی ذمہ داری کو پورا کرتا ہے، وکالت کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے "تَفْوِيْضُ اَحَدٍ اَمْرَهٗ لِاٰخَرَ وَ اِقَامَتُهٗ مَقَامَهٗ" "کسی کو اپنا کام دوسرے کو سپرد کرنا اور اُسے اپنا قائم مقام بنا دینا"[1]

کسی سے بھی معاملہ کرنے کے لئے دو چیزیں بنیادی طور پر ضروری ہیں: تراضی یعنی معاملہ کرنے والوں کی رضامندی اور[2] معاملہ کا حرام، باطل اور ناحق نہ ہونا۔ ظاہر ہے کہ کسی غیر اسلامی عدالت سے رجوع کرنا اور غیر اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ چاہنا اسلامی شریعت کے نزدیک باطل ہے اور باطل پر رضامند ہونا جرم ہے۔ وکالت کے پیشے کی یہ محدود غلط اور غیر ذمہ دارانہ حیثیت اسلامی شریعت میں مقبول نہیں ہے بلکہ وکالت کا مفہوم امانت اور حق کی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے۔

وکالت دو قسم کی ہوتی ہے

(۱) وکالت با اُجرت اور (۲) وکالت بے اُجرت، دونوں کے احکام یکساں ہیں۔ صرف ایک معاملے میں وکیل بے اجرت

کی ذمہ داری وکیل بااجرت سے کم ہوجاتی ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اجرت لے کر یا کمیشن پر کام کرنے والا وکیل بااُجرت کہلاتا ہے، اسی طرح حکومت کے تمام ملازم اپنی حکومت کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں وہ حکومت کے وکیل بااُجرت ہوتے ہیں اسی طرح اگر آپ اپنے ذاتی ملازم سے کام لیں یا کوئی کمیشن ایجنٹ مقرر کردیں تو دونوں آپ کے وکیل قرار پائیں گے یعنی انھیں آپ کی ہدایت کے مطابق کام کرنا ہوگا۔

وکالت کے ارکان و شرائط

۱۔ دوسرے تمام معاملات کی طرح وکالت میں بھی موکل اور وکیل آپس میں معاہدہ کرتے ہیں اس لئے دونوں کا ایجاب وقبول ضروری ہے زبانی یا تحریری۔ مثلاً: آپ نے کسی سے کہا یا کسی کو لکھا کہ میرا فلاں کام آپ کر دیجئے اور اُس نے کہہ دیا یا لکھ دیا کہ میں آپ کا فلاں کام کردوں گا تو ایجاب وقبول ہوگیا۔ یا اُس نے کوئی جواب زبانی یا تحریری تو نہیں دیا مگر آپ کا کام کرنا شروع کردیا تو اب وہ وکیل ہوگیا۔ اگر وہ زبانی یا تحریری طور پر آپ کے کہنے یا لکھنے کو رد کردے تو اُس کو اس کا حق ہے۔

۲۔ ایجاب وقبول کے بعد دوسری شرط یہ ہے کہ وکیل موکل کی رائے اور مرضی کے مطابق کام کرے کیونکہ اگر وہ آپ کی مرضی اور رائے سے مختلف کوئی کام کرے گا تو اُس کی ذمہ داری اُسی پر ہوگی مثلاً: آپ نے اپنے ملازم سے ایک تھان جھالٹین کا لانے کو کہا اور وہ مارکین خرید لایا یا آپ نے منقے منگوائے اور وہ کشمش لے آیا۔ آپ نے کہا آدھ سیر سیب لے آؤ اور وہ ایک سیر ناسپاتی لے آیا وغیرہ وغیرہ تو آپ یہ چیزیں واپس کرسکتے ہیں اور اگر دکاندار واپس نہ لے اور آپ بھی رکھنا نہ چاہیں تو ملازم یا تو اُسے بیچ دے یا اپنے استعمال میں لائے، آپ اُس سے اپنے دام وصول کرسکتے ہیں، اسی طرح اگر حکومت کے ملازمین اور اہلکار اگر حکومت کے منشار کے خلاف کام کریں جس سے کوئی نقصان ہوجائے تو اس کی ذمہ داری اس ملازم کارکن پر ہوگی البتہ اگر آپ نے وزن نہیں بتایا اور کہا گوشت لادو یا کپڑے کی قسم نہیں بتائی اور کہا دس گز کپڑا لے آؤ تو وہ جتنا بھی گوشت اور جیسا بھی کپڑا لائے گا اُسے لینا پڑے گا۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ موکل اور وکیل دونوں صاحب عقل وتمیز ہوں ناسمجھ بچے یا پاگل نہ کسی کو پاگل بناسکتے ہیں نہ خود وکیل بن سکتے ہیں۔

ہو گیا تو تاوان نہیں ہوگا کیونکہ یہ حیوان کی فطرت ہے جس سے مالک اُس کو باز نہیں رکھ سکتا۔

۳۔ سواری کے جانوروں کا بھی یہی حکم ہے جو عام جانوروں کا ہے۔ لیکن اگر راستے میں کوئی گھوڑے یا اونٹ پر سوار جارہا ہو اور کسی نے اُسے بھڑکا دیا اور وہ بھاگ پڑا تو جتنا نقصان ہوگا اُس کا تاوان بھڑکانے والے کے ذمہ ہوگا سوار پر نہیں ہوگا۔ اگر بھڑکانے والے کو جانور کی دولتی لگے اور وہ مر جائے تو اس کا خوں بہا بھی مالک سے نہیں دلایا جائے گا کیونکہ مرنے والے نے خود جانور کو چھیڑا تھا۔

۴۔ اگر دو چرواہے جانوروں کے ساتھ ہوں ایک ان کے آگے (قائد) اور دوسرا اُن کے پیچھے (سائق) تو جانوروں سے جو نقصان ہوگا اُس کا تاوان ان دونوں چرواہوں سے لیا جائے گا۔

بے جان سواریوں سے نقصان پہنچنے کا تاوان وہ بے جان سواریاں جو ڈرائیور (چلانے والے) کے ذریعہ چلائی جاتی ہیں خواہ قصداً اُن سے نقصان پہنچے یا بغیر قصد کے اس کا تاوان ڈرائیور سے لیا جائے گا جیسا کہ سائق اور قائد کے بارے میں ابھی بیان کیا گیا۔ اِلّا یہ کہ کوئی خود سواری کے آگے آجائے یا کوئی چیز ڈال دے تو پھر ڈرائیور کی ذمہ داری نہیں ہے۔

وکالت

بہت سے کام ایسے پیش آجاتے ہیں جن کو آدمی خود انجام نہیں دیتا بلکہ دوسرے لوگوں سے انجام دلاتا ہے۔ کسی کام کے انجام دینے یا نہ دے سکنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں: کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی کام کی آدمی کو ضرورت تو ہوتی ہے لیکن اس کو پورا کرنے کی خود اُس میں صلاحیت نہیں ہوتی، کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کام میں مشغول ہوتا ہے اور کوئی دوسرا کام پیش آجاتا ہے اس لئے دوسرے سے مدد لینے پر مجبور ہوتا ہے یا یہ کہ وہ کام اتنا وسیع اور پھیلا ہوا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے بس کا نہیں ہوتا اس لئے دوسروں کو شریک کرنا پڑتا ہے، غرض یہ کہ جو کام آدمی خود کر لیتا ہے یا کر سکتا ہے اُس کو دوسروں سے بھی کرا سکتا ہے، شریعت میں

اس کی اجازت ہے اور اسی کو وکالت کہتے ہیں۔

وکالت کے معنی اور اس کی ضرورت

وکالت کے معنی حفاظت، ذمہ داری اور کارسازی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت وکیل بھی ہے کیونکہ وہ تمام کاموں کا نگراں، محافظ اور کارساز ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا وکیل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا محافظ یا اُس کے بجائے اُس کا ذمہ دار ہے، اسی سے لفظ توکیل ہے جس کے معنی کسی کو نگراں مقرر کرنے یا کسی کو کام کا ذمہ دار بنانے کے ہیں۔

جو شخص کسی دوسرے کو اپنا کام سپرد کرتا یا ذمہ دار بناتا ہے اُسے موکِّل اور جو یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے اُسے وکیل اور جس کام کے لئے وکیل بنا اُسے مؤکَّل فیہ یا مؤکَّل بہٖ کہتے ہیں مثال کے طور پر احمد کو ایک گھڑی خریدنا ہے لیکن اُسے گھڑی کی اچھائی بُرائی کی شناخت نہیں ہے اس لئے وہ ایک گھڑی کی پہچان رکھنے والے شخص خالد سے کہتا ہے کہ آپ میرے لئے ایک گھڑی اتنے روپے میں خرید دیجئے۔ خالد اس بات کو قبول کر لیتا ہے تو احمد مؤکل ہوا اور خالد وکیل اور گھڑی "مؤکَّل بہٖ" ہوئی۔ اسی طرح ایسے تمام کاموں کے لئے آدمی کسی کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے جنھیں وہ خود انجام دینے کا حق تو رکھتا ہے لیکن کسی وجہ سے نہیں دے پاتا۔ ایسے موقعوں پر وکالت کا ذریعہ اختیار کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے جو اجماع سے ثابت ہے، ائمۂ فقہ میں کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے، قرآن سے اس کا جواز سورۂ کہف کی اس آیت میں ہے:

فَابْعَثُوٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ (سورۂ کہف، آیت ۱۹)

(اپنے میں سے کسی کو یہ سکّہ دے کر شہر میں بھیجو اور وہ دیکھے کہ سب سے اچھا کھانا کہاں ملتا ہے وہاں سے وہ کچھ کھانے کے لئے لائے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بہت سے کاموں کے لئے دوسروں کو وکیل بنایا ہے، مثلاً آپ نے حضرت حکیم بن حزام کو اپنے لئے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے فرمایا اور وہ

۴۔ وکیل چونکہ ایک امین اور موکل کے نمائندے کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے جو کام اُسے سپرد کیا گیا ہے اُس کی نسبت اپنی طرف کرنا صحیح نہیں ہے موکل کی طرف ہونا چاہئیے۔ البتہ خرید وفروخت، کرایہ پر دینا یا لینا، مزدوروں کا تقرر کرنا اس شرط سے مستثنیٰ ہیں۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جن معاملات میں اپنی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہے اُن میں مطالبہ موکل سے ہوگا وکیل سے نہیں مثلاً اگر کسی نے کسی کا نکاح بحیثیت وکیل کر دیا تو عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں موکل سے کرے گی۔ کسی مقدمہ کا فیصلہ اس کے خلاف ہو تو اُس کا جو جرمانہ ہوگا یا جو جائداد اور مال ادا کرنا ہوگا وہ سب موکل ادا کرے گا وکیل سے کوئی مطلب نہیں۔ جن معاملات کی نسبت اپنی طرف کرنے کی اجازت وکیل کو نہیں ہے اگر ان کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے تو اس کی وکالت صحیح نہیں ہے۔ جن معاملات میں اس کو اپنی طرف نسبت کرنے کی اجازت ہے اُس کام سے جتنے مطالبات متعلق ہوں گے اس کا ذمہ دار وہی ہوگا مثلاً: آپ کے ملازم نے کوئی چیز اُدھار خریدی اور یہ نہیں جتایا کہ وہ کس کے لئے خرید رہا ہے تو اب دکاندار اُسی سے مطالبہ کرے گا موکل سے نہیں کر سکتا لیکن اگر ملازم نے یہ کہہ کر کوئی چیز اُدھار خریدی یا بیچی کہ یہ فلاں صاحب کی ہے یا فلاں صاحب کے لئے ہے تو پھر اس کے اوپر ذمہ داری نہیں ہے اس کی حیثیت ایک قاصد اور پیامبر کی ہوگی۔ لہٰذا اگر کسی نے کسی کو اپنے کاروباری امور کا وکیل بنا دیا پھر اگر وکیل موکل کی کوئی چیز ہبہ کرے یا اس کے لئے ہبہ ہدیہ قبول کرے یا اس کے لئے کوئی چیز عاریۃً لے یا دے یا کسی معاملے میں شرکت کرے یا بطور مضاربت روپیہ لے یا اُس کے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرے یا اس کے مقدمے کی پیروی کرے تو وکیل کو معاملہ کرنے والوں سے واضح کر دینا ضروری ہے کہ میں فلاں کی طرف سے بحیثیت وکیل کام کر رہا ہوں۔ لیکن اگر خرید وفروخت یا اجارہ وکرایہ کا وکیل بنایا گیا ہے تو موکل کا نام لئے بغیر بھی وہ خرید وفروخت کر سکتا ہے اور کوئی چیز کرایہ پر لے یا دے سکتا ہے۔

۵۔ وکیل نے موکل کے لئے کوئی چیز خریدی یا کسی سے اُس کا قرض وصول کیا لاتے ہوئے راستے میں چیز ہاتھ سے گر کے ٹوٹ گئی یا روپیہ کہیں کھو گیا تو اگر اس میں قصد وارادہ بے توجہی اور غفلت کا دخل نہیں ہے تو اس کا تاوان نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اس کی حیثیت امین کی ہے اور امانت گم ہو جانے پر تاوان نہیں ہے لیکن یہ بات ثابت ہونے پر کہ چیز صریحاً غفلت اور لاپروائی

سے ضائع ہوئی ہے یا قصداً ایسا کیا گیا ہے تو اس پر ذمہ داری ہوگی۔

۶۔ وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ جس چیز کو موکل نے اپنے لئے خریدنے کو کہا ہو اُسے وہ خود خرید لے البتہ اگر موکل نے یہ بتا دیا تھا کہ فلاں قیمت سے زیادہ قیمت نہ دی جائے اور اُس قیمت پر وہ چیز نہیں مل رہی ہے تو اُسے حق ہے کہ زیادہ قیمت پر اپنے لئے خرید لے لیکن قیمت کا ذکر اگر نہیں کیا تھا تو پھر وہ چیز اُس کو اپنے لئے کسی قیمت پر خریدنے کا حق نہیں ہے۔

۷۔ اگر موکل نے وکیل کو کسی معاملے میں اپنی طرف سے کام کرنے کو کہا اور کوئی قید نہیں لگائی تو وہ اپنی صوابدید سے جس طرح چاہے معاملہ کو سرانجام دے سکتا ہے لیکن یہ اختیار اس کو معروف طریقوں اور رواج عام کے خلاف جانے کی اجازت کسی حال میں نہیں دے سکتا۔

۸۔ مقدمہ خواہ وہ دیوانی معاملے سے متعلق ہو یا فوجداری سے غیر اسلامی عدالت میں غیر اسلامی قانون کے مطابق کسی مسلمان کو لے جانے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ غیر اسلامی قانون کی توجیہہ کے لئے کسی مسلمان کو وکیل بننا چاہئیے، قرآن میں اُن لوگوں کو ظالم، فاسق بلکہ کافر تک کہا گیا ہے جو غیر اسلامی قانون کے مطابق معاملے کا فیصلہ کرائیں یا ایسی عدالت میں لے جائیں جو اسلامی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرتی ہو۔

۹۔ اگر کسی معاملے میں دو آدمیوں کو وکیل بنانا ہو تو دونوں کو موجود رہنا چاہئیے۔

۱۰۔ وکیل کو بطور خود کسی دوسرے کو وکیل بنانے کا حق نہیں ہے جب تک موکل کی مرضی نہ معلوم ہو۔ آپ نے کوئی چیز اپنے ملازم سے منگائی، اُس نے پیسہ کسی دوسرے کو دیدیا اور کہہ دیا کہ فلاں چیز لیتے آنا۔ آپ کو یہ حق ہے کہ دوسرے کی لائی ہوئی چیز کو لیں یا واپس کر دیں۔

۱۱۔ کوئی جنس یا کوئی چیز لانے کے لئے کسی شخص کو وکیل بنایا تو اُسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ چیز اپنے پاس سے آپ کو دیدے۔ اگر چیز اُس کے پاس ہے اور وہ اس کو بیچنا چاہتا ہے تو اُسے بتا دینا چاہئیے کہ یہ چیز میرے پاس ہے، اگر اجازت ہو تو میں ہی دیدوں۔

وکیل کی برطرفی

۱۔ کسی کام کے کرنے سے پہلے یا بعد میں موکل کو حق ہے کہ وکیل کو علیحدہ کر دے لیکن اگر وکیل نے کام ادھورا کیا ہے تو علیحدگی کا حق نہیں ہے، اگر اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہو یا نقصان ہوتا ہو۔ اسی طرح کام کرنے سے پہلے وکیل

کو بھی علیٰحدہ ہو جانے کا حق ہے لیکن کام ادھورا کرنے کی صورت میں اُسے بھی علیٰحدگی کا حق نہیں ہے اگر اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہو یا نقصان ہوتا ہو۔ لیکن اگر کوئی حق وابستہ نہ ہو اور نہ کسی کو کچھ نقصان ہوتا ہو تو پھر وکیل کے علیٰحدہ ہو جانے یا موکل کے علیٰحدہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔

۲۔ وکیل کو علیٰحدہ کرنے کی اطلاع خواہ زبانی دی جائے یا تحریری یا کسی آدمی کے ذریعے، یہ تمام صورتیں صحیح ہیں، اسی طرح وکیل موکل کو اپنی معذوری کی اطلاع زبانی، تحریری یا کسی آدمی کے ذریعہ دیدے تو یہ بھی صحیح ہے یعنی وکالت سے علیٰحدگی ہو جائے گی۔

وقف

وقف کے لغوی اور اصطلاحی معنے وقف کے معنی لغت میں روک لینے، قائم و ساکن کر دینے کے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں اپنی کوئی چیز یا اُس کا فائدہ کسی ایک مقصد یا کارِ خیر کے لئے خاص کر دینے کو وقف کہتے ہیں۔ جس طرح صدقہ کر دینے سے وہ چیز آپ کی نہیں رہتی لیکن اُس کا ثواب آپ کو ملتا رہتا ہے اسی طرح کسی چیز کو نیک کام کے لئے وقف کر دینے سے بھی وہ چیز واقف کی ملکیت نہیں رہتی بلکہ جس اچھے کام کے لئے ثواب کی نیت سے وقف کیا ہے اُس کا ثواب اُس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، اِس طرح صدقے سے بھی زیادہ اجر اُس کو ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ موت کے بعد انسان کے تمام اعمال اُس سے منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب اس کو برابر ملتا رہے گا۔ "صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ" "أَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْلَهُ" (۱) صدقہ جاریہ یا (۲) علم جس سے لوگ فائدہ اُٹھائیں یا (۳) نیک اور صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے؛ صدقہ جاریہ سے مراد اپنی چیز کو خیر اور بھلائی کے کاموں پر خرچ ہونے کے لئے وقف کر دینا ہے کیونکہ اُس کا ثواب جاری رہتا ہے جب تک وہ نیک کام انجام پاتا رہے اور لوگ اُس سے فائدہ اُٹھاتے رہیں۔ علم سے فائدہ اُٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ علم دین لوگوں کو پڑھایا اور انھوں نے دوسروں کو

کو پڑھایا یا کوئی کتاب اسی جذبے سے لکھی کہ لوگ اُسے پڑھتے اور دین کا علم حاصل کرتے رہیں۔ تو جب تک اس کتاب اور علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے گا اُس کا ثواب ملتا رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ جب مکّے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں میٹھے پانی کی بڑی کمی تھی، شہر کے جس حصّے میں آپؐ اور مہاجرین آباد تھے اُس میں صرف ایک کنواں (بیر رومہ) تھا جو ایک شخص کی ملکیت تھا جس کا پانی وہ بہ قیمت دیتا تھا آپؐ نے اُس سے کہا کہ "تم اس کو عام لوگوں کی رفاہ کے لئے وقف کر دو خدا اس کا بدلہ جنت میں دے گا۔" اُس نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میرے اور میرے اہل وعیال کی پرورش کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔" اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے خدا اس کا اجر جنت میں عطا کرے گا، یہ ارشاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو اُنھوں نے ۳۵ ہزار درہم دے کر کنواں اُس کے مالک سے خرید لیا اور آں حضرتؐ کی خدمت میں آکر اس کی خبر دیدی آپؐ نے فرمایا جَعَلْتُهَا لِلْمُسْلِمِيْنَ "میں نے اس کو عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ (المنتقیٰ)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک باغ صدقہ کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باغ کو اپنے قبضے میں رکھو اور اس کا پھل غرباء، مساکین اور حاجتمندوں کے لئے مخصوص کر دو، چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اب نہ تو یہ باغ بیچا جا سکتا ہے نہ کوئی اسے بحق وراثت لے سکتا ہے۔ یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے باغ کا نگراں، حضرت عمرؓ ہی کو بنایا لیکن اس کا فائدہ رفاہ عام کے لئے مخصوص کر دیا۔

آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک گھوڑا خدا کی راہ میں ایمان واحتساب کے ساتھ وقف کرتا ہے تو گھوڑے کا کھانا پینا، اُس کا بول و بُراز اور ہر چیز اس کے حق میں نیکی ہے۔ (بخاری)

جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" تم اس وقت تک نیکی نہیں پا سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو تو حضرت ابو طلحہ انصاری نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بیرُحا کی زمین مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، میں چاہتا ہوں اسے فی سبیل اللہ وقف کر دوں! آپؐ نے فرمایا، تمہارے قبیلے میں

جو نادار لوگ ہیں اُن کے لئے اس کو وقف کردو' چنانچہ اُنھوں نے حضرت حسانؓ بن ثابت، اُبیؓ بن کعب اور بعض دوسرے غریب اہلِ خاندان کے لئے وہ زمین وقف کردی۔ (بخاری و مسلم)

مذکورہ ارشادات نبوی سے کئی اہم باتیں معلوم ہوئیں جن کو بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک شخص کو صدقہ دیدینے کا ثواب محدود ہوتا ہے لیکن رفاہ عام کے لئے اپنی چیز کو وقف کردینا یا رفاہ عام کے لئے کوئی چیز بنوا کر یا ایسا کام کرکے جس کا فائدہ دو چار افراد کو نہیں بلکہ بے شمار افراد کو پہنچے چھوڑ جانا بڑے اجر کا سبب ہے' اس کا ثواب اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ چیز قائم رہتی ہے مثلاً کسی نے مدرسہ قائم کیا۔ کتاب۔ خانہ کھول دیا تو جب تک لوگ اِن اداروں سے فیض پاتے رہیں گے ان کے بانیوں کو اس کا ثواب پہنچتا رہے گا۔ اجر و ثواب کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں: ایک یہ کہ خالص رضائے الٰہی کی طلب ہو، نام و نمود اور شہرت کی خواہش اصل مقصود نہ ہو' ویسے یہ چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں تو انھیں محض اللہ کا فضل سمجھا جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ موقوفہ چیز صحیح معنی میں فائدہ بخش ہو یعنی انسان کی مادی دنیاوی ضرورت کو اس طرح پوری کرتی ہو کہ اخلاق و کردار میں بگاڑ نہ آنے پائے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی تو وہ چیز جب تک رہے گی ثواب کے بجائے گناہ کا اضافہ واقف کے نامہ اعمال میں ہوتا رہے گا۔ ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص اچھا طریقہ رائج کر جائے گا تو جو لوگ اس پر چلیں گے ان کا ثواب اُس کو ملتا رہے گا' اور جو لوگ بُری راہ دکھا جائیں گے ان کی گردن پر اُن لوگوں کا عذاب بھی ڈال دیا جائے گا، اگر آپ نے شفاخانہ بنانے کے بجائے سینما ہاؤس بنا کر وقف کر دیا۔ تعلیم گاہ بنائی لیکن مشرکانہ و ملحدانہ تعلیم کا دروازہ بھی کھلا رکھا تو جتنا عذاب سینما دیکھنے والوں اور طالب علموں کے مشرکانہ و ملحدانہ خیالات سے اُن پر ہوگا اُسی کے بقدر عذاب آپ کی گردن پر بھی ہوگا۔

۲۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آدمی جو چیز صدقہ کرکے یا وقف کرکے دیتا ہے وہ ایسی چیز ہو جس سے اُس کا دلی لگاؤ اور محبت بھی ہو۔ اگر آپ کے پاس کئی مکان ہیں اور ایک مکان وقف کرنا چاہتے ہیں یا کئی زمینیں ہیں اور ان میں سے ایک کو وقف کرنا چاہتے ہیں تو وہ مکان اور وہ زمین وقف کیجیے جو آپ کے نزدیک سب سے عمدہ اور پسندیدہ ہو کیونکہ اللہ کی رضا گھٹیا اور ردی چیز سے حاصل نہیں کی جا سکتی اور نہ اس کا ثواب ملتا ہے۔

اسی طرح اگر آپ کا ایک ہی بچہ ہے اور اُس سے آپ کو شدید محبت ہے تو آپ کی دینداری اور اسلامی حِس کا تقاضا ہے کہ اُس کو غیر دینی اور اخلاق کو بگاڑنے والی تعلیم نہ دلائیں بلکہ دینی اور خدا پرستانہ تعلیم دلائیں، ایسے ہی بچّے کی دُعا اور اُس کا عمل آپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہو سکے گا، غلط تعلیم و تربیت پاکر جو لڑکا جوان ہو گا وہ نہ تو صالح اعمال والا ہو گا کہ اُس کے نیک اعمال کا ثواب آپ کو ملے اور نہ وہ آپ کے حق میں دُعا کر سکے گا۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ جو چیز آپ وقف کریں اُس کی نگرانی ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیئے جو امانت داری سے اُس رفاہی کام میں خرچ کریں جس کے لئے آپ نے وقف کیا ہے جو شخص خود نگرانی کا خواہاں ہو اُسے یہ امانت نہ سونپی جائے اور نہ فاسق کو اس کام پر رکھا جائے جو اسلامی احکام کا پابند نہ ہو۔ یہ دونوں باتیں یا ایک بھی جس کسی میں پائی جائے اس کو متولی بنانا صحیح نہ ہوگا۔

وقف کا حکم

آدمی جب اپنی زبان سے کہہ دے کہ فلاں چیزیں نے وقف کردی تو اب وقف ہو گئی، اُس نے کوئی زمین قبرستان کے لئے دیدی اور اُس میں کسی میت کو دفن کر دیا گیا تو یہ زمین وقف ہو گئی، وقف دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی اُس کو خدا کے لئے وقف کر دے اور اس کے بعد اس سے خود کوئی فائدہ نہ اُٹھائے، دوسری صورت یہ کہ وہ یہ شرط لگادے کہ میں اپنی زندگی بھر اس سے فائدہ اُٹھاؤں گا اور میرے بعد یہ عام مسلمانوں کی رفاہ کے لئے ہوگا یا میرے بعد میری اولاد اِس کے کچھ حصے سے فائدہ اُٹھائے گی باقی رفاہِ عام کے لئے ہوگا تو دونوں صورتوں میں موقوف پر واقف کا کوئی حق نہیں رہتا۔ وہ اللہ کی ہو گئی، اب نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ ہبہ کر سکتا ہے، نہ رہن رکھ سکتا ہے نہ اُس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے، البتہ اگر اپنے یا اپنی اولاد کے لئے جس قدر اور جس عرصے تک فائدہ اُٹھانے کی قید لگادی ہے تو اس کے بقدر وہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ (ہدایہ)

ضروری مسائل

۱۔ اگر وقف کی چیز خراب ہو رہی ہو تو اس کے متولی کا فرض ہے کہ وہ اس کو درست کرائے اگر اس کی آمدنی میں اتنی گنجائش نہ ہو یا وہ ایسی چیز ہو جس سے کوئی آمدنی نہ ہوتی ہو تو اسلامی حکومت کا اور اگر حکومت غیر اسلامی ہو تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کو درست کرالیں۔

۲۔ اگر کسی نے مسجد بنا دی تو اب اس کی کوئی چیز مسجد بنانے والا یا کوئی اور شخص اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لا سکتا حتیٰ کہ اینٹ، گارا، لوٹا اور چٹائی بھی اپنے ذاتی استعمال میں لانا ممنوع ہے۔ اگر اس کی کوئی چیز بیکار ہو جائے یا سڑ گل جائے تو اُسے بیچ کر پھر مسجد کے کام میں لگا دینا چاہئیے۔

۳۔ مسجد یا مدرسہ بنوا کر وقف کر دینے والا اگر اُن کے دروازے کے ساتھ یا بغل میں کچھ دُکانیں اس خیال سے بنوا لے کہ ان کے کرایہ سے وہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش کرے گا تو یہ جائز ہے، اُن دکانوں کو موقوفہ مسجد یا مدرسے کے قریب یا ان کے نیچے ہونے کی وجہ سے وقف نہیں سمجھا جائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اجازت بھی دی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد بنوا کر اس کے اوپر کے حصے میں اپنے رہنے کے کوئی عمارت بنوا لے تو یہ جائز ہے البتہ اُس کو پیشاب پاخانے کے لئے ایسا انتظام کرنا ضروری ہوگا کہ مسجد کا احترام پوری طرح برقرار رہے۔

وصیّت

وصیت کی تعریف

ازروئے لغت اس لفظ کا استعمال تین معنوں میں ہوتا ہے:۔ (۱) کسی کے حق میں مال کی وصیت کرنا یعنی اس کو مال کا مالک بنا دینا (۲) کسی سے اپنے لڑکے کے بارے میں وصیت کرنا یعنی لڑکے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کو کہنا (۳) کسی کو نماز کی وصیت کرنا یعنی نماز کا حکم دینا۔

فقہا کی اصطلاح میں وصیت نام ہے اپنی چیز کا دوسرے کو مالک بنا دینا جب وصیت کرنے والے کی وفات ہو جائے لہذا یہ ضروری نہیں ہے کہ وصیت کرتے وقت "میرے مرنے کے بعد" بھی کہا جائے، اگر صرف یہ کہا کہ "میں اس بات کی وصیت کرتا ہوں" تب بھی درست ہے یا اگر وصیت کا لفظ صراحتًا نہ کہا بلکہ ایسی بات کہی جو وصیت پر دلالت کرتی ہو تب بھی وصیت صحیح ہوگی مثلاً یہ کہا کہ "میرے مال کے ایک تہائی حصے میں سے ایک ہزار روپے فلاں شخص

کے لئے ہیں"، تو یہ وصیت ہی متصور ہوگی کیونکہ ایک تہائی حصہ وصیت کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔

وصیت کا ثبوت

اس کا حکم شرعی ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ (البقرہ، ۱۸۰)

جب تم میں سے کسی کی موت قریب آئے اور ترکہ میں مال چھوڑتا ہے تو اس کی بابت وصیت کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے:

ماحق امرئ مسلم له شئ یوصی فیه یبیت لیلتین الا وصیة مکتوبه عنده۔

یعنی یہ امر احتیاط اور صحت سے بعید ہے کہ ایک مسلمان کے پاس قابل وصیت مال ہو اور دو راتوں میں بھی وصیت لکھ کر اپنے پاس نہ رکھے۔

دو راتوں سے مقصد یہ ہے کہ جلد از جلد یہ کام کر لیا جائے۔

وصیت کے ارکان اور شرائط

وصیت کے اجزائے لازم یہ ہیں:-

(۱) مُوصِی (وصیت کرنے والا) (۲) مُوصیٰ لہٗ (جس کے حق میں وصیت کی جائے) (۳) مُوصیٰ بہ (جس کی بابت وصیت کی جائے) اور (۴) الفاظ وصیت۔

وصیت کسی شے کی بابت ہو یا کسی شے کی منفعت کی بابت، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فقہائے احناف کا یہی مسلک ہے، مالکی فقہا وصیت کو ایک عقد یعنی معاملہ قرار دیتے ہیں جس کی رو سے وصیت کرنے والے کے ایک تہائی مال میں اس کی وفات کے بعد کسی کا حق واجب ہو جاتا ہے یا متوفی کے اس مال میں متوفی کی نیابت کسی شخص کو حاصل ہو جاتی ہے پس وصیت کرنے والا یا تو اپنی موت کے بعد کسی کو اپنا نائب (قائم مقام) بناتا ہے یا مال کی بابت وصیت کرتا ہے۔

وصیت کا صرف ایک رکن ہے ایجاب و قبول جیسا کہ دوسرے معاملات میں ہوتا ہے۔ ایجاب یہ ہے کہ ایک شخص کہے میں فلاں کے حق میں یہ وصیت کرتا ہوں یا میری یہ وصیت

فلاں شخص کے لئے ہے یا میں نے فلاں شخص کو اپنی موت کے بعد اپنے مال کے ایک تہائی کا حقدار بنا دیا" (اسی طرح کے اور الفاظ جو وصیت کے معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں) وصیت کی قبولیت موصی کی وفات کے بعد ہی ہو سکتی ہے کیونکہ وصیت میں تملیک موت پر موقوف رہتی ہے، قبولیت یا تو صراحتاً ہوگی یعنی زبان سے کہے کہ میں نے وصیت کو قبول کر لیا یا دلالتہً یعنی موصی لہٗ کا طرز عمل لفظاً قبول کرنے کے بجائے متصور ہو۔ اگر موصی لہٗ یا وصی نے عملاً وصیت کو پورا کر دیا تو اسے قبول کرنا تسلیم کیا جائے گا۔

وصیت کرنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ تملیک کا اہل ہو یعنی دوسرے کو مالکانہ حق دے سکے، ایسا شخص وہ ہو سکتا ہے جس میں حسب ذیل باتیں پائی جائیں:

ایک یہ کہ وہ بالغ ہو کم عمر بچے کی وصیت صحیح نہ ہوگی خواہ وہ صاحب شعور ہو یا نہ ہو تاہم ایک امر ایسا ہے کہ اس بارے میں باشعور بچے کی وصیت درست مانی جائے گی وہ ہے "تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیت"، روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے صغیر سن بچے کو وصیت کرنے کی اجازت دی تھی، وہ روایت اسی پر محمول ہے۔

دوسری بات یہ کہ وصیت کرنے والا بالغ ہونے کے ساتھ ذی عقل بھی ہو، کسی مجنون کا وصیت کرنا درست نہیں۔ اگر اُس کا جنون جاتا رہے اور اچھا بھلا ہو کر اُس کی وفات ہوئی ہو تو بھی اُسکی وصیت پر عمل نہیں ہوگا کیوں کہ اُس وقت وہ وصیت کرنے کا اہل نہ تھا۔ اگر جنون دور ہونے کے بعد وصیت کی اور پھر جنون طاری ہو گیا اور مستقل چھ مہینے تک یہی حالت رہی تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ ورنہ باطل نہ ہوگی۔ صحتمندی کی حالت میں وصیت کرنے کے بعد وسوسوں کا غلبہ ہوا یہاں تک کہ حواس جاتے رہے اور اسی حالت میں موت واقع ہو گئی تب بھی وصیت باطل ہو جائے گی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والے پر اتنا قرض نہ ہو جو اُس کے تمام مالی سرمایہ کے برابر ہو، ایسی صورت میں وصیت کرنا درست نہیں۔ قرض کی ادائگی وصیت کو پورا کرنے پر مقدم ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا نہ تو وصیت کرنے پر مجبور کیا گیا ہو نہ اُسے کسی

فریب میں ڈالا گیا ہو، بلکہ پوری سنجیدگی اور آزادی رائے کے ساتھ وصیت کی جائے جس میں تمسخر کو دخل نہ ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والا غلام نہ ہو اور مکاتب بھی نہ ہو۔ یہ شرط زمانہ ماضی میں مفید تھی جب غلاموں کا ایک طبقہ پایا جاتا تھا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کی زبان بند نہ ہو۔ یعنی اگر ایسا مرض زبان کو لاحق ہو گیا کہ بول نہیں سکتا تو جب تک زبان ٹھیک نہ ہو جائے وصیت درست نہ ہو گی۔ گونگا آدمی جو بولنے سے معذور ہو اور خاص اشاروں سے اپنا مطلب ادا کر سکتا ہو تو اس کے اشارے بولنے کے قائم مقام متصور ہوں گے۔

وصیت کنندہ کے لئے مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے لہذا کافر مسلمان کے حق میں وصیت کرے تو درست ہے بشرطیکہ وصیت ایسی چیز کی بابت نہ ہو جو مسلمان پر حرام ہے۔ جیسے شراب، جُوا، سور وغیرہ۔

موصیٰ لہٗ سے تعلق رکھنے والی شرطیں

ایک شرط یہ ہے کہ جس کے حق میں وصیت کی جائے وہ وصیت کرنے والے کا وارث نہ ہو۔ مثلاً: ایک شخص نے اپنے بھائی کے حق میں وصیت کی جو بیٹے کی موجودگی کے باعث وارث نہ تھا تو یہ وصیت درست ہو گی اب اگر وہ بیٹا باپ سے پہلے مر گیا اور بھائی وارث ہو گیا تو وصیت باطل متصور ہو گی تاہم اگر دوسرے ورثاء کسی کے حق میں وصیت کی اجازت دیدیں (بشرطیکہ ہر وارث عاقل، بالغ اور صحتمند ہو) تو وہ وصیت لاگو ہو گی۔ لیکن اگر بھائی کے حق میں وصیت کی اور وہ اُس کا وارث بھی تھا تو اگر موصی کی موت کے وقت تک وہ وارث ہی ہے تو وصیت پر عملدرآمد نہیں ہو گا لیکن اگر موت کے وقت وہ وارث نہیں رہا مثلاً، وصیت کرنے والے کا بیٹا پیدا ہو گیا جس نے چچا کو وراثت سے محروم کر دیا تو وصیت کا نفاذ ہو گا۔

ایک شرط یہ ہے کہ موصی لہ مالک ہونے کا اہل ہو۔ جو مالک بننے کا اہل نہ ہو اُس کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی۔ اگر یوں کہا کہ میں اِس بھوسے کی وصیت فلاں شخص کے

کے جانوروں کے حق میں کرتا ہوں، اس کے معنے یہ ہوئے کہ اُس نے جانوروں کو بھوسے کا مالک بنا دیا تو یہ درست نہیں۔ اگر یوں کہا جاتا کہ میں اس بھوسے کی بابت وصیت کرتا ہوں کہ فلاں شخص کے مویشیوں کو کھلایا جائے تو یہ وصیت درست ہوتی، اس طرح کی وصیتوں میں قبولیت ضروری نہیں جس طرح فقیروں اور مسکینوں کے حق میں وصیت کرنے کی صورت میں ضروری نہیں ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ موصیٰ لہٗ وصیت کے وقت موجود ہو یا موجودگی متوقع ہو لہٰذا پیٹ کے بچے کے حق میں وصیت کرنا درست ہے جس طرح اُس کے بارے میں وصیت کرنا جائز ہے۔

ایک شرط یہ ہے کہ جس کے حق میں وصیت کی جائے اس کا نام و نشان معلوم ہو یا کم از کم یہ کہ وہ ایک مسکین یا فقیر ہے، ایک شرط یہ ہے کہ موصیٰ لہٗ نے وصیت کرنے والے کو عمداً یا خطاءً قتل نہ کیا ہو مثلاً موصی نے جس کے حق میں وصیت کی اُسی کے ہاتھوں اُس نے زخم کھایا اور ہلاک ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی لیکن اگر موصیٰ لہٗ، بچہ یا مجنون ہے تو باطل نہیں ہوگی۔

موصیٰ لہٗ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ کسی ذمی کے حق میں وصیت کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ دار الحرب میں نہ ہو۔ مرتد کے حق میں مسلمان کا وصیت کرنا درست نہیں ہے۔

اگر موصیٰ لہٗ وصیت قبول کرنے سے پہلے وفات پا جائے تو اُس کے وارث اُس کے بجائے قبول کریں۔

موصیٰ بہ یعنی مال وصیت کے متعلق بھی چند شرطیں ہیں

(۱) مال کی وصیت ایسی چیز ہو جو ملکیت میں آ سکتی ہو خواہ مال ہو یا منفعت (مال میں جائداد، جانور، روپیہ اور قیمتی اشیاء شمار ہوتی ہیں اور منفعت میں کرایہ داری کے ذریعہ استفادہ یا مکان اور جانوروں کو استعمال کا حق شامل ہے۔

(۲) ایسی چیز جو سر دست موجود نہیں لیکن موجود ہونے کی توقع ہے جیسے باغ کے پھل کی بابت کسی شخص کے حق میں وصیت کی جا سکتی ہے۔

(۳) جس شے کی بابت وصیت کی جائے وہ وصیت کرنے والے کا صرف ایک تہائی مال ہو۔ ایک تہائی سے زیادہ مال کے بارے میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ سوائے اس کے کہ تمام ورثاء بالغ ہوں اور وہ اس بات کی اجازت دیدیں لیکن یہ اجازت وصیت کنندہ کی وفات

بعد مفید ہو سکے گی، اگر زندگی میں اجازت دے بھی دی تو انھیں اس سے رجوع کا حق ہوگا۔

اگر ایک شخص نے اپنے تمام مال کے بارے میں کسی کے لئے وصیت کی اور اُس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اُس کی وصیت پر عمل ہوگا، اسی طرح اگر شوہر نے اپنی بیوی کے نام یا بیوی نے شوہر کے نام اپنے سارے مال کی وصیت کی اور ان دونوں کا کوئی اور وارث نہیں ہو تو وصیت درست ہوگی۔

عملِ وصیت کی شرعی حیثیت

عمل وصیت کی شرعی حیثیت حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ کبھی تو وصیت واجب ہوتی ہے کبھی مستحب اور کبھی حرام ہو جاتی ہے۔ فقہائے احناف نے وصیت کی چار قسمیں بیان کی ہیں،

(۱) واجب (۲) مستحب (۳) مباح اور (۴) مکروہ، اور امام شافعیؒ کے مسلک میں پانچویں قسم بھی ہے یعنی "وصیتِ حرام"

وصیت واجب وہ ہے جو حقداروں کو حقوق کی ادائگی کے لئے کی جائے، اس میں امانتوں اور قرضوں کی واپسی شامل ہے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو جس کا بار اُس کے اوپر رہ جائے اور وہ گناہ گار ہو۔

وصیتِ مستحب وہ ہے جو حقوق اللہ کی ادائگی مثلاً کفارہ، زکوٰۃ، روزہ، نماز کا فدیہ، حج اور امور مستوجب ثواب کے لئے کی جائے۔ جیسے فقیروں مسکینوں کے حق میں یا کسی دیندار صالح کے حق میں جو وارث نہ ہو۔

وصیتِ مباح وہ وصیت ہے جو خوش حال رشتہ داروں اور قرابت داروں کے حق میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ (البقرہ، آیت ۱۸۰)

یعنی "جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے اور ترکے میں مال ہو تو تم پر لازم ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں نیک سلوک کی وصیت کر جاؤ، یہ خدا سے ڈرنے والوں پر ضروری ہے"

یہ وہ حکم تھا جو آیت میراث کے نازل ہونے اور حقوق وراثت کا نظام مقرر ہونے سے پہلے ماں باپ اور قرابت داروں کو مال متروکہ سے دینے کے لئے تھا جو وراثت کے احکام نازل ہونے کے بعد ختم ہو گیا لیکن وصیت کا مستحب ہونا بہرحال باقی ہے اور شریعت نے اُسے ⅓ کے اندر محدود کر دیا ہے، اس طرح ورثار کا حصّہ بھی محفوظ ہو گیا اور کار خیر میں امداد کا حق بھی باقی رہا۔

وصیتِ مکروہ وہ وصیت ہے جو فاسقوں۔ گناہ کا کام کرنے والوں۔ گمراہی اور بُری باتوں میں پڑے ہوئے لوگوں کے حق میں کی جائے، امام شافعیؒ کے نزدیک ایک تہائی مال سے زیادہ کے لئے یا کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا بھی مکروہ ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر مال تھوڑا ہو اور اُس کا وارث موجود ہو تو بھی وصیت کرنا مکروہ ہے۔

وصیتِ حرام۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی سرکش فسادی کے حق میں وصیت کرنا ہے کیونکہ ایسا شخص ترکہ سے حصّہ پا کر فساد ہی پھیلائے گا، مالکی فقہار کے نزدیک وصیت حرام وہ ہے جو کسی امر حرام کے لئے کی جائے مثلاً میت پر نوحہ و ماتم کے لئے وصیت کرنا وغیرہ۔

حج کرانے اور قرآن خوانی کے لئے وصیت

اگر کسی شخص پر حج واجب ہے تو مستحب یہ ہے کہ اپنی طرف سے حج (یا حج بدل) کی وصیت کر جائے۔ وصیت کو پورا کرنے کے لئے ایک ثلث سے زیادہ مال ورثہ کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ اگر سفر کا آغاز گھر سے کرنے کے لئے مال کافی نہ ہو تو جس جگہ سے سفر کرنے کے لئے مال مکتفی ہو وہیں سے کسی آدمی کے ذریعے حج کرا دیا جائے۔ پیدل چل کر حج بدل کرنا درست نہیں۔ حج اُسی شخص پر واجب ہوتا ہے جسے سواری پر جا کر حج کرنے کا مقدور ہو یہی حکم اُس کے قائم مقام کے لئے بھی ہے۔

قبروں پر یا مقررہ مقامات پر قرآن خوانی کی بابت وصیت کرنا فقہائے احناف کے نزدیک یہ ایسی وصیت ہے جس پر عمل کرنا فضول ہے لیکن اگر ایسی وصیت کسی خاص شخص کے بارے میں ہو مثلاً یہ کہ میں اپنے مال میں سے اس قدر مال کی بابت فلاں قاری کے حق میں وصیت کرتا ہوں کہ میری قبر پر قرآن پڑھنے کے لئے دیا جائے تو اصحاب نے اس کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ بطور حُسنِ

سلوک کے متصور ہوگا، قرآن پڑھنے کی اجرت، کے طور پر نہ ہوگا۔

اگر کسی نے وصیت کی کہ موت کے بعد اُس کو کسی خاص مقام پر لے جاکر دفن کیا جائے تو اس وصیت پر بھی عمل کرنا ضروری نہیں، وصی نے اگر میت کو دوسری جگہ لے جانے کا بندوبست کیا تو اُس کے مصارف کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی البتہ اگر متوفیٰ کے ورثاء اُس کے چھوڑے ہوئے مال سے خرچ کرنے کی اجازت دیدیں تو ایسا کرنا صحیح ہوگا۔

اگر قبر پر گنبد وغیرہ بنانے کی وصیت کی گئی تو وہ متفقہ طور پر باطل ہوگی کیونکہ اس کی ممانعت ارشادِ رسولؐ سے ثابت ہے، ہاں اگر یہ وصیت ہے کہ قبر پر مٹی یا چونے وغیرہ کا پوچا پھیر دیا جائے تو اگر مقصود قبر کو وحشی جانوروں سے محفوظ رکھنا یا قبر کو خراب ہونے نہ دینا ہے تو اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

جو چیزیں شریعت میں ناجائز یا مکروہ یا غیر ضروری فضول خرچی کی ہیں مثلاً کسی نے وصیت کی کہ مجھے قیمتی کپڑے کا یا ٹیری کاٹ کا کفن دیا جائے، میری قبر پختہ بنائی جائے۔ یا خوب دھوم دھام سے چہلم یا تیجہ کیا جائے تو یہ وصیتیں پوری نہیں کی جائیں گی کیونکہ ان میں سے کوئی چیز بھی شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا یا ورثاء کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ اسی طرح اگر قرض ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے تو وصیت پوری نہیں کی جائے گی۔

دوسروں کی حق تلفی یا نقصان پہنچانے والی وصیتیں

جس طرح ناجائز وصیتیں کرنا گناہ ہے اسی طرح جس وصیت سے کسی وارث کی حق تلفی ہوتی ہو یا نقصان پہنچتا ہو وہ بھی گناہ ہے، قرآن میں وصیت اور قرض کی ادائگی کا حکم دیتے ہوئے کہا گیا ہے۔

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصَىٰ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ غَيۡرَ مُضَآرّٖ

(میراث کی تقسیم) وصیت اور قرض کی ادائگی کے بعد کی جائے، یہ وصیت اور قرض ورثہ کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کتنے مرد وعورت ایسے ہوتے ہیں کہ پوری عمر ساٹھ برس تک خدا کی اطاعت کرتے رہتے ہیں اور جب موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو اپنی وصیت کے ذریعے وَرَثہ کو نقصان پہنچا جاتے ہیں یا مستحقین کو وصیت نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ دوزخ کے مستحق بن جاتے ہیں" (ابوداؤد)

نقصان پہنچانے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً:

۱۔ اکثر ثُلث مال سے زیادہ وصیت کرنے کا نتیجہ وَرَثہ کی حق تلفی ہو جاتا ہے۔

۲۔ وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لئے یہ کہنا کہ میرے ذمہ فلاں کا اتنا قرض ہے یا اتنی رقم امانت ہے وہ ادا کر دی جائے حالانکہ واقعتہً ایسا نہ ہو تو یہ وصیت گناہ ہے۔

۳۔ اسی طرح اگر اس نے کسی کو قرض دیا یا اپنی کوئی قیمتی چیز کسی کے یہاں امانت رکھوائی لیکن اقرار یہ کر لیا کہ میں قرض یا امانت پا چکا ہوں تو وہ سخت گنہگار ہوگا کیونکہ وہ مستحقین کا حق مار کر غیر مستحق کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔

وصیت سے رجوع کر لینا موصی جب تک زندہ ہے اس کو اپنی وصیت سے رجوع کر لینے کا حق رہتا ہے مثلاً کسی نے ایک مکان کسی کو دینے کی وصیت کی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد اُس نے کہا کہ میں اس سے رجوع کرتا ہوں تو اُسے اس کا حق ہے۔ اگر زبان سے نہیں کہا مگر ایسا طرز عمل اختیار کیا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس نے وصیت سے رجوع کر لیا تو بھی وصیت کالعدم ہو جائے گی۔ مثلاً اپنی کوئی زمین کسی کو دینے کی وصیت کی پھر اُس میں مکان بنوا لیا یا اُسے فروخت کر دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اُس نے اپنی وصیت سے رجوع کر لیا۔

وصی کا بیان وصی مجاز وہ ہے جس کو ایک شخص نے اپنی موت کے بعد اپنا نائب بنایا ہو کہ وہ اس کے مال میں تصرف کرے اور اس کے کمزور نا سمجھ وارثوں کی بہتری کا خیال رکھے۔ وصی۔ وصیت کرنے والے کی زندگی میں ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے لیکن اُس کی موت کے بعد علیحدہ ہونے کا حق نہیں ہے۔

وصی کے بارے میں جو احکام ہیں اُن کا ذکر "حجر" کے بیان میں بھی کیا گیا ہے، یہاں کچھ

اور مسائل بیان کیے جاتے ہیں، جس شخص کو وصی بنایا جائے اُس کے لئے چند شرائط ہیں۔

۱۔ بالغ ہونا۔ اگر کسی نے ایک بچے کو اپنے بعد وصی مقرر کیا تو وہ بالغ ہونے پر وصی مانا جائے گا۔ جب تک وہ بچہ ہے حاکم شرع پر لازم ہوگا کہ اس کے بجائے کسی اور کو وصی بنادے اور اُسے برطرف کردے۔ حاکم کے نابالغ وصی کو برطرف کرنے سے پہلے اگر اس نے مال میں کوئی تصرّف کر لیا تو اُسے درست مانا جائے گا کیونکہ بلوغ کی شرط وصی بنے رہنے کے لیے ہے، وصیت کے درست ہونے کی شرط نہیں ہے، لہٰذا اگر ہٹائے جانے سے پہلے وہ بالغ ہو جائے تو بدستور وہ وصی رہے گا۔

۲۔ مسلمان ہونا۔ اگر اُس نے کسی کافر کو وصی بنایا تو قاضی پر لازم ہے کہ اس کی بجائے کسی مسلمان کو وصی بنادے لیکن ہٹائے جانے سے پہلے اس نے مال میں کچھ تصرف کیا تو وہ صحیح تسلیم کیا جائے گا کیونکہ وصیت اس کے حق میں بھی درست تھی یا اگر وہ مسلمان ہو گیا تو وصی کے منصب پر برقرار رہے گا۔

۳۔ عادل (نکوکار) ہونا۔ کسی بدکار کو وصی بنانا ایسا ہی ہے جیسے کسی نابالغ کو وصی بنانا۔ اُس کو وصی کے فرائض سے ہٹانے کی شرط یہ ہے کہ وہ مالی معاملات میں بدنام ہو، اگر وہ مالی امور میں بے ضرر ہو تو اسے برطرف کرنا درست نہیں۔

۴۔ دیانت دار ہونا۔ اگر اس کی بددیانتی ثابت ہو جائے تو حاکم شرع پر لازم ہے کہ اُسے وصی کے فرائض سے برطرف کردے۔

۵۔ امورِ وصیت انجام دینے کی قابلیت ہونا۔ اگر وہ بعض امور انجام نہ دے سکتا ہو تو حاکم شرع اُس کے ساتھ کسی اور شخص کو لگائے گا جو ان کاموں کا انجام دے سکے یا اگر وہ بالکل کام سے عاجز ثابت ہو تو کسی اور کو وصی بنادے گا لیکن محض شکایت پر اُس وثوق کو توڑا نہیں جائے گا جو وصیت کرنے والے کو اپنے وصی پر تھا۔

دو اشخاص کو وصی مقرر کرنا

اگر دو شخصوں کو وصی بنایا جائے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر وصیت کنندہ نے یہ تصریح کردی ہو کہ دونوں میں سے ہر ایک کو بطور خود تصرف کا حق

ہوگا تو دونوں کا منفرداً تصرف صحیح مانا جائے گا۔ چند امور ایسے ہیں جنھیں دونوں وصیوں میں سے ہر ایک بغیر اختلاف فقہا اکیلا انجام دے سکتا ہے جیسے وصیت کنندہ کی وفات کے بعد اُس کی تجہیز و تکفین۔ حقوق کے بارے میں دعویٰ۔ بچے کی ابتدائی ضروریات کو فراہم کرنا۔ امانت کو واپس کرنا۔ وصیت کو پورا کرنا۔ ایسی اشیاء کو فروخت کر دینا جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ جو مال تلف ہو رہا ہو اُس کو محفوظ رکھنے کا بندوبست کرنا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وصی مسلمان اگر مرتد ہو جائے تو اُسے فرائض سے برطرف کر دیا جائے گا یا تصرف کی قابلیت رکھتا ہو لیکن بعد میں معذور ہو جائے تو بھی برطرف کر دیا جائے گا۔

بقیہ فہرست عنوانات